مُصنِّف

حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت فیوضہم

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

فون: 4540513-4519240

Email:taleefat@mul.wol.net.pk Ishaq90@hotmail.com

الخیر الجاری

في

شرح صحیح البخاری

جلد ۱-۲-۳

تحفۃ القاری شرح بخاری

(حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

اور تقریباً ساٹھ شروحاتِ بخاری کا جامع خلاصہ

مصنف

حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت فیوضہم

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

نام کتاب..................الخیر الجاری (جدید ایڈیشن)

تاریخ اشاعت......................ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ

ناشر...... اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ ملتان

طباعت.........سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان---ادارہ اسلامیات انارکلی' لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار' لاہور---مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ' کوئٹہ---کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور---دارالاشاعت اردو بازار کراچی

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K (ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD BOLTON BLl3NE.(U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید' احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح واصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

نحمدهٗ ونصلی علٰی رسوله الکریم اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور بزرگان دین کی دعاؤں کی برکت سے ادارہ ہذا کو کئی نادر ونایاب کتب کی اشاعت کے شرف سے نوازا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیه من یشاء

زیر نظر کتاب ''الخیر الجاری'' کتب حدیث کی مستند ومعتبر کتاب صحیح البخاری کی مختصر، جامع ومکمل شرح ہے۔ ذخیرہ احادیث میں پھیلے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع کلم کی تشریح ہر دور کے ممتاز علماء نے اپنی علمی قوت کے مطابق فرمائی۔ تشریح حدیث کے باب میں بھی اللہ پاک نے امام بخاریؒ کی کتاب کو خصوصی شرف وامتیاز سے نوازا۔ ایک طرف علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی علمی قابلیت فتح الباری میں دکھائی تو دوسری طرف علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری میں تشریح احادیث کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی پر وارد شکوک وشبہات کا تسلی بخش جواب بھی دے دیا۔

الغرض مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ علماء وقت نے بخاری شریف پر تشریح احادیث، حل تراجم، حل لغات وغیرہ کے عنوانات سے کافی علمی کام کیا۔ فی الوقت ضرورت تھی کہ اردو میں مختصر ومکمل ایسی شرح منظر عام پر لائی جائے جو اپنے اختصار کے باوجود اپنے اندر علامہ عسقلانی، علامہ عینی، علامہ کشمیری ودیگر علماء کبار رحمہم اللہ کے علوم کو سمیٹے ہوئے ہو۔

اللہ پاک نے یہ علمی خدمت حضرت شیخ الحدیث مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم سے لی اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شرح اساتذہ علماء وطلباء حدیث کیلئے یکساں مفید ومعین ہے۔ (حضرت شارح کے تفصیلی حالات شروع کتاب میں ملحق ہیں فلیراجع)۔

ہماری دیرینہ خواہش تھی کہ حضرت موصوف اپنی اس علمی تصنیف کو ادارہ ہذا کی طرف سے اشاعت کی اجازت مرحمت فرمادیں تاکہ حضرت کا یہ فیض خاص حلقہ تک محدود نہ رہے۔ حضرت نے خصوصی شفقت فرماتے ہوئے نہ صرف ''الخیر الجاری'' کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ کرم بالائے کرم فرماتے ہوئے اپنی دیگر شروحات کیلئے بھی اجازت دے دی جو حضرت کے خلوص وللّٰہیت کی واضح دلیل ہے۔

الحمد للہ کتاب ھذا کا پہلا ایڈیشن جو قدیم کتابت میں تھا حلقہ عوام وخواص میں مقبول ہوا۔ کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس جدید ایڈیشن کو کمپیوٹر کتابت کرایا گیا ہے تاکہ عصر حاضر کا طبقہ بسہولت اس سے مستفید ہوسکے۔ اللہ پاک حضرت کے علوم ومعارف سے جملہ مسلمین کو متمتع فرمائے آمین۔ فجزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزا

ان شاء اللہ ادارہ حضرت کی دوسری شروحات بھی جلد منظر عام پر لارہا ہے جس کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

والسلام

محمد اسحٰق عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح حیات

شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور)
خلیفہ ارشد: عارف ربانی حضرت مولانا مفتی حسن صاحب رحمہ اللہ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور)

حضرت موصوف کی تاریخ ولادت 7 دسمبر 1933ء راجن پور

حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم کی مخلصانہ دینی خدمات پورے پاکستان میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں حضرت موصوف کو بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ تھا۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ چنانچہ جیسے ہی میٹرک سے فراغت ہوئی تو اپنے والد صاحب چوہدری محمد رمضان صاحب سے اجازت لے کر جامعہ اشرفیہ میں دینی کتب انتہائی شوق ومحنت کے ساتھ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے 1954ء میں علم دین سے فراغت پائی اور جامعہ اشرفیہ کے بانی حضرت مفتی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دستار فضیلت حاصل کی پھر ایک سال تکمیل کا لگایا اور حضرت مفتی صاحب کے حکم سے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں دو سال بڑے درجے کی کتب پڑھائیں پھر اس کے بعد تین سال ملتان مدرسہ خیر المدارس میں دورہ حدیث شریف کی کتب کے ساتھ ساتھ کتب فنون کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے لطف اندوز ہوتے رہے اس کے بعد 1960ء میں کبیر والا مدرسہ دار العلوم میں دس سال دورہ حدیث شریف، کی کتب کے ساتھ ساتھ مختلف کتب فنون پڑھاتے رہے پھر اس کے بعد 1970ء سے تا حال جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن فیروز پور روڈ لاہور میں دینی خدمات بفضلہٖ تعالیٰ سرانجام دے رہے ہیں 1988ء میں جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث مقرر کئے گئے 2001ء میں حضرت موصوف بخاری شریف وابوداؤد شریف بفضلہٖ تعالیٰ پڑھا رہے ہیں۔

حضرت موصوف کی تالیفات!

۱- حُسن المعبود فی حل سنن ابی داؤد

یہ صحاح ستہ میں سے ایک عظیم کتاب ابوداؤد کی جامع شرح ہے اردو میں جو حسن المعبود کے نام سے موسوم ہے یہ پہلے ایک ہی جلد میں مکمل مگر مختصر طبع ہوئی تھی۔ اب مفصلاً دو جلدوں میں بفضل خدا طبع ہو چکی ہے۔

۲- الخیر الجاری فی حل صحیح البخاری

یہ بخاری شریف کی شرح ہے اس کی چھ جلدیں ہیں جو آپ کے ہاتھوں میں ہیں جس کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱- محدث کبیر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اور استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ جیسی تین عظیم شخصیات کے علوم کا خلاصہ۔

۲- تقریباً ساٹھ دیگر شروحات بالخصوص تحفۃ القاری شرح بخاری غیر مطبوعہ از حضرت کاندھلوی سے استفادہ۔

۳- مذاہب کا خاص طور پر محتاط انداز سے بیان۔

۴- حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے دوران تدریس بتلائے گئے علمی فوائد پر مشتمل۔

۵- بخاری شریف کے ابواب کی اغراض (جن کی ابحاث میں بنیادی اور مرکزی حیثیت ہے) تحفۃ القاری (غیر مطبوعہ) سے ماخوذ ہیں۔
۶- شرح ہذا مصنف موصوف کے سالہا سال تدریسی تجربات، وسیع مطالعہ، علم حدیث سے خصوصی شغف کا ثمرہ ہے۔
۷- ابتداء میں علمی مقدمہ جو مبادیات و متعلقات حدیث، امام بخاریؒ کے حالات، مذہب، طرز تصنیف، افضلیۃ صحیح بخاری علی صحیح مسلم، دیگر صحاح کا طرز تالیف وغیرہ فوائد عجیبہ و نکات لطیفہ پر مشتمل ہے۔
۸- بقول مصنف یہ تصنیف نہیں بلکہ برائے تدریس قابل اعتماد معلومات کا ذخیرہ ہے۔ بخاری شریف جلد ثانی کی شرح کے لئے الخیر الجاری کی دو آخری جلدیں ہیں۔

۳- الدرس الشذی فی شرح جامع الترمذی

ترمذی شریف کی عام فہم مختصر و مکمل شرح جو کہ ادارہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

۴- تحسین المبانی

علم معانی کی عظیم کتاب مختصر المعانی کا آسان خلاصہ اردو زبان میں بصورت رسالہ مرتب فرمایا جس کو "تحسین المبانی" کے نام سے موسوم فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چھوٹا سا رسالہ پاک و ہند و دیگر ممالک میں مختصر المعانی کیلئے بہت سے طلباء کے پاس زیر مطالعہ رہتا ہے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ وہ رسالہ ہے جو حضرت موصوف کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔

۵- احسن المواعظ

یہ حضرت موصوف کے ملفوظات ہیں جن کو جمع کر کے ایک خوبصورت کتاب کی شکل میں 1992ء میں طبع کیا گیا ہے۔

۶- مسلک تھانہ بھون

اس کتاب میں حضرت موصوف نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے طویل مواعظ کے خلاصے تحریر فرمائے جن کو جمع کر کے "مسلک تھانہ بھون" کے نام سے ایک عظیم کتاب منظر عام پر آ چکی ہے نیز کچھ عرصہ بعد حصہ ثانی بھی طبع ہو کر آ جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت موصوف کی خصوصیات

۱- بچپن ہی سے دین کے ساتھ انتہائی زیادہ لگاؤ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک حضرت موصوف کے ہزاروں شاگرد علم و عمل سے سیراب ہو چکے ہیں۔
۲- حضرت موصوف کی شریعت کی پابندی پاک و ہند میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اکثر مقامات پر بڑے بڑے علماء حضرت کو اتباع سنت میں ضرب المثل بتاتے ہیں۔
۳- حضرت موصوف کی دنیا سے بے رغبتی شاید ہی کسی خطہ ارض پر مخفی ہو۔
۴- حضرت موصوف بچپن ہی میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر گناہ مجھے جہنم کی آگ نظر آتا ہے۔
۵- چنانچہ حضرت موصوف کی ذات بابرکات کروڑوں انسانوں میں سے وہ ذات ہے جس کے تمام اعمال، اقوال کے مطابق ہیں۔
۶- کسی زمانہ میں کسی جماعت نے حضرت موصوف کی مخالفت نہیں کی، تمام ہم عصر حضرت موصوف سے خوش رہے اور خوش ہیں۔
۷- حضرت والد صاحب نے باقاعدہ بخاری شریف دو دفعہ پڑھی ہے جامعہ اشرفیہ میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ سے پھر خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی۔
۸- آپ کے اساتذہ میں مذکورہ حضرات کے علاوہ حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ بھی ہیں۔
۹- حضرت موصوف کے جزوی فضائل بہت ہی زیادہ ہیں اور حضرت موصوف کی زندگی کے بہت ہی عجیب و غریب واقعات ہیں جن کو بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ حضرت موصوف کے تین بھائی ہیں مولانا انور واختر و اکرم صاحبان اور تین ہی بیٹے ہیں مولوی شفیق الرحمٰن، عتیق الرحمٰن و عبدالرحمٰن۔ اس وقت راقم عتیق الرحمٰن ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کے ساتھ ساتھ اس خاندان پر بھی نظر رحمت فرمادیں۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

چند اہم ابواب کی فہرست

جلد اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد الله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وعلى اله واصحابه واتباعه اجمعين اما بعد: مولائے کریم کے محض فضل وکرم سے بلا استحقاق اس خادم کو بہت ہمت ہورہی ہے کہ بخاری شریف کی اپنی تقریر کو جوتقریباً ساٹھ شروح حواشی اور تقاریر اساتذہ وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے احقر خود مرتب کر کے آسان اردو عبارت میں اپنے احباب کی خدمت میں پیش کردے تا کہ اردو دان پڑھنے پڑھانے والوں کو آسانی ہوجائے اس کا نام اپنے تعلیمی مربی، مشکوٰۃ شریف، بخاری شریف اور فنون کے استاذ اور عظیم محسن حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام پر الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری رکھا ہے اور حضرت موصوف سے حضرت کے وصال سے تقریباً چھ سال پہلے اس کا نام رکھنے کی اجازت بھی لے لی تھی یا اللہ اخلاص اور ہمت سے صحیح لکھنے کی توفیق نصیب فرما اور محض اپنے فضل وکرم سے نافع للمؤلف والناظرین بنا اور ہم سب کو نجات بلا عذاب کا ذریعہ بنا اور ہم سب کو اخلاص پر اخیر دم تک قائم رہنے کی توفیق نصیب فرما۔

مری انتہائی تمنا یہی ہے بلا کچھ پٹائی ہی مل جائے جنت
نہیں اس کے لائق یہ میں جانتا ہوں مگر آگ سہنے کی ہمت نہ طاقت
دعا خود یہ میں نے بنائی نہیں ہے مرے تھانویؒ شیخ کی ہے ہدایت
الٰہی دکھاوے سے مجھ کو بچالے تباہ ہو رہی ہے اسی میں یہ امت

آمین یا رب العالمین صلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه

محمد واله واصحابه واتباعه اجمعین

مقدمہ

اس میں تین قسم کے مبادی ہیں

ا:۔ہر عمل کے مبادی ۲:۔علم حدیث کے مبادی
۳:۔صحیح بخاری کے مبادی

ہر عمل کے مبادی

(ا) ...... **انما الاعمال بالنیات** (النسائی) عمل تین قسم کے ہیں ایک گناہ یہ ایسے کہ جنگل سے اپنا ٹرنک بھرلیا گھر روشنی میں آ کر کھولا تو سانپ اور بچھو نکلے ان گناہوں کا کرنا انسانیت ہی کے خلاف ہے اس لئے چھوڑنا ضروری ہے۔

دوسری قسم مباحات جیسے قیمتی پتھر سمجھ کر جنگل سے اندھیرے میں ٹرنک بھرلایا گھر آ کر دیکھا تو معمولی اینٹ اور پتھر نکلے۔

تیسری قسم مستحسنات کہ گھر آ کر دیکھا تو واقعی ہیرے جواہرات نکلے۔ تیسری قسم میں اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کی یا جنت حاصل کرنے کی یا عذاب سے بچنے کی نیت نہ ہو بلکہ دنیا میں نام روشن کرنے کی ہو تو عذاب کا ذریعہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ قیامت میں ایک عالم ایک سخی اور ایک مجاہد کو لایا جائے گا کہ ہماری نعمتیں کہاں خرچ کیں کہے گا آپ کی رضا میں فرمائیں گے لابل **لیقال انک قاری عالم** سخی کے متعلق ہے جواد مجاہد کے متعلق ہے جری تینوں کو فرمائیں گے فقد قیل اور دوزخ میں ڈال دیں گے دوسری قسم میں عبادت کی تیاری کی ہمیشہ نیت ہونی چاہیے تاکہ چوبیس گھنٹے عبادت میں گزریں اور اینٹ پتھر جیسے مباحات ایسا سونا بن جائیں جو دنیا اور آخرت دونوں میں کام آئیں دنیا میں قلبی سکون ہو اور آخرت میں نجات و جنت ملے۔

(۲) ...... **ان خیر من استاجرت القوی الامین** اس آیت سے ثابت ہوا کہ کام کرنے والا قوی ہو مثلاً دورہ حدیث پڑھنے والا اگر متوسط ذہین ہو تو محنت کر کے جماعت کے ساتھ چلے جیسے کچھوا چلتا رہا تو سو جانے والے خرگوش سے دوڑ میں آگے نکل گیا اور اگر اعلیٰ درجہ کا ذہین ہو تو بطور شکر زیادہ محنت کرے اور اختیاری قوت بھی ہو یعنی جن کتابوں پر دورہ سمجھنا موقوف ہے وہ پڑھا ہوا ہو۔ امین بھی ہو کہ طالب علم ضروریات دین کا پابند ہو۔

(۳) ...... **اسباب وآلات** وہ آج کل مدارس والے مہیا کر دیتے ہیں طلبہ کا کام یہ ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں کہ مدرسہ والے وہ اسباب وآلات ختم کر دیں اور مدرسہ سے اخراج کر دیں۔

(۴) ...... **کام کرنے کا طریقہ مناسب ہو** مثلاً صحیح بخاری پڑھنے میں نہ ناغہ ہو نہ دیر سے آئیں نہ بے توجہی کریں پڑھ کر یاد بھی کریں اور اگلے دن سنا دیں پھر حدیث کی تدریس کی تین طرز ہیں ایک املا کرانا تاکہ کوئی لفظ نہ رہ جائے دوسرے تیز روانگی سے تقریر تاکہ زیادہ مسائل بیان کئے جاسکیں تیسرا جو احقر کا بھی طرز ہے کہ املاء تو نہ ہو لیکن روانگی سے آہستہ اور تکرار کے ساتھ تقریر ہو کہ تسلسل باقی رہے اور کوئی خلاصہ لکھنا چاہے تو لکھ سکے۔

علم حدیث کے مبادی تعریف الحدیث

الحدیث هو قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفعله وتقریره تقریر کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام ہوا ہو اور آپ نے انکار نہ فرمایا ہو تو یہ اس کام کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

وجہ تسمیہ حدیث بمعنی حادث بمقابلہ قدیم کہ قرآن پاک قدیم ہے اس کے مقابلہ میں حدیث حادث ہے۔ ۲۔ سورہ ضحیٰ میں پہلا انعام کہ یتیمی میں ہم نے ٹھکانہ دیا اس پر متفرع ہے کہ آپ یتیم پر سختی نہ کریں تیسرا انعام کہ تنگ دست پایا غنی بنایا مگر آپ سخی بھی تھے اس لئے جلدی خیرات فرما دینے کی وجہ سے بعض تین

تین دن آپ کے گھر میں چولہے میں آگ نہ جلتی تھی یا نفس کی غنا مراد ہے اس انعام پر حکم ہے کہ آپ بھی سائل کو نہ ڈانٹیں وہ سائل سے مراد ہے جس کے پاس ایک دن رات کا خرچ نہ ہوا اور اتنا ہی لے کر مانگنا بند کردے پیشہ ور سائل کو دینا جائز نہیں جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ ہے (رح) کو رحمہ اللہ تعالیٰ اور (رض) کو رضی اللہ تعالیٰ پڑھیں درمیان میں دوسرے انعام پر یہ حکم دیا کہ ہم نے آپ کو ضال یعنی خالی عن الشرائع اللتی لا تستبدالعقول بد رکھا پایا ہدایت دی آپ ہماری دی ہوئی علم کی نعمت کو آگے بیان کریں یہ آپ کا بیان کرنا حدیث ہے اس کو محدث کے لفظ سے ذکر فرمایا اس لئے آپ کے بیان کو حدیث کہتے ہیں۔

تعریف علم الحدیث

هو علم يعرف به اقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم وافعاله وتقريراته.

موضوعہ ذات رسول الله صلى الله عليه وسلم من حيث هو رسول الله صلى الله عليه وسلم.

غرضہ معرفة العقائد والا خلاق والا حكام الفرعية لرضاء الله تعالىٰ.

ضرورۃ الحدیث واسبغ عليكم نعمه ظاهرة وباطنة. ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے جن عقائد واخلاق واعمال واقوال کی ضرورۃ ہے وہ حدیث ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

فضیلۃ علم الحدیث

۱۔ دس علوم جو دین میں مقصود ہیں۔ تفسیر۔ حدیث۔ عقائد۔ اخلاق۔ اصول فقہ۔ فقہ۔ تجوید۔ اختلاف قرأت۔ رسم الخط۔ علم الوقف والابتداء کہ کہاں ٹھہریں اور کہاں سے پھر شروع کریں ان سب علوم کا سرچشمہ حدیث اور علم حدیث ہے۔ (۲)۔ حدیث شریف میں ہے نضراء الله امرء سمع مقالتى فوعاهافا داها كما سمع حدیث پڑھنے پڑھانے والے کو یہ دعاء مل جاتی ہے۔ (۳)۔ بار بار درود شریف پڑھنے کی وجہ سے درود شریف کے فضائل مل جاتے ہیں۔

درجہ علم حدیث ایک قول یہ ہے کہ علم تفسیر علم حدیث سے افضل ہے کیونکہ اس کا تعلق کلام اللہ سے ہے دوسرا قول یہ ہے کہ علم حدیث افضل ہے کیونکہ ۱۔ علم تفسیر اس کا حصہ ہے۔ ۲۔ علم حدیث کا موضوع ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم تفسیر کے موضوع اللہ تعالیٰ کی کلام لفظی سے افضل ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی کلام نفسی (جیسے کوئی وعظ کرنے سے پہلے دل میں مضمون سوچتا ہے) پوری مخلوق سے افضل ہے لیکن وہ علم تفسیر کا موضوع نہیں ہے۔

ضبط حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اختلاف ہوا بعض نے حدیث لکھنے کو ناجائز فرمایا کیونکہ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث مرفوع میں ہے لاتكتبوا عنى شيئا ومن كتب عنى شيئا فليمحه' اور بعض نے جائز قرار دیا کیونکہ ۱۔ حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم انا نسمع منك اشياء افنكتبها قال اكتبوا ذلك ولا حرج. (۲)۔ ابو شاہؓ کی درخواست پر اپنے خطبہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اكتبوا لا بى شاه پھر جواز بلکہ استحباب پر اجماع ہو گیا اور ممانعت (۱) اس زمانہ پر محمول کی گئی جبکہ ابھی قرآن وحدیث میں فرق پورا ذہن نشین نہ ہوا تھا کہ شاید دونوں کے لکھنے سے خلط ہوجائے بعد میں اجازت دیدی گئی۔ ۲۔ قوی حافظہ والوں کو لکھنے سے منع کیا گیا کہ ضبط بالصدر یعنی حفظ کرنے میں سستی نہ ہوجائے۔

آداب طلب الحدیث

۱- باوضو سبق پڑھنا۔

۲- نیت رضائے حق تعالیٰ کی رکھنا۔

۳- پوچھنے سے شرم نہ کرے۔
۴- محنت کے باوجود بھروسہ اللہ تعالیٰ کی عطاء پر کرے۔
۵- ہر نام ادب سے لے اللہ تعالیٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ زندہ اکابر مدظلہم کہے۔

الحدیث بالمعنی الاعم

هوقول النبی صلی الله علیه وسلم وفعله و تقریره وقول الصحابی رضی الله عنه و فعله و تقریره وقول التابعی رحمه الله تعالیٰ و فعله وتقریره پہلی تین قسموں کو مرفوع دوسری تین کوموقوف اور تیسری تین کومقطوع کہتے ہیں۔

تقسیم الحدیث باعتبار المخالفۃ

۱۔ اگر ضعیف راوی چند ثقہ راویوں کی مخالفت کرے تو اس ضعیف کی روایت کو منکر اور چند ثقہ راویوں کی روایت کو معروف کہتے ہیں اور اگر ایک ثقہ راوی چند ثقات کی مخالفت کرے تو اس ایک راوی کی روایت کو شاذ اور اس کے مقابلہ میں چند ثقات کی روایت کو محفوظ کہتے ہیں۔

تقسیم الحدیث باعتبار صفات الرواۃ

۱۔ **الصحیح لذاته هو ماثبت بنقل کامل العدالة تام الضبط غیر معلل ولاشاذ** (معلل اس حدیث کو کہتے ہیں جو اصول ثابتہ فی الدین کے خلاف ہو) ۲۔ **الحسن لذاته هو ماثبت بنقل کامل العدالة ناقص الضبط غیر معلل ولاشاذ.** ۳. **الحدیث الضعیف مافقدفیه جمیع شروط الصحیح او بعض شروطه** ۴. **الصحیح لغیره هوالحسن لذاته اذا انجبرالنقصان بتعددالطرق.** ۵. **الحسن لغیره هوالحدیث الضعیف اذا انجبر الضعف بتعددالطرق.**

تقسیم الحدیث باعتبار ذکر الرواۃ:

سب راوی مذکور ہونگے یا نہ اگر سب مذکور ہوں تو متصل اور مسند ورنہ اگر شروع سے راوی چھوٹے ہوں تو تعلیق اور معلق اور اگر اخیر سے چھوٹے ہوں تو مرسل اور درمیان سے متروک ہوں تو دو یا زائد اکٹھے متروک ہوں تو معضل ہے ورنہ صرف ایک متروک ہو یا زائد متروک ہوں لیکن فاصلہ سے تو منقطع کہتے ہیں۔

تقسیم الحدیث باعتبار عدد الرواۃ

ایک قول میں تین قسمیں ہیں ۱۔ متواتر کہ ہر زمانہ میں نقل کرنے والے اتنے زیادہ ہوں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عند العقل محال ہو۔ ۲۔ مشہور کہ صحابہؓ تو کم ہوں پھر ہر زمانہ میں نقل کرنے والے اتنے زیادہ ہوں ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عند العقل محال ہو۔ ۳۔ خبر واحد جو درجہ شہرت سے کم ہو، دوسرے قول میں چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ متواتر جس کے راوی کسی زمانہ میں چار سے کم نہ ہوں۔ ۲۔ مشہور جس کے راوی بعض زمانوں میں تین باقی میں تین یا زائد ہوں۔ ۳۔ عزیز جس کے راوی بعض زمانوں میں دو باقی میں دو یا زائد ہوں۔ ۴۔ غریب جس کے راوی سب یا بعض زمانوں میں ایک ایک ہوں۔

تقسیم الحدیث باعتبار المتن

بارہ قسمیں ہیں کیونکہ متن یا قول ہوگا یا فعل یا تقریر تین قسمیں ہوئیں ہر ایک یا نبوت سے پہلے کا ہوگا یا بعد کا چھ قسم پھر ہر ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہوگی یا نہ بارہ ہوگئیں۔

انواع التواتر

۱۔ تواتر الاسناد کہ بہت سی سندیں ہوں کہ ان کا مجموعہ تواتر کا سبب ہو جیسے علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ **من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار** دوسو صحابہ سے منقول ہے اس لئے متواتر ہے۔ ۲۔ تواتر الطبقۃ کہ نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان کو گناہی نہ جا سکے جیسے قرآن پاک نقل ہوا۔ ۳۔ تواتر العمل و التوارث کہ عملاً تواتر ہو جیسے نمازوں کا پانچ ہونا۔ ۴۔ تواتر القدر المشترک کہ مختلف الفاظ ہوں لیکن کوئی ایک بات سب روایات میں

ہو جو تواتر تک پہنچ گئی ہو جیسے پانی زیادہ ہو جانے کا معجزہ۔

طبقات کتب الحدیث

۱۔ابتداء قرن ثانی جس میں ابن شہاب (متوفی ۱۲۵ھ) اور ابن حزم (متوفی ۱۳۰ھ) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے پہلی بار کتاب کی شکل میں احادیث کو جمع فرمایا دونوں میں سے راجح یہ ہے کہ ابن شہاب نے پہلے کتاب لکھی۔۲۔قرن ثانی کا وسط اس میں ابن جریر و ہشیم و مالک و معمر و عبداللہ بن المبارک نے ابواب قائم کر کے کتابیں مرتب فرمائیں ان میں سے مقدم کی تعیین مشکل ہے۔۳۔ابتداء قرن ثالث اس میں بہت بڑی بڑی کتابیں امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے لکھیں۔۴۔قرن ثالث کا وسط اس میں صرف مرفوع احادیث کی کتابیں مرتب کی گئیں پھر بعض نے مرفوع میں سے صرف صحیح لیں جیسے امام بخاریؒ و مسلمؒ اور بعض نے حسن اور کہیں کہیں ضعیف بھی لے لیں جیسے امام ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ۔۵۔متاخرین کا طبقہ اس میں بلا سند احادیث جمع کی گئیں مع الحوالہ جیسے مشکوٰۃ اور بلا حوالہ جیسے مصابیح کہ اصل کتابوں سے آسانی سے مل سکتی ہیں۔علامہ سیوطیؒ نے پانچ طبقوں میں سے تین کو اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

اول جامع الحدیث والاثر　　ابن شہاب آمرلہ عمر
اول جامع اللابواب　　جماعة فی العصر ذو اقتراب
کابن جریر و ہشیم مالک　　ومعمر وولد المبارک
واول جامع بالاقتصار　　علی الصحیح فقط البخاری

طریق تقویۃ الحدیث

اس میں چند اصطلاحیں ہیں۔۱۔الاعتبار طلب ما یؤید الحدیث۔
۲۔المتابع وہ دوسری حدیث جو پہلی حدیث والے صحابی ہی سے منقول ہو اور پہلی حدیث کی تائید کرے پھر اگر الفاظ وہی ہوں تو کہتے ہیں ہذا مثلہ ورنہ ہذا نحوہ اور اگر صحابی بدل گیا ہو تو شاہد کہتے ہیں وہی الفاظ ہوں تو شاہد فی اللفظ ورنہ شاہد فی المعنیٰ۔

طبقات المحدثین

۱۔جو سند کے ساتھ ایک حدیث بھی بیان کر دے اس کو مسند کہتے ہیں۔۲۔محدث عند المتاخرین جو حدیث کے معنیٰ بیان کرنے میں مشہور ہو۔۳۔الحافظ اور وہی محدث عند المتقدمین ہے کہ جس کو ایک لاکھ احادیث مع الاسانید یاد ہوں۔۴۔الحجۃ جس کو تین لاکھ احادیث مع الاسانید یاد ہوں۔۵۔حاکم جس کو سب احادیث مع الاسانید و احوال رواۃ یاد ہوں اور وہ جرح و تعدیل کا بھی ماہر ہو۔

قوۃ سند کے لحاظ سے صحاح ستہ کے مراتب

سب سے اعلیٰ بخاری شریف پھر مسلم شریف پھر ابوداؤد پھر نسائی پھر ترمذی پھر ابن ماجہ اور بعض نے نسائی کو ابوداؤد سے پہلے شمار کیا ہے۔

یکے بعد دیگرے پڑھنے کیلئے صحاح ستہ کی ترتیب

۱۔ترمذی تاکہ مذاہب فقہاء معلوم ہوں۔۲۔ابوداؤد تاکہ دلائل معلوم ہوں۔۳۔بخاری تاکہ باریک اجتہادات معلوم ہوں۔۴۔مسلم تاکہ ایک حدیث کی مختلف سندیں یکجا مل جائیں۔۵۔نسائی تاکہ سندوں کا اختلاف معلوم ہو۔۶۔ابن ماجہ تاکہ زائد احادیث معلوم ہوں۔

انواع کتب حدیث

۱۔جامع جس میں آٹھوں قسم کی حدیثیں ہوں۔
سیر۔آداب و تفسیر و عقائد۔فتن۔احکام و اشراط و مناقب۔
جیسے بخاری اور محدثین کے مسلم کے بارے میں دو قول ہیں بعض نے جامع شمار کیا ہے اور بعض نے تفسیر کی احادیث کے بہت کم ہونے کی وجہ سے جامع شمار نہیں کیا۔ترمذی بھی جامع ہے۔
۲۔سنن جس میں ابواب فقہ کے طرز پر احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے سنن ابی داؤد اور سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔
۳۔مسند جس میں ایک صحابی کی پھر دوسرے پھر تیسرے کی احادیث جمع کی ہوں جیسے مسند احمد۔
۴۔معجم جس میں مصنف نے اپنے ایک استاد کی پھر دوسرے

کی پھر تیسرے کی احادیث جمع کی ہوں جیسے معجم طبرانی۔

۵۔جزء جس میں ایک مسئلہ کی احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے جزءالقراۃ للبخاری۔

۶۔فرد جس میں صرف ایک راوی کی احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے بعض حضرات نے مفردات ابی ہریرہ کے نام سے احادیث جمع کی ہیں۔

طبقات الرواۃ

۱۔کامل العدالۃ کامل الضبط کثیر الملازمۃ

۲۔کامل العدالۃ ناقص الضبط قلیل الملازمۃ۔

۳۔کثیر الملازمۃ مورد الجرح۔

۴۔قلیل الملازمۃ مورد الجرح۔

۵۔ضعفاء ومجہولین۔

شروط الصحاح الستہ

امام بخاری نے پہلے طبقہ سے اور دوسرے طبقہ کے منتخب راویوں سے روایتیں لی ہیں۔ امام مسلم نے پہلے دو سے بلا انتخاب تیسرے طبقہ سے بعد الانتخاب روایات لی ہیں۔امام نسائی نے پہلے تینوں طبقوں سے روایات لی ہیں امام ابوداود نے پہلے تین سے اور چوتھے کے منتخب رواۃ سے لی ہیں۔امام ترمذی نے پہلے چار سے لی ہیں اور ایک قول میں پانچویں طبقہ سے بھی کہیں کہیں روایت لے لی ہے اور امام ابن ماجہ نے تائید کے درجہ میں طبقہ خامسہ سے بھی روایت لی ہیں۔

شروط التحمل والاداء

تحمل یعنی حدیث حاصل کرنے میں بالاتفاق نہ ایمان شرط ہے نہ بلوغ عمر کے لحاظ سے تین قول ہیں۔

۱۔چارسال

۲۔پانچ سال

۳۔سمجھ ہو گو چار سال سے بھی کم عمر ہو اور اداء حدیث یعنی آگے بیان کرنے کیلئے بالاتفاق عاقل بالغ مومن ہونا ضروری ہے۔

الفرق بین حدثنا واخبرنا

استاد حدیث سنائے تو حدثنا کہتے ہیں۔شاگرد پڑھے استاد سنے تو اخبرنا پھر۔

۱۔بعض کے نزدیک دونوں برابر

۲۔حدثنا افضل کہ عبارت میں غلطی نہ ہوگی۔

۳۔اخبرنا افضل کہ شاگرد توجہ سے بیٹھے گا۔

طرق التحمل

۱۔السماع من الشیخ حدثنا والی صورت

۲۔القرأۃ علی الشیخ اخبرنا والی صورت

۳۔الاجازہ خواہ اجازت المعین للمعین ہو کہ فلاں کو میری فلاں حدیث بیان کرنے کی اجازت ہے یا اجازۃ المعین لغیر المعین جیسے آج کل مدارس میں سند دی جاتی ہے کہ فلاں کو سب حدیثیں پڑھانے کی اجازت ہے یا اجازت الغیر المعین لغیر المعین کہ سب کو سب حدیثیں پڑھانے کی کوئی اجازت دے دے۔

۴۔المراسلہ آدمی بھیجے کہ فلاں سے کہہ دو کہ تمہیں میری فلاں حدیث یا سب حدیثیں پڑھانے کی اجازت ہے۔

۵۔المکاتبہ کہ کوئی محدث ایک یا زیادہ حدیثیں لکھ کر کسی کی طرف بھیج دے پھر اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ صریح اجازت بھی لکھے گا تو آگے بیان کر سکتا ہے ورنہ نہیں دوسرا قول کہ صریح اجازت ضروری نہیں۔

۶۔المناولہ لکھی ہوئی حدیثیں کسی کے ہاتھ میں دینا اس میں بھی وہی دو قول ہیں جو المکاتبہ میں گذرے۔

۷۔الاعلام یہ کہنا کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے اس میں بالاتفاق اجازت دینا شرط ہے۔

۸۔الوجادہ کہ کسی محدث کی لکھی ہوئی ایک یا زیادہ حدیثیں مل گئیں اس میں یہ نہیں کہہ سکتا حدثنا فلاں بلکہ یہ کہہ سکتا ہے وجدت فی قرطاس فلان کذا۔

حجیت حدیث

جب لوگ پہلے دینوں کو بدل دیتے تھے تو نیا نبی آجاتا تھا اب نیا نبی نہ آنا تھا تو خود وعدہ فرمالیا۔انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون ایک دفعہ عیسائی پادریوں نے اعتراض کردیا کہ ذکر کا لفظ تو انجیل کو بھی شامل ہے۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جواب دیا کہ نزلنا باب تفعیل سے ہے جس میں خاصہ تدریج کا ہے قرآن کے سوا باقی سب کتابیں اکٹھی اتاری گئی ہیں۔صرف قرآن آہستہ آہستہ ۲۳ سال میں اترا اس لئے وہی اس میں داخل ہے پھر حفاظت کے دوطریقے ہیں۔

۱-حراست بالاشخاص

۲-قوۃ شی یہاں دونوں اختیار فرمائے اشخاص یوں مقرر فرمائے کہ حدیث میں ہے۔ان الله یبعث لهذه الامة علی راس کل مائة سنة من یجدد لها دینها کہ ہر صدی کے کنارے پر ایسے مجدد پیدا فرمائیں گے جو دھوبی کی طرح دین کی بدعات کا میل کچیل اتار کر نئے کپڑے جیسا صاف بنادیں گے یہ بھی حدیث میں ہے کہ لایزال من امتی امة قائمة بامر الله لایضرهم من خذلهم کہ ہمیشہ اہل حق رہیں گے دوسرا طریقہ خود دین کو مضبوط بنا کر اختیار فرمایا کہ دو مضبوط ستونوں پر بنیاد رکھ دی جو انتہائی قوی ہیں قرآن کو حدیث منکر حدیث حقیقت میں منکر دین ہے۔نفس حجیۃ میں قرآن وحدیث دونوں برابر ہیں اگر کمی آتی ہے تو بعض حدیثوں کی سند کی وجہ سے ہے۔اس کے مناسب خبر واحد یا خبر غریب کا درجہ کچھ کم ہو جاتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ حدیث حجت ہی نہیں مذکورہ تفصیل کے علاوہ ہمارے پاس کئی قسم کے دلائل حجیۃ حدیث کے موجود ہیں مثلاً

ایک نوع:۔بے شمار آیات ہیں مثلاً

۱ – **من یطع الرسول فقد اطاع الله**

۲ – **استجیبو لله وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم**

۳– **وماکان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله و رسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم**

۴– **وماینطق عن الهوی ان هوالا وحی یوحیٰ**

۵ – **واطیعوا الله واطیعوا الرسول .**

دوسری نوع:۔یہ کہ حدیث تفسیر قرآن ہے۔

۱-قرآن کے معجزہ ہونے کی یہ صورت بھی ہے کہ ایک ایک آیت کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں ان میں سے کس کس معنی کو لینا ضروری ہے یہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ نے بذریعہ حدیث بتلایا ہے۔

۲-حق تعالیٰ کی غیر محدود ذات کی کلام کو محدود علم وفہم والا انسان اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک اس غیر محدود سے بہت قوی تعلق رکھنے والی ذات نہ سمجھائے وہ نبی کی ذات ہی ہوسکتی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳-ہر کلام کسی نہ کسی کیفیت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے اہل ادب کی کلام ادب شناس ہی سمجھ سکتا ہے شاعر کی کلام شعر شناس ہی سمجھ سکتا ہے ایسے ہی رب العالمین کی کلام رب شناس ہی سمجھ سکتا ہے۔

۴-قانون کی کتاب حکومت کے مقرر کردہ جج کے سوا کسی کی تفسیر کے مطابق قابل عمل نہیں ہوتی۔قرآن پاک قانون کی کتاب ہے۔

۵-طب کی کتاب کو ماہر طبیب ہی سمجھ کر استعمال کرسکتا ہے قرآن پاک طب روحانی ہے۔

۶-**ان علینا جمعه و قرانه فاذاقرأناه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه.** یہ بیان حدیث ہے کیونکہ سینہ میں جمع ہونا اور زبان پر جاری ہونا اس سے پہلے مذکور ہے۔

۷-**وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم**

۸-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیات کی وضاحت بلاسوچے بیان فرماتے تھے جو علامت تھی کہ وضاحت حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

سوال:۔بعض احادیث کا کسی خاص آیت سے ربط نہیں ہوتا وہ کیسے تفسیر قرآن بنیں گی۔جواب:۔عبداللہ بن مسعودؓ نے

ایک بڑھیا سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس عورت پر لعنت کی ہے جو بدن میں سیاہی سے نقش ونگار بناتی ہے بڑھیا نے کہا کہ قرآن میں تو یہ نہیں ہے فرمایا کہ **وماآتکم الرسول فخذوہ و مانھاکم عنہ فانتھوا** میں سب حدیثیں داخل ہیں اور حدیث میں مذکورہ عورت پر لعنت ہے امام شافعی نے فرمایا کہ زنبور کو حرم میں مارنا ناجائز ہے۔ اور یہ مسئلہ قرآن پاک کا ہے اس طرح کہ قرآن میں ہے کہ **وماآتکم الرسول الایۃ** اور حدیث میں ہے **اقتدوابالذین من بعدی ابی بکر و عمر** اور حضرت عمر کا فرمان ہے **یقتل الزنبور فی الحرم**۔

تیسری نوع:۔ ہر ہر نوع کے الگ الگ دلائل مثلاً متواتر حدیث کا انکار قرآن پاک کا انکار ہے کہ قرآن پاک خود ایک بڑی حدیث متواتر ہے۔ ۲- مشہور **اذارسلنا الیھم اثنین فکذبو ھما فعزز نابثالث** کہ تیسرے آدمی سے ہم نے قوت دی معلوم ہوا کہ تین کی خبر جس کو ایک قول میں مشہور کہتے قوی ہوتی ہے۔ ۳- عزیز **واستشھدوا شھیدین من رجالکم** جب دو کی گواہی معتبر ہے تو خبر بطریق اولیٰ معتبر ہے کیونکہ گواہی ہمیشہ الزام علی الغیر قائم کرتی ہے خبر کبھی الزام قائم کرتی ہے کبھی نہیں۔ ۴- خبر واحد: سب دینوں کا مدار جبریل پر ہے جو خبر واحد ہے۔

سوال:۔ وہ تو فرشتہ ہیں جواب:۔ انسانیت اور فرشتہ ہونے کا فرق ایسا ہی ہے جیسے کوفی اور بصری ہونے کا فرق ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم بھی ایسے انسانوں کی روایت لیتے ہیں جو عدالت اور ضبط میں فرشتوں کی طرح قوی ہوتے ہیں۔ ۲- اکثر نبی اکیلے اکیلے آئے اس لحاظ سے بھی اکثر ادیان کا مدار خبر واحد پر ہے۔ ۳- **وجاء رجل من اقصی المدینۃ یسعی** موسیٰ علیہ السلام نے ایک کی خبر مان لی۔ ۴- **ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا** کہ فاسق کی خبر بھی فوراً رد نہ کرو بلکہ تحقیق کرو اگر مؤید مل جائے تو مان لو تو عادل کی کیوں نہ مانی جائے گی۔ اگر تین قسموں والا قول لیں مشہور متواتر خبر واحد ہو مشہور کی دلیل متواتر اور خبر واحد کی دلیلوں سے مل کر بن جائے گی کیونکہ اس قول پر مشہور شروع میں خبر واحد اور بعد میں متواتر ہے۔ **بخاری شریف کے مبادی ترجمۃ المصنف:۔** آپ کی رکنیت ابوعبداللہ ہے آپ کا نام محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرۃ من بردزبہ ہے اس آخری دادا کے نام بردزبہ کے معنی کاشتکار کے ہیں یہ مجوسی مذہب پر فوت ہوئے حضرت مغیرہ اپنے شہر بخاریٰ کے والی ایمان جعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اسی لئے امام بخاری کو جعفی بھی رکھتے ہیں یعنی حضرت یمان جعفی کے مولائے موالاۃ ہیں جس کے ہاتھ پر کوئی کافر مسلمان ہو جائے اور ان دونوں میں **عقد موالاۃ** ہو جائے کہ زندگی میں ایک دوسرے کی امداد کریں گے اور مرنے کے بعد ایک دوسرے کے وارث بن جائیں گے تو ان دونوں کو ایک دوسرے کا **مولیٰ موالاۃ** کہتے ہیں امام بخاری کے دادا حضرت ابراہیم کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں **اما ابراھیم فلم نقف علی شی من اخبارہ** انتھی امام بخاری کے والد ماجد حضرت اسمٰعیل اپنے زمانہ کے عالم باعمل حضرات میں سے تھے اور تقویٰ کا یہ حال تھا کہ حضرت اسمٰعیل نے اپنی وفات کے وقت فرمایا **لا اعلم فی جمیع ما لی درھما من شبھۃ** امام بخاری کی ولادت بخاری شہر میں ۱۳ شوال ۱۶۸ھ بروز جمعۃ المبارک نماز جمعہ کے بعد ہوئی اور وفات یکم شوال ۲۵۶ بروز ہفتہ عید الفطر کی رات خرتنگ بستی میں ہوئی جو سمرقند سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ہے اور کوئی نرینہ اولاد نہ چھوڑی۔ اس خرتنگ بستی کا اصل نام تو کچھ اور تھا لیکن امام بخاری کی وفات کے وقت بہت زیادہ لوگ سمرقند سے اس بستی میں جنازہ میں شریک ہونے کے لئے آنا چاہتے تھے اس لئے گدھے کی سواری بہت مہنگی ہوگئی اس لئے بستی کا نام ہی خرتنگ ہو گیا کہ ایسی بستی جہاں جانے کے لئے گدھے تلاش کرنے میں تنگی پیش آ رہی تھی پھر جب امام بخاری کو دفن کر دیا گیا تو آپ کی قبر مبارک سے بہت عمدہ خوشبو آنی شروع ہوگئی اسی خوشبو کی وجہ سے لوگوں نے قبر

مبارک کی مٹی اٹھانی شروع کر دی تھی کہ منتظمین نے تنگ آ کر وہاں لکڑیاں گاڑ دیں تاکہ لوگ مٹی نہ اٹھا سکیں امام بخاری کی وفات سے چندروز پہلے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ محمد بن اسماعیل کا انتظار کر رہے ہیں۔ رات کے جس حصہ میں خواب دیکھا بعینہ اسی حصہ میں چند دن کے بعد امام بخاری وفات پا گئے۔ امام بخاری کی ولادت' وفات اور عمر یاد کرنے کے لئے یہ دو شعر یاد کر لینے کافی ہیں ۔

کان البخاریُ حافظا و محدّثا
جمع الصحیح مکمّل التحریر
میلادہ صدق و مدة عمرہ
فیھا حمید وانقضی فی نور

تاریخ نکالنے کیلئے اِس نقشہ کو ذہن میں رکھ لینا کافی ہوتا ہے

اَبْجَدْ	هَوَّزْ	حُطِّیْ	کَلِمَنْ
۱ ۲ ۳ ۴	۵ ۶ ۷	۸ ۹ ۱۰	۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰
سَعْفَصْ	قَرِشَتْ	ثَخَّذْ	ضَظَّغْ
۶۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰	۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰	۵۰۰ ۶۰۰ ۷۰۰	۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰

مدق میں ص کے ۹۰ د کے چار ق کے ۱۰۰ کل ۱۹۴

حمید میں ح کے ۸ م کے ۴۰ ی کے ۱۰ اد کے ۴ کل ۶۲

نور میں ن کے ۵۰ و کے ۶ ر کے ۲۰۰ کل ۲۵۶

امام بخاری نے صحیح بخاری سولہ سال کے طویل عرصہ میں بہت محنت سے تالیف فرمائی پھر اس بارے میں کہ کہاں تصنیف فرمائی مختلف قول و اشارات ہیں کیونکہ خود امام بخاری کا قول منقول ہے کہ فرمایا **صنفت فی المسجد الحرام و ما ادخلت فیه حدیثا الابعد نا استخرت وصلیت رکعتین و تیقنت صحة** اور شہر بخاری میں تصنیف فرمانا بھی منقول ہے اور مدینہ منورہ اور بصرہ میں بھی تصنیف فرمانا منقول ہے کیونکہ یوں منقول ہے کہ انہوں نے پانچ سال بصرہ میں قیام فرمایا جس میں تصنیف بھی فرماتے تھے اور ہر سال حج بھی فرماتے تھے ان سب روایات واقوال میں تطبیق یہ ہے کہ ان سب جگہوں پر آپ نے تھوڑی تھوڑی تصنیف فرمائی۔ پھر امام بخاری کے مناقب میں سے یہ بھی ہے کہ ان کا اپنا ارشاد ہے **لایکون المحدث محدثا** کا ملا حتیٰ **یکتب عمن ھو فوقه وعمن ھو مثله وعمن دونه** اس ارشاد پر خود بھی امام بخاری نے پورا پورا عمل کر کے دکھایا۔ آپ کے مناقب میں سے یہ بھی ہے کہ رمضان المبارک میں ہر روز ایک ختم قرآن فرما لیتے تھے اور اس کے علاوہ تراویح کے بعد بھی اتنا قرآن پاک پڑھتے تھے کہ تین دن میں ایک قرآن ختم ہو جاتا تھا گویا تقریباً چالیس قرآن پاک ایک رمضان المبارک میں ختم فرما لیتے تھے۔ آپ۔ کے مناقب میں منقول ہے کہ ایک دفعہ ظہر کے فرض پڑھ کر ایک باغ میں دو سنت پڑھنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ ایک زنبور (بھڑ) نے ۱۶' ۱۷ جگہ کاٹ لیا۔ کسی نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں ہونے دیا جلدی کیوں نہ نماز ختم کی تو فرمایا کہ میں نے ایک صورت شروع کر لی تھی میں نے پسند کیا کہ اس کو پورا کرلوں۔ آپ کے مناقب میں سے ہے کہ حضرت محمد بن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ امام بخاری نبی کریم ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں جس جگہ سے نبی کریم ﷺ قدم مبارک اٹھاتے ہیں بالکل اسی جگہ امام بخاری قدم رکھتے ہیں انتھیٰ امام بخاری کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک دفعہ بغداد تشریف لے گئے علماء نے یوں امتحان لیا کہ دس محدثوں میں سے ہر ایک نے دس دس حدیثیں الٹ پلٹ کر کے امام بخاری کو سنائیں ہر ایک کے ساتھ فرماتے رہے لااعرفہ جب سو حدیثیں سن چکے تو اسی ترتیب سے سو کی سو حدیثیں دہرا دیں۔ پہلے غلط پھر صحیح امام بخاری کسی کی حدیث کی کاپی ایک دفعہ دیکھ کر یاد فرما لیتے تھے ۲۵۰ھ میں امام بخاری نیسا پور تشریف لائے تو ان کے استاد محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد ذھلی نے اور شہر کے محدثین نے استقبال فرمایا اور استاد صاحبؒ نے لوگوں کو امام بخاری سے حدیثیں پڑھنے کا مشورہ دیا تیسرے

دن کے بعد ایک شخص نے سوال کیا ماتقول فی اللفظ بالقرآن مخلوق او غیر مخلوق' تین دفعہ اعراض فرمایا اس نے پھر بھی اصرار کیا تو فرمایا کہ القران کلام اللہ غیر مخلوق و افعال العباد مخلوقته والامتحان بدعة اس شخص نے شور مچانا شروع کر دیا کہ امام بخاری بھی کہتے ہیں لفظی بالقران مخلوق۔ اس شور اور فتنے سے امام بخاری اور امام ذھلی میں مخالفت شروع ہو گئی کیونکہ امام ذھلی لفظی بالقران مخلوق کہنے کو بہت برا سمجھتے تھے اور ایسا کہنے والے کو معتزلی یا معتزلہ کی تائید کرنے والا سمجھتے تھے کیونکہ معتزلہ کلام اللہ کو حادث مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی کلام کا کوئی درجہ قدیم نہ مانتے تھے جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کلام اللہ کے دو درجے ہیں نفسی اور لفظی جیسے کوئی کلام کرنے والا پہلے ذہن میں سوچتا ہے پھر کلام کرتا ہے اس ذہن والی کلام کو کلام نفسی اور تلفظ والی کلام کو کلام لفظی کہتے ہیں انسان میں تو یہ دونوں درجے حادث ہیں لیکن حق تعالیٰ کی کلام نفسی حق تعالیٰ کی صفت ازلی ابدی ہے اور قدیم ہے البتہ کلام لفظی جو نبی کریم ﷺ پر اتاری گئی اور لکھی گئی اور ہم تک پہنچی ہم پڑھتے اور لکھتے اور حفظ کرتے ہیں یہ حادث ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اصل مسلک تو وہی تھا جو جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا تھا لیکن ان کے زمانہ میں معتزلہ کا فتنہ بہت زیادہ تھا اس لئے امام احمد لفظی بالقران مخلوق کہنے کو معتزلہ کی تائید سمجھتے تھے حتیٰ کہ معتزلہ کے زیر اثر بعض خلفاء نے یہ الفاظ امام احمد سے کہلوانے کے لئے کوڑے چالیس کے قریب مارے لیکن امام احمد نے یہ لفظ نہ کہے امام ذھلی اور امام بخاری دونوں امام احمد کے شاگرد تھے امام ذھلی بھی ان الفاظ کے تلفظ کو بہت برا سمجھتے تھے جب لوگوں نے امام ذھلی سے یہ کہہ دیا کہ امام بخاری بھی یہ لفظ کہتے ہیں تو وہ ان کے مخالف ہو گئے اور یہ مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص محمد بن اسماعیل کے پاس جائے ہم اس سے نہ بولیں گے۔ امام مسلم کے سوا امام ذھلی کے باقی شاگردوں نے امام بخاری کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ امام مسلم نے امام ذھلی کی سب روایات جو لکھی ہوئی تھیں ایک مزدور کو دیں کہ یہ امام ذھلی کے گھر پہنچا آؤ اور امام ذھلی کے ہاں جانا چھوڑ دیا اور پھر نہ امام ذھلی سے کوئی روایت آگے نقل کی نہ امام بخاری سے۔ امام بخاری نے ۳۰ روایتیں امام ذھلی سے اپنی صحیح بخاری میں درج کیں لیکن نام محمد بن یحییٰ ذھلی جو اصل مشہور نام تھا وہ نہ لیا کسی جگہ صرف محمد لے لیا کسی جگہ محمد بن عبداللہ کسی جگہ محمد بن خالد لے لیا پھر امام بخاری نیساپور سے اپنے اصلی وطن بخاریٰ منتقل ہو گئے۔ ایک دفعہ بخاریٰ کے حاکم نے امام بخاری کو پیغام بھیجا کہ آپ میرے پاس آیا کریں اور اپنی کتابیں مجھے سنایا کریں۔ امام بخاری نے اس سے انکار کر دیا تو اس حاکم نے امام بخاری کو شہر بخاریٰ سے چلے جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ امام بخاری خرتنگ تشریف لے گئے وہاں اپنے بعض رشتہ داروں کے ہاں قیام فرمایا یہ بستی سمرقند شہر سے دو فرسخ کے فاصلے پر ہے کچھ عرصہ کے بعد سمرقند کے لوگوں نے امام بخاری کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ سمرقند شہر میں قیام فرماویں اور حدیث کا درس جاری فرماویں اس دعوت کو امام بخاری نے قبول فرما لیا اور عیدالفطر کی رات کو عشاء کے بعد سمرقند تشریف لے جانے لگے عمامہ باندھا موزے پہنے بیس قدم چلے تاکہ سواری پر سوار ہو سکیں لیکن پھر ضعف محسوس فرمایا واپس آ کر دعا فرمائی لیٹ گئے اور وصال فرما گئے اللہ تعالیٰ انہیں درجات عالیہ سے نوازیں اور ہمیں بھی ان کی معیت نصیب فرماویں۔ آمین یا رب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقه محمد واله واصحابه واتباعه اجمعین. ۹۰ ہزار حضرات نے امام بخاری سے بلاواسطہ صحیح بخاری پڑی ہے اور ایک وقت میں بعض دفعہ بیس ہزار سے بھی زائد حدیث پڑھنے والے امام بخاری کے پاس جمع ہو جایا کرتے تھے۔ **مذہب امام بخاری**:۔ ۱- تاج الدین سبکی نے ان کو شافعی المذہب قرار دیا ہے۔ ۲- دوسرا قول یہ ہے کہ مستقل مجتہد تھے اور ان کی کتاب سے اسی دوسرے قول کی ہی تائید ہوتی

ہے کیونکہ انہوں نے اپنی پوری کتاب میں امام شافعی کا نام تک نہیں لیا نہ اسانید میں نہ مذاہب میں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کا نام بھی نہیں لیا البتہ امام مالک اور امام احمد کا اسانیدً میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اپنے مقتدیٰ ہونے کی حیثیت سے کہیں ذکر نہیں کیا اس لئے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کسی دوسرے امام کے مقلد نہ تھے بلکہ مستقل مجتہد تھے۔ پھر یہ بھی نہیں سنا گیا کہ کسی نے امام بخاری کی تقلید کی ہو اور بہت سے مجتہدین کی طرح ان کا مذہب بھی تفصیل سے مدون نہیں کیا گیا یہ تو ائمہ اربعہ ہی کو فضیلت دی گئی ہے کہ ان کے سب اصول اور فروح متداولہ مدون ہیں اور ہم تک تواتر سے پہنچ گئے ہیں اسی لئے امت کا اتفاق ہے کہ ان چار اماموں کے مذاہب سے باہر نکلنا خرق اجماع ہے۔

افضلیت صحیح البخاری علی صحیح مسلم

کثرت سے بڑے درجہ کے علماء نے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دی ہے اور ابوعلی نیشاپوری نے جو فرمایا ہے تحت اویلم السماء اصح من کتاب مسلم تو اس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ صحیح بخاری اس سے بہتر نہیں ہے یہ نہ نکلا کہ برابر بھی نہیں ہے یا یوں کہیں گے کہ ابوعلی کی مراد کیا ہے اس میں دونوں احتمال ہیں۔

۱- صحیح مسلم کے برابر کوئی کتاب نہیں۔

۲- اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں جب دونوں احتمال ہیں تو یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ان کے نزدیک صحیح مسلم راجح ہے۔ اور صحیح بخاری کا درجہ صحیح مسلم سے کم ہے۔ ایسے ہی ابن حزم کی عرف جو منسوب ہے کہ وہ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر راجح قرار دیتے تھے تو ان کی اپنی کلام سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ صرف اس لئے راجح قرار دیتے تھے کہ مسلم میں حدیث اور غیر حدیث کو یکے بعد دیگرے ذکر نہیں کیا گیا بلکہ مقدمہ کے بعد بس حدیث ہی حدیث ہے گویا کلی طور پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ ایسے ہی مسلم بن قاسم قرطبی نے اپنی تاریخ میں صحیح مسلم کے متعلق فرمایا ہے لم یضع احد مثلہ اس کے معنی بھی صرف حسن ترتیب میں فضیلت دینا ہے۔ کلی فضیلت ثابت کرنا مقصود نہیں ہے پھر صحیح بخاری میں ۸۰ راوی متکلم فیہ ہیں اور صحیح مسلم میں ۱۶۰۔ ان سے دگنے ہیں اگر چہ اعتراضات ایسے نہیں ہیں کہ حدیث صحیح نہ رہے لیکن غیر متکلم فیہ بہر حال متکلم فیہ سے اولیٰ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ متکلم فیہ راوی جو صحیح بخاری میں ہیں یہ امام بخاری کے بلاواسطہ استاد ہیں کہ ان کے حالات امام بخاری پر بالکل واضح تھے اور صحیح مسلم میں ایسے متکلم فیہ راوی امام مسلم کے استاد بذریعہ وسائط ہیں بلا واسطہ نہیں ہیں اور جو حضرات صحیح مسلم کو ترجیح دیتے ہیں ان کے پاس ترجیح کی ایک وجہ یہ ہے کہ دو سندوں کا ذکر کر کے ہر ایک کے الفاظ امام مسلم نے الگ الگ بیان کئے ہیں اور امام بخاری نے صرف ایک کے الفاظ بیان کر دیئے ہیں کیونکہ معنی کا فرق نہیں ہے یہ دونوں طرز جائز تو ہیں لیکن پہلا جو امام مسلم نے لیا ہے وہ اولیٰ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام مسلم ایک حدیث کے مختلف الفاظ یکجا بیان کر دیتے ہیں اور امام بخاری اس کو متفرق بابوں میں بیان کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ امام بخاری ایک حدیث کو ایسی جگہ بیان فرماتے ہیں کہ جہاں اس حدیث کے ملنے کی کوئی امید نہیں ہوتی اسی لئے بعض تلاش کرنے والے کہہ دیتے ہیں کہ اس حدیث کے فلاں الفاظ بخاری شریف میں نہیں ہیں حالانکہ ہوتے ہیں لیکن ایسی جگہ ہوتے ہیں جہاں ان کے ہونے کا عموماً کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ حاصل یہ کہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک بعض وجوہ سے صحیح بخاری افضل ہے اور بعض وجوہ سے صحیح مسلم افضل ہے جیسا کہ حافظ عبدالرحمٰن بن علی الربیع الیمنی الشافعی فرماتے ہیں۔

تنازع قوم فی البخاری و مسلم
لدی وقالوا ای ذین یقدم
فقلت لقد فاق البخاری صحة
کما فاق فی حسن الصناعة مسلم

اور علماء کی دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ مجموعی طور پر صحیح

بخاری افضل ہے ان حضرات کی دو دلیلیں تو گزر رہی چکی ہیں ۱- صحیح بخاری میں متکلم فیہ کم ہیں۔ ۲- جو ہیں وہ بھی بلا واسطہ استاد ہیں ان دو دلیلوں کے علاوہ ان حضرات کے پاس کچھ اور دلائل ترجیح بھی ہیں مثلاً ۳- امام بخاری کے نزدیک عن والی روایت میں استاد اور شاگرد کی ملاقات کا کسی ایک سند میں بالفعل پایا جانا بھی ضروری ہے جس کو فعلیت لقاء کہتے ہیں اور امام مسلم کے نزدیک دونوں کا ہم عصر ہونا سند کے متصل ہونے کے لئے کافی ہے جس کو امکان لقاء کہتے ہیں بالفعل ملاقات کا ذکر کسی سند میں ضروری نہیں۔ امام بخاری کے اس طرز میں زیادہ احتیاط ہے اس لئے یہ بھی ایک وجہ ترجیح ہے۔ ۴- بخاری شریف میں استنباطات فقہیہ بہت کثرت سے ہیں جو صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔ ۵- بخاری شریف میں عجیب و غریب نکات ہیں جو مسلم شریف میں نہیں ہیں۔ ۶- ایسے ایسے تراجم امام بخاری نے باندھے ہیں جو صحیح معنی میں محیر العقول اور انتہائی عمیق ہیں۔ مسلم شریف میں یہ نہیں ہیں۔ ۷- بخاری شریف کے ابواب کی ترتیب مسلم شریف سے اچھی ہے۔ ۸- امام بخاری نے طبقہ اولیٰ کے راویوں کے علاوہ جو طبقہ ثانیہ کے راوی لئے ہیں وہ انتخاب کے بعد لئے ہیں اور امام مسلم نے طبقہ ثانیہ کے راوی بلا انتخاب لئے ہیں اس لحاظ سے بھی بخاری شریف کی سندیں زیادہ قوی ہیں۔ ۹- علوم سنت کی جو جامعیت صحیح بخاری میں ہے صحیح مسلم میں وہ نہیں ہے۔

فضائل صحیح بخاری

۱- اس پر امت کا اجماع ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح یہی کتاب ہے اسکے بعد صحیح مسلم اور اسکے بعد باقی صحاح ستہ ہیں۔

۲- محمد بن احمد مروزی فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو زید تم کب تک کتاب الشافعی پڑھاؤ گے اور میری کتاب نہ پڑھاؤ گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی کتاب کونسی ہے فرمایا جامع محمد بن اسمٰعیل۔

۳- جب بھی کسی حاجت کے پورا کرنے کے لئے پڑھی گئی تو وہ حاجت پوری ہوتی رہی ہے۔

۴- طاعون میں جس گھر میں پڑھی جائے اس گھر والے طاعون سے محفوظ رہتے ہیں۔

۵- استسقاء میں مفید ہے

۶- جو حدیث بھی اس میں ہے اس کے صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

صحیح بخاری اور دیگر صحاح ستہ کے طرز میں فرق

صحاح ستہ میں سے ہر ایک کا طرز الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔

طرز بخاری

۱- امام بخاری سے پہلے مصنفین کتب کا طرز یہ تھا کہ وہ عموماً ایک یا دو فنون کو جمع کرتے تھے مثلاً امام مالک اور امام ثوری نے فقہ میں تصنیف فرمائی ابن جریج نے تفسیر میں ابو عبیدہ نے غریب القران میں محمد بن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ نے سیر میں عبداللہ بن المبارک نے زہد میں اور مواعظ میں امام کسائی نے بدأالخلق اور قصص انبیاء علیہم السلام میں یحییٰ بن معین نے احوال الصحابۃ والتابعین میں بعض نے رویا میں۔ بعض نے طب میں بعض نے شمائل میں بعض نے اصول حدیث میں بعض نے اصول فقہ میں بعض نے ردمبتدعین مثلاً جہمیہ کی تردید میں کتابیں لکھیں امام بخاری نے ان سب علوم کو اس کتاب میں جمع فرمایا۔

۲- اپنی کتاب کو استنباطات دقیقہ سے بھر دیا۔ اسی لئے احادیث کے ٹکڑے الگ الگ بیان فرمائے تاکہ ہر جگہ موقعہ کے مناسب استنباط ظاہر کیا جا سکے اور استنباطات میں زیادتی ہو۔

۳- اصل کتاب میں صرف اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث کو لانے اسی لئے خود فرمایا مادخلت فی الجامع الاماصح انتھی.

۴- صحیح اور غیر صحیح میں یوں بھی فرق کیا کہ جو ان کے نزدیک

صحیح ہے اس کو تو متن میں لے لیا اور جو ان کی شرطوں کے مطابق اعلیٰ درجہ کی صحیح نہ تھی اس کو ترجمۃ الباب میں ذکر کر دیا۔

۵- حضرت عبداللہ بن المبارک حضرت امام ابوحنیفہ کے خصوصی شاگرد تھے۔ امام بخاری حضرت ابن المبارک کی کتابوں کے حافظ تھے۔ اسی لئے فقہ اور حدیث کو جمع کرنے کی توفیق نصیب ہوگئی۔

طرز مسلم:۔ ۱- احادیث صحیحہ کو غیر صحیحہ سے الگ کرنا کہ صحیح احادیث لے لیں غیر صحیح چھوڑ دیں۔

۲- استنباط بالکل نہیں فرمایا۔

۳- احادیث کے متون کو ایک جگہ جمع فرما دیا۔

۴- صحابہ اور بعد کے حضرات کے اقوال کو ذکر نہیں فرمایا۔

۵- اسانید بھی یکجا فرما دیں۔

۶- ابواب بالکل قائم نہیں کئے اور اب جو ابواب مذکور ہیں یہ شارحین حضرات نے قائم فرمائے ہیں

۷- تراجم بھی نہیں لکھے۔

طرز ابی داؤد:۔ ۱- ان احادیث کو جمع فرمایا جن سے فقہا نے استدلال فرمایا تھا۔

۲- بہت ضعیف روایت نہیں لی چنانچہ خود فرمایا' ذکرت فی کتابی حدیثا اجمع الناس علی ترکه انتهی

۳- تھوڑے ضعف والی جو روایتیں لائے ہیں تو ان کے ضعف کی تصریح فرما دی ہے۔

۴- جس کو ضعف قرار دیتے ہیں عموماً ضعف کی وجہ بھی ظاہر فرما دیتے ہیں۔

۵- جس حدیث پر سکوت فرماتے ہیں وہ استدلال کے قابل ہوتی ہے۔

۶- جن حدیثوں پر فقہ کا مدار ہے تقریباً ان سب کو جمع فرمانے کی کوشش فرمائی ہے اسی لئے امام غزالی اور بعض دوسرے اکابر نے تصریح کی ہے کہ سنن ابی داؤد مجتہد کے لئے بالکل کافی ہے۔

۷- قال ابوداؤد کا عنوان قائم کر کے فقہ اور حدیث کے عمیق مباحث بیان فرمائے ہیں۔

۸- بعض موقعوں میں ایک باب میں ایک مسئلہ کی منسوخ روایات کو ذکر فرمایا ہے اور اس کے بعد والے باب میں اسی مسئلہ کی ناسخ حدیثیں ذکر فرما کر بتلا دیا ہے کہ اس مسئلہ میں اس طرح سے نسخ جاری ہوا ہے۔

۹- بعض دفعہ کسی حدیث پر کوئی اشکال ہوتا ہے، تو باب کا عنوان ایسا بنا دیتے ہیں کہ وہ اشکال ختم ہو جاتا ہے۔

۱۰- چونکہ یہ کتاب من قبیل السنن ہے اس لئے اس کی ترتیب وہی ہے جو فقہ کی کتابوں کی ہوتی ہے کہ پہلے کتاب الطهارة پھر کتاب الصلوٰۃ وغیرہ

۱۱- اہم مسائل میں ہر امام کے لئے الگ باب باندھ کر اس باب میں اس امام کے دلائل جمع فرما دیئے ہیں۔

طرز ترمذی:۔ ۱- انہوں نے امام بخاری امام مسلم اور امام ابوداؤد تینوں کے طرز کو جمع فرمانے کی کوشش فرمائی ہے چنانچہ ۱- امام بخاری کے طرز پر تمام انواع علوم کو جمع فرمانے کی کوشش فرمائی ہے۔

۲- ایک حدیث کے مختلف الفاظ کو یکجا جمع فرمایا ہے جیسا مسلم شریف کا طرز ہے۔

۳- امام ابوداؤد کی طرح اہم مسائل میں ہر امام کے لئے الگ الگ باب بھی باندھے ہیں۔

۴- مذاہب صحابہ و تابعین وفقہا بھی ذکر فرمائے ہیں۔

۵- ایک خاص طرز کا اختصار بھی اختیار فرمایا ہے کہ زیادہ تر ہر باب میں ایک حدیث مفصل بیان فرما کر اس کے مؤیدات کی طرف یوں اشارہ کر دیا کہ فی الباب کذا لکھ کر اس مضمون کی باقی حدیثوں کی طرف اشارہ فرما دیا۔

۶- ہر حدیث کا درجہ بھی متعین فرما دیا کہ حسن ہے یا صحیح ہے یا ضعیف ہے۔

۷- ضعیف حدیث کے ضعف کی وجہ بھی بیان فرما دیتے ہیں۔

۸- جس راوی کی کنیت معلوم کرنے کی ضرورت ہواس کی کنیت بیان فرما دیتے ہیں، اور جس راوی کا نام بیان کرنے کی ضرورت ہواس کا نام بیان فرمادیتے ہیں

۹- ترتیب ابواب بھی نہایت عمدہ ہے ۱۰- تکرار سے بچنے کا بھی بہت اہتمام فرمایا ہے۔

طرز نسائی:۔انہوں نے امام بخاری اورامام مسلم کے طریقوں کو جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

۱- امام بخاری کے طرز کو لیتے ہوئے عمدہ تراجم قائم فرمانے کی کوشش فرمائی ہے جن میں کچھ استنباطات بیان فرمائے ہیں۔

۲- امام مسلم کا طرز لیتے ہوئے ایک حدیث کے مختلف الفاظ کو جمع فرمایا ہے۔

۳- صحیحین کے بعدانکی کتاب میں ضعیف حدیثیں بہت کم ہیں۔

۴- اختلف علی فلاں کے عنوان سے اسانید کے اختلاف کو بیان کرنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔

طرز ابن ماجۃ:۔۱- ابواب فقہ کی کتاب کے طرز پر رکھنے کی بہت زیادہ کوشش فرمائی ہے۔۲- زائد حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔۳- جس حدیث کے نقل کرنے میں ابن ماجہ منفرد ہوں اس کو ضعیف شمار کیا جاتا ہے اسی لئے بعض حضرات نے صحاح ستہ میں چھٹی کتاب ابن ماجہ کی جگہ موطا امام مالک اور بعض نے مسند دارمی کو شمار فرمایا ہے۔

معنیٰ قولھم علی شرط الشیخین

۱- اس کے سب راوی شیخین والے ہیں اور سب شرطیں بھی شیخین والی موجود ہیں۔۲- اس حدیث کے راوی شیخین کے راویوں جیسے ہیں عدالت میں اور ضبط میں اور شاذ نہ ہونے میں ان دونوں قولوں میں سے پہلے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

عادات البخاری فی التراجم

۱- سب سے زیادہ تراجم کی صورت یہ ہے کہ ترجمۃ الباب دعویٰ ہوتا ہے اور اس کے بعد آیت اور حدیث اس دعویٰ کی دلیل ہوتے ہیں۔۲- کبھی مقصود حدیث عام کو قید لگا کر مقید کرنا ہوتا ہے کہ مراد عام حکم نہیں ہے خاص صورت مراد ہے ۳- کبھی غرض تعمیم الحکم بالقیاس ہوتی ہے۔۴- کبھی یہ مقصود ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔۵- ترجمۃ الباب میں آیت ہوئی ہے اس میں اشارہ ہوتا ہے کہ اس مضمون کی جو حدیث آتی ہے گو اس کی سند میری شرط پر نہیں ہے لیکن حدیث کا مضمون ثابت ہے کیونکہ اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔۶- کبھی امام بخاری کچھ اقوال صحابہ و تابعین ذکر کرتے ہیں ان کی باب سے معمولی مناسبت ہوتی ہے جس کو استیناس کہتے ہیں بعض حضرات ان اقوال کو ترجمۃ الباب کی دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں یا تو تکلف فرماتے ہیں یا پھر مصنف پر اعتراض کر دیتے ہیں کہ یہ تو دلیل بنتی نہیں۔ حقیقت میں وہ دلیل ہوتی ہی نہیں۔۷- کبھی مقصود اس مضمون کا لازم ہوتا ہے جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہوتا ہے مثلاً باب **مایقول بعد التکبیر** اس کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ وہ دعا بتلانی مقصود ہے جو تکبیر کے بعد پڑھی جائے یعنی تعین ثناء لیکن مقصود اس کے لازمی معنی ہیں کہ مذکورہ دعاؤں میں سے جو بھی پڑھ لو یا ترک ثناء کر لو تب بھی صحت صلوٰۃ کے لئے کافی ہے اس معنی کے لحاظ سے اس باب میں جو تین روایتیں مذکور ہیں وہ تینوں باب سے منطبق ہو جاتی ہیں اور ظاہری معنی لیں تو منطبق نہیں ہوتیں۔۸- کبھی ایسی حدیث کے الفاظ کو ترجمۃ الباب بناتے ہیں جو ان کی شرط پر نہیں ہوتی پھر اس کی تائید میں وہ روایت لاتے ہیں جو ان کی شرط پر ہوتی ہے مقصود دونوں کے مضمون کو ثابت کرنا ہوتا ہے مثلاً باب باندھا الاثنان فما فوقھما جماعۃ اور یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری سے ثابت ہے لیکن امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے تو حدیث لائے اس کے ماتحت **فاذنا واقیما ولیؤ تکما احد کما** اس سے مقصود ترجمۃ الباب والی حدیث کے مضمون کو ثابت کرنا ہے۔۹- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک حدیث کے الفاظ ایک سے زائد قسم کے ہوتے ہیں اس باب میں ایک قسم کے

الفاظ ہوتے ہیں لیکن ترجمۃ الباب کی مطابقت دوسری قسم کے الفاظ سے ہوتی ہے جو دوسری جگہ مذکور ہوتے ہیں اس مذکور حدیث سے دوسری قسم کے الفاظ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ۱۰- دو حدیثوں میں تعارض ہوتا ہے ان میں سے ایک حدیث کو لاتے ہیں اور ترجمۃ الباب میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن سے اس مذکور حدیث کی توجیہ ہو جاتی ہے اور اس توجیہ سے تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ ۱۱- کبھی ترجمۃ الباب میں استفہام ہوتا ہے تا کہ ناظر خود ترجیح دے لے یا فی الحال توقف کرے جب مرجح مل جائے تو ترجیح دے لے۔ ۱۲ کبھی صرف متعارض احادیث وآثار ذکر کر کے چھوڑ دیتے ہیں کہ ناظر خود ترجیح دے اور مسئلہ اختلافی ہوتا ہے۔ ۱۳- بعض دفعہ ظاہر طور پر ترجمہ کا کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا جس کی وجہ کسی خاص چیز کا نہ جاننا ہوتا ہے مثلاً بعض ابواب میں امام بخاری نے مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کے ابواب پر رد فرمایا ہے تو وہاں فائدہ اسی وقت ظاہر ہوگا جبکہ پہلے ان دونوں کتابوں کے بابوں کو دیکھ لیا جائے۔ ۱۴ کبھی لفظ باب لکھ دیتے ہیں اور ساتھ عنوان قائم نہیں فرماتے وہ باب کا لفظ صرف فصل کے لئے ہوتا ہے کہ مابعد بھی ماقبل کے قریب قریب ہی ہے اور ماقبل کا تتمہ ہے زیادہ تر تو یہی ہوتا ہے البتہ کبھی کبھی یہ بھی مقصد ہوتا ہے کہ ناظر اپنے نظر وفکر کو دوڑائے اور ذہن تیز کرے اور استنباط کر کے خود کوئی عنوان قائم کرے۔ ۱۵- کبھی باب کا ترجمہ اور آیت یا اثر یا حدیث بلا سند ذکر کر دیتے ہیں۔ اصل حدیث یا سند ذکر نہیں فرماتے وہاں یا تو یہ اشارہ ہوتا ہے کہ اس مضمون کی کوئی حدیث مجھے میری شرطوں پر نہیں ملی یا ناظر کے ذہن کو چلانا مقصود ہوتا ہے کہ آگے یا پیچھے اس مضمون کی حدیث مذکور ہے غور وفکر کر کے خود لگا لو یا حدیث بالکل ظاہر ہوتی ہے اس لئے تکرار سے بچنے کے لئے اس کو دوبارہ اس باب میں ذکر نہیں کیا گیا۔ ۱۶- کبھی صرف ترجمۃ الباب بیان فرما دیتے ہیں اس کے بعد کچھ بھی نہیں ہوتا اور نیا باب شروع ہو جاتا ہے وہاں یا تو یہ مقصود ہوتا ہے کہ حدیث آگے یا پیچھے اسی مضمون کی مذکور ہے ناظر کے ذہن کو تیز کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ خود تلاش کرے اور یا وہ حدیث بالکل ظاہر ہوتی ہے صرف تکرار سے بچنے کے لئے اس باب میں ذکر نہیں کی جاتی بہرحال امام بخاری کے تراجم محیر العقول ہیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ فقہ البخاری فی التراجم۔

اعیا فحول العلم حل رموزما
ابداہ فی الابواب من اسرار

درجات الحدیث فی الصحۃ

۱۔ سب سے اونچا درجہ حدیث الصیحین کا ہے۔ ۲۔ جو صرف بخاری شریف میں ہو۔ ۳۔ جو صرف مسلم شریف میں ہو۔ ۴۔ علی شرط الشیخین۔ ۵۔ علی شرط البخاری۔ ۶۔ علی شرط مسلم۔ ۷۔ ماھو صحیح علی شرط غیرھا۔

صحیح بخاری کی تاریخی حالات

۱۔ صحیح بخاری کا پورا نام یہ ہے الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ۔ ۲۔ یہ امام بخاری کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ ۳- یہ حدیث کی سب سے پہلی کتاب ہے جسمیں صرف مرفوع روایتیں ہی اصل مقصود ہوں اور صرف صحیح روایتیں ہی اصل مقصود ہوں۔ ۴- اس کی کل احادیث سات ہزار دو سو پچھتر ہیں۔ (۷۲۷۵) اور بلا تکرار تقریباً چار ہزار ہیں (۴۰۰۰) **تعلیقات البخاری:۔** سوال امام بخاری کا ارشاد منقول ہے **ماادخلت فی الجامع الا ماصح** حالانکہ انہوں نے تراجم میں تمریض یعنی مجہول کے صیغہ کے ساتھ بعض غیر صحیح روایات بھی درج کر دی ہیں جواب بخاری شریف میں روایات تین قسم کی ہیں۔ ۱- جو پوری سند کے ساتھ مذکور ہیں یہ بخاری شریف کی اصل راویات ہیں جو امام بخاری کی سخت شرطوں پر پوری اترتی ہیں اور اعلیٰ درجہ کی صحیح روایتیں ہیں۔ ۲- جن کی شروع کی سند نہیں ہوتی اور وہ صیغہ تمریض سے بھی مذکور نہ ہو۔ ان

کوتعلیقات بخاری کہتے ہیں یہ صحیح تو ہوتی ہیں لیکن امام بخاری کی شرط پر نہیں ہوتیں۔۳-جن کی سند بھی پوری نہ ہواور صیغہ تمریض کے ساتھ مذکور ہوں یہ تعلیقات بھی نہیں ہوتیں یعنی ان کوتعلیقات البخاری نہیں کہا جاتا یہ صحیح سے کم ہوتی ہیں لیکن باطل محض یہ بھی نہیں ہوتیں ورنہ اپنی اس کتاب میں نہ لاتے اور جوقول سوال میں نقل کیا گیا ہےاس کاتعلق صرف پہلی قسم سے ہے۔

بخاری شریف کی سند

سند کے تین حصے ہیں ۱- احقر محمد سرور عفی عنہ کے بخاری شریف میں دو استاد ہیں ایک حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں کے استادحضرت مولانا محمد انورشاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ عن، مولانا محمودالحسن الدیوبندی عن، مولانا محمد قاسم النانوتوی عن، الشاہ عبدالغنی عن، الشاہ اسحاق عن، الشاہ عبدالعزیز عن، الشاہ ولی اللہ۲-حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر امام بخاری تک کی سند حضرت شاہ ولی اللہ کے مختلف رسالوں میں ہےاور احقر نے حسن المعبود فی حل سنن ابی داؤد کے اخیر میں انوارالمسیح فی اسانید ولی اللہ الی اصحاب الحدیث الصحیح کے عنوان سے تفصیل سے درج کردی ہے۔۳-امام بخاری سے نبی کریم ﷺ تک کی سند ہر حدیث میں امام بخاری خود بیان فرماتے ہیں اور حدیث کے صحیح اور حسن اور ضعیف ہونے کا اور ایسے ہی متواتر، مشہور، خبر واحد وغیرہ سب اقسام کاتعلق اسی تیسرے حصہ سے ہوتا ہے کیونکہ جب سے اصحاب صحاح ستہ اور دیگر محدثین نے حدیث کی کتابیں مدون فرمادی ہیں اس وقت سے لے کر ہم تک ان سب کتابوں کی حدیثیں درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اسی لئے اس پہلے دوحصوں کا بیان کرنا ضروری نہیں ہے صرف تبرکا اپنے قریب کے اساتذہ کاذکر کردیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال حمد وصلوٰۃ کو امام بخاریؒ نے کیوں چھوڑا جبکہ جمہور مصنفین ان دونوں کے ذکر کا اہتمام فرماتے ہیں جواب ۱- نبی کریم ﷺ جوخطوط بادشاہوں کولکھا کرتے تھے ان میں حمد وصلوٰۃ نہ تھی ان کا اتباع کیا۔۲- نبی کریم ﷺ جومکتوبات اپنے عامل اور ساعی حضرات کولکھا کرتے تھے ان میں بھی حمد وصلوٰۃ نہ ہوتی تھی ان کا اتباع کیا۔۳- معاہدوں میں بھی حمد وصلوٰۃ نہ تھی جیسے صلح حدیبیہ کا معاہدہ تھا ان کا اتباع کیا۔امام بخاری نے اپنی کتاب کو تواضعاً ایک خط اور رسالہ کا درجہ دیا جواہل علم کولکھ کردے دیا تاکہ نفع اٹھائیں۔۴-اپنے شیوخ جیسے امام مالک اورامام احمد ہیں اور اپنے ہم عصر جیسے امام ابوداؤد ہیں ان کا طرز اختیار کیا امام بخاری نے ۵) اس آیت کا اتباع فرمایا **انه من سلیمان وانه بسم الله الرحمٰن الرحیم**. ۶- اول وحی کا اتباع کیا **اقرا بسم ربک الذی خلق** اور یہ اول کتاب کے نہایت مناسب ہے کیونکہ پہلا باب بھی بدءالوحی کا ہی آرہا ہے۔

باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱-بعض نسخوں میں یہاں لفظ باب نہیں ہے صرف کیف کان الخ ہے۔باب کے لغوی معنی ہیں ما یتوسل بہ الی غیرہ اور مصنفین کی اصطلاح میں اس کے معنی ہیں **ھو اسم لجملة مختصة من العلم** پھر اس لفظ باب کو تین طرح پڑھا جاسکتا ہے۔۱-باب ای ہذا باب مبتدا محذوف کی خبر ہے اور تنوین کے ساتھ ہے مابعد سے منقطع ہے۔۲-باب ای ھذا باب جواب کیف کان بدءالوحی الخ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور اس کے بعد مضاف الیہ محذوف ہے جواب جو کہ مضاف ہے کیف مذکور کی طرف۔ کیونکہ مقصود سوال نہیں ہے سوال کا جواب مقصود ہے۔۳-باب سکون کے ساتھ اور وقف کے ساتھ بلا اعراب صرف تعداد کے طور پر جیسے چیزوں کا

ذکر ہو بلاترکیب زید، عمرو، بکر، کتاب، فرس، جدار۔

سوال:۔ باب فرمایا کتاب کیوں نہ فرمایا۔

جواب:۔ یہاں ایک ہی مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے اور کتاب کا لفظ وہاں ذکر کیا جاتا جہاں مختلف قسم کے مسائل اور ابواب اور فصول بیان کرنے مقصود ہوں۔

بدء:۔ یہ لفظ دونوں طرح ثابت ہے ہمزہ کے ساتھ یا بلا ہمزہ واو مشدد کے ساتھ اور اس سے پہلے باء اور دال دونوں پر ضمہ ہے بدو۔ ہمزہ کے ساتھ راجح شمار کیا جاتا ہے کیونکہ بعض نسخوں میں کیف کان ابتداء الوحی بھی ہے نیز اساتذہ سے زیادہ تر ہمزہ کے ساتھ ہی سنا گیا ہے۔

الوحی:۔ لغت میں اس کے معنی ہیں اعلام فی خفاء وسرعۃ وفی الشرع ھو اعلام اللہ تعالیٰ انبیاء ہ شیئا بطریق خفی **بحیث انھم یعلمون بداھۃ وقطعاً** انہ من اللہ تعالیٰ اور وحی کے طرق مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً ۱- اللہ تعالیٰ بلاواسطہ کلام فرمادیں و **کلم اللہ موسیٰ تکلیما** ۲- لکھی ہوئی چیز دے دینا جیسے موسیٰ علیہ السلام کو الواح توراۃ دی گئیں۔ ۳- فرشتہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے۔ ۴- نبی کو خواب میں کوئی بات بتلادی جائے۔ **انی اریٰ فی المنام انی اذبحک** ۵- دل میں کوئی بات ڈال دی جائے جس کو الہام کہتے ہیں پھر ظہور وخفاء کے لحاظ سے وحی کی دو قسمیں ہیں ۱- الوحی الظاہر اس کی تفصیل تو وہی ہے جو بھی پانچ صورتوں میں بیان کی گئی۔ ۲- الوحی الباطن اس کا مصداق اجتہاد نبی ہوتا ہے جس پر نبی کو باقی رکھا جائے کیونکہ نبی کے اجتہاد میں غلطی ہو تو وہ وحی کے ذریعہ سے بتلادی جاتی ہے اگر تردید نازل نہ ہو یا تائید نازل ہو جائے تو وہ حکم بھی وحی باطن میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **وماینطق عن الھوی ان ھو الاوحی یوحیٰ** اس آیت میں لفظ یوحیٰ شبہ کے ازالہ کے لئے بڑھایا گیا ہے کہ شاید وحی کے کوئی مجازی معنی مراد ہوں جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولا طائر یطیر بجناحیه الاامم امثالکم**۔ اس آیت میں یطیر بجناحیہ اس لئے بڑھایا گیا ہے کہ تیز گھوڑے کو بھی طائر مجازاً کہہ دیتے ہیں اس کو نکالنا مقصود ہے ایسے ہی کلام صادق فصیح کو بھی وحی کہہ دیتے ہیں اس لئے یوحی بڑھا کر اس کو نکال دیا گیا پھر وحی اور ایحاء میں فرق ہے کہ وحی تو مختص بالانبیاء علیہم السلام ہے اور ایحاء کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے غیر پر بھی بولا جاتا ہے **واوحیٰ ربک الی النحل** ایسے ہی لفظ رسالت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور ارسال دوسروں پر بھی بولا جا سکتا ہے **وارسلنا الشیاطین علی الکافرین** ایسے ہی نبوۃ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور ارسال دوسروں پر بھی بولا جاتا ہے **ینبئکم بما کنتم تعملون** پھر کشف اور الہام میں بھی فرق ہوتا ہے کہ الہام کے معنی ہیں **القاء شیء فی القلب بلا نظر و فکر و بلا سبب ظاھر والکشف ھو رفع الحجاب عن الشی المستور الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم**:۔ اس قید کا یہ فائدہ ہے کہ مطلق وحی کی کیفیت بتلانی مقصود نہیں ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کی طرف وحی کی کیفیت بتلانی مقصود ہے۔ سوال:۔ فضائل القرآن میں ایک باب آئے گا **کیف نزل الوحی من اللہ تعالیٰ و اول مانزل من القرآن** پس اس باب اور اس باب میں تکرار پایا گیا۔ جواب:۔ وہاں وہ آیات بتلانی اصل مقصود ہیں جو سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں اور یہاں کیفیت وحی اور شرائط وحی بتلانی مقصود ہیں اس لئے تکرار نہ ہوا۔

یہ باب شروع میں لانے کی وجہ

۱- وحی شریعت کا دارومدار ہے اس لئے ابتداء وحی کا ذکر حدیث کی کتاب کے شروع میں مناسب ہے کیونکہ حدیث بھی مدار شریعت ہے۔ ۲- خود وحی ایک خیر وبرکت ہے ایسی برکت کی چیز کا ذکر ابتداء کتاب میں تبرکاً مناسب ہے۔ **ابتدائی ابواب میں مناسبت**:۔ حضرت انور شاہ صاحب نے یوں بیان فرمائی کہ سب سے پہلے اول معاملۃ الرب مع العبد بیان کیا یعنی

وحی تو مناسب ہوا کہ اول معاملۃ العبد مع الرب بیان کیا جائے اس لئے کتاب الایمان لائے پھر ایمان مقدمہ علم ہے اور علم مقدمہ عمل ہے اس لئے کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم لائے اور عمل میں سب سے افضل نماز ہے اور نماز طہارت پر موقوف ہے اس لئے کتاب العلم کے بعد کتاب الوضو اور اس کے بعد کتاب الصلوٰۃ لائے۔ انتھیٰ پھر اعمال میں سے نماز سب سے افضل کیوں ہے اس لئے کہ سب اعمال میں سے عبادات کا درجہ اونچا ہے کیونکہ ان میں توجہ الی اللہ ہے پھر عبادات میں سے نماز اس لئے مقدم ہے کہ ۱- اس کے فضائل قرآن وحدیث میں بہت وارد ہوئے ہیں ۔۲- قرآن پاک میں نماز کا ذکر بہت زیادہ ہے۔ ۳- اس میں بہت جامعیت ہے کیونکہ پوری مخلوق کی عبادت اس میں جمع ہے درخت کھڑے ہو کر چوپائے رکوع میں رینگنے والے جانور سجدہ میں پہاڑ ٹیلے اور عمارتیں قعدہ کی حالت میں عبادت کرتی ہیں یہ سب صورتیں ہماری نماز میں جمع ہیں۔ پھر دوسری وجہ جامعیت کی یہ بھی ہے کہ کسی کو راضی کرنے کے لئے انسان کبھی کھڑا ہو کر منت سماجت کرتا ہے کبھی گھٹنے پکڑ کر کبھی پاؤں پکڑ کر کبھی ادب سے بیٹھ کر یہ سب بھی نماز میں جمع ہیں تیسری وجہ جامعیت کی یہ ہے کہ اسلام کی سب عبادات بھی نماز میں جمع ہیں مثلاً نماز میں کھانے پینے کے روزے سے بھی بڑھ کر بولنے' ہنسنے' رونے گفتگو کرنے' چلنے وغیرہ کا بھی روزہ ہوتا ہے حج کی حقیقت حضور بحضرۃ اللہ اور تعلق بیت اللہ ہے یہ بھی نماز میں موجود ہے۔ قربانی اور جہاد کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے کو فنا کر دینا ہے نماز میں یہ بھی ہے کہ سجدہ میں انسان ناک اور ماتھا زمین پر رکھ دیتا ہے جو انسان کے اعلیٰ حصے ہیں یہ اپنے آپ کو فنا کرنا ہے۔ زکوٰۃ کی حقیقت ہے نیکی میں مال خرچ کرنا' نماز کے لئے بھی مسجد بنانے کپڑے بنانے کپڑے پاک کرنے' وضو کا انتظام کرنے میں کچھ نہ کچھ خرچ کرنا ہوتا ہے۔ اعتکاف کی حقیقت گناہوں سے بچنا ہے۔ **المعتکف من یعتکف الذنوب کلھا** اور نماز بھی گناہوں سے بچاتی ہے **ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر**۔ اس لئے نماز اسلام کی سب عبادات کے لئے جامع ہے ایک وجہ جامعیت کی یہ بھی ہے کہ فرشتے جو عبادت ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وہ کچھ ہمیشہ کھڑے رہتے ہیں کچھ ہمیشہ رکوع میں رہتے ہیں کچھ سجدے میں اور کچھ قعود میں۔ ان سب کی عبادت ہماری نماز میں جمع ہے پھر نماز کی شرطوں میں سے طہارت اور وضو کے علاوہ استقبال قبلہ اور ستر عورت وغیرہ بھی تو ہیں لیکن عنوان امام بخاری اور دیگر مصنفین کتاب الطہارۃ اور کتاب الوضوء کا رکھتے ہیں کیونکہ شریعت میں طہارت اور پاکی اور صفائی کا بہت زیادہ اہتمام ہے حتیٰ کہ ایک حدیث پاک میں وارد ہے۔ **نظفوا فنیتکم ولاتشبھوا بالیھود** کہ اپنے گھر کے باہر سامنے کی جگہ بھی پاک صاف رکھو اس سے نکل آیا کہ اندرونی صحن بطریق اولیٰ پاک صاف رکھو اور کمرہ اس سے بھی زیادہ پاک صاف رکھو کیونکہ کمرہ صحن سے زیادہ استعمال میں آتا ہے اور پھر کمرہ میں سے جو جگہ بیٹھنے میں زیادہ آتی ہے اس کو پاک صاف رکھنے کا اس سے بھی بڑھ کر حکم نکل آیا اور پھر انسان جو کپڑے پہنتا ہے ان کا تعلق تو بیٹھنے کی جگہ سے بھی زیادہ ہے اس لئے ان کو پاک صاف رکھنے کی تاکید اسی حدیث پاک سے اور بھی زیادہ ثابت ہوئی اور کپڑوں سے بھی زیادہ خود بدن کے پاک صاف رکھنے کی تاکید نکلی اور ظاہری میل کچیل سے زیادہ گناہوں کی گندگی سے بدن کو پاک صاف رکھنے کا حکم نکلا اور بدن کی طہارت سے زیادہ روح اور دل کی طہارت کا حکم اسی جامع حدیث پاک سے نکل آیا کہ اپنے دل اور روح کو برے عقیدوں اور برے اخلاق سے پاک صاف رکھو چونکہ شریعت میں طہارت کا اتنا زیادہ اہتمام ہے اس لئے نماز کے مقدمہ کے تمام مباحث کا نام کتاب الطہارۃ اور کتاب الوضو رکھا جاتا ہے......

کیف کا استفہام:۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیف کا استفہام اختیار فرمایا اور سب سے پہلے باب کا عنوان خبر کی

صورت میں نہ رکھا اس کی وجہ یہ ہے کہ استفہام میں وہ مبالغہ اور تفخیم وتعظیم ہوتی ہے جو خبر میں نہیں ہوتی۔

وقول اللہ جل ذکرہ انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح والنبیین من بعدہ

اس لفظ قول کو ا- مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں قول مبتدا ہوگا اور انا اوحینا خبر ہوگی۔ ۲- مجرور پڑھیں تو کیف پر عطف ہوگا ای باب معنی قول اللہ جل ذکرہ انا اوحینا الایۃ. پھر یہ آیت یہاں کیوں ذکر فرمائی اس کی وجہ۔ ا- یہ بتلانا مقصود ہے کہ وحی کا نزول صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی پرانی سنت فی الانبیاء علیہم السلام ہے۔ ۲- یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبوت کی شرط وحی ہے ہر نبی کے لئے کتاب شرط نہیں ہے۔ ۳- نبی کریم ﷺ کی وحی پہلے نبیوں کی وحی کے مشابہ ہے جیسے وہ وحی رسالت تھی وحی الہام نہیں تھی ایسے ہی یہ بھی وحی رسالت ہے وحی الہام نہیں ہے۔ ۴- اس مناسبت سے بھی یہ آیت ذکر فرمائی کہ ظاہر ہو جائے کہ جیسے نوح علیہ السلام پوری انسانیت میں سب سے پہلے داعی الی الحق والتوحید وترک الشرک والکفر تھے کیونکہ آدم علیہ السلام کی وحی اور نبوت صرف تہذیب و تمدن اور عبادت سکھانے کے لئے تھی ترک کفر کی اس وقت ضرورت نہ تھی کیونکہ کوئی کافر نہ تھا۔ اسی طرح طویل اندھیرے کے بعد نبی کریم ﷺ بھی اول داعی ہیں اور نوح علیہ السلام کی طرح نبی کریم ﷺ کی وحی میں بھی کفار کے لئے انذار اور مومنین کے لئے تبشیر ہے۔ ۵- یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جیسے نوح علیہ السلام کو غلبہ عطا فرمایا گیا اور سب کافروں کو غرق کر دیا گیا ایسے ہی نبی کریم ﷺ کو بھی غلبہ عطا فرمایا گیا۔ ۶- اس وجہ سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو یہاں اختیار فرمایا کہ اس آیت میں وحی کی بعض انواع کا بھی ذکر ہے۔ اعطاء مکتوب اور کلام بلاواسطہ بھی اس آیت میں مذکور ہیں۔ واتینا داؤد و زبورا اور و کلم اللہ موسیٰ تکلیما.

اس بات کی احادیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ

بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس باب میں جو چھ احادیث مذکور ہیں ان میں سے صرف ایک ایسی ہے جس کا تعلق بدء الوحی سے ہے جس میں غار حراء کے واقعہ کی تفصیل ہے باقی پانچ روایات کا تعلق بداء الوحی سے نہیں ہے صرف وحی سے تعلق ہے۔ اس اشکال کے حل کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ ا- پورے باب سے مقصود شان وحی کا بیان ہے۔ شان والی چیز کی ابتداء بھی شان والی ہوتی ہے اس لئے ابتدا کا ذکر ہے کہ جس چیز کی ابتداء عجیب و غریب شان وشوکت والی ہے وہ خود کیسی شان وشوکت اور عظمت وجلال والی ہوگی۔ جب وحی کی شان بیان کرنی مقصود ہے تو سب کی سب احادیث جو اس بات میں ہیں ترجمۃ الباب کے مطابق ہوگئیں۔ ۲- پورے باب سے مقصود تو بدء الوحی کے حالات ہیں لیکن بعض احادیث میں تو بدء الوحی کا ذکر ہے اور بعض میں وحی کا ذکر ہے وحی کے ذریعہ سے پھر بدء الوحی سے تعلق ہو جاتا ہے۔ ۳- باب کے معنی ہیں بدء الدین ای الوحی یعنی بدء کی اضافت وحی کی طرف بیانیہ ہے دین کی ابتداء یعنی وحی کی کیفیت بیان کرنی مقصود ہے۔ ۴- بدء بمعنی مبدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ یعنی کیسے اللہ تعالیٰ نے وحی پہنچائی۔ اس لحاظ سے بھی سب احادیث کا تعلق باب سے بالکل ظاہر ہے۔ ۵- وحی کے ابتدائی حالات کا بیان کرنا مقصود ہے صرف پہلے دن کے حالات کے بیان کرنے مقصود نہیں ہیں اس لحاظ سے بھی سب احادیث باب پر منطبق ہو جاتی ہیں۔ ۶- مقصود ابتداء بعد فترۃ الوحی ہے یعنی تقریباً چھ سو سال تک وحی نہ آئی پھر کیسے شروع ہوئی اس میں بھی سب حدیثیں مندرج ہو جاتی ہیں۔ انما الاعمال بالنیات والی حدیث کا باب سے تعلق: حدیث میں اخلاص کا ذکر ہے اور

اخلاص نبوت کے مبادی سے ہے کہ اخلاص کامل کی وجہ سے نبوت عطا فرمائی جاتی تھی اس لئے حدیث بدء الوحی کے مناسبت ہوگئی۔

انا اخلصناهم انه من عبادنا المخلصين

۲۔اس حدیث پاک میں ہجرت کا ذکر ہے اور ہجرت کی ایک قسم خلوت میں جانا اور غیر اللہ کی طرف سے توجہ ہٹانا ہے گویا غیر اللہ سے ہجرت کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف چلا گیا اور یہ چیز نبی کریم ﷺ نے غار حراء میں اختیار فرمائی تھی۔۳-اس حدیث میں اخلاص کا ذکر ہے اور اخلاص بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے جیسے وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس مناسبت سے اس اخلاص والی حدیث کو وحی کے باب میں ذکر فرمایا۔۴-حدیث شریف میں ہے کہ **مامن عبد يخلص لله العمل اربعين يوما الاظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه**: معلوم ہوا ہے کہ اخلاص بہت سی چیزوں کے انکشاف کا ذریعہ ہے جیسے وحی بہت سے امور جاننے کا ذریعہ ہے اس مناسبت سے اخلاص کی حدیث وحی کے باب میں ذکر فرمائی۔ ۵- یہ حدیث نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد خطبہ میں بیان فرمائی تھی خلفاء اربعہ نے بھی خطبہ میں بیان فرمائی۔اس لحاظ سے کتاب کے خطبہ میں اس حدیث کا ذکر مناسب ہوا یہ باب کتاب کا ایک قسم کا خطبہ ہے۔۶-وحی بھی مقدمہ عمل ہے اور نیت بھی مقدمہ عمل ہے اس مناسبت سے وحی کے باب میں نیت کی حدیث ذکر فرمائی۔ حدیث کا آیت مذکورہ سے تعلق: تمام انبیاء علیہم السلام کی وحی اور احکام میں اخلاص کی تاکید ہے **وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين** اس لئے انبیاء علیہم السلام اور ان کی وحی والی آیت اور حدیث اخلاص میں بہت مناسبت ہے۔ایک نکتہ بدء الوحی کی پہلی حدیث کے پہلے دونوں راوی مکی ہیں حمیدی بھی اور سفیان بن عیینہ بھی اور مکہ ہی بدء الوحی کا مقام ہے۔**اس حدیث کی فضیلت**: ۔امام شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث فقہ کے ستر بابوں میں داخل ہوتی ہے۔۲-امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں علم کا تیسرا حصہ آجاتا ہے اس کی وضاحت علامہ عینی نے فرمائی کہ علم کا تعلق تین چیزوں سے ہے قول، فعل اور نیت اس لئے نیت علم کا تیسرا حصہ ہوئی۔۳-امام ابوداؤد سجستانی کا ارشاد ہے کہ میں نے پانچ لاکھ حدیثیں لکھیں ان میں سے ۴۸۰۰ (چار ہزار آٹھ سو منتخب کہیں احکام میں اور زہد میں تو چار حدیثیں ہی کافی ہیں انتھی ان چار کو طاہر ین معوذ نے نظم کیا۔

عمدة　الدين　عندنا　كلمات
اربع　قالهن　خير　البريه
اتق　الشبهات　و　ازهد　ودع　ما
ليس　يعنيك　واعمل　بنيه

۴- قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ النیۃ فی العمل کالروح فی الجسد عمل اور فعل میں فرق۔۱-عمل میں قصد اور ارادہ شرط ہے فعل میں شرط نہیں غیر اختیاری کام کو بھی فعل کہہ دیتے ہیں۔۲-عمل میں علم اور نظر وفکر شرط ہے فعل میں شرط نہیں ہے۔۳-عمل میں دوام و استمرار پر بھی دلالت ہوتی ہے فعل میں نہیں وہ عام ہے دوام کے ساتھ ہو یا ایک دفعہ ہو۔۴-عمل کا اطلاق اقوال پر بھی ہو جاتا ہے فعل کا نہیں ہوتا۔۵-فعل تاثیر پر بھی دلالت کرتا ہے عمل نہیں کرتا۔ نیت کے معنی لغوی معنی کسی فعل کا قصد کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں ابتغاوجہ اللہ بھی شرط ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرنا حدیث میں لغوی معنی ہی مراد ہیں کیونکہ حدیث پاک میں اچھی اور بری نیتوں کا ذکر ہے وجوہ اختصار: نیت والی حدیث میں امام بخاری نے یہ حصہ حذف فرمادیا۔ **فمن كانته هجرتها الى الله ورسوله فهجرته الى الله و رسوله** **اس کی وجہ**:۔۱-حضرت حمیدی سے امام بخاری نے یہ حدیث مختصراً بھی سنی مفصلاً بھی یہاں مختصراً بیان فرمادی آگے مفصلاً بیان فرمادیں گے۔۲-امام بخاری پر تہمت لگ سکتی تھی کہ یہ حدیث لاکر فخر کرنا چاہتے ہیں کہ میری نیت اچھی ہے اس تہمت سے بچنے کے لئے اچھی نیت

والا حصہ حذف فرما دیا۔۳- یہ اشارہ فرما دیا کہ جو اچھی نیت نہ کرے تو کم از کم بری نیت سے ہی بچے۔۴- یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ حدیث کے درمیان سے حذف کر کے بیان کر دینا بھی جائز ہے۔ انما کی تحقیق:۔ یہ کلمہ بسیط ہے۔۲- مرکب ہے ان حرف مشبہ بفعل اور ما کافہ سے۔۳- مرکب ہے اور ما زائد ہے۔۴- مرکب ہے اور ما نافیہ ہے سوال۔ ان اثبات کے لئے ہوتا ہے ما نافیہ تو اس کی ضد ہے جواب یہ تضاد مرکب ہونے سے پہلے تھا مرکب ہونے کے بعد صرف حصر کے معنی بن گئے۔سوال ما نافیہ اور ان دونوں صدارت کلام چاہتے ہیں اس لحاظ سے بھی تضاد ہے جواب یہ تضاد بھی مرکب ہونے سے پہلے ہی تھا مرکب ہونے کے بعد نہ رہا حصر: یہاں دو لحاظ سے حصر ہے۔ ا- انما سے۔۲- الاعمال کا الف لام استغراق کے لئے ہے۔

نیت اور قصد میں فرق

ا- نیت کا تعلق صرف اپنے فعل سے ہوتا ہے اور قصد کا تعلق اپنے اور غیر کے فعل دونوں سے ہوسکتا ہے۔۲- قصد کا تعلق اختیاری کام سے ہوتا ہے اور نیت کا غیر اختیاری سے بھی ہوسکتا ہے۔۳- نیت میں فاعل کی اپنی غرض ہوتی ہے قصد میں یہ شرط نہیں اس لئے نیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ نیة المومن خیر من علمه اس حدیث کے مختلف معنی کئے گئے ہیں۔ا- نیت بلا عمل میں ثواب ہے اور عمل بلا نیت میں ثواب نہیں ہے۔۲- قلب کی اصلاح کے لئے جو تدبیریں کی جاتی ہیں ان میں نیت بلا عمل تو داخل ہے کیونکہ بعض تصورات اور نیات سے مثلاً تواضع پیدا ہوتی ہے اور بڑھتی ہے عمل بلا نیت سے کچھ فرق نہیں پڑتا مثلاً زمین پر ماتھا رکھے اگر نیت اللہ کے سامنے اپنے آپ کو مٹانے کی نہ ہو تو تواضع میں ترقی نہیں ہوتی۔۳- پوری زندگی میں نیت شرعیہ میں کوئی کمزوری اور کوئی آفت نہیں آتی اور اعمال کی کمزوریاں رہتی ہیں۔ ۴- نیت قلب کا کام ہے اور قلب اشرف الاعضا ہے اس لئے نیت کا درجہ عمل سے اونچا ہے۔۵- قلب امیر ہے باقی اعضاء اس کے ماتحت ہیں اس لئے قلب کا فعل نیت اونچے درجہ کی چیز ہے۔۶- نیت موت کے بعد کے لئے بھی ہوسکتی ہے کہ میری عمر اگر ہزار سال سے بھی زائد ہوئی تو نماز نہ چھوڑوں گا عمل موت کے آگے نہیں بڑھا جس درجہ کا عمل کیا ہے نیت اس سے بھی زیادہ عمدہ کرنے کی تھی تو ثواب مل جاتا ہے اور عمل اس درجہ کا کیا ہے اسی درجہ کا ثواب ملتا ہے۔۸- نیت جائز عمل کو مستحب بنا دیتی ہے جبکہ اس میں اچھی نیت کر لی جائے اور عمل نیت کو بدل نہیں سکتا۔

حدیث کے دو جملوں میں فرق

انما الاعمال بالنیات میں نفس نیت کا ذکر ہے اور و انما لامرء مانویٰ میں تعین نیت کا ذکر ہے۔ مثلاً یہ نیت بھی ضروری ہے کہ میں نماز کی نیت کرتا ہوں اور یہ نیت بھی ضروری ہے کہ ظہر کی نماز کی نیت کرتا ہوں۔۲- دونوں جملوں کے ایک ہی معنی ہیں پہلے کی تاکید کے لئے دوسرا جملہ استعمال فرمایا ہے۔۳- پہلے جملہ میں نفس عمل کا لحاظ ہے کہ اچھی نیت سے ٹھیک ہوتا ہے بری نیت سے خراب ہوتا ہے۔ دوسرے جملہ میں مالا جله الحمل یعنی ثواب وانوار کا لحاظ ہے کہ اچھی نیت سے انوار وثواب نصیب نہ ہوں گے نصیب ہوں گے بری سے جملہ یہ بیان ہے کہ جو عمل حقیقتاً کر لیا ہے اس کا مدار نیت پر ہے اور دوسرے جملہ میں عملی حقیقی اور عمل حکمی دونوں داخل ہیں مثلاً نیت کی تھی کہ آج رات پچاس نفل پڑھوں گا بیمار ہو گیا نہ پڑھ سکا تو اس عمل میں بھی اگر نیت اچھی تھی تو ثواب مل جائے گا اور اچھی نہ تھی دکھاوے وغیرہ کی تھی تو نہ ملے گا۔۵- پہلے جملہ کا تعلق عبادات سے دوسرے کا تعلق مباحات سے ہے۔۶- پہلا جملہ ایک قاعدہ عقلیہ کا بیان ہے دوسرا جملہ حکم شرعی کا بیان ہے۔

فهجرة الى الله و رسوله

سوال یہاں مبتدا اور خبر بالکل ایک ہی چیز ہے اس کو حمل اولیٰ کہتے ہیں۔ اگر دونوں میں کوئی اعتباری فرق نہ کیا جائے تو یہ کلام

بالکل باطل ہوا کرتی ہے اور اگر فرق کر لیا جائے تو پھر بھی اس کلام کا فائدہ نہیں ہوتا جواب یہاں مبتدا اور خبر الگ الگ ہیں اس کی کئی تقریریں ہیں۔ ۱- خبر اس معنی میں ہے فہجرۃ کاملۃ ۔ ۲- خبر اس معنی میں ہے فہجرتہ مقبولۃ ۔ ۳- اول میں قصداً ملحوظ ہے ثانی میں ثواباً ملحوظ ہے۔ ۴- اول میں فی الدنیا ملحوظ ہے اور ثانی میں فی الاخرہ ملحوظ ہے۔ ۵- مقبولۃ خبر محذوف ہے مبتدا اور خبر مل کر پھر پہلے مبتدا کی خبر بنتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اچھی نیت کر کے ہجرت شروع کی پھر اگر راستہ میں بھی فوت ہو جائے تو ثواب مل جائے گا۔ ۶- مبتداء اور خبر کا اتحاد پہلے جملہ میں تعظیما ہے اور دوسرے جملہ میں تحقیراً ہے جیسے اس جملہ میں ہے انت انت وھم ھم ای انت صدیقی وھم حقیرون۔

دنیا کی وجہ تسمیہ

۱- دنیا دنو سے ہے بمعنی قریب یہ آخرت کی نسبت قریب ہے۔ ۲- یہ ختم ہونے کے قریب ہے۔ ۳- دناءۃ سے ہے یعنی گھٹیا چیز دنیا آخرت کے مقابلہ میں بالکل گھٹیا چیز ہے۔ او امرءۃ :۔ ۱- یہ تخصیص بعد التعمیم کیونکہ یہ ارشاد طبرانی کی روایت کے مطابق مہاجر ام قیس کے متعلق وارد ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت آئی ہے مذکورہ کتاب میں کہ ایک شخص ام قیس سے نکاح کرنا چاہتا تھا اس نے شرط لگائی کہ جب تک مسلمان ہو کر ہجرت کر کے نہ آؤ گے مجھ سے نکاح نہ ہوگا چنانچہ وہ شخص مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آگیا اور اس کا لقب مہاجر ام قیس ہو گیا اس کی طرف اس حدیث پاک میں اشارہ ہے۔ ۲- ایک حدیث شریف میں ہے مرفوعاً ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء اس وجہ سے عورت کا خصوصی ذکر فرمایا۔

دو مثالوں کے الفاظ میں فرق کیوں فرمایا

اس طرح کہ پہلی میں تصریح ہے فہجرۃ الی اللہ ورسولہ اور دوسری مثال میں فہجرۃ الی ما ھاجر الیہ فرما دیا ما کے ساتھ دوبارہ دنیا اور عورت کا نام نہ لیا وجہ یہ ہے کہ پہلی مثال میں دوبارہ نام لینا۔ ۱- تبرکا ہے۔ ۲- استلذاذاً ہے۔ ۳- تعظیماً ہے دوسری مثال میں نام نہ لینا ۱- تحقیراً ہے۔ ۲- تعمیما ہے کہ صرف دنیا یا عورت ہی کی نیت نہیں ہوتی اور نیت بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً شہرت ہے۔ **محل نیت**:۔ سوال یہ کام تو آسان ہے ہر گناہ میں اچھی نیت کر لیا کریں گے۔ جواب ۱- صرف مباحات اور مستحسنات میں نیت مؤثر ہوتی ہے گناہوں میں نہیں۔ ۲- گناہ میں اگر اچھی نیت بھی کرے گا تو بری نیت ہی بن جائے گی گناہ میں اچھی نیت ہو سکتی ہی نہیں۔ کوئی ڈاکہ ڈالے کیمونزم یا سوشلزم اختیار کرے کہ امیروں سے چھین کر غریبوں میں تقسیم کروں گا تو اس نیت سے اس ڈاکہ وغیرہ کا گناہ اور بھی بڑھ گیا۔

انما لامرئٍ ما نوی

ما ۱- مصدر یہ ہے۔ ۲- موصولہ مصداق خیر او شر۔ ۳- ما موصولہ مصداق عمل۔ سوال کیا روزہ کے بدلہ میں آخرت میں روزے ملیں گے جواب:۔ ۱- چیز یہی ہوگی صورت بدلی ہوئی ہوگی۔ ۲- مضاف محذوف جزاء ما نویٰ۔ پھر انما جو حصر کے لئے ہے تو محل حصر کیا ہے۔ ۱- جو نیت نہ کی وہ نہ ملے گا۔ ۲- جو دوسرے نے نیت کی وہ اس کو نہ ملے گا لیکن اس آخری صورت میں اس میں صرف ایمان داخل ہوگا کیونکہ اعمال کا ثواب تو دوسرے کی نیت سے اور دوسرے کے پہنچانے سے بھی پہنچ جاتا ہے۔ البتہ ایمان ایک کا دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا۔

نیت کی اقسام

نیت کرنے والا دو حال سے خالی نہیں، منافق ہوگا یا مخلص۔

۱- اگر منافق ہے تو اس کی نیت تزین عند الناس ہوتی ہے جو بری نیت ہے۔ ۲- اگر مومن مخلص ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں اہل ظاہر میں سے ہوگا یا اہل باطن میں سے ہوگا۔ اگر اہل ظاہر میں سے ہے تو عالم ہوگا یا عاصی ہوگا۔ اگر عاصی ہے تو ادنیٰ درجہ کا یا متوسط درجہ کا یا اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ اگر عاصی اہل ظاہر ادنیٰ درجہ کا ہے تو اس کی نیت حفاظت عن سوء القضاء ہوتی ہے کہ گناہ سے اس لئے بچتا ہے کہ کہیں کوئی مصیبت نہ آجائے یہ دنیا ہی کی نیت ہے اچھی

نیت نہیں ہے۔ ۳- اگر عاصی متوسط درجہ کا ہے تو اس کی نیت عذاب سے بچنے کی ہوتی ہے یہ بھی اخلاص میں داخل ہے۔ ۴- اگر عاصی اعلیٰ درجہ کا ہے تو اس کی نیت جنت کی نعمتیں حاصل کرنے کی ہوتی ہے یہ بھی اچھی نیت ہے۔ ۵- اور اگر اہل ظاہر میں سے ہے اور عالم ہے تو اس کی نیت رضاء حق کی ہوتی ہے۔ یہ بھی بہت اعلیٰ نیت ہے۔ ۶- اگر اہل باطن میں سے ہے تو پھر دو حال سے خالی نہ ہوگا عوام میں سے ہوگا یا خواص میں سے اگر عوام میں سے ہے تو اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ یہ میری عبادت تو گناہ کہلانے کے قابل ہے صرف حق تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو نیکی میں داخل فرمالیں اور قبول فرمالیں تو ان کی عنایت ہے یہ بھی اچھی نیت ہے اور ۷- اگر اہل باطن خواص میں سے ہے تو اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ تعلق مع اللہ میں اور قرب ورضا میں ترقی ہو یہ سب سے اعلیٰ نیت ہے۔

مصداق الدنیا

۱- مجموع ھذا العالم جس سے ہمارا تعلق موت سے پہلے ہے۔
۲- ما علی الارض۔ ۳- حظوظ نفسانیہ یعنی مال وجاہ ۴- حظوظ عاجلہ یعنی مرنے سے پہلے کی لذت کی چیزیں۔ اس کے مقابلہ میں آخرت حظوظ آجلہ کا نام ہے یعنی وہ لذتیں جو مرنے کے بعد نصیب ہوں گی۔ ۵- الدنیا ما یدرک بالحس والاخرۃ مایدرک بالعقل۔ ۶- مایلھیک عن اللہ فھی الدنیا۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن

لدینا:۔ ایک روایت میں الی دنیا کی جگہ لدینا ہے۔
۱۔ اس میں لام بمعنی الی ہے۔ ۲۔ لام تعلیلیہ ہے لاجل متاع الدنیا۔ المسائل المستبطہ:۔ ۱۔ جتنی نیتیں زیادہ ہوں گی ثواب زیادہ ہوگا۔ مثلاً مستحبات میں سے ایک کام ہے تعود فی المسجد اس میں بہت سی نیتیں ہوسکتی ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی زیارت کی نیت کیونکہ حدیث شریف میں مرفوعاً وارد ہوا ہے من قعد فی المسجد فقد زار اللہ تعالیٰ دوسرے نماز کے انتظار کی نیت ایک تفسیر رابطوا کی بھی یہی ہے نماز کا انتظار کیا کرو تیسرے اعتکاف کی نیت چوتھے گناہوں سے بچنے کی نیت پانچویں ذکر اللہ سننے کی نیت چھٹے قرآن پاک سننے کی نیت ساتویں بیت اللہ میں بیٹھ کر یکسوئی سے ذکر اللہ کرنا آٹھویں امر بالمعروف نویں نہی عن المنکر دسویں ایسا شخص تلاش کرنا جس سے حب فی اللہ کی جاسکے۔ گیارہویں خلق حیاء کی ترقی جس سے گناہوں سے بچ سکے بارہویں مسلمانوں کو سلام کرنے کی نیت بشرطیکہ ان کا حرج نہ ہو۔ ایسے ہی مباحات میں بھی اچھی نیت ہونی چاہئے اور جتنی زیادہ نیتیں ہوں گی اتنا زیادہ ثواب ملے گا مثلاً خوشبو لگانے میں ایک یہ نیت ہو کہ سنت کا اتباع ہے دوسرے یہ نیت ہو کہ پاس بیٹھنے والوں کو راحت پہنچے گی۔ تیسرے یہ نیت ہو کہ پاس بیٹھنے والے کو بدبو سے تکلیف نہ پہنچے گی چوتھے یہ کہ سمجھنے کے لئے ذہن تیز ہوگا۔ ۲- اگر سبقت لسانی سے کلمہ کفر زبان سے نکل گیا تو وہ معاف ہے بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ کافر ہوجائے گا۔ ہماری جمہور کی ایک دلیل تو یہی زیر بحث روایت ہے دوسری دلیل مسلم شریف کی لمبی روایت ہے جس میں توبہ کی فضیلت مذکور ہے کہ بعض دفعہ غلطی سے یہ الٹا بھی منہ سے نکل جاتا ہے انت عبدی وانا ربک مالکیہ کفر کو اطلاق پر قیاس کرتے ہیں جواب ۱- ثلث جدھن جد وھزلھن جد کی وجہ سے طلاق مستثنیٰ ہے۔ ۲- کفر حق اللہ ہے اس کو طلاق حق العباد پر قیاس نہیں کرسکتے حق اللہ میں وسعت اور حق العبد میں تنگی ہوتی ہے۔ ۳- تیسرا مسئلہ جو نیت ولی حدیث سے نکالا گیا یہ ہے کہ وطی بالشبہ میں گناہ نہیں۔ ۴- غلطی سے شرب خمر معاف۔ ۵- قتل خطا آخرت میں معاف۔ ۶- اخلاص اہم ہے ۷- علم کے لئے ہجرت مستحسن ہے۔ ۸- تقویٰ سے علمی ترقی ہوتی ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں جو علم کے لئے تھا یہ حدیث پڑھی جس میں ہجرت عن المعاصی بھی داخل ہے۔ ۹- ذکر الحدیث فی الخطبہ مستحسن ہے۔ ۱۰- اچھی چیز کا تکرار اچھا اور بری چیز کا برا ہے۔ ۱۱- دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا برا ہے۔

حکم شرک اصغر

ریا شرک اصغر ہے جب دین کے کام میں دنیا اور آخرت دونوں کی نیتیں ہوں تو کیا حکم ہے اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

۱- جب دین کے کام میں کچھ بھی نیت دنیا کی آ جائے تو ثواب ختم ہوجاتا ہے کیونکہ حدیث شریف میں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انا اغنی الشرکاء عن الشرک۔ ۲- اگر آخرت کی نیت غالب ہو تو ثواب مل جائے گا ورنہ نہیں۔ ۳- اگر عبادت کے ساتھ جو نامناسب نیت ملی ہوئی ہے وہ حرام کے درجہ کی ہے تو ثواب نہ ہوگا ورنہ جتنی اچھی نیت ہے اتنا ثواب ہوگا اور جتنی غلط نیت ہے اتنا ثواب سے محروم ہوگا۔

یہ حدیث شروع کتاب میں کیوں ذکر فرمائی

یہ بتلانا مقصود ہے کہ علم کے شروع میں اخلاص ضروری ہے۔ ۲- علم حاصل کرنے کے لئے اگر وطن چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دینا چاہئے۔ ۳- گناہوں کا چھوڑنا علم کی ترقی کے لئے مفید ہے۔

بالنیات سے پہلے کیا محذوف ہے

۱- شوافع حضرات زیادہ ترصحیۃ یا تصح محذوف مانتے ہیں تاکہ وضو میں نیت کا ضروری ہونا ثابت ہو جائے۔ ۲- احناف زیادہ تر کاملۃ یا تکمل مانتے ہیں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ثواب کا مدار نیت پر ہے وضو سے نماز صحیح ہونے کے لئے نیت ضروری نہیں ہے۔ ۳- بعض حضرات معتبرۃ یا تعتبر نکالتے ہیں تاکہ عبادات مقصودہ اور شروط اور مباحات وغیرہ سب کو شامل ہو جائے۔

نیت کے الفاظ کو زبان سے کہنا

شوافع اور احناف کے نزدیک اگر وسوسہ دفع کرنے کے لئے تکلم کی ضرورت ہو تو فعل قلب کے ساتھ ساتھ زبان سے کہہ لینا بھی افضل ہے ورنہ ترک تکلم افضل ہے تاکہ غیر مقصود وساوس سے آسانی سے نجات مل جائے۔ حنابلہ کے نزدیک زبان سے کہنا بدعت ہے کیونکہ مرفوعاً صرف یہ ثابت ہے کان اذاقام الی الصلوٰۃ کبر جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کو دفع وساوس کی ضرورت پیش نہ آتی تھی مالکیہ کے نزدیک تلفظ مکروہ ہے ان کی دلیل اور جواب یہی ہیں۔ بعض شوافع نے تلفظ کو نماز کے صحیح ہونے کی شرط قرار دے دیا کیونکہ اس کے بغیر وساوس دفع نہیں ہو سکتے ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ حکم ہی خلاف اجماع ہے دوسرے جو دلیل انہوں نے پیش کی وہ اسی کے متعلق ہے جس کو وساوس بہت آتے ہوں اور گفتگو عامۃ المومنین میں ہے ان کی دوسری دلیل حج میں مرفوعاً یہ ثابت ہے **اللھم انی ارید الحج** جواب یہ ہے کہ یہ دعا بعد النیۃ ہے ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ مثبت اور نافی تو دلیلیں ہوتی ہیں۔ یہاں تو آپ کے پاس دلیل ہے ہی نہیں۔

اس حدیث کے مختلف الفاظ جو صحیح اسانید سے ثابت ہیں

۱- انما الاعمال بالنیات ۲- انما الاعمال بالنیۃ ۳- الاعمال بالنیات ۴- الاعمال بالنیۃ ۵- العمل بالنیۃ۔ ہجرت کے اقسام:- ۱- ترک دارالکفر الی دارالایمان ۲- علم کی خاطر وطن چھوڑنا۔ ۳- ترک دارالبدعۃ الی دارالسنۃ۔ ۴- حج کے لئے وطن چھوڑنا ۵- غیر اللہ سے توجہ ہٹا کر متوجہ الی اللہ ہونا۔ ۶- گناہ چھوڑنا حدیث پاک میں ہے المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ۔

ایک تعارض کا جواب

ایک حدیث پاک میں لاہجرۃ بعد الفتح ای فتح مکۃ دوسری حدیث پاک میں یوں ہے **لا تنقطع الھجرۃ حتیٰ تنقطع التوبۃ** جواب ۱- پہلی حدیث میں ہجرۃ الی المدینۃ ہے دوسری میں ہجرۃ عن المعاصی ہے۔ ۲- پہلی حدیث میں وہ ہجرت ہے جو شرط ایمان تھی۔ دوسری میں باقی ہجرتیں ہیں کہ جہاں رہ کر فرض ادا نہ ہو سکیں وہاں سے ہجرت فرض جہاں واجب ادا نہ ہو سکیں وہاں سے واجب جہاں سنت ادا نہ ہو سکے وہاں سے سنت جہاں مستحب ادا نہ ہو سکیں وہاں سے مستحب۔

عن عائشۃ ام المومنین

اس میں اقتباس ہے اس آیت سے وازواجہ امہاتھم اس ام المومنین

میں مومنات تغلیباً داخل ہیں اور ام المومنات کہنا بھی صحیح ہے۔

کیف یاتیک الوحی

۱- سوال کے مقصد میں اقوال مختلف ہیں۔
۱- وحی کی صورت کیا تھی۔
۲- وحی لانے والا کون تھا۔
۳- وحی لانے والے کے حالات ارشاد فرماویں۔
۴- یہ سب باتیں پوچھنی مقصود تھیں۔

اس حدیث کی مناسبت باب کے ساتھ

۱- اس حدیث میں فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا مذکور ہے ابتدائی وحی میں بھی فرشتہ انسانی شکل میں آیا تھا اس لئے باب کیف کان بدء الوحی کے مناسب ہوگئی یہ حدیث ۲- اس حدیث میں شدت وحی کا ذکر ہے یہ شدت ابتداء وحی میں تھی پھر آہستہ آہستہ مناسبت ہو جانے کی وجہ سے شدت کم ہوگئی تھی اسی لئے شروع میں آیتیں کم نازل ہوتی تھیں پھر زیادہ نازل ہونی شروع ہوگئیں حتیٰ کہ بعض دفعہ چلتی اونٹنی پر بھی سوار ہونے کی حالت میں نازل ہوئیں جو تخفیف کی علامت ہے۔ ۳- جو دو صورتیں یہاں مذکورہ ہیں کہ کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح وحی ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے یہ دو صورتیں سب نبیوں میں پائی جاتی تھیں اس لئے اس حدیث کی مناسبت آیت انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ کے ساتھ ہوگئی اور آیت کی باب سے مناسبت ہے اس طرح اس حدیث کی باب سے مناسبت ہوگئی۔ ۴- باب سے اصل مقصود عصمت وحی اور عظمت وحی ہے اور حدیث اس کے مناسب ہے کہ فرشتہ کا آنا عصمۃ کی بھی دلیل ہے اور عظمت کی بھی۔ **وحی کی دو صورتوں کی تفصیل:**۔ سوال اس حدیث پاک میں وحی کی صرف دو صورتیں مذکور ہیں حالانکہ ان دو صورتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے تکلم خواب اعطاء شی مکتوب اور الہام بھی تو وحی کی صورتیں تھیں ان کو کیوں ذکر نہ فرمایا۔ جواب یہاں ان صورتوں کا بیان مقصود ہے جو غیر نبی میں نہ پائی جاتی ہوں اور سب نبیوں میں مشترک بھی ہوں الہام اور خواب غیر نبی میں بھی ہوتے ہیں اور اعطاء شی مکتوب اور تکلم سب نبیوں میں نہیں پائے گئے اس لئے ان کو ذکر نہ فرمایا۔ پھر ان دونوں صورتوں میں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے گھنٹی جیسی آواز اور انسانی شکل میں فرشتہ کا آنا ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں میں وحی فرشتہ ہی لاتا تھا کیونکہ بعض حدیثوں میں دونوں صورتوں میں فرشتہ کے آنے کی تصریح بھی موجود ہے۔ گھنٹی جیسی آواز میں بھی فرشتہ ہی وحی لاتا تھا لیکن وہ نظر نہ آتا تھا یہ معنی نہیں ہیں کہ فرشتہ اصلی شکل میں ہوتا تھا کیونکہ اصلی شکل میں فرشتہ کا دیکھنا بقول حضرت عائشہؓ صرف دو دفعہ ہی ہوا ہے۔ گھنٹی جیسی آواز کو بعضوں نے فرشتہ کے پروں کی آواز قرار دیا ہے لیکن راجح یہی ہے کہ یہ فرشتہ کی آواز تھی جس کے ذریعہ سے وحی پہنچائی جاتی تھی پھر وحی کی ان دو صورتوں کے متعلق مختلف تقریریں ہیں۔ ۱- استفادہ میں کبھی سامع متکلم جیسا بنتا ہے یہ صلصلۃ الجرس ہے یہ نبی کریم ﷺ کے لئے نسبتاً مشکل صورت تھی کبھی متکلم سامع جیسا بنتا ہے یہ دوسری صورت تھی یہ آسان تھی اس کو تمثل سے بیان فرمایا کہ فرشتہ انسان جیسا بنتا تھا یہ نہیں کہ فرشتہ ہونا ختم ہو جاتا تھا صرف انسان سے مشابہت ہوتی تھی۔ ۲- پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ کا ظہور ہوتا تھا دوسری صورت میں صفات جمالیہ کا۔ ۳- پہلی صورت میں انذار تھا دوسری صورت میں تبشیر تھی۔ ۴- پہلی صورت میں ایک مسلسل آواز سے معنی سمجھنا تھا یہ مشکل تھا دوسری صورت میں انسانی کلام کا سننا تھا یہ صورت آسان تھی۔ ۵- پہلی صورت میں حاسہ سمع کا تعطل ہو جاتا تھا اور وہ عالم مشاہدہ سے کٹ جاتا تھا جیسے کسی کا حاسہ بصر ختم ہو جائے تو اس کو الوان مختلفہ نظر آتے ہیں اسی طرح حاسہ سمع جب عالم مشاہدہ سے کٹ جاتا تھا اور عالم غیب کی باتیں سنتا تھا تو گھنٹی جیسی آواز محسوس ہوتی تھی۔

وھوا شدہ علی:۔ اس سے معلوم ہوا کہ شدت دونوں صورتوں میں تھی پہلی صورت میں زیادہ شدت تھی۔ ایک آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر وحی میں کچھ نہ کچھ شدت تھی وہ آیت یہ ہے انا سنلقی علیک قولا ثقیلا۔

فاعی مایقول:۔ یہ مضارع کا صیغہ ہے اور تکلم کے ساتھ مذکور ہے فیکلمنی بفاعی مایقول کہ فرشتہ بات کرتا تھا۔ ساتھ ساتھ میں سمجھتا چلا جاتا تھا۔ پہلی صورت میں ماضی ہے اور فصم کے ساتھ مذکور ہے فیفصم عنی وقد وعیت عنہ کہ جب وحی ختم ہوتی اس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ میں تو پوری وحی کو یاد کر چکا ہوں۔

وحی کی ایک عجیب خوبی

یہ ہے کہ وحی کو صاحب وحی ہی سمجھتا ہے پاس بیٹھا ہوا آدمی کچھ نہیں سمجھ سکتا۔

فیفصم عنی:۔ اس کے معنی ہیں جب منقطع ہوتی تھی وحی اور ختم ہوتی تھی فصم اور قصم میں یہ فرق ہے کہ فصم بالفاء میں کسی چیز کا پھٹنا بلا انفصال مراد ہوتا ہے اور قصم بالقاف میں پھٹنا مع الانفصال ہوتا ہے یہاں پہلا لفظ استعمال کیا گیا اس میں اشارہ ہے کہ تھوڑے وقت اور تھوڑے عرصہ کے لئے وحی بند ہوتی تھی ہمیشہ کے لئے بند نہ ہوتی تھی پھر اس لفظ کے نقل کرنے میں تین روایتیں ہیں۔ ۱۔ یفصم ضرب یضرب سے مضارع معروف ۲۔ یفصم ۔ ضرب یضرب سے مضارع مجہول۔ ۳۔ یفصم باب افعال سے مضارع معروف تینوں کے معنی انقطاع ہی کے ہیں تیسری روایت اس محاورہ سے ہے افصم المطر اقلع ختم ہوگئی۔ پہلی روایت کو ترجیح ہے۔ لیتفصد :۔ ای یسیل ظاہر تو یہی ہے کہ اس کا تعلق پہلی صورت سے ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں سے ہی تعلق ہو پھر اس مشقت کی وجہ کیا تھی۔ ۱۔ نبی کریم ﷺ کی تربیت ۲۔ صبر کا امتحان تھا۔

الرویا الصالحۃ:۔ الرویا فی المنام والرای بالقلب والرویۃ بالعین پھر صالحہ کے معانی۔ ۱۔ صادقہ ۲۔ نافعہ فی الدنیا۔ ۳۔ جس میں شیطان کا دخل نہ ہو۔

حتیٰ جاءہ الحق:۔ اس حق سے مراد وحی اور نبوت ہے النبوۃ ھی السفارۃ بین اللہ و بین اولی الالباب لقضاء حاجاتھم الدنیویۃ والاخرویۃ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جب نبی یا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اللہ تعالیٰ کا پیغام سنتے ہیں تو تین باتیں بداھتاً جان لیتے ہیں۔ ۱۔ متکلم کون ہے۔ ۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے۔ ۳۔ اس کے معنی کیا ہیں یہ پہلی وحی کب آئی۔ ۱۔ ۱۷ رمضان المبارک کو جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی تھی۔ ۲۔ صحف ابراہیم علیہ السلام یکم رمضان کو نازل ہوئے تورات ۶ رمضان کو انجیل ۱۳ رمضان کو زبور ۱۸ رمضان کو اور قرآن کی ابتدا ۲۴ رمضان کو ہوئی۔

قال اقراء قال ما انا بقاری

سوال: فرشتہ کا اقرا کہنا بظاہر تکلیف بمالا یطاق تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ لکھی ہوئی چیز پڑھ نہ سکتے تھے اور آپ ﷺ کے لئے ایسا ہونا بہت بڑا کمال تھا ورنہ کفار کو اعتراض کا موقعہ ہوتا کہ گھر میں کچھ کتابیں چھپا رکھی ہوں گی وہ پڑھ پڑھ کر یاد کر کے لوگوں کو سنا دیتے ہوں گے اب کوئی اعتراض نہ کر سکتا تھا کیونکہ ان کے سامنے چالیس سال گزارے تھے سب جانتے تھے کہ یہ لکھی ہوئی کتاب نہیں پڑھ سکتے اس لئے اشکال ہوا کہ فرشتہ کا اقراء کہنا تکلیف فوق الوسع تھی۔ جواب۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے بچے کو شروع میں کہا جاتا ہے کہ جیسے میں پڑھتا ہوں تم بھی پڑھو یہی صورت یہاں بھی تھی۔ سوال اگر یہی صورت تھی تو پھر نبی کریم ﷺ نے کیوں فرمایا ما انا بقاری۔

جواب: ۱۔ آپ ﷺ کچھ گھبرا گئے تھے اس گھبراہٹ میں یہ فرمایا۔ ۲۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ پڑھنا ایک معتدبہ تعلیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ۳۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ فرشتہ کے ہاتھ میں کوئی لکھی ہوئی چیز تھی وہ دکھا کر فرشتہ

نے کہا تھا پڑھو اس لئے ارشاد فرمایا ما انا بقاری۔۴- فرشتہ نے چونکہ یہ نہ ذکر کیا تھا کہ کیا پڑھا جائے اس لئے آپ نے یوں فرمایا کیونکہ بعض روایتوں میں یوں بھی ہے ماذا اقرأ۔

فاخذنی فغطنی

یہ غلط اور دبانا کس مقصد کے لئے تھا اس میں مختلف توجیہات ہیں ا- تا کہ وحی کی طرف پوری توجہ ہو۔۲- تا کہ ملکیت اور فرشتہ جیسا ہونا بڑھ جائے اور وحی کو سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔۳- پہلی دفعہ دبانا دنیا سے اعراض کی خاطر تھا دوسری دفعہ توجہ الی الوحی کے لئے تھا تیسری دفعہ مناسبۃ بالملکیہ کے لئے تھا۔

حتیٰ بلغ منی الجھد

ا- الجھد جیم کا فتح اور رفع۔۲- جیم کا ضمہ اور رفع ان دونوں کے معنی ہیں بلغ الجھد مبلغہ مشقت اپنی انتہا کو پہنچی۔۳- جیم کا فتحہ اور نصب۔۴- جیم کا ضمہ اور نصب ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو دو معنی ہیں کیونکہ بلغ کا فاعل غلط ہے تو معنی ہیں کہ دبانا مشقت کی انتہاء کو پہنچا اور فاعل ملک ہے تو معنی ہیں کہ فرشتہ نے مشقت کی انتہاء تک دبایا۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق

ان آیات میں ما انا بقاری کے جوابات بھی ہیں۔ا- اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے آپ پڑھ سکیں گے۔۲- جیسے پیدا کیا ہے ایسے ہی پڑھا بھی دیں گے۔۳- جیسے علقیۃ کی حالت کو ختم فرمایا ہے ایسے ہی ناواقفی کی حالت کو بھی ختم فرما دیں گے۔۴- جیسے قلم سے سکھایا ہے آپ کو بغیر قلم بھی سکھا دیں گے۔۵- جیسے انسان کو نامعلوم معاشیات بتلا دی ہیں۔ایسے ہی انسان کو نامعلوم دینیات بھی بتلا دیں گے۔علم بالقلم:۔علم بالقلم میں اشارہ ہے علوم تعلیمیہ کی طرف اور علم الانسان مالم یعلم میں اشارہ ہے علم لدونی کی طرف پھر قلم کے ذکر کی وجہ۔ا- اہمیت قلم ۲- یہ اشارہ کہ جیسے قلم کے ذریعہ سے تعلیم ہوتی ہے اسی طرح فرشتہ بھی ذریعہ ہے اس لئے فرشتہ کی فضیلت نبی کریم ﷺ پر لازم نہ آئی۔لقد خشیت علی نفسی:۔مفعول محذوف ہے الموت کیوں مختلف توجیہات ہیں۔ا- ہیبت کے غلبہ کی وجہ سے۔۲- بیماری کی وجہ سے ۳- شاید وحی کے ثقل کو برداشت نہ کرسکوں۔یہ معنی نہیں ہیں کہ وحی کے من جانب اللہ ہونے میں شک تھا کیونکہ اس کا نبی کو یقین ہوتا ہے۔یہ خوف ایسا ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوا ولی مدبر اولم یعقب. منشا کمال معرفت تھا نہ کہ شک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء.

القاء رعب میں حکمتیں

ا- بنی اسرائیل کے علماء نبی آخر الزماں کے منتظر تھے۔اس القاء رعب سے ان کو نبی ہونے میں شک نہ ہوگا جیسے ورقہ بن نوفل کو شک نہ رہا۔۲- حضرت خدیجہؓ کا یقین مضبوط کرنا مقصود تھا۔اس کو امید تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بڑا مرتبہ ملنے والا ہے۔اسی بنا پر خود طلب ظاہر کر کے نبی کریم ﷺ سے نکاح فرمایا تھا۔۳- عجیب حالت ہونے کی وجہ سے نبوت کی خبر جلدی پھیل جائے۔۴- تا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشابہت پوری ہو جائے وہ بھی سانپ کو دیکھ کر ڈرے تھے انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ تورات میں بھی یہ مضمون تھا کہ اخیر زمانہ میں تیرے جیسا نبی آئے گا تیرے بھائیوں میں سے انھی بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہیں۔۵- تا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مشابہت ہو جائے فنکر ھم واو جس منھم خیفة. ۶- حضرت خدیجہؓ کا امتحان بھی مقصود تھا جن کو اس واقعہ کی تفصیل کا علم ہوا اسی لئے فرمایا لقد خشیت علی نفسی ماضی کے صیغہ کے ساتھ اور یہ نہ فرمایا کہ مجھے اب خوف ہے یا اب شک ہے حضرت خدیجہؓ نے دلیل عقلی سے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق فرمائی ورقہ بن نوفل نے دلیل نقلی سے تائید فرمائی اور ہرقل کو جب خط لکھا گیا تو اس نے دلیل عقلی بھی ذکر کی اور نقلی بھی ذکر کی لیکن ظاہر حالات سے یہی

معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل نے اپنی بادشاہت کا خیال کیا اور اسلام نہ لایا البتہ اس کے ایک ہم پلہ عیسائی عالم تھے جو اس کے مصاحب بھی تھے ضغاطر انہوں نے جب حالات نبی کریم ﷺ کے سنے تو مسلمان ہو گئے اور اپنے کالے کپڑے اتار دیئے اور سفید کپڑے پہن لئے اور عیسائیوں کے مجمع کی طرف جا کر اعلان کر دیا کہ نبی آخر الزمان ظاہر ہو چکے ہیں اور میں ان پر ایمان لا چکا ہوں کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی بشارت تورات اور انجیل میں تھی اور جن کے ہم انتظار میں تھے ان سب عیسائیوں نے ایک دم ان پر حملہ کر دیا اور اتنا مارا کہ ان کو شہید کر دیا۔ ورقہ بن نوفل کے بارے میں ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو خواب میں سفید کپڑوں میں دیکھا یہ ان کے ایمان کی علامت ہے لیکن اس خواب والی روایت کی سند کمزور ہے اور مستدرک حاکم کی ایک روایت حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً ہے **لاتسبوا ورقة فانه کان له جنة او جنتان** اور امام حاکم نے اس کو علی شرط الشیخین شمار فرمایا ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ ایمان لے آئے تھے گو بعض نے ان کو صرف **یعرفونه کما یعرفون ابناء هم** میں شمار کیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ بحیرا راہب کے پاس بھی تشریف لے گئی تھیں اور ان کو نبی کریم ﷺ کے ابتدائی وحی کے حالات تفصیل سے بتلائے تھے انہوں نے بھی ورقہ بن نوفل کی طرح تصدیق فرمائی ان بحیرا کے بارے میں بھی دو قول ہیں کہ ایمان لائے تھے یا نہ لائے تھے واللہ اعلم۔

وتکسب المعدوم

۱- یہ تاء کے فتحہ کے ساتھ معروف کا صیغہ ہے کہ آپ مال معدوم کو خود کماتے ہیں اور کسی پر بوجھ نہیں بنتے۔ ۲- یہ تاء کے ضمہ کے ساتھ باب افعال سے معروف کا صیغہ ہے مفعول اول محذوف ہے کہ دوسرے کو آپ مال معدوم دیتے ہیں۔ ۳- اسی کے معنی یہ بھی کئے گئے کہ دوسرے کو آپ اخلاق معدومہ دیتے ہیں۔ ۴- صیغہ تو یہی ہے لیکن مفعول اول محذوف نہیں اور معدوم سے مراد معدوم المال شخص ہے یعنی آپ بے مال شخص کو کمانے کے قابل بناتے ہیں۔ ان چار احتمالوں میں سے پہلا احتمال روایۃ اصح شمار کیا گیا ہے۔ **هذا الناموس**:۔ ناموس کے لغوی معنی راز دان کے ہوتے ہیں۔ اہل کتاب حضرت جبریل علیہ السلام کو الناموس الاکبر کہتے تھے کیونکہ وہ وحی لایا کرتے تھے **نصراً مؤزراً**:۔ ای نصراً قویاً۔

واخبرنی ابوسلمة

بظاہر یہ عبارت تعلیق معلوم ہوتی ہے لیکن واو جو واخبرنی میں ہے اس سے پتہ چل گیا کہ یہ ماقبل سند میں عن عروة بن الزبیر پر معطوف ہے اس لئے گذشتہ پوری سند کا یہاں بھی لحاظ ہے اس لئے یہ حصہ بھی مسند ہے۔

وهو يحدث عن فترة الوحی

فترت وحی میں حکمت ۱- پہلے خوف کا ازالہ ہو جائے ۲- کچھ فراق ہونے کی وجہ سے وحی کے آنے کا شوق پیدا ہو جائے۔

یوم حراء میں آپ ﷺ رسول بنے یا نہ

۱- آپ ﷺ یوم حراء میں صرف نبی بنے تھے پھر تین سال بعد جب سورہ مدثر نازل ہوئی آپ ﷺ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ رسول بھی بن گئے تھے۔ ۲- دوسرا قول یہ ہے کہ یوم حراہی میں آپ نبی بھی بن گئے تھے اور رسول بھی۔ یہ دوسرا قول ہی راجح ہے کیونکہ سورہ علق کی آیتیں بھی تو قرآن ہی ہیں اس لئے نبی کریم ﷺ یوم حراء ہی میں صاحب کتاب رسول بن گئے تھے۔

سوال:۔ کتاب التفسیر میں بخاری شریف کی روایت میں یہ ہے کہ سورہ مدثر اول ما نزل تھی۔

جواب:۱- سورہ علق میں ابتداء حقیقی ہے سورہ مدثر میں اضافی بہت سی سورتوں سے پہلے مراد ہے۔ ۲- تین سال کی فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر نازل ہوئی۔ ۳- بیان احکام میں اول ہے کیونکہ اس میں انذر ہے جو اجمالاً سب احکام کو شامل ہے۔

سوال:۔ بعض روایات میں سورہ فاتحہ کا سب سے پہلے نازل ہونا مذکور ہے۔

جواب: ۱- مناجات میں پہلی سورت ہے۔ ۲- ابتداء اضافی ہے **بوادرہ:**۔ یہ بادرۃ کی جمع ہے کندھے اور گردن کے درمیان کا گوشت۔

اس حدیث کی باب سے مناسبت

۱- اس حدیث میں نبوت کے مبادی ہیں خواب اور خلوت کی محبت۔ ۲- اس میں وہ آیتیں ہیں جو سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ ۳- اس میں سورہ مدثر کا ذکر ہے جو فترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہوئی۔ ۴- اس میں پہلی وحی کے نزول کا واقعہ ہے۔ ۵- اس میں غار حراء کا ذکر ہے جس میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ ۶- پہلی وحی کے بعد جو احوال و آثار پیش آئے ان کا ذکر ہے اس حدیث پاک میں۔

اس حدیث کے متعلق چند فوائد

۱- حبب مجہول کا صیغہ دلالت کرتا ہے اس پر کہ یہ محبت غیر اختیاری تھی اسی لئے یہ نبوت کے مبادی میں سے تھی۔ ۲- ثابت ہوا کہ زندیق لوگوں کا فرشتوں کا انکار غلط اور باطل ہے فرشتے ثابت ہیں۔ ۳- اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت ظاہر ہوئی کہ فرشتہ کی کرسی ہوا میں معلق رہی۔ ۴- حضرت عائشہؓ نے وحی کو سورج کی روشنی سے تشبیہ دی۔ اسی لئے الا جاءت مثل فلق الصبح فرمایا کہ جیسے طلوع شمس سے پہلے طلوع فجر ہے ایسے ہی وحی سے پہلے خواب طلوع فجر کی طرح تھے کہ وحی کا سورج طلوع ہونے والا ہے' حمی الوحی میں بھی اسی کا تتمہ ہے کہ سورج جب اونچا ہوتا ہے تو گرمی ہو جاتی ہے ایسے ہی وحی میں گرمی پیدا ہوگئی پھر تتابع میں شبہ کا ازالہ ہے کہ سورج تو غروب ہو جاتا ہے شاید وحی بھی جلدی ختم ہونے والی ہو اس کا ازالہ کر دیا کہ یہ باقی رہنے والی ہے جلدی غروب ہونے والی نہیں ہے اور اس لحاظ سے مشابہت نہیں ہے۔ تشبیہ میں ہر ہر صفت میں مشابہت نہیں ہوا کرتی۔ ۵- اچھے خوابوں اور ایسے ہی درختوں اور پتھروں کے سلام کرنے اور روشنی نظر آنے میں یہ حکمت تھی کہ وحی برداشت کرنے کی کچھ قوت آجائے اچانک وحی کا بوجھ اٹھانا زیادہ مشکل تھا۔ ۶- خواب کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ بیداری میں بہت سی چیزیں دکھاتے اور سناتے ہیں ایسے ہی نیند میں بھی بہت سی چیزیں دل میں یا حواس میں ڈال دیتے ہیں اس کو خواب کہتے ہیں۔ ایسی چیزیں اگر بیداری میں نظر آئیں تو ان کو کشف کہتے ہیں ان میں سے بعض چیزیں ماضی کی ہوتی ہیں بعض مستقبل کی اور بعض کشف حجاب کے درجہ میں حال کی ہوتی ہیں۔ ۷- نبی کریم ﷺ کی عبادت قبل النبوت جمہور کے نزدیک کسی پہلی شریعت کے اتباع کے بغیر تھی اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تو سب نبیوں کے بھی سردار اور متبوع ہیں۔ متبوع تابع نہیں ہوتا اور اس کی نقلی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ منقول ہوتا اور اس شریعت والے اس پر فخر کرتے کہ تمہارے نبی ہماری شریعت کے تابع رہے ہیں حالانکہ یہ باتیں منقول نہیں ہیں اور بعض علماء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ کسی شریعت کے تابع عبادت تھی پھر کس شریعت کے تابع عبادت تھی اس میں پھر مختلف اقوال ہیں اول شریعت ابراہیم علیہ السلام دوم شریعت موسیٰ علیہ السلام سوم شریعت عیسی علیہ السلام چہارم شریعت آدم علیہ السلام پنجم شریعت نوح علیہ السلام ششم شریعت کی تعیین نہیں کسی نہ کسی شریعت کے تابع آپ کی عبادت تھی۔ ہفتم سب شریعتوں کا اس عبادت میں لحاظ تھا۔ ہشتم شریعت کی تعیین میں ہم توقف کرتے ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ کس شریعت کے تابع آپ کی عبادت تھی۔ سوال:۔ **ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا** جب یہ آیت موجود ہے تو پھر کسی اور شریعت کے اتباع کا احتمال ہی نہیں ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں توحید میں اتباع مراد ہے اور یہاں کلام فروع میں ہو رہی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف طریق حج میں اتباع مراد ہے باقی عبادتوں میں مراد نہیں ہے۔ ۸- عبادت کی صورت تفکر اور مراقبہ تھی جیسے ابراہیم علیہ السلام کا سورج اور چاند اور ستارے کے بارے میں سوچنا قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ۹- نبوت کے بعد بھی بعض علماء کے قول کے مطابق آپ ﷺ پہلی شریعتوں کے تابع تھے۔ کیونکہ ارشاد ہے

فبھدا ھم اقتدہ اور شرائع من قبلنا کی باتیں جو ہماری شریعت میں منقول ہوں اوران پر انکار نہ ہوتو وہ ہماری شریعت بن جاتی ہے لیکن جمہور اسی کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ کی شریعت مستقل تھی کسی اور شریعت کے تابع نہ تھی۔ دلیل وہی جو ابھی گزری کہ متبوع تابع نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہوتا تو منقول ہوتا اور اس شریعت والے فخر کرتے۔ ۱۰۔بعض حضرات نے غطات ثلثہ لجبریل علیہ السلام میں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اس میں آنے والی تین مشقتوں کی طرف اشارہ تھا ایک قریش نے مقاطعہ اور قطع تعلقی کی تھی دوسرے جو ایذائیں مکہ مکرمہ میں پہنچائی تھیں تیسرے جو ہجرت پر مجبور کیا تھا۔ ۱۱۔ لقد خشیت علی نفسی کا ایک مفعول تو مذکور ہو چکا موت اس کے علاوہ بھی مفعول میں مختلف اقوال ہیں دوم جنون سوم بخار جو ہیبت کی وجہ سے تھا چہارم عدم اطاقۃ ثقل وحی پنجم ایذاء القوم ششم قتل ہفتم ہجرۃ ہشتم الغلط لیکن یہ فرشتہ کا یقین ہرنے سے پہلے اول وہلہ میں تھا بعد میں یہ نہ رہا اسی لئے صیغہ ماضی کا ہے۔ **مسائل مستنبط:**۔ ۱۔حضرت عائشہؓ نے تصریح فرمائی کہ خواب وحی میں داخل ہیں۔ ۲۔زاد کا لے جانا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ ۳۔تعلیم کا تین دفعہ شوق دلانا مستحسن ہے کیونکہ فرشتہ نے تین دفعہ دبایا۔ ۴۔تعلیم قرآن پر تین دفعہ سے زیادہ مارنا مناسب نہیں ہے وجہ یہی ۵۔ قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنی واجب ہے کیونکہ اس میں اقرأ باسم ربک امر کا صیغہ ہے لیکن اس پر اشکال ہے کہ یہ امر استحبابی ہے کیونکہ حدیث میں بسم اللہ کا فصل کے لئے ہونا مذکور ہے تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۶۔ مکارم اخلاق دینا اور آخرت کی مصیبتوں سے بچنے کا ذریعہ ہیں جیسا کہ حضرت خدیجہؓ نے تصریح فرمائی اور نبی کریم ﷺ نے انکار نہ فرمایا۔ ۷۔سامنے تعریف کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ سوال حدیث شریف میں تو آتا ہے احثوافی وجوہ المداحین التراب جواب وہ غلط مدح ہے یا غلط مقصد کے لئے مدح ہے۔ ۸۔ جو گھبرایا ہوا ہو اس کی تسلی کے لئے امید کے درجہ میں اسے بشارت دینا مستحسن ہے جیسا کہ حضرت خدیجہؓ نے کیا۔ ۹۔ حضرت خدیجہؓ بہت بڑی فقیہہ بھی تھیں اور بتہ قوی دل گردہ کی مالک تھیں حضرت خدیجہؓ نے نبی کریم ﷺ میں مکارم اخلاق کی پانچ اعلیٰ قسمیں شمار فرمائیں ان میں وجہ حصر یوں ہے کہ احسان اقارب پر ہوگا یا اجانب پر اگر اول ہے تو پہلی قسم تصل الرحم اور اگر اجانب پر ہے تو بدن سے ہوگا یا مال سے ہوگا اگر بدن سے ہے تو وہ دوسری قسم ہے تحمل الکل اگر مال سے ہوگا تو بغیر کسی خصوصی سبب کے ہو گا۔ یا کسی خاص سبب کی بنا پر ہوگا اگر بغیر کسی خصوصی سبب کے ہے تو یہ تیسری قسم تکسب المعدوم اور کسی خاص سبب کی وجہ سے احسان ہوگا تو وہ سبب دو حال سے خالی نہیں مہمان نوازی کے درجہ میں ہوگا یعنی مہمان بننے کے سبب سے ہوگا تو یہ چوتھی قسم ہے تقری الضیف اور اگر کوئی اور سبب ہوگا مصیبت وغیرہ تو یہ پانچویں قسم ہے تعین علی نوائب الحق۔ ۱۱۔کسی اچھی رائے والے اور سمجھدار کے پاس کسی مشکل کام جس کو مصیبت بھی کہہ دیا جاتا ہے اس کے بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ مستحسن ہے تاکہ وہ تسلی دے یا کوئی حل بتلائے۔ ۱۲۔کسی کے سوال کے جواب میں اگر مناسب ہوتو جواب کے ساتھ اس کی دلیل بیان کردینا بھی مستحسن ہے۔

فی قولہ تعالیٰ لاتحرک

ای فی تفسیر قولہ تعالیٰ لاتحرک۔ اس حدیث کا لقب ہے حدیث مسلسل بتحریک الشفتین کیونکہ اس میں عملی طور پر راویوں نے لب ہلا کر دکھائے تھے جیسے ایک حدیث کا لقب ہے مسلسل بالماء والتمر کیونکہ اس میں ہر استاد نے اپنے شاگرد کو کھجوریں کھلائیں اور پانی پلایا ایسے ہی ایک حدیث کا لقب ہے مسلسل بالحنفیۃ کہ سب راوی حنفی ہیں اور ایک کا لقب ہے مسلسل بالشافعیۃ کی سب راوی شافعی ہیں اور ایک کا لقب ہے مسلسل بالنحاۃ کیونکہ سب راوی نحوی ہیں اس عملی طور پر نقل کا فائدہ۔ ۱۔ یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے ۲۔ تدلیس اور راوی چھوڑنے کا شبہ نہیں رہتا۔

ثم ان علینا بیانہ ثم ان علینا ان تقرأہ

سوال: بظاہر یہ تو آیت میں تکرار ہے کیونکہ یہی بات پیچھے

گزر چکی ان علینا جمعه و قرانه میں۔

جواب:۱- پہلے خود پڑھنا تھا۔اب دوسرے کو پڑھ کر سنانا مراد ہے۔۲- یہ عبارت ثم ان علینا ان تقراۂ کا یہاں ذکر کرنا کسی راوی کا وہم ہے اس عبارت کا تعلق ان علینا جمعه و قرانه کے ساتھ ہے اور راجح تفسیر جمہور کی ہے کہ ثم ان علینا بیانه کے معنی مشکلات کا حل ہے یہ راجح اس لئے ہے کہ اس میں تکرار کا شبہ نہیں ہے۔

لاتحرک والی آیت کا ماقبل سے ایک عمدہ

ربط:۔ یہ ہے کہ پیچھے ہے ایحسب الانسان الن نجمع عظامه اس کی تردید ہے کہ جوذات سینے میں قرآن پاک جمع کرنے پر قادر ہے وہ اعضا کی ہڈیوں کو جمع کرنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے۔ ایسے ہی پیچھے مذکور ہے بل الانسان علی نفسه بصیرة اس کی بھی لاتحرک دلیل ہے کہ جوذات دل میں الفاظ قرآن جمع کرسکتی ہے وہ اعضا کو گواہ بھی بنا سکتی ہے جس کی وجہ سے انسان خود اپنے گناہوں پر بصیر بن جائے گا۔

فاذا قرأناه:۔اس سے قرآن پاک کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہو گئی کہ حق تعالیٰ نے قرأت کے ذریعہ سے اس کو نازل فرمایا ہے ایسے ہی تورات کا ایک نام کتاب بھی ہے کیونکہ اس کو کتابت کے ذریعہ سے اور مکتوب علی الالواح کی صورت میں نازل کیا گیا ہے۔

اس حدیث کی باب سے مناسبت

۱- اس حدیث میں شدت وحی اور خوف نسیان مذکور ہیں یہ دونوں شروع وحی میں تھے۔۲- باب سے مقصود ہے عظمت وحی اور عصمت وحی یہ دونوں باتیں اس حدیث میں ہیں وحی عظیم تھی اس لئے نبی کریم ﷺ یاد کرنے کی کوشش فرماتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے یاد کرانے کا وعدہ فرمالیا۔وحی معصوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک میں جمع فرمائی ہے۔۳- تحریک لسان کا منشاء حلاوۃ تلاوت بھی تھا اس سے بھی وحی کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور یہی عظمت وحی باب کا مقصود ہے۔

سوال:۔حضرت ابن عباس کی ولادت ہجرت سے تین سال پہلے کی ہے۔گویا ابتداء وحی کے دس سال بعد پیدا ہوئے اور لاتحرک والی آیت ابتدائی آیات میں سے ہے تو حضرت ابن عباس نے نبی کریم ﷺ کی تحریک لسانی کو کیسے دیکھ لیا جو کہ ان کی پیدائش سے پہلے واقع ہوئی جواب ا- نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس کے سامنے بعد میں خود اپنا ابتداء وحی کا واقعہ نقل فرمایا اور تحریک لسان کر کے دکھائی۔۲- یہ تحریک حضرت ابن عباس کو کسی ایسے صحابی کے ذریعہ سے پہنچ گئی جنہوں نے مشاہدہ فرمایا تھا۔

فقال ابن عباس فانا احرکھما

یہ جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ محاورات میں فاء سے بھی شروع ہوجاتا ہے۔

واعلم فعلم ا ا ر ء ینفعه
ان سوف یاتی کل ما قدرا

سوال:۔ آیت میں تو تحریک لسان ہے اور حدیث میں تحریک شفتین ہے موافقت نہ ہوئی حدیث آیت کی تفسیر نہ بنی۔

جواب:۔ا۔عموماً تحریک لسان اور تحریک شفتین میں تلازم ہوتا ہے۔۲۔ مراد تحریک فم ہے جو دونوں کو شامل ہے۔۳۔اس آیت میں اور اس زیر بحث حدیث میں صنعۃ اکتفاء ہے جیسے اس آیت میں ہے وجعل لکم سرابیل تقکیم الحرای والبرد کہ ایک ضد کو یا مناسب کو ذکر کر دینا دوسری یا مناسب خود ذہن میں آجائے گا۔ پس آیت اور اس حدیث میں ان دونوں میں سے ایک کا ذکر ہے دوسرا خود ذہن میں آجائے گا اور اس کی دلیل ہے کہ کتاب التفسیر میں من طریق جریر یہی واقعہ ہے اس میں یوں ہے فکان مما یحرک لسانه وشفتیه.

المسائل المستنبطه

عملاً فعل نقل کرنا مستحب ہے ۲۔حفظ اللہ تعالیٰ کی امداد سے ہوا کرتا ہے ولقد یسرنا القران للذ کر فھل من مد کر۔ذکر

کے ایک معنی حفظ کے ہیں دوسرے نصیحت کے مضامین قرآن پاک کے آسان ہیں یہ معنی نہیں کہ اجتہاد کے مضامین بھی آسان ہیں۔ ۳۔ بیان نزول الفاظ سے کچھ مؤخر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ بیان کو ثم سے ذکر کیا گیا ہے جو تاخیر کے لئے ہوتا ہے ثم ان علینا بیانہ۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس

اس حدیث کی مناسبت باب کے ساتھ:۔ ا۔ نزول قرآن رمضان المبارک ہی میں ہوا اس حدیث میں بھی رمضان المبارک کے متعلق اور قرآن پاک کے دور کے متعلق تذکرہ ہے۔ ۲۔ مجموعہ قرآن پاک کا نزول کا ساتویں آسمان سے پہلے آسمان پر بھی رمضان المبارک ہی میں ہوا۔

وکان اجود ما یکون فی رمضان

اس کے معنی ما مصدریہ ہے ای کان اجود اکوانہ حاصلا فی رمضان ۲۔ ما ظرفیہ اور اجود منصوب اور کان کی ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجود مدۃ کونہ فی رمضان وجہ اجود ہونے کی۔ ا۔ رمضان المبارک کی شرافت ۲۔ اس ماہ مبارک میں بابرکت افعال۔ روزہ۔ لیلۃ القدر۔ تلاوت۔ تراویح۔ اعتکاف۔ ۳۔ ملاقات جبریل علیہ السلام۔ ۴۔ مدارستہ قرآن مع جبریل علیہ السلام۔

فیدارسہ القرآن

ا۔ باری باری مثلاً دس دس آیتیں پڑھتے تھے۔ ۲۔ دونوں حضرات اکٹھے پڑھتے تھے۔

من الریح المرسلۃ

ا۔ الف لام جنسی ہے کہ ہوا کو فرشتے بند رکھتے ہیں تو آہستہ چلتی ہے جب چھوڑ دیتے ہیں تو اپنی طبیعت کے مطابق بہت تیز چلتی ہے۔ ۲۔ الف لام عہد کیلئے اشارہ اس آیت کی طرف وھوالذی یرسل الریاح بشراً بین یدی رحمتہ کہ اس نافع ہوا کی طرح آپ اجود ہو جاتے تھے۔

اس حدیث رمضان کے متعلق فوائد

ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار بڑھتے تھے رمضان المبارک میں۔ وجہ ابھی اوپر بیان کی گئی۔ ۲۔ ہوا کے ساتھ تشبیہ دی گئی کہ ہوا زمین کی حیوٰۃ کا ذریعہ ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کی حیات کا سبب تھے نیز ہوا میں نفع عام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نفع بھی عام تھا۔ نیز نفع ہوا کا جلدی سب تک پہنچ جاتا ہے ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نفع بھی بہت جلد پہنچتا تھا اور پہنچتا ہے اور پہنچے گا۔ ۳۔ اس حدیث میں چار جملے ہیں ان میں مناسبت یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں سے بھی جود میں بڑھے ہوئے تھے اور انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق سے بھی جود میں بڑھے ہوئے تھے انسانوں سے بڑھا ہوا ہونا پہلے جملہ میں اور ان کے غیر سے بڑھا ہوا ہونا چوتھے جملہ میں بیان فرمایا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجودیت بدلتی رہتی تھی رمضان میں غیر رمضان سے زائد ہوتی تھی اس کا ذکر دوسرے جملہ میں ہے اور تیسرے جملہ میں اس زیادت فی رمضان کی وجہ بیان کر دی گئی ہے۔ ۴۔ مدارستہ فی رمضان کی حکمتوں میں سے ایک یہ تھی کہ اس میں تجدید عہد ہوتا تھا دوسرے تجوید قرآن میں زیادتی ہوتی تھی۔ تیسرے تجویز قرآن کی زیادتی کی سنت امت کے لئے جاری کرنی مقصود تھی چوتھے حق تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا ان علینا جمعہ و قرانہ اس عہد کا وفا اس طرح ہوتا تھا کہ دور سے حفظ نبی کریم ﷺ کا بڑھتا تھا۔ ۵۔ ہمیشہ سخاوت کرنی مستحسن ہے۔ ۶۔ رمضان المبارک میں ہمیں زیادہ سخاوت کرنی چاہئے۔ ۷۔ صالحین کی ملاقات کے وقت بھی ہمیں زیادہ سخاوت کرنی چاہئے جیسے نبی کریم ﷺ کی سخاوت عند ملاقات جبریل علیہ السلام بڑھ جاتی تھی۔ ۸۔ صالحین سے ملاقات مستحسن ہے۔ ۹۔ بار بار ملاقات مستحسن جیسے جبریل علیہ السلام ہر رات تشریف لاتے تھے۔ ۱۰۔ رمضان المبارک میں تلاوت زیادہ کرنی چاہئے۔ ۱۱۔ قرآن پاک اور علوم دینیہ کا ہمیشہ دور کرنا مستحسن ہے۔ ۱۲۔ رمضان کا لفظ بلا شہر بھی ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ ۱۳۔ تلاوت کا درجہ تسبیحات سے اونچا ہے اسی لئے تلاوت کا دور مذکور ہے تسبیحات کا ردر مذکور نہیں۔

ان ھرقل ارسل الیہ

یہ لمبی حدیث حدیث ھرقل کہلاتی ہے اس کی مناسبت باب سے یوں ہے۔۱- جو پانچ حکم حضرت ابوسفیان نے ذکر کئے وہ علامات نبوت میں سے تھے کیونکہ وہ پانچوں کام بڑی فضیلت کے تھے اس لئے کہ فضیلت عقیدہ سے ہوگی یا غیر عقیدہ سے اگر عقیدہ سے ہے تو اس کا ذکر اعبدوا اللہ وحدہ میں ہے اگر غیر عقیدہ سے ہے تو وہ قول ہوگا یا فعل قول ہے تو اس کا ذکر صدق میں ہے اور اگر فعل ہو گا تو اس فعل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوگا یا اپنے نفس سے یا غیر سے اللہ تعالیٰ سے ہوگا تو صلوٰۃ ہے۔اپنے نفس سے تو عفت ہے غیر سے تو صلہ رحمی ہے یہ پانچوں فضیلتیں یہاں مذکور ہیں اور یہ سب علامات نبوت ہیں اس لئے باب سے مناسبت ہے کہ علامات نبوت کا تعلق وحی اور مبادی وحی سے ہے۔۲- اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ غریب آدمی اس نبی کا اتباع کرتے ہیں۔وحی کے ابتدائی متبعین کا بیان آ گیا کہ وہ غریب ہیں اس لئے ابتداء وحی کے مناسب ہوگئی یہ حدیث امیروں کا تکبر عموماً اتباع وحی سے مانع ہو جاتا ہے الا نادراً کہ صدیق اکبر باوجود غنی ہونے کے بھی مسلمان ہو گئے لیکن یہ نادر ہے۔۳- بدء الوحی کی کیفیت پورے باب کے مجموعہ سے مقصود ہے اس حدیث کا تعلق وحی سے ہے اور بعض احادیث کا تعلق بدء الوحی سے ہے سب کو جمع کرنے سے باب بن جاتا ہے جس میں بدء الوحی کی کیفیت بیان کرنی مقصود ہے۔**کانوا تجاراً**:۔تجار کا لفظ بکسر التاء وتخفیف الجیم تاجر کی جمع ہے تجار اور شجرہ بھی جمع آتی ہے۔

فی المدۃ التی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماذ فیھا ابا سفیان

۱- اس میں اشارہ صلح حدیبیہ کی طرف ہے اس مدت میں یہ قافلہ شام آیا تھا کیونکہ ہرقل کے پاس خط پہنچنے کا واقعہ محرم ۷ھ کا ہے اور صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ میں ہے۔

وھم بایلیاء:۔یہ بیت المقدس ہی کا نام ہے ایل کے معنی اللہ تعالیٰ اور یاء کے معنی بلدۃ ای بلدۃ اللہ تعالیٰ۔ہرقل کو فارسیوں پر فتح ہوئی تو وہ اپنے شہر حمص سے ننگے پاؤں بیت المقدس تک بطور شکر آیا اس زمانہ میں اس کو نبی کریم ﷺ کا والا نامہ ملا۔

ایکم اقرب نسباً

یہ اس لئے ہرقل نے کہا کہ شاید دور کے نسب والا نسب پر جھوٹا اعتراض کر دے۔

الرسل تبعث فی نسب قومھا

ای فی افضل نسب قومھا۔۱- تا کہ وہ نبی غلط بات نہ کہے عالی نسب والا اپنے اونچے نسب کی وجہ سے غلط بات سے بچتا ہے۔۲- تا کہ لوگوں کو اتباع سے عار نہ ہو کیونکہ جس کا خاندان گھٹیا ہو لوگ اس کے اتباع سے عار کرتے ہیں۔

حین تخالط بشاشتہ القلوب

جب ایمان کی حلاوت دلوں سے مل جاتی ہے تو پھر دین سے نفرت کی وجہ سے کوئی دین نہیں چھوڑا کرتا چنانچہ اس کاتب کے زمانہ ۱۴۰۹ھ تک کوئی شخص بھی دین میں صحیح طریق سے داخل ہو کر دین کے کسی سبب کی وجہ سے مرتد نہیں ہوا۔دنیا کے لالچ میں کوئی آ گیا ہو تو اور بات ہے اعاذنا اللہ من الارتداد بمنہ وکرمہ اسی لئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں من رجع فانما رجع من الطریق۔علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ہرقل نے تین باتیں تورات سے لیں اور اس موقعہ میں بیان کیں۔۱- محقق جب حق میں داخل ہوتا ہے تو اس سے نہیں نکلتا اور جب باطل میں داخل ہوتا ہے تو اس سے نکل آتا ہے۔۲- طالب دنیا اپنے مطلب کے نکالنے کے لئے دھوکہ دے دیتا ہے طالب آخرت کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔۳- انبیاء علیہم السلام کو لڑائی میں بعض دفعہ شکست بھی ہو جاتی ہے تا کہ صبر کی وجہ سے ان کا اجر بڑھے اور تا کہ جہاد میں زیادہ کوشش کریں۔انتھیٰ۔

فقولوا اشھد وا بانا مسلمون

اسلام کا لفظ لغت کے لحاظ سے ہر دین حق پر بولا جاتا ہے

کیونکہ لغت میں اسلام کے معنی انقیاد کے ہوتے ہیں جیسے اذقال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین پھر اسلام اس دین کا لقب ہو گیا کیونکہ اس دین میں زیادہ انقیاد ہے جیسے ۱- هو سما کم المسلمین من قبل. ۲- رضیت لکم الاسلام دینا ۳- و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین۔ کثر عنده الصخب :۔ شرح المواہب للزرقانی میں ابونعیم کے حوالہ سے ہے کہ دحیہ کلبی جو نبی کریم ﷺ کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ اگلے دن ہرقل نے مجھے خفیہ پیغام بھیجا اور مجھے بلایا اور مجھے ایک بڑے کمرے میں لے گیا اس کمرے میں ۳۱۳ تصویریں تھیں مجھ سے کہا کہ ان تصویروں میں اپنے ساتھی یعنی نبی کریم ﷺ کی تصویر کو تلاش کرو میں نے تلاش کر کے کہا یہ ہیں تو اس نے کہا صدقت انتھیٰ اور مرسل محمد بن اسحاق میں ہے کہ دحیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہرقل نے ضغاطر کی طرف بھیجا کہ عیسائی اس کی بات مجھ سے زیادہ مانتے ہیں میں گیا اس نے تصدیق کی اور کالے کپڑے اتارے اور سفید کپڑے پہنے اور گرجا میں جا کر اعلان کیا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی بشارت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام نے دی اشهدان لااله الا الله و اشهدان احمد عبده و رسوله. اس پر رومیوں نے ایک دم حملہ کیا اور شہید کر دیا میں نے آ کر ہرقل کو بتلایا تو اس نے کہا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ ہم اپنی جانوں پر ڈرتے ہیں انتھیٰ اور البدایہ والنہایہ لابن کثیر میں طبرانی کے حوالہ سے ہے کہ دحیہ فرماتے ہیں کہ ہرقل نے ضغاطر کو بلایا اس نے آ کر کہا کہ میں تو تصدیق کرتا ہوں ہرقل نے کہا کہ جانتا میں بھی ہوں لیکن اگر میں ایسا کروں تو ملک بھی جائے گا اور مجھے رومی قتل بھی کر دیں گے انتھیٰ۔ فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین :۔ یہ لفظ چار طرح پڑھا گیا ہے۔ ۱- اریسیئین ۲- یریسیئین ۳- اریسین ۴- یریسین یعنی شروع میں ہمزہ ہے یا یاء ہے اور سین کے بعد ایک یا ہے یا دو یائیں ہیں ایک مشدد دوسری مخفف پھر اس ارشاد مبارک کے مختلف معنی کئے گئے ہیں۔ ۱- ہرقل کی اکثر رعایا کاشتکار تھی اور اریسیئین بھی کاشتکاروں کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر تم نے منہ پھیرا اور ایمان نہ لائے تو تم سبب بن جاؤ گے اپنی رعایا کے کفر کا۔ اس سبب بننے کی وجہ سے تمہیں ان کے کفر کا بھی گناہ ہوگا۔ ۲- ہرقل کے اکثر کاشتکار مجوسی تھے معنی یہ ہیں کہ مجوسیوں کو تو تم بھی دوزخی سمجھتے ہو اگر تم ایمان نہ لائے تو تم بھی اپنے کاشتکاروں کی طرح دوزخی بن جاؤ گے کیونکہ عیسائی مذہب اب منسوخ ہو چکا ہے۔ ۳- اریس کے معنی امیر کے بھی آتے ہیں معنی یہ ہیں کہ متکبر سرداروں کی طرح تمہیں کفر کا گناہ ہوگا کیونکہ عموماً متکبر سردار ایمان نہیں لایا کرتے۔ ۴- اریس کے معنی متکبر یعنی متکبر کافروں کی طرح گناہ ہوگا۔ ۵- بعض یہود و نصریٰ ایک شخص عبداللہ بناریس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اریسیین کہلاتے تھے اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ایک نبی کو شہید کر دیا تھا معنی یہ ہیں کہ تم بھی اریسیین کی طرح بہت زیادہ گنہگار ہو گے۔

لقد امر امر ابن ابی کبشۃ

حضرت ابوسفیان نے زمانہ کفر میں کہا کہ دیکھو محمد ﷺ کا معاملہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ رومیوں کا بادشاہ بھی ان سے ڈرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو ابن ابی کبشۃ کے نام سے کیوں ذکر کیا۔ اس میں مختلف قول ہیں۔ ۱- ابو کبشۃ عرب میں ایک شخص گزرا تھا اس کا بت باقی اہل عرب کے بتوں سے الگ تھا اس لئے ابو کبشۃ کا بیٹا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ بھی ابو کبشہ جیسے ہیں جیسے وہ باقی اہل عرب سے الگ تھا اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی ہم سب سے دین میں الگ ہیں۔ ۲- نبی کریم ﷺ کے نانا جان کا نام ابو کبشۃ تھا اس لئے ابن ابی کبشۃ کہا۔ ۳- حضرت عبدالمطلب کے نانا کا نام یہی تھا۔ ۴- نبی کریم ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ کے خاوند کا نام ابو کبشہ تھا اس بنا پر نبی کریم ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہا۔ ۵- حضرت حلیمہ کے والد صاحب کا یہ نام تھا۔ ۶ حضرت حلیمہ کے دادا جان کا یہ نام تھا ابو کبشہ اس لئے

نبی کریم ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہا۔

کان ابن الناظور صاحب ایلیاء

یہاں سے روایت امام زہری کو بلاواسطہ پہنچی کیونکہ ابن الناظور مسلمان ہوئے اور لمبی عمر پائی حتیٰ کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں امام زہری سے بھی ملاقات ہوئی ابن الناظور کا دنیوی منصب بھی یہاں بیان کیا گیا ہے کہ ایلیاء کے حاکم تھے اور ہرقل کے مصاحب تھے اور دینی منصب یہ بیان کیا گیا ہے کہ سقف یعنی عیسائیوں کے پادری تھے۔

فقال بعض بطارقتہ

یہ بطریق بفتح الباء یا کسر الباء کی جمع ہے خصوصی مصاحب کو کہتے ہیں۔

کان ہرقل حزاء:۔ ای کاھناً۔

فمن یختتن من ھذہ الامۃ

یعنی اس زمانہ کے لوگوں میں سے کون ختنہ کراتا ہے۔

ثم کتب ہرقل الی صاحب لہ برومیۃ

رومیہ ایک شہر کا نام ہے اس میں ہرقل کا دوست رہتا تھا اس کا نام ضغاطر تھا جس کا واقعہ پیچھے نقل کر دیا گیا ہے۔ اس کو ضغاطر رومی کہتے تھے۔

فلم یرم حمص حتی اتاہ کتاب من صاحبہ

۱- حمص شہر سے باہر جانے کا ابھی ارادہ نہ کیا تھا کہ جواب آ گیا۔ ۲- ابھی حمص شہر میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کیا تھا کہ جواب آ گیا لیکن پہلی توجیہ راجح ہے کیونکہ بعض روایتوں میں فلم یرم منھا ہے۔ **قولہ۔** فی دسکرۃ لہ بحمص الخ دسکرہ کے معنی محل کے ہیں۔ **قولہ:۔** فکان ذلک آخر شان ہرقل اس کے متعلق تین قول ہیں۔ ۱- ایمان لے آیا تھا۔ ۲- نہ لایا تھا۔ ۳- توقف دوسرا قول راجح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

المسائل المستنبط من حدیث ہرقل

۱- جس کو خط لکھا جائے بطور تبلیغ کے اس سے نرم لہجہ اختیار کرنا مستحسن ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عظیم الروم لکھا۔ سوال۔ ملک الروم کیوں نہ لکھا دیا۔

جواب: ملوکیت شریعت میں نبی کریم ﷺ کی اجازت کے بغیر نہ ہو سکتی تھی اور یہ اجازت اس کو حاصل نہ تھی۔ ۲- خبر واحد پر عمل ضروری ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک ہی آدمی دحیہ کلبی کے ہاتھ خط لکھوا کر بھیجا تھا۔ ۳- خطوط اور خطبات میں اما بعد کا ذکر مستحسن ہے۔ ۴- جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔ ۵- دشمن کی زمین کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ ۶- کافر کو آیت لکھ کر بھیجنی جائز ہے۔ ۷- خطوط میں ایجاز اور تجنیس مستحسن ہے اسلم تسلم ۸- جو دوسروں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے وہ گنہگار ہوتا ہے۔ ۹- جھوٹ ہر امت میں عیب ہے۔ ۱۰- رسل اعلیٰ نسب میں بھیجے جاتے تھے۔ ۱۱- اہل کتاب پر اسلام کی صداقت واضح تھی۔ حسد اور عناد اور حکومت کی محبت کی وجہ سے مسلمان نہ ہوتے تھے۔ **کتاب الایمان:** کتاب الایمان کو پہلے لانے کی وجہ۔ ۱- انسان پر ایمان سب سے پہلے واجب ہوتا ہے۔ ۲- ایمان پر سب اعمال موقوف ہیں۔ ۳- ایمان کے بغیر نجات نہیں۔

کتاب الایمان کا حدیث ہرقل سے

ربط:۔ ۱- یہ بتانا مقصود ہے کہ نجات کا مدار اختیاری تصدیق پر ہے غیر اختیاری معرفت پر نہیں ہے ہرقل کو معرفت حاصل ہوئی بظاہر تصدیق اس نے ظاہر نہ کی۔ ۲- حدیث ہرقل میں تھا کہ دل میں جب ایمان کی بشاشت وحلاوت داخل ہو جاتی ہے تو پھر ایمان دل سے نکلا نہیں کرتا اب اس بشاشت کی وضاحت کتاب الایمان سے ہوتی ہے۔

کتاب الایمان کا باب بدأ الوحی سے

ربط:۔ ۱- بدأ الوحی مقدمہ تھا اب مقصود شروع ہوتا ہے۔ ۲- سب سے پہلے آسمان سے نازل ہونیوالی چیز وحی کے بعد سب سے پہلے مکلف پر واجب ہونے والی چیز ایمان کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

ایمان کے لغوی معانی

ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے ہیں یعنی تم اپنے اختیار سے

مخبر کی طرف یا مخبر عنہ کی طرف صدق کو منسوب کرو۔ ایمان امن سے ماخوذ ہے باب افعال کا ہمزہ تعدیہ کے لئے ہے یا صیرورۃ کے لئے ہے متعدی بنانے کا مطلب ہے کہ جس کی تصدیق کی گئی ہے اس کو تکذیب سے امن میں کر دیا گیا ہے۔ صیرورۃ کے معنی یہ ہیں کہ جس کی تصدیق کی گئی ہے وہ امن والا ہو گیا ہے۔ اعتراف اور اقرار کی تضمین کی وجہ سے باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے آمن الرسول بما انزل الیہ اور قبول کی تضمین کی وجہ سے لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے فآمن لہ لوط. اصل محل تصدیق دل ہے زبان صرف دل کی ترجمانی کرتی ہے۔

اسلام کے لغوی معانی

۱۔ لغت میں بمعنی تسلیم ہے یعنی ترک اعتراض ۲۔ بمعنی استسلام بھی آتا ہے یعنی انقیاد و ترک تمرد وعناد اور محل اسلام قلب اور لسان اور جوارح تینوں ہیں اس لئے لغت کے لحاظ سے۔ ۱۔ اسلام ایمان سے اعم ہے۔ ۲۔ دوسرا قول یہ بھی ہے ایمان لغت میں انقیاد باطنی کو کہتے ہیں مع شرط الانقیاد الظاہری اور اسلام انقیاد ظاہری کو کہتے ہیں مع شرط الانقیاد الباطنی اس لئے دونوں میں مساوات کی نسبت ہے۔

ایمان اور اسلام کے شرعی معانی

الایمان شرعا ھوا لتصدیق بجمیع ماجاء بہ النبی ﷺ والا سلام شرعاً ھوانقیاد اللہ تعالیٰ مطابقاً لما اخبر بہ النبی ﷺ.

ایمان میں مذاہب

۱۔ **عندالمتکلمین و الحنفیۃ و المتقدمین من الفقھاء والمحدثین** اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں پھر متکلمین کے مذہب کی تعبیر میں تین طرق ہیں طریق اول اور وہ محققین کا طریق ہے کہ ایمان تصدیق مجرد کا نام ہے دوسرا طریق اور وہ طریق جمہور متکلمین کا کہلاتا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور اقرار اس کی شرط ہے دنیا کے احکام جاری کرنے میں۔ تیسرا طریق طریق الفقہاء کہلاتا ہے ایمان تصدیق اور اقرار کے مجموعہ کا نام ہے۔ البتہ اقرار عندالعجز ساقط ہو جاتا ہے۔ ۲۔ دوسرا مذہب متاخرین میں الفقہاء والمحدثین اور شوافع حضرات کا ہے کہ اعمال ایمان کے اجزاء محسنہ ہیں اسی لئے تارک اعمال ایمان سے خارج نہیں اور کفر میں داخل نہیں ہوتا اور نہ ہی مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے۔ ۳۔ تیسرا مذہب خوارج کا ہے اعمال ایمان کے اجزاء حقیقیہ ہیں اور مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج اور کفر میں داخل ہوتا ہے اور مخلد فی النار ہے۔ ۴۔ چوتھا مذہب معتزلہ کا ہے کہ اعمال ایمان کے اجزاء حقیقیہ ہیں اور مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہوتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا اور مخلد فی النار ہوتا ہے ایمان اور کفر کے درمیان ایک درجہ مانتے ہیں جس کا نام انہوں نے فسق رکھا ہے۔ ۵۔ پانچواں مذہب کرامیہ کا ہے کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے اگرچہ قلب میں انکار ہی ہو جیسا کہ منافق میں ہوتا ہے۔ ۶۔ چھٹا مذہب مرجئہ کا ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور کتنے ہی گناہ کرتا چلا جائے دوزخ میں نہ جائے گا۔

محدثین اور خوارج اور معتزلہ کے خلاف متکلمین حضرات کے دلائل

۱۔ **اولئک کتب فی قلوبھم الایمان** معلوم ہوا کہ ایمان کا محل قلب ہے اور ایمان تصدیق قلبی ہی کا نام ہے۔ ۲۔ **وقلبہ مطمئن بالایمان** ۳۔ **ولمایدخل الایمان فی قلوبکم**۔ ۴۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم **اللھم ثبت قلبی علی دینک**. ۵۔ جابجا قرآن پاک میں اعمال کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے **الاالذین امنوا وعملواالصالحات** اور عطف مغایرت کے لئے ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں ایمان سے الگ ہیں مغایر ہیں مباین ہیں۔ ۶۔ **وان طائفتان من المومنین اقتتلوا**. معلوم ہوا کہ آپس میں قتال کے باوجود ایمان باقی رہتا ہے۔ ۷۔ **الذین امنواولم**

یلبسوا ایمانھم بظلم اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کی دو حالتیں ہیں کبھی ظلم اور گناہ کے ساتھ مل جاتا ہے اور کبھی نہیں ملتا یعنی ایمان کے ساتھ کبھی اعمال صالحہ ملتے ہیں اور کبھی گناہ ملتے ہیں ایمان دونوں کے ساتھ جمع ہوتا ہے اگر اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہوتے تو ان کے نہ ہونے سے ایمان ختم ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے اعمال اجزاء ایمان نہیں ہیں۔ ۸- **یاایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا.** یہ خطاب کبائر کا ارتکاب کرنے والوں کو ہے اور ان کو مومن کے لقب سے حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے معلوم ہوا کہ باوجود عمل صالح چھوڑنے کے ایمان باقی رہا اس لئے اعمال اجزاء ایمان نہیں ہیں۔ ۹- **توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون** یہی تقریر جو ابھی آٹھویں دلیل میں گزری۔ ۱۰- **یاایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام** تو روزوں سے پہلے بھی تو ایمان تھا معلوم ہوا اعمال اجزاء ایمان نہیں ہیں۔ ۱۱- **ومن یعمل من الصالحات وھو مومن** معلوم ہوا عمل صالح کی شرط ایمان ہے اور شرط غیر مشروط ہوتی ہے اس لئے ایمان اور عمال صالح غیر غیر ہیں۔ ۱۲- اس پر اجماع ہے کہ ایمان شرط ہے عمل صالح کے لئے اور شرط غیر مشروط ہوتی ہے۔ ۱۳- خوارج اور معتزلہ کے مذہب پر تو نبی کریم ﷺ کے سوا کوئی بھی مومن نہ ہوگا کہ گناہ سے کوئی مومن بھی خالی نہیں ہے۔

محدثین حضرات کے دلائل

چونکہ امام بخاری نے کتاب الایمان میں محدثین ہی کا مذہب لیا ہے اور کتاب الایمان میں جا بجا محدثین کے دلائل ذکر کئے ہیں اس لئے محدثین کے دلائل الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ابواب ہی میں مناسب تقریر اور پھر متکلمین کی طرف سے جواب ذکر کردیا جائے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔

خوارج اور معتزلہ کے دلائل

۱- **والذین لایدعون مع اللہ الٰھاً آخر ولایقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولایزنون و من یفعل ذلک یلق اثا مایضاعف لہ العذاب یوم القیامۃ فیہ مھانا** اس میں گناہوں پر خلود صراحۃً مذکور ہے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے اگر اس میں ایمان ہوتا تو مخلد فی النار نہ ہوتا کیونکہ حدیث پاک میں ہے **یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان** معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہ کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج ہو گیا پھر خوارج چونکہ ایمان وکفر میں واسطہ اور تیسرا درجہ نہیں مانتے اس لئے جب ایمان سے نکلا تو کفر میں داخل ہو گیا اور معتزلہ درمیان میں واسطہ مانتے ہیں فسق اس لئے اس میں داخل ہو گیا جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ خلود سے مراد یہاں مجازاً مکث طویل ہے کہ وہ بھی خلود کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے بطور استعارہ تصریحیہ کے مشبہ بہ بول کر مشبہ مراد ہے دلیل اس کی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء** جب کفر وشرک کے سوا ہر گناہ کی معافی ہوسکتی ہے تو خلود ضروری نہ رہا بلکہ **یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان** سے ثابت ہوا کہ ادنیٰ ایمان والا جو مرتکب کبائر ہونے کی وجہ سے کمال ایمان سے محروم رہا وہ ضرور دوزخ سے نکل آئے گا اس لئے خلود فی النار ثابت نہ ہوا۔ ۲- کتاب الایمان کی پہلی حدیث **بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لاالٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ و اقام الصلوٰۃ ایتاء الزکوٰۃ والحج و صوم رمضان.** معلوم ہوا کہ تصدیق اور چار عمل ایمان میں داخل ہیں اور جزء کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے اس لئے مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہو گیا۔ جواب:- یہ چیزیں ایمان کے اجزاء ہیں لیکن کامل ایمان کے اجزاء ہیں اور نفس ایمان کے لئے اجزاء محسنہ ہیں اور صفات خارجہ ہیں ان کی نفی سے ایمان کی نفی نہیں ہوتی جیسے سر کے بال منڈا دینے سے انسانیت ختم نہیں ہوتی اور بیل کے سینگ کاٹ دینے سے وہ مر نہیں جاتا۔ ۳- حدیث

پاک میں ہے لایزنی الزانی حین یزنی وھومومن معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ زنا جمع نہیں ہوسکتی جب زنا آئے گی تو ایمان ختم ہوجائے گا اس لئے مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہوا۔ جواب یہ ہے کہ مومن کامل مراد ہے نفس ایمان ختم نہ ہوا۔ ایمان کامل ختم ہوا اس لئے ایمان سے خارج نہ ہوا۔ ۴-وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحا ثم اھتدی اور جابجا ایمان کے ساتھ قرآن پاک میں عمل صالح مذکور ہے معلوم ہوا کہ بخشش ایمان اور عمل صالح کے مجموعہ پر مرتب ہوتی ہے اس لئے اگر عمل صالح نہ ہوگا تو مخلد فی النار ہوگا اور کبھی بخشش نصیب نہ ہوگی جواب یہ ہے کہ کامل بخشش مراد ہے کہ عمل صالح کے بغیر کامل بخشش نہ ہوگی اور ابتداء جنت میں نہ جائے گا اگر معافی نہ ہوئی۔

۵-و من یقتل مومنا متعمداً فجزاہ جھنم خالداً فیھا.

جواب: ۱- خلود بمعنی مکث طویل ہے۔ ۲- اس آیت اور حدیث کی وجہ سے تخصیص کی گئی ہے اور مومن کو اس حکم سے نکال دیا گیا ہے آیت یہ ہے ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفرمادون ذلک لمن یشاء اور حدیث یہ ہے کہ یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان۔ کرامیہ کی تردید: ۱- ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمومنین۔ صرف زبان سے اقرار کرنے والے منافقین کو مومن نہیں قرار دیا گیا۔ ۲- واللہ یشھدان المنافقین لکذبون اور کرامیہ کہتے ہیں ان المنافقین لصادقون۔ کرامیہ کی دلیل یہ حدیث ہے من کان اٰخر کلامہ لاالٰہ الا اللہ لدخل الجنۃ جواب مع التصدیق مراد ہے۔ مرجئہ کے دلائل اور ان کے جواب:۔ ان کی دلیل ۱- جیسے کافر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ایسے ہی مومن جہنم میں داخل نہیں ہوسکتا۔ جواب:۔ ۱- کافر پر مومن کو قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ کافر کے پاس کوئی نیکی نہیں جو اس کو جنت میں لائے کیونکہ نیکی کے لئے ایمان شرط ہے اس میں یہ شرط نہیں ہے اور مسلمان کے پاس نیکی بھی ہے گناہ بھی ہے کیونکہ سب گناہوں کا کفارہ ہوجانا یا سب کا بلاتوبہ معاف ہوجانا ضروری نہیں ہے اور سب کا توبہ کرنا ضروری نہیں اس لئے جنت اور دوزخ دونوں میں جانے کے اسباب موجود ہیں اب پہلے جنت میں اور پھر دوزخ میں جانا حق تعالیٰ کی شان کریمی کے خلاف ہے اس لئے پہلے جہنم میں عادات واعمال کی اصلاح کے لئے دوزخ کے ہسپتال میں رہیں گے پھر جنت میں جائیں گے اگر بلا اصلاح سب کو جنت میں داخل کر دیا جائے تو ایسے ہی لڑائی جھگڑے کریں گے جیسے دنیا میں کرتے ہیں تو جنت دوزخ بن جائے گی اس لئے شان مغفرت کی وجہ سے بعضوں کی کن سے اصلاح فرمادیں گے اور جنت میں داخل فرمادیں گے اور بعض کا داخلہ دوزخ میں تہذیباً اپنی شان حکمت کی بنا پر فرمائیں گے اور جب اصلاح ہوجائے گی تو جنت میں داخل فرما دیویں گے۔ سمجھدار وہی ہے جو اپنے اخلاق واعمال کی اصلاح دنیا ہی میں کرالے تاکہ دوزخ کے ہسپتال میں نہ کافروں کی طرح تعذیباً رہنا پڑے نہ مفسدوں کی طرح تہذیباً رہنا پڑے۔ ۲- دوسرا جواب یہ ہے کہ مومن کو کافر پر اس لئے قیاس نہیں کر سکتے کہ کافر کی اگر کوئی نیکی ہے بھی تو اس کا بدلہ دنیا میں اس کو مل جاتا ہے اور فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ پر عمل ہوجاتا ہے اس لئے وہ جنت میں نہیں جاسکتا اور مومن کے سب گناہوں کا کفارہ دنیا میں نہیں ہوتا اس لئے اس کی نیکی بھی باقی ہے گناہ بھی باقی ہیں اس لئے اگر مغفرت تفضلاً نہ ہوئی تو دوزخ میں سزا بھگت کر جنت میں نیکی کی وجہ سے جائے گا۔ ۲- دوسری دلیل مرجئہ کی یہ ہے کہ ایمان باللہ کے ساتھ عذاب اللہ میں کیسے جاسکتا ہے جواب حضرت انور شاہ صاحب نے دیا کہ ایمان جہنم کے دروازے پر محفوظ رکھ لیا جائے گا اور بلا ایمان جہنم میں جائے گا۔ سزا بھگت کر جب نکلے گا تو اس کا ایمان اس کو دے دیا جائے گا۔ مرجئہ کے خلاف اہل حق کے دلائل:۔ انماالمومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذاتلیت علیھم آیاتہٗ زادتھم ایمانا وعلیٰ ربھم یتوکلون اولئک ھم المومنون حقا معلوم ہوا کہ اعمال کے بغیر ایمان

ناقص ہے۔۲-ایمان تصدیق کا نام ہے اور ہر عمل تصدیق ہے اس لئے اعمال کا اہتمام ضروری ہے۔۳-حضرت ابو مالک اشعری سے مرفوعاً واقع ہوا ہے الطھارة شطر الایمان۔۴-صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً وارد ہے الایمان بضع وستون شعبة۔ان میں اکثر اعمال ہیں وہ سب ایمان کا حصہ ہیں۔۵-اگر اعمال کی ضرورت نہ ہو تو تمام آیات و احادیث جن میں اوامر ونواھی ہیں فضول اور بے کار ہوں گی نعوذ باللہ من ذلک

الایمان یزید وینقص

عندالمحدثین والشوافع ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور عند المتکلمین والحنفیہ نہیں ہوتی۔اس مسئلہ میں منشاء اختلاف کی چند تقریریں ہیں۔۱-اعمال محدثین کے نزدیک اجزاء ایمان ہیں اور اعمال میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے ایمان میں بھی کمی بیشی ہے بخلاف متکلمین۔۲-متکلمین کے پیش نظر نفس نجاۃ کا مدار بتلانا ہے وہ نفس تصدیق ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہے اور مطح نظر محدثین کے لئے نجات بلا عذاب ہے اس لئے وہ کمی بیشی کے قائل ہوگئے کہ کوئی بالکل بلا عذاب جائے گا۔کوئی تھوڑے عذاب کے بعد کوئی زیادہ عذاب کے بعد۔۳-متکلمین کی غرض معتزلہ اور خوارج کی تردید تھی جن کے نزدیک ضرورت سے زائد اعمال کی اہمیت تھی اور محدثین کی غرض مرجئہ کی تردید تھی جنہوں نے اعمال کو بالکل فضول قرار دے دیا تھا۔

زیادۃ ایمان اور نقصان ایمان کے دلائل

محدثین زیادۃ والی آیات واحادیث کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں جب زیادت ثابت ہوگئی تو اس کی سند لزوماً ثابت ہوگئی اور متکلمین زیادت والی نصوص کی مختلف توجیہات فرماتے ہیں مثلاً۔۱-نفس تصدیق اور نفس ایمان میں زیادۃ نقصان نہیں ہے بلکہ ایمان کے کمال اور نور الانشراح اور حلاوت اور بشاشت میں کمی بیشی ہوتی ہے۔۲-ایمان عقد نکاح کی طرح ہے نفس نکاح اور نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں۔موارد ایمان یعنی عقائد واعمال واخلاق میں کمی بیشی ہے مثل حقوق نکاح کے کہ حقوق میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے کوئی حق پورا ادا کرتا ہے کوئی کم۔۳-نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں پہلے توحید نازل ہوئی پھر نماز پھر زکوٰۃ پھر جہاد پھر حج تو مومن بہ بڑھنے کو زیادۃ شمار کیا گیا اس لئے یہ زیادتی مختص اس پاک زمانہ کے ساتھ ہے بعد میں نہ رہی اور ہے بھی مومن بہ میں نہ کہ نفس ایمان میں۔۴-اقوال واعمال میں دو درجے ہیں ایک نفس اعمال واقوال اور ایک تصدیق بالاعمال والاقوال تصدیق بالاعمال والاقوال میں صرف نفی واثبات ہے۔تصدیق ہے تو ایمان ہے ورنہ نہیں اور نفس اعمال واقوال سے ایمان کی کمی بیشی ہوتی ہے لیکن نفس ایمان کی نہیں کمال ایمان کی۔مثلاً سود حرام ہونے کو مانتا ہے تو مومن ورنہ کافر پھر سود کوئی کم کھاتا ہے کوئی زیادہ کھاتا ہے کوئی نہیں کھاتا اس سے کمی بیشی ایمان کی ہوتی ہے لیکن نفس ایمان کی نہیں کمال ایمان کی۔ایسے ہی اقوال میں جھوٹ کو حرام سمجھے گا تو مومن حلال سمجھے گا تو کافر اور کوئی جھوٹ نہیں بولتا کوئی کم بولتا ہے کوئی دن رات جھوٹ بولتا ہے تو اس سے نفس ایمان کی تو نہیں البتہ کمال ایمان کی کمی بیشی ہوتی ہے۔۵-صورت تصدیق میں کمی بیشی نہیں ہوتی بلکہ اثر ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یعنی مدح اور ثواب میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسے فتح مکہ سے پہلے ایمان کا درجہ اونچا ہے بعد کا درجہ کم ہے تو نفس تصدیق اور صورت تصدیق میں فرق نہیں ثواب اور مدح میں فرق ہے۔۶-دلائل تصدیق میں کمی بیشی ہوتی ہے نفس تصدیق میں نہیں۔۷-استقامۃ علی الایمان مصائب وغیرہ میں کسی کی باقی رہتی ہے۔کسی میں تزلزل پیدا ہو کر کمی آجاتی ہے نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔۸-قول وعمل شاہدین علی الایمان ہیں ان کی کمی بیشی سے ظہور تصدیق میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسے نکاح میں پہلے ایک نظر دیکھنے کی گنجائش ہے پھر خطبہ یعنی منگنی پھر نکاح پھر ملاقات ہے ایسے ہی ایمان میں پہلے تصدیق پھر اقرار پھر اعمال پھر مشاہدہ ان تعبداللہ کانک تراہ ہے تو تصدیق میں اور نفس ایمان میں کمی بیشی نہ ہوئی بلکہ ظہور تصدیق میں کمی بیشی ہوئی۔

لفظ ایمان اور لفظ اسلام کے استعمال میں فرق

اس میں کئی قول ہیں۔ مثلاً ۱- امام غزالی فرماتے ہیں کہ ایمان واسلام کا لفظ تین طرح استعمال ہوتا ہے ایک بطور ترادف **فاخرجنامن کان فیھا من المومنین فما وجدنا فیھا غیربیت من المسلمین** یہاں مسلمین اور مومنین کا مصداق ایک ہی گھر کے افراد ہیں اس لئے یہ استعمال بطور ترادف ہوا ہے اس ترادف میں دونوں میں سے ہرایک سے مراد انقیاد ظاہری اور باطنی کا مجموعہ ہے۔ دوسرا استعمال بطور تقابل کے ہے کہ ایمان سے مراد انقیاد باطنی ہے اور اسلام سے مراد انقیاد ظاہری ہے جیسے **قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنواولکن قولوااسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم** تیسرا استعمال بطور تداخل جیسے طبرانی اور مسند احمد کی حدیث ہے۔ فقیل ای الاسلام افضل قال الایمان پس اس حدیث میں ایمان کا تعلق صرف دل سے مانا گیا ہے اور اسلام کا تعلق دل اور زبان اور جوارح تینوں سے مانا گیا ہے۔ ۲- قال شیخنا الانور الکشمیری ایمان واسلام کی حرکت ایک ہے صرف ذھاب وایاب میں فرق ہے ایمان کا مبداء اول ہے پھر زبان پھر عمل پر اثر ہوتا ہے اور اسلام کا مبداء جوارح ہیں پھر زبان پھر دل تک پہنچتا ہے۔ ۳- قال الحافظ ابن رجب ایمان واسلام جب ایک ہی کلام میں اکٹھے ہوجاتے ہیں تو معنی کے لحاظ سے جداجدا ماننے پڑتے ہیں ایمان کے معنی تصدیق قلبی کے لینے پڑتے ہیں اور اسلام کے معنی انقیاد ظاہری کے لینے پڑتے ہیں اور جب ذکر میں جدا ہوتے ہیں یعنی صرف ایمان مذکور ہو یا صرف اسلام مذکور ہو تو پھر معنی دونوں میں سے ہرایک کے تصدیق مع الانقیاد ہوتے ہیں عجیب بات ہے اکٹھے ہوں تو جدا اور جدا ہوں تو اکٹھے جیسے فقیر اور مسکین کے لفظ ہیں کہ ایک ہی کلام میں ہوں تو فقیر کم مال والا اور مسکین خالی ہاتھ ہوتا ہے اور اگر صرف ایک مذکور ہو تو مسکین بھی محتاج اور فقیر بھی محتاج اکٹھے ہوگئے۔ ۴ قال ابن الھمام اسلام اور ایمان بالکل ایک ہیں اور جس آیت سے بظاہر فرق معلوم ہوتا ہے **قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنوا ولکن قولوااسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم** اس میں بھی دونوں کی ماہیت اور حقیقت میں کوئی فرق بیان کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ یہ فرمایا کہ اسلمنا کا لفظ استعمال کروں کیونکہ اس میں ذہن ظاہر کی طرف جاتا ہے اس کا اقرار آسان ہے آمنا نہ کہو کہ اس سے ذہن قلبی کمال کی طرف جاتا ہے جس کا دعویٰ مناسب نہیں یہ بیان فرمانا مقصود نہیں کہ دونوں کی حقیقت الگ الگ ہے دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے تصدیق قلبی مع الانقیاد ۵- معتزلہ اور روافض کے نزدیک مرتکب کبیرہ کو مسلم کہہ سکتے ہیں مومن نہیں کہہ سکتے ان کے نزدیک ایمان اور کفر کے درمیان ایک درجہ فسق کا ہے اسلام فسق اور ایمان دونوں کو شامل ہے۔ ایمان فسق کو شامل نہیں۔ ایمان مجموعہ ہے تصدیق بالجنان اقرار باللسان اور عمل بالارکان اور اسلام نفس انقیاد ہے تینوں سے ہو یا بعض سے ہو۔ ۶- امام صدرالدین بزدوی نے فرمایا کہ ایمان اور اسلام میں تلازم ہے یعنی مفہوم الگ الگ ہے لیکن ایک دوسرے کے بغیر پائے نہیں جاتے جیسے ظہر و بطن کا مفہوم الگ الگ ہے لیکن وجود اکٹھا ہے اسلام انقیاد کا نام ہے لیکن بلا تصدیق یہ انقیاد معتبر نہیں اور ایمان تصدیق کا نام ہے لیکن بلا عمل یہ کافی نہیں اور مستحسن نہیں اور نجات اولیٰ کے لئے معتبر نہیں۔

تبریہ کا مقام:۔ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ ایمان کی شرط تبری عن الکفر بھی ہے دل میں تو ہمیشہ تبری اور بیزاری لازم ہے اور قولاً وعملاً اس وقت ضروری ہے جب کوئی مانع نہ ہو دلیل قد **کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوالقومھم انا براء منکم ومماتعبدون من دون اللہ** لیکن جمہور علماء ومشائخ کے نزدیک اظہار ایمان ہی کافی ہے تبری ضمناً وتبعاً خود بخود پائی جاتی ہے اصل مقصود نہیں ہے۔ فاسق کو مومن کہنا: ۱- ایک قول میں صحیح ہے۔ ۲- دوسرا قول یہ ہے کہ مسلم کہنا صحیح ہے مومن کہنا صحیح نہیں۔ ۳- تیسرا قول یہ ہے کہ مومن

ناقص کہنا صحیح ہے کیونکہ اگر مطلق مومن کہیں گے تو ذہن کامل ہی کی طرف جائے گا۔ راجح بظاہر پہلا قول ہی ہے۔

ایمان میں استثناء کا مسئلہ

۱- اولی یہ ہے کہ انا مومن انشاء اللہ تعالیٰ کہے صرف انا مومن نہ کہے کیونکہ مدار خاتمہ پر ہے نہ معلوم کیسا خاتمہ ہو۔ ۲- انا مومن کہنا اولیٰ ہے کہ حال کا لحاظ ہے حال میں ایمان حاصل ہے اس کا شکر ادا کرتے ہوئے بلا استثناء کہنا چاہئے۔ شکر سے ترقی بھی ہوتی ہے لان شکر تم لازیدنکم نبی کریم ﷺ نے کھانے کے بعد دعا سکھلائی الحمد للہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین کہ جس طرح عمل کا اہتمام خاتمہ بالخیر کا سبب ہے کہ عمل سے ایمان محفوظ ہو جاتا ہے ورنہ کھلے میدان میں چراغ رکھنے کی طرح ہوتا ہے ذرا فتنہ کی آندھی چلی تو ایمان ختم اور جس طرح کثرت ورد کلمہ طیبہ خاتمہ بالخیر کا سبب ہے اور جس طرح عصر کی سنتوں کا اہتمام خاتمہ بالخیر کا سبب ہے کہ ایسے شخص کے لئے خصوصی دعاء نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے اسی طرح دن میں دو تین بار کھانے کے بعد اس دعاء کے پڑھنے سے ایمان کا شکر ادا ہوگا اور شکر سے ترقی اور مضبوطی نصیب ہوگی اور خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ ۳- تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں طرح برابر ہے ان حضرات نے دونوں قسم کے دلائل پر نظر ڈالی ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ بلا استثناء صرف انا مومن کہنا ہی اولیٰ ہے اس کی ۱- ایک وجہ تو ابھی گزری کہ شکر ادا ہوگا تو مضبوطی ہوگی۔ ۲- انشاء اللہ کہنے سے ذہن شک کی طرف جاتا ہے کہ شاید اسے شک ہو۔ ۳- صحابہ کرام سے استثناء منقول نہیں۔ ۴- جنہوں نے استثنا کو واجب قرار دیا ہے وہ مغلوب الحال ہیں غلبہ خوف میں ایسا کہہ دیا۔ ایسے حضرات کا قول حجت نہیں ہوتا۔

ایمان میں محدثین و متکلمین کا اختلاف نزاع لفظی ہے

اور حقیقت میں دونوں کے نزدیک نفس ایمان سے اعمال خارج ہیں ایمان کامل میں داخل ہیں یا یوں کہیں گے کہ اعمال اجزاء محسنہ ہیں اجزاء حقیقیہ نہیں نفی کرنے والے اجزاء حقیقیہ کی نفی کرتے ہیں اثبات کرنے والے اجزاء محسنہ کا اثبات کرتے ہیں اس نزاع لفظی کا منشاء بھی یہ تھا کہ متکلمین و حنفیہ کے زمانہ میں معتزلہ اور خوارج کا بہت فتنہ تھا ان کی تردید کے لئے یہ عنوان اختیار فرمایا اور محدثین اور شوافع کے زمانہ میں مرجئہ کا بہت زور تھا اس لئے ان کی تردید کے لئے یہ طرز اختیار فرمایا۔

حنفیہ کو مرجئہ کہنے کی وجہ

۱- امام ابوحنیفہ فاسق کے عذاب کا ارجاء مانتے تھے یعنی ارادۃ اللہ پر موقوف ہونا مانتے تھے کہ چاہیں گے تو عذاب دیں گے چاہیں گے تو معاف فرمادیں گے یہ معنی نہیں کہ امام صاحب کا عقیدہ وہی تھا جو فرقہ مرجئہ کا تھا۔ ۲- امام ابوحنیفہ ارجاء اعمال کے قائل تھے یعنی اعمال کو رکنیت ایمان سے مؤخر مانتے تھے کہ یہ رکن ایمان نہیں ہیں۔ ۳- بعض مرجئہ فرعی اعمال میں حنفی مذہب کے مقلد تھے جیسے علامہ زمخشری عقائد میں معتزلی لیکن فروع میں حنفی تھے تو ان خاص مرجئہ حنفیہ کو بعض علماء نے مرجبہ کہا تھا یہ مطلب نہ تھا کہ سب حنفی مرجبہ فرقہ میں داخل ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس

۱- ای ھذا باب فی ذکر قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی السلام علی خمس۔ ۲- خذ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ پھر بعض نسخوں میں یہاں یوں ہے باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس لیکن یہ نسخہ راجح نہیں ہے کیونکہ جب کتاب الایمان میں فرمادیا تو اب ایمان کے انواع آنے چاہئیں دوبارہ باب الایمان ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس باب کی غرض ۱- مرجبہ کا رد کہ وہ اعمال کی ضرورت نہیں سمجھتے انکار د ہے کہ اعمال پر ایمان اور اسلام مبنی ہیں۔ ۲- سلف صالحین کے اس قول کی تائید ان الایمان قول وعمل ونیۃ۔ ۳- الایمان یزید وینقص کا اثبات

مقصود ہے امام بخاری کا قول منقول ہے لقیت اکثر من الف رجل من العلماء بالامصار فما رایت احداً منھم یختلف فی ان الایمان قول وعمل یزید وینقص ۔اس کے بعد آٹھ آیتیں ذکر کیں جن میں ایمان کی زیادت کی تصریح ہے اور زیادۃ سے نقصان اشارۃً سمجھ میں آرہا ہے پھر حدیث پیش کی جس میں بنی الاسلام علی خمس مذکور ہے متکلمین کی طرف سے آیات کی آٹھ توجیہات ذکر کی جاچکی ہیں اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں اسلام کا مرکب ہونا مذکور ہے اس کے ہم بھی قائل ہیں کیونکہ اسلام تو تصدیق' قول اور عمل کا مجموعہ ہے اس لئے حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے پھر سلف صالحین سے جو منقول ہے ان الایمان قول وعمل ونیۃ یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ یہ متکلمین کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں بلکہ صرف یہ کہ اعمال کا تعلق ہے ایمان کے ساتھ اس تعلق کی وجہ سے ایمان کے آثار وانوار میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ البتہ امام بخاری پر یہ اعتراض باقی رہتا ہے کہ آپ نے سلف صالحین کے قول میں عمل کی جگہ فعل جو رکھا ہے یہ اچھا نہ کیا۔ عمل اور فعل میں فرق پیچھے انما الاعمال بالنیات والی حدیث میں گذر چکا ہے ایک دوسرا اعتراض امام بخاری پر پڑتا ہے کہ آپ نے نیت کا لفظ سلف صالحین کے قول سے بالکل حذف ہی کر دیا اس کا جواب ۱- ایمان میں نیت کا داخل ہونا بالکل ظاہر تھا اس لئے ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی ۔۲- نیت کے داخل ہونے میں اختلاف نہ تھا اس لئے حذف کر دیا۔

لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم

یہاں سے آٹھ آیتوں سے زیادہ پر استدلال کرنا چاہتے ہیں ان سب میں سے ہر ایک کی آٹھ آٹھ توجیہات تو وہی ہیں جو پیچھے تفصیل سے گزریں اس کے علاوہ پہلی آیت سے صاف کی توجیہ میں حنفیہ اور متکلمین کی طرف سے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پہلی آیت ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان اصلی اور نفس ایمان تو قائم رہتا ہے زائد ہونے والی چیز نفس ایمان کے علاوہ کوئی چیز ہے اسی لئے نفس ایمان معرفہ ہے ایمانھم اور زائد ہونے والی چیز نکرہ ہے ایماناً پھر اصل ایمان ان کا اختیاری ہے اسی لئے ایمانھم فرمایا ان کی طرف نسبت اور اضافت فرمائی اور ایماناً جو اللہ تعالیٰ کی زائد عطا ہے اس کی اضافت ان کی طرف نہ فرمائی اور لفظ مع جو بڑھایا تو اس میں بھی اشارہ ہے کہ نفس ایمان الگ ہے اور اس پر زائد ہونے والی چیز الگ ہے پھر ان آٹھوں آیتوں میں سے جن تین آیتوں میں ھدیٰ کا لفظ ہے وہاں یہ جواب بھی ہے کہ ہدایت میں زیادتی ثابت ہوئی اور ہدایت تو اسلام ہے۔ اسلام میں اور ہدایت میں اعمال میں زیادتی ہے نفس ایمان میں زیادتی نہیں ہے۔

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان

غرض یہ ہے کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ میں تو کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے ایمان میں بھی کمی بیشی ثابت ہوگئی او. یہ عبارت بعض روایات سے ماخوذ ہے ہم متکلمین کی طرف سے اس کے متعدد جواب دیتے ہیں۔ ۱- من اتصالیہ ہے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں چیزوں کا ایمان سے تعلق ہے تو ایمان کے متعلقات میں زیادت ونقصان ہوا ایمان میں تو نہ ہوا۔ ۲- من ابتدائیہ ہے کہ حب وبغض ایمان سے پیدا ہوتے ہیں تو آثار ایمان میں کمی بیشی ہوئی ایمان میں تو نہ ہوئی۔ ۳- اگر من کو تبعیضہ بھی مان لیا جائے تو ایمان کامل کے اجزاء ہم بھی مانتے ہیں ہمارے خلاف کچھ ثابت نہ ہوا۔

کتب عمر بن عبدالعزیز الی عدی بن عدی

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق امام احمد اور علامہ نووی نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ پہلے مجدد تھے حدیث شریف میں ہے **ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا** بعض روایتوں میں یجدد کی جگہ یصح بھی ہے مراد تجدید وتصحیح سب انواع میں ہے اور من میں تعدد کا بھی احتمال ہے علامہ عینی فرماتے ہیں مجدد کے متعلق **وانما المراد من انقضت**

المائۃ وھو حی عالم مشارالیہ کہ جس وقت صدی ختم ہو اس وقت وہ زندہ ہو ممتاز عالم دین ہو حضرت عمر بن عبدالعزیز ایسے ہی تھے۔ ۹۹ھ میں خلیفہ بنے اور ۱۰۱ھ میں وفات پائی ان کی خلافت دو سال اور پانچ ماہ رہی تقریباً جتنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تھی۔ ہمارے اکابر نے ہماری چودھویں صدی کے مجدد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو قرار دیا ہے پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جن کو خط لکھا یہ عدی گورنر اور والی تھے۔ الجزیرہ اور موصل کے بعض نے ان کو صحابی اور بعض نے ان کو تابعی مانا ہے راجح تابعی ہونا ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں کوئی صحابی باقی نہ رہے تھے اور حضرت انس کا حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے جو نماز پڑھنا آتا ہے یہ ان کی خلافت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت عدی بن عدی کو جن حضرات نے صحابی شمار کیا ہے ان کو غلطی اس سے لگی کہ انہوں نے بعض روایتیں عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے بیان فرمائی ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ روایتیں مرسل تھیں بعض نے ان روایات کو مسند سمجھ کر حضرت عدی بن عدی کو صحابی شمار کرلیا راجح یہی ہے کہ یہ تابعی ہیں۔ قولہ:۔ ان الایمان فرائض ای الاعمال المفروضۃ والشرائع ای العقائد وحدودا ای امورا ممنوعۃ وسننا ای مستحبات۔ قولہ:۔ من استکملھا استکمل الایمان الخ غرض یہ ہے کہ ان مذکورہ چیزوں میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے ایمان میں بھی کمی بیشی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خط سے ثابت ہوگئی جو انہوں نے عدی بن عدی کی طرف لکھا تھا متکلمین کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ۱۔ لغت میں استکمال صفات کے لحاظ سے ہوتا ہے اور تمام ہونا ذات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

اذا تم امرونا نقصہ   توقع زوالاً اذا قیل تم

اس لئے جزئیت ثابت نہ ہوئی۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر جزئیت بھی مان لی جائے تو ایمان کامل کی مراد ہے نفس ایمان کی جزئیت ثابت نہ ہوئی۔ قولہ:۔ فان اعش فسابینھا لکم الخ اس عبارت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ تمنا ظاہر کی ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی ایسے ہی فقہ کے مسائل کو بھی کتابی شکل میں جمع کروں گا لیکن اس کا موقعہ ان کو نہ ملا۔

وقال ابراہیم ولکن لیطمئن قلبی

یعنی علم استدلال جس کو علم الیقین کہتے ہیں وہ تو حاصل ہے مشاہدہ جس کو عین الیقین کہتے ہیں وہ حاصل کرنا چاہتا ہوں معلوم ہوا کہ ایمان میں کمی بیشی ہے جواب اس کا متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ اطمینان نفس ایمان پر ایک زائد چیز کا نام ہے اس سے نفس ایمان میں کمی بیشی ثابت نہ ہوئی زائد چیز میں ہوئی جیسے کسی نے دمشق شہر کا نام سنا ہو اور دیکھ کر مزید اطمینان حاصل کرنا چاہے۔ سوال:۔ امام بخاری نے اس آیت کو گذشتہ آیتوں کے ساتھ کیوں نہ ذکر فرمایا۔ جواب:۔ ماقبل والی آیات عبارت النص کے درجہ میں مقصد پر دلالت کرتی تھیں اور یہ آیت اشارۃ النص کے درجہ میں دلالت کرتی تھی اس لئے اس کو الگ بیان فرمایا۔

قال معاذ اجلس بنانومن ساعۃ

یعنی آؤ کچھ دیر دین اور آخرت کے امور کا تذکرہ کریں امام بخاری اس سے استدلال فرمانا چاہتے ہیں کہ دیکھو قیامت پر ایمان میں زیادتی کا ارادہ فرمایا معلوم ہوا کہ قیامت پر ایمان کی بیشی کو قبول کرتا ہے متکلمین کی طرف سے جواب ۱۔ یہ استقامت علی الایمان کے لئے اور تجدید ایمان کے لئے مذاکرہ کرنا مراد ہے جیسے حدیث میں آیا ہے جددوا ایمانکم بقول لا الٰہ الا اللہ۔ ۲۔ مراقبہ موت اور مراقبہ قیامت سے خوف وخشیت پیدا کرنا مقصود تھا جیسا کہ سلف صالحین میں گناہوں کے چھڑانے کے لئے مراقبہ موت کا استعمال بکثرت منقول ہے کہ ایک وقت مقرر کرکے یوں سوچے کہ میں مرگیا ہوں اور قبر اور قیامت میں گناہوں کے متعلق پوچھ ہورہی ہے اس سے خوف پیدا ہوتا ہے اور گناہ چھوڑنے آسان ہوجاتے ہیں تو خوف

پیدا کرنا مقصود تھا قیامت کے ایمان میں زیادتی مقصود نہ تھی۔

قال ابن مسعود الیقین الایمان کلہ

اس سے استدلال یوں ہے کہ کل کی نسبت ایسی شے کی طرف ہوتی ہے جو اجزاء والی ہو معلوم ہوا کہ ایمان اجزاء والا ہے اور کمی بیشی کو بھی قبول کرتا ہے ہم متکلمین کی طرف سے یہ جواب دیتے ہیں کہ اجزاء والا کہنا مومن بہ کے لحاظ سے ہے کہ ہر مومن بہ پر یقین ہونا چاہئے توحید کا بھی یقین ہو رسالت کا بھی قیامت کا بھی باقی ان سب چیزوں کا بھی جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں یہ معنی نہیں ہیں کہ ایمان خود اجزاء والی چیز ہے کیونکہ یقین اور ایمان کو ایک قرار دینا اسی کا تقاضی کرتا ہے کہ ایمان بسیط ہو کیونکہ یقین بسیط ہے اور تین درجے علم یقین عین الیقین حق الیقین یہ نفس یقین کے درجے نہیں کمال یقین کے درجے ہیں جن کے معنی علی الترتیب شنیدہ' دیدہ اور چشیدہ ہیں سننے سے یقین دیکھنے سے کمال یقین میں ترقی چکھنے سے مزید ترقی۔ ایسے ہی نفس ایمان بسیط ہے کمال ایمان میں مراتب ہیں۔ پھر یقین بھی اختیاری ہی مراد ہے۔ مقصد قول ابن مسعود کا یہ ہے کہ ایمان میں یقین کا درجہ ضروری ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ طاعات سہولت سے ادا ہوتی ہیں۔ قولہ:۔ قال ابن عمر الخ یعنی شک والی چیزیں چھوڑنے سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے اور تقویٰ اور ایمان ایک ہے حتیٰ کہ بعض روایات میں یہاں تقویٰ کی جگہ ایمان ہے۔ متکلمین کی طرف سے تقویٰ والی روایت کا جواب تو ظاہر ہے کہ تقویٰ کے مختلف مراتب ثابت ہوئے نہ کہ ایمان کے اور ایمان والی روایت کا جواب یہ ہے کہ کمال ایمان کے مرتب ہیں اور اس کے ہم بھی قائل ہیں قولہ:۔ قال مجاہد الخ وقال ابن عباس الخ ان دونوں قولوں کی مجموعی طور پر تین تقریریں ہیں۔ ا۔ قول مجاہد میں یہ ہے کہ سب نبیوں کا دین ایک ہے پھر اسی آیت میں ان اقیمواالدین بھی ہے اس قیام دین میں مراتب مختلف ہیں معلوم ہوا دین اور ایمان کے مراتب مختلف ہیں کیونکہ دین اور ایمان ایک ہی چیز ہے اس تقریر پر قول ابن عباس الگ ہے کہ شریعت کے اعمال مختلف ہیں اور شریعت اور ایمان ایک ہی چیز ہے اس لئے ایمان مرکب ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے یعنی سب نبیوں کا دین ایک ہے شریعتیں مختلف ہیں شریعتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے مجموعی طور پر دین اور ایمان مختلف ہو جاتے ہیں اور ان میں مراتب اور اجزاء نکلتے ہیں۔ ۲۔ قول مجاہد کے معنی یہ ہیں کہ سب نبیوں کا دین ایک ہے لیکن پھر بھی اس آخری دین کی فضیلت ہے معلوم ہوا کہ مابہ الاشتراک بھی ہے اور کچھ مابہ الافتراق بھی ہے جب درجے مختلف ہوئے تو کمی بیشی ثابت ہوگئی اس تقریر پر بھی قول ابن عباس الگ ہے اور اس کی وہی تقریر ہے جو ابھی کی گئی۔ ۳۔ قول مجاہد اور قول ابن عباس دونوں کو ملا کر استدلال کرنا مقصود ہے کہ قول مجاہد سے معلوم ہوا کہ سب نبیوں کا دین ایک ہے اور قول ابن عباس سے معلوم ہوا کہ نبیوں کی شریعتیں مختلف ہیں اس لئے مجموعی دین میں ترکیب اور کمی بیشی آ گئی ان تینوں تقریروں کا جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ ان تینوں تقریروں میں یہ بات مان لی گئی ہے کہ اصل دین سب نبیوں کا ایک ہے اور اس میں کمی بیشی نہیں ہے بلکہ کمی بیشی کمال دین اور کمال ایمان میں ہے یہی ہمارا مسلک ہے۔

شرعۃً ومنھاجا

ا۔ دونوں کے معنی ایک ہیں اور عطف تاکید کے لئے ہے یعنی دین کی تفصیلات۔ ۲۔ شرعۃً قانون الٰہی کو کہتے ہیں اور منہاج اس قانون پر عمل کرنے کے طریقے کو کہتے ہیں۔

دعاءکم ایمانکم

بعض نسخوں میں باب کا لفظ بھی ہے یوں عبارت ہے باب دعاءکم ایمانکم علامہ نووی فرماتے ہیں باب کا لفظ یہاں غلط فاحش ہے۔ مقصد امام بخاری کا یہ ہے کہ **قل مایعبأ بکم ربی لولا دعاءکم** اس آیت میں ایمان کو دعاء فرمایا گیا ہے اور دعاء میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے

جواب یہ ہے کہ قومی تعلق کی وجہ سے ایمان کو دعا سے تعبیر کیا گیا ہے پس ایمان کے متعلقات میں کمی بیشی ثابت ہوئی ایمان میں کمی بیشی ثابت نہ ہوئی۔

بنی الاسلام علی خمس

غرض یہ ہے کہ اسلام ان پانچ چیزوں پر بولا جاتا ہے اور اسلام اور ایمان ایک ہیں اس لئے ایمان بھی ان پانچ چیزوں پر بولا جائے گا پس ایمان مرکب ہوا اور اس میں کمی بیشی ثابت ہوئی جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ اسلام کا مرکب ہونا ثابت ہوا اوس کے ہم بھی قائل ہیں۔ ایمان کا مرکب ہونا ثابت نہ ہوا پھر ان پانچ چیزوں کی تخصیص کی مختلف وجہیں ہیں۔ ۱- ان پانچ چیزوں کی عظمت شان ۲- ان کا شعائر اسلام میں سے ہونا۔ ۳- ان کا مجموعہ یہود ونصاریٰ میں نہ تھا پھر ان میں شہادت قلب کی طرح ہے اور باقی چار اطراف کی طرح ہیں۔

باب امور الایمان

ای ھذا باب فی بیان امور الایمان ان کو امور ایمان اس بنا پر فرمایا کہ امام بخاری کے نزدیک ان سے ایمان کا وجود ہے اور ان کی وجہ سے ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور یہ ایمان کی شاخیں ہیں اور صاحب ایمان کے اوصاف ہیں پھر امور الایمان میں اضافت کیسی ہے۔ ۱- بیانیہ وہ امور جو ایمان ہیں ۲- لامیہ یعنی لوازم ایمان ۳- بمعنی فی یعنی وہ امور جو ایمان میں داخل ہیں۔ ۴- بمعنی من اتصالیہ یعنی وہ امور جو ایمان کے ملابسات میں سے ہیں اور متعلقات میں سے ہیں ۵- بمعنی من تبعیضیہ یعنی وہ امور جو ایمان کے اجزاء ہیں پھر اس باب کا ربط ماقبل اور مابعد سے یہ ہے کہ گذشتہ باب میں ایمان کی پانچ بنیادوں اور جڑوں کا ذکر تھا اس باب میں ایمان کی شاخوں کا اجمالی ذکر ہے اور بعد کے بہت سے بابوں میں ان شاخوں کی تفصیل ہے باب الجہاد من الایمان باب الصلوٰۃ من الایمان باب الزکوٰۃ من الایمان وغیرہ اور ان سب میں مرجئہ کی تردید ہے پھر باب میں جو دو آیتیں ذکر فرمائی ہیں ان میں بھی ایمان کی شاخوں کا بیان ہے اس لئے باب کے مناسب ہیں مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے لیس البر والی تلاوت فرمائی چونکہ یہ روایت امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لی کہ لی نیز اشارہ فرمایا کہ ایمان اور بر ایک ہیں اس لئے ایمان مرکب ہے متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ان آیتوں سے جزئیت ثابت نہیں ہوتی صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ایمان کے آثار ہیں اور مومنین کو ان سے متصف ہونا چاہئے۔

الایمان بضع وستون شعبۃ

بضع کے مختلف معنی ہیں ۱- بین الثلثۃ والعشرۃ یعنی تین اور دس اس کا مصداق نہیں ہیں درمیان کے عدد اس کا مصداق ہیں۔ ۲- شروع سے دس تک ۳- شروع سے نو تک۔ ۴- دو سے دس تک ۵- اس کا مصداق سات ہے اور یہ آخری راجح ہے کیونکہ بعض روایات میں سبع وسبعون بھی آیا ہے پھر بخاری شریف میں تو یہ لفظ ہیں بضع وستون شعبۃ اور مسلم میں یوں بھی آیا ہے بضع و سبعون شعبہ اور تردید کے ساتھ بھی آیا ہے بضع وستون او بضع وسبعون بظاہر یہ تعارض ہے اس کے متعدد جواب ہیں۔ ۱- قال یقینی ہوتا ہے اس لئے اس کو ترجیح ہے۔ ۲- زیادۃ ثقہ کو ترجیح ہے اس لئے بضع وسبعون کو ترجیح ہے۔ ۳- بعض شعبوں کو بعض میں داخل کر دیں تو کم بن جاتے ہیں مثلاً توقیر کبیر اور شفقت علی الصغیر کو تواضع میں داخل کر لیں تو کم بن جائیں گے نہ داخل کریں تو زیادہ بن جائیں گے۔ ۴- مقصود صرف کثرت ہے کوئی خاص عدد بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ پھر یہ عدد اہم احکام کا بیان ہے سب شاخوں کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ پھر نبی پاک ﷺ نے صرف عدد بیان فرمایا تفصیل بیان نہ فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کو موقعہ عنایت فرمایا کہ کوشش کر کے قرآن وحدیث سے خود نکالیں

پھر ایک شعبہ حیاء کا بیان فرمادی صراحۃً اس کی اہمیت کی وجہ سے امام الاولیاء حضرت جنید فرماتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے انعامات سوچے اور اپنی کوتاہیاں سوچے تو اس سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو حیاء کہتے ہیں انتھیٰ اس کو الگ بیان کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سب شعبوں کا سبب بنتی ہے کیونکہ حیاء کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ یہ تصور پختہ ہو جائے۔ ان مولاک یراک حیث نهاک اس تصور سے سب اعمال صالحہ کا کرنا اور گناہوں کا چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے اسی کا دوسرا نام مقام احسان اور مشاہدہ ہے اس لحاظ سے یہ حدیث آئندہ آنے والی حدیث جبریل کا اجمال بھی ہے کیونکہ اعلیٰ شعبہ توحید ہے یہ ایمان ہے ادنیٰ شعبہ اماطۃ الاذی عن الطریق ہے یہ اسلام ہے اور حیاء میں اشارہ احسان کی طرف ہے یہی تین چیزیں ایمان۔ اسلام اور احسان حدیث جبریل کا اجمال ہے امام ابوحاتم ابن حبان فرماتے ہیں کہ میں نے نیکیاں گنیں تو وہ بضع وسبعون سے زائد تھیں پھر قرآن وحدیث کی نیکیاں جو ایمان کے ذکر کے ساتھ تھیں ان کو شمار کیا تو وہ الگ الگ بضع وسبعون سے کم تھیں پھر قرآن وحدیث دونوں کی نیکیاں شمار کیں جو ایمان کے ساتھ مذکور تھیں اور مکرر کو حذف کیا تو وہ بضع وسبعون تھیں انتھیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ ان سب شعبوں کا مآل ایک ہی چیز ہے تکمیل نفس علماً وعملاً لسعادۃ الدنیا والآخرہ اور یہ اس آیت میں بھی ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا اور اس حدیث میں بھی ہے قل آمنت باللہ واستقم انتھیٰ۔ پھر علامہ عینی کی تحقیق پر ان شعبوں کی تفصیل یوں ہے کہ یہ شعبے کچھ دل سے متعلق ہیں کچھ زبان سے کچھ جوارح اور اعضا سے۔

دل سے متعلق شعبے

۱-ایمان بذات اللہ وصفاتہ ۲-حدوث عالم پر ایمان ۳- ایمان بالملئکۃ ۴- ایمان بالکتب ۵- ایمان بالرسل ۶-ایمان بالقدر ۷-ایمان بالقیامۃ ۸-ایمان بالجنۃ ۹-ایمان بالنار ۱۰-اللہ تعالیٰ سے محبت ۱۱-الحب فی اللہ و البغض فی اللہ ۱۲-حب النبی ﷺ ۱۳-الاخلاص ۱۴-توبہ ۱۵-خوف ۱۶-امید ۱۷-مایوسی کا چھوڑنا ۱۸-شکر ۱۹-وفاء عہد ۲۰-صبر ۲۱-تواضع ۲۲-رحمت وشفقت ۲۳-رضا برقضا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیش آئے اس پر راضی رہنا ۲۴-توکل ۲۵-خود بینی اور خود پسندی یعنی اپنے کمالات سوچتے رہنے کو چھوڑنا ۲۶-حسد یعنی کسی کو نعمت ملنے پر جلنے اور اس کے چلے جانے کی تمنا کرنے کو چھوڑنا ۲۷-حقد یعنی دلی دشمنی کو چھوڑنا ۲۸-غصہ پر ناجائز عمل کو چھوڑنا ۲۹-بدظنی کو چھوڑنا ۳۰-حب مال و حب جاہ یعنی شہرت کی محبت کو چھوڑنا۔

زبان سے متعلق شعبے

۱-کلمہ توحید پڑھتے رہنا ۲-تلاوت قرآن پاک ۳-علم دین حاصل کرنا ۴-علم دین دوسرے کو پڑھانا ۵-دعا مانگنا ۶-اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ۷-لغو سے اور فضولیات سے اپنی زبان کو بچانا۔

جوارح سے متعلق ایمان کے شعبے

ان کی پھر تین قسمیں ہیں پہلی قسم اپنی ذات سے متعلق ۱-طہارت بدنیہ ۲-اقامت صلوٰۃ ۳-انفاق فی سبیل اللہ ۴-روزہ ۵-حج اور عمرہ ۶-اعتکاف کرنا اور لیلۃ القدر تلاش کرنا۔ ۷-ہجرت ۸-نذر پوری کرنا ۹-قسم کی حفاظت کرنا کہ نہ ٹوٹے ۱۰-کفارہ ادا کرنا قسم کا ہو یا روزہ توڑنے کا ہو یا کسی اور قسم کا ہو۔ ۱۱-ستر عورت ۱۲-قربانی کرنا ۱۳-جنازہ کی نماز اور تجہیز وتکفین کرنا۔ ۱۴-قرضہ ادا کرنا ۱۵-معاملات میں صدق و دیانت کا ہونا ۱۶-گواہی ادا کرنا۔ دوسری قسم جو ساتھ رہنے والے ہیں ان سے متعلق ایمان کے شعبے۔ ۱-نکاح کے ذریعہ عفت حاصل کرنا ۲-بال بچوں اور خادموں کے حقوق ادا کرنا ۳-ماں باپ کی خدمت کرنا۔ ۴-اولاد کی اچھی تربیت کا خیال رکھنا کہ وہ مضبوطی سے دین پر قائم رہے اور برے ماحول کی وجہ سے بگڑ نہ جائے ۵-صلہ

رحمی ۶-مولیٰ موالاۃ اور مولیٰ عتاقہ کے حقوق ادا کرنا' تیسری قسم عوام سے متعلق ۱- اگر اللہ تعالیٰ بادشاہ یا حاکم بنا دیں تو اس کا انتظام عدل وانصاف سے کرنا ۲- اجماعی معاملات میں جماعت مسلمین کا اتباع کرنا ۳- اولی الامر کی اطاعت اولی الامر میں حکام اور فقہا دونوں آجاتے ہیں ۴-لوگوں میں آپس کی اصلاح کا خیال رکھنا اور ضرورت پڑنے پر باغیوں سے لڑنا۔ ۵- نیکی پر مسلمانوں کی امداد کرنا۔ ۶- الامر بالمعروف والنھی عن المنکر ۷- اقامۃ حدود شرعیہ ۸- جہاد فی سبیل اللہ ۹- امانت مالک کو ادا کرنا ۱۰- کسی کو قرضہ حسنہ دینا ۱۱- اکرام جار ۱۲- ہر ایک سے اچھا سلوک کرنا ۱۳-فضول خرچی چھوڑنا ۱۴-کوئی سلام کرے تو اس کا جواب دینا ۱۵-کوئی چھینک مارے اور الحمدللہ کہے تو اس کو یرحمک اللہ کہنا ۱۶-لوگوں کو ضرر سے بچانے کی پوری کوشش کرنا ۱۷-لہو ولعب سے بچنا ۱۸- راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا یہ سب قسمیں ملا کر ستتر (۷۷) شعبے ہو جاتے ہیں۔

باب المسلم من سلم

المسلمون من لسانه ويده

ای هذا باب فی بیان انہ المسلم الخ اس باب کا ربط ماقبل اور ما بعد سے یہ ہے کہ پیچھے ایمان کے شعبوں کا اجمالی ذکر تھا اب تفصیل شروع ہوتی ہے چنانچہ اس باب میں ایمان کا ادنیٰ شعبہ مذکور ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائے اس سے اونچا درجہ یہ ہے کہ دوسروں کو کھانا کھلائے یہ اگلے باب میں آئے گا پھر اس سے بھی اونچا یہ ہے کہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے یہ اس کے بعد والے باب میں آئے گا گویا ترقی ہے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف۔ نیز ایک ربط یہ بھی ہے کہ اس باب میں تخلیہ ہے برائی سے اپنے آپ کو خالی کرنا کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اگلے باب میں تحلیہ ہے اچھے اخلاق واعمال سے اپنے آپ کو زینت دینا یعنی دوسروں کو کھانا کھلائے کیونکہ تخلیہ مقدم ہوتا ہے تحلیہ سے۔ پھر ساتھ ہی ہجرت کا مسئلہ بیان فرمایا' کہ بڑا مہاجر وہ ہے جو گناہوں سے ہجرت کرے اور پورا پورا بچے اس میں ہجرت کرنے والے کو تنبیہ ہے کہ ہجرت کر کے فخر وتکبر میں نہ آ جانا اس لئے کہ بڑی ہجرت یہ ہے کہ گناہوں سے بچے کہیں وطن چھوڑ کر گناہوں میں نہ پڑ جانا۔ نیز کمزور کو تسلی دینا بھی مقصود ہے کہ اگر کمزوری کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے ہو تو مایوس نہ ہونا گناہوں سے بچنا یہ بڑی ہجرت ہے تم گناہوں سے تو بچ سکتے ہو پھر باب کی ایک ترکیب تو اوپر بتلا دی گئی تھی اس کے علاوہ ایک ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باب کی اضافت مابعد کی طرف مان کر بلا تنوین باب کا لفظ پڑھا جائے اور تیسری ترکیب یہ ہے کہ جیسے چیزیں شمار کرتے ہیں اسی طرح شمار کرتے ہوئے باب اخیر میں سکون اور وقف کے ساتھ پڑھا جائے پھر اس باب میں ایمان کے شعبوں میں سے تین کا ذکر آ گیا۔ ۱۔زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ ۲۔ ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور ۳۔ سب گناہ چھوڑے۔ سوال۔ مسلمات کا ذکر نہ فرمایا۔ جواب۔ ۱۔ مسلمون میں تبعاً آ گئیں۔ ۲۔ تغلیبا آ گئیں۔ سوال۔ اہل ذمہ کو بھی تو تکلیف پہنچانی جائز نہیں ہے المسلمون میں وہ داخل نہیں ہیں۔ جواب۔ وہ حکماً یعنی قیاساً داخل ہیں اس کی تائید صحیح ابن حبان کی روایت سے ہوتی ہے اس میں ہے من سلم الناس پھر زبان سے تکلیف پہنچانے کی مثال گالی اور لعنت اور غیبت اور بہتان اور چغلی اور حاکم کے پاس شکایت وغیرہ ہے اور ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کی مثال مارنا۔ قتل کرنا۔ دیوار گرانا۔ دھکا دینا۔ غلط بات لکھنا وغیرہ ہیں۔ سوال۔ ایذاء تو زبان اور ہاتھ کے علاوہ بھی ہوتی ہے کسی کو پاؤں مار دیا۔ سر مار دیا ان دونوں کی تخصیص نہ ہونی چاہیے تھی۔ جواب۔ ۱۔ اکثر ایذاء ان دونوں سے ہوتی ہے اس لئے انکا ذکر کیا گیا۔ ۲۔ ان دو کا ذکر بطور مثال کے ہے حصر مقصود نہیں۔ ۳۔ کنایہ پورے بدن سے ہے پھر زبان کو جو ذکر میں مقدم کیا گیا اس کی مختلف وجہیں ہیں۔ ۱۔زبان سے ایذاء ہاتھ

سے زیادہ موقعوں میں ہوتی ہے۔۲۔زبان سے ایذاء دینا بھی آسان،زبان کوروکنا بھی آسان۔۳۔زبان کازخم گہرا ہوتا ہے۔

؎ جراحات السنان لها التیام
ولایلتام ماجرح اللسان

۴۔زبان مردوں کو بھی تکلیف پہنچاتی ہے۔ہاتھ صرف زندہ لوگوں کو تکلیف پہنچاتا ہے۔۵۔زبان کی ایذاء میں خواص بھی مبتلا ہوتے ہیں ہاتھ کی ایذاء زیادہ تر عوام کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی لئے امام شافعی فرماتے ہیں۔

؎ احفظ رمانک ایهاالانسان
لایلدغنک انه ثعبان

باب ای الاسلام افضل

ای باب فی بیان ان ای خصال الاسلام افضل یعنی زیادہ ثواب اسلام کے کس کام میں ہے۔سوال ای خصال الاسلام کے جواب میں یوں ہونا چاہیے تھا۔سلامۃ المسلمین من لسانہ ویدہ یعنی خصلت کے سوال کے جواب میں خصلت آنی چاہیے تھی نہ کہ من جو صاحب خصلت ہے۔ جواب۔ا۔جواب میں زیادتی ہے کمی نہیں ہے کیونکہ خصلت بھی ظاہر ہوگئی جو افضل ہے اور ساتھ خصلت والے کی افضیلت بھی ظاہر ہوگئی۔۲۔اسلام بول کر مسلم مراد ہے گویا سوال یوں ہے ای المسلمین افضل اب صراحۃً سوال اور جواب میں مطابقت ہوگئی۔

باب اطعام الطعام من الاسلام

ای باب فی بیان ان اطعام الطعام شعبۃ من شعب الاسلام، مناسبت ماقبل سے یہی ہے کہ ایمان کے شعبوں کا بیان چل رہا ہے یہ بھی ایک شعبہ ہے پھراس باب کی حدیث میں یہ بھی شعبہ شمار کیا گیا ہے کہ ہر ایک کوسلام کرنا چاہیے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہواس سے معلوم ہوا کہ تکبر کی وجہ سے سلام نہ کرنا قبیح ہے پھر یہاں ایک اشکال ہے کہ گذشتہ باب کی حدیث میں ای الاسلام افضل کے جواب میں کچھ اور تھا اور اس باب کی حدیث میں ای الاسلام خیر کے جواب میں کچھ اور مذکور ہے حالانکہ بظاہر افضل اور خیر کے ایک ہی معنی ہیں۔ جواب۔ا۔سائل بدل گیا ہر سائل کی حالت اور ضرورت کے لحاظ سے افضل بدل جایا کرتا ہے۔۲۔مجلس بدل گئی۔ایک مجلس میں ایک کوتاہی دیکھی جائے اور دوسری مجلس میں دوسری تو افضل بدل جاتا ہے۔۳۔افضیلت میں ذاتی ترقی کالحاظ ہے اور خیریت میں دوسرے کے لحاظ سے ترقی اور اعلیٰ چیز مقصود ہوتی ہے۔۴۔افضیلت اور خیریت ایک وسیع نوع ہیں ان میں بہت سی چیزیں داخل ہیں کبھی ایک بیان فرما دی کبھی دوسری۔۵۔افضیلت میں زیادہ ثواب کا لحاظ ہے اور خیریت میں دوسرے کو دنیا کا نفع پہنچانا مقصود ہے۔۶۔خیریت کا درجہ افضیلت سے اونچا ہے اس لئے جواب مختلف ہوئے۔

لایومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه

ا۔اس خصلت سے تکبر ختم ہوجاتا ہے۔۲۔اخوت اسلامیہ پختہ ہوتی ہے۔۳۔ترک حسد ہے۔۴۔ستر علی الذنوب ہوگا۔ کیونکہ انسان اپنے عیب چھپاتا ہے تو دوسرے کے بھی چھپائے گا۔ ۵۔دلی دشمنی ختم۔۶۔شفقت ورحمت کا شوق دلانا بھی مقصود ہے۔

باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان

سوال: گذشتہ باب میں تھا باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ایمان مقدم تھا اور یہاں ایمان کا ذکر موخر ہے دونوں باب ایک جیسے ہونے چاہئیں تھے۔

جواب: ا۔حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت بیان فرمانی مقصود ہے۔۲۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث کے ذکر میں لذت ہے۔۳۔یہ ایمان کا سبب ہے اور گذشتہ باب کی خصلت مسبب۔۴۔یہ بلا مجاہدہ اور وہ مجاہدہ سے پیدا ہوتی ہے۔

سوال: حدیث پاک میں لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من

والدہ وولدہ اس میں یہ تو ذکر ہی نہیں کہ اپنے نفس سے بھی زائد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہیے شاید یہ ضروری نہ ہو۔

جواب: ا۔جس چیز کی محبت اولاد اور باپ سے زیادہ ہو تو سلیم الطبع میں اس چیز کی محبت اپنے نفس سے زائد بطریق اولیٰ ہو گی کیونکہ سلیم الطبع میں اولاد اور باپ سے محبت اپنے نفس سے زائد ہوتی ہے۔۲۔بعض دوسری نصوص میں تصریح آچکی تھی اس لئے یہاں ذکر نہ فرمایا۔ مثلاً النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم. سوال۔ماں کو کیوں ذکر نہ فرمایا۔ جواب۔ا۔والد میں اسم فاعل نسبت کے لئے ہے ای ذو ولد یہ ماں اور باپ دونوں کو شامل ہے۔ جیسے لابن لبن والا تامر مروالا۔۲۔یہاں صنعت اکتفاء ہے کہ ایک ضد یا مناسب کو ذکر کر دیا جاتا ہے دوسری ضد یا مناسب خود سمجھ میں آجاتا ہے جیسے وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر ای والبرد ایسے ہی والد کے ذکر سے والدہ خود سمجھ میں آجاتا ہے۔۳۔دوسری نصوص سے والدہ سمجھ میں آجاتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے فوراً بعد آنے والی حدیث میں ہے من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ والناس میں ماں بھی آگئی۔ سوال۔حب تو غیر اختیاری چیز ہے۔ غیر اختیاری چیز کو ایمان کا مدار کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ جواب۔یہاں حب عقلی مراد ہے گو عموماً حب عقلی کے ساتھ ساتھ حب طبعی بھی پیدا ہو جاتی ہے لیکن مدار صرف حب عقلی پر ہے حب طبعی پر ایمان کا مدار نہیں اسی لئے خواجہ ابو طالب مسلمان شمار نہ کئے گئے اگرچہ ان میں حب طبعی موجود تھی وجہ یہی تھی کہ حب عقلی جس سے اپنے اختیار سے نبوت کی تصدیق کرتے وہ نہ تھی اس لئے مومن نہ شمار کئے گئے۔ سوال۔والد کو ولد پر مقدم کیوں ذکر کیا گیا۔ا۔ہر ولد کے لئے والد لازم ہے اور ہر شخص کے لئے ولد ضروری نہیں۔ اس لئے ولد کی اہمیت زیادہ ہے۔۲۔تعظیماً ۳۔حب والد اقرب ہے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ والد کے ہیں۔۴۔وجود والد کا پہلے ہوتا ہے ولد کا بعد میں اور بعض روایات میں ولد کا ذکر پہلے ہے اس میں شفقت کا لحاظ ہے کہ انسان کو اولاد پر شفقت اور رحمت والد سے بھی زیادہ ہوتی ہے پھر اس حدیث میں مومن کی جو شان بیان کی گئی ہے اس کا نام درجہ فناء فی الرسول ہے اور یہ ایمان کا بہت اونچا مقام ہے پھر اس بات کی دوسری روایت میں ارشاد ہے لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین اس میں محبت کی تین قسمیں جمع کر دی گئیں۔ا۔محبت احترام والی جیسے والد میں ۲۔محبت شفقت والی جیسے اولاد میں ۳۔محبت استحسان اور دوسرے پر احسان کرنے والی جیسے عامۃ الناس میں۔ پھر نبی کریم ﷺ کی محبت کو جو ایمان کا مدار قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے لئے دنیا میں ہدایت کا سبب بنے ہیں اور آخرت میں آگ سے بچنے کا سبب بنیں گے انشاء اللہ تعالیٰ

باب حلاوۃ الایمان

اس حلاوت کی صورت یہ ہے کہ نیکی میں لذت آئے اور دین کے کاموں میں مشقت برداشت کرنی آسانی ہو جائے اور دین کو دنیا کے سامان پر ترجیح دے۔ پھر اس باب کو اضافت کے ساتھ پڑھنا زیادہ مناسب ہے اور اس باب کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے شعب ایمان چل رہے تھے یہ بھی ایک بڑا شعبہ ہے ایمان کا۔ پھر یہ حلاوت اہل ظاہر کے نزدیک تو صرف عقلی ہے اور اہل باطن کے نزدیک عقلی بھی ہے اور طبعی بھی ہے شہد اور مٹھائی کی طرح دین کے کام اور عبادات محسوس ہوتے ہیں

اللہ اللہ ایں چہ شیرین است نام
شیرو شکر مے شود جانم تمام

دین کے تو بہت سے کام ہیں۔ان تین کو حلاوت کا سبب کیوں قرار دیا گیا۔ جواب:۔ان تین کاموں کا منشاء ایک تو اللہ تعالیٰ کی محبت ہے دوسرے اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور عیدوں پر اعتماد ہے انہی دونوں سے دین کی ترقی ہے۔ باب علامۃ الایمان حب الانصار:۔ ای ھذا باب فیہ بیان علامۃ الایمان حب الانصار اور باب کی اضافت کے ساتھ بھی پڑھ سکتے

ہیں۔اس باب کا ربط یہ ہے ماقبل سے کہ پیچھے یہ بیان تھا کہ حب فی اللہ ایمان کی حلاوت کا سبب ہے اب تخصیص بعد التعمیم ہے کہ حب انصار حب فی اللہ کا ایک خاص فرد ہے پھر انصار جمع نصیر کی ہے جیسے اشراف جمع شریف کی ہے یا جمع ناصر کی ہے جیسے اصحاب جمع صاحب کی ہے انصار کا مصداق اوس وخزرج ہیں جنہوں نے سب سے پہلے توحید وشریعت کی نصرت کی بیعت کی تھی پھر حلاوت والے باب کو علامت والے باب پر مقدم کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حلاوت میں قوت علامت سے زیادہ ہوتی ہے۔امام بخاری کی غرض یہ بھی ہے کہ تصدیق قلب کے ساتھ اس کے آثار واعمال بھی ضروری ہیں ان میں سے ایک حب انصار اور اتباع انصار بھی ہے پھر اس حدیث سے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ والی حدیث کی جنید بھی ہوتی ہے۔

باب:۔ یہ باب بلاترجمہ ہے گویا ماقبل سے جدا بھی ہے اور ماقبل سے تعلق بھی ہے کیونکہ اس حدیث میں انصار کی وجہ تسمیہ ہے کہ انہوں نے دین کی نصرت کا وعدہ کیا تھا بیعت عقبہ میں۔**سوال:۔** پھر تو مناسب تھا کہ یہی ترجمۃ الباب بنا دیتے۔**جواب:۔** ابواب چل رہے ہیں امور ایمان کے ان میں وجہ تسمیہ کا باب مناسب نہ تھا۔**قولہ:۔** وھو احد النقباء لیلۃ العقبۃ الخ یہ جمع ہے نقیب کی جس کے معنی نگران کے ہوتے ہیں جس کو ہمارے محاورات میں سالار اور سردار اور ضامن اور نمبردار کہتے ہیں۔یہ حضرات بارہ تھے۔

بایعونی علی ان لاتشرکوا باللہ الخ

بیعت مشابہ ہوتی ہے مالی بیع کے جیسے بائع بھی کچھ دیتا ہے اور مشتری بھی کچھ دیتا ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ ثواب کا وعدہ دے رہے تھے اور انصار التزام طاعت کا وعدہ دے رہے تھے پھر بیعت کی چار قسمیں ہیں۔۱۔بیعت اسلام۔کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہونا جیسے صحابہ نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ہوتے تھے۔۲۔بیعت خلافت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور صدیق اکبر کے دست مبارک پر بیعت فرمائی جو تاحیات خلیفہ رہے ہر پانچ سات سال کے بعد خلیفہ بدلنا اسلام میں ثابت نہیں ہے۔نہ ہی ووٹ ڈالنے کی ضرورت ہے **وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ'** اہل حل وعقد علماء صلحاء شہرت کی بناء پر متعین ہوتے ہیں وہ خلیفہ کی وفات پر جمع ہوں اور ایک شخص کو خلیفہ مقرر کردیں وہ تاحیات خلیفہ ہے جب تک کفر بواح اس خلیفہ کا ظاہر نہ ہو تو بغاوت جائز نہیں ہوتی۔۳۔بیعت جہاد کہ کسی لڑائی کے موقعہ پر مسلمانوں کا سپہ سالار مجاہدین سے اخیر دم تک لڑنے کی اور نہ بھاگنے کی بیعت لے تو جائز ہے جیسے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر لڑائی کا خطرہ ہوا تو پندرہ سو صحابہ سے نبی کریم ﷺ نے بیعت جہاد لی جس کو بیعت رضوان کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن پاک میں رضا کے عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے **لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ الایۃ** اس آیت میں پندرہ سو صحابہ کو جنت اور رضا کی بشارت صراحۃً قرآن پاک میں دے دی گئی ہے جبکہ شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں نعوذ باللہ صرف ۱۲ مومن تھے باقی نعوذ باللہ منافق تھے۔۴۔بیعت طریقت کہ دینی ترقی کے لئے کسی بزرگ سے وعدہ کرنا کہ میں آپ کے مشوروں کے مطابق ضروریات دین کی پوری پابندی کروں گا اس کا ثبوت زیر بحث روایت سے بھی ہے کیونکہ یہ واقعہ نئے مسلمان ہونے والوں کے لئے بیعت اسلام ہے اور پہلے سے جو مسلمان تھے ان کے لئے بیعت طریقت ہے۔نیز بیعت طریقت اس آیت سے بھی ثابت ہے **یاایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک علیٰ ان لایشرکن باللہ شیئا ولایسرقن ولایزنین الایۃ** اس آیت میں نہ بیعت اسلام مراد ہے کہ وہ عورتیں پہلے سے مومن تھیں نہ ہی بیعت خلافت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بیعت خلافت بیعت اسلام کے ساتھ ہی ہوجاتی تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے نہ ہی بیعت جہاد مراد ہے کیونکہ عورتوں پر جہاد نہیں ہوتا بلکہ بیعت طریقت ہی ہے۔

ولاتاتوا ببهتان تفترونه بین ایدیکم وارجلکم

ہاتھوں اور پاؤں کا خاص ذکر اس لئے ہے کہ زیادہ کام ہاتھوں اور پاؤں سے ہوتے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ بہتان لگانے والا بعض دفعہ کہتا ہے فعلت بین یدی ورجلی اس لئے یہ قید زیادہ قباحت بیان کرنے کے لئے لگائی گئی ہے۔

ولاتعصوا فی معروف

۱- ای فی طاعۃ اللہ۔ ۲- ای فی البر والتقوٰی۔ ۳- معروف سے مراد سب اوامر ونواہی ہیں کیونکہ سب معروف کا مصداق ہیں۔ ۴- ہر حاکم کے بارے میں نافرمانی سے منع فرمانا مقصود ہے لیکن معروف اور نیکی میں اور معصیت میں حاکموں کی اطاعت نہ کرنا اسی لئے لاتعصونی نہیں فرمایا۔

فاجرہ علی اللہ

سوال: ۔اللہ تعالیٰ پر تو کچھ واجب نہیں جواب۔ وجوب تفصیلی مراد ہے وجوب استحقاقی اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا۔

ومن اصاب من ذلک شیئا فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ

اس میں نکرہ شیاً سیاق شرط میں ہے یہ بھی نکرہ تحت النفی کی طرح عام ہوتا ہے اس لئے اس مقام پر شبہ ہوتا ہے کہ شاید شرک بھی دنیا کی سزا سے معاف ہو جاتا ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس کا جواب۔ ۱- ان اللہ لایغفران یشرک بہ کی وجہ سے یہ خارجہ ہے کفارہ کے اس حکم سے کہ آخرت میں سزا نہ ملے گی۔ ۲- اس پر اجماع ہے کہ جب مرتد کو قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کو دنیا میں سزا تو مل گئی لیکن بالاجماع میں جہنمی ہے۔ اس اجماع کی وجہ سے اس حدیث کے مضمون سے بھی شرک خارج ہے۔ ۳- اسی حدیث میں آگے ثم سترہ اللہ بھی ہے اور ستر کا تعلق افعال ظاہرہ سے ہے اس لئے شرک قلبی اس سے خارج یعنی شرک اعتقادی صرف کفارہ سے معاف نہ ہوگا اس لئے توبہ ضروری ہے۔ ۴- حدیث پاک میں خطاب مومنین کو ہے اس لئے شرک اعتقادی اس حکم کفارہ سے خارج ہے۔

حدود زواجر ہیں یا سواتر

عندالحنفیہ حدود زواجر ہیں حد کے ساتھ جب تک توبہ نہ کرے آخرت میں گناہ معاف نہیں ہوتا جمہور کے نزدیک معاف ہو جاتا ہے توبہ کرے یا نہ کرے حنفیہ کی دلیل۔ ۱- ڈاکہ کی حد بیان فرمانے کے بعد **ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم**. ۲- چوری کی حد کے بعد ہے **فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم** معلوم ہوا توبہ ضروری ہے۔ ۳- طحاوی میں حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ چوری کی حد جاری فرمانے کے بعد توبہ کا امر فرمایا جو حضرت سواتر قرار دیتے ہیں یعنی جمہور علماء ان کی دلیل یہی زیر بحث روایت ہے حضرت عبادہ بن الصامت سے مرفوعاً ومن اصاب من ذلک شیئاً فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ۔ جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ کفارۃ نکرہ ہے جو تنویع کے لئے ہے یعنی ایک قسم کا کفارہ ہو جاتا ہے کامل کفارہ کہ آخرت میں عذاب کا احتمال نہ ہو ثابت نہ ہوا۔ پھر اس حدیث بیعت میں جو معاصی مذکور ہیں ان میں حصر مقصود نہیں ہے کثیر الوقوع معاصی مذکور ہیں۔

باب من الدین الفرار من الفتن

ای ھذا باب فی بیان انہ من الدین الفرار من الفتن پھر فتنہ کہتے ہیں ہر اس چیز کو جس میں دین کے ضرر کا احتمال ہو۔ اس باب اور حدیث کے مضمون کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے **ففروا الی اللہ** نیز ہجرت کا نصوص میں جا بجا ذکر ہے ہجرت سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ہجرت سے مقصود بھی دین کی حفاظت کے لئے وطن چھوڑنا ہوتا ہے پھر فرار کے تین اہم مرتبے ہیں۔ ۱- فرار من دار الکفر ۲- فرار من بلد الفسق ۳- فرار

من مجلس المعاصی پھر حدیث میں شعف الجبال کے معنی پہاڑوں کی چوٹی کے ہیں اور حدیث پاک میں فتنہ کے زمانہ میں خلوت میں جانے کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے باقی رہا وہ زمانہ جس میں آبادی میں رہ کر بھی دین کی حفاظت کرسکتا ہو تو اس زمانہ میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ آبادی میں رہنا ہی افضل ہے بعض کا قول ہے کہ اگر مسائل کا پورا واقف ہو تو خلوت میں رہنا ہی افضل ہے راجح جمہور کا قول ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ اور پھر مدینہ منورہ شہر میں رہتے تھے۔

باب قول النبی ﷺ انا اعلمکم باللہ

اس باب کے مقاصد ۱- کرامیہ کی تردید ہے جو منافق کو مومن شمار کرتے ہیں تردید یوں فرمائی کہ فرمایا معرفت جس پر ایمان کا مدار ہے وہ فعل القلب ہے منافق کے دل میں کفر ہوتا ہے اس لئے وہ مومن نہیں ہے۔ ۲- ایمان میں کمی بیشی ہے کیونکہ ایمان معرفت پر مبنی ہے اور معرفت میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے اس تقریر سے گذشتہ باب سے ربط بھی ہوگیا کہ فرار من الفتن میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے دونوں بابوں کا مقصد ایک ہو گیا۔ متکلمین کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ معرفت جو تصدیق کے درجہ میں ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہے بلکہ اس کے آثار میں کمی بیشی ہے اور فرار من الفتن بھی اس کے آثار میں سے ہے۔ ۳- معرفت جو ایمان میں معتبر ہے وہ معرفۃ اختیاریہ ہے نہ کہ اضطراریہ کیونکہ اضطراری معرفت تو کافروں کو بھی حاصل ہوتی ہے **یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم** اس مقصد کے لئے امام بخاری نے یہ آیت ذکر فرمائی **ولکن یواخذ کم بما کسبت قلوبکم**. یہ اختیاری معرفت یعنی تصدیق ہے یہی ایمان میں معتبر ہے پھر معرفت کے تین درجے ہوتے ہیں۔ ۱- معرفۃ العوام۔ جیسے عام لوگ بادشاہ کو جانتے ہیں کہ فلاں شخص بادشاہ ہے ایسے ہی دین کے لحاظ سے عوام اللہ تعالیٰ کو اجمالی طور پر جانتے ہیں معرفۃ العلماء یہ ایسی ہے جیسے وزراء بادشاہ کے احکام کو جانتے ہیں ایسے ہی دین کے لحاظ سے علماء دین کے احکام کو جانتے ہیں۔ ۳- معرفۃ المقربین جیسے بادشاہ کے مقرب بادشاہ کے مزاج کو پہچانتے ہیں ایسے ہی دین میں مقربین حق تعالیٰ سے اخلاق کے کمالات کی بناء پر خصوصی تعلق رکھتے ہیں اور شرعی احکام کو پورا جاننے کے بعد علم لدونی کے طور پر بعض حکم و اسرار پر بھی مطلع کر دیئے جاتے ہیں پھر علم اور معرفت میں یہ فرق ہے کہ علم ادراک کلی کو کہتے ہیں اور معرفت ادراک جزئی کو کہتے ہیں۔ پھر امام بخاری کی کلام میں عجیب نکتہ یہ بھی ہے کہ ایمان والی آیت سے مسئلہ ایمان پر استدلال فرمایا کہ جیسے قسموں میں اختیاری چیز پر مواخذہ ہے ایسے ہی ایمان میں بھی اختیاری چیز پر دارومدار ہے **اذاامرھم امرھم من الاعمال بما یطیقون**:۔ یعنی نبی کریم ﷺ اتنے ہی نفلی کام کا حکم فرماتے تھے جس پر پابندی کی طاقت رکھتے تھے کیونکہ ۱- زیادہ کام اگر شروع کرلیا جائے تو چند دن کے بعد آدمی چھوڑ دیتا ہے۔ ۲- زیادہ کام میں نشاط اور خوشی باقی نہیں رہتی اس لئے کام اچھا نہیں ہوتا۔

ان اللہ قد غفرلک ماتقدم من ذنبک و ماتاخر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہ سے پاک تھے پھر ذنبک کیوں فرمایا گیا۔ جواب:۔ ۱- اونچے درجہ کے حضرات اپنی عبادات کو اللہ تعالیٰ کی شان کے لحاظ سے گناہ ہی سمجھتے ہیں حسنات الابرار سیئات المقربین ۲- خلافت اولیٰ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لحاظ سے ذنب سے تعبیر کیا گیا۔ ۳- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر وغیرہ سے ترقی فرماتے تھے پھر کبھی گذشتہ حالت پر نظر پڑتی تو گھٹیا اور ذنب جیسی معلوم ہوتی تھی۔ ۴- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تبلیغ و تربیت وغیرہ صحابہ کو فرماتے تھے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ بلاواسطہ نہ تھی بلکہ بلواسطہ صحابہ کے تھی اصل تمنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاواسطہ توجہ الی اللہ کی تھی اس لئے اس بلواسطہ توجہ الی اللہ کو غبار اور گھٹیاں اور ذنب قرار دیتے تھے اس سے استغفار بھی فرماتے تھے اسی کا یہاں ذکر ہے۔ پھر

قرآن پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معافی کا ذکر اوراعلان فرمایا گیا ہے **لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک و ماتاخر** اس اعلان میں حکمت یہ ہے کہ قیامت کے دن شفاعت کبریٰ میں یعنی حساب کتاب شروع ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عذر نہ کریں جیسا کہ باقی سب انبیاء علیہم السلام جن کے پاس لوگ یکے بعد دیگرے جائیں گے اپنا کوئی نہ کوئی خلاف اولیٰ کام بیان کر کے عذر کردینگے اسی لئے جب عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لوگ جائیں گے تو وہ فرمائیں گے **اذھبوا الی محمد ﷺ فقد غفر اللہ له ماتقدم من ذنبه وماتاخر** چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کبریٰ فرمائیں گے اور حساب کتاب شروع ہوجائے گا اسی کو مقام محمود بھی کہا جاتا ہے جس کی دعا اذان کے بعد کی جاتی ہے۔

ان اتقاکم واعلمکم انا

اسی اعلمیت کی وجہ سے باوجود مغفرت ہوجانے کے بطور شکر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت نہ چھوڑی اسی طرح بدری صحابہ کو حق تعالیٰ کی طرف سے بتلا دیا گیا تھا اعملوا ماشئتم قد غفرت لکم پھر بھی بطور شکر کے انہوں نے عبادت نہ چھوڑی۔

قولہ:۔باب من کرہ ان یعود فی الکفر کمایکرہ ان یلقیٰ فی النار من الایمان. یعنی یہ کراہت بھی ایمان کا شعبہ ہے کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اسی کا اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جنت کے تصور سے خوشی اور معصیت سے غم ہوتا ہے۔ یہ حلاوۃ الایمان والے باب کا تتمہ ہے حلاوۃ والا باب وجودی تھا اس لئے اس کو مقدم فرمایا یہ عدمی ہے اس لئے اس کو مؤخر فرمایا۔

باب تفاضل اھل الایمان فی الاعمال

اس باب کی اضافت اولیٰ ہے اس باب سے مختلف اغراض ہیں۔۱-مرجئہ کی تردید ہے کیونکہ دونوں حدیثوں میں اعمال کی اہمیت مذکور ہے۔۲-معتزلہ کی تردید کہ گنہگاروں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ معتزلہ کا یہ کہنا کہ وہ مخلد فی النار ہوں گے غلط ہے۔۳-اعمال اجزاء ایمان ہیں جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ ان روایات میں اعمال کی فضیلت مذکور ہے جزء ہونا مذکور نہیں اور اگر اشارتاً جز ہونا نکلتا بھی ہے تو پھر ایمان کامل کے اجزاء ہیں نفس ایمان کے نہیں ۴-ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جواب متکلمین کی طرف سے ہے کہ کمال ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ سوال:۔ باب کے بعد باب زیادۃ الایمان ونقصانہ میں حضرت انسؓ والی روایت ہے اس میں خیر کا لفظ بھی ہے جو عمل پر دلالت کرتا ہے اور زیر بحث باب میں ابوسعید خدری والی روایت میں عمل پر دال کوئی لفظ نہیں اس لئے یہ روایت آئندہ باب مذکور کے مناسب ہے اور وہاں والی یہاں ہونی چاہئے تھی جواب:۔ حضرت انس والی روایت میں وزن شعیرۃ' وزن برۃ' وزن ذرہ مذکور ہیں اس لئے کمی بیشی کے مناسب وہی روایت ہے اور ابو سعید والی روایت میں اعمال ضمناً مذکور ہیں اس لئے وہ اس باب کے مناسب ہے۔۲-ابوسعید والی روایت جو مسلم میں ہے اس میں اعمال کی تصریح ہے اور انس والی مسلم کی روایت میں اعمال کا ذکر نہیں ہے امام بخاری نے مسلم شریف والی روایتوں کا لحاظ فرمایا ہے۔۳-ان دونوں راویوں کی روایت اصل میں ایک ہی حدیث ہے کسی روایت میں عمل کا ذکر ہے کسی میں نہیں اس لئے دو بابوں میں ذکر فرمایا ایک عمل والے باب میں دوسرے بلا ذکر عمل والے باب میں پھر دوزخ سے نکلنے والے یہ کیسے جائیں گے کہ اس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی علامت چہرے پر بنادی جائے گی پھر اخراج کے مراتب چار ہوں گے۔۱-اعمال جوارح کی وجہ سے ۲-اعمال قلب کی وجہ سے ۳-آثار ایمان اور انوار ایمان کی وجہ سے ۴-نفس ایمان کی وجہ سے اوران کو اللہ تعالیٰ خود نکالیں گے پھر چوتھی قسم جن کو اللہ تعالیٰ خود نکالیں گے یہ کون لوگ ہوں گے مختلف ہیں ۱-جو زمانہ فترۃ وحی میں عقل سے توحید کے قائل ہوئے۔۲-جو زمانہ فترۃ وحی میں

عقل سے توحید اور اجمالاً رسالت کے قائل ہوئے کہ کوئی نبی بھی آنا چاہئے۔ ۳- پہاڑوں اور جنگلوں میں رہنے والے جو اپنے آپ کو مومن تو سمجھتے تھے لیکن اقرار باللسان نہ کیا۔ ۴- بعض اس کے قائل ہوئے کہ اس کا مصداق وہ ہیں جو زبان سے اقرار کرتے تھے دل میں تصدیق نہ تھی لیکن اس قول کو صحیح قرار نہیں دیا گیا کیونکہ تصدیق کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہوتا پھر اس باب کی دوسری حدیث میں حضرت عمرؓ کا لمبا کرتہ تو خواب میں دکھلایا گیا صدیق اکبرؓ کا نہیں دکھلایا گیا تو شبہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا درجہ حضرت صدیقؓ سے بھی اونچا ہو گیا اس شبہ کا جواب:۔ ۱- حضرت صدیق اکبرؓ سے اس خواب میں سکوت ہے نہ افضلیت کا ذکر ہے نہ مفضولیت کا ۲- حضرت عمرؓ کی فضیلت جزئی ثابت ہوئی کہ ان کے ایمان لانے کے بعد اعلانیہ اظہار ایمان مسلمانوں نے شروع کر دیا اور ان کے زمانہ خلافت میں فتوحات بہت ہوئیں کلی فضیلت یعنی قرب حق تعالیٰ میں حضرت ابوبکرؓ ہی بڑھے ہوئے تھے۔ ۳- فتوحات کی تمہید تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ہی رکھی تھی کہ ارتداد اور انکار زکوۃ جیسے فتنوں کو سنبھالا اور سکون ہوا جس کی وجہ سے بعد میں فتوحات ہوئیں اس لئے ان فتوحات کا ثواب حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی ملے گا پس فضیلت جزئی ہے صرف پہلی وجہ سے پھر خواب میں دین لباس کی شکل میں اس لئے دکھایا گیا کہ دین بھی آگ سے چھپاتا ہے جیسے لباس لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی جگہوں کو چھپاتا ہے پھر حضرت عمرؓ کا خواب میں زمین پر کرتا گھسیٹنا ۱- ایمان کا اثر باقی رہنے کی طرف اشارہ تھا۔ ۲- کفر کا اثر مٹانے کی طرف بھی اشارہ تھا۔ باب الحیاء من الایمان:۔ ای باب فی بیان ان الحیاء شعبۃ من الایمان پھر حیاء کے معنی ہیں تغیر لخوف المذمت اور العقاب پھر چونکہ حیاء باقی سب شعبوں کا سبب ہے اس لئے حدیث پاک میں حیاء کے شعبہ ہونے کی تصریح ہے ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پیچھے اعمال کا ذکر تھا اب اخلاق کا ذکر ہے دونوں ایمان کے شعبے ہیں اور دونوں فضیلت کا ذریعہ ہیں۔ بعض اکابر کا ارشاد ہے خف اللہ قدر قدرۃ علیک واستحی منہ قدر قربہ منک پھر حدیث پاک میں کلمہ من اگر ابتدائیہ مانیں تو متکلمین کی تائید ہوتی ہے کہ حیاء ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور اگر تبعیضیہ مانیں تو بظاہر محدثین کی تائید ہے لیکن متکلمین کی طرف سے یہ توجیہ ہے کہ حیاء کمال ایمان کا جز ہے اور اگر من کو بیانیہ مانیں تو دونوں مسلکوں سے برابر کا تعلق ہے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ جیسے ایمان سب گناہوں سے بچنے کا سبب ہے ایسے ہی حیاء بھی سبب ہے اس لئے حیاء ایمان جیسی ہے بڑا حصہ ہو یا بڑا اثر ہو۔

باب فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم

ای باب فی تفسیر ھذا الایۃ غرض مرجئہ کا رد ہے کہ توبہ کی طرح نماز میں قول و عمل دونوں میں زکوۃ میں عمل ہے نیز ایمان کے تین شعبے بیان فرما دیئے گئے ہیں اس لئے یہ باب گذشتہ بابوں کے مناسب ہو گیا۔ اس باب کی حدیث سے ثابت ہوا کہ جب تک کافر ایمان نہ لائیں یا جزیہ دینا قبول نہ کریں ان سے جہاد ہوگا۔ جزیہ کی تصریح دوسری آیت میں ہے حتیٰ **یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون**. سوال:۔ فتنہ انکار زکوۃ کے موقعہ پر حضرت صدیق اکبرؓ نے زکوۃ کو قیاس فرمایا صلوٰۃ پر کہ جیسے صلوٰۃ ضروری ہے ایسے ہی زکوۃ بھی ضروری ہے۔ یہ حدیث کیوں نہ پیش کر دی کہ جب تک زکوۃ نہ دیں میں لڑائی کروں گا۔ جواب:۔ حضرت صدیقؓ کو یہ حدیث اس وقت نہ پہنچی تھی پھر اگر نماز چھوڑنے والی جماعت مانعہ ہو کہ حکومت کا مقابلہ کر سکتی ہو تو ان کے خلاف جہاد پر سب کا اتفاق ہے اور اگر انفرادی طور پر کوئی نماز کا تارک ہو تو اس کی سزا امام ابوحنیفہ کے نزدیک قید کرنا اور روزانہ اتنا مارنا ہے کہ خون نکل آئے امام مالک اور شافعی کے نزدیک بطور حد کے قتل کرنا ہے کہ نماز جنازہ پڑھیں گے اور امام احمد کے نزدیک ارتداداً قتل کرنا ہے کہ یہ مرتد ہو گیا اس کو قتل کریں گے اور نماز جنازہ نہ پڑھیں گے ہماری دلیل زکوۃ وحج پر قیاس ہے کہ ان میں قتل بالاتفاق نہیں۔ باقی ائمہ کی دلیل

یہی زیر بحث روایت جس میں قتال چھوڑنے کی حد ایمان' نماز اور زکوٰۃ قرار دی گئی ہے اور امام احمد ساتھ یہ حدیث بھی ملاتے ہیں من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر جواب: اس حدیث میں قتال ہے قتل نہیں ہے اور فقد کفر کے معنی کفر عملی ہیں پھر حدیث میں الا بحق الاسلام جو فرمایا تو اس کے معنی ہیں کہ حدود و قصاص میں سزا ملے گی اور مالی نقصان کرنے پر مالی چٹی لی جائے گی۔

باب من قال ان الایمان هو العمل

یہ عمل کا لفظ قول عمل قلب اور عمل جوارح کو بھی شامل ہے اس لئے سب آیات اور احادیث اس پر منطبق ہو جائیں گی۔ اس میں مرجئہ کا شدید رد ہے کہ دیکھو عمل اتنا اہم ہے کہ ایمان بھی اس میں داخل ہے۔ پھر امام بخاری کے اس رد کی چار وضاحتیں ہو سکتی ہیں۔ ۱۔ ایمان لفظ عمل بالمعنی الاعم میں داخل ہے۔ ۲۔ ایمان باقی سب اعمال سے اعلیٰ عمل ہے کیونکہ اس کے بغیر باقی اعمال معتبر نہیں ہیں بہر حال ایمان بھی عمل میں داخل ہے۔ ۳۔ ایمان ایسا عمل ہے جس میں اختیار بھی ضروری ہے یعنی معرفت غیر اختیاریہ کو ایمان نہیں کہہ سکتے اسی بناء پر ایمان کو عمل میں داخل کیا گیا ہے کہ عمل اختیاری ہوتا ہے ایمان بھی اختیاری ہی معتبر ہے۔ ۴۔ یہ جو بعض کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں عمل کا عطف ایمان پر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ ایمان اور عمل ایک دوسرے سے مغائر ہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہاں اس آیت میں ایمان کو عمل میں داخل مانا گیا ہے' یہ چوتھی وضاحت متکلمین کے خلاف ہے اس کا جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ نفس تصدیق تو عمل فرعی سے الگ ہے اور ایمان کامل اپنے اکثر اجزاء کے لحاظ سے عمل فرعی میں داخل ہے۔ سوال:۔ اس باب کی پہلی حدیث میں افضل عمل کا مصداق ایمان ہے دوسری روایات میں افضل کے مصداق کچھ اور ہیں جواب ۱۔ مختلف اشخاص کے حالات کو دیکھتے ہوئے اہمیت اور افضلیت بدل جاتی ہے ایک شخص کو ایک چیز کی زیادہ ضرورت ہے دوسرے کو دوسری چیز کی ۲۔ افضلیت عرفی بہت سی چیزوں کو شامل ہے ایک جگہ ایک کو بیان فرما دیا دوسری جگہ دوسری کو بیان فرما دیا سوال جہاد کو حج پر مقدم کیوں فرمایا جبکہ حج فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ جواب:۔ بعض دفعہ وقتی ضرورت کی وجہ سے جہاد فوراً کرنا پڑتا ہے حج فوراً نہیں کرنا پڑتا پھر حج مبرور وہ ہے جس میں آداب کی بھی رعایت ہو اور چٹی بھی کوئی واجب نہ ہو۔

باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة

اذا کی جزاء محذوف ہے فلا یعتد بہ ۱۔ ایک مقصد یہ ہے کہ اسلام لغوی بلا تصدیق معتبر ہے اور اسلام شرعی معتبر نہیں۔ ۲۔ یہ بات ایک شبہ کا جواب بھی ہے کہ آپ کے نزدیک اسلام اور ایمان ایک ہیں حالانکہ قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا یہ آیت آپ کے اس قول کی تردید کرتی ہے ایسے ہی جو روایت اس باب میں نقل کی ہے کہ مومن نہ کہو مسلم کہو یہ بھی آپ کے اس قول کی تردید کرتی ہے اس کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ اسلام لغوی معنی کے لحاظ سے ایمان کے مبائن ہے اور شرعی معنی کے لحاظ سے ایمان کے مترادف ہے۔ ۳۔ تیسرے اس باب میں کرامیہ کا رد ہے کہ جو کہتے ہیں کہ اقرار کافی ہے پھر قالت الاعراب والی آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ یہ اعراب منافق تھے دوسرے یہ کہ مومن تھے صرف ابھی ادنیٰ درجہ میں تھے اور اعلیٰ درجہ کا دعویٰ کرنا چاہتے تھے اس لئے ان کو ادب سکھایا گیا کہ ابھی اعلیٰ درجہ کا دعویٰ نہ کرو' پھر حدیث میں جو فرمایا او مسلماً اس میں او بمعنی بل ہے کہ دلیل قطعی کے بغیر اس شخص کے ایمان کا تم دعویٰ نہ کرو ظاہر کو دیکھ کر اسلام کا دعویٰ کافی ہے۔ اسی لئے باب سے بھی مناسبت ہے کہ اسلام ظاہری کا اطلاق اسلام حقیقی یعنی ایمان کے مقابلہ میں کیا گیا ہے کہ یہ کہو اور یہ نہ کہو پھر وہ شخص واقعہ میں مومن ہو یا منافق ہو اس سے بحث کرنی مقصود نہیں ہے۔

باب افشاء السلام من الاسلام

۱۔ ای هذا باب فی بیان ان افشاء السلام من الاسلام۔ ۲۔

باب افشاء السلام اضافت کے ساتھ۔۳- باب وقف کے ساتھ پھر دوسرے نسخہ میں افشاء کا لفظ نہیں یعنی نفس سلام اسلام کے شعبوں میں سے ہے ہمارے مصنف کی عادت ہے کہ حدیث میں اسلام کا لفظ ہو تو باب میں بھی یہی لاتے ہیں ایمان کا ہو تو یہی باب میں آتے ہیں پھر قول عمار میں انصاف کو شعبہ قرار دیا گیا ہے تو اس کے معنی ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھنا اور بذل السلام للعالم کے معنی ہیں کہ جانتا پہچانتا ہو یا نہ ہر ایک کو سلام کرے یہ کمال تواضع ہے اور غریبی کے باوجود خرچ کرنا یہ کمال جود ہے جیسا کہ قرآن پاک میں انصار کی مدح میں وارد ہے **ویوثرون علی انفسهم ولوکان بهم خصاصة** کہ خود غریب ہوں محتاج ہوں دوسرا محتاج نہ بھی ہو پھر بھی دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں۔

باب کفران العشیر و کفر دون کفر

عشیر کے معنی خاوند کے ہیں یعنی کفر کا اطلاق بطور کلی مشکک کے ہوتا ہے سب گناہوں پر لیکن گناہ کو تو کفر کہہ سکتے ہیں گنہگار کو کافر نہیں کہہ سکتے جیسے طب کے ایک مسئلہ کو طب کا مسئلہ کہہ سکتے ہیں لیکن اس ایک مسئلہ کے جاننے والے کو طبیب نہیں کہہ سکتے۔ فقہ کے ایک مسئلہ کو فقہ کہہ سکتے ہیں لیکن اس ایک مسئلہ کے جاننے والے کو فقیہ نہیں کہہ سکتے من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر کی توجیہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ نماز کا چھوڑنا کفر ہے لیکن چھوڑنے والے کو کافر نہیں کہہ سکتے مشہور توجیہ اس حدیث کی یہ ہے کہ یہ کفر عملی ہے۔ ایسے ہی آگے باب ظلم دون ظلم آئے گا ان دونوں بابوں میں ان دو آیتوں کے معنی کی طرف بھی اشارہ ہے **ومن لم یحکم بما انزل ال فاولئک هم الکافرون و من لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الظالمون** کہ یہاں کفر اور ظلم ایسے نہیں ہیں جو ایمان سے خارج کر دیں مرجئہ پر بھی رد ہو گیا کہ گناہوں کی اتنی قباحت ہے کہ ان کو کفر اور ظلم قرار دیا گیا ہے اور معتزلہ اور خوارج کی تردید بھی ہو گئی کہ ہر گناہ ایمان سے خارج کرنے والا نہیں ہے جب کفر میں تشکیک ہے تو اس کے مقابلہ میں ایمان میں بھی تشکیک ثابت ہوئی لیکن متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ کمال ایمان میں تشکیک ہے نفس ایمان میں نہیں پھر اس باب کی حدیث میں خاوند کی ناشکری کی مذمت ہے اس سے خاوند کے اونچے مقام کا اظہار ہے حتیٰ کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر اس امت میں سجدہ کی اجازت ہوتی تو بیوی کو حکم کرتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔

باب المعاصی من امر الجاهلية

یعنی جاہلیت سے پیدا ہوئے معلوم ہوا کفر کی طرح جاہلیت کا اطلاق بھی معاصی پر ہوتا ہے لیکن یہ معاصی ایمان سے خارج کرنے والے نہیں ہیں پس معتزلہ اور خوارج پر رد ہو گیا پھر گذشتہ باب سے مناسبت یہ ہے کہ گزشتہ باب میں کفر کا اطلاق گناہ پر کیا گیا تھا اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید گناہ ایمان سے خارج کر دیں اس کا صراحتہ جواب دے دیا کہ **ولایکفر صاحبها بارتکا بها الا بالشرک** البتہ حلال سمجھے تو ایمان سے خارج ہو جائے گا جبکہ حرمت قطعی بدیہی ہو۔ سوال:۔ شاید شرک کے سوا باقی صریح کفر کے اعتقاد ملت سے خارج نہ کرتے ہوں۔ جواب:۔ ۱- یہاں شرک کفر کے معنی میں ہے۔۲- ہر کفر میں کچھ نہ کچھ شرک ہوتا ہے۳- **ویغفر مادون ذلک** کہ شرک سے کم معاف فرما دیں گے اور کفر باللہ تو شرک سے اونچا ہے اور ہر قطعی بدیہی کا انکار کفر باللہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ماننے میں اللہ تعالیٰ کو سچا ماننا بھی ضروری ہے اور قطعی بدیہی کا انکار اللہ تعالیٰ کے سچے ہونے کا انکار ہے نعوذ باللہ من ذلک۔ سوال جب گناہ کفر ہیں تو گناہ کرنے والے کو کافر کہنا چاہئے کیونکہ مبدأ اشتقاق کے قیام سے اسم فاعل کا اطلاق صحیح ہو جاتا ہے جواب:۔ ہر جگہ یہ قاعدہ نہیں چلتا جیسے **وعصیٰ آدم ربه فغویٰ** اس میں آدم علیہ السلام پر عاصی اور غلوی کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔

فسما هم المومنین

میں صراحتہ معتزلہ اور خوارج کا رد ہے کہ قتال مومنین کے

5

باوجود قتال کرنے والوں کو مومن ہی شمار فرمایا ہے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہو جاتا۔

فالقاتل و المقتول فی النار

یہ وہاں ہے کہ ا- بھیڑ میں بے تحاشا قتل کر رہے ہوں جس کو عمیت کہتے ہیں۔۲- یا قوم کا آدمی ہونے کی وجہ سے بلا تحقیق ساتھ دے کر قتل کر رہے ہوں۔۳- یا غلط دنیوی اغراض کی وجہ سے مثلاً اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے قتل کر رہے ہوں اور لڑائی کر رہے ہوں اور جب ہر مسلمان اپنی پوری احتیاط اور تحقیق کے ساتھ اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر لڑ رہا ہو جیسے حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی لڑائی تھی تو دونوں جنتی ہیں گو ایک کا اجتہاد صحیح جیسے حضرت علیؓ اور ایک کی اجتہادی غلطی ہو جیسے حضرت امیر معاویہؓ۔ اسی لئے حضرت احنف نے حضرت ابوبکرہ کی نصیحت کے باوجود لڑائی نہ چھوڑی اور حضرت ابوبکرہ کی نصیحت احتیاط پر اور لڑائی کی شدت کم کرنے کی کوشش پر مبنی تھی۔

اخوانکم خولکم

تمہارے بھائی ہی تمہارے خادم ہیں۔

باب ظلم دون ظلم

دون بمعنی ادنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض ظلم بعض سے کم ہوتے ہیں اور دون بمعنی غیر بھی ہو سکتا ہے کہ ظلم کی مختلف قسمیں ہیں کوئی ایمان سے خارج کرتا ہے کوئی نہیں کرتا پس معتزلہ اور خوارج کا رد ہو گیا اور مرجئہ کا بھی رد ہو گیا کہ گناہوں کی ایسی قباحت ہے کہ ان کو ظلم قرار دیا گیا ہے اور ماقبل سے ربط یہ ہے کہ جب قتال کرنے والے مسلمانوں کو ملت سے خارج نہیں مانا گیا تو اس کی تائید کر دی بعض ظلم بھی ملت سے خارج کرنے والے نہیں ہوتے چنانچہ اس باب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ظلم کے انواع مختلف ہیں لیکن **لم یلبسوا ایمانهم بظلم** میں سب سے بڑا ظلم شرک مراد ہے اور لبس کا لفظ بھی شرک پر دلالت کرتا ہے کہ ملنا بھی ہوگا جب کہ دونوں ایک ہی ظرف یعنی قلب میں ہوں اور ایمان کے ساتھ ایک ظرف میں ہونے والی چیز اعتقادی شرک ہے اور بظلم کی تنوین بھی تفخیم کے لئے ہے اور بڑا ظلم شرک ہوتا ہے۔ سوال:۔ فانزل اللہ سے معلوم ہوا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی اسی واقعہ کی دوسری روایت میں ہے مرفوعاً الاتسمعون الی قول لقمان اس سے معلوم ہوا کہ آیت پہلے اتر چکی تھی۔ جواب:۔ تلاوت فرمانے کو راوی نے فانزل اللہ سے تعبیر فرما دیا۔

باب علامات المنافق

ربط یہ ہے کہ مقصود اخلاص کو ایمان کا شعبہ قرار دینا ہے۔ نفاق کے معنی ہیں ظاہر اور باطن میں مخالفت پس اگر اعتقاد میں ایسا ہو تو نفاق کفر ہے ورنہ نفاق عملی ہے یہ ربط بھی ہو گیا کہ کفر کی طرح نفاق کے بھی مختلف درجات ہوتے ہیں۔ حدیث کی باب سے مناسبت اور گذشتہ بابوں سے مناسبت یہ ہے کہ نفاق کی ایک علامت ہوگی تو چھوٹا نفاق ہوگا زیادہ علامتیں ہوں گی تو بڑا نفاق ہوگا۔ کرامیہ کا رد بھی ہوا کہ ایک درجہ نفاق کا کفر ہے۔ مرجئہ کا رد بھی ہے کہ نفاق عملی موجب عذاب ہیں معتزلہ خوارج کا رد بھی ہوا کہ نفاق کا ہر درجہ ایمان سے نکالنے والا نہیں ہے اور نفاق عملی کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی بھی ہوئی لیکن متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ کمال ایمان کی کمی بیشی ہوئی نہ کہ نفس ایمان کی اور علامات نفاق کی اضداد ایمان کے شعبے ہیں پھر ان تین شعبوں سے سلف کے اس قول کی تائید ہوئی کہ ایمان قول، عمل اور نیت کا نام ہے کذب کی ضد صدق قول ہے اور خیانت کی ضد امانت عمل ہے اور اخلاف وعدہ کی ضد وفاء وعد نیت ہے۔ نفاق عملی کی علامتوں والا منافق اعتقادی کے مشابہ ہوتا ہے اسی لئے اس کو منافق عملی کہتے ہیں۔

کان منافقاً خالصاً

یعنی اس کو منافق اعتقادی کے ساتھ زیادہ مشابہت ہوتی ہے سوال:۔ جھوٹ تو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے بھی سرزد ہوا

حالانکہ ایک قول کے مطابق وہ سب بعد میں نبی ہوئے ہیں تو نبی کو نبوت سے پہلے بھی تو منافق نہیں کہہ سکتے جواب:۔١- یہ علامتیں جب نفاق بنے گی جبکہ بار بار صادر ہوں ان سے جھوٹ ایک دفعہ صادر ہوا۔٢- پہلی امتوں میں یہ حکم نہ تھا۔٣- حدیث میں مقصود تحذیر ہے کہیں یہ علامتیں نفاق تک نہ پہنچا دیں یہ نہیں کہ منافق بن گیا۔٤- یہ علامتیں کسی خاص منافق میں تھیں نبی کریم ﷺ اپنے مکارم اخلاق کی وجہ سے اس کا نام نہیں لے رہے مقصود اسی کی علامتوں کو بیان فرمانا ہے یہ حکم عام بیان فرمانا مقصود نہیں ہے۔اس لئے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

باب قیام لیلة القدر من الایمان

ای ھذا باب فی بیان ان قیام لیلة القدر من شعب الایمان علامات النفاق میں ضمناً ایمان کے شعبوں کا ذکر تھا اب پھر عود ہے صراحۃً ایمان کے شعبوں کے بیان کی طرف نیز پیچھے افشاء سلام کا ذکر تھا لیلۃ القدر کے بیان میں بھی ہے۔سلام ھی حتی مطلع الفجر ہے۔

من یقم لیلة القدر

یہاں مضارع کا صیغہ ہے اور آگے من قام رمضان اور من صام رمضان میں ماضی کا صیغہ آئے گا وجہ فرق یہ ہے کہ لیلۃ القدر کا پانا یقینی نہیں ہے اس لئے اس کے مناسب مضارع ہے اور قیام رمضان اور صیام رمضان یقینی ہیں اس لئے ان کے مناسب ماضی کا صیغہ ہے۔حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں اور سورہ مزمل میں قم اللیل میں دونوں احتمال ہیں کہ نیند سے اٹھنا مراد ہو اور ہر قسم کی عبادت نماز ذکر تلاوت کو شامل ہو یا قیام فی الصلوٰۃ مراد ہو نماز ہی مراد ہو دونوں احتمال ہیں ایک کی تعیین نہیں کر سکتا۔

باب الجهاد من الایمان

ای ھذا باب فی بیان ان الجهاد شعبة من الایمان اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اور حفاظت مسلمین من حیث انھم مسلمون کے لئے تو شرعی جہاد ہے قوم کی خاطر یا وطن کی خاطر لڑنا شرعی جہاد نہیں ہے پھر المجاھد من جاھد نفسہ اس حدیث کے مطابق گناہوں سے بچنا سب سے بڑا جہاد ہے اور کافر شیطان بھی ہے انسان بھی ہے کافر شیطان ہم سے زیادہ قریب ہے اس سے جہاد اور سب شیطانی گناہوں کا چھوڑنا کافر انسانوں سے لڑنے سے پہلے ہونا چاہئے یایھا الذین امنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار۔ گناہ چھوڑے بغیر کافر انسانوں سے لڑنا فرعون جیسا کام ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تو پالتا رہا اور بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتا رہا پھر جہاد کی مناسبت لیلۃ القدر کے ساتھ یہ ہے کہ قیام لیلۃ القدر بڑا مجاہدہ ہے۔ذکر جہاد اس کا تتمہ ہے اس لئے قیام رمضان اور صوم رمضان سے بھی پہلے ذکر کیا تاکہ تتمہ اصل کے ساتھ مل جائے قیام رمضان عام ہے اور قیام لیلۃ القدر خاص ہے پھر صوم رمضان کو قیام لیلۃ القدر سے پیچھے لائے کیونکہ قیام وجودی ہے اور صوم عدمی ہے نیز شریعت میں رات پہلے ہے دن جس میں روزہ ہے وہ پیچھے ہے۔

باب تطوع قیام رمضان من الایمان

غرض ان پر رد ہے جو صرف فرائض و واجبات کو ایمان کے شعبے قرار دیتے ہیں نوافل کو نہیں قرار دیتے کہ یہ تراویح اور نوافل کو عام ہے۔
احتساباً:۔طلباً للثواب:۔

باب صوم رمضان احتساباً من الایمان

سوال: ایماناً باب میں کیوں چھوڑ دیا جواب:۔احتساباً میں آ گیا۔٢- اختصار فرمایا حدیث میں ایمان کو روزے کی شرط قرار دیا گیا ہے اس سے متکلمین کے قول کی تائید ہوتی ہے کیونکہ شرط اور مشروط غیر غیر ہوتے ہیں پس اعمال اجزاء ایمان نہ ہوئے۔

باب الدین یسر

ای ھذا باب فی بیان انه الدین یسر یعنی دین اعمال پر بولا جاتا ہے اس لئے اس میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ دین کمال ایمان ہے اس میں کمی بیشی ہوتی

ہے۔ معتزلہ اور خوارج کا سختی سے رد ہے کہ وہ دین کو مشکل قرار دیتے ہیں پھر یہ باب تتمہ صوم وقیام کا ہے کہ ان چیزوں میں اعتدال سے آگے نہ گزرنا پھر اصل شعبوں کا بیان شروع کردیں گے باب الصلوٰۃ من الایمان سے نیز قرآن پاک میں بھی بیان رمضان کے بعد **یریداللہ بکم الیسر** فرمایا تھا اس کا اتباع فرماتے ہوئے امام بخاری نے بھی ذکر رمضان کے بعد الدین یسر کا باب رکھ دیا۔

احب الدین الی اللہ الحنیفیة السمحة:۔ ای السھلة یہ حدیث امام بخاری نے اپنی کتاب ادب مفرد میں لی ہے نیز مسند احمد میں بھی ہے صحیح بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے یہاں مسنداً نہیں لی بلاسند ترجمۃ الباب میں ذکر کردی۔ یہ بھی غرض ہے کہ دین کا اطلاق اعمال پر ہوا پس اعمال اجزاء ایمان ہیں جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ کمال ایمان کے اجزاء ہیں۔

لن یشاد الدین احد الاغلبه

۱- جو اعتدال پر عمل نہ کرے گا وہ تھک کر زیادہ عمل کو چھوڑ بیٹھے گا۔ ۲- جو کبھی بھی رخصت پر عمل نہ کرے گا مثلاً بیماری میں وضو ہی کرے گا تو وہ مشقت میں پڑجائے گا۔ **فسدد وا**:۔ توسط فی العمل اختیار کرو۔ **وقاربوا**:۔ ۱- اگر اعلیٰ عمل نہ کرسکو تو اعلیٰ کے قریب ہی کرلیا کرو۔ ۲- اپنی طاقت کے قریب کام کیا کرو زیادہ نہ کیا کرو۔

وشیٔ من الدلجة

رات کے ایک حصہ میں بھی عبادت کیا کرو شیٔ میں اشارہ فرما دیا کہ ساری رات نہ کرسکو گے کچھ حصہ میں کرلیا کرو۔ غدوہ۔ روحہ اور دلجہ مسافر کے نشاط کے ساتھ سفر کرنے کے اوقات ہیں تم بھی ان اوقات میں تھوڑی تھوڑی اپنی طاقت کے مطابق عبادت کرلیا کرو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اس حدیث کی وجہ سے صبح اور شام ذکر کا مشورہ دیا کرتے تھے۔

باب الصلوٰۃ من الایمان

جب گذشتہ باب کی روایت میں غدوہ اور روحہ اور دلجہ کا ذکر تھا اور غدوہ میں فجر روحہ میں ظہر وعصر اور دلجہ میں عشاء آگئی تو اب صراحۃً نمازوں کا ذکر فرمایا۔

وماکان اللہ لیضیع ایمانکم

مرجئہ کی تردید ہوگئی وہ اعمال کو ایمان نہیں کہتے۔ متکلمین پر اعتراض نہیں پڑا کیونکہ ۱- کمال اتصال کی وجہ سے ایمان بول کر صلوٰۃ مراد ہے۔ ۲- یا ایمان بالصلوٰۃ الی القبلتین مراد ہے۔

یعنی صلوتکم عندالبیت

الی البیت نہ فرمایا اس لئے کہ عندالبخاری مکہ مکرمہ میں قبلہ بیت المقدس تھا جب مکی زندگی کی نمازیں ضائع نہ ہوئیں جبکہ عندالبیت تھے اور قبلہ بیت المقدس تھا تو مدینہ منورہ میں تو عندالبیت بھی نہ تھے پھر جو نمازیں الی بیت المقدس پڑھیں وہ بطریق اولیٰ ضائع نہ ہوں گی۔

بیت المقدس

طہارت کا گھر ۲- یوں بھی پڑھ سکتے ہیں بیت المقدس اضافت بیانیہ پاک گھر ۳- البیت المقدس پاک گھر توصیف کے ساتھ۔

واھل الکتاب

مرفوع ہے الیھود پر عطف ہے۔

باب حسن اسلام المرء

اضافت ہی ضروری ہے پہلا ربط پیچھے عسر ویسر کے لحاظ سے تقسیم تھی اب حسن وقبیح کے لحاظ سے ہے پھر جب دو قسمیں ہیں تو کمی زیادتی ثابت ہوگئی متکلمین کے نزدیک یہ تقسیم اعمال میں ہے نہ کہ تصدیق میں۔ ۲- دوسرا ربط یہ ہے کہ پیچھے نماز سبب تھا اب حسن الاسلام مسبب ہے۔ ۳- حسن بمعنی احسان ہے اس کا ایک جزو صلوٰۃ پیچھے تھا اب کل ہے یعنی سب عبادات کا اجمالی ذکر ہے۔ **حسن اسلامہ**:۔ اور باب تفصیل سے بھی روایت ہے فحسن اسلامہ کہ ظاہر اور باطن میں موافقت کی۔

وکان بعد ذلک القصاص

یعنی بدلہ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

والسئیة بمثلھا الا ان یتجاوز اللہ عنھا

معافی سے ابتداء بھی جنت میں جاسکتا ہے اور اگر معافی نہ ہوئی تو گناہ کی مقدار سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔ مخلد فی النار بہر حال نہ ہوگا اس میں صراحۃً معتزلہ اور خوارج کی تردید ہے یہ حدیث تعلیق ہے نسائی شریف میں مسند ہے اس میں کتب اللہ لہ کل حسنۃ قدمھا بھی ہے کہ اسلام لانے کی برکت سے زمانہ کفر کی نیکیوں کا ثواب بھی مل جائے گا لیکن اس حصہ میں امام بخاری کو کچھ اشکال تھا کہ کفر کے زمانہ کی نیکی کا ثواب کیسے مل سکتا ہے اتنے حصہ کو حذف کر دیا دوسرے حضرات نے اس کا جواب دیا ہے کہ اشکال صرف اس صورت میں ہے کہ ایمان نہ لائے اور پھر ثواب مل جائے اب تو ایمان لا چکا ایمان کی برکت سے وہ نیکیاں بھی تفضلاً ہے اور جیسے فاؤلئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات ہے کہ گناہ بھی نیکیاں اللہ تعالیٰ احساناً بنا دیتے ہیں اور جیسے بعض کافروں کی تخفیف ہوگی بعض حسنات کی وجہ سے باب احب الدین الی اللہ ادومہ: تنوین کے ساتھ باب بھی ٹھیک ہے ای ھذا باب فی بیان انہ احب الدین الی اللہ ادومہ اور اضافت کے ساتھ کے ساتھ بھی ٹھیک ہے کہ باب کی اضافت جملہ کی طرف ہو رہی ہے معنی یہ ہیں باب فی بیان ان احب الدین الی اللہ ادومہ: اس باب کی حدیث کے متعلق چند فوائد۔ ۱- دوام کی اہمیت ثابت ہوئی۔ ۲- نبی کریم ﷺ کی انتہائی شفقت امت پر ظاہری ہوئی۔ ۳- اعتدال کی اہمیت ثابت ہوئی کہ اعتدال سے عبادت کرے تو اس میں دوام بھی ہے اور نشاط بھی ہے اور نشاط کی وجہ سے عبادت میں خشوع وخضوع بھی ہوتا ہے لذت بھی ہوتی ہے ہر قسم کی کیفیت عمدہ ہوتی ہے۔

باب زیادۃ الایمان و نقصانہ

مناسبت گذشتہ باب سے یہ ہے کہ گذشتہ باب میں دوام کے محبوب عند اللہ ہونے کا ذکر تھا۔ یہ دوام ایمان کی زیادتی کا سبب ہے پھر اس باب سے ۱۶ باب پہلے جو باب تھا باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال تو ان دونوں بابوں میں دو لحاظ سے فرق ہے۔ ۱- گذشتہ باب میں اعمال کی کمی بیشی بیان کرنی مقصود تھی اور زیر بحث باب میں نفس ایمان کی کمی بیشی بیان کرنی مقصود ہے۔ ۲- گذشتہ باب میں اہل ایمان کا تفاضل بیان کرنا مقصود تھا اور زیر بحث باب میں نفس ایمان کا تفاضل اور کمی بیشی بیان کرنی مقصود ہے پھر کتاب الایمان کے شروع میں امام بخاری کا قول تھا وھو قول وفعل ویزید وینقص اس قول میں اور اس زیر بحث باب میں بھی دو لحاظ سے فرق ہے۔ ۱- وہاں اصل مقصود ایمان کے مرکب ہونے کا بیان تھا اور یہاں اصل مقصود ایمان کی کمی بیشی کا بیان ہے۔ ۲- وہاں کمی بیشی اگر تھی بھی تو مجموعہ تصدیق واعمال کے لحاظ سے تھی اور یہاں نفس ایمان اور مومن بہ کے لحاظ سے ہے اور درمیان میں جو باب تھا باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال وہاں کمی بیشی صرف اعمال کے لحاظ سے تھی۔

الیوم اکملت لکم دینکم

۱- یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں جو مقدار قواعد دین اور اصول دین کی تھی اس امت کے لئے ان کا بیان مقدار کے لحاظ سے پورا فرما دیا یہ معنی نہیں ہیں کہ پہلے جو احکام اور قواعد بیان فرمائے تھے ان میں کوئی عیب تھا اب وہ عیب دور فرما دیا۔ ۲- پہلے حج نہ کیا گیا تھا اس لئے اہم ارکان مکمل نہ ہوئے تھے اب وہ اہم ارکان مکمل ہو گئے پھر اس آیت سے امام بخاری ایمان کی زیادۃ ونقصان ثابت فرمانا چاہتے ہیں ہم متکلمین کی طرف سے یہ جواب دیتے ہیں کہ شرعی احکام اور قواعد دین کی گنتی میں جو کمی تھی وہ پوری کی گئی ہے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ نفس ایمان پہلے ناقص تھا اب پورا ہوا اور نہ لازم آئے گا کہ جو صحابہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے ان کا ایمان نعوذ باللہ ناقص تھا حالانکہ ایسا نہیں تھا سوال اس باب میں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس میں صرف ویخرج من النار من قال لا الہ الا اللہ ہے۔ رسالت کا ذکر

نہیں ہے شاید ایمان بالرسالۃ ضروری نہ ہو جواب لا الہ الا اللہ علم ہے پورے ایمان کا۔۲- یہاں سب ادیان حقہ کا بیان مقصود ہے اس لئے قدر مشترک کا ذکر ہے یہ نہیں کہ ایمان کے لئے صرف عقیدہ توحید ہی کافی ہے پھر خیر کی تنوین تقلیل کے لئے ہے جب قلیل ایمان والا آگ سے نکل آئے گا تو کثیر والا بطریق اولیٰ نکل آئے گا۔شوق دلانا مقصود ہے کہ ایمان وعمل کثیر جمع کرو تا کہ اولیٰ دخول جنت میں ہو اور یہ کمی بیشی ایمان کے ثمرات کی ہے نفس ایمان کی نہیں ہے اس لئے یہ حدیث پاک متکلمین کے خلاف نہیں ہے۔

باب الزکوٰۃ من الاسلام

باب کو تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں ربط یہ ہے کہ زکوٰۃ بھی ایک شعبہ ہے اسلام اور ایمان کا جیسے گذشتہ بابوں میں شعبے مذکور ہیں آیت سے ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ جب دین کا حصہ ہے تو اسلام اور ایمان کا بھی حصہ ہے متکلمین کی طرف سے جواب:۔۱- ایمان سے قوی تعلق ہے۔۲- کمال ایمان کا حصہ ہے زکوٰۃ نہ کہ نفس ایمان کا پھر اس باب کی حدیث میں پانچ نمازوں کے بعد ہے کہ ان کے سوئی کچھ واجب نہیں سوال تو وتر واجب نہ ہوئے جواب:۔۱- اس واقعہ کے بعد واجب ہوئے۔۲- وتر عشاء کے تابع ہیں اس لئے پانچ نمازوں میں وتر کا وجوب بھی آ گیا۔سوال:۔عیدین خارج ہو گئیں جواب مراد یومیہ نمازیں ہیں کہ ہر روز پانچ نمازیں ہی فرض ہیں پھر الا ان تطوع سے ثابت ہوا کہ نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں پھر صدقہ کے ذکر کے بعد بھی ہے الا ان تطوع۔سوال:۔نفقہ اقارب اور صدقہ فطر نکل گئے۔جواب مال کی وجہ سے واجب ہونے والا صدقہ مراد ہے۔نفقہ قرابت کی وجہ سے ہے اور صدقہ فطر کا سبب راس یمونہ ویلی علیہ ہے صرف مال کی وجہ سے نہیں ہے کہ جس شخص کی مشقت اٹھاتا ہے اور جس کا ولی بنتا ہے اس کی طرف سے صدقہ فطر دینا پڑتا ہے۔

لا ازید علی ھذا

سوال: پھر نوافل کی تو کوئی ضرورت نہ ہوئی۔

جواب:۱- پیغام پہنچانے میں زیادتی نہ کروں گا۔۲- فرض ہونے کی حیثیت سے نوافل نہ پڑھوں گا نفل ہونے کی حیثیت سے نفی نہیں ہے پھر بعض روایات میں یہاں مرفوعاً وابیہ بھی ہے اس پر اشکال ہے کہ یہ تو غیر اللہ کی قسم ہے جو جائز نہیں۔

جواب:۱- قبل النھی کا واقعہ ہے۔۲- مضاف محذوف ہے ورب ابیہ۔۳- نبی کریم ﷺ کو اجازت تھی۔۴- یہاں واللہ تھا کسی راوی کو نقطے نہ ہونے کی وجہ سے غلطی لگی پہلے بغیر نقطوں کے لکھ پڑھ لیتے تھے۔۵- بلا قصد سبقت لسانی کی وجہ سے یہ لفظ صادر ہو گیا لیکن یہ توجیہ کمزور ہے کیونکہ ایسا ہوتا تو وحی سے تردید کر دی جاتی۔

ان صدق:۔سوال:۔بعض روایات میں اسی واقعہ میں یقین کے الفاظ ہیں **من سرہ ان ینظر الی رجل من اھل الجنۃ فلینظر الی ھذا** اور زیر بحث روایت میں شک کے ساتھ ہے۔

جواب:۔۱- پہلے شک تھا پھر وحی سے یقین دلا دیا گیا۔۲- اس کے سامنے شک کے ساتھ ذکر فرمایا کہ خود بینی نہ پیدا ہو جائے جو گناہ ہے بعد میں دوسرے حضرات کے سامنے یقین ظاہر فرما دیا۔۳- یقین دخول جنت میں ہے اور شک ابتدائی دخول میں ہے پھر الافلاح کے ایک معنی تو معلوم ہو گئے جنت میں دخول اولیٰ بلا عذاب۔۲- دوسرے معنی الفوز والبقاء۳- مقصد پا لینا۴- چار چیزوں کا مجموعہ۱- بقاء بلا فناء۲- غنا بلا فقر۳- عز بلا ذل۴- علم بلا جہل لغت میں افلاح سے زیادہ بلیغ لفظ کامیابی میں نہیں ہے۔

باب اتباع الجنائز من الایمان

باب کو تنوین کے ساتھ بھی اور بغیر تنوین کے بھی پڑھنا صحیح ہے۔ بڑے بڑے شعبے ایمان کے بیان کر چکے ان بڑے شعبوں کے اخیر میں اتباع جنائز کا شعبہ بیان فرما دیا اس لئے کہ اس کا تعلق انسان کی دنیا میں آخری حالت سے ہے۔قیراط:۔یہ لفظ اصل میں قراط ہے راء کی تشدید کے ساتھ پھر ایک راء کو یاء سے بدل دیا گیا کیونکہ جمع قراریط آتی ہے جیسے دینار اصل میں دنار تھا نون کی تشدید کے ساتھ پھر ایک نون کو یاء سے بدل دیا گیا کیونکہ جمع دنانیر آتی ہے پھر قیراط کا

مصداق۔ا-دینار کا بیسواں حصہ ۲-دینار کا چوبیسواں حصہ ۳-بعض الشیءِ ۴-اہل عراق کے نزدیک دینار کا بیسواں حصہ اور اہل مکہ کے نزدیک دینار کا چوبیسواں حصہ۔ ۵-درھم کا بارھواں حصہ یعنی نصف دانق کیونکہ دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے۔

باب خوف المومن من ان یحبط عملہ وھو لا یشعر

اس باب کو بلا تنوین ہی پڑھا جائے گا اضافت کی بنا پر پیچھے ایمان کے مکملات کا ذکر تھا آگے اب مفسدات ایمان کا ذکر شروع ہوتا ہے اور اس باب میں جن مفسدات کا ذکر ہے وہ تین چیزیں ہیں ۱-غفلت۔ ۲-نفاق۔ ۳- اصرار علی المعاصی بلا توبہ۔ سوال:۔گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ احباطیہ گزرا ہے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ گناہوں سے نیکیاں حبط ہو جاتی ہیں تو بظاہر امام بخاری اس فرقہ کی تائید فرما رہے ہیں حالانکہ یہ فرقہ تو گمراہ شمار کیا گیا ہے۔ جواب:۔ یہاں حبط عمل کی صورت یہ بیان فرمانی مقصود ہے کہ اخلاص کی کمی کی وجہ سے ثواب کم ملتا ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ حبط عمل ارتداد سے ہوتا ہے نعوذ باللہ من ذلک یا رفع الصوت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے عام گناہوں سے حبط عمل نہیں ہوتا۔ دوسرا اجماع یہ ہے کہ بلا اخلاص عمل قبول نہیں ہوتا اور اس اجماع کے مرجۂ منکر ہیں تو یہاں مرجۂ کی تردید مقصود ہے احباطیہ کی تائید مقصود نہیں ہے۔ مرجۂ کے نزدیک جیسے باقی گناہ مضر نہیں ہیں ایسے ہی ریاء بھی مضر نہیں ہے اس لئے ریاء سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ان کی تردید فرما رہے ہیں کہ ریا تو محبط عمل ہے پھر دوسرا ربط یہ بھی ہوگیا کہ خوف حبط عمل بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے پیچھے شعبوں کا بیان چلا آرہا ہے اور تیسرا ربط یہ بھی ہوگیا کہ پیچھے نفاق کا ذکر تھا یہاں بھی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو جانا یہ بھی نفاق کا ایک شعبہ ہے۔

خشیت ان اکون مکذبا

یعنی میرا عمل میرے قول پر پورا نہیں اترتا۔ میرے عمل کو دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ تم نے جو کہا اس پر عمل نہ کیا۔

یخاف النفاق علی نفسہ

کیونکہ اخلاص کم ہے۔

انہ علی ایمان جبریل

کرامیہ اور مرجۂ کی تردید بھی ہوگئی کہ وہ کہتے ہیں کہ سب کا ایمان ہر لحاظ سے برابر ہے اور خوف والے صحابہ کرام اپنا ایمان حضرت جبریل علیہ السلام کے برابر نہ سمجھتے تھے امام ابو حنیفہ ایمانی کایمان جبریل علیہ السلام کہنے کو ٹھیک سمجھتے تھے اور ایمانی مثل ایمان جبریل علیہ السلام کہنے کو ٹھیک نہ سمجھتے تھے کیونکہ تشبیہ میں مساوات نہیں ہوتی اور مثل کہنے میں مساوات ہوتی ہے البتہ مومن بہ کی تصریح ہو تو پھر مثل کہنے کی بھی گنجائش سمجھتے تھے کیونکہ اس صورت میں مماثلت صرف مومن بہ میں ہے ایمان کی کیفیت میں مماثلت مقصود نہیں ہوتی۔

مایخافہ الا مومن

مفعول کی ضمیر یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یا نفاق کی طرف لوٹتی ہے ولا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون

وما یحذر من الاصرار

ما مصدر یہ ہے اور عطف خوف المومن پر یعنی باب التحذیر من الاصرار۔ درمیان میں آثار ذکر فرمائے کیونکہ ان کا تعلق پہلے ترجمۃ الباب سے تھا اور اس عبارت سے مقصود مرجۂ اور کرامیہ کی تردید ہے۔

سالت اباوائل عن المرجئۃ

وجہ تسمیہ ۱-یہ اعمال کو ایمان سے مؤخر کرتے ہیں۔ ۲-باوجود فسق وفجور کے یہ رجاء اور امید جنت میں مبالغہ کرتے ہیں۔ پھر اس حدیث کی مناسبت باب کے آخری حصہ سے تو ظاہر ہے کہ اس میں گناہوں کی مذمت ہے۔ ابتدائی ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کی طرف لے جاتا ہے حتیٰ کہ کفر ونفاق کا خطرہ ہوتا ہے جو موجب حبط عمل ہے۔

وقتاله کفر

یعنی مسلمان سے لڑنا اس کے حقوق کا ایک قسم کا انکار ہے کفر باللہ مراد نہیں ہے جس سے ایمان سے نکل جائے۔

فتلاحیٰ رجلان

اس حدیث کی مناسبت ابتدائی ترجمۃ الباب سے یوں ہے کہ اس میں جدال کی مذمت ہے اور جدال میں جہر الصوت علی النبی ﷺ کا اندیشہ تھا جو موجب حبط عمل ہے اور پھر حبط عمل مشابہ نفاق کے بھی ہے کیونکہ نفاق میں بھی حبط عمل ہے اور آخری حصہ سے بھی مناسبت ہے کیونکہ جدال بعض دفعہ گالی تک پہنچا دیتا ہے جو فسق ہے۔

باب سوال جبریل

اس باب کو بلاتنوین پڑھا جائے گا بوجہ اضافت اس باب کی مناسبت ماقبل سے یہ ہے کہ یہ گذشتہ کتاب الایمان کے سب بابوں کا خلاصہ ہے۔

فجعل ذلک کله دینا

یہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ آپ تو ایمان اور اسلام کو ایک قرار دیتے ہیں اور اس باب کی حدیث جبریل میں ایمان الگ مذکور ہے اسلام الگ مذکور ہے اور دونوں کے معنی الگ الگ کئے گئے ہیں اس کے جواب کی طرف اشارہ فرما دیا کہ دونوں کی حقیقت کا الگ الگ ہونا بیان فرمانا مقصود نہیں ہے۔ یہ دونوں لفظ جب اکیلے اکیلے ذکر کئے جاتے ہیں تو اصل حقیقت ذکر کی جاتی ہے کہ دونوں ایک ہیں اور جب دونوں کو اکٹھا ایک ہی کلام میں ذکر کیا جاتا ہے تو بعض اجزاء پر اطلاق کر دیا جاتا ہے تاکہ کچھ فرق وقتی طور پر معلوم ہو جائے اصل حقیقت دونوں کی ایک ہے۔ جیسے فقیر اور مسکین کے الفاظ ہیں کہ الگ الگ آئیں تو ایک ہی معنی ہوتے ہیں محتاج اور اکٹھے آجائیں تو فقیر کے معنی کم مال والا اور مسکین کے معنی خالی ہاتھ کے ہوتے ہیں اس کی تائید میں یعلمکم دینکم ذکر فرمایا کہ یہاں دین میں دونوں آگئے دوسری تائید آیت سے فرمائی و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه اس میں اسلام بمعنی ایمان ہی تو ہے۔

ثم قال جاء جبریل علیه السلام

یہ جملہ فعلیہ ہے اور اس سے پہلے جملہ اسمیہ ہے یہ فرق اس لئے کیا کہ غرضیں دونوں جملوں کی الگ الگ ہیں پہلے جملہ کی غرض ترجمۃ الباب کا بیان ہے اور دوسرے جملہ کی غرض ایمان اور اسلام کے اتحاد کا بیان ہے۔

ومابین النبی صلی اللہ علیه وسلم لوفد عبدالقیس من الایمان

ما مصدریہ ہے اور واؤ بمعنی مع ہے یعنی حدیث جبریل میں جو اسلام کے معنی بیان فرمائے وہی معنی حدیث وفد عبدالقیس میں جو باب اداء الخمس من الایمان میں آئے گی اس میں وہی اسلام والے معنی ایمان کے ذکر فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام ایک ہے اس کے بعد وقولہ تعالیٰ کا عطف بھی و ما بین پر ہے۔ حضرت انور شاہ صاحب نے امام بخاری کی اس باب کی تقریر کی تردید فرمائی ہے کہ یہ فرمانا امام بخاری کا صحیح نہیں ہے کہ اکٹھا ذکر کرنے کی وجہ سے دونوں میں کچھ فرق کر دیا گیا کیونکہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے ایمان کا سوال کیا تھا تو اس وقت نبی کریم ﷺ کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ اسلام کا سوال بھی کریں گے اور وفد عبدالقیس والی حدیث میں جو اسلام والی چیزوں پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اس میں صرف ان اعمال کی ترغیب مقصود ہے کہ سب کامل ایمان میں داخل ہیں ایمان کی حقیقت بیان کرنی مقصود نہیں ہے بارزاً۔ یعنی لوگوں میں ظاہر ہو کر بیٹھے ہوئے تھے گھر کے اندر مستورات میں نہ تھے۔

فقال ماالایمان

اس روایت میں بغیر سلام کئے سوالات کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ۔
۱- شروع میں فرشتہ ہونے کو مخفی رکھنا مقصود تھا اس لئے سلام نہ کیا۔
۲- یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ابتدأ سلام کرنا واجب نہیں ہے۔ ۳- راوی

نے اختصار کیا ہے کیونکہ دوسری روایت میں سلام کا ذکر ہے پھر ماالایمان میں مقصود ایمان کی حقیقت شرعیہ کا پوچھنا تھا جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ایمان کو جو دہرایا تو اس کی وجہ تفخیم تھی ایمان کی پھر لقا اور بعث میں یہ فرق ہے کہ ۱۔ انتقال من الدنیا الی الاخرۃ یہ لقاء ہے اور قیامت میں اٹھنا بعث ہے۔ ۲۔ بعث قیامت میں اٹھنا اور لقاء حساب کتاب ہے پھر اسلام کے جواب میں جو چیزیں مذکور ہیں ان میں حصر نہیں ہے۔ چند اہم چیزوں کا ذکر فرما دیا گیا ہے۔

ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

ایک روایت میں یوں بھی ہے ان تخشی اللہ کانک تراہ پھر یہاں دو جملے ہیں حافظ ابن حجر نے ان کو دو مرتبے الگ الگ قرار دیا ہے۔ پہلے درجہ کا نام مشاہدہ اور مکاشفہ قلبیہ اور دوسرے درجہ کا نام مراقبہ علم اللہ ہے لیکن علامہ نووی نے ایک ہی درجہ قرار دیا ہے کہ دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ تم نہیں دیکھ رہے پھر بھی احسان پر قائم رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تمہیں دیکھ رہے ہیں گویا دوسرا جملہ پہلے جملہ کی علت ہے کہ دارومدار تمہارے دیکھنے پر نہیں ہے بلکہ ان کے دیکھنے پر ہے وہ تو بہر حال دیکھ ہی رہے ہیں تم دیکھو یا نہ دیکھو اس لئے عبادت کو ہمیشہ عمدہ طریقہ سے کیا کرو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے علامہ نووی والی تقریر کو ترجیح دی ہے۔

قال متی الساعۃ

یہ سوال اس لئے تھا کہ سب کو پتہ چل جائے کہ جب سید الملئکۃ اور سید الناس نہیں جانتے کہ قیامت کب آئے گی تو کسی دوسری مخلوق کو کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ کب آئے گی پھر جواب میں خاص عنوان نہ رکھا مانا باعلم منک بلکہ عام عنوان رکھا کہ مخلوق میں کوئی بھی سائل ہو یا مسؤل عنھا ہو کسی کو بھی وقت کا پتہ نہیں ہے۔

اذاولدت الامۃ ربھا

۱۔ اولاد کثرت سے سرکش ہوگی گویا اولاد بمنزلہ آقا کے ہے اور ماں بمنزلہ لونڈی ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ نشانی قرب قیامت میں پائی جائے گی۔ ۲۔ فتوحات زیادہ ہوں گی لونڈیاں زیادہ آئیں گی اور وہ ام الولد زیادہ بنیں گی اور ام ولد بننا یہ آقا کو جننا ہوتا ہے کیونکہ وہ بیٹا آزاد ہوتا ہے اور باپ کی طرح بمنزلہ آقا کے ہوتا ہے اس تفسیر پر یہ بالکل ابتدائی نشانی قیامت کی بنے گی کیونکہ فتوحات کی کثرت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہو چکی ہے ان دونوں میں سے پہلے معنی کو اقوی قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ قیامت کے زیادہ قریب زمانہ ہوگا۔

واذا تطاول رعاۃ الابل البھم فی البنیان

یہ دوسری علامت بہر حال قرب قیامت میں ظاہر ہوگی کہ دنیا میں گھٹیا شمار ہونے والے لوگ عالیشان عمارتیں بنائیں گے گویا ذلت والے عزت والے ہو جائیں گے یہ قلب موضوع ہے اور پہلی نشانی میں بھی قلب موضوع ہے کہ بیٹا اپنے آپ کو ماں سے اونچا سمجھے یہ دونوں فساد ہوئے اور فساد چاہتا ہے کہ دنیا ختم ہو جائے اور قیامت آجائے کیونکہ کسی چیز میں جب فساد آتا ہے تو بڑھتے بڑھتے وہ فساد اس چیز کو ختم کر دیا کرتا ہے۔

خمس لا یعلمھن الا اللہ

امام مالکؒ نے خواب میں زیارت فرمائی نبی پاک ﷺ کی اور پوچھا کہ میری عمر کتنی باقی ہے تاکہ میں نفلی حج کرلوں کیونکہ اس خطرہ سے موت مدینہ منورہ سے باہر نہ آجائے میں نفل حج کے لئے نہیں جاتا نبی پاک ﷺ نے پانچوں انگلیاں کھول کر ہاتھ مبارک دکھا دیا خواب ختم ہو گیا امام ابن سیرین کے پاس آدمی بھیجا کہ میرا نام نہ لینا یوں کہنا مدینہ منورہ میں کسی نے یہ خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بیان فرما دیں کہ پانچ دن مراد ہیں یا پانچ ہفتے یا پانچ مہینے یا پانچ سال امام ابن سیرین نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہے اور خواب امام مالک نے دیکھا ہے کیونکہ اس خواب میں حدیث کے مضمون کی طرف باریک اشارہ ہے اور ایسا اشارہ بہت بڑے محدث کو ہی ہو سکتا ہے اور وہ بڑا محدث اس وقت مدینہ منورہ میں امام مالک ہی ہے کیونکہ اشارہ حدیث کے ان الفاظ کی طرف

ہے فی خمس لا یعلمھن الا اللہ ان پانچ میں موت کا علم بھی ہے مجھے معلوم نہیں کہ تمہاری موت کب آئے گی۔

ان اللہ عندہ علم الساعۃ

یہی مضمون دوسری آیت میں یوں ہے **وعندہ مفاتیح الغیب لایعلمھا الاھو**۔ یہ تکوینی علم انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا گیا کیونکہ ان کا کام تشریعی علم کا پھیلانا ہے اور مفاتیح الغیب کے لفظ میں اشارہ علم کلی کی طرف اور علم محیط کی طرف ہے۔ اس لئے جزئی علم اگر کسی کو دے بھی دیا جائے تو وہ اس کے خلاف نہیں ہے پھر علم غیب بلااسباب وآلات ہوتا ہے اس لئے علامتوں سے بارش کے قریب ہونے کو جاننا علم غیب نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام کو وحی سے بعض باتیں بتائی جاتی ہیں وہ بھی چونکہ بتلانے سے معلوم ہوتی ہیں اس لئے وہ بھی علم غیب نہیں ہیں ان کو انباء غیب کہہ سکتے ہیں **تلک من بناء الغیب نوحیھا الیک** حتیٰ کہ اگر بالفرض کوئی لوح محفوظ دیکھ کر حفظ بھی کرے تو وہ بھی علم غیب نہ ہوگا۔ انباء غیب ہی ہوں گی۔ **فقال ردوہ**:۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ فرشتہ تھا انسان نہ تھا۔

یعلم الناس دینھم:۔ ای قواعد دینھم۔

فوائد الحدیث

۱- **للذین احسنو االحسنیٰ و زیادۃ** یعنی جو احسان اختیار کرتے ہیں اور ایسی عمدہ عبادۃ کرتے ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں ان کو اس کے مناسب جزاء میں حسنیٰ یعنی جنت اور زیادہ یعنی زیارت حق تعالیٰ کی نصیب ہوگی اور کافر احسان سے محروم ہیں تو زیارت سے بھی محروم ہوں گے نعوذ باللہ من ذلک۔ ۲- دین عمدہ درخت ہے۔ ایمان اس کی جڑ ہے جو زمین جیسے قلب میں راسخ ہوتی ہے اور اسلام اور اعمال اس کی شاخیں آسمان میں بلند ہوتی ہیں اور احسان اس کا پھل ہے حق تعالیٰ ہمیں یہ سب نصیب فرماویں آمین۔ ۳- جس سوال کا جواب نہ آتا ہو وہاں لاادری کہہ دینا نصف علم ہے جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے وقت کے سوال کے جواب میں فرمایا۴- علوم دین تین ہی ہیں ایک عقائد الایمان دوسرے فقہ ماالاسلام تیسرے تصوف ماالاحسان ۵- جیسے سورہ فاتحہ جامعیت کی بناء پر ام القرآن ہے ایسے ہی حدیث جبریل جامعیت کی بنا پر ام السنۃ ہے۔ ۶- تصوف کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توجہ کرنا ہے جس کو احسان کہتے ہیں۔ ۷- جیسے تیسری رکعت پہلی دو رکعتوں کے بعد ہوتی ہے ایسے ہی احسان کا درجہ ایمان اور اسلام کے بعد ہے۔ ۸- جو دینی علوم کو یاد کرنا چاہے وہ حدیث جبریل کو اور اس کے معنی کو یاد کرے اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام حجۃ الوداع کے بعد حاضر ہوئے تاکہ علوم دین یکجا جمع ہو جائیں اور ان کو یاد کرنا آسان ہو جائے گو تاخیر میں آنے کی وجہ میں دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مسائل ثابتہ کی تائید وتقریر مقصود تھی اور تیسرا قول یہ ہے کہ ایک کلام میں مسائل کو جمع کرنے کا مقصد شوق دلانا تھا۔ ۹- کسی اچھی غرض کے پیش نظر استاد کو اونچی جگہ پر بٹھانا مستحسن ہے جیسا کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں اسی واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ کا اونچی جگہ بنانا مذکور ہے تاکہ آنے والا فوراً پہچان سکے۔ ۱۰- **فتمثل لھا بشرا سویا** کی تائید اس واقعہ سے ہوگئی کہ جبریل علیہ السلام ایک انسان کی شکل میں حاضر خدمت ہوئے۔ ۱۱- سفید کپڑوں کا مستحسن ہونا ثابت ہوا کیونکہ ایک روایت کے مطابق جبریل علیہ السلام سفید کپڑوں میں حاضر ہوئے تھے۔ ۱۲- صاف ستھرا رہنے کی تاکید ثابت ہوئی کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام صاف ستھرے ہو کر حاضر ہوئے تھے۔ ۱۳- تعلیم کے لئے جوانی کا زمانہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام طالب علم کی صورت میں کالے بالوں کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔ اسی تعلیم پر حج اور اصلاح باطن کو بھی قیاس کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں کام بڑھاپے میں بہت مشکل ہو جاتے ہیں گو نہ ہونے سے ہونا ہی بہر حال بہتر ہے اگر جوانی میں حج یا اصلاح باطن یا تعلیم نہ کر سکے اور بڑھاپے میں موقعہ مل گیا ہو تو اسی کو غنیمت سمجھے۔ ۱۴- استاد کی تعظیم ضروری ہے کیونکہ جبریل علیہ

السلام طالب علم بن کر گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے۔ ۱۵- استاد کی طرف پوری توجہ رکھنی ضروری ہے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملا کر بیٹھنے میں یہی اشارہ ہے۔ ۱۶-قلبی توجہ بھی استاد کی طرف ہونی چاہئے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملانا قلبی توجہ کا ذریعہ ہے۔ ۱۷-استاد سے پوری مناسبت پیدا کرنی ضروری ہے۔ گھٹنوں سے گھٹنوں کا ملانا اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ۱۸- سعی تحصیل شفقۃ استاد بھی مستحسن ہے۔ ۱۹-اظہار طلب واظہار رشدۃ احتیاج الی الاستاد بھی مستحسن ہے۔ ۲۰-کمال تقرب اور عدم تکلف حاصل کرنے کی سعی بھی مستحسن ہے۔ ۲۱- نظر استاد ہی کی طرف ہونی چاہئے۔ ان آخری چاروں باتوں کی دلیل یہ ہے کہ نسائی کی روایت میں اسی واقعہ میں یوں بھی آیا ہے ثم وضع یدیه علی رکبتی النبی صلی الله علیه وسلم. **جعل ذلک کله من الایمان**:۔ یہ استنباط امام بخاری کا اس پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک ایمان اور اسلام اور دین ایک ہی ہیں پھر امام بخاری کی اس عبارت میں من الایمان کا من تبعیضیہ بھی ہوسکتا ہے اور ابتدائیہ بھی ہوسکتا ہے۔

باب: یہ باب بلاترجمہ ہے اس لئے ماقبل کا تتمہ ہے غرض کیا ہے۔ ۱- دین اور ایمان کا ایک ہونا ہرقل کی کلام سے ثابت ہوا۔ سوال وہ تو کافر تھا جواب:۔ اس نے گذشتہ کتب سے نقل کیا اور صحابہ نے اس پر انکار نہ کیا اس لئے ہماری شریعت میں داخل ہو گیا۔ ۲- اس باب کی روایت میں بشاشت کا ذکر ہے اس بشاشت کے بعد خوف حبط اور خوف نفاق عموماً آجایا کرتا ہے اس لحاظ سے یہ خوف حبط والے باب کا تتمہ بن گیا ہے۔ ۳- اس باب کی روایت میں قول ہرقل میں یہ بھی ہے وکذلک الایمان حتیٰ یتم اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب کے نزدیک بھی ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے کمی بیشی کے بابوں کا یہ باب تتمہ بن گیا۔

باب فضل من استبراء الدینه

اضافت ہی مناسب ہے باب کی مابعد کی طرف ربط اور غرض کیا ہے ۱- ورع بھی دین کا شعبہ ہے ۲- ورع میں مراتب ہیں اس لئے دین میں بھی مراتب ہیں جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ ورع کمال دین کا ذریعہ ہے اس لئے کمال دین میں کمی بیشی ثابت ہوئی یعنی کمال ایمان میں نہ کہ نفس ایمان میں ۳- یہ تتمہ ہے باب تحذیر کا۔ ۴- اس باب میں احسان کی تفصیل وتائید ہے۔ **اذا صلحت**:۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہ چیزیں پیدا ہو جائیں۔ ۱- اللہ تعالیٰ کی محبت۔ ۲- رضا بر قضا۔ ۳- توکل علی اللہ۔ ۴- صبر۔ ۵- شکر۔ ۶- امید۔ ۷- خوف۔ ۸- فکر آخرت۔ ۹- توبہ۔ ۱۰- قناعت۔ ۱۱- تواضع۔ **اذا فسدت**:۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہ چیزیں پیدا ہو جائیں۔ ۱- تکبر ۲- عجب، ۳- حسد، ۴- حقد یعنی بغض، ۵- حب مال، ۶- حب جاہ ۷- حرص کلام ۸- بخل، ۹- حرص ۱۰- طول امل۔

باب اداء الخمس من الایمان

یصح فی الباب الوقف والتنوین وترک التنوین،

ربط۔ شعبوں کا بیان تھا یہ بھی ایک شعبہ ہے ایمان کا۔

فمرنا بامر فصل

یعنی واضح ہو اور فارق بین الحق والباطل ہو۔ سوال یہاں مذکور تو پانچ چیزیں ہیں حالانکہ اجمال میں ہے فامرھم باربع۔ جواب:۔ ۱- اصل جواب میں چار ہی چیزیں ہیں بعد میں اداء خمس کا بھی اضافہ فرمادیا لیکن یہ جواب امام بخاری کے طرز کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اداخمس کو بہت اہم قرار دیا ہے اسی لئے باب بھی اداخمس کا باندھا ہے۔ ۲- شہادتین کا ذکر بطور تمہید ہے اس کے بعد والی چار چیزیں بیان فرمانی مقصود ہیں۔ لیکن اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ بخاری شریف میں کتاب المغازی میں ہے شهادة ان لا اله الا الله و عقد بواحدة اس لئے شہادتین کو تمہید کہنا مناسب نہیں۔ ۳- شہادۃ اجمالا ایمان کا بیان ہے پھر تفصیلاً ایمان کا بیان ہے معلوم ہوا کہ ایمان مرکب ہے اور یہی مقصد ہے امام بخاری کا جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ ایمان، کامل مرکب ہے باب ماجاء ان الاعمال بالنیة

والحسبة:۔ یہاں صرف اضافت باب ہی مناسب ہے غرض یہ ہے کہ اعمال میں نیت قرب کی بھی ہونی چاہئے اور نیت حسبة اور ثواب کی بھی ہونی چاہئے اس میں کرامیہ کی تردید ہے جو صرف اقرار کو کافی سمجھتے ہیں اور ماقبل سے ربط یہ ہے کہ سلف کا قول ہے الایمان قول وعمل ونیۃ پہلے دونوں کا بیان ہو چکا ہے اب نیت کا بیان فرماتے ہیں دوسری غرض یہ بھی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک چونکہ ایمان بھی عمل میں داخل ہے اس لئے جیسے اعمال میں نیت ضروری ہے ایمان میں بھی نیت ضروری ہے۔ یہ توجیہ نہ کی جائے تو اس نیت والی حدیث کا ذکر کتاب الایمان میں مناسب نہیں رہتا اس لئے یہ توجیہ ضروری ہے۔

فدخل فيه الايمان و الوضوء

حنیفہ کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ ثواب لینے کے لئے وضو بھی داخل ہے۔

باب قول النبی ﷺ الدين النصيحة

یہاں باب کی اضافت ہے اس لئے بلاتنوین ہے نصیحت کے معنی ہیں کھوٹ سے خالی ہونا اور اللہ تعالیٰ کے لئے نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے نفس کے حق پر ترجیح دے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نصیحت یہ ہے کہ سنت کو سیکھے اور سکھائے ائمہ کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ان کے ذمہ جو کام ہے اس میں ان کی امداد کرے اور عامة المسلمین کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ان پر شفقت کرے پس نصیحت جامع ہے ایمان اور اسلام اور احسان کے لئے اور خلاصہ ہے پورے دین کا پس کتاب الایمان کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے ایمان کی بنیادی پانچ چیزیں بیان فرمائیں بنی الاسلام علی خمس اور اس کے فوراً بعد ایمان کے شعبوں کا اجمالی ذکر فرمایا باب امور الایمان میں پھر پوری کتاب الایمان میں ان امور ایمان اور شعب ایمان کی تفصیل بیان فرمائی پھر حدیث جبریل میں ایمان اور اسلام اور احسان کے عنوان سے ان سب شعبوں کا خلاصہ بیان فرمایا پھر نصیحت والے آخری باب میں ایمان اور اسلام اور احسان کا بھی خلاصہ ہے گویا شروع میں بھی امور ایمان میں خلاصہ تھا اخیر میں بھی خلاصہ ہے اس سے شروع اور اخیر میں پوری مناسبت ہوگئی یہی بلغاء کا طرز ہوتا ہے کہ اخیر کی شروع سے مناسبت ہو اور اخیر میں خلاصہ ہو کہ یاد رکھنا آسان ہو۔

والوقار والسكينة

وقار کا عطف اتقاء پر ہے ای علیکم بالوقار السکینة اور سکینة کا عطف تفسیری ہے۔

كتاب العلم

ای **كتاب فی بيان مايتعلق بالعلم كتاب العلم** کو سب اعمال پر مقدم اس لئے کیا کہ اس پر سب اعمال کا وجود موقوف ہے۔ سوال:۔ ایمان پر کیوں مقدم نہ کیا جواب:۔ ۱- ایمان اول واجب علی المکلف ہے۔ ۲- ایمان اعلی الاطلاق سب علوم واعمال سے افضل ہے۔ علم کی حقیقت مابہ الانکشاف ہے۔

باب فضل العلم

سوال اس باب میں حدیث کیوں نہ بیان فرمائی۔ ۱- آیتوں کو کافی سمجھا۔ ۲- خصوصی فضیلت کی حدیث ان کی شرط پر نہ تھی۔ ۳- اس کتاب کی تمام احادیث کچھ نہ کچھ فضیلت پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ اس لئے حدیث فضیلت کی نہ ذکر فرمائی **باب من سئل علما وسدالشیء** کے معنی ہیں چیز کو سر کے نیچے رکھ لیا اس میں استعارہ تصریحیہ ہے سپرد کرنے سے حدیث باب میں بھی اور باب میں بھی یہ تعلیم ہے کہ استاد طالب علم پر سختی نہ کرنی چاہئے چنانچہ درمیان میں سوال کرنے والے کو ڈانٹا نہیں صرف اعراض فرمایا یہی اظہار کراہت کے لئے کافی شمار فرمایا دوسرے یہ بھی تعلیم ہے سائل کو کہ وہ پہلے سائل کے سوال اور جواب کا حق نہ چھینے یہ بھی غرض ہے کہ پہلی بات کو پورا کر کے سائل کے سوال کا جواب دینا اس حدیث کی وعید میں داخل نہیں ہے **من كتم علما الجم بلجام**

من ناد کیونکہ وعید کا مصداق وہ بنے گا جو بالکل جواب نہ دے یا ضرورت کے وقت سے بھی جواب پیچھے کردے۔

باب من رفع صوته بالعلم

غرض۔۱۔ یہ جو حدیث پاک میں مرفوعاً وارد ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس بصخاب تو اس کے معنی یہ ہیں کہ لھو ولعب میں آپ چیخنے والے نہ تھے۔ علم میں ضرورت کے موقعہ میں آپ ﷺ آواز بلند فرما لیتے تھے۔۲۔علم میں آواز بلند کرنا اچھا ہے جبکہ منشاء تکبر نہ ہو پھر اس باب کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ گذشتہ باب میں سوال کا طریقہ تھا اور اس باب میں جواب کا طریقہ ہے کہ ازالہ غفلت یا کسی اور مصلحت سے جواب میں رفع صورت بھی مستحسن ہے۔ فجعلنا نمسح :۔ یعنی ہم جلدی کی وجہ سے ہلکا غسل کر رہے تھے جو مشابہ مسح کے تھا۔

باب قول المحدث حدثنا واخبرنا وانبانا

غرض ۱۔ ان تینوں کے معنی ایک ہیں یا نہ۔۲۔ اس قسم کے الفاظ مرفوعاً یا موقوفاً ثابت ہیں یا نہ اگر یہ دوسری غرض لی جائے تو پھر درمیان میں ابن عیینہ کا قول استطر ادا اور تبعاً بیان کیا ہے کیونکہ یہ قول امام بخاری اور ائمہ اربعہ کے نزدیک راجح ہے اس کے برخلاف بعض نے فرق کیا کہ استاد حدیث سنائے تو حدثنا آگے بتاتے وقت کہنا چاہئے اور شاگرد نے سنائی تھی تو آگے پڑھاتے وقت اخبرنا کہنا چاہئے اور اگر صرف مشافھۃً اجازت ہی دے دی تھی تو انبانا یا نبانا کہنا چاہئے پھر یہاں باب میں قول المحدث سے اصطلاحی محدث مراد نہیں کہ جو حدیث پڑھانے میں مشغول رہتا ہو بلکہ کوئی ایک حدیث سنانے والا مراد ہے۔ قال ابن مسعود سے ابن عیینہ کے قول کی تائید ہے کہ صحابہ کبھی حدثنا فرماتے کبھی سمعت یہ سب برابر ہیں۔

فوائد الحدیث:۔ ۱۔ تلامذہ کا امتحان لینا مستحسن ہے۔۲۔ بڑوں کا احترام کرنا اور ان کے سامنے نہ بولنا مستحسن ہے۔۳۔ جب تک کوئی ضروری مصلحت فوت نہ ہو شرم وحیاء پر عمل مستحسن ہے جیسا کہ ابن عمر نے کیا۔۴۔ اگر مصلحت فوت ہوتی ہو تو شرم چھوڑنی بہتر ہے جیسا کہ حضرت عمر کی رائے تھی۔۵۔لغز اور پہیلی ذکر کرنا جائز ہے پھر اس کو بیان کردے اور یہ جو ابوداؤد میں حضرت معاویہ سے مرفوعاً آیا تھا عن الاغلوطات اس کے معنی ہیں تنگ کرنے یا عاجزی ظاہر کرنے کیلئے یا شرمندہ کرنے کے لئے ایسی باتیں نہ کرے۔۶۔ وضاحت کے لئے ضرب المثل کا ذکر بھی مستحسن ہے۔۷۔تشبیہ سب صفات میں نہیں ہوتی۔۸۔کبھی چھوٹی عمر کا آدمی ایسی بات سمجھ جاتا ہے جو بڑی عمر کا نہیں سمجھتا ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ ۹۔ اس حدیث میں کچھ اشارہ ایک دوسری حدیث کے مضمون کی طرف بھی ہے کہ کھجور کا درخت ہماری پھوپھی ہے کیونکہ یہ اس مٹی سے بنی ہے جو آدم علیہ السلام کا قالب بنائے سے بچ گئی تھی یہ حدیث مرفوع ہے لیکن سند کمزور ہے صرف کھجور کی فضیلت کا درجہ میں لینے کی گنجائش ہے کیونکہ فضائل میں کمزور روایت لینے کی گنجائش ہوتی ہے۔ باب طرح الامام المسئلة:۔ اس باب میں اضافت مناسب ہے اور اس باب کے مضامین کی تفصیل گذشتہ باب میں گزر گئی۔ باب القراء ة والعرض علی المحدث ھھنا نمافتة الباب الی ما بعد:۔غرض ۱۔ دو چیزوں کا جواز بیان کرنا ۱۔ احفظا قراء ة کسی حدیث کی کسی عالم پر کرنا۔ لکھی ہوئی حدیث کو کسی عالم پر پیش کرنا وہ پڑھ کر اجازت کے ساتھ واپس کردے علی المحدث کا تعلق قراۃ اور عرض دونوں کے ساتھ ہے من قبیل تنازع العاملین۔۲۔ عطف تفسیری اور مقصد اس قائل کا رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ عرض علی الشیخ صحیح نہیں ہے سماع من الشیخ ہی ضروری ہے ربط ماقبل سے یہ ہے کہ ایک باب چھوڑ کر پیچھے سماع من الشیخ کا ذکر تھا یہ اس کا تتمہ ہے کہ عرض علی الشیخ بھی صحیح نہیں ہے پھر راجح عطف تفسیری والی توجیہ ہے اس لئے کہ نوع ثانی اگلے باب میں آرہی ہے واحتج مالک بالصک صک اس لکھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جس میں مقر نے اپنا اقرار لکھا ہو پھر یقرأ علی المقری میں قرآن پاک پر حدیث کو قیاس فرمایا قال وسمعت اباعاصم ای قال البخاری و سمعت باعاصم

فقال اللھم نعم:۔ لفظ اللّٰھم تین طرح استعمال میں آتا ہے۔ ۱- اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے لئے ۲- کسی چیز کے نادر ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اللّٰھم الا ان یکون کذا یعنی اللہ آپ ہی اس عجیب چیز کے خالق ہیں اس میں ضعیف توجیہ بھی آجاتی ہے کیونکہ وہ نادر اور عجیب اور قلیل الوقوع ہوتی ہے۔ ۳- تاکید کے لئے اور اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانے کے لئے یعنی اللھم اشھد یہاں ہی تیسری قسم ہے۔ **بین ظھر انیھم:**۔ ظہرانی کا لفظ مقحم اور زائد استعمال ہوتا ہے ای بینھم پھر ظہرین تھا درمیان میں الف نون زائد ہے جیسے نفس کی طرف نسبت کریں تو نفسی کی جگہ نفسانی کہتے ہیں گویا ایک آدمی کی پشت اس کے ایک طرف تھی اور دوسرے آدمی کی پشت دوسری طرف تھی اس بنا پر تثنیہ ہے حاصل معنی بینھم ہی ہیں۔

قدا جبتک:۔ ملزوم بول کر لازم مراد ہے یعنی سمعتک اور یہ طرز استغناء کا ہے اس طرز سے مقصود اس کو تنبیہ کرنی تھی بے ادبی پر۔ اس نے کئی لحاظ سے بے ادبی کی تھی۔ ۱- مسجد میں اونٹ باندھا ۲- ایکم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا ۳- ابن عبدالمطلب کہہ کر خطاب کیا۔

مسائل مستنبطہ:۔ ۱- ایمان تقلیدی صحیح ہے جیسے ضمام بن ثعلبہ تقلیداً ایمان لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا۔ ۲- خبر واحد معتبر ہے کیونکہ حضرت ضمام نے قوم کو خبر دینے کا ذکر کیا کہ میں قوم کی طرف سے ایلچی ہوں اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا۔ ۳- بعض نے استنباط فرمایا کہ اونٹ کا بول اور مینگنیاں پاک ہیں کیونکہ اس شخص نے مسجد میں اونٹ کو بٹھایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا لیکن یہ استنباط صحیح نہیں کیونکہ مراد یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ والی جگہ جو مسجد کے تابع ہوتی ہے اس میں بٹھایا تھا جیسے وضو کی جگہ اور بیت الخلاء مسجد کے تابع ہوتی ہیں۔ ۴- اپنے سے بڑے کا نام لے کر پکارنا بھی جائز ہے البتہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں منسوخ ہے لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً ۵- لوگوں کے درمیان بھی تکیہ لگا کر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ ۶- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں کمال تواضع تھی کہ بلا تکلف صحابہ کے درمیان تشریف فرماتے' ضرورت کی وجہ سے کسی شخص کو سفید یا سرخ یا کسی اور مدح کے کلمہ سے ذکر کرنا جائز ہے یہاں بھی ضرور پہچان کرانے کی تھی۔ ۸- ضرورت کی بناء پر کسی سے قسم لینا جائز ہے جیسے اس واقعہ میں ضمام نے لی یقین حاصل کرنے کے لئے۔ ۹- دادے کی طرف سے بھی نسبت جائز ہے جیسے یہاں ابن عبدالمطلب وارد ہے۔ ۱۰- نسبت اور سند کا عالی بنانا مستحسن ہے کیونکہ یہ سب باتیں حضرت ضمام کو پہلے بواسطہ پہنچ چکی تھی اب سند کو عالی کرنے کے لئے بلا واسطہ معلوم کیں جیسا کہ ان باتوں کے پہنچے ہوئے ہونے کا صراحۃ ذکر بھی اسی واقعہ کی روایت میں موجود ہے۔

باب مایذکر فی المناولتہ

باب کی اضافت ہے مابعد کی طرف اور غرض اصطلاحی مناولہ اور مکاتبہ کا ثابت کرنا ہے اور یہ ربط یہ ہے کہ حدیث حاصل کرنے کی جب دو صورتیں بیان فرما چکے سماع من الشیخ اور قرأۃ علی الشیخ تو اب دو صورتیں اور بتانا چاہتے ہیں مناولہ اور مکاتبہ سوال:۔ اجازت اور اعلام اور وجادہ کو کیوں بیان نہ فرمایا جواب یہ ان کے نزدیک صحیح نہیں ہیں پھر بعض نے مناولہ کو مکاتبہ پر ترجیح دی کہ مناولہ میں حاضر ہونا ضروری ہے مکاتبہ میں لکھی ہوئی چیز پہنچا دی جاتی ہے۔ اور بعض نے مکاتبہ کو ترجیح دی ہے کیونکہ استاد نے خاص اس شخص کے لئے لکھی ہوئی چیز تیار کی ہے پھر جو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ان میں صرف مکاتبہ کی صورت ہے اور مناولہ کی صورت بطریق اولی دلالتہ النص سے ثابت ہو جائے گی نسخ عثمان المصاحف: حضرت عثمان نے غیر لغت قریش چھوڑ دی اور سب صحابہ نے ان کی تقلید کی اس سے تقلید شخصی ثابت ہوگئی۔

احتج بعض اھل الحجاز

اس سے مراد امام بخاری کے استاد حمیدی ہیں اس حدیث کو ابن اسحاق نے اپنے مغازی میں مرسلاً اور امام طبرانی نے اپنی

تفسیر میں مسنداً بیان فرمایا ہے اس میں مناولہ کا اثبات صراحۃً ہے اور مکاتبہ کا ضمناً ہے حجاز کا مصداق مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور یمامہ اور ان کے آس پاس کی بستیاں ہیں جیسے خیبر مدینہ منورہ کے پاس بستی تھی اور طائف مکہ مکرمہ کے پاس بستی تھی اس واقعہ میں حضرت عبداللہ بن جحش کو آٹھ آدمیوں پر امیر بنا کر خط دیا تھا اور فرمایا تھا کہ دو دن چل کر پڑھنا دو دن چل کر جب پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا مکہ اور طائف کے درمیان کھجور کے باغ تک جاؤ اور قریش کے قافلہ کا حال معلوم کرو انہوں نے ۳۰ جمادی الاخری ۲ھ کو ایک شخص عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا اور دو کو قید کر لیا۔ یہ پہلی غنیمت اور پہلا قتل کافر تھا بعد میں لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید پہلی رجب ہو گئی تھی تو قریش نے اعتراض کر دیا کہ انہوں نے اشہر حرم کو حلال قرار دے دیا تو آیت نازل ہوئی **یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه آلاية باب من قعد حيث ينتهى به المجلس**: غرض اور ربط۔ ا- پیچھے مناولہ کا ذکر تھا اور وہ مجلس میں پائی جاتی ہے اس لئے اب مجلس کے بعض آداب بیان فرماتے ہیں. ۲-اب تک استاد کی صفات بیان فرمائی تھیں اب طالب کی صفات بیان فرماتے ہیں پھر حدیث میں حلقہ کا ذکر تھا اور باب میں مجلس کا ذکر فرمایا ہے اس میں امام بخاری نے یہ اشارہ فرما دیا کہ مجلس اور حلقہ کا ایک ہی حکم ہے پہلے دو شخص جن کا حدیث میں ذکر ہے ان میں سے کسی ایک کی فضیلت دوسرے پر بیان فرمانی مقصود نہیں ہے بلکہ صرف جزاء کا عمل کے مطابق ہونا بیان فرمانا مقصود ہے کہ پہلے شخص نے دینی مجلس میں ٹھکانا بنایا اللہ تعالیٰ اس کا اچھا ٹھکانا بنائیں گے دوسرے نے شرم کا لحاظ کیا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے سے شرم فرمائیں گے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم رب مبلغ ادعی من سامع

ادعیٰ کے معنی افہم کے ہیں غرض۔ ا۔ استدلال کرنا مقصود ہے اس پر کہ محدث غیر فقیہ سے بھی حدیث یعنی صحیح ہے جبکہ عادل وضابط ہو۔ ۲۔ حدیث کو آگے ضرور پہنچانا چاہیے شاید کہ سننے والا اس سے افقہ ہو۔ امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں کہ الفقہاء ھم اعرف لمعانی الحدیث انتہی اور نسبت فقیہ کی محدث کی طرف ایسی ہے جیسی نسبت مفسر کی حافظ کی طرف ہے احتیاج سب کی طرف ثابت ہے۔

مسائل مستنبطة ا۔ عالم پر علم آگے پہنچانا ضروری ہے **واذاخذ الله ميثاق الذين اوتو الكتاب لتبيننهٗ للناس ولاتكتمونه** ۲۔ بعض اوقات متاخر متقدم سے فقہ میں بڑھ جاتا ہے۔ ۳۔ غیر عالم حافظ عادل سے حدیث لینی جائز ہے۔ ۴۔ جو غیر عالم حافظ عادل ہو وہ علماء کی طرح محل مواخذہ بنے گا کہ حدیث آگے کیوں نہ پہنچائی۔ ۵۔ حدیث مرفوع میں ہے **لاتتخذوا ظهور الدواب مجالس** لیکن اس سے ضرورت کا موقعہ مستثنیٰ ہے۔ ۶۔ خطبہ اونچی جگہ دینا اولیٰ ہے۔ ۷۔ مال اور خون اور عزت حرام ہونے میں برابر ہیں۔ ۸۔ حرمت میں نظیر بیان کرنا مستحسن ہے جیسے مال کی نظیر بلد کو ذکر فرمایا۔

باب العلم قبل القول والعمل

غرض علم کو تقدم ذاتی حاصل ہے کہ محتاج الیہ ہے اس لیے اس کو تقدم شرفی بھی ملنا چاہیے کہ احترام کیا جائے اور تقدم وضعی بھی ملنا چاہیے کہ اس کا ذکر پہلے ہو۔ پس علم کی ترغیب بلیغ ثابت ہوتی اور علم سے مراد علم شرعی ہے اور علم کے فضائل میں سے ہے کہ اس سے نیکی کا شوق اور گناہ سے ڈر پیدا ہوتا ہے۔

وان العلماء هم ورثة الانبياء

وراثت میت سے اقرب کی طرف منتقل ہوتی ہے اور علماء انبیاء علیہم السلام کی طرف شرافت میں اقرب ہیں کیونکہ وہ ان کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کی وضاحت کرتے ہیں اور آگے پہنچاتے ہیں اس لئے وہ ان کے نائب اور وارث اور بدل ہیں۔

من اخذہ اخذبحظ وافر

یعنی دنیااور آخرت میں کامیاب ہوتا ہے۔۲۔وہ تھوڑا علم نہیں پاتا بلکہ زیادہ پاتا ہے یہ گذشتہ دونوں جملےاور آگے آنے والا جملہ ترمذی کی مسند حدیث میں ہیں اور امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے ترجمۃ الباب میں لے آئے۔یطلب بہ علماً:۔یہ تنوین تنکیر کے لیے ہے اس لئے دین کے کسی شعبہ میں سے کچھ لے لینا نجات من النار اور دخول جنت کا ذریعہ ہے اس لیے قرآن پاک پڑھانے والا حدیث وغیرہ پڑھانے والے کو دیکھ کر نہ حسرت وافسوس کرے نہ حسد کرے پھر سھل اللہ لہ طریقاً الی الجنتہ فرمایا یہ نہ فرمایا یدخلہ الجنۃ اس میں یہ اشارہ فرمادیا کہ صرف علم کافی نہیں اس پرعمل کرے پھر حق تعالیٰ کے فضل سے دخول جنت کی امید رکھے۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

قال الشیخ التھانوی یہ حصر ایسا ہے جیسے اس حدیث میں ہے لا صلوۃ الابطھور ۔طہور شرط صلوۃ ہے یہ نہیں کہ طہور سے نماز ادا ہوجاتی ہے ایسے یہ علم شرط خشیت ہے یہ نہیں کہ جو عالم بنا اس میں خشیت ضرور آہی جائے گی وقال الشیخ الانور علماء سے مراد علماء آخرت ہیں ان کو خشیت لازم ہے یعنی جو صحیح معنی میں طلب آخرت کی نیت کے ساتھ علم حاصل کرتے ہیں ان کو خشیت کی دولت ضرور نصیب ہوجاتی ہے۔

انما العلم بالتعلم :۔۱۔صرف کتب کے مطالعہ سے علم نہیں آتا بلکہ اساتذہ سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔۲۔علم کا باقی رہنا پڑھنے پڑھانے سے ہے۔**الصمصامۃ**:کاٹنے والی تلوار کونوار بانیین الف نون مبالغہ کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اتنا تعلق ہے کہ گویا غیر اللہ سے تعلق ہے ہی نہیں یاء نسبت کے لیے ہے۔۲۔وہ علم کی تربیت کرتے ہیں اور اس کو قائم ودوائم رکھتے ہیں۔

باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ

:۔یعنی وقفہ سے وعظ ونصیحت کرتے تھے کہ اکتا نہ جائیں خائل نگران کو کہتے ہیں مناسبت ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے علم کا ذکر تھا اب تعہد بالعلم اور علم کی نگرانی کا ذکر ہے آداب میں سے یہ بھی ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ اور یہ بھی ہے فقولا قولا لینا۔

باب من جعل لا ھل العلم ایا مامعلومتہ

مقصد یہ ہے کہ یہ بدعت میں داخل نہیں ہے کیونکہ تعیین اصل مقصود نہیں ہے بلکہ آسانی کے لئے ہے۔

باب من یرداللہ بہ خیر ایفقہ فی الدین

غرض یہ ہے کہ فقہ بہت شرافت والی چیز ہے اور فقہ کے معنیٰ علم دقیق کے ہوتے ہیں کہ ظاہر الفاظ پر کوتاہی نہ کرے حدیث پاک میں ہے رُبَّ حامل فقہ لیس بفقیہ معلوم ہوا صرف الفاظ یاد کرنا فقہ نہیں ہے۔ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے وعظ کا ذکر تھا اور اس کا اہل فقیہ ہوتا ہے اس لئے آگے اب فقیہ کی مدح فرماتے ہیں۔

انما انا قاسم واللہ یعطی!

کہ میں مالک نہیں ہوں مالک اللہ تعالیٰ ہیں جو اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں میں تقسیم کردیتا ہوں پھر ہر ایک اپنی خداداد فقہ کے مطابق سمجھتا ہے۔

لن تزال ھذہ الامۃ قائمۃ علی امر اللہ

اس امۃ سے مراد علماء دین میں مجتہد یا مفتی معنی یہ ہیں کہ حق اُن سے تجاوز نہ کریگا پس ثابت ہوا کہ۔۱۔اجماع حجت ہے۔۲۔ہر زمانہ میں مجتہد یا مفتی موجود رہیں گے۔ ۱- عالم کی غیر عالم پر فضیلت ظاہر ہوئی۔۴- فقہ کی فضیلت دوسرے علوم پر ثابت ہوئی۔۵- اخبار بالغیب کا معجزہ ظاہر ہوا۔

باب الفھم فی العلم

غرض ۱- فھم میں فرق ہوتا ہے۔صرف روایت نقل کرنا بلافہم کافی نہیں ہے۔ماقبل سے ربط ۱- پیچھے فضیلت تھی فقہ وفہم کی اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اب فہم کے مراتب بیان فرماتے ہیں کہ کم زیادہ فہم پائی جاتی ہے۔۲- پیچھے خاص تھی فقہ یعنی دینی کا

فہم اب عام ہے مطلق فہم۔۳- پیچھے فقہ کا ذکر تھا اب اس سے اونچی چیز تفہیم الٰہی کا ذکر ہے۔ ففھمنا ھا سلیمان۔

الی الجمار:۔ کھجور کے خوشہ کے درمیان سفید مغز جو کھایا بھی جاتا ہے۔

باب الاغتباط فی العلم

عرض ا- علم کا شوق دلانا۔۲- حدیث میں جو جمار کا لفظ آیا ہے وہ غبطہ کے معنی میں ہے۔ ربط پیچھے فہم کا ذکر تھا اب غبطہ ہے کیونکہ جتنی فہم بڑھتی ہے غبطہ بڑھتی ہے پھر حدیث پاک میں دو سخاوتیں ہیں علم کی سخاوت اور مال کی سخاوت پہلی کا درجہ اونچا ہے۔

تفقھوا قبل ان تسودوا

یعنی سردار بنائے جانے سے اور قاضی وغیرہ بنائے جانے سے پہلے فقہ حاصل کرلو معلوم ہوا فقہ کا دنیا کا فائدہ بھی اور دین کا فائدہ بھی ہے لیکن اصل نیت دین کی ہونی چاہئے ورنہ ثواب نہ ملے گا۔ بہر حال ترقی کا سبب ہے اس لئے غبطہ والے باب کے مناسب ہوگا یہ قول پھر اس قول کا تتمہ امام بخاری بیان فرماتے ہیں کہ قاضی وغیرہ بننے کے بعد بھی اگر ضرورت ہو تو علمی ترقی میں شرم نہ کرنی چاہئے۔

باب ماذکر فی ذھاب موسیٰ علیه السلام فی البحر الی الخضر

غرض ا- طلب علم میں سفر وغیرہ کی مشقت برداشت کرنی چاہئے۔۲- سرداری کے بعد بھی طلب کے لئے سفر مستحسن ہے اس سے ماقبل سے ربط بھی ظاہر ہوگیا کیونکہ پیچھے یہ تھا کہ سرداری کے بعد بھی طلب علم سے شرم نہ کرنی چاہئے۔۳- آداب استاذ بھی بیان کرنے مقصود ہیں۔ ایک ربط تو ضمناً آ گیا دوسرا ربط یہ ہے کہ پیچھے غبطہ کا ذکر تھا اس واقعہ سے اس غبطہ کی تاکید ہوتی ہے۔

ھل اتبعک علی ان تعلمن مماعلمت رشدا

موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی رعایت فرمائی انہوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی رعایت فرمائی کیونکہ فرمایا انت علی علم من اللہ تعالیٰ علمکم اللہ تعالیٰ لا اعلمہ۔ فوائد حدیث:۔ قرآن وحدیث خضر علیہ السلام کی موت سے ساکت ہیں۔ اہل ظاہر نے ظاہری حالات کی بنا پر موت کو اختیار کیا ہے اور اہل کشف نے حیٰوۃ کا قول لیا ہے۔ مسئلہ کشفیہ ہے اس لئے اہل کشف کے قول کو ترجیح ہے۔۲- اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ مطلقاً اعلمیت کی نفی مناسب نہ تھی یوں فرماتے شرعی مسائل کے جاننے میں کوئی مجھ سے بڑھا ہوا نہیں ہے۔۳- علوم تکوینیہ کا سیکھنا مقصود نہ تھا اسی لئے صرف نمونہ دکھایا گیا۔۴- مچھلی کو علامت مقرر کرنا اسی لئے تھا کہ اپنے علم کی کمی پر تنبہ ہو۔۵- نسیان ہونا بھی تنبیہ اور علامت تھی علم کی کمی کی۔۶- قرآن پاک میں اس واقعہ کا ذکر یہ بتلانے کے لئے ہے کہ علم تکوینی شرائط نبوت میں سے نہیں ہے۔۷- ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کی تمنا مذکور ہے کہ کاش کہ موسیٰ علیہ السلام صبر فرماتے تو ہمیں اللہ تعالیٰ ان کا کچھ اور واقعہ سناتے اس سے معلوم ہوا کہ نبی غیب کی خبریں صرف اتنی ہی جانتے ہیں جتنی ان کو بتلا دی جاتی ہیں اس لحاظ سے یہ حدیث جبریل علیہ السلام کا تتمہ ہوگئی جس میں ہے فی خمس لا یعلمھن الا اللہ۔ مسائل مستنبطہ:۔ا- جب ہر ایک کا مقصود اظہار حق ہو تو مناظرہ فرعی مسائل میں بھی جائز ہے جیسے ابن عباس اور حر بن قیس میں ہوا۔۲- مناظرہ اور اختلاف میں فیصلہ کے لئے تیسرے عالم کی طرف رجوع مستحسن ہے جیسے ان دونوں حضرات نے حضرت ابی بن کعب کی طرف رجوع فرمایا۔۳- علم کثیر کے بعد بھی ترقی فی العلم طلب کرنی مستحسن ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔۴- تواضع میں زیادہ احتیاط ہونی چاہئے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ کی گئی۔۵- زاد کا ساتھ لے جانا زہد کے خلاف نہیں۔۶- تلمیذ کو استخدام کے لئے اس کی رضا سے لے جانا جائز ہے۔۷- علم کی خاطر برو بحر کا سفر مستحسن ہے۔۸ خبر واحد جبکہ عادل وضابط کی ہو وہ معتبر ہے جیسا کہ خضر علیہ السلام کی خبریں موسیٰ علیہ السلام نے مان لیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم علمہ الکتاب

غرض یہ ہے کہ علم ایسی نعمت ہے کہ دعا سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے اپنی محنت یا فہم پر بھروسہ نہ کرے۔

ضمنی:۔ یہ حدیث صوفیہ کے ضم کی اصل ہے ایصال فیوض کے لئے۔ اسی ضم اور دعا کی برکت سے ابن عباس اکابر صحابہ کے بھی استاد ہے اور فقہ شافعی و حنبلی کے مدار بنے جیسے ابن مسعود علی فقہ حنفی کے اور ابن عمر فقہ مالکی کے مدار بنے۔

مسائلمستنبطه:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت بہت زیادہ ہے۔۲علم کا مقام بہت اونچا ہے اسی لئے تو اس کی دعا فرمائی۔۳- ہمیں علمی ترقی کے لئے بہت دعا کرنی چاہئے۔۴- معانقہ میں تین اہم قول ہیں۔۱- مکروہ تنزیہی ۲- بلاقمیص ناجائز مع القمیص جائز ۳- فتنہ کا اندیشہ ہو تو ناجائز ورنہ جائز یہ تیسرا راجح ہے۔

باب متیٰ یصح سماع الصغیر

غرض یہ ہے کہ بلوغ شرط نہیں ہے اور نابالغ کی بھی کوئی عمر شرط نہیں ہے جیسا کہ دونوں حدیثوں کے ملانے سے نکل رہا ہے صرف سمجھدار ہونا شرط ہے پھر لفظ سماع بول کر مطلقاً تحمل اور علم واقعہ مراد ہے خواہ تعلق سننے سے ہو یا دیکھنے سے یا کسی اور چیز سے پھر اس باب کی دوسری حدیث یہ نکلا کہ اکابر سے برکت حاصل کرنا مستحسن ہے۔

باب الخروج فی طلب العلم

سوال: اسی مضمون کا باب پیچھے عنقریب گزرا ہے یہ تو تکرار ہے۔

جواب:۱- پہلے سمندر کا سفر تھا اب عام ہے ۲- پہلے سیادۃ کے بعد سفر مراد تھا اب عام ۳- پہلے سفر نبی تھا اب عام چنانچہ زیر بحث باب میں پہلی حدیث تعلیق ہے جس میں حضرت جابر بن عبداللہ کا سفر مذکور ہے جو نبی نہ تھے پھر حضرت جابر کے اس سفر میں راجح یہی ہے کہ یہ وہی سفر ہے جس کی حدیث کتاب الرد علی الجھمیہ میں جابر بن عبداللہ عن عبداللہ بن انیس ہے۔

باب فضل من علم و علم

اجادب جمع ہے جدب کی علی خلاف قیاس یعنی وہ قحطوں والی زمین جیسی ہو جیسے محاسن جمع حسن کی آتی ہے خلاف قیاس یا جمع ہے جدیب کی یعنی قحط والی زمین مراد سخت زمین ہے جس میں پانی جذب نہ ہو بلکہ پانی جمع ہو جائے اور جھیل بن جائے۔ پھر حدیث میں تقسیم ثلاثی یعنی تین قسموں والی مانی جائے تو اس میں چار اہم قول ہیں۔

قول اول:۔۱- خود بھی علم سے نفع اٹھائے یعنی عمل کرے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائے یعنی تعلیم دے۔۲- احادیث یاد کرلیں خود تو عمل نہ کیا لیکن فقہا نے اس سے حدیثیں معلوم کر کے عمل کیا۔ ۳- علم کی طرف توجہ نہ کی۔**قول ثانی:۔**۱- وہ عالم جس میں تدریس اور فتویٰ کی استعداد ہے۔۲- عالم ہے لیکن فتوی اور تدریس میں سے کسی کی استعداد نہیں صرف وعظ و نصیحت کر لیتا ہے۔۳- غیر عالم

قول ثالث:۔۱- الفائق علی الاقران فی کل علم دینی ۲- معمولی فائدہ علمیہ پہنچانے والا مختلف علموں میں۔۳- اعراض کرنے والا قول رابع' مجتہدون' محدثون و حفاظ' منکرون اور اگر تقسیم ثنائی یعنی پہلی دو قسموں والی مانی جائے اور زمین کی دو قسموں سے انسان کی ایک قسم مراد ہی لی جائے گی۔ تو پھر تین اہم قول ہیں۔ قول اول منتفع بہٖ ۲- غیر منتفع بہٖ' قول ثانی۔۱- عالی ۲- غالی' **قول ثالث:۔**۱- عالم ۲- جاہل'

مسائل مستنبطه:۱- جیسے زمین کی استعداد اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمانے سے ہوتی ہے ایسے ہی انسانوں کی استعداد بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** اچھی استعداد پر تکبر نہ کرے۔۲- جیسے بارش سے زمین کی استعداد ظاہر ہوتی ہے ایسے ہی علوم وحی سے استفادہ کرنے سے انسانی استعداد چمکتی ہے۔۳- فقیہ اور عالم کہلانے کے قابل وہی ہوتا ہے جو علم حاصل کرے اور اس پر عمل بھی کرے جیسے زمین پانی حاصل کرے اور پودے اگائے۔**قال اسحاق و کان منھا طائفۃ قیلت الماء:۔**۱- یہ اسحاق کی طرف سے تصحیف ہے کہ انہوں

نے قبلت کو قیلت بنادیا۔۲۔قیلت یا مشددہ کے ساتھ بھی صحیح ہے قیل کے معنی ہیں دو پہر کو پانی پیا۔۳۔قیلت جمعت کے معنی میں ہے۔۴۔اکثر نسخوں میں قبلت یاء موحدہ کے ساتھ ہے تو اس عبارت سے مقصود صرف یہ ہے کہ نقیہ کی جگہ طائفۃ ہے پھر اسحاق کی تعیین نہیں کی اس لئے یہ عبارت ان مشکل مقامات میں داخل ہوگئی جن میں راوی میں اشتباہ ہو جائے پھر راجح یہاں یہ ہے کہ اسحاق بن راھویہ مراد ہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

قاع یعلوہ الماء:۔یعنی قیعان جمع قاع کی ہے جس کے معنی چٹیل میدان کے ہیں کہ پانی اوپر سے گزر جائے نہ پیداوار ہو نہ جھیل بنے۔ **الصفصف المستوی من الارض**:۔۱۔ایک تو یہی معنی ہیں جو کردیئے۔۲۔پہاڑ کا کنارہ صفصف کی تفسیر تبعا کی کیونکہ قرآن پاک میں قاعاً صفصفا آیا ہے یہ ان کی عادت ہے بعض دفعہ زائد فائدے کے طور پر قرآن پاک کے الفاظ مبارک کی بھی ساتھ ساتھ تفسیر فرمادیتے ہیں جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ **باب رفع العلم**:۔غرض ترغیب علم ہے تاکہ علم رہے اور جہل نہ آئے جو مصیبت ہے اور علامات قیامت میں سے بھی ہے۔ **ان یضیع نفسہ**:۔علم کو نہ پڑھانا یا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے یعنی ثواب عظیم سے محروم کرنا ہے۔ **باب فضل العلم**:۔سوال: کتاب العلم کے شروع میں بھی باب فضل العلم تھا تو یہ تکرار ہوا۔جواب۔۱۔پہلے فضیلت اور کثرت ثواب کا ذکر مقصود تھا اب علمی ترقی کو بیان کرنا مقصود ہے۔۲۔پیچھے علم والوں کی فضیلت تھی اب علم کی فضیلت ہے۔۳۔تکرار میں یہ نکتہ ہے کہ یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ علم بار بار خرچ کرنے سے بھی ختم نہیں ہوتا مال ختم ہو جاتا ہے اس لئے علم کا ذکر بھی بار بار ہونا چاہیے۔۴۔پہلے علم کی فضیلت تھی اب یہ ہے کہ علم کے ذریعے جیسے کتاب اور استاد جب ان سے فائدہ پورا لے لے تو اب دوسروں کو دے دے یعنی زائد کتابیں تقسیم کردے اور استاد سے اوروں کو نفع اٹھانے کا موقعہ دے خود ہی اس کو اپنی طرف مشغول نہ رکھے۔

باب الفتیا وھو واقف علی الدابۃ و غیرھا

یعنی ایسا کرنا بھی جائز ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ اطمینان سے بیٹھ کر اور ضرورت ہو تو دوسرے علماء سے مشورہ کر کے فتویٰ دے سوال اس باب کی حدیث میں دابہ کا ذکر نہیں۔جواب۔اسی واقعہ کی دوسری روایات میں ہے باب کا عنوان ان دوسری روایات کے الفاظ پر مبنی ہے اور امام بخاری ایسا کرتے رہتے ہیں کہ غیر مذکورہ الفاظ کا لحاظ فرماتے رہتے ہیں۔

باب من اجاب الفتیا باشارۃ الیدو الراس

غرض:۔۱۔ایسا کرنا جائز ہے اگرچہ احوط الفاظ ہیں۔
۲۔اشارہ اگرچہ قضاء میں کافی نہیں لیکن تعلیم میں کافی ہے۔

فحر فھا کانہ یرید القتل

ہاتھ سے ترچھا یعنی ٹیڑھا اشارہ کر کے قتل سمجھایا۔ **فقالت سبحان اللہ**:۔اللہ تعالیٰ تبدیلی سے پاک ہیں سورج میں آج گرہن لگا ہوا ہے اس میں تبدیلی آگئی اس لئے یہ اللہ نہیں ہوسکتا۔

مامن شی لم اکن اریتہٗ، الا رایتہٗ فی مقامی

۱۔پردے ہٹادئے گئے جیسے معراج کے بعد بیت المقدس کے درمیان کے پردے ہٹائے گئے تھے۔۲۔سامنے کی دیوار میں جنت اور جہنم کی تصویریں دکھائی گئیں۔ **ماعلمک** ۱۔شہرت کی وجہ سے ذہن منتقل ہو جائے گا۔۲۔روضہ اقدس تک کے درمیان کے پردے ہٹادیئے جائینگے۔۳۔تصویر دکھائی جائے گی۔۴۔فرشتے بعض ایسی صفات بیان کرینگے جن سے ذہن منتقل ہو جائے گا۔

ثلثا:۔۱۔اس کا تعلق صرف نام مبارک کے ساتھ ہے استلذاذاً تین دفعہ نام لے گا۔۲۔ساری بات تین دفعہ کہے گا۔

باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفد عبد القیس

غرض یہ ہے کہ استاد کو چاہیے کہ یاد کرنے اور آگے پہنچانے کا شوق دلائے۔ **مرحباً**:۔۱۔قوم فاعل ہے اور قوم پر باء زائد ہے اور

مرحباً مفعول بہ ہے قوم نے وسیع جگہ کو پالیا۔ عامل اصاب محذوف ہے اصاب قوم سعۃ۔ ۲۔ اتی القوم موضعاً واسعاً۔ یعنی مرحباً مفعول فیہ ہے اور محذوف لفظ اتی ہے۔ ۳۔ رحب اللہ قوماً مرحباً ای وسع اللہ تو سیعاً یعنی باء تعدیہ کے لئے ہے اور مرحباً فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ غیر خزایا:۔ یہ جمع ہے خزیان کی اور یہ حال ہے قوم سے اور اس کا عامل وہی ہے جو مرحباً کے لیے مقدر مانا گیا ہے۔ ولا ندامیٰ:۔ ندمان کی جمع ہے یا نادم کی جمع ہے علی خلاف القیاس۔ یعنی تم بلا قتال مسلمان ہو گئے ہو اس لئے تمہیں نہ ذلت اٹھانی پڑی نہ شرمندگی یہ بات ان کو مانوس کرنے کے لیے ارشاد فرمائی۔

والحنتم:۔ ۱۔ ہر چھوٹا گھڑا ۲۔ سبز رنگ کا چھوٹا گھڑا ۳۔ سرخ رنگ کا چھوٹا گھڑا ۴۔ خاص گھڑا جو چمڑے اور بالوں اور گارے سے بنایا جاتا تھا۔ پھر ان چار برتنوں کی ممانعت کی توجیہ۔ ۱۔ ان میں صرف مسکر کے استعمال سے ممانعت تھی۔ ۲۔ ان میں سکر جلدی آجاتا تھا اس لئے احتیاطاً ان کا استعمال منع کیا گیا۔ ۳۔ ان کا استعمال مشابہت تھی شرب خمر سے۔ ۴۔ ان میں شراب کا اثر باقی تھا جب ختم ہو گیا تو اجازت دے دی گئی۔ ۵۔ شراب سے نفرت دلانے کے لئے سختی کی گئی جب ترک خمر میں پختگی ہو گئی تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی گئی۔

باب الرحلة فی المسئله النازلة

سوال پیچھے بھی سفر للعلم کا ذکر آچکا ہے جواب وہ عام تھا یہ وقتی مسئلہ پیش آجانے کی وجہ سے ہے۔

باب التناد فی العلم

غرض یہ ہے کہ اگر روزانہ علم حاصل کرنے کا اہتمام نہ کر سکے تو باری باری ہی سہی اور ربط ما سبق سے یہ ہے کہ سفر اور تناوب دونوں علم کے حرص پر دلالت کرتے ہیں۔ روایت کے اخیر میں جو اللہ اکبر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انصاری کے طلاق سمجھ جانے سے تعجب کا اظہار فرمایا کہ صرف کسی مصلحت سے چند دنوں کے لیے الگ ہو جانا تو طلاق نہیں ہوتی۔

باب الغضب فی الموعظة

غرض یہ ہے کہ قضا تو غضب کی حالت میں کرنے سے منع فرمایا گیا ہے البتہ وعظ اور تعلیم میں غضب بعض دفعہ مقصد کے لیے معین ہوتا ہے اس لئے گنجائش ہے۔ پھر اس باب کی پہلی حدیث میں دونوں احتمال ہیں کہ حضرت معاذ کا واقعہ ہے۔ یا ابی بن کعب کا باب تخفیف الامام کی روایت سے ابی بن کعب کے واقعہ کی ترجیح ثابت ہوتی ہے اور اس باب کی دوسری روایت میں جو اونٹ نہ پکڑنے کا حکم ہے یہ اس زمانہ پر ہی محمول ہے آج کل لوگ اونٹ بھی چرا لیتے ہیں اس لئے پکڑ کر مالک تک پہنچا دینے چاہیں۔

فلما اکثر علیه غضب

۱۔ کیونکہ بعض دفعہ سوال مسلمانوں پر کسی چیز کے حرام ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ ۲۔ سوال قیامت کے متعلق تھے۔ ۳۔ بلا ضرورت تھے۔ ۴۔ نسب کے متعلق تھے حالانکہ بعثتِ انبیاء علیہم السلام کتاب وحکمت کی تعلیم کے لئے ہوتی ہے بیان نسب کے لیے نہیں ہوتی۔ ان توجیہات میں سے پہلی زیادہ راجح ہے کیونکہ دوسری روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

باب من برک علی رکتبیه

غرض استاذ کا ادب بیان کرنا ہے مناسبت ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے ترک ادب پر غضب کا ذکر تھا اب ادب کا طریقہ ذکر فرماتے ہیں۔

باب من اعاد الحدیث ثلثا

غرض ۱۔ جب تکرار کی حاجت ہو تو ایک بات کا اعادہ بھی جائز ہے۔ حاجت کی صورت کبھی تو یہ ہوتی ہے کہ کسی بات کو مبالغہ کے ساتھ سمجھانا مقصود ہوتا ہے کبھی کسی چیز سے مبالغہ سے روکنا مقصود ہوتا ہے کبھی خیال ہوتا ہے کہ مخاطب نے سنا نہیں کبھی خیال ہوتا ہے کہ مخاطب سمجھا نہیں اور اگر ایسی حاجت نہ ہو تو ایک دفعہ بات بتلا دینا ہی کافی ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ ۲۔ غرض امام بخاری کی اس شخص کا رد ہے جو اس کا قائل ہوا کہ سائل

کے پوچھنے پر بات نہ دہرانی چاہیے کیونکہ اس کا دوبارہ پوچھنا اس کی کم عقلی اور بلادت کی دلیل ہے۔

الا وقول الزور:۔ یہ مفصل ہے حدیث بخاری شریف میں کتاب الشہادۃ میں ہے کہ کبائر کو شمار فرماتے ہوئے مذکورہ الفاظ کا تکرار فرمایا۔ **سلم ثلثا:۔** ۱۔اجازت لینے کے لئے سلام استیذان ۲۔ ملاقات کے وقت۔ ۳۔ رخصت ہوتے وقت یا کبھی بڑی جماعت پر سے گزرتے تو اس میں جماعت کے شروع حصہ میں پھر درمیانہ حصہ میں پھر اخیر حصہ میں سلام فرماتے یا تیسری توجیہ یہ ہے کہ اجازت لینے کے لیے تین دفعہ سلام کرتے تھے اگر کوئی جواب نہ ملے تو واپس تشریف لے جاتے تھے۔

باب تعلیم الرجل امته واهله

غرض اس تعلیم کی فضیلت کا بیان ہے۔ ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پہلے عام تعلیم کا ذکر تھا اب خاص بیوی بچوں اور لونڈی کو تعلیم دینے کا ذکر ہے۔ تخصیص بعد التعمیم ہے۔ اس کی تائید قرآن پاک سے یوں ہے قوا انفسکم واھلیکم نارا پر عطف اہل کا عطف عام علی الخاص ہے کیونکہ لونڈی بھی اہل میں داخل ہے پھر اس باب کی حدیث کے شروع میں جو رجل من اھل الکتاب ہے اس کی دو ترکیبیں ہیں ۔ ۱۔ یا اپنے معطوف سے مل کر ثلاثۃ کا بدل الکل ہے اور لھم اجران یہ ثلاثۃ کی خبر ہے۔ ۲۔ رجل خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ احدھا رجل پھر اہل کتاب کو دوہرا ثواب کیوں ملتا ہے اس لئے کہ وہ دو نبیوں پر ایمان لایا خواہ نبی کریم ﷺ کی وفات سے پہلے ایمان لائے یا بعد میں ایک ہی حکم ہے سوال۔ اولئک یوتون اجرھم مرتین حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی تھی وہ پہلے یہودی مذہب میں تھے ان کو دوہرا ثواب نہ ملنا چاہئے کیونکہ یہودی جب عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے تو انکا اپنا پہلا ایمان تو ضائع ہوگیا۔ اس کا ثواب انکو نہ ملنا چاہیے کیونکہ یہودی جب عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی اس لئے اہل عرب جو بنی اسرائیل سے خارج تھے ان کا ایمان جو موسیٰ علیہ السلام پر تھا وہ باقی رہا اس میں کوئی نقصان نہ آیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام بھی اہل عرب میں سے ہی تھے۔ ۲۔ بنی اسرائیل کے سوی باقیوں کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مان لیں ان کے مذہب اور عملی شریعت میں داخل ہونا صرف بنی اسرائیل کے لئے ضروری تھا باقیوں کے لئے ضروری نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام بھی اسی درجہ میں تھے۔ سوال پھر تو اہل کتب والے صحابہ اکابر صحابہ سے افضل ہوگئے جواب اکابر صحابہ اس سے مستثنیٰ تھے۔ صرف عام صحابہ سے اہل کتاب صحابہ کو دوگنا ثواب ملتا تھا پھر ایمان محرف کے متعلق دو قول ہیں۔ ۱۔ ایمان محرف والے اہل کتاب کو دوہرا ثواب نہیں صرف ایمان غیر محرف والے اہل کتاب کو دوہرا ثواب ہے۔ ۲۔ دونوں قسم کے اہل کتاب کو دوہرا ثواب ہے ایمان کی برکت سے تحریف کا گناہ معاف ہوگیا پھر دوہرے ثواب کی صورت میں دو قول ہیں چونکہ دو ایمان پائے گئے اس لئے دو ایمانوں کا ثواب مل جاتا ہے باقی اعمال عام مسلمانوں کی طرح ہیں ہر ہر عمل کا ثواب دوگنا ہے اور اس دوگنا ثواب کی اس تفصیل کا تعلق اس حدیث میں مذکور تینوں صورتوں کے ساتھ ہے پھر لونڈی آزاد کرنے والے کو کس بناء پر دوہرا ثواب ملتا ہے۔ ۱۔ ایک اعتاق کی وجہ سے اور دوسرا تزوج کی وجہ سے کیونکہ نکاح میں اس کی اپنی غرض بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے تابع ہے کیونکہ نکاح عبادت ہے۔ ۲۔ تعلیم و تربیت کی وجہ سے ایک ثواب کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا احیاء ہے اور آزاد کرنا اور نکاح کرنا یہ دوسرا ثواب کا کام ہے کیونکہ اپنے برابر بنا دینا یہ بھی ایک قسم احیاء ہے پھر ان تین کی خصوصیت اس لئے بھی ہے کہ یہ تینوں ضدین والے ہیں پہلا اہل کتاب میں سے بھی اور اب مسلمان بھی ہے ایسے ہی غلام آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے ایک کا

آقا بن جانا دوسرے کے آقا بن جانے کی ضد ہے۔ ایسے ہی تیسرے میں آزاد کرنا اور نکاح کرنا یہ بھی اپنے سے دور کرنا اور قریب کرنا ہے اس لئے ضدین ہیں پھر ان تین کے ذکر میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ اور کسی کو دوہرا ثواب نہیں ہے کیونکہ قرآن واحادیث میں ان کے علاوہ بھی دوہرے ثواب پانے والوں کا ذکر ہے۔ مثلاً ۱- ازواج مطہرات ۲- وضو پر وضو کرنے والا ۳- جو مشقت سے تلاوت کرتا ہو پڑھا نہ جاتا ہو پھر بھی مشقت سے پڑھتا ہو۔ ۴- مجتہد جبکہ ٹھیک اجتہاد کرے۔ ۵- جو اپنے قریبی رشتہ دار پر خیرات کرے۔ ۶- جو مسجد میں صف میں بائیں طرف کھڑا ہو جائے اور بائیں جانب کی کمی کو پورا کرنا مقصود ہو کہ وہ بہت کم نہ رہ جائے۔ ۷- مالدار جو شاکر بھی ہو۔ ۸- جو کوئی جائز اور اچھا طریقہ جاری کرے کہ اس کو دیکھ کر دوسرے بھی وہ اچھا کام کریں مثلاً چندہ پہلے دے۔ ۹- جو پہلے تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر وقت کے اندر پانی مل جائے تو دوبارہ استحباباً وضو کر کے بھی نماز پڑھ لے۔ ان سب کو بھی دوہرا ثواب ملنا منصوص ہے۔

باب عظة النساء

انجام یاد کرانے کو وعظ کہتے ہیں اس باب سے مقصود ایک شبہ کا ازالہ ہے کہ گذشتہ باب میں تعلیم اہل وعیال کا ذکر تھا شبہ ہوسکتا تھا کہ صرف اپنے اہل وعیال کو ہی تعلیم دینی مشروع ہے غیر کو نہیں اس کا ازالہ کر دیا کہ غیر عورتوں کو بھی تعلیم دینی چاہئے حالات کے مطابق۔

باب الحرص علی الحدیث

غرض اور ربط یہ کہ پہلے مطلق علم کی ترغیب تھی اب حدیث پاک پڑھنے اور پڑھانے کی ترغیب ہے تخصیص بعد التعمیم ہے اور حدیث کی خصوصی مدح اور اہمیت بیان فرمانی مقصود ہے اول منک یہ احد سے بدل ہے یا احد کی صفت ہے ان دونوں صورتوں میں مرفوع ہے یا پھر احد سے حال ہے اور منصوب ہے۔

باب کیف یقبض العلم

غرض شوق دلانا ہے کہ قبض علم سے پہلے علم حاصل کرلو ربط تعمیم بعد التخصیص ہے پھر یہ جو حدیث پاک میں آگیا کہ یہ علم علماء کے سینے سے نہ نکالا جائے گا بلکہ علماء کی وفات ہو جائے گی اس سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ظاہر ہوئی کہ حق تعالیٰ ان کو ذلیل نہ فرمائیں گے بلکہ عزت کے ساتھ دنیا سے لے جائیں گے پھر بعد والے ان کو یاد کرتے رہیں گے کہ ان کی وجہ سے علم تھا پھر اس باب کے اخیر میں قال الفربری ہے یہ شاگرد کی زیادتی ہے بطور تائید اور ایسا بخاری شریف میں بہت شاذ و نادر ہے۔

باب هل یجعل للنساء یوم علیحدة فی العلم

اس با کی غرض علم کی بہت زیادہ اہمیت کا بیان ہے کہ عورتیں جو چھپی رہتی ہیں ان کو بھی پہنچانے کا انتظام ہونا چاہئے۔ ربط یہ ہے کہ گذشتہ باب میں علماء کی اہمیت تھی اب علم کی اہمیت ہے۔

لم یبلغوا الحنث

حنث کے معنی گناہ کے ہیں گناہ کے وقت سے پہلے یعنی قبل البلوغ فوت ہوگئے۔

باب من سمع شیئاً فراجعه حتی یعرفه

غرض یہ کہ مراجعت ضرورت کے موقعہ میں مستحب ہے۔ مناسبت ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے عورتوں کی تعلیم کا ذکر تھا چونکہ ان کی سمجھ کم ہے اس لئے اب کم سمجھ ہونے کے تدارک کا ذکر ہے کہ بار بار پوچھنا چاہئے پھر اس آیت میں جو ممانعت ہے پوچھنے کی لاتسألوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤ کم یہ ممانعت ضد کے طور پر پوچھنے سے ہے۔

باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب

غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے علم کو سمجھنے کا ذکر تھا اب سمجھ کر آگے پہنچانے کا ذکر ہے۔

لاتعیذ عاصیا

کلمة حق ارید به الباطل کیونکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر عاصی نہ تھے بلکہ ان کے ہاتھ پر یزید سے پہلے بیعت کی گئی تھی۔

وکان محمد یقول صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ذلک

محمد سے مراد محمد بن سیرین ہیں پھر کان ذلک کی مختلف توجیہات ہیں۔۱-ان کے نزدیک لیبلغ الشاھد منکم الغائب میں لام کا فتحہ ہے اور یہ خبر ہے۔اسی خبر کے سچا ہونے کو ابن سیرین بیان فرمارہے ہیں کان ذلک ای وقع ذالک الخبر وقوعاً واضحاً۔۲-لیبلغ الشاھد منکم الغائب میں لام کا کسرہ ہے اور صیغہ امر کا خبر کے معنی میں ہے۔۳-حدیث کا تتمہ بیان کرنا مقصود ہے کان ذالک ہوگیا یہ یعنی میرے حکم پر گویا کہ عمل ہو ہی گیا ہے اور غائب کو شاہد نے میرا پیغام پہنچا دیا ہے۔۴-اس جملہ کا تعلق مابعد سے ہے الاھل بلغت کا وقوع ہو چکا کہ میں تبلیغ کر چکا۔۵-لیبلغ کے ضمن میں جو تبلیغ مذکور ہے اس کی طرف اشارہ ہے لفظ ذلک میں کہ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ یہ تبلیغ ہو چکی۔۶-یہ ابن سیرین کی کلام ہے اور ذلک کا اشارہ سفک دماء کی طرف ہے کہ لوگوں نے بہت خون بہایا ہے۔

باب اثم من کذب علی النبی ﷺ

جمہور کا اجماع ہے کہ یہ حرام ہے امام جوینی جو والد ہیں امام الحرمین کے ان کا شاذ قول ہے کہ یہ کفر ہے اور کرامیہ اور بعض صوفیہ کا شاذ قول ہے کہ یہ جائز ہے۔ہماری جمہور کی دلیل اس باب کی سب روایتیں ہیں اور یہ حدیث تواتر کو پہنچی ہوئی ہے اس لئے قطعی حرمت ثابت ہے۔امام جوینی کی دلیل یہ ہے کہ یہ کذب تحریف فی الدین کا سبب ہے اور ایک قطعی بدیہی عقیدہ کا انکار بھی کفر ہے اس لئے یہ اس کا سبب ہونے کی وجہ سے کفر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک قطعی بدیہی عقیدہ کا انکار لازم نہ آئے اس وقت تک صرف کذب سے کفر لازم نہ آئے گا کرامیہ اور بعض صوفیہ کے قول کی تفصیل مع الدلیل یہ ہے کہ ہم صرف ترغیب وترھیب میں حدیث گھڑنے کو جائز کہتے ہیں اور یہ کذب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے اس لئے حدیث کی وعید میں مل نہیں اور ضرورت دنیویہ کے لئے جب جھوٹ بولنا جائز ہے تو ضرورت دینیہ کے لئے بطریق اولیٰ جائز ہے جواب یہ ہے کہ حدیث کے معنی مطلقاً نسبت کرنا ہے خواہ لہ ہو یا علیہ ہو اس لئے کوئی گنجائش نہیں۔ پھر غرض امام بخاری کی بظاہر کرامیہ اور بعض صوفیہ کی تردید ہے اور ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پیچھے تفریط سے ممانعت تھی کہ حدیث ضرور پہنچاؤ اب افراط سے ممانعت ہے کہ خود گھڑ کے نہ پہنچاؤ۔

حدثنا مکی بن ابراھیم

یہ پہلی ثلاثی روایت ہے کہ اس میں امام بخاری اور نبی کریم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ایسی ثلاثی حدیثیں بخاری شریف میں بیس (۲۰) سے زائد ہیں مکی بن ابراہیم ہمارے امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے لئے بہت سی دو واسطوں کی روایتیں بھی ہیں جن کو ثنائیات کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کی تو احادیات بھی ہیں کہ درمیان میں صرف ایک واسطہ ہے صحابی کا اس لئے اس وقت جو مسند حدیثیں موجود ہیں ان میں سب سے اونچی حدیثیں امام ابوحنیفہ کی ہیں ہمارے امام صاحب کا مقام فقہ میں بھی بہت اونچا ہے۔حدیث میں بھی بہت اونچا ہے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ امام ابوحنیفہ نے سات صحابہ کی زیارت فرمائی ہے اور بعض سے حدیث بھی سنی ہے۔ امام محمد کی کتابوں میں بہت سی ثنائیات ہیں۔امام ابن ماجہ کی بھی چند ثلاثیات ہیں اور امام ترمذی کی ایک ثلاثی حدیث ہے اور صحیح مسلم اور سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں ایک بھی ثلاثی نہیں ہے۔

لا یتمثل فی صورتی

۱-ظاہر اور عموم پر محمول ہے کہ کبھی بھی شیطان نبی پاک ﷺ کی شکل مبارک میں نہیں آتا۔۲-جب اس حلیہ میں زیارت ہو جو

احادیث میں وارد ہے تو شیطان نہ ہوگا۔ پہلا قول راجح ہے۔

باب کتابة العلم

غرض اس کا جواز و استحباب بیان فرمانا ہے پھر جو نہی کی روایات ہیں ان کی توجیہات۔ ا۔ شروع میں منع فرمایا تاکہ قرآن وحدیث کا فرق اچھی طرح واضح ہوجائے۔ ۲۔ شروع میں اس لئے منع فرمایا گیا تاکہ ایک واقعہ کے الفاظ مختلف ہوں اور اجتہاد کا موقعہ ملے تاکہ مختلف اجتہادات کیوجہ سے دین کے محل میں داخل ہونے کے مختلف دروازے بن جائیں اور امت کو آسانی ہو جائے۔ ۳۔ تاکہ یہ ظاہر ہوجائے کہ حدیث میں معنی مقصود ہیں اور قرآن پاک میں لفظ اور معنی دونوں مقصود ہیں۔ ۴۔ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کی اجازت اس لئے نہ دی تھی کہ پہلے وحی اجازت کے ساتھ نازل نہ ہوئی تھی حضرت عبداللہ بن عمر نے اجازت مانگی تو وحی کا انتظار فرمایا پھر وحی نازل ہوئی تو اجازت دی۔ ۵۔ پہلے لکھنے کی اجازت نہ دی تاکہ حفظ بالصدر نہ چھوڑیں جو کہ اولیٰ ہے پھر زیر بحث باب کی حدیثوں کے سویٰ جواز کتابت کی ایک دلیل امام طحاوی نے اس آیت کو قرار دیا **اذا تداینتم بدین الی اجل مسمیً فاکتبوہ** کیونکہ حدیث اور علم بھی دین ہیں ان کا امت تک پہنچانا واجب ہے۔ نیز نبی کریم ﷺ کے مکتوبات تبلیغ بھی جواز کتابت کی دلیل ہیں پھر جو ایک اہم حدیث مسلم میں ممانعت کتابت کی آتی ہے عن ابی سعید الخدری مرفوعاً **لا تکتبو عنی شیئاً الاالقرآن ومن کتب عنی شیئاً غیر القرآن فلیمحہ** اس کے مستقل جواب بھی دیئے گئے ہیں۔ ا۔ امام بخاری کے نزدیک یہ موقوف ہے۔ ۲۔ صرف خلط بالقرآن کی وجہ سے ممانعت تھی بعد میں اجازت دی گئی اس اجازت کی دلیل مرض وفات کا واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کچھ لکھوانے کا ارادہ فرمایا اور یہ آخر الامرین ہے۔ ۳۔ ممانعت ایک ہی کاغذ پر لکھنے سے تھی قرآن پاک کے ساتھ جس سے خلط کا اندیشہ ہو۔ سوال صحابہ کرام نے قرآن پاک کی طرح احادیث کو کیوں جمع نہ فرمایا۔ جواب:۔ ا۔ احادیث اتنا انتشار تھا کہ جمع کرنا ناممکن تھا۔ ۲۔ قرآن پاک میں روایت بالمعنی جائز نہیں کیونکہ الفاظ میں اعجاز ہے اس لئے الفاظ متعین تھے یکجا جمع کر لئے گئے اور حدیث میں روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے الفاظ متعین نہیں تو الفاظ یکجا جمع کئے نہ جاسکتے تھے۔ ۳۔ اگر جمع کر لیتے تو جو روایتیں جمع ہونے سے رہ جاتیں وہ متروک ہوجاتیں حالانکہ وہ بھی احادیث تھیں ان کو چھوڑنا جائز نہ تھا۔ قرآن پاک کے الفاظ محدود تھے چھوٹنے کا احتمال نہ تھا۔ سب الفاظ جمع کر لئے گئے۔ ۴۔ اگر ایسی کتاب بن جاتی جو احادیث کے لئے جامع ہوتی تو خطرہ تھا کہ قرآن پاک چھوٹ جاتا جیسے پہلی امتوں نے اپنی کتابیں بنالیں اور آسمانی کتابیں چھوڑ دیں یہی مصلحت حضرت عمر سے المدخل للبیہقی میں منقول ہے۔

قلت لعلی هل عند کم کتاب

کیونکہ شیعہ نے کہا تھا کہ حضرت علیؓ کے پاس وحی کی ایسی باتیں ہیں جن کو دوسرا کوئی نہیں جانتا ان کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایسی کوئی چیز میرے پاس نہیں کیونکہ صحیفہ میں جو باتیں تھیں وہ تو سب جانتے تھے۔

ائتونی بکتاب اکتب لکم کتا با لا تضلوا بعدہ

سوال: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا تو صحابہ کرام نے اس پر عمل کرنے میں جلدی کیوں نہ کی۔ جواب:۔ ا۔ حضرت عمرؓ کے لئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ امر ارشادی ہے زیادہ آسانی کی طرف لے جانے کے لئے ہے۔ پس حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے جو موجود تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف اور بیماری کی حالت میں لکھوانے کی تکلیف دینی مناسب نہ سمجھی جبکہ قرآن پاک میں یہ موجود تھا ما فرطنا فی الکتاب من شیء اور یہ موجود تھا تبیانا لکل شیء پس حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ احکام پر عمل کرنے کی تاکید ہی

لکھوانا چاہتے ہیں اس لئے کاغذ نہ لائے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر امر وجوب کے لئے ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ فرما دیتے کہ کاغذ لاؤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ مصلحت اسی میں ہے کہ کتابت نہ کرائی جائے یا وحی سے کتابت نہ کرانے کا حکم اتر آیا تھا اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس واقعہ کے بعد بھی نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم چند دن زندہ رہے تھے اور اس واقعہ کے بعد وعظ بھی فرمایا تھا لیکن دوبارہ لکھنے کے حکم کا اعادہ نہ فرمایا اس لئے یہ واقعہ تو حضرت عمرؓ کی موافقات وحی میں شمار کیا گیا ہے۔ ا- پھر جب بعض دوسرے حاضر صحابہ نے لکھوانے ہی پر اصرار کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا و**عندنا کتاب اللہ حسبنا** کیونکہ حضرت عمرؓ کا خیال یہ بھی تھا کہ اگر کچھ لکھ دیا گیا تو شاید اس کو مثل قرآن ہی سمجھ لیں اس لحاظ سے مصلحت شرعیہ بھی یہی تھی کہ نہ لکھوایا جائے پھر حضرت ابن عباس جو نہ لکھوانے پر افسوس کا اظہار فرما رہے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابن عباس واقعہ کی پوری تفصیل معلوم نہ کر سکے تھے اس لئے قائل اور سامع کی نیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور اس کو ایک غیر اختیاری حادثہ شمار کر کے افسوس کا اظہار کیا۔ ۲- یہ جو ارشاد فرمایا تھا کہ ایسی چیز لکھوا دوں کہ میرے بعد گمراہ نہ ہوں تو اس کا مصداق اجماع کی حجیت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجماع کی حجیت کی تائید فرمانا چاہتے تھے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا **وعندنا کتاب اللہ حسبنا** کہ اس مقصد کے لئے قرآن پاک کافی ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقت میں نہ ڈالا جائے جیسے غزوہ بدر کے موقعہ پر بہت الحاح واصرار کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما رہے تھے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا تھا کہ آپ نے کافی دعا کر لی ہے اب بس کریں پھر مورد کتاب کیا چیز تھی دو احتمال تو ابھی گزرے اس کے علاوہ ا- ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ مبہم چھوڑا تصریح نہ فرمائی۔ ۲- خلفاء کے ناموں کی تصریح کا ارادہ تھا تاکہ اس سلسلہ میں کوئی فتنہ نہ ہو جمل وصفین جیسی لڑائیاں مسلمانوں میں آپس میں نہ ہوں۔ ۳- بڑے بڑے مسائل واحکام کی تصریح فرما دینے کا ارادہ تھا تاکہ اختلاف نہ ہو پھر لکھوانا چھوڑ دیا کیونکہ مصلحت نہ لکھوانے ہی میں سمجھی۔ یا وحی نازل ہوگئی کہ نہ لکھوائیں اس مصلحت ترک اور وحی ترک کا تعلق دوسری اور تیسری دونوں توجیہوں سے ہے۔ ۴- حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی تصریح لکھوانے کا ارادہ تھا پھر یہ ارادہ اس لئے چھوڑ دیا کہ تسلی ہوگئی کہ یہی ہوگا لکھوانے کی کوئی ضرورت نہیں ان چار توجیہوں میں سے پہلی سب سے زیادہ قوی ہے۔ **قال قوموا عنی** یہ ارشاد سب موجودین کو خطاب فرما کر فرمایا ان میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی تھے یہ صرف حضرت عمرؓ کو خطاب نہ تھا۔ اس حکم پر سب اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے حضرت علیؓ کی رائے بھی بالکل حضرت عمرؓ کے مطابق تھی ورنہ وہی کاغذ لے آتے اور حضرت علیؓ تو داماد تھے گھر میں بہت آنا جانا تھا حضرت عمرؓ کے گھر چلے جانے کے بعد بھی لانا چاہتے تو لا سکتے تھے لیکن نہ لائے وجہ یہی تھی کہ ان کی رائے بھی حضرت عمرؓ کے ساتھ تھی اس لئے شیعہ اگر اعتراض کرتے ہیں تو دونوں حضرات پر اعتراض پڑتا ہے حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی پر بھی نہیں پڑتا۔

فخرج ابن عباس

یہ نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک سے نکلنا مراد نہیں ہے بلکہ وفات کے بعد حدیث کی مجلس سے حضرت ابن عباس نکلے افسوس کا اظہار کیا۔ پھر ظاہر یہی ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس کی رائے حضرت عمرؓ کی رائے سے مختلف تھی لیکن حضرت عمرؓ کا مقام فقہ میں بہت اونچا ہے وہ ابن عباسؓ سے بہت زیادہ افقہ ہیں۔

باب العلم و العظمة بالليل

یعنی ضرورت کے موقعہ میں یہ بھی جائز ہے اور سمر فی اللیل سے جو نہی ہے وہ اس وقت ہے جبکہ گفتگو دینی معاملات میں نہ ہو

اس جواز کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث پاک میں بیوی کو تہجد کے لئے جگانے کا استحباب مذکور ہے۔

فرب كاسية فى الدنيا عارية فى الاخرة

ا۔خبر محذوف ہے کہ بہت سی باریک کپڑے پہننے والی عورتیں جن کا لباس ستر عورت کے لیے کافی نہیں ان کو آخرت میں ننگے ہونے کی وجہ سے عذاب ہوگا۔۲۔بہت سی غنی عورتیں جو زکوٰۃ وغیرہ واجب ہونے کے باوجود ادا نہیں کرتیں ان کو ترک واجب کی وجہ سے عذاب ہوگا دونوں توجیہوں میں معذبۃ خبر محذوف ہے یا عرفتها خبر محذوف ہے۔۳۔یہ حدیث ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے کہ صرف میرے ساتھ نکاح ہونا کافی نہیں عملِ واجب بھی ضروری ہے ورنہ مواخذہ کا اندیشہ ہے اس صورت میں صرف عرفتها خبر محذوف ہے پہلی دونوں توجیہوں میں عذاب کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قیامت کے دن بدن ننگا ہوگا بطور ذلت اور عذاب کے نعوذ باللہ من ذلک۔

باب السمر فى العلم

غرض۔ا۔غیر علم کے لیے سمر وقصہ گوئی منع ہے۔علمی باتوں کے لئے منع نہیں ہے۔۲۔علمی چٹکلے یعنی علمی باتیں جو خوش کن ہوں ان کی بھی گنجائش ہے اگر چہ وہ دینی مسائل کے درجے میں نہ ہوں۔اس دوسری توجیہ سے گذشتہ باب سے مناسبت بھی ظاہر ہوگئی اور دونوں بابوں میں فرق بھی ہوگیا کہ پہلے علمی مسائل کا ذکر تھا اب علمی چٹکلوں کا ذکر ہے۔اصل سمر کے معنی ہیں قصہ گوئی اور علم پر اس کا اطلاق ایسا ہی ہے جیسے تغنی کا اطلاق قرآن پاک پر کہ تغنی کی جگہ تلاوت کرلو ایسے ہی سمر کی جگہ جو علمی مشغولی اختیار کرے اس کو سمر فی العلم کرنے والا کہا جائے گا مقصد یہ ہوا کہ اگر سمر عشاء کے بعد کرنا ہے تو علمی باتیں کرو۔

لايبقى ممن هو على ظهر الارض احد

ا۔پس جو آسمان میں ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ اس حکم سے نکل گئے جو بادلوں میں ہیں حضرت خضر علیہ السلام وہ نکل گئے جو ہوا یا نار میں ہے ابلیس وہ نکل گیا اور جو ابھی پیدا نہیں ہوا تھا وہ نکل گیا اس لیے اس روایت سے خضر علیہ السلام کی موت پر استدلال صحیح نہ رہا۔۲۔مراد وہ لوگ ہیں جن کا زمین پر رہنا معلوم ومشہور ہے۔خضر علیہ السلام تو چھپے رہتے ہیں وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔۳۔زمین سے مراد عرب کی زمین ہے۔۴۔اگر عموماً حقیقی ہی مراد ہو تو جب عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کا استثناء دلائل قطعیہ سے ہوگیا تو خضر علیہ السلام کا استدلال دلیل ظنی یعنی کشف سے ہوسکتا ہے کیونکہ عام میں جب دلیل قطعی سے کچھ افراد نکال دیئے جائیں تو پھر وہ ظنی ہوجاتی ہے اور دلیل ظنی سے بھی کچھ اور افراد نکالے جاسکتے ہیں۔سوال۔خضر علیہ السلام کو زندہ ماننا ختم نبوت کے خلاف ہے۔جواب۔اگر خضر علیہ السلام کو نبی بھی مان لیا جائے تو پھر بھی ان کا زندہ رہنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے ختم نبوۃ کے معنیٰ یہی ہیں کہ اب کوئی نیا نبی نہ بنے گا۔جو پہلے سے نبی بن چکے ہیں ان کا زندہ رہنا ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے۔

نام الغليّم: یہ محل ترجمہ ہے اور کتاب التفسیر میں اسی واقعہ میں یہ بھی ہے کہ اپنی اہلیہ محترمہ سے کچھ دیر گفتگو فرمائی اس لحاظ سے اس روایت کا باب سے مناسب ہوجانا بالکل ظاہر ہے۔

باب حفظ العلم: غرض۔ا۔حفظ علم کا شوق دلانا۔۲۔حضرت ابوہریرہ کا حفظ اول لیل میں تھا تو اشارہ فرمادیا کہ سمر کی جگہ حفظ علم ہونا چاہیے اس سے گذشتہ باب سے بھی مناسبت بالکل ظاہر طور پر ثابت ہوگئی۔

بشبع بطنه:۔ا۔یعنی پیٹ بھر لیتے تھے اور حفظ میں مشغول ہوجاتے تھے۔۲۔حدیث اتنی یاد فرماتے تھے کہ حدیث سے سیر ہوجاتے تھے اور حدیث سے پیٹ بھر جاتا تھا یعنی حدیث بہت زیادہ یاد کرتے تھے۔

فلو بثثته' قطع هذا الحلقوم

یہ ائمہ جور کے نام تھے اور ان کا ذکر واجب نہ تھا اور پہلی چیز جس کو ذکر فرمایا وہ شرعی احکام تھے۔

باب الانصات للعلماء

انصات چونکہ حفظ میں بہت امداد کرتا ہے اس لیے حفظ کے بعد ذکر فرمایا۔

باب مایستحب للعالم

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی پوچھے کہ کون اعلم اناس ہے تو یوں کہے واللہ اعلم یا ایسا کوئی لفظ کہے جس میں علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا جائے۔سوال۔اس حدیث میں جھگڑا یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کون سے تھے اور پیچھے گذرا ہے کہ جھگڑا یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے تھے یا کسی اور کے پاس یہ تو تعارض ہے۔ جواب۔ دونوں ہی جھگڑے پائے گئے ایک جھگڑا ایک صاحب کے ساتھ تھا دوسرا جھگڑا دوسرے صاحب کے ساتھ تھا۔

کذب عدو اللہ یہ لفظ صرف تنبیہ کے طور پر فرمایا حقیقی معنی مراد نہیں ہیں کیونکہ حضرت نوف مومن عالم فاضل اہل دمشق کے امام تھے۔**الانقرۃ ھذا العصفور من البحر** یہ صرف سمجھانے کے لیے فرمایا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے ہمارا متناہی اور قطعاً کوئی نسبت ہی درمیان میں نہیں نہ سمندر کی نہ کوئی اور **فصمد الخضر الی لوح** ایسے طریقہ سے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سوٰی کسی نے نہ دیکھا ایسے ہی بچے کو قتل کرتے وقت ہوا ورنہ کشتی والے اور بچے والے مزاحمت کرتے خضر علیہ السلام کے کاموں کو وہی دیکھتا تھا جس کو اللہ تعالیٰ دکھا دیتے ورنہ فرشتوں کی طرح کسی کو پتہ نہ لگتا تھا۔**قال محمد بن یوسف** :۔ یہ محمد بن یوسف فربری ہیں امام بخاری کے شاگرد ہیں شاذ و نادران کے قول بھی بخاری شریف میں ہیں بعض نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے۔

باب من سئل و ھو قائم عالماً جالساً

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے جب عالم میں خود بینی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو مناسبت ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے بھی سوال موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا خضر علیہ السلام سے اب بھی سوال کا ذکر ہے کسی عالم سے دوسری غرض یہ بھی ہے کہ بظاہر کھڑے کھڑے سوال کرنا لاپرواہی پر دلالت کرتا ہے لیکن ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔ امام مالک کھڑے آدمی کو حدیث سنانا مکروہ شمار فرماتے تھے اور اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت شمار فرماتے تھے۔

باب السوال و الفتیا عند رمی الجمار

غرض یہ کہ ایسی عبادت کوئی عالم کر رہا ہو کہ سوال قاطع عبادت نہ ہو تو سوال جائز ہے کیونکہ یہ ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف توجہ ہے

باب قول اللہ تعالیٰ و ما اوتیتھم من العلم الا قلیل

ا:۔ای باب فی بیان شان نزول ھذہ الایۃ غرض یہ ہے کہ آدمی اپنے علم سے دھوکے میں نہ آجائے کیونکہ مجھولات انسان کی معلومات سے زیادہ ہیں پھر کس چیز کے متعلق سوال تھا۔ ا۔ جبریل علیہ السلام کہ ان کو روح القدس کہتے ہیں۔۲۔انسانی روح دوسرا قول راجح ہے کیونکہ قرآن پاک عوام کے محاورہ پر نازل ہوا ہے پھر ظنی طور پر لوگوں نے روح کے معنیٰ کیے ہیں۔ا۔سانس ہی روح ہے۔۲۔ایک جسم لطیف ہے جو پورے بدن میں پھیلا ہوا ہے جیسے عرق گلاب پورے گلاب میں ہے اس کی تائید بظاہر اس آیت سے بھی ہوتی ہے **فنفخنا فیھا من روحنا** پس یہ روح ہوا کی طرح ہے جو جسم لطیف ہے ایسے ہی دوسری آیت میں ہے۔**فلولا اذا بلغت الحلقوم** بلوغ جسم کی صفت ہے۔ جیسا لمبا چوڑا موٹا انسانی بدن ہوتا ہی بالکل اسی طرح روح کا بدن لطیف ہوتا ہے اور حق تعالیٰ نے جو یہاں تفصیل ذکر نہ فرمائی اس نہ بتلانے میں حکمت یہ ہے کہ پتہ چل جائے کہ جب انسان اپنی روح کی کنہ نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ کی کنہ کیسے جان سکتا ہے **لا یجیئ بشی تکرھونہ** :۔کہ کہیں ایسا جواب نہ دے دیں جیسا پہلے انبیاء علیہم السلام دیا کرتے تھے تو ان کی نبوت ثابت ہو جائے گی اور تم پسند نہیں کرتے کہ ان کی نبوت ثابت ہو

باب من ترک بعض الا ختیار

غرض یہ ہے کہ مصلحت کی وجہ سے مختار اوراولیٰ کو چھوڑنا بھی جائز ہے۔

باب من خص بالعلم قوماً دون قوم کراھیته ان لا یفھموا

غرض اور ربط یہ کہ پیچھے خلاف اولیٰ فعل کرنا اور اولیٰ چھوڑنا تھا عملاً اب چھوڑنا ہے علماً وتعلیماً:۔

حرمه الله علی النار

سوال:۔پھر تو عمل کی ضرورت نہ ہوئی۔

جواب: ۱۔ جب اخلاص سے ایمان میں داخل ہوگا تو ضروریات کی پابندی بھی کرے گا۔۲۔ یہ اکیلے کلمہ طیبہ کا تقاضا ہے اور مع العمل کلمہ طیبہ کا تقاضا قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد معلوم ہوگا کہ ابتداً جنت میں جاتا ہے یا سزا بھگت کر۔

باب الحیاء فی العلم

غرض یہ ہے کہ ضروری تعلیم وتعلم سے حیاء مانع نہ ہونی چاہئے۔

باب من استحیٰ فامر غیرہ بالسوال

غرض یہ کہ اولیٰ یہ ہے کہ حیاء اور علم دونوں جمع کرے سوال بھی کرے لیکن بواسطہ:۔

باب ذکر العلم و الفتیافی المسجد

غرض۔۱۔جس نے توقف کیا کہ فتوی اور تعلیم مسجد میں جائز ہے یا نہ اس کا رد۔۲۔شبہ کا ازالہ کہ مسجد تو نماز کے لیئے ہے فتویٰ اور تعلیم شاید جائز نہ ہو۔ ازالہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں کام بھی امور آخرت سے ہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔

باب من اجاب السائل اکثر مماساله

غرض یہ کہ اصولی فرماتے ہیں کہ جواب سوال کے مطابق ہونا چاہئے شاید سوال سے زائد بات کہنا برا ہو تو فرمانا چاہتے ہیں کہ جب زائد فائدہ ہو تو مستحسن ہے کیونکہ مقصود تو مخاطب کو فائدہ پہنچانا ہے چنانچہ حدیث باب میں سوال تھا کہ محرم کیا پہنے جواب ایسا دیا کہ پہننے والی چیزوں کا بھی پتہ چل گیا اور نہ پہننے والی چیزوں کا بھی پتہ چل گیا بہت فائدہ ہوگیا۔

کتاب الوضوء

ای ھذا کتاب فی ذکر احکام الوضوء اور ایک نسخہ میں ہے کتاب الطھارۃ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ غسل کو اور کپڑوں اور جگہ اور بدن کی حسی پاکی کو بھی شامل ہے۔ وضوء کے لغوی معنیٰ نور کے ہیں وضوء بھی سبب نور ہے قیامت کے دن ہاتھ پاؤں وضوء کرنے والوں کے چمکیں گے اس لئے مسبب بول کر سبب مراد ہے۔

ترتیب:۔دین کے پانچ شعبے ہیں۔

۱-عقائد ۲-عبادات۔ ۳-معاملات

۴-معاشرات ۵-اخلاق

عقائد کے بغیر کسی کے نزدیک نہ نجات نہ ایمان معتبر ہے اس لئے ان کو سب پر مقدم فرمایا۔ باقی چار قسموں میں عبادات مقدم ہیں کیونکہ ان میں توجہ الی اللہ بلا واسطہ ہے پھر عبادات میں سے نماز کو اس لئے مقدم فرمایا کہ۔۱۔اس کے فضائل بہت ہیں۲۔اس کا ذکر قرآن پاک میں بہت ہے۳۔اس میں پوری مخلوق کی عبادت جمع ہے درخت کھڑے ہو کر چوپائے رکوع میں۔ رینگنے والے جانور سجدہ میں ٹیلے پہاڑ اور عمارتیں بیٹھ کر عبادت کرتی ہیں۔ یہ سب ہماری نماز میں جمع ہیں نیز فرشتے جو عبادت ہی کرتے ہیں کچھ کھڑے ہو کر کچھ ہمیشہ رکوع میں ہمیشہ سجدہ میں کچھ ہمیشہ قعود میں عبادت کرتے ہیں یہ سب نماز میں جمع ہیں نیز کسی کو راضی کرنے کے لئے انسان کبھی کھڑا ہو کر منت ساجت کرتا ہے کبھی گھٹنے پکڑ کر کبھی پاؤں پکڑ کر کبھی ادب سے بیٹھ کر یہ سب بھی نماز میں جمع ہیں نیز اسلام کی سب عبادات بھی نماز میں جمع ہیں مثلاً نماز میں کھانے پینے کے روزے سے بھی بڑھ کر بولنے ہنسنے رونے گفتگو چلنے وغیرہ کا بھی روزہ ہوتا ہے حج کی حقیقت حضور بحضرۃ اللہ اور تعلق بیت اللہ قربانی اور جہاد کی حقیقت کہ اللہ تعالےٰ کے حکم پر اپنے کو فنا کردیتا ہے یہ بھی نماز میں ہیں سجدہ میں فنا ہونا پایا جاتا

ہے زکوٰۃ کی حقیقت کہ نیکی میں مال خرچ کرنا یہ بھی نماز میں ہے کہ مسجد اور کپڑوں پر مال خرچ کرنا پڑتا ہے اعتکاف کی حقیقت گناہوں سے بچنا بھی نماز میں ہے ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء و المنکر. پھر نماز کے ذکر کی دو صورتیں ہیں مبادی اور مقاصد۔ دوسری چیز مقاصد کو تو کتاب الصلوٰۃ سے بیان فرمائیں گے اِس سے پہلے مبادیٔ کا بیان ہے پھر مبادی دو قسم کے ہیں عامہ اور خاصہ کتاب العلم میں مبادی عامہ رکھے اب مبادی خاصہ کتاب الوضوء یا کتاب الطہارۃ کے عنوان سے بتلاتے ہیں۔

طہارت کی اہمیت

طہارت کا دین میں اس قدر اہتمام ہے کہ حدیث پاک میں ہے نظفوا افنیتکم و لا تشبھو ا بالیھود جب فناء دار یعنی گھر کے سامنے کی جگہ کو صاف رکھنے کا حکم ہے تو اندرونی صحن کو اس سے زیادہ اور کمرے کو اس سے زیادہ اور بستر کو اس سے زیادہ اور کپڑوں کو اس سے زیادہ اور بدن کو اس سے زیادہ میل کچیل سے پاک رکھنے کا حکم ثابت ہو گیا۔ پھر میل کچیل سے بھی زیادہ بدن کو گناہوں کی گندگی سے بچانے کا حکم بھی اِسی حدیث سے نکل آیا اور بدن سے زیادہ روح اور دل کو بُرے عقائد اور برے اخلاق سے بچانے کا حکم اور اہمیت بھی اِسی حدیث پاک سے ثابت ہو گئی اس سے اندازہ ہوا کہ اسلام میں طہارت کا کسِ قدر اہتمام ہے۔

باب ما جاء فی الوضوء

آیت کو شروع میں تبرکا ذکر فرمایا۔ پھر اِس آیت سے ایک ایک مرتبہ کا ثبوت ہوا کیونکہ ۔ ا۔ امر تکرار کا تقاضیٰ نہیں کرتا ۔ ۲۔ اقل یقینی ہے پھر سب احادیث کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ دھونا فرض ہے اور دو اور تین مرتبہ مستحب ہے۔ اس سے زیادہ اسراف اور مکروہ ہے۔

باب لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور

یہ باب والے الفاظ مسلم شریف کی روایت میں آتے ہیں جو وجوب طہارۃ میں نص ہیں لیکن یہ الفاظ امام بخاری کی شرط پر نہ تھے اس لئے اس کے قریب قریب الفاظ والی حدیث کو اسناداً لے آئے۔ سجدہ تلاوت :۔ امام بخاری کے نزدیک بلا وضو صحیح ہے وعند الشعبی سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ دونوں بغیر وضو صحیح ہیں عند الجمھور دونوں میں سے کوئی بھی بلا وضو صحیح نہیں۔ لنا۔ و لا تصل علی احد منھم مات ابداً میں حق تعالےٰ نے نماز جنازہ کو بھی صلوٰۃ سے تعبیر فرمایا ہے اور زیر بحث روایت میں تصریح ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لا تقبل صلوٰۃ من احدث حتی تیوضأ اور سجدہ ایسا رکن ہے کہ کبھی ساقط بھی نہیں ہوتا اور نماز کے علاوہ اکیلا بھی مشروع ہے اس لئے نماز کے لئے وضو کی شرط سجدہ کے کئے بھی شرط ہے وللشعبی نماز جنازہ کی حقیقت صرف دعا ہے اور دعا کے لئے وضو ضروری نہیں جواب یہ ہے کہ قرآن پاک میں چونکہ صلوٰۃ کا اطلاق آیا ہے اس لیے اسی کو ترجیح ہے ولھما فی سجدۃ التلاوۃ فی البخاری تعلیقات عن ابن عمر موقوفاً کہ بلا وضو سجدہ تلاوت کرنا مذکور ہے۔ جواب اس روایت میں بعض نسخوں میں مع الوضو ہے اس لئے استدلال صحیح نہ رہا۔

بلا وضو نماز پڑھنے والا کافر ہو جاتا ہے

ا۔ اگر استہزاء ایسا کرے تو کافر ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔
۲۔ اگر ریاء یا کسلاً ایسا کرے تو پھر بھی کفر کا خوف ہے اور اگر استحیاء ایسا کرے مثلاً جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا درمیان میں وضو ٹوٹ گیا' شرم کی وجہ سے نہ گیا تو گنہگار تو ہوا کافر نہ ہوا۔

فاقد الطھورین

کہ مثلاً لکڑی۔ یا لوہے کے قید خانہ میں بند ہے نہ وضو پر قادر ہے نہ تیمّم پر تو وہ عند مالک نماز کا مکلف ہی نہیں وعند احمد بلا وضو اور بلا تیمم ہی اس کی نماز صحیح ہو جائے گی وفی روایۃ لابی حنیفۃ صرف قضا پڑھے وعن الشافعی چار روایتیں ہیں ۔ا۔ امام احمد کی طرح' ۲۔ امام ابو حنیفہ کی مذکورہ روایت کی طرح' ۳۔ ادا مستحب قضا واجب' ۴۔ دونوں واجب اور صاحبین کا مسلک اور یہی امام ابو حنیفہ کی آخری روایت اور یہی حنفیہ کا مفتیٰ بہ قول ہے کہ اس وقت تشبہ

بالمصلین کرے کہ نہ نیت کرے نہ قرأت بعد میں وجو باقضا کرے ہماری اس مفتی بہ قول کی دلیل جس کا حج فاسد ہو جائے وہ سب کام حاجیوں کی طرح کرے گا بعد میں قضا کرے گا اسی طرح فاقد الطہورین کا حکم ہے۔۲-کافر نہار رمضان میں ایمان لائے بقیہ دن تشبہ بالصائم کرے گا۔ بعد میں قضا کرے گا۔۳۔بچہ رمضان میں درمیان دن میں بالغ ہو جائے وہ بھی ایسا ہی کرے گا۔۴-ایسے ہی مسافر نہار رمضان میں مقیم بن جائے۔۵-ایسے ہی نہار رمضان میں پاک ہو جائے حائضہ تو وہ بھی بقیہ دن نہ کھائے نہ پئے بعد میں قضا کرے اسی طرح فاقد الطہورین ہے ولمالک قیاس ہے صلوۃ حائضہ پر ولاحمد قیاس ہے صلوۃ معذور پر ولروایۃ عن ابی حنیفۃ قیاس ہے صوم حائضہ پر وللشافعی فی روایۃ ثالثۃ قیاس ہے صوم حائضہ پر لیکن چونکہ رکاوٹ انسانوں کی طرف سے ہے۔اس لئے ادا بھی احتیاطاً مستحب ہے وللروایۃ الرابعہ یہ احتیاط واجب ہے ترجیح حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول کو ہے کیونکہ کثرت نظائر علت کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔

باب فضل الوضوء

غرض اور ربط یہ ہے کہ گذشتہ باب میں وضو کی یہ فضیلت تھی کہ یہ شرط صلوٰۃ اور مفتاح صلوٰۃ ہے اب یہ فضیلت ہے کہ قیامت کے دن دوسری امتوں پر فضیلت کا سبب وضو بنے گا۔

الغر المحجلون من اثار الوضو

۱-الغر مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے خبر محذوف ہے مفضلون علی غیرھم۔۲۔مبتدا ہے اور خبر من اثار الوضوء ہے۔۳۔مرفوع ہے حکایۃ عن الحدیث پھر بعض شوافع اور بعض حنفیہ اس طرف چلے گئے کہ نصف ساق تک اور نصف بازو تک دھونا مستحب ہے اور ان ہی بعض حنفیہ اور بعض شوافع کا دوسرا قول کندھے اور گھٹنے تک دھونا مستحب ہے اور جمہور کے نزدیک دھونے کی جگہ کو بڑھانا مستحب نہیں ہے۔لنا۔۱۔فی ابی داؤد عن عمر و بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً من زاد علی ھذا اونقص فقد اساء وظلم۔۲۔تواتر العمل والتوارث یہی ہے کہ جگہ دھونے کی نہ بڑھائی جائے ان بعض مذکورین کے دونوں قولوں کی دلیل زیر بحث روایت فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل جواب۔

۱۔یہ حضرت ابی ہریرہ کی طرف سے مدرج ہے مرفوعاً ثابت نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو دس صحابہ نے نقل فرمایا ہے کسی نے یہ آخری حصہ نقل نہیں فرمایا اور حضرت ابو ہریرہ کے بہت سے شاگرد ہیں ان میں سے صرف نعیم مجمر ہی یہ لفظ ذکر کر رہے ہیں۔۲۔اگر مرفوعاً مان بھی لیں تو مقصد صرف اسباغ اور آداب کی رعایت ہے جگہ بڑھانا مقصود نہیں ہے اور خود حضرت ابو ہریرہ کا فعل بھی آتا ہے تو وہ غلبہ حال پر محمول ہے اسی لئے چھپ کر ایسا کرتے تھے پھر خصوصیت اس امت کی چمک ہے نفس وضوء پہلی امتوں میں بھی ثابت ہے جیسے حضرت سائرہ زوجہ محترمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وضو کرنا مصر کے جابر بادشاہ کے پاس منقول ہے۔

باب لایتوضاء من الشک حتی یستیقن

غرض حدیث کے معنیٰ کر دیئے کہ صرف ان دو علامتوں میں حصہ نہیں ہے اگر ان دو علامتوں کے علاوہ بھی یقین ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

باب التخفیف فی الوضوء

اس باب کی حدیث میں جو تخفیف ہے اس کی صورتیں ۱۔عادت سے جلدی کیا گنتی میں کمی نہ فرمائی۔۲۔پانی تھوڑا استعمال فرمایا وضو کامل فرمایا۔۳۔دلک میں یعنی ملنے میں کمی فرمائی۔۴۔ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھویا بظاہر امام بخاری اسی پر محمول کر کے یہ ترجمۃ الباب بنا رہے ہیں۔

باب اسباغ الوضوء

گذشتہ باب کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ ملنا واجب نہیں اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ ملنا اسباغ میں داخل ہے اور مستحب ہے اسی کو ابن عمر کے قول میں انقاء قرار دیا گیا ہے پھر اسباغ میں دو اہم قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ اسباغ کے تین مرتبے ہیں۔۱۔فرض

نہ چھوڑنا' ۲۔سنن وآداب کی رعایت کما وکیفا۔۳۔خوب ملنا کہ میل کچیل بھی اچھی طرح اتر جائے یہی ابن عمر کے قول میں ہے یہ درجہ مستحب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسباغ تثلیث کا نام ہے۔

باب غسل الوجه باليدين من غرفته واحدة

یہ غرض ہے کہ دونوں ہاتھوں سے پانی لینا ضروری نہیں ایک ہاتھ سے پانی لے لے اور دوسرا ساتھ ملا کر منہ دھولے یہ تو برتن کے ذریعہ لوٹے وغیرہ کے ذریعہ وضوء کرنے کا طریقہ ہے اور اگر حوض پر یا نہر پر ہے تو دونوں ہاتھوں سے پانی لینے میں بھی کچھ حرج نہیں۔

باب التسمیته علی کل حال وعندالوقاع

جبکہ تسمیہ والی حدیث ان کی شرط پر نہ تھی تو استنباط فرمایا کہ جب جماع میں تسمیہ ہے حالانکہ یہ حالت ذکر اللہ سے بہت بعید ہے تو وضوء میں تسمیہ بطریق اولیٰ ثابت ہوگئی۔ پھر یہ تصریح نہیں فرمائی کہ تسمیہ مستحب ہے یا واجب ہے اس مسئلہ میں اختلاف ہے عنداحمد وضوء کے شروع میں تسمیہ فرض ہے وعندالجمہور سنت ہے۔

لنا:۔ا۔قرآن پاک میں وضو میں تسمیہ مذکور نہیں ۲۔فی ابی داؤد عن المھاجرین قنفذ مرفوعا انی کرھت ان اذکراللہ تعالیٰ ذکرہ الاعلی طھر امام طحاوی نے اس سے استدلال فرمایا ہے کہ کوئی فرض کراہت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا کہ اس فرض کا ادا کرنا کبھی کراہت سے خالی ہی نہ ہوسکے اگر تسمیہ کو وضوء کے شروع میں فرض کہا جائے تو یہ ایسا فرض ہوگا جو بلا کراہت ادا نہ ہوسکے گا کیونکہ وضوٹوٹنے پر جو وضو ہوگا اس کا ابتدائی حصہ بے وضو ہونے کی حالت میں ادا ہوگا۔ ۳۔فی الدار قطنی عن ابن عمر مرفوعاً **من توضأ وذكر اسم الله عليه كان طهوراً لجميع بدنه و من تو ضاء و لم يذكر اسم الله عليه كان طهوراً لا عضاء و ضوئه.**

ولا حمد :۔فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً **لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله تعالىٰ عليه**:۔جواب:۔ا۔نفی کمال کی ہے۔۲۔خبرواحد سے قرآن پاک پر زیادتی نہیں ہوسکتی۔۳۔**فی الترمذی عن احمد لا اعلم فی هذا الباب حديثاً له اسناد جيد** معلوم ہوا روایت کمزور ہے۔۴۔من جانب الشوافع فقط یہ جواب بھی ہے کہ مقصود نیت کرنا ہے۔بسم اللہ پڑھنا اس حدیث میں مراد نہیں ہے۔

باب مايقول عند الخلاء

شریعت مطہرہ نے بول و براز جیسی معمولی چیز کے لئے ہمیں بہت سے عمدہ آداب متنوعہ سکھلانے ہیں مثلاً۔ا۔پہلی قسم تعظیم قبلہ کہ قبلہ کی طرف نہ منہ ہو نہ پشت ہو۔۲۔کمال نظافت اور پوری صفائی کہ پہلے ڈھیلا استعمال کرو پھر پانی۔۳۔کسی کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔ سایہ والے درخت کے نیچے۔لوگوں کے راستہ میں۔پانی کے گھاٹ میں۔چوپال میں بول و براز نہ کرو۔۴۔اپنے آپ کو تکلیف نہ پہنچاؤ مثلاً سوراخ میں پیشاب نہ کرو کوئی موذی جانور نہ نکل آئے۔سخت پتھر اور ہڈی بطور ڈھیلا استعمال نہ کرو ایسا نہ ہو کہ بدن زخمی ہو جائے۔۵۔محاسن عادات کا خیال رکھو مثلاً پہلے بیت الخلاء میں بایاں پاؤں رکھو۔طاق یعنی تین پانچ وغیرہ کا خیال رکھو۔۶۔اپنے کپڑوں کی حفاظت کرنا مثلاً اونچائی کی طرف پیشاب نہ کرنا۔۷۔ جنوں سے محفوظ رہنے کے لیے **اللهم انی اعوذ بک من الخبث و الخبائث** پڑھنا۔۸۔اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنا کہ نقصان والی چیز کو بدن سے نکال دیا۔ یہ دعا پڑھے **الحمد لله الذی اذهب عنی الاذی وعافانی** '۹۔کمال تستر کا خیال رکھو کہ کسی کو بدن نظر نہ آئے نہ ہی نامناسب آواز کان میں پڑھے۔

سوال:۔بیت الخلاء سے نکلتے وقت کی دعاء امام بخاری نے ذکر نہ فرمائی۔

جواب:۔ان کی شرط پر نہ تھی۔ **اذا اراد ان يدخل**:۔ یعنی مجاز بالمشارفہ ہے کہ آئندہ آنے والی صفت کو پہلے سے موجود فرض کر لیا ارادہ دخول کو دخول سے تعبیر کر دیا۔

باب وضع الماء عند الخلاء

تاکہ بیت الخلاء سے نکلتے ہی وضو کرے اشارہ فرمادیا کہ عالم کی خدمت کر کے دعا لینی چاہیے۔

باب لا تُستقبلُ القبلة بغائط او بول

وضو کے بعد آداب خلاء ہیں یعنی حدث کے ازالہ کے بعد نجاست حقیقہ کا ازالہ۔ وضوء کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ اس کا عبادت ہونا ہے۔ **الا عند البناء** یہ شبہ کا جواب ہے کہ احادیث میں تعارض ہے منع بھی فرمایا پھر بعض موقعوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استدبار بھی فرمایا جواب دیا کہ آبادی میں جائز ہے۔

اختلاف:۔امام ابو حنیفہ کے نزدیک استقبال و استدبار دونوں منع ہیں وعند الشافعی ومالک وفی روایۃ لاحمد آبادی میں جائز ہیں استقبال واستدبار دونوں اور صحراء میں دونوں منع ہیں۔ وفی روایۃ لاحمد وروایۃ لابی حنیفۃ استقبال دونوں جگہ منع ہے اور استدبار دونوں جگہ بلا کراہت جائز ہے وعند داؤد الظاہری دونوں جگہ دونوں جائز ہیں ہماری دلیل:۔ ۱-**فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً فاذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلته وملایستدبرھا**۔ ۲- **صحیحین** میں **عن ابی ایوب مرفوعاً ذااتی احد کم الغائط فلایستقبل القبله ولا یولها ظهره للشافعی ومالک ورروایته احمد:** ایک دلیل ابو داؤد کی روایت میں **عن مروان الاصفر قال رایت ابن عمر اناخ راحلته مستقبل القبلته ثم جلس یبول الیهافقلت یااباعبدالرحمن الیس قدنهی عن هذا قال بلیٰ انمانهی عن ذلک فی الفضاء فاذا کان بینک و بین القبلته شیء یسترک فلا باس**۔ جواب۔ ۱-حسن بن ذکوان ضعیف ہے۔ ۲- یہ صرف ابن عمر کا اجتہاد ہے۔ ۳۔صرف یہ ثابت ہوا کہ جنگل میں جب سامنے رکاوٹ نہ ہو تو ممانعت ہے حالانکہ آپ کا مسلک یہ ہے کہ رکاوٹ ہو یا نہ ہو ممانعت ہے۔ ۲۔ان کی دوسری دلیل فی ابی داؤد **عن ابن عمر قال لقدارتقیت علی ظهر البیت فرائیت رسول الله صلی علیه وسلم علی لبنتین مستقبل بیت المقدس.** جواب۔ ۱- ہماری دلیل قولی ہے اس لئے آپ کی فعلی دلیل پر راجح ہے۔ ۲- ہماری محرم ہے اس لئے آپ کی مبیح پر راجح ہے۔ ۳- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف سے بھی افضل تھے اس لئے آپ کو اجازت تھی ہمیں ممانعت ہے۔ ۴- ابن عمر نے سیڑھیاں چڑھتے وقت صرف سر مبارک دیکھا جب یہ سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں بیٹھے ہیں جہاں لبنتین ہوتی ہیں تو فوراً واپس آ گئے یہ معنیٰ نہیں کہ سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور اینٹیں بھی دیکھیں کیونکہ قصداً سارا بدن اس حالت میں دیکھنا ناجائز اور خلاف ادب تھا اس لئے سر مبارک کی حالت بیان کی کہ بیت المقدس کی طرف تھا حالانکہ مسئلہ کا مدار نیچے کے حصہ پر ہے۔ ۵- قبل النہی کا واقعہ ہے۔ ۶- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عین کعبہ کے مکلف تھے اور اس سے ہٹے ہوئے تھے ابن عمر جہت قبلہ کا ذکر کر رہے ہیں اس لئے استدلال درست نہیں۔ جہت کے معنیٰ یہ ہیں کہ نمازی سے قبلہ تک سیدھا خط کھینچیں پھر قبلہ سے اس خط پر ایک دوسرا عمودی خط کھینچیں اور دونوں طرف بڑھا دیں۔ تو اس دوسرے خط کی طرف منہ کرنا جہت قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے۔ عمودی خط کے معنیٰ یہ ہوئے ہیں کہ ایک خط پر دوسرا خط ایسے طریقہ سے واقع ہو کہ دونوں کونے اور دونوں زاویے جو دونوں طرف بنیں وہ برابر ہوں جیسے انسان زمین پر سیدھا کھڑا ہوتا ہے اور قائم علی الارض ہوتا ہے عمودی خط کی یہ صورت ہے ___|___ اور جہت قبلہ کی یہ صورت ہے۔

جہت

قبلہ ✕———————✕ نمازی

جہت
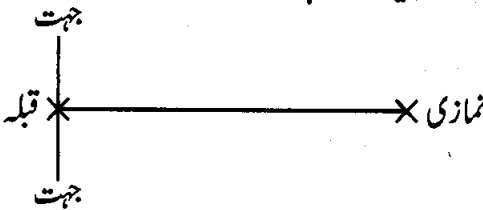
امام احمد کی ایک روایت کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے **عن سلمان مرفوعاً نهانا صلی الله علیه وسلم ان نستقبل القبلته بغائط اوبول** جواب یہ ہے کہ آپ کی روایت استدبار کے ذکر سے ساکت ہے ہماری ناطق ہے اور ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے داؤد ظاہری کی دلیل ابو داؤد کی روایت ہے **عن جابر قال نهی النبی صلی الله علیه وسلم ان نستقبل**

القبلة ببول فرأیة قبل ان یقبض بعام یستقبلها اوراس کے وہی جواب ہیں جوابھی ابن عمر والی روایت کے گزرے پانچویں جواب کی جگہ ہم کہتے ہیں کہ ابان بن صالح راوی ضعیف ہے ابن عبدالبراورابن القیم نے روایت کے ضعف کی تصریح کی ہے۔

باب من تبرز علی لبنتین:۔غرض یہ ہے کہ خالی زمین کی بجائے دواینٹیں رکھ کر بیٹھنا اولیٰ ہے تاکہ بدن کونجاست نہ لگے۔**وقال لعلک من الذین یصلون علی اوراکھم**:۔مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے حضرت واسع کونماز پڑھتے دیکھا تھا پھر قبلہ کی گفتگو ہوئی تو اس کے عورتوں کی طرح تورک کرنے کی وجہ سے اس کوکم علم قراردیا اوراس کوان لوگوں میں شمار کیا جوسنت سے واقف نہیں ہیں نہ نماز کا طریقہ سنت کے مطابق جانتے ہیں نہ استقبال قبلہ کا مسئلہ جانتے ہیں حضرت واسع نے عرض کیا لاادری کہ مجھے یقین کے ساتھ پتہ نہیں کہ میں سنت سے ناواقفوں میں داخل ہوں یا نہ یہ لاادری واللہ اعلم کی طرح ہے۔**قال مالک**:۔میں اسی کی وضاحت ہے کہ زمین سے چمٹ کر مردوں کاسجدہ کرنا اچھا نہیں

باب خروج النساء الی البراز

غرض یہ ہے کہ عورتوں کا قضاء حاجت کے لئے باہر جانا گھروں میں بیت الخلائیں بننے سے پہلے تھا۔جب بنادی گئیں تو پھر بلاضرورت نکلنے سے ممانعت ہوگئی۔**المناصع**:۔بول وبراز کے لئے کھلی جگہیں۔**صعیدافیح**:۔فراخ زمین۔**فانزل اللہ آیة الحجاب**:۔سوال اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہ کوحضرت عمر کاپکارنانزول حجاب سے پہلے ہے اور کتاب التفسیر میں صحیح بخاری ہی میں جواس واقعہ کی روایت ہے اس میں یہ پکارنانزول حجاب کے بعدمذکور ہے جواب۔۱-نزول حجاب کے دودرجے ہوئے تھے پہلے نزول حجاب وجوہ ہوا کہ غیر مردوں سے عورتیں چہرے چھپائیں پھرنزول حجاب اشخاص ہوا کہ بلاضرورت عورتیں گھرسے باہرنہ نکلیں یہ پکارنے کا واقعہ نزول اول کے بعد ہے یہی کتاب التفسیر میں ہے اورنزول ثانی سے پہلے ہے یہی یہاں ہے۔۲-اس روایت میں فانزل اللہ پہلے تھا کسی راوی نے غلطی سے پیچھے ذکرکردیا۔**باب التبرز فی البیوت**:۔غرض یہ ہے کہ جب گھرمیں بیت الخلائیں بن گئیں تو پھرعورتوں کوبلاضرورت نکلنے سے منع کردیا گیا۔

باب الاستنجاء بالماء

غرض ان لوگوں پررد ہے جواستنجاء بالماء کوممنوع قراردیتے ہیں کیونکہ پانی توانسان کے کھانے پینے کی چیز ہے اس سے استنجاء کرنااس کی توہین ہے ابن حبیب مالکی بھی کراہت کے قائل ہیں اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات کواس باب والی روایت اوروہ روایتیں جن میں ڈھیلا اورپانی دونوں کاذکر ہے یہ روایتیں پہنچی نہ ہوں گی ورنہ کراہت کے قائل نہ ہوتے۔

باب من حمل معه الماء لطهوره

غرض۔۱-بہتر ہے کہ ڈھیلے کے بعدجلدی ہی استنجاء بالماء کرلیا جائے۔۲-تھوڑی سی اس قسم کی امداددوسرے سے لینی جائز ہے۔۳-عالم کی خدمت مستحب ہے۔

باب حمل العنزة مع الماء فی الاستنجاء

مصلحت ایسا کرنے کی۔۱-فارغ ہوکر وضوکر کے دورکعت تحیۃ الوضو پڑھتے وقت اس چھوٹے نیزے کوگاڑکر سترا بنانا۔۲-لوگوں کوروکنا کہ اس نیزے سے آگے نہ جائیں یہاں کوئی قضاء حاجت میں مشغول ہے۔۳-پیشاب کے لئے نیزے سے زمین نرم کرنا تاکہ چھینٹے نہ پڑیں‘۴-للحفاظۃ من السباع۔۵-للحفاظۃ عن الاعداء۔**العنزة عصاً علیہ زج**:۔زج کے معنی ہیں سنان یعنی لوہے کا پھل چھری جیسا تیزلوہا۔

باب النهی عن الاستنجاء بالیمن

سوال تصریح کیوں نہ فرمائی کہ نہی تنزیہی ہے جواب۔۱-ان کو

تنزیہی ہونے کا یقین نہ ہوا۔۲-ان کے نزدیک ظاہر یہی تھا کہ تحریمی ہے کیونکہ نہی میں اصل تحریمی ہے۔لیکن جمہور کا اتفاق ہے کہ تنزیہی ہے۔

باب لایمسک ذکرہ بمیینہ اذابال

سوال یہ اور گذشتہ باب ایک ہو گئے۔جواب یہاں عام ہے استنجاء کرتے وقت یا پیشاب کرتے وقت۔

باب استنجاء بالحبارہ

غرض اس کا رد ہے جو استنجاء کو پانی پر بند کرتا ہے۔

باب لایستنجی بروث

عندالشافعی واحمد تین کا عدد ڈھیلوں کا واجب ہے جبکہ استنجاء بالماء نہ کرنا ہو وعندابی حنیفۃ و مالک صفائی واجب ہے طاق کی رعایت مستحب ہے لنا۔۱- **فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً من استجمر فلیوتر من فعل فقداحسن و من لافلا حوج.** ۲-زیر بحث باب کی روایت کہ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ڈھیلے لانے کے لئے فرمایا میں دو ڈھیلے اور ایک لید لے آیا **فاخذالحجرین والقی الروثتہ:** اگر تین واجب ہوتے تو تیسرا ڈھیلا ضرور منگواتے۔۳- **فی ابی داؤد عن عائشتہ مرفوعاً فلیذھب معہ بثلثۃ احجار یستطیب بھن فانھا تجزئ عنہ** معلوم ہوا کہ تین کا عدد کافی ہو جانے کی وجہ سے ہے **وللشافعی واحمد فی ابی داؤد عن سلمان مرفوعاً وان لایستنجی احدنا باقل من ثلثتہ احجار.**

جواب۔۱-استحباباً۔۲-عموماً تین کافی ہو جاتے ہیں۔

باب الوضو مرۃ مرۃ

غرض یہ ہے کہ ایک دفعہ سے بھی فرض پورا ہو جاتا ہے۔

باب الوضوء مرتین مرتین

یعنی یہ مستحب ہے۔

باب الوضوء ثلثاثلث

۱:۔حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے وضو کر کے دکھانے کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ صحابہ سے وضو کرنے کے طریقے مختلف قسم کے ظاہر ہوئے تھے اس لئے مسنون طریقہ ظاہر فرماتے تھے۔

لا یحدث فیھما نفسہ

کہ نمازی قصداً اپنے نفس سے باتیں نہ کرے اس سے خشوع کی تفصیل معلوم ہوئی جو واجبات صلوٰۃ سے ہے کہ خشوع قصداً نفس سے باتیں کرنے سے ٹوٹتا ہے غیر اختیاری وساوس سے نہیں ٹوٹتا جب یاد آئے کہ میں دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو فوراً توجہ نماز کی طرف کرے پھر وساوس آئیں تو پھر یاد آنے پر توجہ نماز کی طرف کرلے بس خشوع کے لئے کافی ہے دماغ پر زیادہ زور ڈالنے سے دماغ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر زیادہ زور ڈالنے سے بھی وساوس نہ گئے اور وساوس کو خشوع کے خلاف سمجھتا ہے تو تھک کر خشوع کا اہتمام یا نعوذ باللہ نماز ہی کو چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے پھر خشوع کی اہم صورتیں یہ ہیں ۱۔نماز میں پڑھے جانے والے الفاظ سوچ سوچ کر پڑھے جیسے کچا حافظ تراویح میں سوچ سوچ کر پڑھتا ہے امام جہراً پڑھ رہا ہے تو توجہ سننے کی طرف رکھے اور اگر سری نماز ہے تو الفاظ فاتحہ کا دل میں تصور کرے حدیث موقوف **اقرأ بھافی نفسک** کے ایک معنیٰ بھی کئے گئے ہیں۔۲۔الفاظ کے معنیٰ سوچے۔۳۔اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور کرے۔۴۔اللہ تعالیٰ کی صفات سوچے۔۵۔خانہ کعبہ کا تصور کرے کہ اس کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہا ہوں۔

ماتقدم من ذنبہ

۱۔ذنب کا اطلاق ایسے ہی سیّہ اور خطیّہ کا صغائر پر ہوتا ہے اس لئے وہی وضو وغیرہ سے معاف ہوتے ہیں۔۲۔ایک حدیث **مالم یُؤتَ کبیرۃً** کے بھی یہی معنیٰ ہیں کہ کبیرہ گناہ وضو وغیرہ سے معاف نہیں ہوتے۔۳۔قرآن پاک میں جابجا کبائر پر مواخذہ کے بعد توبہ کا استثناء ہے معلوم ہوا ہے کہ کبیرہ کی معافی صرف توبہ سے ہوتی ہے وضو وغیرہ سے نہیں ہوتی **حتی یصلیھا:** سوال یہ بظاہر ہر مغفرت کی غایت ہے کہ نماز پڑھنے تک بخشش ہے پھر بخشش نہیں یہ

معنیٰ تو ٹھیک نہیں کیونکہ بخشش تو بعد میں بھی ہے جواب عبارت محذوف ہے ای غفرله ما حصل من الذنوب الی انتهاء الصلوٰة یعنی نفس وضو سے تو گذشتہ نماز سے لے کر وضو شروع کرنے تک کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور حسن وضو سے وضو کے بعد آئندہ نماز کے ختم ہونے تک کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں مثلاً خشوع میں یا آداب ظاہرہ میں کمی کی ہو تو معاف ہو جاتی ہے۔

باب الاستنشار فی الوضوء

ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پیچھے کل تھا اب اس کا جزء ہے عند احمد کلی اور ناک میں پانی ڈالنا غسل اور وضو دونوں میں واجب ہے وعند الشافعی و مالک دونوں میں سے کسی میں بھی واجب نہیں وعند امامنا ابی حنیفة غسل میں دونوں واجب بمعنیٰ فرض وضو میں دونوں سنت ہماری دلیل یہ ہے کہ منہ اور ناک کا اندرونی حصہ نظر بھی آ جاتا ہے جیسے منہ کھول کر باتیں کریں تو منہ کا اندرونی حصہ نظر آتا ہے اور آسمان کی طرف دیکھیں تو ناک کا اندرونی حصہ نظر آتا ہے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حساً اعضاء ظاہرہ میں سے ہیں ایسے ہی شرعاً بھی یہ دونوں اعضاء ظاہرہ میں سے ہیں کیونکہ منہ میں اور ناک کے نرم حصہ میں پانی یا کوئی اور کھانے پینے کی چیز رکھیں تو جب تک گلے سے نہ اترے روزہ نہیں ٹوٹتا اور ایک لحاظ سے یہ دونوں اعضاء باطنہ میں سے ہیں حساً کہ منہ بند کریں تو منہ کا اندرونی حصہ نظر نہیں آتا ایسے ہی زمین کی طرف دیکھیں تو سامنے بیٹھنے والے کو ناک کا اندرونی حصہ نظر نہیں آتا۔ اور شرعاً بھی یہ ایک لحاظ سے اعضاء باطنہ میں سے ہیں کیونکہ تھوک اور آب بینی ناک کی بلغم اگر کوئی نگل جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ دونوں من وجہ اعضاء ظاہرہ میں سے ہیں اور من وجہ اعضاء باطنہ میں سے ہیں تو اب جہاں صیغہ مبالغہ کا آیا ہے یعنی غسل وان کنتم جنباً فاطهروا اس میں تو یہ دونوں داخل ہو جائیں گے اور ان کو اعضاء ظاہرہ میں سے شمار کیا جائے گا اور پانی پہنچانا فرض ہوگا تاکہ مبالغہ پر عمل ہو سکے اور جہاں مبالغہ نہیں یعنی وضو میں فاغسلوا وجوهكم وارد ہے وہاں ان دونوں جگہوں پر پانی پہنچانا فرض نہ ہوگا اور حدیث کی وجہ سے صرف سنت ہوگا۔ امام شافعی اور امام مالک وضو میں تو ہمارے ساتھ ہی ہیں اور غسل میں ان کی دلیل یہ ہے کہ غسل کا تعلق ظاہر بدن سے ہے اور یہ دونوں اندرونی حصے ہیں اس لئے ان دونوں جگہوں میں پانی پہنچانا فرض نہیں ہے۔ جواب ہماری تقریر میں ضمناً ہو گیا کہ من وجہ بیرونی حصے بھی ہیں اس لئے مبالغہ پر عمل کرنے کے لئے ان دونوں جگہوں میں پانی پہنچانا فرض ہے وللاحمد۔ زیر بحث باب کی روایت عن ابی ہریرة مرفوعاً من توضاء فلیستنشر اور ابوداؤد میں عن لقیط بن صبرة مرفوعاً اذا توضات فمضمض جواب امر استحبابی ہے قرینہ ہمارے دلائل ہیں۔

باب الاستجمار وترا

غرض یہ ہے کہ طاق کی رعایت مستحسن ہے قسطلانی میں واقعہ منقول کہ کسی نے اس حدیث کو سن کر استہزاء کہہ دیا واین تبیت یده کہ جانا کہاں ہے وہ سو کر اٹھا تو دبر میں ہاتھ تھا اور گندگی سے بھرا ہوا تھا کسی گستاخ نے فمن یاتیکم بماء معین سن کر کہہ دیا کہ ناتیه بالمغول والمعین کہ ہم لے آئیں گے کسی اور مزدور کی امداد سے آنکھوں کا پانی ختم کر دیا گیا اور ندا آئی کہ ہم نے آنکھوں کا پانی ختم کر دیا ہے تم لے آؤ۔ مسائل مستنبطہ:۔ ۱- سور کلب سے برتن کو پاک کرنے کے لئے برتن کو تین دفعہ دھو لینا کافی ہے کیونکہ ہاتھ کو تین دفعہ دھونے کا حکم پانی میں ڈالنے سے پہلے اس لئے ہے کہ شاید بول و براز کی جگہ ہاتھ لگ گیا ہو اور صرف ڈھیلا کر کے سویا ہو تین دفعہ دھو لے تاکہ ہاتھ پاک ہو جائیں پس جب انسانی غلاظت سے ہاتھ پاک کرنے کے لئے تین دفعہ دھونا کافی ہے جو سب نجاستوں سے زیادہ غلیظ ہے تو کتے کے جوٹھے سے تین دفعہ دھو لینا پاک کرنے کے لئے بطریق اولیٰ کافی ہے۔ ۲- داؤد ظاہری اور امام طبری نے نہی سے وجوب نکال لیا جمہور سنیت کے قائل ہیں جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ نہی وجوب پر دال ہے لیکن

آخر میں تعلیل ہے فانہ لایدری این باتت یدہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ صرف احتیاطاً نہی وارد ہوئی ہے اس سے استحباب ثابت ہوا ہم نے دونوں کے درمیان سنیت کو لے لیا۔۳-امام احمد نے اس حکم کو لیل کی قید کی وجہ سے رات ہی کے ساتھ خاص کر دیا۔ جواب یہ ہے کہ جمہور کی طرف سے کہ ایک روایت میں جو بخاری شریف اور ابوداؤد میں آتی ہے من اللیل کی جگہ من نومہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ لیل کی قید واقعی ہے کیونکہ انسان زیادہ تر رات کو ہی سوتا ہے۔۴- ماء قلیل صرف ہاتھ ڈالنے سے مستعمل نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ اس حدیث کے مطابق تین دفعہ دھونے کے بعد ہاتھ پانی میں ڈالنے کی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ ہاتھ دھونے اور برتن میں ڈالنے کے درمیان حدث لاحق ہوا ہو یا نہ جب دونوں صورتیں جائز ہیں تو ثابت ہوگیا کہ بے وضو آدمی برتن میں ہاتھ ڈال دے تو وہ سارا پانی مستعمل نہیں ہو جاتا البتہ جب کسی برتن میں اکثر مستعمل ہو تو سارا ہی مستعمل ہوتا ہے ۵- ماء قلیل معمولی نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے کیونکہ ہاتھ ڈالنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ شاید ہاتھ پر نجاست لگی ہو برتن میں بغیر دھوئے ڈالے گا تو سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔ ٦- کپڑے کو نجاست مرئیہ لگی ہوئی ہو تو ایک دفعہ یا دو دفعہ دھونے سے اگر دور ہو جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ لیکن اس حدیث کی وجہ سے بہتر یہی ہے کہ تین کا عدد پورا کرلے کیونکہ اس حدیث میں دھونے کے حکم کی وجہ نجاست مرئیہ بھی ہوسکتی ہے۔ غیر مرئیہ بھی ہوسکتی ہے۔ ۷- ازالہ نجاست کے لئے رش کافی نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں مدار صرف غسل پر رکھا گیا ہے یہ نہیں فرمایا کہ دھولو یا رش کرلو ۸- عبادات میں احتیاط ہونی چاہئے کیونکہ مقصد یہی ہے کہ پانی خراب نہ ہو نماز کے وضو میں شبہ نہ ہو۔ ۹- علامہ نووی نے استنباط فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ ورود نجاست علی الماء موجب تنجیس ہے اسی لئے ہاتھ ڈالنے سے ممانعت ہے کہ دھوئے بغیر ہاتھ نہ ڈالو اور ورود ماء علی النجاستہ موجب تطہیر ہے اس لئے ہاتھ دھو کر ڈالنے کی اجازت ہے کہ نجاست

والے ہاتھ پر پانی پڑے گا تو تطہیر ہو جائے گی یہ استنباط صحیح نہیں ہے کیونکہ نجس ہاتھ سے دھوتے وقت جو پانی نیچے گرے گا وہ پانی تو ناپاک ہی ہوگا۔ تین دفعہ دھونے سے ہاتھ اس لیے پاک ہو جاتا ہے کہ اس سے نجاست کا ازالہ ہو جاتا ہے ورود ماء علی النجاست اور اس کے عکس میں کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں پانی اور نجاست کا مجموعہ ناپاک ہی ہے۔ ۱۰۔ نامناسب چیز کو حتی الامکان بطور کنایہ ہی ذکر کرنا چاہیے جیسے یہاں استنجے کی جگہوں کا صراحۃً نام نہیں لیا صرف یہ فرمایا فانہ لایدری این باتت یدہ۔ ۱۱۔ وضو کے شروع میں غسل یدین مسنون ہے کیونکہ نیند سے اٹھنے والے مومن کا کام نماز ہوتا ہے اس لئے اس حدیث پاک میں نماز کی تیاری کے لئے وضو کے شروع میں ہاتھ دھونے کا ذکر ہے پس غسل یدین ابتداء وضو میں مسنون ہے۔ ۱۲۔ ہر بہنے والی چیز معمولی نجاست سے ناپاک ہو جاتی ہے کیونکہ بعض روایات میں فی الاناء کی جگہ فی وضوء بھی آیا ہے جس کے معنیٰ وضو کرنے کا پانی ہوتے ہیں۔ اس پانی میں ہاتھ ڈالنے سے کیوں منع فرمایا اس لئے کہ بہنے والی چیز ہے اور ایسی چیز میں نجاست فوراً پھیل جاتی ہے پس ہر بہنے والی چیز کا حکم معلوم ہوا دودھ ہو سرکہ ہو۔ شربت ہو کہ معمولی نجاست کے گرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ ۱۳۔ استنجاء بالاحجار سے ازالہ نجاست نہیں ہوتا بلکہ تخفیف نجاست ہو جاتی ہے اِس لیے ہاتھ تین دفعہ دھونے کا حکم فرمایا کہ عام عادت استنجاء بالاحجار کے بعد سونے کی تھی کہ شاید استنجے کی جگہ ہاتھ لگ جائے اور جگہ پسینہ سے گیلی ہو چکی ہو اس لیے ہاتھ ناپاک ہو جائے۔ ۱۴۔ احتیاط یہی ہے کہ اگر استنجاء بالماء کر کے اور سلوار پہن کر بھی سویا ہو تو پھر بھی ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں نہ ڈالے کیونکہ الفاظ عام ہیں فانہ لا یدری این باتت یدہ کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ خارش سے خون نکل آئے جو ہاتھ کو لگ جائے۔ ۱۵۔ بچے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ احدکم بالغین کو خطاب ہے۔ ۱۶۔ اونگھ کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ نوم کا ذکر ہے۔ ۱۷۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حکم سے بلکہ نیند کے ناقض وضو ہونے کے حکم سے

بھی مستثنیٰ ہیں کیونکہ احدکم فرمایا احدنا نہ فرمایا۔ ۱۸۔ نوم ناقض وضو ہے کیونکہ ہاتھ دھونے کا حکم گویا وضو کرنے کا حکم بھی ہے۔ ۱۹۔ بعض نے اس حدیث سے مس ذکر کے ناقض ہونے کو ثابت کیا ہے لیکن یہ بعید ہے کیونکہ نیند سے وضو ٹوٹنے کا حکم بالا جماع خروج ریح کی وجہ سے ہے جو کثرت سے ارخاء مفاصل کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے اجماعی احتمال کے ہوتے ہوئے اختلافی احتمال کے لیے دلیل بنانا بعید ہے۔ ۲۰۔ تثلیث اعضاء وضو مسنون ہے کیونکہ یہاں تین مرتبہ دھونے کی تصریح ہے۔

باب غسل الرجلین ولا یمسح علی القدمین

شیعہ کی تردید مقصود ہے۔ شیعہ کے نزدیک وضو میں پاؤں پر مسح کافی ہے اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے کہ دھونا ضروری ہے۔ لنا۔ اِس باب کی حدیث عن عبداللہ بن عمرؓ و مرفوعاً ویل للا عقاب من النار اور یہ حدیث معنیً متواتر ہے لھم قراءۃ الجر کہ متواتر قرأت ہے اس لیے ارجلکم مجرور کا عطف رؤسکم پر ہے سر کا بھی مسح ہے اور پاؤں کا بھی مسح ہے۔ جواب۔ ۱۔ دو قرائتیں حکم میں دو آیتوں کے ہوتی ہیں اس لئے دو حالتوں پر محمول ہوں گی جیسے **و لا تقربوھن حتی یطھرن** اور **یطھر** تخفیف وتشدید کی دو قراتیں دو حالتوں پر محمول ہیں تخفیف والی اس پر کہ پورے دس دن حیض ختم ہو تو معمولی پاکی یعنی خون کا بند ہونا جواز وطی کے لیے کافی ہے اور تشدید والی قرأت دس دن سے کم پر لیکن عادت پوری ہونے کے بعد پر محمول ہے کہ خوب پاکی ہو یعنی خون بھی بند ہو جائے اور اس کے بعد غسل بھی کر لے اِسی طرح یہاں نصب والی قرأت ننگے پاؤں پر اور جر والی موزے پہننے پر محمول ہے۔ ۲۔ دو قریب المعنیٰ عاملوں کے معمول ہوں تو ایک عامل کو حذف کر کے اس کے معمول کو دوسرے عامل کے معمول پر عطف کر دینا جائز ہے جیسے۔

ع علفتھا تبناً و ماءً بارداً

کہ اصل میں تھا علفتھا تبناً واشربتھا ماءً بارداً کہ سواریوں کو گھاس اور بھوسہ کھلایا اور پانی پلایا ایسے ہی یہاں تھا **وامسحوا** **برءوسکم و اغسلوا ارجلکم** تو **واغسلوا** کو حذف کر دیا گیا اور ارجلکم کو رؤسکم پر عطف کر کے مجرور کر دیا گیا معنیً میں غسل ملحوظ رہے گا۔ ۳۔ یہاں جر جواری ہے کہ قریب کے جر کی مناسبت سے کسی کلمہ کو جر دے دینا جیسے حدیث شریف میں ہے **مَن ملک ذارَحِم محرمٍ عتق علیه** اصل میں تھا محرماً پھر رحم کے مجرور ہونے کی وجہ سے محرم کو مجرور کیا گیا۔ ایسے ہی رؤسکم کی وجہ سے ارجلکم کو مجرور کر دیا گیا معنیً نصب والے ہی رہیں گے۔

باب المضمضة فی الوضوء

غرض اس کی مشروعیت کا بیان ہے۔

باب غسل الا عقاب

غرض وربط وفرق۔ ۱۔ پیچھے غسل الرجلین والے باب میں رد تھا تارکین غسل رجلین پر یہاں یہ حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ کوئی جگہ خشک نہ رہے اِسی لیے ابن سیرین کا قول بھی ذکر فرمایا پس یہ عام ہے اور غسل الرجلین والا باب خاص تھا۔ ۲۔ پیچھے کل کا ذکر تھا یعنی رجلین اب جزء خفی کا ذکر ہے یعنی اعقاب اور تنبیہ کی وجہ بھی اعقاب کا مخفی ہونا ہے کہ بعض دفعہ جلدی میں دھونے سے رہ جاتی ہیں۔ **کان ابن سیرین یغسل موضع الخاتم اذا توضاء:**۔ اس اثر کا باب سے یہ تعلق ہے کہ حدیث اعقاب سے معلوم ہوا کہ اعضاء وضوء میں استیعاب فی الغسل ضروری ہے۔

باب غسل الرجلین فی النعلین ولایمسح علی النعلین

غرض یہ ہے کہ نعلین پر مسح جائز نہیں پھر بعض اہل ظواہر کے نزدیک نعلین پر مسح جائز ہے جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔ لنا۔ ۱۔ آیت وضو والی۔ ۲۔ فی البخاری وابی داؤد عن عبداللہ بن عمرو مرفوعاً **ویل للا عقاب من النار**. ۳۔ قیاس ہے پھٹے ہوئے موزوں پر لھم۔ ۱۔ فی ابی داؤد عن اوس بن ابی اوس مرفوعاً و مسح علی نعلیه و قدمیه۔ ۲۔ فی ابی داؤد عن المغیرۃ بن شعبۃ مرفوعاً و مسح علی الجوربین و

النعلین ۔۳۔ فی الطحاوی عن ابی ظبیان عمل نقل فرمایا حضرت علیؓ کا کہ پیشاب فرمایا پھر وضوء فرمایا اس میں نعلین پر مسح فرمایا ان سب کے جوابات ۔۱۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا مسح کے معنی مَل کر دھونے کے بھی آتے ہیں وہی یہاں مراد ہیں کہ جوتے سمیت پاؤں کو مل کر دھویا۔۳۔ مقصود مسح علی الجواربین تھا۔۴۔ مخالفت آیت کی وجہ سے ان اخبار آحاد کو چھوڑ اجائے گا۔

باب التیمن فی الوضوء و الغسل

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے اور مسئلہ اتفاقی ہے پھر یہ اس امت کی خصوصیت ہے یہود ونصاریٰ میں دائیں ہاتھ کی فوقیت کا اہتمام نہ تھا۔

باب التماس الوضوء اذا حانت الصلوٰة

غرض ۔۱۔ بلا جستجو تیمم نہ کرے ۔۲۔ نماز کے وقت سے پہلے پانی تلاش کرنا ضروری نہیں ہے۔

باب الماء الذی یغسل به شعر الا نسان

غرض امام بخاری میں پہلا قول یہ ہے کہ رد کرنا مقصود ہے امام شافعی کی ایک روایت کا کہ انسان کا بال پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک پاک ہی رہتا ہے ہماری جمہور کی دلیل فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً ان المسلم لاینجس ۔لہ۔ بال میں بھی حیوٰۃ ہوتی ہے اس لئے گرنے سے بال کی موت واقع ہوگئی اس لئے نجس ہو گیا جواب حیوٰۃ نہیں ہے ورنہ کاٹنے سے تکلیف ہونی چاہئے تھی۔ غرض امام بخاری میں دوسرا قول یہ ہے کہ اصل مقصد انسان کے بال کی طہارت ہے پانی کا ذکر تبعاً ہے کیونکہ گرنے کا زیادہ تعلق پانی سے ہی ہوتا ہے۔ **وکان عطاء لایری به باسا ان تیحذ منها الخیوط و الحبال:**۔ ہمارے امام صاحب کے نزدیک دھاگے اور رسیاں بنانی جائز نہیں ہیں۔ ہماری دلیل اکرام ہے انسان کا جیسے اس کی کھال کا استعمال جائز نہیں حضرت عطاء کی دلیل بالوں کا پاک ہونا ہے جواب پاک ہونے سے استعمال کا جواز ثابت نہیں ہوتا جیسے مٹی کے پاک ہونے سے کھانے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ **وسور الکلب و ممر هافی المسجد:**۔ غرض ۔۱۔ سورِ کلب کی پاکی کا بیان کیونکہ امام بخاری کی عادت ہے کہ یا تو اپنا مذہب باب کے عنوان میں بیان فرما دیتے ہیں یا باب کے بعد جو آثار لاتے ہیں ان میں بیان فرما دیتے ہیں یہاں آثار میں پاکی کا بیان ہی ہے ۲۔ اپنا مذہب بیان کرنا مقصود نہیں صرف دوسرے حضرات کے مذاہب بیان کرنے یہاں مقصود ہیں۔ ۳۔ غرض امام بخاری کی اظہار تردد ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک سورِ کلب نجس ہے اور پاک کرنے کے لئے تین دفعہ دھونا کافی ہے وعندالشافعی نجس ہے اور سات دفعہ دھونا ضروری ہے اور عند احمد نجس ہے اور آٹھ دفعہ دھونا ضروری ہے اور ان میں سے ایک دفعہ مٹی سے مل کر دھونا بھی ضروری ہے وعن مالک تین روایتیں ہیں ۔۱۔ پاک ہے لیکن تعبداً یعنی خلاف قیاس سات دفعہ دھوئینگے ۔۲۔ نجس ہے اور سات دفعہ تطہیراً دھوئیں گے ۳۔ جن کتوں کا پالنا جائز ہے ان کا جوٹھا پاک ہے اور جن کا پالنا جائز نہیں ان کا جوٹھا ناپاک ہے دھوئیں گے سب کو سات دفعہ۔ لنا۔ ۱۔ **فی الدار قطنی عن ابی هریرۃ مرفوعاً یغسل ثلثا اوخمسا اور سبعاً** ۔۲۔ **فی الدار قطنی عن ابی هریرۃ موقوفاً** کہ تین دفعہ دھویا۔ ۳۔ **فی الصحیحین** وابی داؤد حدیث المستیقظ من النوم کہ نیند سے اٹھے تو تین دفعہ ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں نہ ڈالے دھونے کے حکم کی وجہ یہ ہے کہ شاید نجاست کی جگہ ہاتھ لگ گیا ہو اور سوتے وقت صرف ڈھیلے کئے ہوں جیسا کہ عام عادت تھی اس لئے ہاتھ کو انسانی غلاظت لگ گئی ہو جب انسانی غلاظت سے ہاتھ کو پاک کرنے کے لئے تین دفعہ دھونا کافی ہے جو تمام نجاستوں میں سب سے زیادہ غلیظ ہے تو کتے کے جوٹھے سے بطریق اولیٰ تین دفعہ دھونا کافی ہونا چاہئے **وللشافعی فی ابی داؤد والبخاری عن ابی هریرۃ مرفوعاً طهور اناء احد کم اذا ولغ فیه الکلب ان یغسل سبع مرات اولهن بالتراب** جواب ۔۱۔ ثلثاً اوخمساً اوسبعاً والی روایت سے معلوم ہوا کہ سات کا امر استحبابی ہے۔ ۲۔ کتوں پر ایک زمانہ سختی کی گئی تھی پھر نرمی کر دی گئی تھی قرین قیاس یہی ہے کہ سات کا امر سختی کے زمانہ کا ہے اس لئے منسوخ ہے۔ ۳۔ حضرت ابوہریرۃ کا عمل اپنی ہی اس نقل کی

ہوئی روایت کے خلاف اوپر مذکور ہے اور اصول یہ ہے کہ صحابی راوی کا اپنا عمل اگر اپنی ہی نقل کی ہوئی روایت کے خلاف ہو تو وہ مرفوعاً نقل کی ہوئی روایت یا تو منسوخ ہوگی یا ضعیف ہوگی یا ماول ہوگی یعنی خلاف ظاہر پر محمول ہوگی تینوں صورتوں میں اس سے استدلال نہیں ہوسکتا **ولاحمد فی ابی داؤد عن ابن مغفل مرفوعاً اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوہ سبع مرارو الثامنة عفروہ بالتراب** جواب اوپر والی روایت کا پہلا اور دوسرا جواب یہاں بھی جاری ہوتے ہیں ولمالک ۱- **فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً** کے لفظ ماءً میں کتے کا جوٹھا بھی داخل ہے وہ بھی ماء کا مصداق ہے اس کے ہوتے ہوئے تیمم نہ کریں گے اور جب اس سے وضو کریں گے تو اس کو ناپاک کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جواب اسی آیت میں **ولکن یرید لیطھر کم** بھی تو ہے اس سے معلوم ہوا کہ **فلم تجدوا ماءً** کی تنوین تنویع کے لئے ہے اور ماء طاہر مراد ہے اس میں کتے کا جوٹھا داخل نہیں ہے۔ ۲- بخاری شریف کے اسی باب میں ہے **عن ابی ہریرۃ مرفوعاً ان رجلا رای کلبا یا کل الثریٰ من العطش فاخذالرجل خفه فجعل یغرف له به حتیٰ ارواہ فشکر اللہ له فادخله الجنته** معلوم ہوا کتے کا جوٹھا پاک ہے ورنہ اپنے موزہ میں پانی پلانے والے کا جنتی ہونا اور قابل مدح ہونا کیوں بیان کیا جاتا۔ جواب۔ ۱- ظاہر یہی ہے کہ موزہ کے ذریعہ سے پانی کنویں سے نکالتا اور گڑھے میں ڈالتا رہا اور کتے کو سیراب کردیا موزہ میں کتے کا منہ ڈالنا بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ ۲- یہ کہاں ہے کہ پھر موزہ کو پاک کئے بغیر پہن لیا ظاہر یہی ہے کہ بعد میں پاک کر کے پہنا ہوگا۔ ۳- یہ کہاں ہے کہ اسی موزہ کو پہن کر نماز بھی پڑھی ظاہر ہے کہ اگر نماز سے پہلے پہنا بھی ہو تو نماز پڑھتے وقت اتار دیا ہوگا۔ ۴- اس امت میں یہ حکم باقی نہیں رکھا گیا کیونکہ صراحۃً نجاست کا اور برتن کو پاک کرنے کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔ ۳- تیسری دلیل بخاری شریف میں اسی باب میں تعلیقاً روایت ہے **عن عبداللہ بن عمر قال کانت الکلاب تبول و تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلم یکونوا یرشون شیئاً من ذلک** اس سے ثابت ہوا کہ جب کتے مسجد سے گزرتے تھے تو ان کا لعاب بھی گرتا تھا اس سے مسجد کو دھویا نہ جاتا تھا نہ چھڑکاؤ کیا جاتا تھا معلوم ہوا کہ کتے کا لعاب پاک ہے۔ جواب۔ زمین خشک ہو کر پاک ہو جاتی تھی۔ سؤر کلب کی طہارت ثابت نہ ہوئی۔ ۴- چوتھی دلیل بخاری شریف کی اسی باب کی روایت **عن عدی بن حاتم مرفوعاً اذا ارسلت کلبک المعلم فقتل فکل** کھانے کی اجازت ہے اور جہاں کتے کا لعاب لگا ہے اس کو دھونے کا ذکر نہیں ہے معلوم ہوا کتے کا لعاب پاک ہے جواب معلوم کرنے کی وجہ سے دھونے کا ذکر نہ فرمایا جیسے خون دھونے کا ذکر نہ فرمایا حالانکہ بالا جماع خون ناپاک ہے۔ یہ تو طہارت والے قول کی دلیلیں تھیں۔ نجاست والے قول کی ضمناً دلیلیں گزر گئیں تیسرے قول کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے **عن ابن مغفل مرفوعاً فرخص فی کلب الصیدو فی کلب الغنم** یہ رخصت مستلزم ہے طہارت کو ورنہ حرج لازم آئے گا جواب یہ ہے کہ پالنے کی اجازت کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اپنے کمرے میں رکھے جہاں باقی جانور رکھے جاتے ہیں وہاں کتا بھی رکھیں گے جیسے باقی جانوروں کا پیشاب اور گوبر پاک نہیں ایسے ہی کتے کا جوٹھا بھی پاک نہیں۔

مسئلة طھارۃ الارض بالیبس

زمین کا نجاست سے پاک کرنا پانی بہانے سے اور کھودنے سے بالا جماع صحیح ہے کچی جگہ پانی بہانے کی ایک صورت یہ ہے کہ نجاست جسم والی نہ ہو تو پانی ڈال کر تھوڑی دیر بعد دوسری دفعہ اور تھوڑی دیر بعد تیسری دفعہ پانی ڈال دیں تو وہ جگہ پاک ہو جائے گی۔ جگہ پختہ ہو اور مسجد وغیرہ کا درمیانی حصہ ہو تو پانی کی بالٹی۔ ایک خالی بڑا برتن ایک ڈبہ اور ایک کپڑا لے لیا جائے پانی اُس نجاست غیر مرئیہ پر ڈبے سے ڈالا جائے کپڑے سے خشک کر لیا جائے اور کپڑا تین دفعہ خالی برتن میں دھو کر نچوڑ لیا جائے تین دفعہ ایسا ہی کر لیا جائے تو وہ جگہ آسانی سے پاک ہو جائے گی پھر عندا منارش سے زمین پاک نہیں ہوتی جفاف سے پاک ہو جاتی ہے وعندالجمہور رش یعنی چھینٹے ڈالنے سے پاک ہو جاتی

ہے جفاف یعنی خشک ہونے سے پاک نہیں ہوتی۔لنا۔ا۔فی شرح النقایۃ عن عائشۃ موقوفاً زکوۃ الارض یبسھا.۲۔اِس باب کی روایت عن عبد اللہ ابن عمر قال کانت ارکلاب تبول و تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یکونوایر شون شیئاً من ذلک. سوال۔کتے پیشاب باہر کرتے تھےاس لئے استدلال صحیح نہیں ہے۔جواب۔ا۔یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس توجیہ پر ذکر بول اور ذکر رش بے کار ہو جائے گا۔۳۔کتوں کا لعاب تو پھر بھی گرتا تھا ہمارا استدلال پھر بھی صحیح ہے۔لھم۔فی ابی داؤدعن ابی ہریرہ مرفوعاً ایک دیہاتی کے مسجد میں پیشاب کردینے پر فرمایاصُبّوا علیہ سجلا من ماءظاہر ہے کہ مسجد میں ایک ڈول سے رش ہوسکتا ہے صب نہیں ہوسکتا اور اگر جفاف کافی ہوتا تو اِس رش کی کیا ضرورت تھی معلوم ہوا رش سے تطہیر ہوتی ہے۔جفاف سے نہیں ہوتی۔جواب ا۔ابوداؤد میں ہی اِسی واقعہ میں زمین کھودنے کی تصریح بھی موجود ہے معلوم ہوا کہ اصل تطہیر حفر سے ہوتی رش صرف مٹی بٹھانے کے لئے تھا۔۲۔ابوداؤد میں اِسی واقعہ میں یہ بھی ہے ثم لم یلبث ان بال فی ناحیتہ المسجد معلوم ہوا کہ ایک کنارے پر پیشاب کیا تھا اور کنارے پر ڈول سے تین دفعہ پانی بہایا جاسکتا ہے۔اس لیے رش چھڑکاؤ پر استدلال صحیح نہ رہا۔

باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین القبل والدبر

غرض یہ ہے کہ خارج من غیر السبیلین کے ناقض وضوء نہ ہونے کے دلائل ذکر کر دئے جائیں وعند امامنا ابی حنیفۃ واحمد دم سائل ناقض وضو ہے خواہ سبیلین سے خارج ہو یا غیر سبیلین سے وعند الشافعی و مالک غیر سبیلین سے خارج ہونے والا خون ناقض نہیں ہے۔لنا۔ا۔فی البخاری عن عائشہ مرفوعاً استحاضہ کے متعلق انماذ لک عرق کہ دم استحاضہ یہ رگ کا خون ہے اس لئے اس میں غسل واجب نہ ہوگا صرف وضوٹوٹے گا۔اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جہاں سے بھی رگ کا خون نکلے تو وضوٹوٹ جائے گا۔۲۔فی الدار قطنی عن سلمان رانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قد سال من انفی دم فقال احدث وضوءً.۳. فی الدار قطنی عن ابی ھریرۃ مرفوعاً لیس فی القطرۃ و القطرتین من الدم وضو ء حتٰی یکون د ماً سائلا دلیل الشافعی و مالک۔ا۔فی ابی داؤد اسناداً و فی صحیح البخاری فی ھذا الباب تعلیقاً یذکر عن جابران النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غزوۃ ذات الرقاع فُرمِی رَجل بسھم فنزفہ الدم فر کع و سجد ومضیٰ فی صلوتہ. جواب ا۔ اس میں راوی عقیل مجہول ہے اور محمد بن اسحٰق مختلف فیہ ہے اس راوی کے بارے میں ائمہ رجال کا شدید ترین اختلاف ہے بعض نے اِن کو دجال وکذاب تک کہہ دیا ہے اور بعض نے بہت بڑا محدث قرار دیا ہے درمیانہ قول ان کے بارے میں یہ ہے کہ جس روایت میں یہ متفرد ہوں اس روایت سے اختلافی مسائل میں استدلال نہیں ہو سکتا۔اسی لئے امام بخاری نے اس روایت کو مجہول کے صیغہ یُذکَرُ سے ذکر فرمایا ہے جوان کے نزدیک ضعیف ہونے کی علامت ہے۔
۲۔یہ روایت تو آپ بھی نہیں لے سکتے کیونکہ خون ناپاک تو آپ کے نزدیک بھی ہے اور یہ توجیہ کہ تین تیر لگنے کے باوجود فوآرے کی طرح خون دور جا گرتا تھا نہ کپڑے ناپاک ہوئے نہ بدن ناپاک ہوا یہ توجیہ عقلاً وعادۃً نہایت بعید ہے اس لئے یہ روایت بالا جماع متروک ہے۔۳۔یہ صحابی کا عمل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلع ہونا اور انکار نہ فرمانا مذکور نہیں ہے اس لئے استدلال نہیں کر سکتے۔
۴۔وہ صحابی غلبہ حال کی وجہ سے معذور تھے اِسی لئے فرمایا کنتُ فی سورۃ اقرأ ھا فلم احبّ ان اقطعھا. معذور کا قول وفعل حجت نہیں ہوتا۔ان کی دوسری دلیل بخاری شریف میں اِسی باب میں تعلیقاً روایت ہے عن الحسن ما زال المسلمون یصلون فی جراحا تھم جواب۔ا۔یہ روایت آپ بھی نہیں لے سکتے کیونکہ خون ناپاک تو آپ کے نزدیک بھی ہے۔۲۔یہ معذورین کے متعلق ہے کہ ہر وقت زخم سے خون نکلنے کی وجہ سے گنجائش تھی۔عام حکم یہ نہیں ہے ۳۔ یہاں دم غیر سائل مراد ہے کیونکہ

حضرت حسن کا مسلک بھی یہی ہے کہ دم سائل ناقض وضو ہے۔ان حضرات کی تیسری دلیل بخاری شریف میں اسی زیر بحث باب میں تعلیقاً روایت ہے وعصر ابن عمر شبرة فخرج منها الدم ولم یتوضأ شبرہ کے معنی پھنسی کے ہیں۔ جواب یہاں بھی دم غیر سائل ہی مراد ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی دم سائل ناقض ہے۔ **وقال عطاء فیمن یخرج من دبره الدودا ومن ذكره نحو القملته یعید الوضوء:**۔عند مالک قبل یادبر سے کیڑا نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا وعند الجمھور ٹوٹ جاتا ہے۔لنا۔خروج نجاست پایا گیا جو ناقض وضو ہے لہ۔خروج نجاست معتادہ نہیں پایا گیا اس لئے ناقض نہیں۔جواب معتادہ نہ ہونے سے اور نادر ہونے سے سبیت تو ختم نہیں ہو جاتی۔ **كان فی غزوة ذات الرقاع:**۔وجہ تسمیہ۔۱-جہاں یہ لڑائی ہوئی وہاں ایک پہاڑ تھا جس پر مختلف رنگوں کے پتھر تھے اس لئے اس پہاڑ کو ذات الرقاع کہتے تھے۔اس کی وجہ سے اس غزوہ کا یہ نام ہوا۔۲-وہاں ایک درخت تھا جس پر مختلف رنگوں کے پتے اور پھول وغیرہ تھے اس لئے اس درخت کو ذات الرقاع کہتے تھے اس مناسبت سے اس غزوہ کا بھی یہی نام ہو گیا۔۳-اس لڑائی میں مختلف قبیلے شریک ہوئے تھے ہر قبیلے کے سردار کے پاس جھنڈا تھا اس طرح کئی جھنڈے جمع ہونے کی وجہ سے لقب رقاع والا یعنی جھنڈوں والا جہاد ہو گیا۔۴-زیادہ پیدل چلنے کی وجہ سے مجاہدین کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے اس لئے پاؤں پر پٹیاں باندھی تھیں اس وجہ سے پٹیوں والا جہاد لقب ہو گیا۔

فقال رجل اعجمی ماالحدث یااباهریرة قال الصوت

باب سے مناسبت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے صرف خروج ریح کو حدث قرار دیا معلوم ہوا کہ غیر سبیلین سے نکلنے والی چیز حدث نہیں ہے جواب۔یہاں اکثری سبب کا ذکر ہے حصر مقصود نہیں ہے۔

كنت رجلا مذاءً

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور یہ بھی خارج من السبیلین ہے معلوم ہوا کہ خارج من السبیلین ہی ناقض وضو ہے جواب۔خارج من السبیلین کو تو ہم بھی مانتے ہیں نجاست خارجہ من غیر السبیلین کی تو نفی نہ ہوئی۔

فقال فیه الوضوء

معلوم ہوا کہ مذی میں صرف وضو ہے کوئی خاص قسم کا بڑا استنجاء اس میں واجب نہیں ہے یہی جمہور کا مذہب ہے وعند احمد اس میں غسل ذکر اور غسل انثیین بھی واجب ہے۔لنا۔یہی زیر بحث روایت عن المقداد مرفوعاً فقال فیہ الوضوء ولاحمد فی ابی داؤد عن المقداد مرفوعاً یغسل ذکرہ وانثییہ جواب۔۱-اس قسم کا بڑا استنجاء مذی کے زیادہ خروج کا علاج ہے۔۲-اگر مذی آس پاس لگ جائے تو پھر ایسا استنجاء ازالہ نجاست کے لئے کرنا پڑتا ہے۔

اذا جامع فلم یمن

اس کو اکسال کہتے ہیں۔باب سے مناسبت یہ ہے کہ باب کا مقصد دو چیزیں ہیں۔خارج من السبیلین ناقض وضو ہے اور خارج من غیر السبیلین ناقض نہیں۔اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اکسال میں مذی کا قطرہ تو خارج ہو ہی جاتا ہے اس لئے وضو واجب ہو گیا گویا غرض کے پہلے حصے سے مناسبت ہے' پھر عند داؤد الظاہری اکسال سے غسل واجب نہیں ہوتا وعند الجمھور واجب ہو جاتا ہے۔لنا۔ **فی ابی داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً اذا قعدبین شعبها الاربع والزق الختان بالختان فقد وجب الغسل. له فی ابی داؤد عن ابی سعید مرفوعاً الماء من الماء** کہ ماء غسل واجب ہوتا ہے صرف ماء منی کے خارج ہونے سے جماع بلا انزال جس کو اکسال کہتے ہیں اس سے غسل واجب نہیں ہوتا جواب یہ حکم منسوخ ہے جیسا کہ ابوداؤد میں عن ابی بن کعب تصریح ہے ثم امر بالاغتسال۔

ولم یقل غندر ویحییٰ عن شعبته الوضوء

یعنی ان کی روایت میں صرف فعلیک ہے اس کے بعد وضوء

لفظوں میں نہیں ہے بلکہ مقدر ہے۔ کیونکہ ایسے مقام پر یہ لفظ مقدر ہوتا ہے سامع خود ہی سمجھ جاتا ہے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

باب الرجل یوضئی صاحبه

استعانت فی الوضوتین قسم کی ہے۔۱- پانی لا کر دینا اس میں کسی کے نزدیک کراہت نہیں ہے۔۲- دوسرا آدمی اعضاء دھوئے یہ بلا عذر مکروہ ہے۔۳- دوسرا آدمی صرف پانی ڈالے یہ جائز ہے یہی یہاں مراد ہے اور غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب قراءة القرآن بعد الحدث وغیره

۱- غیر القرآن جیسے ذکر اور سلام: سوال جب تلاوت بلا وضوء کا جواز ثابت ہو گیا تو ذکر بلا وضو کا جواز تو خود ہی ثابت ہو گیا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جواب۔ سب مسائل کو الگ الگ بیان کرنا مقصود ہے تاکہ پوری وضاحت ہو جائے۔۲- غیر قراءة القرآن اس سے مراد کتابۃ القرآن ہے یعنی تلفظ قرآن بھی بلا وضو صحیح ہے اور کتابت قرآن بھی بلا وضو صحیح ہے جبکہ کاغذ پر آیت والی جگہ قلم لگے ہاتھ نہ لگے۔۳- ضمیر لوٹتی ہے حدث کی طرف اور حدث سے مراد خارج من السبیلین ہے یعنی خارج من غیر السبیلین کے بعد بھی قرأت قرآن صحیح ہے۔۴- ضمیر تو حدث ہی کی طرف لوٹتی ہے لیکن حدث ہر قسم کا مراد ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ بے وضو ہونے جیسی صورتوں میں جیسے کوئی حمام میں قرأت کرے کہ یہ بھی بے وضو ہونے کی طرح نامناسب صورت ہے اس کا کیا کیا حکم ہے۔

فصلی رکعتین خفیفتین

تاکہ ابتداء نھار کی یہ رکعتیں ابتداء صلوٰۃ اللیل کی رکعتوں کی طرح ہلکی ہو جائیں۔

باب من لم یر الوضوء الا من الغشی المثقل

غرض اس شخص پر رد کرنا ہے جو ہر غشی کو ناقض وضو سمجھتا ہے۔
وجعلت اصب فوق راسی:۔ یہ پانی ڈالنا علامت ہے کہ غشی کم تھی ہلکی تھی۔ **ماعلمک بهذا الرجل:۔** پتہ کیسے چلے گا کہ کسی شخص کے متعلق سوال ہے اس کی چار توجہات پیچھے گزر چکی ہیں پانچویں یہ بھی ہے کہ آخرت میں تو سب چیزیں بدیہی بن جائیں گی۔

باب مسح الراس کله

غرض پورے سر کے مسح کی فرضیت ثابت کرنی ہے وعند البخاری و مالک و احمد پورے سر کا مسح فرض ہے وعند ابی حنیفۃ ربع راس کا مسح فرض ہے وعند الشافعی ایک یا تین بال کا مسح بھی کافی ہے۔ یعنی مطلق راس اس کا مسح فرض ہے لنا آیت مجمل ہے اس کی تفسیر حضرت مغیرہ بن شعبہ والی ناصیہ والی روایت سے ہے اور ناصیہ کا اندازہ ربع راس ہے عند الشافعی آیت مطلق ہے اس لئے جس کو بھی مسح کہہ سکیں کافی ہے جواب مطلق میں ضروری ہے کہ ہر فرد پر عمل کیا جا سکتا ہو یہاں نہ کل کو فرض کہہ سکتے ہیں نہ نصف کو نہ ثلث کو نہ ربع کو کیونکہ کل کا فرض ہونا نصف کے خلاف ہے نصف کا فرض ہونا کل کے خلاف ہے۔ اس لئے مجمل کہیں گے مجمل کی تفسیر خبر واحد سے ہو سکتی ہے اور وہ ناصیہ والی روایت ہے۔ ولما لک۔۱- آیت میں باء زائد ہے پورے سر کا مسح مراد ہے جواب۔ حدیث مغیرہ سے جس میں مسح علی ناصیتہ ہے اس تقریر کی نفی ہوتی ہے۔۲- بخاری شریف کی زیر بحث باب کی روایت حضرت عبداللہ بن زید سے مرفوعاً ثم مسح راسہ بیدیہ جواب اس میں تو مستحبات بھی ہیں جیسے چہرے کو تین دفعہ دھونا اس لئے اس حدیث کی ہر چیز کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

باب غسل الرجلین الی الکعبین

غرض کہ یہ بھی فرض ہے۔

باب استعمال فضل وضوء الناس

۱۔ برتن میں بچے ہوئے کو کوئی استعمال کرے۔۲- ماء مستعمل کا استعمال ۳- دونوں قسمیں مراد ہیں یہ زیادہ مناسب ہے۔

فیتمسحون بہ:۔ معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک ہے۔ **قال لھما اشربا**:۔ معلوم ہوا ماء مستعمل پاک ہے کیونکہ یہ صورت گو پورا وضو نہیں ہے لیکن وضو کے قریب ہے۔ **وھو الذی مج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجھہ**:۔ کلی وضو کا حصہ ہے جیسے کلی کا پانی پاک ہے ایسے ہی باقی ماء مستعمل پاک ہے لیکن اکیلی کلی اور وضو کو ایک ہی شمار کرنا کچھ بعید شمار کیا گیا ہے۔ **زر الحجلۃ**:۔ ا۔ کبوتری کا انڈا ۔۲۔ ڈولی کے دھاگے پر جو موتی سی گرہ لگا لیتے ہیں۔ اس حدیث سے پہلے بعض نسخوں میں باب ہے اکثر میں نہیں تتمہ ہے ماقبل کا یا حصہ ہے ماقبل کا۔ خاتم النبوۃ:۔ ا۔ وہ نشانی جس سے آپ کا آخری نبی ہونا معلوم ہو خاتم اسم فاعل ہے بکسر التاء۔۲۔ بفتح التاء مہر نبوت کی کہ پہلی کتابوں میں یہ نبی ہونے کی نشانی لکھی ہوئی تھی جیسے مہر لگانے سے شئی محفوظ ہو جاتی ہے اسی طرح اس نشانی سے نبوت نقصان سے اور تکذیب سے محفوظ ہو گئی۔ **فشربت من وضوءہ**:۔ ا۔ برتن کے اندر پانی بچا ہوا۔۲۔ ماء مستعمل۔

باب من مضمض واستنشق من غرفتہ واحدۃ

غرض اس امام کی دلیل پیش کرنا ہے جو دونوں کو ایک پانی سے کرنے کے مسنون ہونے کا قائل ہے یہ مقصد نہیں کہ امام بخاری کے نزدیک بھی یہی مختار ہے ورنہ مَن کا لفظ نہ بڑھاتے۔ پھر عند ابی حنیفۃ فصل اولیٰ ہے کہ پہلے تین دفعہ کلی کے لیے پانی لے پھر تین دفعہ ناک میں ڈالنے کے لیے پانی لے وعند احمد وصل اولیٰ ہے کہ ایک دفعہ پانی لے کر آدھا ناک میں ڈالے پھر ایسے ہی دوسری دفعہ پھر ایسے ہی تیسری دفعہ وعن مالک والشافعی روایتان۔ لنا۔ روایات کثیرہ میں تمضمض ثلثاً واستنشق ثلثاً آتا ہے اس کے یہی معنیٰ ہیں کہ چھ دفعہ پانی لیا۔۲۔ فی ابی داؤد عن طلحۃ عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً فرآیتہ تفصیل بین المضمضۃ والاستنشاق ولاحمد زیر بحث باب کی روایت عن عبداللہ بن زید کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھایا اس میں ہے۔ ثم غسل او مضمض واستنشق من کفۃ واحدۃ ای غسل فمہ جواب ا۔ یہ الفاظ شاذ ہیں ۔۲۔ بیان جواز ہے۔۳۔ ایک ہاتھ ہے ایک پانی تو نہیں ۔۲۔ دوسری دلیل فی ابی داؤد عن علیؓ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھایا اس میں ہے ثم تمضمض مع الاستنشاق من ماء واحد جواب' گذشتہ روایت والے پہلے دونوں جواب۔

باب مسح الراس مرۃ

غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ سر کا مسح تین دفعہ نہیں ہے ایک دفعہ ہے وعند الشافعی تثلیث مسح مسنون ہے وعند الجمہور نہیں لنا۔ا۔ زیر بحث باب کی روایت کہ عبداللہ بن زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھایا اس میں جو دوسری سند نقل کی ہے اس میں ہے مسح راسہ مرۃً اور ایک کی تصریح ابوداؤد کی متعدد روایات میں بھی ہے۔۳۔ تین دفعہ سے تو مسح غسل بن جائے گا۔۳۔ مسح کی مشروعیت تخفیفا ہے تثلیث سے تشدید ہو گی۔ وللشافعی۔ا۔ فی ابی داؤد عن حمران کہ حضرت عثمان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھایا اس میں ہے مسح راسہ ثلثاً جواب اس میں راوی عبدالرحمن بن وردان کے متعلق امام دارقطنی کا قول ہے لیس بالقوی دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کی کسی صحیح روایت میں تین دفعہ مسح نہیں ہے۔۲۔ دوسری دلیل ابوداؤد میں عن شقیق بن سلمہ کہ حضرت عثمان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھایا اس میں ہے وسح راسہ ثلثاً جواب اس میں شقیق بن جمرۃ مختلف فیہ ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو نقل کر کے اس پر امام ابوداؤد نے اعتراض کر دیا ہے کہ اصل میں روایت مختصر تھی کہ وضو تین تین دفعہ فرمایا یہ اکثر اعضاء کے لحاظ سے تھا راوی نے خود جو تفسیر کی تو مسح کو بھی تین دفعہ بیان کر دیا۔۳۔ فی ابی داؤد قال ابن وھب فیہ عن ابن جریج ومسح برأسہ ثلثاً جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد کا مقصود ابن وھب کا تفرد بیان کرنا ہے کہ باقی ایک دفعہ مسح نقل کرتے ہیں اب وھب تین دفعہ دوسرا جواب یہ ہے کہ ابن وھب راوی مدلس ہیں کہ بعض دفعہ اپنے استاد کا نام چھوڑ دیتے ہیں اور ایسے راوی کی معنعن یعنی لفظ عن سے نقل کی ہوئی روایت معتبر نہیں ہوتی یہ بھی معنعن ہے۔۴۔

چوتھی دلیل جیسے باقی اعضاء میں تثلیث مسنون ہے ایسے ہی مسح میں بھی مسنون ہونی چاہیئے۔جواب غسل امر قیاسی ہے اس میں نظافت کی تکمیل تثلیث سے ہوگی مسح امر تعبدی خلاف قیاس ہے اس میں تثلیث قیاسا ثابت نہیں کی جاسکتی۔قیاس وہاں ہوتا ہے جہاں مقیس اور مقیس علیہ دونوں قیاسی ہوں۔

باب وضؤ الرجل مع امراته و فضل و ضوء المرأة

غرض یہ ہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضو کرنا جائز ہے وعن احمد جس برتن میں ہاتھ ڈال کر پہلے عورت نے وضو کیا ہوتو بعد میں مرد کے لیے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے جمہور کے نزدیک مکروہ نہیں ہے ہماری جمہور کی دلیل۔ا۔زیر بحث باب کی روایت عن ابن عمر قال کان الرجال والنساء تیوضأ ون فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمیعاً۔۲۔فی ابی داؤد عن ابن عباس کہ ایک زوجہ محترمہ کے غسل کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسی برتن سے وضو یا غسل فرمانے لگے تو زوجہ محترمہ نے عرض کیا کہ میں تو جنبی تھی فرمایا ان الماء لایجنب ولاحمد فی ابی داؤد عن الحکم بن عمرو مرفوعاً نھی ان تیوضاء الرجل بفضل طہور المرأة جواب۔ا۔نھی تنزیہی ہے تاکہ تعارض نہ ہو۔۲۔غیر محتاط عورت کے بچے ہوئے سے ممانعت ہے۔

وتوضاء عمر بالحميم من بيت النصرانية

حمیم کا ذکر تبعاً ہے۔باب سے مناسبت یہ ہے کہ احتمال ہے کہ اُس نصرانی عورت نے اُس برتن سے پہلے غسل کیا ہو۔

كان الرجال و النساء يتوضاؤن في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم جميعاً

سوال: یہ تو پردے کے حکم کے خلاف ہے۔

جواب۔ا۔جمیعاً کے معنیٰ برتن کا ایک ہونا ہے نہ کہ زمانے کا ایک ہونا۔۲۔درمیان میں پردہ لٹکا کر ایسا ہوتا تھا۔نزول حجاب سے پہلے ایسا ہوتا تھا۔۴۔ایک گھر کے محرم مرد اور عورتیں اکٹھا وضو کر لیتے تھے۔

باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وَضوء ه على المغمىٰ عليه

دونوں احتمال ہیں۔ا۔برتن میں بچا ہوا پانی۔۲۔ماء مستعمل زیادہ ظاہر یہ دوسرا احتمال ہے اس سے ماء مستعمل کی طہارت ثابت ہوئی۔

باب الغسل والو ضوء من المخضب

غرض یہ ہے کہ پاک برتن سے وضوء کرنا جائز ہے کسی قسم کا بھی ہو۔

ان يبسط فيه كفه: یعنی برتن اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں ہاتھ بھی پھیل نہ سکتا تھا۔مقصد یہ ہے کہ تھوڑا سا پانی بطور معجزہ کے کثیر ہوگیا۔**مَن الرجل الآخر** دوسرے آدمی کا نام کیوں نہ لیا۔ا۔حضرت علیؓ سے ناراضگی تھی کہ افک کے مسئلہ میں انہوں نے یوں کیوں نہ کہا ھذا بهتان عظيم بلکہ یوں مشورہ دیا کہ بریرہ سے تحقیق فرمالیں۔۲۔دوسرا آدمی بدل رہا تھا۔کبھی حضرت اسامہ کبھی حضرت علیؓ کبھی حضرت فضل بن عباس تھے اس لئے نام نہ لیا۔

هر يقوا على من سبع قرب اس سے سات کے عدد کی خصوصی برکت ثابت ہوئی۔

باب الوضوء من التور

تانبے کا چھوٹا برتن۔غرض یہ کہ اس سے بھی وضوء جائز ہے۔

يكثر من الوضوء:۔ وضو میں اسراف کر لیتے تھے اسی لئے صحابی سے وضو کرنے کا طریقہ پوچھا۔

رحراح:۔ بمعنی وسیع:۔

باب الوضوء بالمد

غرض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد میں وضو فرمالیا کرتے تھے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اس سے زائد کی ممانعت ہے غسل ودضو میں پانی کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ بالاتفاق نہ بہت کم ہو کہ آداب کی رعایت نہ ہو سکے نہ بلاضرورت اسراف کرے پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک عراقی صاع آٹھ رطل والا راجح ہے وعند الجمهور

حجازی صاع پانچ رطل اور ثلث رطل والا راجح ہے۔لنا۔۱۔فی ابی داؤد عن جابر مرفوعاً و یتوضا بالمد وفی ابی داؤد عن انس مرفوعاً یتوضاء باناء یسع رطلین۔ دونوں کو ملانے سے ثابت ہوا کہ مد رطلین کے برابر ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ صاع میں چار مد ہوتے ہیں پس صاع ۸ رطل کا ہو گیا۔۲۔فی الدارقطنی عن انس مرفوعاً کان تیوضاء برطلین ویغتسل بالصاع ثمانیۃ ارطال۔الجمہور۔۱۔فی بذل المجھود عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیل لہ یارسول اللہ صعنا اصغر الصیعان۔جواب۔۱۔عراقی صاع ہاشمی صاع سے جو بارہ رطل کا تھا اس سے چھوٹا ہے یہی مقصد ہے جمع افراد کی وجہ سے ہے ہاشمی صاعوں سے چھوٹا ہے۔۲۔دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی یہاں ایسی ہے جیسے تابیر یعنی نر کھجوروں کی شاخیں کاٹ کر مادہ کھجوروں کے ساتھ پیوند لگانے سے منع فرمایا تھا پھر پھل کم آیا شکایت عرض کرنے پر فرمایا انتم اعلم باموردنیا کم صاع والی اس روایت میں صدقہ فطر وغیرہ کسی دینی مسئلہ کا ذکر نہیں ہے عام خرید وفروخت کے متعلق صاع کا ذکر آیا تھا تو یہاں سکوت کسی دینی مسئلہ پر دلالت نہیں کرتا اور اختلاف حنفیہ اور جمہور کا صدقہ فطر کی مقدار میں ہے۔۲۔جمہور کی دوسری دلیل بذل المجھود میں امام ابو یوسف کا واقعہ منقول ہے کہ ایک دفعہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو صاع کی تحقیق فرمائی پچاس کے قریب مہاجرین و انصار کی اولاد میں سے صاع لائے کہ ہمارے فلاں فلاں رشتہ داروں نے بتلایا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے ناپا تو وہ پانچ رطل اور ثلث رطل کے برابر تھا تو اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا قول چھوڑ دیا۔ جواب: محدثین اور فقہا کے نزدیک ایسی روایت جس میں مجھولین عن مجھولین ہوں معتبر نہیں ہوتی۔۲۔امام محمد نے جو شیخین کے مسلک کو جمع کرنے والے ہیں اس اختلاف کو ذکر نہیں کیا اس لئے یہ واقعہ صحیح نہیں۔۳۔اس زمانہ میں مدنی رطل بھی استعمال ہوتے تھے ایک مدنی رطل ۱۳۰ استار کا تھا پانچ اور ثلث رطل کے ۱۶۰ استار بنے اور اختلاف حنفیہ اور جمہور کا بغدادی رطل کے لحاظ سے رطل ۲۰ استار کا ہے۔۸ رطل ۱۶۰ استار کے بنے پس امام صاحب کے مخالف نہ ہوا۔ ۴۔اگر امام ابو یوسف نے الگ قول بنا بھی لیا تو شاگرد کی مخالفت سے استاد کے مذہب پر کچھ اعتراض نہیں پڑتا۔

باب المسح علی الخفین

شیعہ کی تردید مقصود ہے جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے کہ مسح علی الخفین جائز ہے شیعہ کے نزدیک جائز نہیں۔لنا۔۱۔ زیر بحث باب کی متعدد روایتیں جو ساٹھ صحابہ سے منقول ہیں اس لئے یہ روایت متواتر ہے اس ساٹھ میں حضرت جریر بھی ہیں جو نزول مائدہ کے بعد مسلمان ہوئے پس یہ احتمال کہ سورہ مائدہ کی آیت وضو سے مسح علی الخفین منسوخ ہو گیا ہو صحیح نہ رہا ۲ آیت وضو میں دو قراتیں ہیں نصب اور جر کی ارجلکم میں یہ دو حالتوں پر محمول ہیں موزے پہنے ہوئے ہو تو مسح کر لو نہ پہنے ہو تو غسل کرو وھم آیۃ الوضو کہ اس میں رجلین کا ذکر ہے جو غیر خفین ہیں جواب ایک تو ہو گیا کہ دو قراتیں دو حالتوں پر محمول ہیں دوسرا جواب یہ کہ موزے پہنے کی حالت میں یہ آیت وجوب غسل کے حق میں منسوخ ہے کیونکہ مسح علی الخفین کی روایت متواتر ہے اور خبر متواتر سے بالاجماع آیت منسوخ ہو سکتی ہے۔

مسح علی العمامه

عند احمد صرف پگڑی پر مسح کر لینا سر پر نہ کرنا وضو کیلئے کافی ہے وعند الجمہور کافی نہیں وامسحوا برؤسکم اور راس غیر عمامہ ہے ولاحمد اسی باب کی روایت **عن جعفر بن عمر و عن ابیه مرفوعاً یمسح علی عمامته و خفیه**۔ جواب: دوسری روایت میں علی عمامتہ و ناصیتہ ہے یہ روایت بھی اپنی روایات پر محمول ہے کہ اصل ناصیہ پر تھا عمامہ پر تبعاً ہاتھ پھر گیا۔۲۔قرآن پاک پر زیادتی خبر واحد سے نہیں ہو سکتی۔سوال۔امام بخاری نے عمامہ والی روایت ذکر کر دی باب عمامہ پر نہ باندھا جواب تردد میں ایسا ہی کرتے ہیں۔باب **اذا ادخل رجلیه وھما طاھران**:۔غرض اور ربط

یہ ہے کہ پیچھے مسح علی الخفین مذکور تھا اب اس کی شرط کا بیان ہے

باب من لم یتوضاء من لحم الشاۃ والسویق غرض ماست النار کا کھانا ناقص وضو نہیں ہے سوال اس باب میں سویق کی کوئی روایت نہیں ہے جواب۔ اگلے باب کی روایت میں ہے اس کا لحاظ کر کے باب باندھ دیا۔ ۲- جب وسومتہ والی چیز گوشت کھانے سے وضو واجب نہیں تو اس سے بطور دلالتہ النص کے نکل آیا کہ ستو جس میں وسومتہ بھی نہیں ہے اس کے کھانے سے بطریق اولیٰ وضو واجب نہیں ہوتا پھر ماست النار کے کھانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں اس مسئلہ میں صرف قرن اول میں اختلاف رہا پھر اجماع ہو گیا کہ نہیں ٹوٹتا جن روایتوں میں امر ہے ان کی مختلف توجیہات ہیں۔ ۱- کان فسخ اور ناسخ ابوداؤد کی روایت ہے عن جابر کان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضو مما غیرت النار۔ ۲- ان روایتوں میں وضو لغوی مراد ہے جن کی تفصیل ترمذی میں حضرت عکراش سے ہے فغسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ وسمح ببلل کفیہ وجھہ وذراعیہ وراسہ وقال یا عکراش ھذا الوضوء مما غیرت النار۔ ۳- امر استحبابی ہے کیونکہ آگ کی چیز کھانے سے فرشتوں سے مشابہت نہیں رہتی وہ بالکل نہیں کھاتے آگ کی پکی ہوئی چیز ہم مرضی کے مطابق مرچ مصالحے ڈال کر مزے سے کھاتے ہیں اس کھانے سے جو مشابہت میں کمی ہوئی اس کے تدارک کے لئے وضو کا حکم فرمایا یا اس لئے کہ یہ آگ جہنم کی آگ سے ملتی جلتی ہے اور وہ غضب کا مقام ہے اس سے تعلق کم کرنے کے لئے وضو کا حکم ہے۔

باب من مضمض من السویق

۱- یہ باب تتمہ ہے گذشتہ باب کا کہ ستو سے وضو تو واجب نہیں کلی کر لینی چاہئے اس سے ماست النار سے وضو واجب ہونے والی روایات کی ایک توجیہ ہوگئی کہ ان روایت میں وضو لغوی مراد ہے ۲- باب کی غرض میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس باب سے مقصود ماست النار کی جزئیات کا شمار کرنا ہے پھر مصلحت کلی کے حکم میں یہ ہے کہ کھانے کے باریک ٹکڑے منہ سے نکل جائیں تا کہ یکسوئی سے نماز پڑھ سکے۔

باب ھل یمضمض من اللبن

مقصد یہ ہے کہ کرنی چاہئے وجہ۔ ۱- تاکہ منہ میں بدبو نہ پھیلے وسومت اور چکناہٹ کی وجہ سے ۲- چکناہٹ کی وجہ سے اگر ملائی وغیرہ چمٹی رہ گئی اور وہ نماز میں حلق سے نیچے اتر گئی اور مقدار چنے کے برابر یا زائد ہو تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اس لئے احتیاطاً کلی کر لینی چاہئے۔

باب الوضوء من النوم

غرض نوم کا حکم بیان کرنا ہے وعند امامنا والشافعی سہارا لگا کر نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں وعند مالک واحمد نوم کثیر ناقض ہے قلیل نہیں لنا۔ فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً انما الوضوء علی من نام مضطجعا فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ لمالک واحمد فی ابی داؤد عن انس قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینتظرون العشاء الآخرۃ حتی تخفق رؤسھم ثم یصلون ولا یتوضؤن اس کے ساتھ ابوداؤد کی روایت ملائینگے عن علی مرفوعاً فمن نام فلیتوضاء معلوم ہوا کثیر ناقض ہے قلیل نہیں جواب۔ ۱- صحابہ کی نیند نہ تھی نعاس یعنی اونگھ تھی جو مبحث سے خارج ہے۔ ۲- ہماری تعلیل منصوص ہے اس کو آپ کی اجتھادی۔ تعلیل پر ترجیح حاصل ہے پھر نوم کی علامت خواب دیکھنا ہے اور نعاس کی علامت حاضرین کی کلام کا سننا ہے گو سمجھ میں نہ آئے۔

باب الوضوء من غیر حدث

غرض یہ ہے کہ وضوء علی الوضوء مستحب ہے واجب نہیں اس لئے پہلی روایت میں ایسا کرنا اور دوسری میں نہ کرنا مذکور ہے اور خلفاء اربعہ بھی کثرت سے وضو علی الوضوء کا اہتمام فرماتے تھے۔

باب من الکبائر ان لایستتر من بولہ:۔ غرض اور ربط یہ کہ طہارت حکمیہ کے بعد طہارت حسیہ کا ذکر ہے اس باب کو وقف سے پڑھا جاتا ہے پھر حدیث الباب میں راجح یہ ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں لاتمس النار من رانی کے معنی یہ ہیں کہ کوئی

صحابی دوزخ میں نہ جائے گا قبر میں مواخذہ ہوسکتا ہے۔ راجح ہونے کی وجہ۔ ا۔ مسند احمد میں ہے ومایعذ بان الا فی الغیبۃ والبول اور کافر کا عذاب تو اصل کفر کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔۲۔ مسند احمد میں ہی ہے من دفنتم الیوم ھھنا خطاب صحابہ کو ہے۔۳۔ کافر میں اصل یہ ہے کہ تخفیف نہ ہو اگر تخفیف ہوتی ہے تو خصوصیت کی تصریح ہوتی ہے یہاں تصریح نہیں ہے۔

سوال:۔ یہاں کبیر کی نفی ہے بعض روایات میں کبیر کا اثبات ہے۔

جواب:۔نفی بمعنی مشقت ہے کہ بچنا مشکل نہ تھا اور اثبات میں کبیرہ گناہ مراد ہے۔

سوال:۔بعض روایات میں غیبت ہے بعض میں نمیمہ ہے یہ بظاہر تعارض ہے۔

جواب:۔غیبت کے معنی ہیں ذکر العیب علی وجہ الغیب اور نمیمہ کے معنی ہیں ذکر الحدیث علی جہۃ الفساد ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے جس میں ایک مادہ اجتماعی اور دو افتراقی ہوتے ہیں یہاں اجتماعی مادہ ہے جس کو نمیمہ بھی کہہ سکتے ہیں غیبت بھی کہہ سکتے ہیں۔ پھر قبر میں ترک طہارت پر عذاب کی وجہ یہ ہے کہ قیامت میں پہلے نماز کا سوال ہوگا مقدمہ قیامت یعنی قبر میں مقدمہ صلوۃ یعنی طہارت کا سوال مناسب ہے حضرت عثمانؓ قبر دیکھ کر روتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی ہے یہ اچھی ہوئی تو بعد میں بھی آسانی ہوگی الحدیث ہمیں زمین دیکھ کر موت اور آسمان دیکھ کر جنت یاد کرنی چاہئے۔

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
بولا ذرا سنبھل کے چلو راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سر پر غور تھا

قبر پر پھول:۔ ڈالنے کا جواز بعض نکالتے ہیں اس کا ردّ یہ ہے۔ ا۔ راجح یہی ہے کہ دعا قبولیت دعا میں شاخوں کا تر رہنا وقت مقرر کیا گیا تھا شاخوں کا دخل نہ تھا اسی لئے سلف صالحین نے اس کا اہتمام نہیں فرمایا کہ قبروں پر شاخیں گاڑی جائیں اور ایک صحابی کا جو شاخیں گاڑنے کی وصیت کرنا آتا ہے وہ غلبۂ حال تھا۔۲۔ تمہاری غرض خوشبو پہنچانا ہوتی ہے نہ کہ تخفیف عذاب اس لئے تم استدلال نہیں کرسکتے۔۳۔اس میں بزرگوں کی توہین ہے کہ ان کو معذب قرار دے کر پھول ڈالے جائیں۔۴۔ ان کو تو جنت کی خوشبوئیں مل رہی ہیں۔ان خوشبوؤں کے مقابلہ میں دنیا کی خوشبو تو گندگی کے ڈھیر ہیں۔ کیونکہ اعلیٰ خوشبو کے مقابلہ میں ادنیٰ خوشبو بدبو معلوم ہوتی ہے اس لحاظ سے اولیاء اللہ کے مزاروں پر پھول ڈالنا گویا گندگی کے ڈھیر ڈالنا ہے اور اس میں ان کی توہین ہے۔

باب ما جاء فی غسل البول

تعلیق سے ظاہر فرما دیا کہ اس واقعہ میں بول سے مراد بول انسان ہے۔اور باب سے مقصود بول انسانی کا حکم بیان کرنا ہے۔
باب:۔تتمہ ہونا ظاہر ہے کہ اُسی حدیث کی دوسری سند بتلادی۔

باب ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم و الناس الا عرابی حتی فرغ من بوله فی المسجد

غرض یہ ہے کہ چھوڑنا ایسے موقعہ میں اولیٰ ہوتا ہے۔

باب صب الماء علی البول فی المسجد

المسجد میں الف لام عہد خارجی کا بھی ہوسکتا ہے جنس کا بھی ہوسکتا ہے۔غرض مطلق مسجد یا مسجد نبوی کو پیشاب سے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ یہ بیان کرنا مقصود ہے بعض نے اعتراض بھی کیا ہے کہ یہ دوسرا باب نہ بھی باندھتے اور ایک ہی باب میں سب روایتیں لے آتے تو زیادہ اچھا تھا لیکن امام بخاری کا مقصد دو مسئلے الگ الگ استنباط کرنے تھے اس لئے دو باب لائے اور یہ کمال تفقہ ہے۔ زمین پاک کرنے کا مسئلہ اختلاف وہ دلائل کے ساتھ پیچھے بخاری شریف میں سؤر کلب کے باب میں گذر چکا ہے۔

مسائل مستنبط

۱۔ تبلیغ میں نرمی ہونی چاہئے کیونکہ فرمایا انما بعثتم میسرین. ۲۔ مسجدیں پاک رکھنی چاہئیں۔ صحابہ کا روکنے کا ارادہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جلدی پاک کرانے کا اہتمام اسی پر دال ہے۔ ۳۔ مسجد میں دنیا کی باتیں نہ ہونی چاہئیں جیسا کہ اسی واقعہ کی ایک روایت میں ہے انما ھی لذکر اللہ والصلوۃ و تلاوۃ القرآن. ۴۔ فساد کو جلدی مٹانا چاہئے کیونکہ جلدی تطہیر فرمائی۔ ۵۔ دو مصیبتوں میں سے ایک کا آنا یقینی ہو تو اھون اختیار کرنی چاہئے یہاں مسجد پاک کرنا اھون تھا اور پیشاب سے روکنا اھون نہ تھا کیونکہ وہ روکتا پیشاب کو تو بیماری کا خطرہ تھا اور اگر آگے آگے بھاگتا اور پیشاب بھی کرتا رہتا تو ساری مسجد کے ملوث ہونے کا خطرہ تھا۔ ۶۔ پانی بہانا مطہر للارض ہے۔ ۷۔ حفر مطہر ہے۔ ۸۔ جمہور نے استدلال کیا کہ جفاف کافی نہیں رش کافی ہے اس کا جواب اختلافی مسئلہ میں ہو چکا کہ یہاں حفر تھا یا صب تھا۔ ۹۔ روایت باللفظ اولیٰ ہے کیونکہ سجلا اور ذنوبا دونوں کا ذکر اس پر دال ہے کہ راوی نے حدیث کے الفاظ یاد کرنے کی کوشش کی کیونکہ معنیٰ دونوں کے ایک ہیں۔ ۱۰۔ شوافع حضرات نے استنباط فرمایا کہ تطہیر میں عصر کی ضرورت نہیں نچوڑے بغیر ہی کپڑا پاک ہو جاتا ہے جواب یہ چیز ایسی تھی جس کو نچوڑا نہیں جا سکتا تھا اس لئے نچوڑنے کا ذکر نہیں ہے۔ ۱۱۔ پانی ہی مطہر ہے سرکہ وغیرہ مطہر نہیں یہ استنباط بھی شوافع حضرات فرماتے ہیں۔ جواب۔ آسانی کے لیے پانی کا امر فرمایا تھا سرکہ وغیرہ کی نفی کہاں ہے۔

باب بول الصبیان

بچوں کے پیشاب کا حکم بیان کرنا مقصود ہے تطہیر ارض کے بعد تطہیر ثیاب کا ذکر ہے وعند امامنا ابی حنیفہ و مالک ہر بچے کے پیشاب سے کپڑے کو پاک کرنے کے لئے غسل ضروری ہے مذکر ہو یا مونث وعند الشافعی واحمد مذکر بچے کے پیشاب سے کپڑے کو پاک کرنے کے لیے رش یعنی چھینٹے ڈالنا ہی کافی ہے۔ لنا۔ فی نیل الاوطار والبحر الرائق و بذل المجھود حدیث عمار انما تغسل ثوبک من البول یہ روایت بچے مذکر مونث اور بالغ کے پیشاب سب کو شامل ہے۔ للشافعی واحمد اس باب کی روایت عن اُمّ قیس مرفوعاً فنضحہ ولم یغسلہ جواب نضح غسل خفیف پر بولا جاتا ہے جیسے یہ لفظِ نضح تطہیر دم حیض اور تطہیر مذی میں ابوداؤد میں آتا ہے وہاں بالاجماع غسل خفیف ہی کے معنیٰ ہیں۔ سوال۔ یہاں ولم یغسلہ کی تصریح ہے۔ اس لئے یہاں غسل کے معنیٰ نہیں لے سکتے جواب۔ ۱۔ امام اَصیلی نے اس لم یغسلہ کو مدرج من ابن شہاب قرار دیا ہے۔ اس لئے اعتبار نہیں ہے ۲۔ مسلم شریف میں یوں ہے ولم یغسلہ غسلاً اس سے واضح ہو گیا کہ اگر اس لفظ کو لے بھی لیا جائے تو مبالغہ کی نفی ہے یہی ہم کہتے ہیں۔ فرق:۔ مذکر اور مونث بچے کے پیشاب میں شوافع و حنابلہ غسل اور رش کے لحاظ سے کرتے ہیں اور حنفیہ غسل مبالغ اور غسل خفیف کے لحاظ سے کرتے ہیں کہ بس تین دفعہ دھولو ہر دفعہ نچوڑلو صابن وغیرہ نہ بھی لگاؤ مذکر بچے کے پیشاب پر تو کچھ حرج نہیں۔ وجہ فرق۔ ۱۔ مذکر مجالس میں زیادہ لایا جاتا ہے جو موجب تخفیف ہے۔ ۲۔ مونث کے پیشاب میں چمٹنے کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ ۳۔ مذکر کا پیشاب کئی جگہ تھوڑا تھوڑا گرتا ہے۔ مونث کا ایک ہی جگہ گرتا ہے۔

باب البول قائما و قاعدا

عند احمد بول قائما میں کچھ حرج نہیں وعند مالک اگر کھڑے ہونے سے چھینٹیں پڑتی ہوں تو مکروہ ورنہ نہیں وعند الجمھور مطلقاً مکروہ تنزیہی ہے البتہ تشبہ بالکفار یا تشبہ بالفساق کی وجہ سے قباحت بڑھ جاتی ہے جبکہ وہ اِسے اپنا شعار بنالیں۔ لنا روایۃ الترمذی عن ابن مسعود موقوفاً ان من الجفاء ان تبول و انت قائم اور زیر بحث روایت میں آپ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مذکور ہے عن حذافتہ مرفوعاً فبال قائما اور مسند احمد میں عن عائشۃ من حدثکم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ معلوم ہوا مکروہ تنزیہی ہے۔

سوال:۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قائما پیشاب فرمانا ثابت ہے تو پھر لا تصدقوہ کیوں فرمایا۔جواب:۔۱۔عادت کی نفی ہے۔۲۔گھر میں کبھی ایسا نہیں کیا۔۳۔اپنے علم کے لحاظ سے نفی فرمارہے ہیں ولما لک روایتیں دونوں قسم کی ہیں تطبیق وہی ہے جو ہمارا مسلک ہے جواب ہماری تطبیق بیان جواز کی ہے وہ کثیر الوقوع ہے اس لئے وہی راجح ہے ولاحمد زیر بحث روایت جواب یہ واقعہ عذر پر محمول ہے پھر عذر میں مختلف احتمال ہیں۔۱۔بیہقی میں ہے عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بال قائما من جرح کان بمأ یضہ گھٹنے کی اندرونی جانب زخم تھا اس لئے بیٹھ نہ سکتے تھے۔۲۔بیان جواز۔۳۔قبل النہی کا واقعہ ہے۔۴۔خروج ریح سے بچنے کے لیے ایسا کیا کیونکہ مسلمانوں کے کاموں میں بہت زیادہ مشغول رہے جب فارغ ہوئے تو پیشاب کا تقاضی شدید ہوا جو دور جانے سے مانع تھا اور عادت مبارکہ دور جانے کی تھی تاکہ نامناسب آواز بھی کسی کے کان میں نہ پڑے اب جو قریب ہی پیشاب کرنا پڑا تو کھڑے ہوکر ریح کو دبایا بیٹھ کر دبانا مشکل ہوتا ہے۔۵۔اس زمانہ میں کمر کے درد کا علاج کھڑے ہوکر پیشاب شمار کیا جاتا تھا۔اسی تکلیف کے علاج کے طور پر ایسا کیا۔۶۔قریب سخت جگہ تھی آگے نرم تھی اس لئے کھڑے ہونے میں چھینٹے نہ پڑے بیٹھنے میں چھینٹے پڑتے:۷۔نیچے کوڑا کرکٹ تھا بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔۸۔سامنے ڈھلان اونچائی کی طرف تھی۔بیٹھنے کی صورت میں کپڑے خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔

باب البول عند صاحبه و التستر بالحائط

غرض یہ ہے کہ دور جانا غائط کے ساتھ خاص ہے پیشاب قریب جگہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

باب البول عند سباطة قوم

غرض یہ کہ ایسی جگہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔لیتہ امسک:۔یعنی کاش کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری تشدد نہ کریں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پیشاب فرمانا بھی ثابت ہے اور کھڑے ہوکر ایسا کرنے سے معمولی چھینٹے پڑنے کا احتمال ہے معلوم ہوا باریک چھینٹے معاف ہیں۔

باب غسل الدم

غرض یہ ہے کہ دھونا واجب ہے۔

باب غسل المنی و فركه وغسل ما يصيب من المرأة

غرض یہ ہے کہ منی اگر تر ہو تو دھونا واجب ہے اور اگر خشک ہوچکی ہو اور گاڑھی ہو تو فرک کافی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔

ح کا استعمال:۔دو موقعوں میں ہوتا ہے۔۱۔کثیر الاستعمال جبکہ شروع حصہ میں مصنف کی جانب دو سندیں الگ الگ ہوں پھر سند ایک ہو جائے تو پہلے ایک سند کا مابہ الافتراق حصہ لکھ کر ح لکھی جاتی ہے پھر دوسری سند شروع سے اخیر تک لکھ دی جاتی ہے اسی استعمال میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ سندیں دونوں پوری لکھی ہوں صرف متن ایک ہو۔۲۔قلیل الاستعمال جو بہت ہی کم استعمال کیا گیا کہ شروع میں مابہ الاشتراک ہو اور اخیر میں مابہ الافتراق ہو ایسی صورت میں پہلے ایک سند پوری لکھی جاتی ہے پھر ح لکھ کر دوسری سند کا مابہ الافتراق لکھ دیا جاتا ہے دونوں صورتوں میں ح کے استعمال سے مقصود اختصار ہوتا ہے پھر اس ح کی تقدیر عبارت میں اور پڑھنے میں پانچ اہم قول ہیں۔۱۔تحویل سے مخفف ہے اصل عبارت یہ تھی ھھنا تحویل من سند الی سند آخر پڑھنے میں لفظ تحویل آئے گا۔۲۔یہی توجیہ صرف پڑھنے میں حا کہیں گے۔۳۔حائل سے مخفف ہے اصل عبارت یہ تھی ھھنا حائل بین السندین پڑھنے میں کچھ بھی نہ آئے گا ینظر ولا یقرأ۔۴۔صَحَّ سے مخفف ہے اصل عبارت یہ تھی صح ما قبلہ کما صح ما بعدہ پڑھیں گے حا۔۵۔حدیث سے مخفف ہے اصل عبارت یہ تھی اقرأ الحدیث الی آخرہ پڑھیں گے حا۔

منی کی طہارت میں اختلاف

عند امامنا و مالک نجس ہے و عند الشافعی و احمد پاک ہے۔ لنا۔ ا۔ الم نخلقکم من ماء مھین. ۲۔ جب حدث اصغر کا سبب بول ناپاک ہے تو حدث اکبر کا سبب منی بطریق اولی ناپاک ہونی چاہئے۔ ۳۔ فی ابی داؤد کہ حضرت معاویہ نے اپنی ہمشیرہ حضرت ام حبیبہ سے پوچھا کہ کیا جماع کے کپڑے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے فرمایا نعم اذا لم یرفیہ اذیً اس سے دو طرح سے استدلال ہے ایک یہ کہ منی کو اذیٰ فرمایا جو ناپاک ہونے کی دلیل ہے جیسے حیض کو قرآن پاک میں اذی فرمایا گیا دوسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان میں نماز نہ پڑھنا ناپاکی کی دلیل ہے یہ روایت طحاوی میں بھی آتی ہے۔ ۴۔ فی الطحاوی کہ حضرت عمرؓ سفر میں تھے احتلام ہو گیا وہاں پانی نہ پایا سوار ہو کر دوسری جگہ گئے منی کو دھویا یہاں تک کہ اسفار ہو گیا حضرت عمرو بن العاص نے عرض کیا اصبحتَ و معنا یثاب فدع ثوبا فقال عمر بل اغسل مارایت وانفح مالم اره کہ جہاں منی نظر آ رہی ہے وہاں دھوؤں گا جہاں شبہ ہے وہاں غسل خفیف کروں گا یہاں بھی دو طرح سے استدلال ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے یہ نہ عرض کیا کہ منی تو پاک ہے۔ دوسرے حضرت عمر کا نماز کو دیر کرنا اور منی سے کپڑے پاک کرنا نجس ہونے کی دلیل ہے وللشافعی و احمد۔ ا۔ ابو داؤد اور مسلم کی روایت عن عائشہ لقد رائیتنی و انا افرکه من ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم اور ابو داؤد کی روایت میں یہ بھی ہے فیصلی فیه. جواب گاڑھی منی ہو تو خشک ہونے کے بعد مَل کر اور رگڑ کر اس کو دور کر دینا ہمارے نزدیک ازالہ کا اور کپڑے کے پاک ہونے کا ذریعہ ہے اس لئے یہ ہمارے خلاف نہیں ہے آپ کی دلیل جب بنتی کہ بلا فرک و بلا غسل اس کے ساتھ نماز پڑھنا ثابت ہوتا۔ ۲۔ و هو الذی خلق من الماء بشرا منی کو اللہ تعالیٰ نے ماء کے لفظ کے ساتھ ذکر فرمایا یہ پاکی کی دلیل ہے کہ منی بھی ماء کی طرح پاک ہے جواب یہاں بیان قدرت ہے کہ پانی پر نقش و نگار قرار نہیں پکڑتے پھر بھی اللہ تعالیٰ اس پر بچے کے نقش و نگار بناتے ہیں اگر یہ معنیٰ نہ کریں بلکہ طہارت کو وجہ شبہ قرار دیں تو لازم آتا ہے کہ کتے اور خنزیر کی منی بھی پاک ہو کیونکہ قرآن پاک میں ارشاد پاک ہے و الله خلق کل دابة من ماء. ۳۔ فی ابی داؤد عن علی مرفوعاً فاذا فضخت الماء فاغتسل کہ جب جوش سے پانی خارج کرو تو غسل کرو یہاں بھی منی کو ماء قرار دیا گیا جو پاک ہے اسی کے مشابہ منی ہے پاک ہونے میں اس لیے منی پاک ہے جواب، یہاں ماء کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا ہے کہ گندی اور نجس چیز کو بلا ضرورت صراحۃً ذکر کرنا کمال تکلم کے خلاف ہے اس لئے ماء سے تعبیر فرمانا تو الٹا نجس اور گندی اور قبیح ہونے کی دلیل ہے کہ بلا اضطرار زبان مبارک پر لانا بھی پسند نہ فرمایا اور کنایہ سے حکم بیان فرمایا۔ ۴۔ اگر منی کو پاک کہا جائے تو انبیاء علیہم السلام اور صحابہ اور اولیاء اللہ کی پیدائش ایک ناپاک چیز سے لازم آتی ہے جو ان حضرات کی شان کے خلاف ہے۔ جواب۔ ا۔ منی بننے سے پہلے یہی چیز خون ہوتی ہے اور بعد میں شکم مادر میں علقہ یعنی جما ہوا خون بنتی ہے۔ یہ خون اور علقہ بالا جماع ناپاک ہیں۔ اور ہر بچہ کی پیدائش میں یہ درجے ضرور آتے ہیں۔ اگر یہ درجے شان کے خلاف نہیں ہیں تو منی کا ناپاک ہونا بھی شان کے خلاف نہیں ہے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔ ۲۔ بدن کے اندر منی اور خون پاک ہیں اس لئے ماں اور باپ کے بدنوں میں رہتے ہوئے منی پاک ہے باہر نکلے گی تو ناپاک شمار ہو گی جیسے خون، پیشاب، پاخانہ بدن کے اندر پاک ہی شمار ہوتے ہیں۔ اور بچہ کی پیدائش کے اصل طریقہ میں منی کسی وقت بھی بدن سے باہر نہیں ہوتی پہلے باپ کے بدن میں ہوتی ہے پھر ماں کے بدن میں ہوتی ہے اس لئے پاک ہی شمار ہو گی اور اختلاف صرف اُس منی میں ہے جو بدن سے باہر گر جاتی ہے۔

باب اذا غسل الجنابة او غیر ھا فلم یذهب اثره

غرض یہ ہے کہ پانی ابھی خشک نہ بھی ہوا ہو تو نماز پڑھ لینی صحیح

ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے اور بعض نسخوں میں یہاں فلم یذہب اثرھا ہے جنابت کا اثر یعنی نجاست کا اثر ابھی باقی ہے تو پھر بھی نماز صحیح ہے جبکہ وہ اثر ایسا ہو کہ اس کو دور کرنا ہمارے لئے مشکل ہو جیسے بعضے رنگ پختہ ہوتے ہیں وہ صابون سے بھی دور نہیں ہوتے۔ حرج لازم آنے کی وجہ سے اس رنگ کا دور کرنا ضروری نہیں پھر حنفیہ میں آپس میں یہ اختلاف ہوا کہ نجاست کی بُو کا دور کرنا ضروری ہے یا نہ بعض حنفیہ نے کہا کہ جب تک بو نجاست کی دور نہ ہو بدن وغیرہ پاک نہیں ہوتے لیکن حنفیہ کا راجح قول یہ ہے کہ پاک ہو جاتے ہیں جبکہ نجاست مرئیہ کا جسم نہ رہے اور غیر مرئیہ کو تین دفعہ دھولیا جائے اور اگر اُس چیز کو نچوڑا جا سکتا ہو تو ہر دفعہ نچوڑا جائے ورنہ ٹپکنا پانی کا بند ہونے پر دوسری اور تیسری مرتبہ دھویا جائے راجح قول کی دلیل۔ ا۔ بُو کی حقیقت یہ ہے کہ ہوا نجاست سے متکیف اور متاثر ہو جاتی ہے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ نجاست کے اجزاء ہوا میں ہوتے ہیں اس لیے باوجود بُو کے کپڑا وغیرہ پاک ہو جائے گا جبکہ مذکورہ طریقہ سے پاک کرلیا جائے۔ ۲۔ اگر کوئی شخص گیلی سلوار پہنے ہوئے ہو تو خروج ریح سے سلوار کو نجس شمار نہیں کیا جائے گا۔ اگر بو میں نجاست کے اجزاء تھے تو وہ گیلے کپڑے میں ضرور رہ جاتے اور وہ یقیناً ناپاک شمار ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مرجوح قول کی دلیل۔ ا۔ بعض فلاسفہ اس کے قائل ہیں کہ ہوا میں بُو محسوس ہونے کی وجہ اس میں بُو والی چیز کے اجزاء کا ہونا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول راجح نہیں ہے بلکہ راجح وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ہوا میں نجاست والی چیز کے اجزاء نہ ہوں تو ہوا کے انسانی بدن سے خارج ہونے سے وضو نہ ٹوٹے کیونکہ وضو تو ٹوٹتا ہے خروج نجاست سے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وضو ٹوٹنا نص سے خلاف قیاس ثابت ہے۔ ۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں عن ابی ہریرۃ مرفوعاً استنجاء کے بعد مذکور ہے ثم مسح یدہ علی الارض یہ ہاتھوں کا رگڑنا استنجاء بالماء کے بعد اس بات کی دلیل ہے کہ بُو کے ازالہ کے بغیر طہارت نہیں ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ہاتھوں کا رگڑنا ہی تو مذکور ہے موضع استنجاء کا رگڑنا تو مذکور نہیں معلوم ہوا کہ ہاتھوں کا رگڑنا صرف نظافت کے طور پر ہے طہارت تو استنجاء کرنے سے ہی حاصل ہو گئی تھی۔

باب ابوال الابل والدواب والغنم ومرابضها

غرض ان کا حکم بیان کرنا ہے، برید ایلچی کو بھی کہتے ہیں۔ خچر گدھے کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں۔ السرقین کھاد کو کہتے ہیں۔ والبریۃ الی جنبہ کے معنیٰ ہیں کہ جنگل قریب تھا پھر بھی جنگل کی جگہ جانوروں کے مکان میں نماز پڑھی پھر حلال جانوروں کا پیشاب امام بخاری و امام مالک و احمد کے نزدیک پاک ہے امام ابوحنیفہ وامام شافعیؒ کے نزدیک ناپاک ہے۔ لنا. **فی مستدرک الحاکم عن ابی هريرة مرفوعاً استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه** اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ولمالک واحمد۔ ا۔ زیر بحث حدیث عن انس مرفوعاً **ان يشربوا من ابوالها والبانها** جواب۔ ا۔ وحی سے ان کی شفاء اسی میں ذکر کی گئی تھی یہ عام حکم نہیں۔ ۲۔ اصل عبارت یوں تھی اشربوا من البانھا واستنشقوا من ابوالھا ان کے پیشاب سونگھو۔ پھر علفتھا تبناً وماء بارداً کی طرح استنشقوا کو حذف کیا گیا اور اس کے متعلق کو اشربوا کے متعلق پر عطف کر دیا گیا۔ ۲۔ ان کی دوسری دلیل تعلیقاً بخاری شریف میں اِسی باب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کا نماز پڑھنا جانوروں کے اصطبل میں منقول ہے جواب۔ ظاہر یہی ہے کہ کپڑا بچھا کر نماز پڑھی ہو گی اس لیے طہارت ابوال ثابت نہ ہوئی۔

باب مايقع من النجاسات في السمن والماء

پانی وغیرہ کیسے نجس ہوتا ہے اس کا بیان مقصود ہے قلتین والی روایت بہت کمزور ہونے کی وجہ سے ذکر نہ فرمائی اور بیر بضاعہ والی

ان کی شرط پر نہ تھی اس لیے ذکر نہ فرمائی اس باب کی آخری روایت میں شہید کے خون کو قیامت کے دن مشک کے ساتھ تشبیہ دے کر ذکر فرمایا گیا ہے کہ اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی اس پر اشکال ہے کہ اِس باب سے اس حدیث کو کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ جواب۔ا۔ جیسے اسی باب میں ہاتھی کے دانتوں کا پاک ہونا بیان کیا گیا ہے ایسے ہی مشک کا پاک ہونا بیان کرنا مقصود ہے وہ بھی ہرن کی ناف کے خون سے بنتی ہے۔۲۔ نظیر بیان کرنی مقصود ہے کہ جس طرح دم شہید بدل کر مشک بن جائے گا جو پاک ہے ایسے ہی دُنیا میں پاک نجاست کی وجہ سے ناپاک بن جاتا ہے۔

نجاسة الماء کا اختلاف

عند مالک و البخاری قلیل و کثیر میں کوئی فرق نہیں جب تک نجاست کی وجہ سے اوصاف ثلثہ رنگ مزہ بو میں سے کوئی نہ بدلے پانی پاک رہے گا' جمہور کے نزدیک قلیل و کثیر میں فرق ہے۔ ماء قلیل تو ذراسی نجاست کے گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے اور کثیر اُس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک احد الا وصاف الثلثہ المذکورہ میں فرق نہ آئے' پھر جمہور میں آپس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک قلیل کی تعیین رائے مبتلی بہ پر موقوف ہے کہ نمازی خود موقعہ کے مطابق فیصلہ کرے کہ یہ پانی کثیر ہے یا قلیل ہے شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں ہے لیکن متاخرین حنفیہ نے آسانی کے لیے وہ دردہ کی حد مقرر کی ہے کہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا تالاب ہو اور اتنا گہرا ہو کہ پانی لینے کے لیے چلو بھریں تو زمین ننگی نہ ہو تو اس کا پانی کثیر ہے اِس سے کم ہو تو قلیل ہے ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا شمار کیا گیا ہے وعند الشافعی واحمد قلتین اور زائد کثیر ہے ان سے کم قلیل ہے۔ **لنا فی ابی داؤد و البخاری عن ابی ھریرۃ مرفوعاً لایبولن احد کم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیه**۔ کھڑے پانی قلیل میں پیشاب کرنے سے ممانعت اسی لئے ہے کہ اس سے وہ پانی ناپاک ہوجائے گا وفی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً **طھور اناء احد کم اذا و لغ فیه الکلب ان یغسل سبع مرات** معلوم ہوا کہ ماءِ قلیل معمولی نجاست گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے اگرچہ کوئی صفت نہ بدلے کیونکہ کتے کے منہ ڈالنے سے پانی کی کوئی صفت نہیں بدلتی۔ **وفی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً فی ماء البحر ھو الطھور ماء ہ** معلوم ہوا کہ **ماء کثیر احدالاوصاف الثلثه** بدلے بغیر پاک ہی رہتا ہے البتہ احدالاوصاف الثلثہ بدلنے سے ناپاک ہوجانا بعض روایات میں بھی ہے اور اس پر اجماع بھی ہے اور حدیث **المستیقظ من النوم** جو بخاری شریف میں گزر چکی ہے کہ تین دفعہ دھوئے بغیر نیند سے اٹھنے والا پانی میں ہاتھ نہ ڈالے مرفوعاً حضرت ابوہریرہ سے ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ ماءِ قلیل تھوڑی نجاست گرنے سے بھی ناپاک ہوجاتا ہے کیونکہ نیند میں استنجاء کی جگہ ہاتھ لگنے سے جبکہ پانی سے استنجاء کر کے نہ سویا ہو ہاتھ کو نجاست لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان سب روایات کو ملانے سے یہی ثابت ہوا کہ کثیر تو اوصاف ثلثہ میں سے کسی ایک کے بدلے بغیر ناپاک نہیں ہوتا اور قلیل معمولی نجاست گرجانے سے ناپاک ہوجاتا ہے اور کسی صحیح صریح روایت سے قلیل کی حد متعین نہیں ہوئی اس لئے وہ رائے مبتلی بہ پر موقوف ہے۔

ولمالک:۔ **فی ابی داؤد عن ابی سعید الخدری انه قیل لرسول الله صلی الله علیه وسلم انتوضأ من بیر بضاعته و ھی بیر یطرح فیھا الحیض و لحم الکلاب و النتن فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم الماء طھور ولا ینجسه شیٔ** معلوم ہوا کہ پانی ناپاک نہیں ہوتا البتہ احدالاوصاف الثلثہ کے بدلنے سے ناپاک ہوجانا اجماع سے ثابت ہے۔ **جواب**:۔ا۔ الف لام عہد خارجی کا ہے ماء بیر بضاعہ مراد ہے اور اس کنویں کا پانی جاری تھا اس جاری ہونے کی تین تقریریں ہیں۔ پہلی تقریر یہ ہے کہ اس کے نیچے نہر جاری تھی جیسے اب بھی بیر خاتم میں ہے دوسری تقریر یہ ہے کہ بارش کے دنوں میں چاروں طرف سے پانی آ کر یہاں بھر جاتا تھا اور کنویں پر

منڈیر نہ تھی کنواں بھر کر بہت بڑا تالاب بن جاتا تھا پھر زیادہ بارش ہونے کی صورت میں کسی ایک طرف کو چلنا بھی شروع کر دیتا تھا تیسری تقریر یہ کی گئی کہ کثرت اخراج اور ساتھ ساتھ نیا پانی آنے سے ماء جاری کی صورت بن گئی تھی۔۲۔ سائل کا سوال ماضی کی گندگی کے متعلق تھا کہ گندگی تو نکال دی گئی لیکن دیواروں اور فرش کو تو نہیں دھویا گیا۔ جواب کا حاصل یہ تھا کہ سابقہ چیزوں میں سے کوئی چیز اب اس کو ناپاک نہیں کر سکتی لا ینجسہ شی من الاشیاء الحر جتہ۔۳۔ سوال کا منشا منڈیر کا نہ ہونا تھا کہ شاید آس پاس کی ناپاک چیزیں گر جاتی ہوں جواب کا حاصل یہ تھا کہ الیقین لایزول بالشک۔۴۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فرمایا ان المسلم لا ینجس کہ ایسا ناپاک نہیں ہوتا کہ پاک نہ ہو سکے۔

وللشافعی:. فی ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث. جواب ۱۔ سند اور متن اور معنیٰ میں اضطراب ہے یعنی ایسا اختلاف ہے جس کی تطبیق مشکل ہے۔ سند میں یوں اضطراب ہے کہ ولید کے استاد میں دو قول ہیں محمد بن جعفر بن الزبیر ہیں یا محمد بن عباد بن جعفر ہیں پھر اس راوی کے استاد میں اختلاف کہ عبداللہ ہیں یا عبیداللہ ہیں پھر روایت مرفوع ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے یا موقوف ہے جیسا کہ دارقطنی نے راجح قرار دیا ہے۔ متن میں یوں اضطراب ہے کہ قلتین ہے یا قلۃ ہے یا قلتین او ثلث ہے یا اربعین قلۃ ہے روایتیں چاروں قسم کی آتی ہیں اور معنیٰ کے لحاظ سے اضطراب یہ ہے کہ قلۃ کے معنیٰ بڑے مٹکے کے بھی آتے ہیں دوسرے معنیٰ وہ مقدار جس کو اونٹ اٹھالے تیسرے معنیٰ آدمی کا قد چوتھے معنیٰ پہاڑ کی اونچائی اور چوٹی۔ یہاں کونسے معنیٰ مراد ہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اتنے اضطرابات کے ہوتے ہوئے اس روایت سے استدلال نہیں ہو سکتا۔۲۔ یہ روایت معلول ہے کیونکہ صحابہ اور بعد کے حضرات نجاست گرنے سے کنواں پاک کرتے رہے ہیں حالانکہ دو مٹکے پانی تو ہوتا ہی تھا اس لحاظ سے یہ روایت تعامل کے خلاف ہے اور اصول ثابتہ فی الدین کے خلاف روایت کو معلول کہتے ہیں جو کمزور ہوتی ہے۔۳۔ سوال وہم پر مبنی تھا کہ شاید جانور منہ ڈالتے ہوں جواب کا حاصل تھا الیقین لا یزول بالشک کہ ایسے وہم کا اعتبار نہیں پھر سمجھانے اور دل میں بٹھانے کے لیے قلتین کا لفظ ذکر فرمایا جیسے امام محمد نے ایک دفعہ بغداد کے کنوں کا اندازہ لگانے کے بعد فرمادیا تھا۔ کہ تم دو سو ڈول نکال دیا کرو کنواں پاک ہو جائے گا اگر یہ فرماتے کہ سارا پانی نکالو تو یہ ذرا مشکل نظر آتا ایسے ہی ذہن میں بٹھانے کے لیے قلتین کا لفظ ارشاد فرمایا کیونکہ یہ اندازہ فرمالیا تھا کہ مدینہ منورہ کے آس پاس تالابوں میں قلتین پانی تو ہوتا ہی ہے۔۴۔ دواب حلالہ مراد ہیں اور سباع سے مراد سباع الطیور ہیں اُن کا جوٹھا پاک ہی ہے مقصد یہ تھا کہ ان جانوروں کے پینے سے ہمارے علاقہ کے پانی ناپاک نہیں ہوتے اور قلتین کا لفظ ذہن میں بٹھانے کے لئے تھا۔۵۔ یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک میں اُن علاقوں میں پتھریلی جگہ پر پھیلا ہوا جتنا پانی کثیر ہی بن جاتا تھا اس لئے ہمارے امام صاحب کے مسلک کے مطابق رائے مبتلیٰ بہ میں وہ کثیر تھا۔

قال معن حدثنا مالک مالا احصیه عن ابن عباس عن میمونته

مقصد یہ ہے کہ روایت مذکورہ کے آخری راوی حضرت ابن عباس نہیں بلکہ حضرت میمونہ ہیں۔

باب البول فی الماء الدائم

ایسا کرنے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ منع ہے۔

باب اذا القی علی ظهر المصلی قذر اوجیفة لم تفسد علیه صلوته

غرض ۱۔ جو چیز شروع نماز میں مانع ہے وہ اخیر میں مانع نہیں جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ گردن پر اوجری رکھ دی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہ توڑی۔۲۔ جب نماز

کے اندر نجاست کا پتہ نہ چلے بعد میں چلے تو اعادہ معاف ہے لیکن یہ دونوں اجتھاد مناسب نہیں کیونکہ یہ واقعہ اِس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے وثیابک فطھّر. **ومضیٰ فی صلوٰته**:۔ حضرت ابن عمر کے اجتھاد میں اعادہ اس صورت میں معاف ہے۔ ایسے ہی اس کے بعد سعید بن المسیب کا اجتھاد مذکور ہے کہ عدم علم کی وجہ سے اعادہ معاف ہے۔

سلا جزور بنی فلان

فلاں قبیلہ کے اونٹ کی اوجری۔ **فابنعث اشقی القوم**:۔ مسند طیالسی میں اِس کا مصداق عقبۃ بن ابی مُعَیط مذکور ہے۔

یُحیلُ بعضهم علی بعض

ہنسی کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر گراتے تھے۔

باب البزاق و المخاط و نحو ہ فی الثوب

مخاط آب بینی ہے یہ اور تھوک بالاتفاق پاک ہیں اِس کے خلاف قول شاذ شمار کیا گیا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

باب لا یجوز الوضوء بالنبیذ ولا بالمسکر

مقصد یہ ہے کہ اِن دونوں سے وضو کرنا جائز نہیں۔ پھر نبیذ کی تین قسمیں ہیں۔ ا۔ نہ مٹھاس آئی نہ پانی کے بہنے کی رفتار میں کمی آئی تھوڑی دیر پانی میں کھجوریں ڈال کر نکال لیں۔ اس سے بالاتفاق وضو جائز ہے۔ ۲۔ سیلان میں بھی کمی آ گئی مٹھاس بھی آ گئی بالاتفاق اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ ۳۔ مٹھاس آئی سیلان میں کمی نہ آئی عند ابی حنیفہ وضو جائز وعند ابی یوسف والجمھور نا جائز پھر امام ابی حنیفہ کا رجوع امام ابو یوسف کے قول کی طرف ثابت ہے اس لئے یہ مسئلہ صرف اس لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ بعض نے اعتراض کیا تھا کہ امام ابوحنیفہ کا پہلا قول بلادلیل تھا منشا اختلاف لیلۃ الجن کا واقعہ ہے کہ اس میں عبداللہ بن مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے یا نہ ابوداؤد میں عن عبداللہ بن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال له لیلۃ الجن ما فی اداوتک قال نبیذ قال ثمرۃ طیبۃ وماءٌ طھور اور مسند احمد اور ترمذی میں یہ بھی ہے فتوضاء منہ اور ابوداؤد میں ہی عن ابن مسعود ہے ما کان معہ منّا احد لیکن نفی کی توجیہ یہ ہے کہ۔ ا۔ اخیر حصّہ میں ساتھ نہ تھے۔ ۲۔ بعض واقعات میں ساتھ نہ تھے کیونکہ اٰکام المرجان فی احکام الجّان للقاضی بدر الدین الشبلی میں ہے کہ لیلۃ الجن چھ ہیں۔ ۳۔ جو واقعہ قرآن میں مذکور ہے اس میں ساتھ نہ تھے سوال۔ پھر ہمارے امام صاحب نے رجوع کیوں فرمایا۔ جواب لیلۃ الجن کے سب واقعات مکی زندگی کے ہیں اور فلم تجدوا ماء آیت مدنی ہے اس لیے یہ آیت وضوء بالنبیذ کے لئے ناسخ ہے۔

باب غسل المرأة اباها الدم عن وجهه

غرض یہ ہے کہ وضوء میں اور ازالہ نجاست میں دوسرے مرد یا عورت سے امداد لینا جائز ہے۔

باب السواک

غرض مسواک کا حکم بتلانا ہے کہ مسنون ہے۔

باب دفع السواک الی الاکبر

مقصد مسواک کی فضیلت کا بیان ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے ارانی فی المنام سوال۔ بعض روایتوں سے بیداری کا واقعہ معلوم ہوتا ہے جواب۔ ا۔ دو دفعہ ایسا ہوا لیکن یہ کمزور ہے کیونکہ فروع میں زیادہ تر وحی ایک ہی دفعہ نازل ہوتی ہے۔ ۲۔ پہلے خواب کا واقعہ پیش آیا پھر بیداری میں ایسا موقعہ آیا فاُوحِیَ وحی یاد آ گئی۔ فضیلت یوں ظاہر ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معمولی چیز چھوٹے کو اور اہم چیز بڑے کو دیا کرتے تھے' مسواک کو معمولی چیز سمجھ کر چھوٹے کو دینے کا ارادہ فرمایا تو وحی نازل ہوئی کہ بڑے کو دیں یہ معمولی چیز نہیں ہے۔

باب فضل من بات علی الوضوء

مقصود اس عمل کی فضیلت کا بیان ہے۔

کتاب الغسل

ربط یہ ہے کہ پہلے حدث اصغر سے طہارت کا ذکر تھا اب حدث

اکبر سے طہارت کا ذکر ہے۔ پھر اس کتاب الغسل کے شروع میں آیت ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ غسل کا ثبوت قرآن پاک سے ہے۔ دوسری آیت میں غسل کا ذکر صراحۃً ہے کیونکہ قصداً غسل کا بیان مقصود ہے اور پہلی آیت میں اصل وضو کا بیان ہے اس لئے غسل کا ذکر تبعاً بھی ہے اور اشارۃ کے درجہ میں بھی ہے بالکل صریح نہیں ہے۔

باب الوضوء قبل الغسل

غسل سے پہلے وضو کا درجہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مستحب ہے۔

باب غسل الرجل مع امراته

مقصد یہ ہے کہ ایک ہی برتن سے بھی ایسا ہو تو پھر بھی جائز ہے۔

باب الغسل بالصاع و نحوه

نحوہ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ صاع کا ذکر اندازہ کے درجہ میں ہے۔ تحدید مقصود نہیں ہے اور مسئلہ اتفاقی ہے کہ پانی نہ کم ہو کہ آداب کی رعایت نہ ہو نہ بلا ضرورت ضائع کرے ضرورت کے مطابق خرچ کرلے تو مستحسن اور مسنون ہے۔ سوال اس باب کی آخری روایت میں صاع کا ذکر نہیں ہے تو باب سے مناسبت نہ رہی۔ جواب اسی حدیث کے دوسرے طریق میں صاع کا ذکر ہے اُس طریق کے لحاظ سے باب سے مناسبت ہے۔

باب من افاض علی راسه ثلثاً

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔

باب الغسل مرة واحدة

یعنی ایسا کرنا بھی کافی ہے۔ پھر اس باب کی روایت میں عدد کا ذکر نہیں اشارہ ہے کہ اقل درجہ ایک دفعہ پانی بہانا ہے وہ تو ضرور رہا ہوگا اگر دو یا تین دفعہ ضروری ہوتا تو اس کو ضرور بیان فرماتیں حضرت میمونہ۔

باب من بدابالحلاب او الطيب عند الغسل

معنی اور غرض۔ ۱۔ حلاب ایک قسم کی خوشبو ہے مقصود اس شخص کا قول بیان کرنا ہے جس کے نزدیک غسل سے فارغ ہو کر خوشبو کا استعمال مستحسن ہے غسل سے پہلے لفظ اختتام محذوف ہے ای عند الفراغ من الغسل، ۲۔ چند بیجوں سے خوشبودار تیل نکالا جاتا تھا۔ جو طیب کی طرح غسل سے پہلے لگایا جاتا تھا اس تیل کی مالش کے بعد غسل کیا جاتا تھا۔ ۳۔ یہ لفظ جلاب ہے جیم کے ضمہ کے ساتھ بمعنیٰ عرق گلاب اس کو غسل سے پہلے لگالیں تو اثر غسل کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ ۴۔ حلاب۔ حاء مہملہ ہی ہے محلب الطیب خاص قسم کے دانے تھے جن سے صابن کی طرح ہاتھ دھوئے جاتے تھے غسل سے پہلے۔ ۵۔ دودھ کا برتن یا خوشبو کا برتن مراد ہے مقصد یہ ہے کہ ان برتنوں میں اگرچہ دودھ اور خوشبو کا اثر باقی ہو لیکن ان میں پانی ڈال کر غسل کر لینے میں کچھ حرج نہیں۔ ۶۔ کبھی خوشبو لگا کر غسل کیا جاتا تھا اور کبھی بلا خوشبو حلاب سے غسل شروع کر دیا جاتا تھا یعنی دودھ کے برتن بالٹی وغیرہ سے شروع کر لیا جاتا تھا خوشبو نہ لگائی جاتی تھی مقصد یہ کہ دونوں طرح غسل کر لینا جائز ہے خوشبو لگا کر کریں یا بلا خوشبو لگائے۔

فقال بهما علی وسط راسه دونوں ہاتھوں سے درمیان سر کو ملا۔

باب المضمضته والا ستنشاق فی الجنابته

غرض:۔ دونوں کی مشروعیت ذکر کرنی مقصود ہے وجوب یا استحباب کی تعیین مقصود نہیں ہے۔ ۲۔ وضو کے درجہ میں دونوں کا ذکر کرنا مقصود ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ دونوں مستحب ہیں واجب نہیں کیونکہ وضو واجب نہیں مستحب ہے۔ مسئلہ کی تفصیل واختلاف پیچھے گزر چکے ہیں۔

باب مسح اليد بالتراب ليكون انقیٰ

مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحسن ہے تاکہ زیادہ صفائی ہو۔

باب هل يدخل الجنب يده فی الاناء قبل ان يغسلها

مقصد یہ ہے کہ ماء مستعمل طاہر ہے۔

باب من افرغ بيمينه علی شماله فی الغسل

غرض غسل کا طریقہ بتاتا ہے۔

باب تفریق الغسل والوضوء

مقصد یہ کہ موالاۃ واجب نہیں ہے استدلال یوں ہے کہ اس باب کی حدیث میں پاؤں کا دھونا غسل کے بعد ہے اور جب تفریق فی الوضو پائی گئی تو اس پر قیاس کرتے ہوئے غسل میں بھی تفریق کا جواز ثابت ہوا۔ اور کوئی قائل بالفصل بھی نہیں ہے۔

باب اذا جامع ثم عاد ومن دار علی نساء فی غسل واحد

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے بعض اہل ظاہر اور ابن حبیب مالکی کے نزدیک عود کے لئے وضو واجب ہے وعند الجمھور مستحب ہے۔ لنا فی الطحاوی عن عائشہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یجامع ثم یعود ولا یتوضاء ولھما فی ابی داؤد عن ابی سعید الخدری مرفوعاً اذا اتی احدکم اھلہ ثم بدالہ ان یعاود فلیتوضاء بینھما وضوء جواب مستدرک حاکم میں زیادتی بھی ہے۔ انہ انشط للعود معلوم ہوا امر استحبابی ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدور علی نسائہ فی الساعتہ الواحدۃ

سوال: جس زوجہ محترمہ کی باری تھی اس کی باری میں دوسری ازواج مطہرات کے پاس جانا تو جائز نہ تھا۔ جواب: ۱- ابھی باری فرض نہ ہوئی تھی۔ ۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باری معاف تھی۔ ۳- باری والی کی اجازت سے ایسا ہوا۔ ۴- سفر میں ایسا ہوا اور باری صرف حضر اور اقامت میں ضروری ہے۔ ۵- حجتہ الوداع میں احرام باندھنے سے پہلے ایسا ہوا کیونکہ احرام سے پہلے اس کام سے فارغ ہو جانا مستحب ہے اور مسافر ہونے کی وجہ سے باری ضروری نہ تھی۔ ۶- حجتہ الوداع میں احرام کھولتے وقت ایسا ہوا اور اس وقت بھی استحباب ہے اور مسافر ہونے کی وجہ سے باری ضروری نہ تھی۔ ۷- کسی سفر کے بعد باری شروع کرنے سے پہلے ایسا ہوا۔ ۸- دو باریوں کے درمیان ایک رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشترک قرار دیا اس میں ایسا ہوا۔ ۹- عصر سے مغرب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب ازواج مطہرات کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور کبھی اس وقت مشغولی ہوتی تو مغرب سے عشاء تک آپ ایسا کرتے تھے عشاء کے بعد پھر باری شروع ہو جاتی تھی یہ واقعہ اس مشترک وقت میں پیش آیا۔ پھر درمیان میں وضو فرمایا یا نہ فرمایا تاکہ بیان جواز ظاہر ہو دونوں احتمال ہیں۔

سوال:۔ نو (۹) ازواج مطہرات کی باری آپ ادا فرماتے تھے ان ۹ کے پاس اکٹھا دس بارہ منٹ کے وقفہ سے جانا انسانی طاقت سے باہر ہے جواب:۔ حلیہ لابی نعیم میں عن مجاہد مرسلاً مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس اہل جنت کی قوت دی گئی تھی اور صحیح بخاری کے اسی باب میں سند حدیث میں مذکور ہے قول انس کنا نتحدث انہ اعطی قوۃ ثلاثین اور مسند احمد میں عن زید بن ارقم مرفوعاً ہے کہ ایک جنتی کو سو اہل دنیا کی قوت دی جائے گی فی الاکل والشرب والجماع والشھوۃ اس سے کفار کے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ نعوذ باللہ زیادہ نکاحوں کی اجازت شہوت رانی ہی کے مقصود ہونے پر دلالت کرتی ہے جواب ہوا کہ اگر شہوت رانی مقصود ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی عمر میں زیادہ نکاح فرماتے حالانکہ چھوٹی عمر میں جبکہ آپ کی عمر پچیس سال کی تھی ایک بوڑھی عورت مائی خدیجہ سے نکاح فرمایا جن کی عمر چالیس یا پینتالیس سال تھی اور وہ آپ سے پہلے دو خاوندوں سے بیوہ ہو چکی تھیں پھر ترپین سال کی عمر تک آپ کے گھر میں کوئی اور بیوی نہ آئی۔ مائی خدیجہ کی وفات کے بعد آخری دس سال کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دس ایسی ازواج مطہرات سے نکاح فرمائے جو طویل عرصہ آپ کے نکاح میں رہیں اس کے علاوہ بھی چند نکاحوں کا ذکر آتا ہے لیکن ان میں آپ نے جلدی ہی طلاق دیدی حضرت سودہ نے بڑھاپے کی وجہ سے اپنی باری چھوڑ دی تھی اس لئے آپ نو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے جبکہ آپ میں چار ہزار انسانوں کی قوت تھی یہ کمال صبر تھا شہوت رانی نہ تھی پھر جو دس نکاح فرمائے وہ بہت سے دینی مصالح کی وجہ

سے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھے۔ دینی مصالح عامہ: بھی تھے اور خاصہ بھی تھے عامہ کی مثال:۔ ۱-نقل شریعت ازواج مطہرات کے ذریعہ دین امت تک پہنچا چنانچہ دین کے دوثلث مسائل اکیلی حضرت عائشہؓ کے ذریعہ امت تک پہنچے باقی ایک ثلث سوالاکھ اور ڈیڑھ لاکھ کے درمیان صحابہ کرام کے ذریعے سے پہنچے کیونکہ صحابہ کی تعداد سوالاکھ اور ڈیڑھ لاکھ کے درمیان شمار کی گئی ہے۔ ۲-تفقہ فی الدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں بہت زیادہ رہنے کی وجہ سے ازواج مطہرات بہت بڑی فقیہات بن گئی تھیں کہ وصال کے بعد صحابہ اور تابعین کی رہنمائی فرماتی رہیں۔ ۳-تسہیل علی النساء۔ آپ کے دس گھر عورتوں کے دس مدرسے تھے کہ عورتوں کو جو ضرورت دینیہ پیش آتی ازواج مطہرات کے ذریعہ بآسانی حل فرمالیتی تھیں' ۴-نقل محاسن خفیہ' گھر کے اندر جو کمالات ظاہر ہوتے تھے ان کا پتہ ازواج مطہرات کے ذریعہ امت کو لگتا تھا۔ ۵-تشریف قبائل کہ آپ کے نکاحوں کی وجہ سے آپ کے سسرال کے خاندان بہت اونچے مرتبہ کے ہو گئے۔ ۶-رفع درجات کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے بوجھ تھے قرآن پاک پڑھ کر سنانا۔ اس کے معانی سمجھانا۔ ہر قسم کے احکام بتلانا امامت۔ خطابت۔ تربیت۔ باطنہ۔ فصل خصومات۔ مناظرہ وفدوں سے ملاقات' جہادات وغیرہ ان سب کے علاوہ دس گھروں کا انتظام بھی آپ کے ذمہ ڈال دیا گیا تھا تاکہ اس کے ثواب سے بھی آپ کے درجات بلند ہوں مصالح۔ خاصہ مثلاً ۱-تشریف شیخین کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی وجہ سے شیخین آپ کے خسر بمنزلہ باپ کے بن گئے تھے۔ ۲-متبنیٰ کا مسئلہ ظاہر فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ حضرت زینب کا نکاح خود ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ دیا فلما قضیٰ زید منها وطرا زوجنكها کہ ہم نے دونوں کے ولی ہونے کی حیثیت سے آپ دونوں کا نکاح پڑھ دیا تاکہ عملی طور پر واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی موت یا طلاق کے بعد منہ بولے باپ کا نکاح اس عورت سے ہو سکتا ہے جو پہلے اس بیٹے کے نکاح میں رہ چکی ہو۔ جاہلیت میں اس نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔ ۳-تسلی حضرت زینب کا پہلا نکاح مرضی کے خلاف ہوا تھا پھر میاں بیوی میں جھگڑا رہتا تھا پھر طلاق ملی ان سب غموں کا ازالہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہو جانے سے ہوا۔ حضرت ام سلمہ کو اپنے خاوند کی موت کا بے حد صدمہ تھا وہ صدمہ آپ کے ساتھ ان کے نکاح سے دور ہوا۔ حضرت صفیہ یہودی سردار کی بیٹی اور یہودی سردار کی بیوی تھیں قید ہو کر آئیں مسلمان ہو گئیں ان کے اونچے درجہ کی وجہ سے ان کی تسلی آپ کے ساتھ نکاح ہی سے ہو سکتی تھی۔ ۴-اعتاق العبید۔ حضرت جویریہ کے ساتھ آپ کے نکاح سے ان کے خاندان کے بہت سے غلاموں کو صحابہ کرام نے آزاد کر دیا کہ یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال میں داخل ہو چکے ہیں۔

وهن احدى عشرة

سوال: اس روایت کے فوراً بعد والی تعلیق میں تعداد نو ہے
جواب: دو لونڈیوں ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کو بعض حضرات نے ازواج مطہرات میں شمار فرمالیا ہے۔

باب غسل المذى والوضوء منه

غرض۔ ۱-مذی میں فرک اور رگڑنا کافی نہیں بلکہ دھونا ہی ضروری ہے۔ ۲-اس میں غسل واجب نہیں بلکہ وضو ہی کافی ہے۔
سوال: ابواب غسل میں مذی کو کیوں ذکر فرمایا یہ تو موجب غسل نہیں ہے جواب یہ مشابہ منی کے ہے اسی لئے حضرت علیؓ غسل کرتے تھے اور پھر مسئلہ پوچھنا پڑا۔

باب من تطيب ثم اغتسل وبقى اثر الطيب

غرض یہ ہے کہ ملنا غسل کے لیے لازم نہیں ہے۔

باب تخليل الشعر

غرض یہ کہ غسل میں بالوں کو اور جڑ کو تر کرنا ضروری ہے۔

باب من توضأ فی الجنابة:.

غرض یہ کہ غسل کے بعد دوبارہ وضوضروری نہیں ہے۔

باب اذا ذکر فی المسجد انه جنب یخرج کما هو ولا یتیمم

غرض تردید ہے۔ سفیان ثوری اور امام اسحٰق کی کہ ان کے نزدیک تیمم کر کے نکلے۔

باب نفض الیدین من الغسل عن الجنابته

غرض۔۱۔ ایسا کرنا جائز ہے۔۲۔ ماء مستعمل پاک ہے کیونکہ ہاتھ جھاڑنے سے چھینٹے بدن پر لگنے کا احتمال ہوتا ہے۔

باب من بداء لبشق راسه الایمن فی الغسل

غرض یہ کہ ایسا کرنا اولیٰ ہے۔ باب من اغتسل عریانا وحده غرض ایسا کرنا بھی جائز ہے گو اولیٰ تستر ہے تنہائی میں بھی۔ لندب بالحجر:۔ مار کا اثر اور نشان پڑ گیا۔

باب التستر فی الغسل عند الناس

غرض و ربط یہ کہ پہلے تنہائی میں غسل کرنے کا حکم تھا اب لوگوں میں غسل کرنے کا حکم ہے۔

باب اذا احتلمت المرة

غرض احتلام کا حکم بیان فرمانا ہے۔ پھر یہ واقعہ حضرت عائشہ کے ساتھ پیش آیا یہی قاضی عیاض کی رائے ہے امام ابوداؤد کی رائے یہ ہے کہ راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عائشہ کے سامنے پیش آیا تھا یا حضرت ام سلمہ کے سامنے بظاہر امام بخاری کے نزدیک حضرت ام سلمہ کے سامنے پیش آیا یہی قاضی عیاض کی رائے ہے امام ابوداؤد کی رائے یہ ہے کہ راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عائشہ کے سامنے پیش آیا تھا علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ دونوں جمع ہوں دونوں کے سامنے سوال جواب ہوئے ہوں۔ پھر جب آدمی نیند سے اٹھتا ہے تو بدن یا کپڑے پر اگر کوئی تری لگی ہو تو اس میں کل چودہ احتمال:۔ ہوتے ہیں کیونکہ بدن سے نکلنے والی تین چیزیں ہوتی ہیں جن میں علامتوں سے فرق کیا جاتا ہے۔ مذی ہے یہ گوند کی طرح چپکنے والی ہوتی ہے بلا تلذذ اور بلا دفق خارج ہوتی ہے۔ پتلی ہوتی ہے۔ بے لون اور بے بو ہوتی ہے جلدی جلدی بھی خارج ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس کے خارج ہونے سے زیادہ کمزوری نہیں ہوتی۔۲۔ منی ہے یہ گاڑھی ہوتی ہے سفید رنگ ہے گندھے ہوئے آٹے اور کیلے کے درخت کے چھلکے جیسی بو ہوتی ہے۔ دفق اور شہوت سے خارج ہوتی ہے۔ خارج ہونے کے بعد کافی کمزوری بھی ہوجاتی ہے۔ عام طور پر ہفتہ دس دن کے وقفہ کے بعد خارج ہوتی ہے۔۳۔ تیسری چیز ودی ہے یہ منی کی طرح گاڑھی ہوتی ہے۔ اس کا رنگ کچھ میلا ہوتا ہے۔ بلا دفق و بلا شہوت خارج ہوتی ہے بے بو ہوتی ہے عام طور پر پیشاب سے کچھ پہلے یا پیشاب کے کچھ بعد یا پیشاب کے ساتھ خارج ہوتی ہے اب چودہ (۱۴) احتمال یوں ہیں۔۱۔ یقین منی۔۲۔ یقین مذی۔۳۔ یقین ودی۔۴۔ منی اور مذی میں شک۔۵۔ منی اور ودی میں شک۔۶۔ مذی اور ودی میں شک۔۷۔ تینوں میں شک یہاں تک کل سات صورتیں ہوئیں پھر ان سات میں سے ہر ایک میں دو دو احتمال ہیں اس قسم کا خواب یاد ہوگا یا نہ۔ کل چودہ احتمال ہوگئے ان میں سے گیارہ میں اتفاق ہے سات میں یوں اتفاق ہے کہ ان میں غسل واجب ہے یہ وہی سات احتمال ہیں جن میں خواب یاد ہے البتہ ان میں سے ایک نکال دیں گے یقین ودی والا اور اس کی جگہ ایک رکھ دیں گے یقین منی ہو اور خواب یاد نہ ہو۔ اور چار صورتوں میں اتفاق ہے کہ غسل واجب نہیں ہے۔۱۔ یقین ودی ہو اور خواب یاد نہ ہو۔۲۔ یقین ودی خواب یاد ہو۔۳۔ یقین مذی خواب یاد نہ ہو۔۴۔ ودی اور مذی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو اور تین صورتوں میں اختلاف ہے۔۱۔ شک ہو کہ منی ہے یا مذی اور خواب یاد نہ ہو۔۲۔ شک ہو منی اور ودی میں اور خواب یاد نہ ہو۔۳۔ شک ہو تینوں میں اور خواب یاد نہ ہو۔ اِن تینوں صورتوں میں عند امامنا محمد واحمد غسل واجب ہے وعند ابی یوسف و مالک والشافعی واجب نہیں' منشاء اتفاق واختلاف یہ زیر بحث روایت ہے عن ام

سلمۃ کہ ام سلیم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ عورت خواب دیکھے تو کیا اس پر غسل واجب ہے فرمایا نعم اذا رات الماء اور ابوداؤد کی روایت ہے عن عائشة قالت سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل یجد البلل و لا یذکر احتلاماً قال یغتسل۔ بلل اور ماء سے مراد ان روایتوں میں منی ہے تو جن سات صورتوں میں یقین ہے یا غلبہ ظن ہے کہ منی ہے ان میں بالاتفاق غسل واجب ہے اور جن چار صورتوں میں یقین ہے یا غلبہ ظن ہے کہ منی نہیں ہے اور یہ پانی غیر منی ہے تو ان میں اتفاق ہے کہ غسل واجب نہیں ہے۔ باقی تین اختلافی صورتوں میں شک ہے کہ منی ہے یا غیر منی ہے۔ تو ہمارے امام صاحب اور امام محمد اور امام احمد نے احتیاط پر عمل فرمایا اور باقی ائمہ نے الیقین لا یزول بالشک پر عمل فرمایا ترجیح احتیاط والے قول کو ہے اور اسی پر حنفیہ کا فتوی ہے کیونکہ عبادات میں احتیاط پر عمل ہی راجح ہوتا ہے۔

باب عرق الجنب وان المسلم لا ینجس

حدیث اور باب کے معنیٰ اور غرض۔ ۱۔ مسلمان ایسا ناپاک نہیں ہوتا کہ پاک نہ ہو سکے۔ ۲۔ ایسا ناپاک نہیں ہوتا کہ اس سے مصافحہ نہ ہو سکے۔ یعنی جنابت میں نجاست حکمی ہوتی ہے۔ حسی نہیں ہوتی جو مصافحہ سے مانع ہو۔

باب الجنب یخرج و یمشی فی السوق وغیرہ

غرض یہ کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب کینونة الجنب فی البیت اذاتوضأ قبل ان یغتسل

غرض یہ کہ جب نماز سے پہلے غسل کر لے تو گنجائش ہے۔ فرشتوں کے آنے سے مانع نہیں ہے۔

باب نوم الجنب

غرض یہ کہ جائز ہے پھر بعض اہل ظواہر اور ابن حبیب مالکی کے نزدیک سونے سے پہلے وضو واجب ہے جمہور کے نزدیک واجب نہیں مستحب ہے۔ لنا فی ابی داؤد عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینام وھو جنب من غیر ان یمس ماءً لھما فی ابی داؤد والبخاری عن ابن عمر مرفوعاً فی الجنبی توضاء واغسل ذکرک ثم نَم جواب یہ امر استحبابی ہے قرینہ صحیح ابن حبان کی روایت ہے کہ ابن عمر نے پوچھا کیا جنبی بلا غسل سو جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم و یتوضأ ان شاء زیر بحث باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنابت کی حالت میں وضو کر کے سونے کا فرمانا بھی امر استحبابی ہی پر محمول ہے قرینہ یہی ابن حبان والی روایت ہے۔

باب الجنب تیوضاء ثم ینام

غرض کہ ایسا کرنا اولیٰ ہے۔

باب اذا التقی الختانان غرض

۱۔ امام بخاری کے نزدیک غسل صورت اکسال میں مستحب جمہور کے نزدیک واجب ہے۔ ۲۔ لفظ احوط جو اِس باب کے اخیر میں قول بخاری میں ہے وہ وجوب کو شامل ہے اس لئے جمہور کی مخالفت نہیں ہے۔

باب غسل ما یصیب من رطوبة فرج المراة

اِس باب کی حدیث اجماع صحابہ سے پہلے کے متعلق ہے بعد میں اجماع ہو گیا اور حضرت عثمان وعلی کا فتوی وجوب غسل کا منقول ہے۔

قال ابو عبث اللہ الغسل احوط ذلک الآخر انما بینیاہ لا ختلافھم و المأ انقیٰ

۱۔ غسل میں زیادہ احتیاط ہے اور دوسری وجہ یعنی عدم الوجوب من الاکسال ہم نے اختلاف کی وجہ سے بیان کی ہے اور پانی زیادہ صفائی کا ذریعہ ہے۔ گویا اختلاف باقی ہے نسخ پر اجماع نہیں ہوا اس صورت میں آخر کی خاء پر فتحہ پڑھا گیا امام بخاری کا میلان داؤد ظاہری کے قول کی طرف ہوا اسی طرف باب کے عنوان میں بھی اشارہ ہے کہ صرف ازالہ نجاست کی ضرورت ہے غسل واجب نہیں ہے۔ ۲۔ یہی تقریر صرف ذلک الآخر بفتح الخاء سے مراد دوسری وجہ کی

بجائے دوسری حدیث یعنی حدیث ان الماء من الماء۔۳۔ ذلک الآخر میں خاء کا کسرہ پڑھا جائے اِس صورت میں زیادہ مناسب یہی ہے کہ ذلک الآخر کا اشارہ غسل کی طرف ہو یعنی وجوب غسل فی الاکسال جو احوط و انقی ہے یہ آخری حکم ہے اس کو ہم نے اس لئے ذکر کیا کہ اختلاف صحابہ کا یا روایات کا جو منقول ہے اس کے متعلق پتہ چل جائے کہ یہ اختلاف ختم ہو چکا ہے اور ان الماء من الماء منسوخ ہو چکا ہے۔۴۔ بعض نسخوں میں ذلک الاخیر ہے اِس میں یہی تیسری تقریر جاری ہوگی۔ تیسری اور چوتھی تقریر کے مطابق امام بخاری نے جمہور کا قول ہی لیا ہے۔ یہی امام بخاری کی شان کے زیادہ مناسب ہے اور باب کے عنوان میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ مقصود نہیں ہے صرف ازالہ نجاست کا مسئلہ ذکر فرمانا مقصود ہے۔ پھر اجماع کی تصریح طحاوی میں مند روایت سے ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع فرما کر یہ مسئلہ پوچھا بعض نے اکسال میں غسل اور بعض نے عدم غسل کا ذکر فرمایا **فقال عمر قد اختلفتم وانتم اهل بدر الاخيار فكيف بالناس بعد كم فقال على يا امير المومنين ان اردت ان تعلم ذلک فارسل الى ازواج النبى صلى الله عليه وسلم فاسئلهن عن ذلک فارسل الى عائشه فقالت اذا جاوزت الختان الختان فقد و جب الغسل فقال عمر عند ذلک لا اسمع احد ايقول الماء من الماء الا جعلته نكالاً** اس پر کسی صحابی کا انکار منقول نہیں ہے۔ لاختلافہم:۔۱۔ اختلاف صحابہ۔۲۔ اختلاف المحدثین فی نقل الروایات کہ بعض میں الماء من الماء ہے اور بعض میں اکسال میں وجوب غسل کی تصریح ہے۔

كتاب الحيض

ربط یہ ہے کہ پیچھے طہارت تھی حدثِ اصغر اور اکبر سے اب طہارت ہے حیض سے تینوں نماز کی شرطیں ہیں۔ حیض کے لغوی معنی سیلان اور بہنے کے ہیں اور شریعت میں یہ معنیٰ ہیں سیلان دم الرحم مع الصحۃ بعد البلوغ فی ایام معتادۃ اور استحاضہ کے معنیٰ ہیں دم عرق قریب من الرحم یقال لہ العاذل۔ **ويسئلونک عن المحيض** آیت میں ایسا حکم بیان فرما دیا گیا جو یہود کے افراط اور عیسائیوں کی تفریط کے درمیان ہے یہود کمرے سے ہی حائضہ کو نکال دیتے تھے اور عیسائی وطی بھی کر لیتے تھے اسلام میں اعتدال ہے۔

باب كيف كان بدء الحيض

باب کو وقف کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں۔۲۔ رفع اور تنوین کے ساتھ بھی۔۳۔ رفع بلا تنوین بھی غرض حیض کی ابتداء بتلانا ہے کہ کیسے ہوئی۔

وقال بعضهم كان اول ما ارسل الحيض على بنى اسرائيل

اس بعض کا مصداق حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ ہیں جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں تصریح ہے۔ پھر ابتداء حیض میں مختلف اقوال ہیں۔۱۔ بنی اسرائیل پر بطور سزا کے جاری کیا گیا تھا کہ عورتیں زینت کے ساتھ مسجد میں آتی تھیں مسجد سے منع بھی کر دی گئیں اور حیض بھی مسلط کر دیا گیا۔۲۔ تفصیلی احکام بنی اسرائیل میں جاری کئے گئے نفس حیض پہلے سے تھا۔۳۔ زمانہ حیض میں اضافہ بنی اسرائیل سے ہوا۔۴۔ کچھ عرصہ بند رہا تھا پھر بنی اسرائیل میں دوبارہ جاری ہوا۔

وحديث النبى صلى الله عليه وسلم اكثر

اکثر قوۃ وقبولاً من قول الصحابۃ۔۲۔ اعم نساء بنی اسرائیل وغیرھم۔۳۔ فی روایۃ اکبر ای اعلیٰ۔

ضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نساءه بالبقر

سوال گائے دس کی طرف سے کیسے کافی ہوئی۔۱۔ نفلی قربانی۔ اپنی طرف سے فرمائی اور ثواب ازواج مطہرات کو پہنایا۔۲۔ اس وقت ابھی ازواج مطہرات سات ہی تھیں۔

باب غسل الحائض راس زوجها وتر جيله

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب قرأة الرجل فی حجر امرأته وھی حائض

غرض یہ ہے کہ نجاست چھپی ہوئی ہوتو اس کے قریب تلاوت جائز ہے۔

فتمسکه بعلاقته

اس واقعہ کی مناسبت بعد والی حدیث سے ہے کہ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک قرآن پاک اور حائضہ عورت کے درمیان حائل تھا ایسے ہی لٹکانے کی چیز قرآن پاک اور اس لونڈی حائضہ کے درمیان حائل تھی۔

باب من سمی النفاس حیضا

مقصد یہ کہ دونوں کے احکام ایک جیسے ہیں اسی لئے جب نفاس والی حدیث ان کی شرط پر نہ تھی تو اطلاق نفاس علی الحیض سے ہی احکام کا استنباط فرمالیا۔ نیز نفاس کی حقیقت بھی وہی حیض کا خون ہے جو زمانہ حمل میں محبوس ہوتا ہے۔

سوال: باب کا عنوان یہ ہے کہ نفاس کو حیض کہا جاتا ہے۔ حالانکہ حدیث میں اس کے برعکس ہے جواب۔ دونوں طرح اطلاق ہوتا رہتا ہے۔

باب مبا شرة الحائض

غرض کہ اٹھنا بیٹھنا حیض کی حالت میں بھی جائز ہے پھر عند الشافعی ومحمد صرف وطی حرام ہے باقی میں بلا حائل حیض میں جائز ہے وعند الجمھور موضع ازار پر مس بلا حائل جائز نہیں ہے۔ لنا۔ حدیث الباب عن عائشہ مرفوعاً وکان یأ مرنی فاتزر فیبا شرنی وانا حائض ولھما مافی ابی داؤد عن انس مرفوعاً واصنعو اکل شی غیر النکاح جواب احتیاط ہماری دلیل پر عمل کرنے میں ہے۔

وایکم یملک اربه

بفتح الھمزة بمعنی الفرج و بکسرھا بمعنی الحاجة مقصد۔ ۱۔ تم جماع کر بیٹھو گے اس لئے تمہارے لئے مضاجعت مع الحائض مناسب نہیں۔ ۲۔ تم صبر نہ کرسکو گے اس لئے تمہارے لئے مضاجعت بطریق اولیٰ جائز ہے۔

باب ترک الحائض الصوم

غرض وربط ایک حکم کے بعد دوسرا حکم حائضہ کا۔ سوال صوم کے ساتھ صلوٰة کا بھی ذکر چاہئے تھا۔ جواب۔ ۱۔ نماز کا حکم تو ظاہر ہی تھا کہ نماز کے لیے طہارت شرط ہے جو حائضہ کو حاصل نہیں۔ ۲۔ نماز کا ذکر آگے آجائے گا۔

باب تقضی الحائض المناسک کلھاالا الطواف بالبیت

غرض وربط ایک اور حکم حائضہ کا بیان فرمادیا پھر عند البخاری ومالک جنبی اور حائضہ کے لئے تلاوت جائز ہے وعند الجمھور جائز نہیں لنا مافی الترمذی عن ابن عمر مرفوعاً لایقرأ الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن ولمالک۔ ۱۔ فی ابی داؤد اسناداً وفی ھذا الباب تعلیقا عن عائشہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ عزوجل علی کل احیانہ۔ جواب۔ تلاوت کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ ۲۔ فی البخاری تعلیقاً عن ابراھیم لا باس ان تقرالایة جواب۔ یہ ان کا اجتھاد ہے۔ ۳۔ فی البخاری تعلیقا ولم یرابن عباس بالقرأة للجنب باسا جواب محرم کو مبیح پر ترجیح ہے۔ ۴۔ فی البخاری تعلیقا وقالت ام عطیة کنا نؤمر ان یخرج الحیض فیکبرن بتکبیرھم ویدعون۔ جواب اس میں تلاوت داخل نہیں ہے۔ ۵۔ فی البخاری تعلیقا ہرقل کے خط میں آیت کا لکھنا کہ جب کافر پڑھے گا تو مسلم غیر طاہر بطریق اولیٰ پڑھ سکتا ہے۔ جواب۔ ۱۔ یہ پوری آیت نہ تھی اقتباس تھا آیت سے۔ ۲۔ یہ تبلیغ کے طور پر تھا نہ کہ تلاوت کے لیے جیسے دعاء کی نیت سے آیت پڑھنی بالاتفاق جائز ہے۔ ۶۔ فی البخاری تعلیقا عن جابر حضرت عائشہؓ نے حیض کی حالت میں حج کے مناسک ادا فرمائے۔ جواب۔ تلاوت ان میں داخل نہیں ہے۔ ۷۔ فی البخاری تعلیقاً وقال الحکم انی لاذبح وانا جنب۔ جواب۔ یہ تلاوت نہیں ہے۔ ۸۔ فی البخاری اسناداً عن عائشہ مرفوعاً فافعلی مایفعل الحاج جواب اس میں تلاوت داخل نہیں ہے۔

باب الا ستحاضة

غرض وربط پہلے حیض کے احکام تھے اب استحاضہ کے ہیں پھر استحاضہ کے حکم میں اختلاف ہے حضرت عطاء بن ابی رباح اور روافض کے نزدیک ہر مستحاضہ غسل لکل صلوۃ کرے حنفیہ کے نزدیک مستحاضہ کی تین قسمیں ہیں۔ ۱- مبتدءَ کہ بالغ ہونے کے ساتھ ہی استحاضہ کی بیماری شروع ہوگئی تو دس دن حیض اور باقی مہینہ طہر شمار کرے اور دس دن پورے ہونے پر ایک دفعہ غسل کرے۔ ۲- معتادہ کہ کچھ عرصہ حیض ٹھیک رہا پھر استحاضہ کی بیماری شروع ہوگئی اور اس کو عادت یاد ہے تو عادت سابقہ کے مطابق حیض وطہر شمار کرے اور حیض کے دن پورے ہونے پر ایک دفعہ غسل کرے باقی وضوءلکل صلوۃ کرے۔ ۳- متحیرہ کہ بالغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ حیض ٹھیک رہا پھر استحاضہ شروع ہوگیا اور اپنی عادت بھول گئی تو یہ تحری کرے غلبہ ظن سے جو دن حیض کے سمجھ میں آئیں ان کو حیض باقی کو طہر سمجھے اور ایک دفعہ غسل کرے باقی وضوءلکل صلوۃ کرے اور اگر تحری پر قادر نہیں ہے تو اگر مکان ایام حیض یاد ہے کہ شروع ماہ حیض آتا تھا یا درمیان یا اخیر تو صرف ان دنوں میں غسل لکل صلوۃ کرے جن میں حیض سے نکل کر طہر میں داخل ہونے کا خیال ہے باقی وضوءلکل صلوۃ اور اگر مکان ایام حیض بھی یاد نہیں تو جب تک استحاضہ کی بیماری رہے غسل لکل صلوۃ کرے پھر جن صورتوں میں غسل لکل صلوۃ ہے ان میں اگر وقفہ والی ہے کہ اندازہ ہے کہ اگر ایک ہی غسل سے ظہر اخیر وقت میں اور عصر شروع وقت میں پڑھ لوگی تو درمیان میں قطرہ نہ آئے گا تو ایسا ہی کرے ایسے ہی مغرب اور عشاء کے لئے ایک ہی غسل کرے وعندالجمہور مستحاضہ کا حکم یہ ہے کہ اول تمیز بالالوان کرے کہ سرخ اور سیاہ تیز رنگوں کو حیض شمار کرے وعندالجمہور مستحاضہ کا حکم یہ ہے کہ اول تمیز بالالوان کرے کہ سرخ اور سیاہ تیز رنگوں کو حیض شمار کرے اور زرد اور ہلکے رنگوں کو استحاضہ شمار کرے اور اگر تمیز بالالوان پر قادر نہیں ہے تو حنفیہ کی طرح عادت پر عمل کرے ہمارے سات دعوے ہوگئے ہر ایک کی الگ الگ دلیل ہے۔

۱- مبتدءَ۔ فی الکامل لابن عدی عن انس مرفوعاً الحیض ثلثۃ واربعۃ وخمسۃ وستۃ وسبعۃ وثمانیۃ وتسعۃ وعشرۃ فاذا جاوزت العشرۃ فھی مستحاضۃ ۲- عدم الغسل لکل صلوۃ فی کل مستحاضۃ۔ بخاری شریف میں عن عائشۃ مرفوعاً انما ذلک عرق اور دم عرق میں غسل لکل صلوٰۃ نہیں ہوتا اس لئے استحاضہ میں عام حالات میں غسل لکل صلوٰۃ نہیں ہے۔ ۳- عدم اعتبار الالوان فی البخاری تعلیقاً وفی الموطین اسناداً ہے کہ عورتیں حیض کے اخیر میں ڈبیہ میں روئی رکھ کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجا کرتی تھیں کہ ہم غسل کرلیں تو فرمایا کرتی تھیں لاتعجلن حتی ترین القصۃ البیضاء کہ جب تک سفید پانی جو عموماً حیض کے اختتام پر آیا کرتا ہے جب تک وہ نہ دیکھ لو غسل نہ کرنا معلوم ہوا کہ ہر قسم کا رنگ حیض میں داخل ہے اور تمیز بالالوان کا بالکل اعتبار نہیں ہے اسی دعوے کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ استحاضہ والی عورتیں جو مسئلہ پوچھنے آتی تھیں ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عادت پر عمل کرنے کا حکم فرماتے تھے اگر تمییز بالالوان معتبر ہوتی تو پہلے یہ دریافت فرماتے کہ تم تمیز بالالوان پر قادر ہو یا نہ۔ یہ دریافت نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ شریعت میں تمیز بالوان کا اعتبار نہیں ہے۔ ۴- چوتھا دعویٰ معتادہ کا حکم ہے اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے **عن ام سلمۃ مرفوعاً فی المستحاضۃ لتنظر عدۃ اللیالی والا یام التی کانت تحیضھن من الشھر قبل ان یصیبھا الذی اصابھا فتترک الصلوۃ قدر ذلک من الشھر فاذا خلفت ذلک فلتغتسل ثم لتستشفر بثوب ثم لتصل** اسی دعویٰ کی دوسری دلیل بخاری شریف کی روایت ہے اسی باب میں **عن عائشہ مرفوعاً انما ذلک عرق ولیس بالحیضتہ فاذا اقبلت الحیفتہ فاتر کی الصلوٰۃ فاذاھب قدرھا فاغسلی عنک الدم وصلی**۔ اس اقبال وادبار کے عنوان کی سب روایتیں عادت کے بیان کے لئے ہیں کیونکہ بخاری شریف کی اس روایت میں اور ابوداؤد میں بھی **فاذا اقبلت** کے ساتھ **فاذا ذھب قدرھا** بھی ہے اور قدر کا لفظ عادت

کے بیان میں نص ہے۔ ۵-تحری اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت عن حمنۃ بنت جحش مرفوعاً تحیضی ستۃ ایام اوسبعۃ ایام فی علم اللہ تعالیٰ ذکرہ یعنی اللہ تعالیٰ کوتو معلوم ہے تو تحری کر کے غلبہ ظن سے چھ یا سات یا جتنا غلبہ ظن ہواس کو حیض سمجھ لے۔ ۶-بعض صورتوں میں غسل لکل صلوۃ ہے اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے۔ عن عائشۃ مرفوعاً فامرھا بالغسل لکل صلوۃ نیز دوسری دلیل قیاس ہے کہ جن دنوں میں شبہ ہو کہ آج میں طہر میں داخل ہو رہی ہوں ان میں غسل لکل صلوۃ کرے اور یہ شبہ اس عورت کو جس کو مکان ایام حیض یاد ہو چند دن ہوتا ہے اور جس کو یہ بھی یاد نہ ہواس کو ہمیشہ یہی شبہ ہوتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ غسل لکل صلوۃ کرے گی البتہ کمزوری اور بیماری کی وجہ سے غسل کی جگہ تیمم ہو ہی جایا کرتا ہے۔ ۷- وقفہ والی کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے عن عائشۃ امرھا ان تجمع بین الظھر والعصر بغسل والمغرب والعشاء بغسل وتغتسل للصبح۔ وجمہور:۔ مافی ابی داؤد عن فاطمۃ بنت ابی جیش مرفوعاً اذا کان دم الحیضۃ فانہ دم اسود یعرف کہ گہرے رنگوں کو حیض شمار فرمایا جواب اس روایت کو امام انسائی امام طحاوی اور امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

دلیل عطاء والشیعتہ

ہمارے چھٹے دعوے والی دلیل جواب یہ کمال تحیر اور مکان ایام حیض یاد ہونے والی صورتوں پر محمول ہے تا کہ روایات میں تعارض لازم نہ آئے۔

باب غسل دم الحیض

غرض اس کا حکم بیان کرنا ہے کہ ضروری ہے سوال کتاب الوضوء میں بھی باب غسل الدم گزر چکا ہے جواب۔ یہ اس سے اخص ہے اس لئے تکرار نہ ہوا۔ رأت ماء العصفر:۔ اردو میں اس کو کسم کہتے ہیں۔ اس کا پانی دیکھ کر فرمایا کہ فلاں عورت کو اسی رنگ کا خون آتا تھا پھر یہ اعتکاف ان عورتوں کی اپنی رائے سے تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترغیب دینا ثابت نہیں ہے بلکہ آبسراردن سے کراہت معلوم ہوتی ہے کیونکہ عورتوں کا اعتکاف گھر میں ہوتا ہے۔

باب ھل تصلی المراۃ فی ثوب حاضت فیہ

غرض یہ کہ جائز ہے اور یہی ھل کا جواب مقدر ہے سوال صرف تھوک سے تو کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ جواب۔ ۱- نجاست قلیلہ معافی کی حد کے اندر اندر مراد ہے۔ ۲- بعد حیض ختم ہونے کے نماز پڑھنے سے پہلے دھولیا کرتی تھیں۔ ۳- روایت میں بھی دھونے کا ذکر تھا کسی راوی نے اختصار کیا ہے۔

باب الطیب للمراۃ عند غسلھا من الحیض

یعنی یہ مستحسن ہے حتی کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ احداد اور خاوند کے سوگ کے دنوں میں بھی حیض سے پاک ہو کر لگانی مستحسن ہے۔ قسط اظفار:۔ اس کو قسط بھی کہتے ہیں۔ عطر کی ایک قسم ہے اظفار کی طرف اضافت اس وجہ سے ہے کہ وہ ناخن کے برابر قلیل مقدار میں استعمال ہوتی تھی اور جب کست ظفار بلا ہمزہ کہتے ہیں تو ظفار جگہ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

باب ذلک المراۃ نفسھا

غرض بیان استحباب ہے دلک کا سوال۔ اس باب کی حدیث میں تو دلک کا ذکر نہیں ہے جواب۔ اسی حدیث کے ایک طریق میں جو مسلم شریف میں ہے اس میں دلک ہے لیکن وہ ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لائے سوال حدیث میں صرف خوشبو لگانے کا ذکر ہے غسل کا طریقہ تو مذکور ہی نہیں۔ جواب وہ ظاہر تھا اس لئے زائد چیز دلک اور خوشبو ذکر فرما دی۔

باب غسل المحیض

بضم الغین حیض کے غسل کا طریقہ بیان کرنا مقصود ہے اور اگر غین کا فتحہ پڑھیں تو محیض ظرف کا صیغہ ہوگا موضع حیض کی تنظیف خوشبو کے ذریعہ سے بیان کرنی مقصود ہے۔

باب امتشاط المرأۃ عند غسلھا من المحیض

غرض کنگھی کرنے کا مستحسن ہونا بیان کرنا ہے کہ جب حدیث پاک میں غسل بعد الاحرام میں کنگھی کا امر فرمایا تو غسل بعد الحیض

میں بطریق اولی یہ امر استحبابی جاری ہوگا۔

باب نقض المرأة شعرها عند غسل المحيض

غرض اس کا بیان ہے کہ غسل حیض میں بال کھول لینا ثابت ہے اور حدیث پاک میں غسل بعد الاحرام میں بال کھولنے کا امر ہے تو غسل حیض میں بطریق اولی یہ حکم ثابت ہوگا کیونکہ اس میں صفائی کی زیادہ ضرورت ہے پھر امام بخاری اور امام احمد کے نزدیک غسل حیض میں عورت کے ذمہ بال کھولنا واجب ہے عند الجمھو ر واجب نہیں صرف جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ لنا مافی ابی داوٗد عن ام سلمۃ کہ ایک عورت نے پوچھا کیا میں بال کھولا کروں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما یکفیک ان تحفنی علیہ ثلاثاً کہ تین دفعہ سر پر دونوں ہاتھ بھر کر پانی ڈال لیا کرو جس سے جڑیں تر ہو جائیں لھما مافی حدیث الباب عن عائشۃ مرفوعاً وانقضی رأسک جواب۔ ہماری دلیل قرینہ ہے کہ یہ امر استحبابی ہے پھر عورت جو حیض کی وجہ سے عمرہ چھوڑتی ہے جس کا بیان اس باب کی حدیث میں ہے تو اس عورت پر نقض عمرہ کی چٹی واجب نہیں ہوتی کیونکہ وہ مجبور ہے۔

باب مخلقة وغير مخلقة

غرض یہ ہے کہ حمل کے زمانہ میں جو خون آتا ہے وہ حیض نہیں ہوتا کیونکہ دم حیض سے جنین کی تخلیق ہوتی ہے۔ مضغہ مخلقہ حمل ہوتا ہے اور اگر غیر مخلقہ ہو تو پھر حمل نہیں ٹھہرتا اور حیض شروع ہو جاتا ہے۔ اس باب کی حدیث کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ حدیث میں مضغہ کا ذکر ہے اسی کی دو صورتیں ہوتیں ہیں کبھی مخلقہ یعنی حمل کبھی غیر مخلقہ یعنی حیض پھر فی روایۃ عن مالک وفی روایۃ عن الشافعی حاملہ کو جو خون آتا ہے وہ حیض ہے وفی روایۃ عنھما ومذہب امامنا ابی حنیفۃ واحمد والبخاری والجمھور وہ استحاضہ ہے لنا مافی ابی داوٗد فی سبایا اوطاس عن ابی سعید مرفوعاً لاتوطا حامل حتی تضع ولا حائل حتی تستبرء الجیفۃ تقابل سے معلوم ہوا کہ حائلہ کو حیض آتا ہے حاملہ کو نہیں آتا ولھما کہ اصل یہی ہے کہ وہ حیض ہوا اور کوئی مانع ہے نہیں جواب نص کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب كيف تهل الحائض بالحج والعمرة

غرض یہ ہے کہ حیض احرام سے مانع نہیں ہے۔

باب اقبال المحيض وادباره

غرض ۱- اقبال کا حکم ادبار کے حکم سے مختلف ہے۔ ۲- اقبال وادبار کی کیفیت کا اندازہ کیسے ہوتا ہے اور علامت کیا ہے۔ ۳- اقبال کی حقیقت کیا ہے اور ادبار کی حقیقت کیا ہے عادت یا رنگ پھر ادبار کی علامت میں دو اہم قول ہیں۔ ۱- روئی کا خشک ہو جانا۔ ۲- سفید پانی آنا اسی کی طرف امام بخاری کا میلان ہے اور پھر ہمارے امام ابوحنیفہ ہی کا مسلک اختیار فرمایا کہ الوان کا اعتبار نہیں ہے۔

وعابت عليهن

کیونکہ بلا ضرورت اتنا تکلف مناسب نہیں کہ آدھی رات کو اٹھ اٹھ کر دیکھیں کہ حیض بند ہوا یا نہ۔

باب لاتقضى الحائض الصلوٰة:.

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے کہ حائضہ پر نماز کی قضا نہیں ہے

التجزی: ۱- مجرد سے بمعنی تقضی، ۲- مزید سے بمعنی تکفی یعنی کیا طہر کی نمازیں ہی کافی ہو جاتی ہیں حیض کی نمازوں کی قضا کی ضرورت نہیں ہے۔

باب النوم مع الحائض وهي في ثيابها

غرض کہ ایسا کرنا جائز ہے تعریض ہے یہود سے کہ ان کی طرح کمرے سے حائضہ کو نکالا نہیں جاتا۔

باب من اتخذ ثياب الحيض سوى ثياب الطهر

غرض یہ بھی مستحسن ہے سوال ایک حدیث میں حضرت عائشہ سے ہے کہ ہمارے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا ہے جواب۔ یہ ایک کپڑے والی روایت شروع اسلام کی ہے اور زیر بحث روایت بعد کی ہے جب وسعت ہوگئی تھی یہاں گذشتہ باب سے مناسبت یہ ہے کہ ایک ہی حدیث سے دونوں بابوں کے تراجم مستنبط ہیں۔

باب شهود الحائض العیدین

غرض کہ یہ جائز ہے۔

باب اذا حاضت فی شهر ثلاث حیض

غرض کہ حیض کے اقل واکثر کی کوئی حد نہیں۔لیکن امام بخاری کی یہ رائے درست نہیں کیونکہ کامل لابن عدی میں تعیین موجود ہے عن انس مرفوعاً الحیض ثلثہ۔ واربعۃ وخمسۃ وستۃ وسبعۃ وثمانیہ وتسعۃ وعشرۃ فاذا جاوزت العشر ۃ فہی مستحاضۃ:۔ **من بطانته اهلها**:۔ من خواص اهلها۔ **اقرائها ماکانت**:۔ یعنی عدت سے پہلے جو عادت تھی اسی کے مطابق اگر عدت کے حیض ذکر کرتی ہے تو تصدیق کی جائے گی۔ ورنہ نہیں۔

تری الدم بعد قرئها نجمسته ایام

یعنی اس کی عادت پانچ دن تھی اب اس سے اوپر خون آیا تو وہ کیا کرے۔ابن سیرین کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ عادت پر عمل کرے۔

باب الصفرة والکدرة فی غیر ایام الحیض

غرض دو حدیثوں کے درمیان تعارض کو اٹھانا ہے ایک حضرت عائشہ سے پیچھے تعلیقاً گزری ہے لاتعجلن حتی ترین القصته البیضاء اوردوسری یہاں زیر بحث عن ام عطیۃ قالت کنالاتعد الکدرۃ والصفر ۃ شیئاً کہ حیض یقیناً شروع ہو تو ہر رنگ حیض ہی میں شمار ہوگا اور اگر طہر کے دن ہوں اور اقل طہر بھی پورا نہ ہوا ہو تو ان رنگوں کا اعتبار نہیں ہے یہی حنفیہ اور امام بخاری اور جمہور کا مسلک ہے البتہ امام مالک ہر زمانہ میں ہر رنگ کو حیض شمار فرمالیتے تھے ان کا یہ قول اسی پر محمول ہے کہ ان کو یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی۔ باب عرق الاستحاضۃ:۔ غرض یہ کہ استحاضہ کا خون دم عرق ہوتا ہے دم رحم نہیں ہوتا۔

فکانت تغتسل لکل صلوٰۃ

اور ابو داؤد کی ایک روایت میں مرفوعاً غسل لکل صلوٰۃ کا امر بھی مذکور ہے اسی حدیث کے واقعہ میں اس لئے اس واقعہ کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔۱۔ امر استحبابی ہے۔۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امر غسل فرمایا تھا تو اس سے مقصود ایک دفعہ غسل کا حکم دینا تھا انہوں نے غسل لکل صلوۃ سمجھ لیا۔۳۔ خود حضرت ام حبیبہ کا اجتہاد تھا کہ غسل لکل صلوٰۃ مستحب ہے۔۴۔ متحیرہ تھیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل لکل صلوٰۃ کا امر فرمایا تھا۔۵۔ ازالہ نجاست کے لیے غسل لکل صلوۃ کا امر فرمایا تھا۔۶۔ کان فنسخ اور ناسخ وضوء لکل صلوۃ والی احادیث ہیں۔۷۔ علاجاً امر فرمایا تھا۔

باب المرأة تحیض بعد الافاضة

غرض یہ کہ اس کے لئے طواف وداع چھوڑنا جائز ہے۔

اذارات المستحاضة الطهر

غرض۔۱۔ جب ہلکے رنگ آجائیں تو نماز پڑھے۔۲۔ اقل طہر کی کوئی حد نہیں جیسا کہ ابن عباس کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔۳۔ مستحاضہ سے وطی کا جواز بیان کرنا مقصود ہے اور اس شخص کا رد مقصود ہے جو صرف زنا کے خوف کے موقعہ میں جائز باقی نا جائز کہتا ہے۔ کہ زنا کا خطرہ نہ ہو تو خاوند کے لئے مستحاضہ سے وطی جائز نہیں ہے اس کا رد کر دیا کہ جائز ہے۔

باب الصلوٰة علی النفساء و سنتها

غرض۔۱۔ نفاس میں فوت ہونے والی پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ وہ ناپاکی کی حالت میں فوت ہوئی ہے۔۲۔ ایسی عورت پر نماز جنازہ پڑھتے وقت امام کے کھڑے ہونے کی جگہ بتلانی مقصود ہے۔ پھر نفاس والی عورت کے جنازہ کا ذکر حیض کے بابوں میں اس لئے کیا کہ حیض والی عورت کا بھی یہی حکم ہے۔ باب:۔ یہ باب بلا ترجمہ ہے اس لئے تتمہ ہے ماقبل کا کہ حائضہ کی ذات پاک ہے اسی لئے اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جاتی ہے اور اسی لئے وہ اگر نمازی کے سامنے بھی لیٹی ہو تو کچھ حرج نہیں۔

کتاب التیمم

ربط و غرض پہلے وضو اور غسل تھے جو اصل ہیں اب ان دونوں کا خلف ہے۔ لغت میں تیمم کے معنٰی لقد کے ہیں اور شریعت میں

قصد الصعید الطاہر لارکان مخصوصۃ۔

نصرتُ بالرعب

سوال: یہ چیز تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی تھی اس کو خصوصیت کیوں شمار فرمایا جواب ان کے لئے ظاہری سلطنت کی وجہ سے تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بلا اسباب ظاہرہ کے تھی۔ابھی سلطنت دنیا کے لوگوں پر ظاہر نہ ہوئی تھی۔

وجعلت لی الارض مسجد اوطھورا

پہلی امتوں میں نہ تیمم تھا نہ ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت تھی صرف اپنے عبادت خانہ میں جا کر نماز پڑھتے تھے۔

وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ

سوال حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت بھی تو عام تھی اس لئے سب پر عذاب آیا۔ جواب۔۱۔ان کی تبلیغ توحید کا ماننا سب کے ذمہ ضروری تھا دخول فی الشریعت ضروری نہ تھا۔۲۔ان کی بعثت نئے نبی کے آنے تک کے لئے تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک کے لئے ہے۔

باب اذا لم یجد ماَء و لا ترابا

غرض فاقد الطہورین کا مسئلہ بیان کرنا ہے اور امام بخاری کے نزدیک ادا کرے صحیح ہے استدلال صحابہ کے عمل سے فرمایا کہ انہوں نے بلا وضو و بلا تیمم نماز پڑھ لی اور ان کو اعادہ کا حکم نہیں فرمایا گیا جواب یہ ہے کہ یہ عمل نزول تیمم سے پہلے کا ہے نزول تیمم سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔اور مسئلہ تفصیل سے پیچھے گزر چکا ہے۔

باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء و خاف فوت الصلوٰۃ

غرض اس کا جواز بیان کرنا ہے۔۱۔ پانی نہ ملے۔۲۔نماز فوت ہونے کا خدشہ ہو۔ ہمارے امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف نماز جنازہ اور عیدین کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کر کے شریک ہو جانا جائز ہے اگرچہ پانی قریب موجود ہو لیکن اگر وضو کرنے جاتا ہے تو یہ دونوں نمازیں فوت ہونے کا اندیشہ ہے البتہ ولی نماز جنازہ کے لئے تیمم نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی اجازت کے بغیر نماز جنازہ ہی نہ ہو گی اور دوبارہ پڑھی جائے گی وعند الجمہور ان دونوں صورتوں میں بھی وضو ہی ضروری ہے لہٰذا زیر بحث باب کی مسند روایت عن ابی جہیم مرفوعاً رجل فسلم علیہ فلم یرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی اقبل علی الجدار فمسح بوجھہ ویدیہ ثم رد علیہ السّلام کہ جب سلام کے جواب میں فوت بلا خلف کے خوف سے تیمّم فرمایا حالانکہ وہاں وضو واجب بھی نہ تھا مستحب تھا تو جہاں وضوٗ واجب ہے وہاں خوت بلا خلف کے خوف سے تیمم کر لینا بطریق اولیٰ جائز ہے۔ وللجمہور فلم تجدوا ماء کی شرط ہے۔اور مذکورہ صورت میں پانی موجود ہے جواب۔ پانی حکماً موجود نہیں ہے جیسے مریض میں ہوتا ہے۔ اور امام بخاری کا استدلال بھی مذکورہ صورت میں پانی موجود ہے جواب۔ پانی حکماً موجود نہیں ہے جیسے مریض میں ہوتا ہے۔ اور امام بخاری کا استدلال بھی مذکورہ زیر بحث روایت سے ہے جواب یہ ہے کہ آپ صرف خوف کی شرط لگاتے ہیں اور مذکورہ روایت میں خوف بلا خلف ہے کیونکہ مجلس ختم ہونے پر سلام کا جواب معتبر نہیں رہتا۔

فحضرت الصلوٰۃ بمربد النعم

یہ جگہ مدینہ منورہ سے ایک میل یا دو میل دور ہے اس لئے حنفیہ جو ایک میل تلاش کرنے کی شرط لگاتے ہیں یہ روایت اس کے خلاف نہیں ہے۔

باب المتیمم ھل ینفخ فیھما

غرض یہ ہے کہ پھونک مار کر یا جھاڑ کر زائد مٹی ہٹا لینی چاہئے تا کہ شکل نہ بگڑے اور مثلہ کی طرح نہ ہو جائے۔ پھر طریق تیمم میں اختلاف ہے عند امامنا ابی حنیفۃ والشافعی ضربتین ہیں ایک چہرے کے لئے دوسری ہاتھوں کے لئے الی المرفقین وعند احمد ایک ہی ضرب ہے چہرے اور ہاتھوں کے لئے رسغین تک وعند مالک ضربتین ہیں ضرب ثانی رُسغین تک وجوباً اور مرفقین تک استحباباً وعند الزھری ضربتین ہیں اور ضرب ثانی مناکب و آباط تک ہے لنا۔۱۔

فی الطحاوی عن اسلع مرفوعاً ضربتین ہیں اور ضرب ثانی مرافق تک ہے۔۲۔فی الدارقطنی وابی داؤدعن ابن عمر مرفوعاً اِسی طرح۔۳۔فی الدارقطنی عن ابن عمر موقوفاً اسی طرح۔۴۔فی الدارقطنی عن جابر مرفوعاً اسی طرح۔ ۵۔ فی الدارقطنی موقوفاً علی جابر اسی طرح والزھری مافی ابی داؤدعن عمار بن یاسر فی واقعۃ نزول التیمم فمسحوا باید یھم کلھا الی المناکب والآباط ولاحمد حدیث الباب عن عبدالرحمٰن ابن ابزیٰ مرفوعاً حضرت عمار سے فرمایا کہ انما کان یکفیک ھکذا فضرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکفیہ الارض ونفخ فیھما ثم مسح بھما وجھہ جواب حضرت عمار کو وضو کے تیمم کا طریقہ معلوم تھا صرف یہ بتلانا مقصود تھا کہ غسل کا تیمم بھی اِسی طرح ہوتا ہے جیسے وضو کا تیمم ہوتا ہے اِس لئے صرف اشارہ فرمادیا پوراطریقہ نہیں بتلایا اِس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوداؤد میں صرف ایک ہاتھ کا مارنا مذکور ہے مسلم شریف میں ظاہر کفین پر مسح مذکور ہے اور مسلم شریف کی ایک روایت میں صرف مسح الشمال علی الیمین ہے حالانکہ یہ صورتیں امام احمد کے نزدیک بھی کافی نہیں ہیں۔امام زہری کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مناکب تک صحابہ نے اس وقت کیا جبکہ ابھی طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھا نہ تھا ولما لک روایتیں دونوں قسم کی ہیں اِس لئے رسغین تک وجوباً اور مرافق تک استحباباً ہونا چاہیئے تاکہ تطبیق ہوجائے جواب رسغین تک تو صرف تعلیم سابق کی طرف اشارہ تھا اس لئے نہیں لے سکتے۔

باب التیمم للوجه والكفین

غرض۔۱۔امام احمد کے مذہب کو لینا مقصود ہے۔۲۔مقصود یہ ہے کہ تیمّم کا تعلق سر اور پاؤں سے نہیں ہے۔اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔۳۔مقصد یہ ہے کہ غسل کے تیمم میں پورے بدن پر مٹی ملنے کی ضرورت نہیں ہے **وقال تفل فیھما**:۔یعنی نفخ فیھما کی جگہ یہ لفظ ہیں دونوں کے معنیٰ ایک ہی ہیں۔

باب الصعید وضوء المسلم یكفیه من الماء

باب کی تنوین ہی مناسب ہے۔امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے یہی مسلک ہے۔امام ابوحنیفہ کا اور جمہور کے نزدیک طہارت ضرور یہ ہے۔لنا۔ حدیث الباب عن عمران مرفوعاً علیک بالصعید فانہ یکفیک معلوم ہوا کہ تیمم بھی وضو کی طرح کافی ہے والجمہور کہ تیمم مجبوری کے درجہ میں ہوتا ہے اوراصول یہ ہے کہ مجبوری کے درجہ میں جو چیز ہووہ بقدرضرورت ہی رہتی ہے۔ جواب: حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ **لا باس بالصلوٰة علی السنجته و التیمم بھا**: سنجہ اس شور زمین کو کہتے ہیں جو کچھ نہ اگائے سوائے بعض درختوں کے۔مقصد یہ ہے کہ ایسی زمین بھی جنس ارض سے ہے اوراس پر تیمم صحیح ہے۔

یرفع صوته بالتكبیر

حضرت عمرؓ کے اس عمل میں دونوں مصلحتوں کی رعایت ہے۔ ۱۔خواب کی وحی کو بند نہ کیا جائے۔۲۔نماز کے لیے جگانے کی بھی کچھ نہ کچھ تدبیر کی جائے پھر اللہ اکبر کے لفظ کو اختیار فرمایا کیونکہ وہ اذان کا بنیادی لفظ ہے۔**ارتحلوا**:۔ تاکہ مکان شیطان سے بھی الگ ہوجائیں اور زمان شیطان بھی گذر جائے۔

مکروہ وقت میں قضاء کرنے کا اختلاف

عند امامنا ابی حنیفۃ وقت مکروہ میں قضا صحیح نہیں ہے وعند الجمہور صحیح ہے۔لنا۔۱۔فی مسلم عن عقبۃ بن عامر اوقات مکروہہ والی روایت۔ ۲۔ زیر بحث روایت کیونکہ اِس میں وارد ہے۔ارتحلوا یہ حکم اسی لئے فرمایا کہ مکروہ وقت گزر جائے سوال۔ قضاء حاجات کے لئے تاخیر فرمائی جواب بعض روایات میں ہے کہ ارتفاع شمس کے بعد سواریوں سے اترے پھر قضا حاجات ہوئیں پھر نماز ہوئی۔سوال۔صرف شیطان کے اثر سے بچنے کے لیے سواریوں پر سوار ہوکر آگے جانے کا حکم فرمایا تھا ارتفاع شمس بالکل مقصود نہ تھا۔جواب۔۱۔وساوس کی وجہ سے نماز نہیں چھوڑی جاتی جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دفعہ شیطان کو پکڑنے کا نماز میں۔ارادہ فرمانا مذکور ہے اس میں یہ ذکر نہیں کہ شیطان کے آنے کی وجہ سے نماز توڑ دی ہو۔۲۔ شیطانی جگہ سے بھی بچنا

مقصود تھا اور شیطانی وقت سے نکلنا بھی مقصود تھا ایک سبب دوسرے سبب کی نفی نہیں کرتا **لھم ما فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً من نسی صلوۃ فلیصلھا اذا ذکر ھا**

جواب۔ ا۔ اذا بیان شرط کے لئے آتا ہے متی عموم اوقات کے لئے ہوتا ہے یہاں اذا ہے۔ ۲۔ فلیصلھا صلوۃ صحیحۃ مراد ہے اور وقت مکروہ میں نماز صحیح نہیں ہوتی۔ ۳۔ ہماری دلیل محرم ہے اور آپ کی مبیح ہے ایسے موقعہ میں ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔ ۴۔ ہماری روایت کو متواتر بھی کہا گیا ہے اس لئے اس کی سند بہرحال اقویٰ ہے۔ ۵۔ اوقات مکروھہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

ونفرنا خلوفاً:۔ یہاں کان مقدر ہے کان نفرنا خلوفاً کہ ہمارے گھر کے مرد سفر پر گئے ہوئے تھے اس لئے مجھے پانی لانا پڑا۔ **مزادتین او سطیحتین:۔** دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔ بڑی مشک جس میں دو جانوروں کی کھالیں جمع کی گئی ہوں اسی لئے مزادتین یعنی زیادتی والی کہتے ہیں۔

و او کاء افواھھما:۔ بیہقی میں زیادتی بھی ہے کہ اُس برتن میں کلی فرمائی اور پھر اُس پانی کو دوبارہ بڑے منہ میں ڈال کر اس کو بند کر دیا اور عزالی یعنی نیچے کے منہ کھول دیے مفرد عزلاء ہے اور جمع عزالی لام کے کسرہ اور فتحہ دونوں طرح پڑھی جاتی ہے۔

اقلع عنھا: اُس عورت سے اس کا پانی بس تھوڑی دیر کے لیے روکا گیا تھا یعنی کم نہ کیا گیا تھا **اُقلِعَ بمعنی کُفَّ. الصِّرْمُ:۔** چند گھروں کا مجموعہ جس کو گاؤں اور بستی کہتے ہیں ہیں۔ ماأری ان ھولاء القوم:۔ ما موصولہ ہے یعنی میرا خیال یہ ہے کہ صحابہ کرام قصداً تمہاری بستی پر حملہ نہیں کرتے اور نرمی کرتے ہیں۔ پھر نماز قضا ہو جانے کے واقعات بعض کے نزدیک متعدد ہوئے ہیں اور بعض کے نزدیک ایک ہی دفعہ نماز قضا ہوئی تھی خیبر سے واپسی پر زیادہ تر ایک دفعہ قضا ہونے کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

باب اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض او الموت او خاف العطش تیمم

غرض ان تین کاموں کا جواز بیان کرنا ہے۔ پھر اس باب میں جو دو مسند روایتیں ہیں، ان کو سمجھنا پانچ واقعات کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ ا۔ نزول تیمم کا واقعہ جو حضرت عمار سے بھی تفصیل سے مذکور ہے۔ ۲۔ حضرت عمر و عمار سفر میں تھے پانی نہ تھا دونوں کو غسل کی حاجت ہوئی حضرت عمر نے اپنے اجتہاد کی بنا پر نماز نہ پڑھی حضرت عمار نے اپنے اجتہاد کی بنا پر پورے بدن پر پلٹیاں کھا کر مٹی مل لی۔ ۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت عمار نے یہ دوسرا واقعہ ذکر کیا تو فرمایا کہ صرف اتنا ہی کافی تھا اور منہ اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیرا یعنی غسل کا تیمم بھی وضو کے تیمم کی طرح ہی ہوتا ہے پورے بدن پر مٹی ملنے کی ضرورت نہ تھی۔ ۴۔ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں ایک آدمی نے حضرت عمر سے مسئلہ پوچھا کہ غسل کی حاجت ہو پانی نہ ہو تو کیا کرے فرمایا میں تو نماز نہ پڑھوں حضرت عمار پاس بیٹھے ہوئے تھے دوسرا اور تیسرے واقعہ یاد کرایا لیکن ان کو یاد نہ آیا اور فرمایا کہ اپنی ذمہ داری پر بیان کرنا میں تائید نہیں کرتا کیونکہ مجھے یاد نہیں آیا۔ ۵۔ یہ مناظرہ کا واقعہ پھر مناظرہ میں ترتیب اِس باب کی دوسری روایت میں تو یوں ہے کہ حدیث عمار کا ذکر پہلے ہے اور آیت کا بعد میں ہے اور آیت پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے مان لیا کہ غسل کی جگہ بھی تیمّم ہو سکتا ہے لیکن میں اس مسئلہ کو زیادہ بیان نہیں کرتا کہ کہیں لوگ معمولی سردی میں غسل کی جگہ تیمم نہ شروع کر دیں اس پر مناظرہ ختم ہو گیا۔ لیکن بخاری شریف کی اِس باب کی پہلی حدیث اور ابوداؤد کی روایت میں آیت کا ذکر پہلے ہے اور حدیث عمار کا بعد میں ہے اِس روایت میں کسی راوی نے غلطی سے ترتیب بدل دی ہے صحیح وہی ہے جو یہاں بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کیونکہ جب آیت سے مناظرہ ختم ہو گیا تو پھر حدیث عمار پیش کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔

باب التیمم ضربۃ

ا۔ باب تنوین کے ساتھ اور ضربتہ مرفوع۔ ۲۔ باب بلا تنوین بطور اضافت اور ضربۃً منصوب۔ غرض ایک ضرب والے قول کو نقل کرنا ہے۔ اس باب کی حدیث میں بھی ترتیب صحیح نہیں ہے

کسی راوی نے غلطی سے بدل دی ہے۔ باب:۔ بعض نسخوں میں یہاں باب ہے بلا ترجمہ اور بعض میں باب بھی نہیں ہے دونوں صورتوں میں اخیر میں فانہ یکفیک میں ایک ضرب بھی داخل ہے۔ خواہ اِس حدیث کو گذشتہ باب میں داخل مانیں اور درمیان میں باب نہ مانیں خواہ باب مان کر اسی باب کو گذشتہ باب کا تتمہ مانیں دونوں صورتوں میں یہی لفظ محل ترجمہ یا محل تتمہ ہیں۔

کتاب الصلوٰة

وجہ تسمیہ۔ ا۔ اصلی معنیٰ دعاء ہیں پھر جزء بول کر کل مراد ہے۔ ۲۔ اقبال یعنی توجہ پھر عام بول کر خاص اقبال علی اللہ اور توجہ الی اللہ مراد ہے۔ ۳۔ نرمی پھر لازم بول کر ملزوم مراد ہے۔ ۴۔ رحمتہ پھر لازم بول کر ملزوم مراد ہے۔ ۵۔ گھوڑ دوڑ میں دوسرے درجہ کے گھوڑے کو مصلی کہتے ہیں پہلے کو مجلی اور سابق کہتے ہیں۔ یہاں مشبہ بہ بول کر مشبہ مراد ہے کہ نمازی دوسرے درجہ میں ہے پہلے درجہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نمازی نماز پڑھنے کے سب کاموں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا ہے اس لیے اس کو اتباع کرنے والا اور مصلی کہتے ہیں اور اس کے فعل کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔ ۶۔ پہلے درجہ میں امام ہے دوسرے درجہ میں عام نمازی ہیں۔ ۷۔ تعظیم پھر عام بول کر خاص مراد ہے نماز اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ ۸۔ تحریک الصلوین۔ بدن کے نیچے کے حصہ کو ہلانا پھر عام بول کر خاص مراد ہے نماز میں بھی رکوع سجدہ کی صورت میں بدن کا ہلانا پایا جاتا ہے۔

نماز فرض ہونے کی حکمتیں

ا۔ عبدیت کا اظہار۔ ۲۔ حق ربوبیت کا ادا ء کرنا۔ ۳۔ تقرب الی اللہ۔ ۴۔ تکفیر سیئات۔ ۵۔ حق نبوت کا ادا کرنا تشہد پڑھ کر اور درود شریف پڑھ کر۔ ۶۔ اخوت ایمانیہ کا حق ادا کرنا وعلی عباداللہ الصالحین پڑھ کر۔

دن میں سری اور رات میں جہری نمازیں کیوں ہیں

ا۔ دن میں انوار انعامات بالکل ظاہر ہیں اس لئے بندہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ قرب محسوس کرتا ہے اور قرب میں گفتگو آہستہ ہوتی ہے۔ رات میں انعامات مخفی ہوتے ہیں اِس لئے بندہ نسبۃً تھوڑا سا بعد محسوس کرتے ہوئے جھراً عرض معروض کرتا ہے۔ ۲۔ دن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس میں زور سے بولنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اور رات میں شفقت و جمال ظاہر ہوتا ہے جو بولنے کی ہمت دلاتا ہے۔ ۳۔ دن میں انسان کو بہت سے مشاغل ہوتے ہیں یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور پیار کی باتیں کرنے میں تکلف ہوتا ہے۔ رات کو فارغ ہو کر اطمینان اور یکسوئی سے محبت کی باتیں کرنے کا جوش اٹھتا ہے اس لئے جوش اور جہر سے نماز پڑھتا ہے۔ ۴۔ رقیبوں کا خوف دن میں جہر سے مانع ہوتا ہے رات کو تنہائی اور اندھیرے میں بے خوف ہو کر خوب محبت کی باتیں کی جاتی ہیں۔

ربط:۔ تمہید طہارت کے بعد مقصود صلوٰۃ کا بیان ہے۔

باب کیف فرضت الصلوات فی الاسراء

غرض اِس شخص کا رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ اسراء الگ رات میں ہوا اور معراج الگ رات میں ہوا فرمانا چاہتے ہیں کہ دونوں ایک رات میں ہوئے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جانے کو اسراء اور پھر وہاں سے آسمانوں پر جانے کو معراج کہتے ہیں۔

فقال یامرنا یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ والصدق والعفاف

سوال۔ حدیث ہرقل کے اِس ٹکڑے میں تو کیفیتہ فرضیتہ مذکور نہیں ہے پھر اس ٹکڑے کو یہاں کیوں ذکر کیا گیا جواب یہ اِس کیفیت کے بیان کے لئے تمہید ہے کہ نماز ابتداء اسلام سے آرہی ہے اس لئے اتنی مشہور ہے کہ کافر بھی اس کی فرضیت کو جانتے تھے۔

ففرج صدری:۔ شق صدر کا معجزہ چار دفعہ ہوا۔ ا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کے پاس بالکل بچپن میں تھے مقصد بچپن کے فضول کھیل کود کے شوق کو نکالنا تھا۔ ۲۔ جوانی میں غلط

خواہشات سے دل کو صاف کرنے کے لئے ہوا۔۳۔ابتداء وحی میں تا کہ وحی کا بوجھ برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو جائے۔۴۔معراج کے لئے جاتے وقت تا کہ معراج کی قوت پیدا ہو جائے۔ **ارسل الیہ:**۔ا۔کیا نبی بنا دیا گیا ہے۔۲۔کیا ان کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے آسمانوں پر آنے کا دوسرے معنیٰ راجح ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت فرشتوں میں بھی مشہور ہو چکی تھی۔

والاسودة اللتی عن شماله اهل النار

سوال یہ تو بظاہر اس آیت کے خلاف ہے لا تُفتّح لھم ابواب السماء جواب۔ا۔اکرام ادروازے نہ کھولے جائیں گے تھوڑی دیر کے لئے پیش کرنے کے لئے آجانا اس کے خلاف نہیں۔۲۔یہ عالم مثال تھا جیسے آج کل ٹیلیویژن میں تصویریں دکھا دی جاتی ہیں۔اور اسودہ کے معنیٰ اشخاص کے ہیں۔

حتٰی ظهرتُ لمستویً

ا۔سیڑھی۔۲۔برابر سطح والی جگہ۔

مایبدل القول لدی

سوال۔حدیث میں تو آتا ہے کہ دعاء سے تقدیر بدل دی جاتی ہے جواب۔تقدیر کے دو درجے ہیں۔ا۔معلّق۔۲۔مبرم اول بدل دی جاتی ہے دوسری نہیں بدلی جاتی اس آیت میں دوسری کا ذکر ہے۔

فقال راجع ربک

موسٰی علیہ السلام نے جو مشورے دیئے یہ اس وعدہ کو پورا کیا جو نبیوں سے لیا گیا تھا ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنُنّ بہ و لتنصُرنّہ۔

الی سدرة المنتهٰی

وجہ تسمیہ۔ا۔فرشتوں کے علوم یہاں تک ہیں آگے نہیں۔ ۲۔فرشتوں کے قدم اس سے آگے نہیں جا سکتے۔۳۔اوپر سے آنے والی چیزیں یہاں آ کر ٹھہر جاتی ہیں اور نیچے سے جانے والی بھی یہاں پر آ کر ٹھہر جاتی ہیں۔۴۔وہاں تک شہداء کی روحیں پہنچتی ہیں۔۵۔وہاں تک مومنین کی روحیں پہنچتی ہیں۔

حبائل اللؤلؤ

موتیوں کے ٹیلے۔

فافرت صلوة السفر

سوال بظاہر یہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے **فلیس علیکم جناح ان تقصر وامن الصلوة** جواب۔ا۔قصر کا ذکر حضر کے مقابلہ میں ہے کہ حضر میں چار پڑھتے ہیں پھر جب سفر پر جاتے ہیں تو دو پڑھتے ہیں نماز کم کر دی جاتی ہے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اسلام میں پہلے سفر میں بھی چار رکعتیں تھیں پھر سفر کی کم کر دی گئیں اور سفر کی برقرار رہیں۔۲۔قصر کیفیت میں ہے کہ سفر کی نماز مختصر پڑھ لینے کی بھی گنجائش ہے اور اقرت صلوة السفر کا تعلق کم اور گنتی سے ہے کہ سفر کی نماز کی گنتی وہی رہی اور حضر کی رکعات کی تعداد بڑھا دی گئی۔۳۔ہجرت تک دو دو رکعتیں تھیں پھر بعض نمازوں کی چار کر دی گئیں پھر آیت نازل ہوئی اور سفر کی پھر پہلے کی طرح دو دو کر دی گئیں گویا مال کے لحاظ سے سفر کی دو ہی رہیں۔

باب وجوب الصلوة فی الثیاب

غرض یہ ہے کہ ستر عورت نماز میں فرض ہے۔

خذوا زینتکم عند کل مسجد

زینت میں حال بول کر محل یعنی ثوب مراد ہے اور مسجد میں محل بول کر حال یعنی نماز مراد ہے۔پھر لفظ مسجد میں اشارہ ہے کہ اصل نماز وہی ہے جو مسجد میں ہو۔

ان لا یطوف بالبیت عریان

پس نماز میں ستر عورت بطریق اولیٰ ضروری ہے۔۲۔نماز مثل طواف کے ہے۔اس لئے نماز میں بھی ستر عورت ضروری ہے یعنی نماز کا حکم بطور دلالۃ النص ثابت ہوا یا بطور قیاس ثابت ہوا۔

لتلبسها صاحبتها من جلبا بها

یہی محل ترجمہ ہے کہ جب حائضہ کے لئے کپڑا اور چادر ضروری ہے تو طاہرہ کے لئے جس نے نماز بھی پڑھنی ہے اس

کے لئے بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

باب عقد الازار علی القفا فی الصلوۃ

غرض یہ کہ یہ بھی جائز ہے۔ لیرانی احمق مثلک:۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بلاتحقیق اکابر علماء پر اعتراض کرنا حماقت ہوتا ہے۔

باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ملحفابه

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علیٰ عاتقیه

امام بخاری کے ابواب سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کندھوں کو ڈھانپنا مستحب ہے اور یہی بیان کرنا اِس باب کی غرض ہے پھر عن احمد روایتان۔ ا۔ کندھوں کا ننگا ہونا مفسد صلوٰۃ ہے۔۲۔ حرام ہے گو مفسد نہیں وعند الجمھور مکروہ تنزیہی ہے۔ لنا۔ بخاری شریف میں آئندہ باب کی روایت عن جابر مرفوعاً وان کان ضیقا فاتز ربہ ولاحمد زیر بحث باب کی پہلی روایت عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقیہ شیٔ اِسی روایت کے دونوں معنٰی ہیں کہ مفسد ہونے کی وجہ سے منع فرمایا یا نفس حرمت کی وجہ سے منع فرمایا جواب ہماری دلیل سے معلوم ہوا کہ نہی تنزیہی ہے۔

باب اذا کان الثوب ضیقا

غرض گذشتہ باب سے استثناء بیان کرنا ہے کہ کپڑا چھوٹا ہو تو صرف ازار کی طرح باندھ لے۔

قال ماالسُریٰ:۔ آپ رات کے وقت میرے پاس چل کر کیوں آئے۔

باب الصلوٰۃ فی الجبته الشامیته

غرض یہ ہے کہ کافروں کا بنایا ہوا کپڑا پہن کر نماز صحیح ہے جبکہ نجاست کا یقین نہ ہو۔ پھر شامیہ سے مراد شام کا بنا ہوا ہے یہ مراد نہیں کہ ان کے شعار پر سلا ہوا تھا۔ اگر کافروں کے شعار کے طرز پر سلا ہوا ہو تو اس سے ممانعت ہے من تشبہ بقوم فھو منھم۔

یلبس من یثاب الیمن ماصبغ بالبول

ا۔ دھونے کے بعد پہننا مراد ہے۔۲۔ امام زہری کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک تھا اس لئے پہن لیا اور بول سے یہاں ماکول اللحم کا بول ہی مراد ہے۔

وصلّی علّی فی ثوب غیر مقصور

کافروں کے ملک کا نیا کپڑا بغیر دھوئے پہن کر نماز پڑھی۔ یہ عبارت اِسی معنٰی پر محمول ہے اسی بنا پر اس باب میں لائے ہیں۔

باب کراهیته التعری فی الصلوۃ وغیرها

غرض یہ ہے کہ غیر صلوۃ میں بھی ستر ضروری ہے۔ اِس باب کی روایت بیان کرنے سے غرض حضرت جابر کی یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ جاہلیت کی غلط رسموں سے بھی محفوظ تھے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک فرشتہ آیا اُس نے ازار باندھ دیا۔

باب الصلوٰۃ فی القمیص والسراویل والتُبّان وغیرہ

تُبّان کے معنی جانگیا ہے جس کو آج کل انڈرویر کہتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ستر عورت واجب ہے باقی مستحب ہے' پھر امام بخاری جو احرام والی روایت یہاں لائے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ سلوار قمیض کے بغیر بھی ازار اور رداء کے ساتھ نماز ہو جاتی ہے۔

باب مایستر من العورۃ

یہ پہلا موقع ہے جس میں امام بخاری نے باب میں ما اور مِن کو استعمال فرمایا ہے اس کی مختلف توجیہات ہیں۔ ا۔ ما مصدریہ ہے اور مِن صلہ ہے یعنی باب ستر العورۃ۔۲۔ ما موصولہ ہے اور مِن بیانیہ ہے یعنی پوری عورت کو چھپانا ضروری ہے۔۳۔ ما موصولہ ہے اور مِن تبعیضیہ ہے کہ عورت میں مراتب ہیں بعض مراتب کا چھپانا ضروری ہے بعض کا مستحب ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ رکبہ عورت ہے یا نہ عندا امامنا واحمد عورت ہے۔ وعند مالک والشافعی عورت نہیں روایتیں دونوں طرح کی ہیں احوط یہی ہے کہ

عورت قرار دیا جائے۔ اور چھپانے کا اہتمام کیا جائے اس لئے حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک راجح ہے۔

ان یؤذّن ببراءۃٌ

اس میں براءۃ کا رفع ہے بطور اعراب حکائی کے۔

باب الصلوٰۃ بغیر رداء

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب مایذکر فی الفخذ:۔

غرض فخذ کا حکم بیان کرنا ہے کہ عورت میں داخل ہے یا نہ۔ امام بخاری اور امام مالک کے نزدیک فخذ عورت نہیں وعند الجمہور عورت ہے بعض نے یہ بھی کہا کہ امام بخاری سند کے لحاظ سے امام مالک کی طرف مائل ہیں اور احتیاط کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ کی طرف مائل ہیں۔ لنا ما فی الترمذی و حَسَّنَہ' عن جَرھد مرفوعاً حضرت جرھد کو خطاب فرمایا اماعلمت ان الفخذ عورۃ لما لک۔ ا۔ حدیث الباب عن انس مرفوعاً ثم حسر الازار عن فخذہ جواب۔ ا۔ ہماری دلیل پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔ ۲۔ نزول ستر عورت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ۳۔ بلا اختیار ایسا ہو گیا کیونکہ سواری تیز کرتے وقت بعض دفعہ اس طرف توجہ نہیں رہتی۔ ۴۔ ہماری دلیل قولی ہے۔ آپ کی فعلی ہے اور قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔ ۲۔ دوسری دلیل امام مالک کی بخاری شریف کی اسی باب کی تعلیقاً روایت ہے غطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رکبتیہ حین دخل عثمان جواب۔ ا۔ اس واقعہ کی تفصیل میں اضطراب ہے۔ ۲۔ مراد یہ ہے کہ گھٹنے کے قریب کی جگہ بھی ڈھانپ لی۔ ۳۔ ہماری حدیث جرھد والی قولی ہے حدیث کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔ ۳۔ امام مالک کی تیسری دلیل عن زید بن ثابت تعلیقاً فی ھذا الباب مرفوعاً وفخذہ علی فخذی جواب۔ ا۔ اس میں ران کا ران پر گرنا مذکور ہے مکشوف ہونا تو مذکور نہیں۔ ۲۔ غیر اختیاری طور پر ہوا۔ پھر جمہور میں آپس میں اختلاف ہے عند الشافعی فخذ میں گھٹنا داخل نہیں ہے وعند امامنا واحمد داخل ہے ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے۔

باب فی کم تصلی المراۃ من الثیاب

غرض یہ ہے کہ ایک سے ستر عورت ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے زائد مستحب ہے۔

باب اذا صلی فی ثوب له اعلام ونظر الی علمها

غرض یہ ہے کہ اِس سے نماز نہیں ٹوٹتی اور چھوڑ دینا ایسے کپڑے کو اولیٰ ہے۔ اس چھوڑنے کو غیرت کہتے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

باب ان صلّی فی ثوب مصلّب اوتصاویر هل تفسد صلوته و ما ینهی من ذلک

مصلّب کے معنیٰ وہ کپڑا ہے جس میں سولی کی شکلیں بنی ہوئی ہوں۔ غرض اس صورت کی طرف توجہ دلانا ہے اور چونکہ امام بخاری کو تردد تھا اس لئے یقین کے الفاظ ذکر نہ فرمائے جمہور کے نزدیک نماز نہیں ٹوٹتی کراہت ہے پھر یہ حکم تو نماز کا ہے نفس تصویر چھوٹی ہو یا بڑی بالاجماع حرام ہے اس کی تصریح حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحفۃ القاری جلد ثانی صفحہ ۱۶۶ پر کی ہے۔

باب من صلی فی فروج حریر ثم نزعه

غرض اس حدیث کا ذکر ہے جس میں مرفوعاً ایسا کرنا مذکور ہے اور یہ حدیث۔ ا۔ تمہید ہے حرمت حریر کی۔ ۲۔ حرمت تشبہ بالکفار کی

باب الصلوٰۃ فی الثوب الاحمر

غرض یہ ہے کہ نماز ہو جاتی ہے۔ اور حدیث میں سرخ لکیروں والا جوڑا مراد ہے۔

باب الصلوٰۃ فی السطوح والمنبر والخشب

غرض یہ ہے کہ غیر ارض پر بھی نماز ہو جاتی ہے۔

علی الجمد:۔ ا۔ سخت جگہ اونچی۔ ۲۔ جمی ہوئی برف۔

سوال۔ اس باب کی حدیث میں رکوع کے بعد منبر سے اترنا مذکور ہے یہ تو عمل کثیر ہونے کی وجہ سے مفسد صلوٰۃ ہونا چاہئے۔

جواب۔ا۔ یہ عمل قلیل تھا۔۲۔ ابھی عمل کثیر کے مفسد ہونے کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔

قال فانما اردتُ

امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث آپ سے اس لئے پوچھی ہے کہ میں اِس سے ایک مسئلہ مستنبط کرنا چاہتا ہوں کہ امام مقتدیوں سے اونچا بھی ہوتو کچھ حرج نہیں۔

فقلتُ ان سفیان بن عیینة کان یسئل عن هذا

حدیث کی مزید تقویت کرنا چاہتے تھے کہ آپ کے استاد سفیان بن عیینہ سے تو یہ حدیث بہت پوچھی جاتی تھی کیا آپ نے اُن سے نہیں سنی فرمایا نہیں:۔

باب اذا اصاب ثوب المصلی امراته اذا سجد

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور اِس سے نماز میں کچھ حرج لازم نہیں آتا۔

باب الصلوٰة علی الحصیر

غرض یہ ہے کہ مرفوع حدیث میں ہے جعلت لی الارض مسجداً تو شاید زمین پر بلا واسطہ نماز پڑھنی ضروری ہو اس شبہ کو دور کر دیا کہ نہیں چٹائی پر بھی نماز صحیح ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

باب الصلوٰة علی الخمرة

چھوٹی چٹائی کو خمرہ کہتے ہیں غرض بالکل گذشتہ باب کی طرح ہے۔

باب الصلوٰة علی الفراش

غرض گذشتہ دو بابوں کی طرح ہے۔

باب السجود علی الثوب فی شدة الحر

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ میں کپڑے پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے پھر امام شافعی کے نزدیک یہ اجازت صرف زخمی کے لئے ہے جمہور کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے ہر شخص ہر قسم کی آسانی اور ضرورت کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے۔ منشاء اختلاف زیر بحث باب کی روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہم کپڑے پر سجدہ کر لیتے تھے اُن کے نزدیک یہ زخمی پر محمول ہے۔ جمہور کے نزدیک عام ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ احادیث میں اصل ظاہر پر محمول کرنا ہے یہاں ظاہر عموم ہے۔

باب الصلوٰة فی النعال

غرض یہ ہے کہ نعال میں نماز جائز ہے۔ انی انا ربک فاخلع نعلیک میں موسیٰ علیہ السلام کو امر استحبابی تھا۔ یہودیوں نے اس کو وجوب پر محمول کر لیا ہمیں حکم دیا گیا کہ یہود کی مخالفت کرو اس مخالفت کے لئے یہی کافی ہے۔ کہ واجب نہ سمجھیں جوتا اتارنے کو بلکہ دونوں طرح نماز کو جائز سمجھیں چونکہ جوتے سمیت نماز پڑھنا دین کے اور نماز کے مقاصد میں سے نہیں ہے اس لئے صلوٰۃ فی النعال کو مستحب نہیں کیا جائے گا بلکہ جائز کہا جائے گا۔ اور ظاہر قرآن سے بھی صلوٰۃ بلا نعال کی اولویت ثابت ہوتی ہے کیونکہ قرآن پاک میں علت مذکور ہے انک بالواد المقدس طویٰ یہ علت تو اب بھی موجود ہے مسجد اور نماز پڑھنے کی ہر جگہ مقدس ہوتی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ ہیں حضرت مجاہد سے ہے قال کانت الانبیاء اذا اتوا الحرم نزعوا نعالھم اور ابو داؤد میں سند قوی سے ہے اور اس پر امام ابو داؤد نے سکوت بھی فرمایا ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی حانیا ومنتعلاً اِن سب ادلہ کو جمع کرنے سے یہی ثابت ہوا کہ اسلام میں بہتر یہ ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جائے اور جائز ہے کہ جوتے سمیت پڑھی جائے جبکہ جوتے میں نجاست بھی نہ ہو اور سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہو جاتی ہوں' پھر اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جوتا اتارنے کا حکم کیوں ہوا تھا۔ا۔ وہ جوتے ایسی کھال سے بنے ہوئے تھے جس کو پاک نہ کیا گیا تھا۔۲۔ تاکہ وادی کی برکت حاصل کر سکیں۔۳۔ خشوع وخضوع پیدا کرنے کے لئے۔۴۔ اس جگہ کی تعظیم کرنے کے لئے۔ ۵۔ نعلین کنایہ زوجہ سے ہے کہ ان کا تصور نہ کرو۔۶۔ حق تعالےٰ

نے اِس وادی میں نورو ہدایت کا بستر بچھایا تھا موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس وجہ سے جوتے اتارنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔

باب الصلوٰة فی الخفاف

غرض یہ ہے کہ چونکہ ابوداؤد میں سند حسن کے ساتھ روایت ہے۔ عن شداد بن اوس مرفوعاً خالفوا الیہود فانھم لا یصلون فی نعالھم ولا خفافھم تو امام بخاری نے اس حدیث کی طرف اشارہ کرنے کے لئے صلوٰۃ فی النعال کے بعد صلوٰۃ فی الخفاف کا باب رکھ دیا کہ یہ بھی جائز ہے۔

باب اذا لم یتم السجود

جزامحذوف ہے فقد خالف السنتہ ۔ پھر اِس باب کو شرائط میں لاکر اشارہ فرمادیا کہ شرط بھی رکن کی طرح ضروری ہے چونکہ یہ باب دوبارہ صفت صلوٰۃ کے بیان میں بھی آئے گا اس لئے اختلاف وہاں ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب یبدی ضبعیہ ویجا فی فی السجود

یجافی کے معنی یبعد کے ہیں کہ بازو سینے سے دور رکھے۔
سوال۔ یہ باب ابواب صفتہ الصلوٰۃ کے مناسب ہے یہاں شرائط میں کیوں بیان فرمایا جواب۔ ا۔ الشرط کالرکن ثابت کرنے کے لئے ۲۔ کبھی بازو کو دور کرنے سے بغل ننگی ہوتی ہے اس کا تعلق ستر عورت سے ہے جس کا یہاں تذکرہ ہے پس غرض یہ ہوئی کہ مردوں کے لئے بغل ننگی ہونے میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔

باب فضل استقبال القبلة

غرض وربط یہ ہے کہ ستر عورت کے بعد استقبال قبلہ بیان فرمایا کہ دونوں شرطیں ہیں پہلے نمازی ستر عورت کرتا ہے پھر متوجہ الی القبلہ ہوتا ہے۔ پس زیادہ سے زیادہ اعضا متوجہ الی القبلہ ہونے چاہئیں پھر حدیث سے مقصود۔ ا۔ شعائر اسلام ظاہر کیا کرو۔ ۲۔ سب احکام مان لو۔ اسی حدیث سے اہل قبلہ کا لقب لیا گیا ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو یعنی ضروریات دین ماننے والوں کو کافر نہ کہو اور ان تین کاموں سے خاص طور پر اسلام غیر اسلام سے ممتاز ہوجاتا ہے۔ ا۔ نماز ۔ ۲۔ استقبال قبلہ ۔ ۳۔ اکل ذبیحہ۔

لا تخفرو االله فی ذمته

عہد شکنی اللہ تعالیٰ سے نہ کرو پھر احکام ظاہرہ کا تعلق اعمال ظاہرہ سے ہے جو نماز پڑھے استقبال قبلہ کرے ہمارا ذبیحہ کھائے ہم اسے مسلمان سمجھیں گے اس کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور احکام باطنہ ہے جس میں اخلاص ہوگا اس کو جنت ملے گی ثواب ملے گا قرب ملے گا پھر نماز کا شعائر میں سے ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی دو کا ذکر اس لئے ہے کہ جب تحویل قبلہ ہوئی تو یہود نے بہت اعتراض کئے اور ذبیحہ وہ پہلے ہی نہ کھاتے تھے

باب قبلته اهل المدینة

غرض یہ ہے کہ حدیث الباب کے معنی یہ ہیں کہ مدینہ اور شام اور ان کے قریب جو مشرق میں رہتے ہیں ان کا قبلہ شمال و جنوب ہے مشرق و مغرب میں نہیں ہے۔

فنخرف و نستغفر الله تعالیٰ

ا۔ ہم ان بیت الخلاؤں کو استعمال نہ کرتے تھے اور ان کے بانی کافروں جیسے کاموں سے استغفار کرتے تھے۔ ۲۔ ہم ان کو استعمال نہ کرتے تھے اور ان کے بانی مسلمانوں کے لئے استغفار کرتے تھے کہ ان سے غلطی ہوگئی لیکن یہ توجیہ بعید ہے کیونکہ حضرت ابوایوب کے زمانہ میں ابھی مسلمانوں نے تعمیرات شروع نہ کی تھیں ۔ ۳۔ ہم ان ہی بیت الخلاؤں کو تکلف کے ساتھ استعمال کرتے تھے اور تکلف کر کے قبلہ سے ہٹ کر بیٹھتے تھے اور غلطی سے قبلہ رخ ہوجانے سے استغفار کرتے تھے۔

باب قول الله تعالیٰ واتخذ وامن مقام ابراهیم مصلی

غرض آیت کی تفسیر ہے۔ ۲۔ عند المقام بھی استقبال قبلہ ضروری ہے۔

ولم یصلی حتی خرج منه

سوال۔ گذشتہ روایت میں کعبہ شریف میں نماز پڑھنے کا اثبات ہے یہاں نفی ہے یہ تو تعارض ہے۔ جواب۔ مثبت زیادت کو ترجیح ہے کیونکہ ابن عباس یا تو حاضر نہ تھے یا اندھیرے اور اپنی دعاء میں مشغولی کی وجہ سے نماز پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ دیکھ سکے۔

وقال هذه القبلة

یعنی اب یہ کبھی منسوخ نہ ہوگا۔ باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان:۔ غرض یہ کہ فرائض میں ہر حال میں استقبال قبلہ ضروری ہے۔

فتحرف القوم حتی توجهوا نحو الکعبته

یہ عمل کثیر کے مفسد صلوۃ ہونے کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

فلیتحر الصواب

عند ما منا ابی حنیفۃ اگر شاذ و نادر شک ہوتا ہے مثلاً دس سال میں ایک دفعہ تو دوبارہ پڑھے ورنہ اگر غلبہ ظن سے فیصلہ کر سکے کہ دو رکعت پڑھی ہیں مثلاً یا تین تو اس پر عمل کرے گا غلبہ ظن سے فیصلہ نہ کر سکے تو بناء علی الاقل کرے دو تین میں شک ہو مثلاً تو دو سمجھے اور ہر رکعت میں تشہد پڑھے اور سجدہ سہو کرے وعند الجمہور ہمیشہ بناء علی الاقل کرے لنا مافی بدائع الصنائع ومصنف ابن ابی شیبۃ عن ابن عمر موقوفاً یعید حتی یحفظ اس میں شاذ و نادر کا حکم ہے اور زیر بحث باب میں عن ابن مسعود مرفوعاً فلیتحر الصواب میں تحری کا حکم ہے یہ قدرت علی التحری پر محمول ہے اور ابوداؤد میں عن ابی سعید مرفوعاً اذا شک احدکم فی صلوتہ فلیلق الشک میں تحری پر قادر نہ ہونے کی صورت کا حکم مذکور ہے۔ جمہور یہی ابوداؤد والی عن ابی سعید ترجیح سب روایتوں کو لینا اور مناسب محمل پر محمول کرنا چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔ ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔

ثم لیسلم ثم یَسجُد سجد تین

عند امامنا ابی حنیفۃ سجدۃ سہو بعد السلام ہے وعند الشافعی قبل السلام ہے وعند مالک اگر نماز میں زیادتی کی وجہ سے سجدہ سہو کر رہا ہے تو بعد السلام ورنہ قبل السلام وعند احمد اگر وہ صورت پیش آئی ہے جو حدیث میں مذکور ہے تو حدیث کے مطابق قبل السلام یا بعد السلام کرے ورنہ قبل السلام لنا زیر بحث روایت عن عبداللہ مرفوعاً ثم لیُسلّم ثم لیسجُد سجدتین وللشافعی مافی ابی داؤد عن عطاء بن یسار مرفوعاً و یسجد سجدتین وھو جالس قبل التسلیم جواب قبل سلام الفراغ مراد ہے و لمالک روایتیں دونوں قسم کی ہیں تطبیق اُسی طرح ہے جیسے ہم کہتے ہیں کیونکہ اگر نماز میں زیادتی ہو جانے پر قبل السلام سجدہ سہو کرے گا تو زیادتی پر اور زیادتی ہوگی گویا فساد پر مزید فساد ہوگا ورنہ قبل السلام ہی اصلی ہے تاکہ نماز کے اندر ہی تدارک ہو سکے جواب۔ اگر کمی بھی ہو زیادتی بھی ہو تو کیا کرے یہی اعتراض امام ابو یوسف نے امام مالک پر کیا تھا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور امام احمد کے ادلہ مع الاجوبہ ضمناً ہو گئے۔ **فلما سلم قیل له یا رسول الله احدث فی الصلوٰة شی**:۔ اس میں تکلم فی الصلوٰۃ نسیاناً پایا گیا عند امامنا ابی حنیفۃ تکلم نسیاناً بھی مفسد صلوٰۃ ہے وعند الجمہور نہیں منشاء اختلاف حضرت ذوالیدین اور حضرت ذوالشمالین کا ایک ہی صحابی ہونا ہے کہ ایک ہی صحابی کے یہ دونوں لقب تھے یا یہ دو لقب دو الگ الگ حضرات کے تھے ہمارے امام صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں لقب ایک ہی صحابی کے تھے جمہور کے نزدیک یہ دو صحابی الگ الگ ہیں کیونکہ بالاتفاق غزوہ بدر میں ذو الشمالین شہید ہو گئے تھے اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا اور غزوہ بدر کے تھوڑے ہی عرصہ بعد بالاتفاق آیت **وقوموا لله قانتين** نازل ہوئی جو بالاتفاق کلام فی الصلوٰۃ کے لئے ناسخ ہے۔ اور بالاتفاق ذوالیدین تکلم نسیاناً کے واقعہ میں موجود تھے۔ اب اگر یہ دونوں لقب ایک ہی صحابی کے مانے جائیں جیسے حنفیہ کہتے ہیں تو تکلم نسیاناً کا واقعہ غزوہ بدر سے پہلے کا ماننا پڑے گا اور یہ ثابت ہو گیا کہ نسخ کلام فی الصلوٰۃ کے بعد مرفوعاً نسیاناً کلام نہیں پائی گئی اِس لئے ہر قسم کی کلام منسوخ ہے اور اگر جمہور کی تحقیق کے مطابق دونوں کو الگ

الگ صحابی مانا جائے تو پھر یہ نسیاناً کلام کا واقعہ ممانعت کلام کے بعد کا ہے تو نسیاناً کلام مستثنیٰ ہوئی اور نسیاناً کلام مفسد صلوۃ نہ بنی ممانعت قصداً کلام کی ہے وہی صرف مفسد صلوٰۃ ہے۔ ہمارے مرجحات۔۱۔فی النسائی عن ابی ہریرۃ فادر کہ ذوالشمالین اسی حدیث میں آگے ہے اصدق ذوالیدین معلوم ہوا۔ دونوں ایک ہی صحابی کے لقب ہیں۔۲۔فی الطحاوی عن ابن عمر موقوفاً کان اسلام ابی ہریرۃ بعد ماقتل ذوالیدین مرجحات جمہور۔۱۔فی ابی داؤد عن ابی ہریرہ صلّٰی بنا اور حضرت ابوہریرہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہو چکا معلوم ہوا اِس حضرت ابوہریرۃ والی حدیث میں جو ذوالیدین ہیں وہ ۷ھ میں زندہ ہیں اس لئے وہ ذوالشمالین سے الگ ہیں جو بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ جواب صلّٰی بنا کے معنیٰ ہیں صلی بجماعۃ المسلمین ہم آج بھی کہتے ہیں بدر میں ہمارے مجاہد کم تھے دشمن کے آدمی زیادہ تھے۔۲۔ دوسرا مرجح جمہور کا یہ ہے کہ ذوالشمالین عمیر خزاعی ہیں اور ذوالیدین خرباق سُلمی ہیں۔ جواب عمیر نام ہے۔ خرباق۔ معنیٰ تیز چلنے والا لقب ہے بنی سلیم شاخ ہے بنی خزاعہ کی۔

فثنیٰ رجلیہ:۔سوال۔عمل کثیر پایا گیا۔جواب ابھی عمل کثیر کا مفسد ہونا نازل نہ ہوا تھا۔ **باب ماجاء فی القبلتہ و من لایری الاعادۃ علی من سہا فصلی الی غیر القبلتہ**:۔ اِس مسئلہ کا بیان مقصود ہے وعند البخاری وابی حنیفۃ والجمہور اعادۃ نہیں ہے اگر بھول کر غلط رخ کر کے نماز پڑھ لی ہو وعند الشافعی اعادہ ہے۔ لنا گذشتہ باب والی روایت عن ابن مسعود مرفوعاً فثنیٰ رجلیہ واستقبل القبلۃ کہ بھول کر منہ قبلہ سے پھیر لیا پھر اُسی پر بنا فرمائی شروع سے نماز نہ پڑھی۔ وللشافعی جب شرط فوت ہوئی تو مشروط بھی نہ رہا اس لئے اعادہ ضروری ہے۔ کیونکہ استقبال قبلہ شرط صلوٰۃ ہے۔ جواب۔ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کر سکتے۔ پھر اِس باب کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ گذشتہ باب میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا ضروری ہونا بیان فرمایا اب اس باب میں اُس سے استثناء ہے کہ سہو معاف ہے۔

وافقتُ ربی فی ثلاث

تین میں حصر نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ بھی موافقت ہوئی ہے مثلاً۔۱۔ منافقین پر نماز پڑھنے سے روکنا۔۲۔ اساری بدر کو قتل کرنا۔۳۔ شراب حرام ہونا۔

فی الغیرۃ علیہ

کہ حضرت زینب کے پاس شہد پینے کے لئے زیادہ کیوں ٹھہرتے ہیں۔

فقالوا ازید فی الصلوٰۃ

اگرچہ مستقل باب نسیاناً کلام کے مفسد ہونے کا۔ نہیں بنایا لیکن اِس مسئلہ میں امام بخاری حنفیہ کے ساتھ ہیں۔

باب حک البزاق بالید من المسجد

یعنی ایسا کرنا مستحب ہے سوال ابوداؤد میں لکڑی سے صاف کرنا ہے۔ جواب۔ مقصد یہ ہے کہ خود صاف فرمایا پھر ہاتھ سے ہو یا لکڑی سے دونوں کو یہاں کی عبارت شامل ہے۔ ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے قبلہ کے احکام تھے اب مسجد کے اصالۃً ہیں اور ضمناً فضائل استقبال بھی ہیں۔ نخامتہ:۔ بلغم پھر مسجد میں بلغم نکالنے یا تھوکنے کی ممانعت کیوں ہے۔۱۔ احترام قبلہ۔۲۔ احترام مسجد۔۳۔ احترام صلوٰۃ۔۴۔ احترام مناجات اللہ تعالیٰ۔۵۔ احترام کاتب حسنات۔۶۔ احترام جانب یمین۔۷۔ ترک ایذاء مسلمین۔

وان ربہ بینہ و بین القبلۃ:

یعنی اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلی اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتی ہے۔

ولکن عن یسارہ:

یہ خارج مسجد پر محمول ہے کیونکہ ایک حدیث میں جو آگے آرہی ہے مرفوعاً وارد ہے البزاق فی المسجد خطیئۃ۔

مخاطا او بصاقا او نخامتہ

ناک کے پانی کو مخاط کہتے ہیں منہ سے جو پھنکا جاتا ہے وہ بزاق اور بصاق ہے اور سینے سے جو بلغم گلے کے راستہ منہ میں

آجاتی ہے کھنگار اس کو نخاسہ کہتے ہیں۔

باب حک المخاط بالحصٰی من المسجد

غرض۔۱۔جس نے کہہ دیا کہ ناک کا پانی ناپاک ہے اس کے رد کی طرف اشارہ ہے۔۲۔اس تھوکنے کی حدیث کے الفاظ مختلف آئے تھے ہر ہر لفظ کے لئے الگ باب باندھ دیا اور ایسا اِس کتاب میں کثرت سے کرتے رہتے ہیں۔۳۔ بزاق کو ہاتھ سے صاف کر دیا اور مخاط کو لزوجتہ کی وجہ سے کنکری سے صاف فرمایا اِس لحاظ سے دو کام مختلف قسم کے ہوگئے اس لئے باب بھی الگ الگ باندھ دیئے قذر: ہر نفرت کی چیز پاک ہو یا ناپاک ہو۔ باب **لا یبصق عن یمینه فی الصلوة:** غرض یہ کہ نماز میں دائیں طرف تھوکنا منع ہے لیکن یہ صرف امام بخاری کی رائے ہے احوط یہی ہے کہ خارج صلوٰۃ بھی ایسا نہ کرے باب **لیبزق عن یساره اوتحت قدمه الیسری:** دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں ایک میں نماز کی قید ہے ایک میں نہیں ہے مطلق کو مقید پر محمول کرنا چاہتے ہیں واللہ اعلم: **باب کفارة البزاق فی المسجد** :اس گناہ کا تدارک بتانا چاہتے ہیں خطیئتہ اس کو حرام کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے **وکفار تها دفنها** دفن اس صورت میں ہے کہ جبکہ کچی جگہ ہو ورنہ صاف کرے جیسے بھی ہو سکے۔ **باب دفن النخامته فی المسجد:** اس کا جواز بتانا چاہتے ہیں **باب اذا بدره البزاق فلیا خذه بطرف ثوبه:** مبادرة کا لفظ مسلم اور ابوداؤد کی روایت میں ہے لیکن امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں اُس مبادرۃ والی حدیث کی صحت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

باب عظته الامام

غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے بھی شدت اور نھی اور امر کی صورت میں وعظ و نصیحت تھی اب بھی اہتمام صلوٰۃ کے متعلق وعظ ہے وعظ کے معنٰی ہیں خیر خواہی اور انجام کا ذکر کرنا انجام یاد دلانا۔

انی لاراکم من وراء ظهری

۱۔ان ہی آنکھوں سے بطور معجزہ۔۲۔ختم نبوت میں آنکھ لگی ہوئی تھی اُس سے۔۳۔وحی سے اطلاع دی جاتی تھی۔۴۔سامنے کی دیوار آپ کے لئے شیشہ کی طرح بنا دی جاتی تھی اِس میں سے نظر آتا تھا۔ پھر اس میں دو قول ہیں۔۱۔یہ دیکھنا صرف نماز ہی میں تھا۔۲۔ہر وقت ایسا ہوتا تھا۔

هل ترون قبلتی هٰهنا

استفہام انکاری ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں صرف سامنے دیکھتا ہوں۔

باب هل یقال مسجد بنی فلان

غرض اِس شبہ کا ازالہ ہے کہ مسجد کی نسبت اللہ تعالےٰ کے سوئی کسی اور کی طرف جائز نہ ہونی چاہئے۔ اس کا ازالہ فرمادیا کہ گنجائش ہے۔ کسی مناسب کی وجہ سے مثلاً۔۱۔ وہ بانی ہو۔۲۔ متولی ہو۔۳۔خادم و نگران ہو۔

باب القسمته و تعلیق القنوفی المسجد

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے سوال۔ فقہاء نے مسجد میں اموال تقسیم کرنے سے منع فرمایا ہے جواب۔۱۔امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا کرنے میں حرج نہیں ہے اور فقہا کا مقصد دوام سے منع کرنا ہے۔۲۔حدیث سے مقصود بھی چبوترے پر مال تقسیم کرنا ہے جو مسجد سے ملحق تھا اور امام بخاری کا مقصد بھی یہی ہے ملحقات مسجد میں مال تقسیم کرنا جائز ہے اور فقہاء کا مقصد مسجد کے اندر مال لا کر تقسیم کرنے سے ممانعت ہے۔ سوال۔ حدیث میں قنو کا ذکر نہیں ہے۔ جواب۔۱۔قنو کا مسئلہ قیاساً ذکر فرمایا ہے۔۲۔نسائی میں عوف بن مالک سے روایت ہے اس میں قنوفی المسجد کا ذکر ہے لیکن وہ شرط بخاری پر نہیں ہے اِس حدیث کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

باب من دعا لطعام فی المسجدومن اجاب منه

غرض یہ کہ دعوت اور قبولِ دعوت کی مختصر گفتگو کی گنجائش ہے ضرورت کی بناء پر۔

باب القضاء و اللعان فی المسجد

غرض یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا کر لینا جائز ہے یہ مقصود نہیں کہ ہمیشہ مسجد ہی میں یہ کام ہونے چاہئیں اور ضرور ہونے چاہئیں۔

باب اذا دخل بیتا یصلی حیث شاء او حیث امر ولا یتجسس

غرض یہ ہے کہ کسی کے گھر جا کر دائیں بائیں نہ دیکھے جہاں وہ کہے بیٹھ جائے اور جہاں کہے نماز پڑھ لے۔ سوال۔ حدیث میں حیث شاء کا مضمون تو نہیں ہے جواب بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت عتبان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد معاملہ کر دیا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرعاً پھر اُس کے سپرد کیا تو اُس نے اشارہ کر دیا۔ اِس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلا کہ گھر میں نفلوں کی جماعت ہو سکتی ہے۔ لیکن تداعی مکروہ ہے۔ تین سے زیادہ مقتدیوں کو تداعی میں شمار کیا گیا ہے۔

باب المساجد فی البیوت

غرض یہ ہے کہ گھر میں لغوی مسجد بنانا بھی جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اِس باب کی حدیث سے نکلا کہ صالحین کے آثار اور مصلّٰی سے تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے۔

خزیرۃ:۔ جو آٹے میں کچھ ڈال کر بنایا گیا ہو جسے ہم حلوہ کہتے ہیں۔**فانا نری وجهه و نصیحته الی المنافقین**:۔ شاید ان کو اس میں کوئی عذر ہو جیسے حاطب بن ابی بلتعہ کو عذر تھا اور انہوں نے کفار مکہ کی خیر خواہی میں ان کو خط لکھا تھا اگرچہ مومن مخلص تھے۔

ثم سألت الحصین:۔ چونکہ محمود بن الربیع نے یہ حدیث بچپن میں سنی تھی اور بعض بچپن کی حدیث کو نہیں لیتے اِس لئے میں نے تائید کرائی۔

باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ

غرض یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور غیرہ کا عطف ا۔ دخول پر ہے۔ ۲۔ مسجد پر ہے مثلاً بیت اور منزل، پھر حدیث میں تین کا ذکر بطور مثال کے ہے۔ ہر عزت اور زینت والی چیز میں دائیں طرف سے شروع کرنا مستحسن ہے۔

باب ھل تبنش قبور مشرکی الجاھلیة و یتخذ مکانھا مساجد

غرض یہ ہے کہ مسجد بناتے وقت وہاں کی مشرکین کی ہڈیاں پھینک دینا ٹھیک ہے یا نہ؟ تا کہ قبور کو مساجد بنانے والا نہ بنے مقصد یہ ہے کہ جائز ہے اور استفہام تقریر کے لئے ہے جیسے ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیأ مذکورا. قید جاہلیت کی اتفاقی ہے اور مشرکین کی قید احترازی ہے مسلمین سے کہ اکراماً ان کے ابدان کو پھینکا نہ جائے گا بلکہ قبر پرانی ہونے پر اوپر تعمیر جائز ہے۔ مقابر میں نماز مکروہ ہے لیکن اعادہ واجب نہیں ہے جیسا کہ اِس باب میں اثر عمر سے ثابت ہو رہا ہے۔

اتخذ و اقبور ا نبیا. ھم مساجد

طرز استدلال یہ ہے کہ قبور انبیاء علیہم السلام کو مسجد بنانا یہ افراط ہے اور نبش تفریط ہے لیکن مشرکین کی قبور میں نبش تفریط نہیں ہے اس لئے وہاں نبش ہو جانا چاہے اسی لئے جب مسجد نبوی میں زیادتی کا ارادہ کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور شیخین کی قبور مبارکہ کے گرد دیواریں کر دی گئیں۔

وما یکرہ من الصلوۃ فی القبور

یہ من تبعیضیہ ہے کیونکہ قبر کے پیچھے زیادہ کراہت ہے اور برابر کم کراہت ہے کنیسہ : **معبد النصری اللھم لا خیر الاخیر الا خرہ** :سوال یہ تو شعر ہے اور قرآن پاک میں ہے **وما علمناہ الشعر و ما ینبغی لہ** جواب: یہ رجز کے درجہ میں ہے یعنی مسجع نثر ہے شعر میں داخل نہیں ہے۔ ۲۔ شعر شاعری کو مشغلہ بنانے کی نفی ہے ایک آدھا شعر پڑھ دینا اِس کے خلاف نہیں ہے۔

باب الصلوٰۃ فی مرابض الغنم

غرض یہ کہ وہاں نماز پڑھنا صحیح ہے۔ سوال۔ اس مضمون کا باب

پیچھے گزر چکا ہے۔ جواب وہاں اِس حیثیت سے ذکر تھا کہ یہ محل نجاست ہے یا نہ اور یہاں اِس حیثیت سے ذکر ہے کہ وہاں نماز پڑھنی صحیح ہے یا نہ اِس لئے تکرار نہ ہوا پھر عند احمد مبارک ابل میں نماز صحیح نہیں ہے اور عند الجمہور صحیح ہے منشاء اختلاف ابوداؤد کی روایت ہے عن البراء بن عازب مرفوعاً لاتصلوا فی مبارک الابل فانھا من الشیاطین جمہور کے نزدیک یہ نہی معلول ہے علّت سکوّن کے ساتھ کہ اونٹ اگر غصہ میں آجائے تو حملہ کر دیتا ہے اس لئے وہاں سکون سے نماز ادا نہ ہوگی لیکن اگر کسی کو سکون رہتا ہو تو وہ اگر پڑھ لے گا تو ہو جائے گی امام احمد کے نزدیک امر تعبدی ہے کسی علت پر مبنی نہیں ہے۔ اس لئے نماز وہاں بالکل نہ ہوگی ترجیح قول جمہور کو ہے کیونکہ اِسی حدیث میں علّت بھی بیان فرما دی گئی ہے فانھا من الشیاطین شیطان کے معنٰی ہیں کل متمرد عادٍ من الجن والانس والدابتہ اور مرابض غنم میں بالاتفاق نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ پھر مرابض بقر کے متعلق دو قول ہیں بعض نے ان کو مرابض غنم کے ساتھ ملایا ہے اور بعض نے ان کو مرابض ابل کے ساتھ ملایا ہے۔ مسند احمد میں ایک مرفوع روایت ضعیف سند کے ساتھ آتی ہے ولا یصلی فی مرابض الابل والبقر اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو ان حضرات کی تائید ہو جائے گی جو مرابض بقر کو مرابض ابل کے ساتھ ملاتے ہیں۔

باب الصلوٰۃ فی مواضع الابل

امام بخاری کا مقصد بظاہر بیان جواز ہی ہے اور نہی کی روایات ان کی شرط پر نہیں ہیں اور فانھا من الشیاطین جیسا کہ ابوداؤد و ابن ماجہ میں وارد ہے ان کے نزدیک قطع خشوع ہی پر محمول ہے عدم جواز پر محمول نہیں ہے اور مسئلہ ابھی گذشتہ باب میں گزر رہا ہے۔

باب من صلی وقدامه تنور او نار

غرض۔ ۱۔ اگر آگ چھپی ہوئی ہو تو معاف ہے ۲۔ آگ کی طرف منہ کر کے بھی صحیح نیت کے ساتھ نماز پڑھ لے تو کچھ کراہت نہیں ہے لیکن یہ قول جمہور کی دلیل من تشبہ بقوم فھو منھم اور اس صورت میں بھی تشبہ بالمجوس پایا گیا۔ امام بخاری کی دلیل زیر بحث باب کی روایت ہے۔ عن ابن عباس انخسفت الشمس فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال ارُیتُ النار جواب۔ ۱۔ یہ صورت رفع حجاب کی تھی اس لئے یہ مبحث سے خارج ہے۔ ۲۔ یہ تو جہنم کی آگ تھی اور کلام دنیا کی آگ کے متعلق ہے جس کی مجوسی عبادت کرتے ہیں۔ ۳۔ یہ آگ ایسی تھی جو سب کو محسوس نہیں ہوتی اور اختلاف نار محسوس میں ہے۔ ۴۔ یہ آگ تو غیر اختیاری طور پر سامنے آگئی تھی اور کلام اختیاری آگ میں ہے اِس لئے روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

باب کراھیة الصلوة فی المقابر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مقابر میں نماز مکروہ ہے۔ سوال۔ ابواب مساجد میں بھی اسی مضمون کا باب گذرا ہے جواب۔ وہاں قبرستان میں نماز پڑھنے کی کراہت بیان کرنی مقصود تھی اور یہاں ایک قبر کے پیچھے ہو کر نماز پڑھنے کی کراہت مقصد ہے۔ پھر اس باب کی روایت سے استدلال بہت بعید ہے کیونکہ اِس روایت کا مقصد تو یہ ہے کہ گھر میں بھی کچھ نفلی نماز پڑھا کرو ورنہ وہ قبرستان ہی کی طرح بن جائے گا کیونکہ مُردے مکلّف نہیں ہیں اور وہ نماز نہیں پڑھتے اِس مسئلہ کا اصل استنباط تو ابوداؤد اور ترمذی کی روایت سے ہے جو قوی سند کے ساتھ مرفوعاً منقول ہے **الارض کلھا مسجد الا المقبرة والحمام** لیکن یہ روایت امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے مذکورہ روایت سے بعید استنباط فرمایا۔ کہ قبور محل صلوٰۃ نہیں ہوتیں۔ پھر جو حدیث اس باب میں نقل فرمائی ہے اس کے ایک معنٰی تو ہو گئے کہ۔ ۱۔ اگر گھر میں نماز نہ پڑھی جائے تو وہ قبرستان کی طرح ہو جاتا ہے کیونکہ مُردے نماز نہیں پڑھتے۔ ۲۔ دوسرے معنٰی یہ بھی ہیں کہ جب گھر میں نماز نہ پڑھیں گے تو گھر صاف سونے کے لئے ہی رہ جائیں گے اِس لحاظ سے وہ قبرستان جیسے بن جائیں گے جہاں مُردے ہوتے ہیں۔ ۳۔ تیسرے معنٰی یہ ہیں کہ ولا تتخذوھا قبوراً الگ جملہ ہے اس میں دوسرا مسئلہ بیان فرمایا کہ مُردوں کو گھر میں دفن نہ کرو کیونکہ ایسا کرنے سے ہر وقت غم سوار رہے گا اور دنیا کے ضروری کام نہ ہو سکیں گے۔

باب الصلوٰۃ فی مواضع الخسف والعذاب

غرض یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فیح جهنم. حضرت علی کے اثر سے بھی اسی غرض کی تائید ہوتی ہے۔

باب الصلوٰۃ فی البیعۃ

غرض یہ کہ اگر وہاں تصویریں نہ ہوں تو گنجائش ہے۔ سوال۔ حدیث میں کنیسہ کا ذکر ہے اور باب میں بیعۃ کا لفظ ہے جواب یہ اِس قول پر مبنی ہے کہ کنیسہ اور بیعہ دونوں لفظ عیسائیوں کے عبادت خانہ پر بولے جاتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ کنیسہ معبد الیہود ہے اور بیعہ معبد النصاریٰ ہے۔

باب:۔ یہ باب بلاترجمہ ہے تتمہ ہے ماقبل کا کہ جیسے تصویر مانع صلوٰۃ ہے ایسے ہی قبر بھی مانع صلوۃ ہے۔

یحذر ماصنعوا:. ای یحذر اصحابه ان یفعلوا بقبره مثل الیهود.

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم جعلت لی الارض مسجدا وطهورا

غرض یہ ہے کہ گذشتہ بابوں میں جو ممانعت مذکور ہے وہ تحریم کے لیے نہیں ہے کیونکہ ذات ارض میں نماز جائز ہے۔

باب نوم المرأة فی المسجد

غرض یہ ہے کہ مجبوری کے درجہ میں گنجائش ہے یہ مقصد نہیں کہ مستحب ہے۔

ولیدۃ:۔ لونڈی

و شاح احمر من سیور:۔ وشاح خالص قسم کے زیور کا نام ہے۔ سیور پتلے چمڑے ہیں دو چمڑوں میں سے ایک ہوتی اور دوسرے میں قیمتی پتھر پرو کر دونوں کو ایک دوسرے پر چوٹی کی طرح بل دے کر حمائل کی طرح کندھے سے کوکھ تک ٹیڑھا کر کے عورتوں اور بچیوں کو بطور زیور پہناتے تھے۔ اِس واقعہ میں چونکہ چمڑا سرخ تھا لڑکی نے اتار کر رکھا تھا یا گر گیا تھا چیل نے گوشت سمجھ کر اٹھا لیا اس ولیدہ کی تلاشی لی حتیٰ کہ شبہ کی وجہ سے قُبل کی بھی تلاشی لی اتنے میں چیل آئی اور اس نے سب کے سامنے وہ وشاح پھینک دیا یہ ولیدہ ان سے ناراض ہو کر مدینہ منورہ آگئی اور اس کو ایمان کی دولت نصیب ہوگئی اس پر وہ خوشی کا اظہار کیا کرتی تھی حدیاۃ چیل حفش: چھوٹا سا کمرہ

مسائل مستنبط:۔ ۱۔ دارالکفر سے ہجرت مستحب ہے۔ ۲۔ عورت کی نیند مسجد میں جائز ہے۔ جبکہ شدید ضرورت ہو اور فتنہ سے امن ہو۔ ۳۔ ضرورت کے وقت مرد یا عورت کیلئے مسجد میں خیمہ لگانا بھی جائز ہے۔ باب نوم الرجال فی المسجد غرض یہ ہے کہ ضرورۃ کے موقعہ پر گنجائش ہے۔

مامنهم رجل علیه رداء:۔ ان میں سے کوئی بھی نہ تھا جس کے پاس ازار کے ساتھ چادر بھی ہو یعنی سب کے پاس صرف ایک ایک چادر تھی جو بطور ازار استعمال کرتے تھے۔ ظاہر یہی ہے۔ کہ وہ مسجد میں سوتے تھے اِسی بناء پر اِس حدیث کو اِس باب میں لائے ہیں۔

باب الصلوٰۃ اذا قدم من السفر

غرض اور ربط یہ ہے کہ مساجد کے ابواب چل رہے ہیں اس مناسبت سے ذکر فرمایا کہ سفر سے واپس آئے تو بہتر ہے کہ پہلے مسجد میں آ کر دو رکعت پڑھے پھر گھر جائے۔

فقضانی وزادنی

سوال۔ بظاہر باب سے مناسبت نہیں ہے جواب بخاری شریف میں کتاب البیوع میں اِس واقعہ کی تفصیل ہے کہ سفر سے میں ذرا بعد میں واپس پہنچا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے پہنچ چکے تھے دروازے پر ملاقات ہوئی فرمایا اب پہنچے ہو عرض کیا ہاں فرمایا دو رکعت پڑھ لو۔ اب مناسبت واضح ہوگئی۔

باب اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے، بعض اہل الظواہر کے نزدیک فرض

ہے جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔لنا۔کثرت سے عمل صحابہ کہ مسجد میں داخل ہوتے دو رکعت نہ پڑھتے لاہل الظواہر۔یہ زیر بحث روایت عن ابی قتادہ مرفوعاً اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین جواب امر استحبابی ہے۔

باب الحدث فی المسجد

غرض۔ا۔اُس شخص پر رد کرنا مقصود ہے جو بلا وضو مسجد میں داخل ہونے کو حرام کہتا ہے۔۲۔اگر مسجد میں حدث لاحق ہو جائے تو جلدی سے نکل جائے اور وضو کر کے آئے تا کہ فرشتوں کو تکلیف نہ پہنچے۔

اللھم اغفر له اللھم ارحمه

المغفرة گناہ پر پردہ ڈالنا یعنی معاف کرنا۔الرحمۃ زائد انعام دینا۔

باب بنیان المسجد

غرض۔ا۔مسجد ایسی سادہ ہونی چاہئے کہ جو اس میں داخل ہو وہ دنیا کا فانی ہونا سوچے۔۲۔مسجد کیسی ہونی چاہئے جیسی مسجد نبوی تھی پرانی ہو جائے تو دوبارہ ویسی ہی بنا لینی چاہئے جیسے حضرت صدیق اکبرؓ نے بنائی۔

سوال۔حضرت صدیق اکبر نے پرانے طرز پر بنائی حضرت عثمان نے طرز بدل دیا دونوں میں سے ایک کا کام ضرور غلط ہوگا۔

جواب: حضرت صدیق اکبر کی نیت فناء دنیا کا خیال رکھنے کی تھی حضرت عثمان کی نیت مضبوط بنا کر دیر تک کی نمازوں کا ثواب لینے کی تھی اور جنت میں اچھا ثواب لینے کی تھی طرز بدلنے کی وجہ سے جب صحابہ نے حضرت عثمان پر اعتراض کر دیا تو انہوں نے منبر پر چڑھ کر یہ حدیث سنائی من بنی لله مسجدا بنی الله له مثله فی الجنته پھر کسی نے انکار نہ کیا۔ضرورت سے زائد تعمیر مسجد کی چند صورتیں ہیں۔ا۔چندہ دینے والوں کی اجازت کے بغیر ہو تو ناجائز ہے۔۲۔چندہ دینے والوں کی اجازت تو ہو لیکن دوسری مسجد کی توہین اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی نیت سے ہو تو پھر بھی ناجائز ہے۔۳۔ایسی تعمیر ہو کہ نمازیوں کے دلوں کی توجہ نماز میں اس طرف ہو جاتی ہو تو مکروہ ہے۔۴۔ان میں سے کوئی خرابی نہ ہو تو جائز ہے۔اَکِنَّ النّاس:۔لوگوں کو بارش سے چھپا دو اور بلا ضرورت سرخ رنگ کر کے اور زرد رنگ و روغن کر کے لوگوں کو فتنے میں نہ ڈالو۔لتزخرفنھا:۔یہ اگر چہ قیامت کی نشانی ہے لیکن اگر نیت ٹھیک ہو تو گناہ نہیں کیونکہ قیامت کی ہر نشانی گناہ نہیں ہے جیسے عیسٰی علیہ السلام کا دین کی خدمت کرنا۔

باب التعاون فی بناء المسجد

غرض۔ا۔تعاون بناء مسجد میں یہ بھی تعاون علی البر میں داخل ہے۔۲۔جتنا زیادہ تعاون ہوگا اتنا زیادہ ثواب ملے گا۔۳۔مسجد بنانے میں مشرکین سے تعاون حاصل نہ کرنا چاہئے جیسا کہ آیت دلالت کر رہی ہے۔پھر تعاون عام ہے مال سے ہو یا جان سے عملی خدمت کرنے سے ہو پھر جب تک مسجد باقی رہے گی اِس وقت تک ثواب بھی ملتا رہے گا۔جیسے کنواں لگوا دینے کا ثواب ہوتا ہے۔

ویح عمار تقتله الفئته الباغیته یدعو هم الی الجنته ویدعونه الی النار

ویح رحمت و شفقت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ عمار پر رحم فرماویں۔

سوال: حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ صفین میں شہید ہوئے تو کیا وہ صحابہ جو حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے وہ آگ کی طرف بلا رہے تھے۔

جواب۔ا۔یہ فعل ایسا ہی تھا کہ امام حق کی بغاوت تھی اور امام حق کی بغاوت آگ کی طرف بلاتی ہے گو اُن حضرات کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے معافی ہو جائے یا کچھ ثواب بھی مل جائے کیونکہ مجتہد مخطی کو ایک ثواب ملتا ہے وہ قصاص کو سب کاموں پر مقدم کرنا چاہتے تھے۔اس بات کا انکار نہ تھا کہ حضرت علی خلافت کے مستحق ہیں۔۲۔بغاوت کا فعل آگ میں لے جانے والا ہے گو فاعل دوسری نیکیوں کی وجہ سے آگ سے بالکل بچ جائے۔

ے　واذا الحبیب اتی بذنب واحدة
جاء ت محاسنہ بالف شفیع

۳۔بعض شریر دوزخی تھے ان کی صفت سب کی طرف منسوب

کی گئی جیسے فعقروھا حالانکہ عقر ایک نے کیا تھا اسی لئے لفظ باغی یا اور کوئی خلافت ادب لفظ حضرت معاویہ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ایک قرآن کو دوسرے قرآن پر رکھ سکتے ہیں نہ کہ جوتا نعوذ باللہ من ذلک۔مشاجرات صحابہ میں زیادہ گفتگو منع ہے بلکہ یہ مشاجرات اسلام کی حقانیت کی دلیل ہیں کہ سمجھتے تھے کہ اسلام تو پھیل ہی جاتا ہے۔خلاف اولیٰ کام کی کیوں اجازت دی جائے۔ سکوت والے سے مواخذہ نہ ہوگا۔مباحثہ والے سے مواخذہ کا اندیشہ ہے جب کسی ایک کی شان میں گستاخی کرے۔

باب الاستعانته بالنجار

غرض ایک درجہ میں مشرک والے باب سے استثناء ہے کہ مشرک سے امداد نہ لینگے لیکن اگر اجرت دے کر کوئی کام کافر اور مشرک سے کرالیا جائے تو اجرت دینے کی وجہ سے یوں سمجھیں گے کہ وہ کام اجرت دینے والے مسلمان نے خود کیا ہے اس لئے گنجائش نکل آئے گی۔

باب من بنی مسجد

ا:۔غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے بناء مسجد کا ذکر تھا اب بناء مسجد کی فضیلت اور ثواب بیان کرنا مقصود ہے۔ پھر لفظ مثل جیسا کہ مشابہت میں استعمال ہوتا ہے مناسبت میں بھی استعمال ہوتا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہاں زنا کرے گا بلکہ یہ کہ جرم بڑا ہے اس لئے سزا بڑی ملے گی۔

باب یا خذ نبصول النبل اذا مر فی المسجد

غرض مسجد سے گزرنے کا ادب بیان کرتا ہے کہ لوہے کی جانب سے پکڑے تا کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

باب المرور فی المسجد

غرض۔ تیر کے ساتھ مسجد سے گزرنا جائز ہے جبکہ نصل سے پکڑے۔۲۔ مسجد سے گذرنے کا طریقہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب بھی مسجد سے گذرے ایذاء سے بچے۔۳۔ ضرورت کے وقت گذرنا جائز ہے جبکہ مسجد کو گذرگاہ نہ بنائے۔

باب الشعر فی المسجد

غرض شعر پڑھنے کا حکم بیان کرنا ہے مسجد میں۔اس مسئلہ میں اصل ممانعت ہی ہے کیونکہ ابوداؤد میں عن حکیم بن حرام نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یستقاد فی المسجد وان تنشد فیہ الاشعار اسی لئے حضرت عمرؓ نے حضرت حسان کو منع فرمایا تھا۔سوال۔ پھر حضرت حسان کے اِس کہنے پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ چکا ہوں جیسا کہ حدیث الباب میں بھی ہے حضرت عمر خاموش کیوں ہو گئے۔ جواب۔ ادباً خاموش ہوئے حاصل یہ کہ چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ا۔ضرورت دینیہ ہو جیسے حضرت حسان جہاد باللسان فرماتے تھے۔۲۔کبھی کبھی ہو۔۳۔نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔۴۔اشعار کا مضمون غلط نہ ہو۔

باب اصحاب الحراب فی المسجد

غرضؔ یہ ہے کہ نیزوں سے جہاد کی مشق کرنے والوں کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔لفظ حراب کے معنی چھوٹے نیزے کے بھی آتے ہیں اور مصدری معنی بھی آتے ہیں یہاں پہلے معنی ہی مراد ہیں اور جہاد کی تیاری کے لئے نیزوں سے کھیلنا اور مشق کرنا جائز ہے پھر بظاہر یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے لیکن بعض نے قبل نزول حجاب شمار کیا ہے۔پھر ظاہر حدیث سے ان کا مسجد کے اندر داخل ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن بعض نے اس کو ملحقات مسجد میں بھی شمار کیا ہے۔

باب ذکر البیع و الشراء علی المنبر فی المسجد

غرض یہ ہے کہ بیع وشراء کا ذکر مسجد میں جائز ہے مسئلہ سمجھانے کے لئے اور عقد بیع کا صرف معتکف کے لئے جائز ہوتا ہے۔

من اشترط شرطالیس فی کتاب اللہ فلیس لہ

سوال معلوم ہوا کہ صرف کتاب اللہ سے ہی استدلال ہوسکتا ہے۔ جواب وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھا کم عنہ

فانتھوا کی وجہ سے تمام احادیث کتاب اللہ کے حکم میں ہوجاتی ہیں اِس لئے مراد دین اللہ ہی ہوگیا۔

باب التقاضی والملازمته فی المسجد

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا عندالضرورۃ جائز ہے لیکن بقدرِ ضرورت ہی ہوزائداز ضرورت نہ ہو سجف:۔ا۔دو اکٹھے پردے ہوں دروازے پر تو ہر ایک کو سجف کہتے ہیں۔۲۔مطلقاً پردہ کو سجف کہتے ہیں۔

باب کنس المسجد

غرض مسجد میں جھاڑو دینے کی فضیلت کا بیان ہے۔ پھر اس واقعہ کے بعض طرق میں خرق کا ذکر ہے کپڑے کے ٹکڑے بعض میں قذی کا ذکر ہے تنکے۔بعض میں عیدان کا ذکر ہے لکڑیاں اس لئے باب کے عنوان میں سب کو جمع فرمادیا۔

باب تحریم تجارۃ الخمرفی المسجد

غرض یہ ہے کہ شراب کی حرمت کا بیان مسجد میں صحیح ہے۔اور حرمت ہر جگہ ہے۔ پھر مناسبت خمر اور ربٰو میں یہ ہے کہ خمر سے دنیا میں بیہوشی ہوتی ہے اور سود والا آخرت میں بے ہوشوں کی طرح اُٹھے گا الذین یا کلون الربٰو لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس

باب الخدم المسجد

غرض یہ ہے کہ مسجد کے کاموں کے لیے خادم مقرر کرنا مستحسن ہے۔ اور تعلیق میں یہ اشارہ کردیا کہ پہلی امتوں میں بھی اس کا اہتمام رہا ہے۔

باب الا سیر او الغریم یربط فی المسجد

غرض یہ کہ ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت صدیق کے زمانہ میں جیل خانہ نہیں تھا۔حضرت شریح بھی مقروض کو مسجد ہی میں باندھ دیا کرتے تھے جیسا کہ بخاری شریف میں آئے گا۔سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے جیل خانہ بنایا تھا۔

رب ھب لی ملکا لا ینبغی لا حد من بعدی

یہ خیال فرمایا کہ کسی کو وہم نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول نہیں ہوئی اگرچہ اصل خصوصیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ تھی کہ وہ جنوں پر حکومت فرماتے تھے ایک جن کے پکڑنے سے جنات پر حکومت کرنا تو صادق نہیں آتا لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ شرکت کا شبہ ہوسکتا تھا اس لئے چھوڑ دیا۔اِس حدیث کے واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالےٰ کا جو ارشاد ہے انه یراکم هو و قبیله من حیث لا ترونهم یہ غالب حالات میں ہے کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوجاتا ہے یا آیت مبارکہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس وقت جنات ہمیں دیکھ رہے ہوں اس وقت ہم ان کو نہیں دیکھتے اُن کا منہ دوسری طرف ہو تو پھر ہم ان کو دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ اِس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شریر جن کو دیکھا اور جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنات کو دیکھا کرتے تھے۔

باب الاغتسال اذا اسلم و ربط الا سیر ایضا فی المسجد

غرض اور ربط یہ ہے مسجد میں قیدی کو باندھنے کا جواز بیان فرمانا چاہتے ہیں اور مسجد سے غسل للاسلام کے لئے نکلنا اور پھر آ کر اسلام کا اظہار کرنا اس کے جواز کو بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پھر عندامامنا ابی حنیفۃ اگر جنابت کی حالت میں مسلمان ہو تو غسل واجب ہے ورنہ مستحب ہے یہی ایک روایت امام شافعی سے بھی ہے۔اور ان کی دوسری روایت ہے کہ مطلقاً مستحب ہے اور عنداحمد و مالک مطلقاً واجب ہے لنا۔ا۔وان کنتم جنبا فا طهر وایه حکم نومسلم کو بھی ہے پرانے مسلم کو بھی ہے جس کو اسلام کے بعد جنابت لاحق ہوئی ہو۔۲۔ ابو داؤد عن قیس بن عاصم قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم ارید الا سلام فا مرنی ان اغتسل بماء و سدر اور بہت سے صحابہ کا اسلام لانا احادیث میں مذکور ہے اور امر غسل نہیں ہے معلوم ہوا کہ عام حالات میں مستحب ہے وللشافعی فی مسلم عن عمر و بن العاص مرفوعاً الم تعلم یا عمر وان الاسلام یهدم ما کان قبله جواب۔ا۔اِس پر اجماع ہے کہ اسلام حدث اصغر کو ختم

نہیں کرتا تو ایسے ہی ہم کہتے ہیں کہ حدث اکبر کو بھی ختم نہیں کرتا۔۲۔ عدم کا تعلق وجودی چیزوں سے ہے جیسے ذنوب وجودی ہیں جنابت تو عدمی چیز ہے باغسل نہ ہونا اس کے لئے اسلام ہادم اور ختم کرنے والا نہیں ہے۔ ولما لک واحمد۔ا۔ کفر کا غسل معتبر نہیں ہے۔ اور جنابت ہر انسان کو لاحق ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے جو بالغ بھی مسلمان ہوتا ہے وہ جنبی ہی ہوتا ہے اس لئے اس کے ذمہ غسل واجب ہے۔ جواب کافر کا غسل بھی ایسے ہی معتبر ہے جیسے کافر کا کپڑے پاک کرنا معتبر ہے کافر دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے بالاتفاق پاک ہی شمار کئے جاتے ہیں۔ ایسے ہی اس کا غسل بھی صحیح شمار ہونا چاہئے۔۲۔ اُن حضرات کی دوسری دلیل ابوداؤد کی روایت قیس بن عاصم سے جو ابھی گذری جواب یہ امر استحبابی ہے کیونکہ اگر وجوبی ہوتا تو سب ایمان لانے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور غسل کا حکم فرماتے۔

کان شریح یا مر الغریم ان یحبس

حضرت شریح نے زمانہ تو پایا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لیکن زیارت نصیب نہ ہوئی حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں قاضی بنے تھے اور پھر ساٹھ سال تک قاضی رہے اور ۸۰ھ میں وفات پائی۔

باب الخیمة فی المسجدللمرضی وغیرھم

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ پر ایسا کر لینا بھی جائز ہے۔

فضرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیمته فی المسجد

ا۔ مسجد نبوی مراد ہے اور امام بخاری کے طرز سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ مساجد کے احکام بیان فرمارہے ہیں۔
۲۔ موضع الصلوٰۃ مراد ہے جو محاصرہ بنی قریظہ کے زمانہ میں بنا رکھا تھا۔۳۔ مسجد نبوی کے ملحقات میں خیمہ بنانا مراد ہے۔

یغذ وجرحہ:۔ ان کا زخم بہہ رہا تھا۔

فمات فیھا:۔ا۔ فی الخیمہ ۲۔ فی تلک۔ الجراحتہ۔

باب ادخال البعیر فی المسجد للعلة

غرض ضرورت کی بنا پر ایسا کرنا جائز ہے یہاں اِس حدیث کے واقعہ میں ضرورت کیا تھی۔ا۔ مشرکین کی خفیہ تدبیر سے محفوظ رہنا کیونکہ اِس باب کی تعلیقا حدیث کا واقعہ عمرۃ القضا کا ہے جس میں ابھی مکہ مکرمہ پر مشرکین کا قبضہ تھا۔۲۔ بیماری۔ جیسا کہ مسند حدیث میں حضرت ام سلمہ کی بیماری کی تصریح موجود ہے۔

باب: یہ باب بلاترجمہ ہے اور ماقبل کا تتمہ ہے کہ مسجد میں دین کی باتیں کرنا جائز ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ دونوں حضرات جن کو واپسی پر غیبی روشنی ملی مسجد میں اس لئے ٹھہر گئے تھے تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دینی باتیں کرسکیں۔ امام بخاری کے طرز سے اِس حدیث کے واقعہ کی یہی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرا احتمال نور ملنے میں یہ بھی ہے کہ وہ نماز کے انتظار کے لئے چونکہ کافی دیر بیٹھے رہے تھے اس لئے ان کو یہ غیبی نور کا خصوصی انعام ملا پھر یہ واقعہ اس آیت کے مصداق کا نمونہ بھی ہے **نور ھم یسعٰی بین ایدیھم وبا یما نھم** اوراس حدیث کے مصداق کا نمونہ بھی ہے۔ **بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامته** اوراس حدیث کا بھی نمونہ ہے کہ قیامت میں وضوٴ کے اعضا روشن ہوں گے اعطانا اللہ تعالیٰ بفضلہ ومنّہٖ۔

باب الخوخته و الممر فی المسجد

غرض۔ا۔ دروازہ لگانا اور مسجد میں سے گزرنا ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔۲۔ مسجد میں سے گزرنا اور مسجد کو گزرگاہ بنالینا منع ہے حضرت صدیق اکبر اس حکم سے ضرورت دینیہ کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں۔

ولو کنت متخذا خلیلا من امتی لا تخذت ابا بکر

ا۔ خلہ کے معنی ہوتے ہیں کہ دل محبت سے بھر جائے اس لئے اس میں ایک ہی داخل ہوسکتا ہے اور محبت صرف تعلق بالمحبوب کو کہتے ہیں اِس میں متعدد داخل ہوسکتے ہیں جیسے حضرت صدیقؓ اکبر

حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت عائشہ وغیرھم۔۲۔خلہ کے معنی ہیں رجوع فی الحاجات یہ اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہونا چاہئے۔

ولکن خلته الا سلام افضل

یعنی اسلام کا تعلق جو آپ کے ساتھ ہے وہ باقی سب لوگوں سے افضل وازید ہے۔

غیر خوختة ابی بکر:۔ خوخہ کہتے ہیں چھوٹے دروازے کو۔ سوال مرفوعاً ترمذی میں عن ابن عباس ہے سُدّ واالابواب الاباب علی جواب۔ا۔ بخاری شریف والی حدیث سند کے لحاظ سے اقویٰ ہے۔۲۔ بخاری شریف والی حدیث کا واقعہ مرض وفات کا ہے اس لئے یہ ناسخ ہے۔ اور اس میں اشارہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کی طرف ہے۔

باب الابواب و الغلق للكعبته و المساجد

غلق کے معنی ہیں قفل لگانا۔غرض یہ ہے کہ دروازے بنانا اور قفل لگانا مساجد اور کعبۃ اللہ میں ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔

لورايتَ مساجد ابن عباس و ابوابها

ا۔جزاء محذوف ہے لرأیت کذا وکذا۔۲۔لو تمنائیہ ہے جزاُ ماننے کی ضرورت نہیں۔ یہ فرمانا نشانات مٹ جانے کے بعد تھا معلوم ہوا کہ اُن کی مساجد میں بھی ابواب تھے یہی مقصد ہے امام بخاری کا۔

باب دخول المشرک المسجد

غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ مشرک کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دینا جائز ہے۔عندامامنا ابی حنیفۃ کافر کے مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دینا جائز ہے وعند الشافعی واحمد مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت دینا جائز نہیں ہے باقی مساجد میں داخل ہونے کی اجازت دینا جائز ہے وعند مالک کسی مسجد میں بھی کافر کو داخل ہونے کی اجازت دینا جائز نہیں ہے لنا۔ا۔**فی ابی داؤد عن انس دخل رجل علی جمل فاناخه فی المسجد ثم عقله ثم قال** ا۔ ایکم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۲۔ فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ قال **اليهود اتو النبی صلی الله عليه وسلم وهو جالس فی المسجد.** ۳۔حدیث الباب عن ابی ہریرۃ یقول بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیلاً قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنیفۃ یقال لہ ثمامۃ بن اثال فربطوہ بساریۃ من سواری المسجد **وللشافعی واحمد فلايقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** جواب۔ا۔ترمذی میں زید بن تبیع سے روایت ہے کہ حضرت علی سے پوچھا کہ آپ نے ۹ھ میں حج کے موقعہ پر کیا اعلان کئے تھے انہوں نے چار اعلان بتلائے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ لایطوفوا بالبیت عریاناً یعنی کافروں کو اب حج کرنے کی اور اپنی رسم بد کے مطابق ننگے طواف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔معلوم ہوا کہ ممانعت حج کرنے کی اور ننگے طواف کرنے کی تھی اگر صرف کسی ضرورت کی وجہ سے داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔۲۔ دوسرا جواب حضرت انور شاہ صاحب نے دیا ہے کہ **انماالمشركون نجس** میں جزء علت ہے دوسرا جزء دوسری آیت میں ہے **اولک ماکان لهم ان يدخلوها الاخائفين** کہ مشرکین فاتحانہ طور پر داخل نہ ہوں ہماری اجازت سے ہوں تو گنجائش ہے۔ ولمالک جب علۃ ممانعت نجاست ہے **انما المشركون نجس فلايقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** تو کسی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتے۔ جواب دونوں وہی جوابھی گزرے۔

باب رفع الصوت فی المساجد:۔

غرض ا۔مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔۲۔ بہت زیادہ اونچی آواز مسجد میں منع ہے اسی لئے بعض کو منع نہ فرمایا کہ آواز زیادہ بلند نہ تھی اور بعض کو منع فرمایا کیونکہ وہ زیادہ بلند تھی۔۳۔بلاضرورت بلند کرنا منع ہے ضرورت کی وجہ سے مسجد میں آواز بلند کرنا منع نہیں ہے جہاں منع فرمایا وہاں ضرورت نہ تھی جہاں منع نہیں کیا گیا وہاں ضرورت تھی۔ اسی تفصیل کی طرف اشارہ کرنا امام بخاری کا مقصد ہے اسی لئے روایتیں دونوں قسم کی لے آئے ممانعت کی اور عدم ممانعت کی۔۴۔ ہر قسم کی آواز بلند کرنا منع ہے اسی لئے جلدی سے

تشریف لائے اور قرضہ کے معاملہ میں صلح کرادی۔ یہ جلدی تشریف لانا بمنزلہ انکار ہی کے ہے معلوم ہوا کہ ہر قسم کی رفع صوت فی المسجد منع ہے اور یہی مقصد ہے امام بخاری کے اس باب کا۔

ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس انکار کا منشا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم. قال السبکی وقدروی عن ابی بکر موقوفاً لاینبغی رفع الصوت علی نبی حیاً ومیتاً حضرت عائشہؓ قریب کے مکانوں سے کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو پیغام بھیجتی تھیں لاتوذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ نے اپنے دروازے کے چوکھٹ اسی وجہ سے دور جا کر بنائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔

باب الحلق والجلوس فی المسجد

غرض یہ ہے کہ مسجد میں حلقے بنا کر بیٹھنا بھی جائز ہے خصوصاً جبکہ علم یا ذکر یا تلاوت مقصود ہو بشرطیکہ نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آئے سوال۔ اس حدیث کو باب سے مناسبت نہیں ہے جواب اس حدیث میں خطبہ کا ذکر ہے اور خطبہ کے وقت حضرات صحابہ کرام حلقہ کی شکل میں ہوتے تھے اس لئے حدیث میں حلقہ کا ذکر پایا گیا۔

مثنیٰ مثنیٰ: ۱۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے۔ ۲۔ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھا جائے اور یہ دوسرے معنیٰ راجح ہیں کیونکہ ابوداؤد میں مثنیٰ مثنیٰ والی روایت میں ساتھ ہی یہ بھی مذکور ہے تشہد فی کل رکعتین۔

فاذاخشی الصبح صلی واحدۃ

اس کے معنیٰ ہیں دو کے ساتھ ایک اور بھی ملائے اور تین پڑھ لے کیونکہ یہی مضمون حضرت عائشہؓ سے منقول ہے اور ان سے ہی وتر کی تین رکعتیں بھی منقول ہیں۔ تفصیل وتر کے باب میں آئیگی انشاءاللہ تعالیٰ۔

باب الاستلقاء فی المسجد و مدالرجل

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور بعض نسخوں میں مدالرجل نہیں ہے۔ سوال۔ سیدھا لیٹنے سے تو نہی وارد ہوئی ہے جواب۔ ۱۔ منسوخ ہے اور ناسخ یہی زیر بحث روایت ہے۔ ۲۔ نہی اس صورت میں ہے جبکہ کشف عورت ہو۔ ان دونوں توجیہوں کی تائید اس تعلیق سے ہورہی ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ایسا کرلیتے تھے۔

باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضرر بالناس

غرض یہ ہے کہ راستہ میں مسجد بنالینا جائز ہے جبکہ لوگوں کو تکلیف نہ دے مسجد بنانے کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ کوئی اپنی ملک کو وقف کرے اور مسجد بنائے تو بالاتفاق صحیح ہے۔ ۲۔ کوئی دوسرے کی ملک میں زبردستی مسجد بنالے تو بالاتفاق یہ کام غلط ہے اور مسجد نہ بنے گی۔ ۳۔ عام راستہ میں کوئی مسجد بنالے تو اس میں دو قول ہیں صحیح ہے دوسرا یہ کہ صحیح نہیں ہے امام بخاری ان لوگوں کا رد کرنا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ صحیح نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ احیاء اموات کی طرح ہے والی اور قاضی کی اجازت سے صحیح ہے بلا اجازت صحیح نہیں ہے۔

باب الصلوٰۃ فی مسجدالسوق

غرض مسجد سوق میں نماز کا جواز بیان کرنا ہے مسند حدیث سے ثابت ہوا کہ بازار میں بھی نماز ہوجاتی ہے گو ثواب کم ملتا ہے جب بازار میں بلا جماعت نماز صحیح ہے تو بازار کی مسجد میں بطریق اولیٰ صحیح ہے سوال مسند بزار میں روایت ہے مرفوعاً ان الاسواق شرالبقاع وان المساجد خیر البقاع اس حدیث کی وجہ سے بازار میں نماز صحیح نہ ہونی چاہئے جواب۔ یہ حدیث مسند بزار والی ضعیف ہے۔ ۲۔ جب وہ ٹکڑا مسجد بن گیا تو خیر البقاع بن گیا اس لئے باب کے مقصد کے خلاف نہ ہوا۔ یہ تو مسجد سوق کا حکم تھا اس کے علاوہ بازار میں نماز پڑھنے کی جگہ بھی مستحسن ہے جیسے گھر میں نفل پڑھنے کی جگہ بنانا مستحسن ہے۔

صلی ابن عون فی مسجد فی داریغلق علیھم الباب

سوال: یہ تعلیق یعنی معلق روایت باب کے مناسب نہیں ہے

جواب باب کی غرض اصطلاحی مسجد کا بیان نہیں ہے۔ بلکہ باب کا مقصد یہ ہے کہ جیسے گھر میں نفلوں کے لئے جگہ بنانی مستحسن ہے ایسے ہی بازار میں بھی نفلوں کے لئے جگہ بنانی مستحسن ہے اوراس کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ ابن عون والی تعلیق میں گھر کی مسجد کا ذکر ہے اس پر قیاس کرینگے بازاروالی ایسی مسجد کو جولغوی مسجد ہے شرعی مسجد نہیں ہے۔۲-اثر ابن عون یہ تو باب ہی میں داخل ہے کہ باب میں مقصود مسجد سوق اور مسجد بیت کا بیان ہے کہ دونوں مستحسن ہیں خواہ مسجد سوق اصطلاحی لیں یا لغوی لیں۔۳-بعض آثار امام بخاری معمولی مناسبت کی وجہ سے بیان کر دیا کرتے ہیں یہ بھی ایسے ہی آثار میں داخل ہے پھر باب کی غرض میں دوسرا قول یہ بھی ہے کہ شوروغل کی جگہ میں بھی مسجد بنالینی جائز ہے۔ پھر ایک قول یہ بھی ہے کہ ابن عون والے اثر سے مقصود حنفیہ کی تردید ہے کیونکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد کے لئے اذن عام شرط ہے جواب۔ حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ حنفیہ کی کلام مسجد شرعی میں ہے اور یہاں ابن عون کے اثر میں صرف مسجد لغوی کا ذکر ہے۔

باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ

غرض یہ کہ انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا مسجد میں بھی اور خارج مسجد میں بھی جائز ہے سوال تشبیک سے تو ممانعت وارد ہے احادیث میں جواب۔۱-ممانعت نماز میں تشبیک کرنے سے ہے یا نماز کے لئے جارہا ہو تو یہ بھی حکم میں نماز ہی کے ہے آداب میں اور اس حدیث میں نماز کے بعد کا واقعہ ہے ۲- ممانعت بلاضرورت تشبیک سے ہے اور یہاں سمجھانے کی ضرورت سے ہے۔۳-نہی تنزیہی ہے اور یہاں بیان جواز ہے۔

یقال لہ ذوالیدین

پہلے ان کا لقب ذوالشمالین تھا لیکن چونکہ اصحاب الشمال اہل جہنم کا لقب ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب ذوالیدین کر دیا۔ پھر یہ لقب کیوں تھا۔۱-ان کا قد لمبا تھا اور ہاتھ بھی لمبے تھے۔۲- وہ حتی الامکان اپنے سب کام خود اپنے ہاتھوں سے ہی کرتے تھے اور دوسروں سے حتی الامکان مدد نہ لیتے تھے۔

باب المساجد اللتی علی طرق المدینتہ والمواضع التی صلی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نماز کی جگہوں سے تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے پھر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک جہاں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھی ہیں وہاں بعض جگہ تو تبرک کے طور پر مسجد بنادی گئی ہے اس کو امام بخاری نے مساجد کے نام سے ذکر فرمایا ہے اور جہاں مسجد نہیں بنائی گئی اس کو مواضع وغیرہ کے نام سے ذکر فرمایا ہے پھر اس باب میں جو لمبی حدیث ہے اس کو امام مسلم نے ذکر نہیں فرمایا۔ ان دو بڑے اماموں میں سے صرف امام بخاری نے ہی بیان فرمایا ہے پھر ابن عمر کا مسلک یہ تھا کہ جہاں اتفاقی طور پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے یا آرام فرمایا ہے ان کو تلاش کرنا اور وہاں نماز پڑھنا یا وہاں آرام کرنا مستحسن اور مستحب ہے اور عبداللہ بن مسعود اس پر انکار فرمایا کرتے تھے کہ نماز کے بعد ہمیشہ دائیں طرف کو پھر جائے ایسے ہی حضرت ابن عباس حج کے بعد تحصیب کو یعنی ایک خاص میدان میں جمع ہونے کو سفر مدینہ سے پہلے سنت نہ سمجھتے تھے ایسے ہی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان خاص خاص جگہوں پر نماز پڑھنے کے اہتمام سے منع فرماتے تھے تاکہ لوگ بعد میں اس کو واجب نہ سمجھ لیں اس کے برخلاف حضرت عتبان بن مالک کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے کہ انہوں نے اپنے گھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا کہ آپ ایک جگہ نماز پڑھیں تاکہ میں وہاں ضرورت کے موقعوں پر نماز پڑھتا رہوں۔ یہ تبرک کے جواز کی مرفوع صریح دلیل ہے خلاصہ یہ نکلا کہ منتظمین صحابہ کرام ایسے تبرکات کے اہتمام کو مناسب نہ سمجھتے تھے اور عشاق اور

مغلوب الحال اس کو تلاش کرتے تھے منتظمین کی مثال خلفاء اربعہ ہیں اور عشاق کی مثال حضرت ابن عمر ہیں ابن عمر کی تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے **ان آیة ملکه ان یاتیکم التابوت فیه سکینة من ربکم وبقیة مما ترک آل موسیٰ وال ہارون تحمله الملئکة ان فی ذلک لایة لکم ان کنتم مومنین** اور ایک قول کے مطابق اس صندوق میں موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور آپ کے نعلین مبارکین تھے ایسے ہی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **لااقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد** اس سے بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے حلول ونزول فی مکہ سے اس کی عظمت بڑھ گئی اور حدیث معراج میں طور سیناء پر جہاں موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور بیت اللحم میں نماز پڑھی جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے ان سب دلائل سے درمیانہ مسلک یہ نکلا کہ تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے لیکن اگر اندیشہ ہو کہ لوگ اس مستحب کام کو واجب قرار دے لیں گے تو وقتاً فوقتاً وہ کام چھوڑ دیا جائے تا کہ کوئی ضروری نہ سمجھے۔

الا انهما اختلفا فی مسجد بشرف الروحاء

اختلاف کی صورت کیا تھی۔ ا۔ حضرت نافع نے ذکر فرمایا اور حضرت سالم نے ذکر نہ فرمایا۔ ۲۔ اِس جگہ کی تعیین میں دونوں حضرات کا اختلاف ہوا۔ اور شرف الروحاء ایک بستی کا نام ہے پھر وہ مدینہ منورہ سے کتنی دور ہے۔ ا۔ تیس میل۔ ۲۔ چھتیس میل:۔ **ان عبداللہ اخبرہ**:۔ یہاں عبداللہ بن عمر ہی مراد ہیں کیونکہ گذشتہ روایت میں ابن عمر کی تصریح موجود ہے اور ابن مسعود وہاں مراد ہوتے ہیں جہاں تصریح نہ ہو۔ **تحت سمرة**:۔ ببول کا درخت۔ **وکان اذا رجع من غزو وکان فی تلک الطریق** ایک نسخہ میں غزوۃ ہے پھر کان مذکر کیوں ہے۔ ا۔ بتاویل سفر۔ ۲۔ کان فی تلک الطریق میں کان کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے۔ زیادہ نسخوں میں کان فی تلک الطریق میں کان سے پہلے و بھی ہے اور بعض نسخوں میں و نہیں ہے تو پھر کان غزو کی صفت بن جائے گا۔ **ظهر من بطن وادٍ**:۔ یہاں ظہر صَعِدَ کے معنی میں ہے۔ **بالبطحاء**:۔ پانی کے بہنے کی جگہ جو وسیع ہوا ور اس میں چھوٹی کنکریاں بھی ہوں ایسے ہی الابطح۔ **المسجد الذی بحجارة**:۔ وہ مسجد جو پتھروں سے بنائی گئی ہے۔ **الاکمه**:۔ ٹیلا **خلیج**:۔ گہری وادی۔ **کثب**:۔ ریت کے ڈھیر۔ **العرق**:۔ پہاڑی۔ **منصرف الروحاء** روحاء جگہ کے خاتمہ کے پاس۔ **سرحة**:۔ گھنا درخت **الرویثة**:۔ جگہ کا نام۔ **فی مکان بطح**:۔ وسیع جگہ۔ **سهل**:۔ نرم جگہ۔ **یفضی من اکمة**:۔ ٹیلے سے نکل آتے تھے۔ **برید الرویثة**:۔ جگہ کا نام ہے۔ **قد انکسر اعلاها فانثنیٰ فی جوفها**:۔ اس درخت کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا ہے اور اس درخت کے درمیان کا حصہ مُڑ گیا ہے۔ **تلعة**:۔ ٹیلا۔ **العرج**:۔ جگہ کا نام۔ **هضبه**:۔ ایک گاؤں کا نام۔ **رضم من حجارة**:۔ بڑے بڑے پتھروں میں سے اس لفظ کا مفرد رضمۃ آتا ہے۔ بڑا پتھر۔ **عند سلمات الطریق**:۔ راستہ کے پتھروں کے پاس یعنی وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔ لفظ الطریق کے بعد جو بین ہے یہ مابعد والے یروح کا ظرف مقدم ہے۔ **سرحات**:۔ درخت:۔ **هرشی**:۔ ایک پہاڑ کا نام ہے **بکراع هرشی**:۔ ہرشی پہاڑ کے پاس چھوٹی پہاڑیاں:۔ **بینه وبین الطریق**:۔ درمیان اُس سیل کے اور درمیان راستہ کے۔ **غلوة**:۔ تیز گرنے کی جگہ تقریباً دو ثلث ایک میل کے۔ **الصفر اوات**:۔ پہاڑوں کے نام۔ **یسار المسجد**: معلوم ہوا کہ وہاں دو مسجدیں ہیں۔ **باب سترة الامام سترة من خلفه**:۔ غرض یہ ہے کہ مقتدیوں کو سترہ کی حاجت نہیں ہے اور مقتدیوں کے سامنے سے گذرنے والا گنہگار نہیں ہوتا اس مسئلہ سے حنفیہ کے اِس قول کی تائید ہوتی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ ہونی چاہئے کیونکہ نماز ایک ہے سترہ ایک ہے اس لئے قرأت بھی ایک ہی ہوگی۔ **الی غیر جدار**:۔ ا۔ الی شئی غیر جدار۔ ۲۔ امام شافعیؒ سے منقول ہے اس حدیث کی تفسیر بلا سترة

لیکن امام بخاری نے جو یہ باب باندھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام شافعی والی تفسیر نہیں لی۔

باب قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترة

غرض یہ ہے کہ مستحب ہے کہ سترہ کے قریب کھڑا ہو۔ کان جدار المسجد عند المنبر :۔ سوال۔ اس روایت کو باب سے مناسبت نہیں۔ جواب۔ مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے برابر قریب ہی کھڑے ہوتے تھے اور جتنا فاصلہ منبر اور دیوار قبلہ میں تھا اتنا ہی فاصلہ تقریباً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی جگہ اور دیوار قبلہ کا تھا۔

باب الصلوٰۃ الی الحربة:

غرض۔۱۔ ہتھیار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ ہتھیار آگ اور تصویر کی طرح نہیں ہے۔ پھر حربہ عام نیزہ سے کچھ کم نیزہ ہوتا ہے اور اس کا پھل ذرا چوڑا ہوتا ہے اور عنزہ عام نیزے کا نصف ہوتا ہے۔۲۔ غرض میں دوسرا قول یہ ہے کہ فقہاء نے جو سترہ کی حد مقرر کی ہے وہ اندازہ ہی ہے امام بخاری کے نزدیک کوئی خاص حد شرعاً مقرر نہیں لیکن راجح جمہور فقہاء ہی کا قول ہے اور جو یہاں مذکور ہے یہ۔ صرف امام بخاری کا اپنا اجتہاد ہے۔

باب الصلوٰۃ الی العَنزَة:.

یعنی یہ بھی جائز ہے۔ عُکَّازَة :۔ چھڑی کو کہتے ہیں۔ او عَنَزَة :۔ بعض نسخوں میں اِس کی جگہ او غیرہ ہے۔۱۔ یہ تصحیف ہے یعنی کسی راوی سے حرکات و نقاط کی غلطی ہوگئی۔ اصل لفظ عنزہ ہی ہے۔۲۔ یہ لفظ بھی صحیح ہے اور ضمیر لوٹتی ہے کل واحد منھما کی طرف اور باب سے مناسبت یوں ہے کہ غیرہ کا مصداق عنزہ ہے۔

باب السترة بمکة وغیرها

غرض رد کرنا ہے مصنف عبدالرزاق کے ایک باب کا کیونکہ اس میں ایک باب یوں ہے باب لا یقطع الصلوٰۃ بمکة شیء اور اس باب میں روایت یہ ہے عن کثیر بن المطلب عن ابیہ عن جدہ قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی مسجد الحرام لیس بینه وبینهم سترة وجہ رد۔۱۔ یہ مصنف عبدالرزاق والی روایت ضعیف ہے امام بخاری کے نزدیک۔۲۔ مسجد حرام پر پورے مکہ مکرمہ کو قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ وہاں تو طواف والوں کی بہت کثرت ہوتی ہے۔ امام عبد الرزاق کی ایک دلیل تو یہی تھی جو اوپر گذری اس کے دو جواب بھی ہو گئے امام عبدالرزاق کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سترہ قبلہ کی طرح ہے جب حرم میں کعبہ کے قریب میں تو کعبہ ہی سترہ ہے اس لئے کسی اور سترہ کی ضرورت نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ نص صریح کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب الصلوٰۃ الی الاسطوانة

غرض یہ ہے کہ ستون کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مستحب ہے تا کہ گزرنے والوں کو آسانی ہو۔

المتحدثین الیها

یعنی جو ستونوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔

التی عند المصحف

جگہ بنی ہوئی تھی جہاں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مصحف رکھے جاتے تھے۔

باب الصلوة بین السواری فی غیر جماعة

غرض یہ ہے کہ اکیلا اگر بین الساریتین پڑھ لے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فی غیر جماعۃ میں اشارہ کر دیا کہ بعض کے نزدیک جماعت میں بین الساریتین کھڑا ہونا مکروہ ہے چنانچہ عند احمد مقتدیٰ کا بین الساریتین صف بنانا مکروہ ہے وعند الجمہور بلا کراہتہ جائز ہے۔ لنا۔۱۔ حدیث الباب عن ابن عمر مرفوعاً فی الصلوۃ فی الکعبۃ بین العمودین المقدمین۔۲۔ امام اور منفرد کی نماز بین الساریتین بالاجماع جائز ہے۔ اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ مقتدی

کو۔۳۔ وفی الترمذی والنسائی عن عبدالحمید بن محمود صلینا خلف امیر من الامراء فاضطرنا الناس فصلینا بین الساریتین فلما صلینا قال انس بن مالک کنا نتقی ھذا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لینا علامت ہے کہ کراہت اگر ہے تو تنزیہی ہے۔۴۔ یہ بھی صف ہے اگر چہ چھوٹی ہے اور ستون کا آنا سامان وغیرہ کے آ جانے کی طرح ہے۔ لاحمہ۔۱۔ فی ابن ماجہ عن معاویۃ بن قرۃ عن ابیہ قال کنا ننھی ان نصف بین السواری علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونطرد عنھا طرداً جواب اس میں ہارون بن مسلم بصری ہے جو مجہول ہے۔۲۔ فی مستدرک حاکم عن انس کنا ننھی عن الصلوۃ بین السواری ونطرد عنھا۔ جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوۃ فی الکعبہ سے معلوم ہوا کہ نہی تنزیہی ہے۔ نیز ہماری تیسری دلیل سے بھی معلوم ہوا کہ یہاں نہی تنزیہی ہے۔۳۔ ستون کی وجہ سے صف سیدھی نہ ہو سکے گی۔ جواب کوشش کر کے صف سیدھی ہوسکتی ہے۔۴۔ بین الاستوانتین تو جوتے رکھنے کی جگہ ہے۔ جواب جو صف بنائے گا وہ جوتے ہٹا کر ہی تو بنائے گا۔۵۔ یہ صف جنات کی جگہ ہے۔ جواب یہ محض احتمال ہے۔

باب: تتمہ ہے ماسبق کا کیونکہ اس میں دیوار سے فاصلہ بھی مذکور ہے کہ خانہ کعبہ کی سامنے کی دیوار سے تین گز کے فاصلہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ اور اس حدیث میں عبداللہ سے مراد ابن عمر ہیں کیونکہ اسی واقعہ کی گذشتہ روایت میں تصریح ہے۔ **تیوخی:** تحری تلاش کرتے تھے۔

باب الصلوٰۃ الی الراحلتہ

غرض یہ ہے کہ ان چیزوں کو سترہ بنانا جائز ہے۔

باب الصلوٰۃ الی السریر

غرض یہ کہ سترہ کا زمین پر ہونا ضروری نہیں ہے زمین سے اٹھا ہوا بھی ہو تو گنجائش ہے۔ اُسْنَحِہٗ: ظاہر ہو جاؤں اور تشویش کا سبب بنوں۔

باب یرد المصلی من مر بین یدیه

غرض استحباب کا بیان ہے کہ عمل قلیل سے گزرنے والے کو دفع کر دینا مستحب ہے بعض اہل ظواہر کے نزدیک یہ دفع کرنا واجب ہے جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔ منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابی سعید مرفوعاً فاذا اراد احد ان یحتاز بین یدیه فلید فعه اُن بعض اہل ظواہر کے نزدیک یہ روایت اپنے ظاہر پر اور عموم پر محمول ہے ہمارے نزدیک اس کی مختلف توجیہات ہیں۔۱۔ پہلے نرمی سے دفع کرے پھر زیادہ سختی سے لیکن بلا عمل کثیر۔۲۔ جب عمل کثیر منسوخ ہو گیا تو یہ قتال بھی جو عمل کثیر کے درجہ میں ہو منسوخ ہو گیا۔ ہماری توجیہات کے لئے مرجح یہ آیت ہے۔ **یا یھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم:۔**

باب اثم المار بین یدی المصلی

حدیث کے معنٰی کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث گناہ اور حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

اقال اربعین یوماً

ای بُسر او النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب استقبال الرجل الرجل وھو یصلی

غرض اس کی کراہت بیان کرنی ہے پھر اس میں آگے دو قول ہیں۔۱۔ جب مشغول ہونے کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے ورنہ نہیں۔۲۔ مطلقاً مکروہ ہے ظاہر دوسرا قول ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے کہ شاید کسی وقت اس طرف توجہ ہو جائے۔

باب الصلوٰۃ خلف النائم

غرض یہ ہے کہ صلوٰۃ خلف النائم سے نہی والی روایت کمزور ہے۔ عند مالک صلوٰۃ خلف النائم مکروہ ہے وعند الجمہور مکروہ نہیں ہے۔ لنا حدیث الباب عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وانا راقدۃ معترضۃ علی فراشه ولمالک مافی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً لا تصلوا خلف النائم ولا المتحدث جواب۔ علامہ نووی

فرماتے ہیں اس حدیث کے متعلق ضعیف باتفاق الحفاظ۔

باب التطوع خلف المرأة

غرض یہ ہے کہ عورت کے سامنے لیٹنے سے نماز نہیں ٹوٹتی پھر تطوع کی قید اس لئے لگائی کہ فرضوں میں زیادہ احتیاط مناسب ہے۔

باب من قال لا یقطع الصلوٰۃ شئ

غرض اس شخص کا قول بیان کرنا ہے جس کے نزدیک نماز کے لئے غیر مصلی کا کوئی فعل ناقض نہیں ہے پھر دلیل عورت کی ذکر کی کہ عورت ناقض نہیں تو باقی چیزیں بطریق اولیٰ ناقض نہیں ہیں۔ عند احمد کلب اسود کا گذرنا مفسد صلوۃ ہے اور عورت اور گدھے میں توقف فرمایا وعند الجمھور کسی کا گذرنا مفسد نہیں لنا فی ابی داوٗد عن ابی سعید مرفوعاً لا یقطع الصلوٰۃ شئ و لاحمد جو چیزیں نماز توڑ دیتی ہیں۔ ان کی روایات میں کلب اسود کا ذکر بہت زیادہ ہے اس لئے وہ مفسد صلوۃ ہے اور عورت اور گدھے کا ذکر کم ہے اس لئے ان دونوں میں توقف فرمایا جواب۔ ا۔ یقطع الخشوع۔۲۔ صحابہ کا عمل منسوخ ہونے پر دال ہے۔

باب من حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقه فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ جب بچی کو اٹھانا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے تو عورت کا مرور بطریق اولیٰ مفسد نہیں ہے۔ پھر حدیث کے واقعہ میں نواسی کو جو اٹھاتے اور اتارتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ کیا تھی۔ ا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اوروں کیلئے اس کی گنجائش نہیں ہے اظہار خصوصیت ہی مقصود تھا۔۲۔ یہ حکم منسوخ ہے۔۳۔ یہ فعل اضطرار پر محمول ہے۔۴۔ عمل قلیل پر محمول ہے۔

باب اذا صلی الی فراش فیه حائض

غرض یہ کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

هل یغمز الرجل امراته عندالسجود لکی یسجد

غرض ا۔ جیسے حائضہ پر کپڑے کا گر جانا نماز میں مفسد صلوٰۃ نہیں ایسے ہی عورت کو ہاتھ لگانا بھی مفسد صلوۃ نہیں۔۲۔ مس المراۃ ناقض وضو نہیں ہے۔

باب المراۃ تطرح عن المصلی شیئاً من الاذی

غرض یہ ہے کہ جب عورت کا چیز اٹھانا نمازی پر سے مفسد صلوٰۃ نہیں تو سامنے سے گزر جانا بطریق اولیٰ مفسد نہیں ہے۔

اتبع اصحاب القلیب لعنة

ا۔ اتبع ماضی مجھول کہ لگادی گئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصحاب قلیب کو لعنت' ۲۔ اتبع ماضی معروف اللہ تعالیٰ نے لگادی اصحاب قلیب پر لعنت اصحاب اور لعنۃ دونوں منصوب ہیں۔۳۔ اتبع امر کا صیغہ بددعاء ہے کہ یا اللہ اصحاب قلیب کے پیچھے لعنت لگادے۔

کتاب مواقیت الصلوٰۃ:۔

مواقیت کا مفرد میقات ہے وقت الشئی کے معنی ہیں بین حدہ وعین اولہ واخرہ۔ اس لئے میقات کے معنیٰ ہو گئے ذریعہ تعیین یعنی زمان ومکان جو کہ معین ہوں کیونکہ یہ ذریعہ تعیین ہوتے ہیں۔ پھر اوقات کی تفصیل کا بہت کچھ مدار امامت جبریل والی روایت پر ہے جبکہ اس کو مفصلاً بیان کیا جائے یہاں صرف مختصراً وہ روایت نقل کی گئی ہے۔ اصحاب سنن نے مفصلاً ذکر کی ہے اور امام بخاری ومسلم نے مفصلاً ذکر نہیں فرمائی صرف مجملاً ذکر فرمائی ہے۔

باب مواقیت الصلوٰۃ وفضلها

غرض نمازوں کے اوقات بتانا ہے اور ساتھ ساتھ نماز کی فضیلت ذکر کرنا ہے پھر جو اعتراض حضرت عروہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز پر کیا اس کی مختلف توجیہیں ہیں۔ ا۔ یہ اعتراض مفصل حدیث امامۃ جبریل کی بنا پر ہوتا ہے کیونکہ اس مفصل حدیث میں عصر کی نماز کا وقت بھی تفصیل سے مذکور ہے۔۲۔ اس اعتراض کیلئے مفصل حدیث امامت جبریل ذکر کرنی ضروری نہیں ہے بلکہ جیسے یہاں بخاری شریف میں ہے کہ اجمالاً حدیث امامت ذکر کردی

جائے اور ساتھ حضرت عائشہ والی حدیث ذکر کردی جائے تو اعتراض مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ والی روایت میں بھی عصر کا وقت مذکور ہے اور بعض ائمہ نے اس حدیث کو تعجیل عصر پر دال قرار دیا ہے۔۳- اعتراض کا دارومدار اجمالی حدیث امامت جبریل پر ہے کیونکہ اجمالی حدیث امامت جبریل سے اوقات کی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے پوری تفصیل تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کو معلوم ہی تھی اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔سوال نمازیں پانچ مختلف اوقات پر متفرق کیوں کی گئی ہیں۔جواب۔یہ تفریق تخفیفا ہے کہ اکٹھی سب رکعات میں مشقت تھی تھوڑی مختلف اوقات میں کردی گئیں تاکہ آسانی ہو۔۲-اصل مقصود تو سارا وقت ہی عبادت میں لگانا ہے لیکن کچھ حقیقۃً لگایا گیا اور کچھ حکماً لگایا گیا کہ نماز کے بعد اس کا اثر کچھ دیر باقی رہتا ہے اور نئی نماز کا انتظار کرتا ہے اس طرح سے حکما وہ نماز اور عبادت میں رہتا ہے گویا سارا وقت اور ساری زندگی ہی عبادت میں گزرتی ہے۔

پھران پانچ وقتوں کی تعیین میں کیا حکمتیں ہیں

۱- فجر حیٰوۃ بعد الموت اور تھکنے کے بعد قوت آنے کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے۔پھر صبح سے نصف النہار تک جو نعمتیں ملی ہیں ان کا شکر ادا کرنے کیلئے اور زوال کے وقت جو حدیث کے مطابق رحمت کے خصوصی دروازے کھلتے ہیں ان سے فائدہ اٹھانے کیلئے ظہر کی نماز ہے اور عصر کی نماز پورے دن کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے اور مغرب اس لئے ہے کہ دن جو کام کاج کے لئے بنایا تھا اس کا بھی شکر ہو اور جو رات راحت کے لئے بنائی ہے وہ شروع ہوگئی اس کا بھی شکر ہو اور عشاء کا وقت اس لئے مقرر فرمایا گیا ہے کہ دن رات کے سب کام ختم ہونے پر شکر ادا ہو اور دن رات کے سب کاموں کو شکر اور ذکر سے ختم کیا جائے۔۲-دن کے شروع میں فجر درمیان میں ظہر اور اخیر میں عصر رکھ دی گئی ایسے ہی رات کے شروع میں مغرب درمیان میں عشاء اور اخیر میں تہجد رکھ دی گئی عوام کی آسانی کے لئے تہجد خواص کے لئے نفلی عبادت کردی گئی کہ عوام اس کی پابندی نہ کرسکیں گے۔۳-ان اوقات خمسہ میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اس لئے ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم بھی عبادت کر کے فرشتوں جیسے بن جائیں۔۴-ان پانچ وقتوں میں خاص طور سے دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں اس لئے ہمیں یہ اوقات عبادت اور دعاء کے لئے دیئے گئے۔۵- یہ پانچ وقت انبیاء علیہم السلام کی عبادت کے ہیں ہم ان وقتوں میں عبادت کر کے ان کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اسی لئے شیطان کی پوجا کرنے والوں کی مشابہت سے بچنے کے لئے اوقات مکروہہ میں عبادت کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

وقتہ علیہم:۔اشارہ کردیا کہ سب نمازوں کے اوقات معین ہیں اس لئے جمع بین الصلوٰتین کی گنجائش نہیں ہے ورنہ اوقات کی تعیین بے کار ہو جاتی ہے اور جمع بین الصلوٰتین کی حدیث امام بخاری کے نزدیک ثابت نہیں تھی اس لئے اس کو اپنی اس صحیح میں درج نہیں فرمایا۔ثم صلی:۔باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہاں پانچ دفعہ نماز پڑھنے کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ پانچ وقتوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں ہر نماز کا وقت الگ الگ ہے یہی باب کا مقصود تھا۔

ان عمر بن عبدالعزیز اخرا لصلوٰۃ یوماً

یوماً سے معلوم ہوا کہ عام عادت دیر کرنے کی نہ تھی ایک دن دیر ہوئی اور بخاری شریف میں بدء الخلق کے ابواب میں یہ لفظ بھی آئے ہیں اسی واقعہ میں اخر العصر شیئا معلوم ہوا کہ وقت مستحب میں تھوڑی سی دیر ہوئی تھی ان دنوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے حاکم تھے ابھی خلیفہ نہ بنے تھے ابھی خلافت ولید بن عبدالملک کی تھی۔

فدخل علیه ابو مسعود

اس فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عروہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ میں جو آپ پر اعتراض کر رہا ہوں میں اس میں بدری صحابی حضرت ابو مسعود کا اتباع کر رہا ہوں کہ جب حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ایک دن تھوڑی سی تاخیر ہوگئی تھی تو حضرت ابو مسعود نے ان پر اعتراض فرمایا تھا اسی طرح میں آپ پر اعتراض کر رہا ہوں۔

اعلم ماتحدث:۔حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کی

وجہ اور مقصد۔ ۱۔ جبریل علیہ السلام مفضول وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کہ افضل ہیں ان کے امام کیسے بن گئے جواب کا۔ حاصل یہ ہے کہ نقل سے یونہی ثابت ہے ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے۔ ۲۔ آپ نے بلاسند یہ بات کیوں بیان کی جواب کا حاصل یہ ہے کہ میں سند پیش کئے دیتا ہوں۔ ۳۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت ذہین تھے اور ذہین آدمی کے لئے قولی تعلیم ہی کافی ہوتی ہے آپ عملی تعلیم ذکر کر رہے ہیں جواب دیا کہ نقل سے یوں ہی ثابت ہے مزید پختگی اور تعیین کے لئے عملی تعلیم دی گئی۔

عصر کے وقت مستحب میں اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ عصر کا مستحب وقت تاخیر ہے کہ عصر کے پورے وقت کے دو برابر حصے کئے جائیں اور نصف اخیر میں نماز پڑھی جائے وعندالجمہور تعجیل افضل ہے یعنی نصف اول میں پڑھنا۔ لنا۔ ۱۔ فی ابی داؤد عن علی بن شیبان مرفوعاً فکان یوخر العصر مادامت الشمس بیضا۔ نقیۃ۔ ۲۔ دیر سے پڑھینگے تو عصر کی نماز سے پہلے نوافل زیادہ پڑھنے کا موقعہ ملے گا۔ ۳۔ فی البیھقی عن رافع بن خدیج ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یا مربتا خیر العصر۔ ۴۔ بخاری شریف کی زیر بحث روایت عن عائشۃ مرفوعاً کان **یصلی العصروالشمس فی حجر تھا قبل ان تظھر** کیونکہ حجرہ یعنی صحن کی دیواریں چھوٹی تھیں اسی لئے صحابہ کرام صحن سے باہر مسجد نبوی میں آپ کی نماز کی اقتداء بھی بعض نوافل میں کر لیتے تھے معلوم ہوا کہ صحن کی دیواریں اتنی چھوٹی تھیں کہ باہر والا اندر والے کی اقتداء بھی کر لیتا تھا اور جب دیوار چھوٹی تھی تو دھوپ دیر تک صحن میں رہتی تھی تظھر کے معنیٰ نزول کے بھی صحیح ہیں کہ صحن سے دھوپ ختم ہونے سے ذرا پہلے نماز پڑھتے تھے قبل بمعنیٰ قبیل ہی ہے ورنہ ایک گھنٹہ پہلے دو گھنٹے پہلے نماز پڑھنے کا بیان لازم آئے گا حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے تعیین وقت مقصود ہے تظھر کے دوسرے معنیٰ تصعد بھی ہو سکتے ہیں کہ دھوپ کے سامنے کی دیوار پر چڑھنے سے ذرا پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے دونوں صورتوں میں عصر کے اخیر وقت میں یعنی نصف اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا ثابت ہوا۔ اس لئے یہی افضل ہے سوال جو اقتداء صحابہ کا واقعہ آتا ہے وہاں تو چٹائی کا حجرہ مراد ہے جو اعتکاف کے دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے اندر بنا لیا کرتے تھے حضرت عائشہؓ کا صحن مراد نہیں ہے اور عصر کی نماز میں جو حجرہ کا لفظ ہے وہ صحن ہے اس لئے صحن کی دیواروں کا چھوٹا ہونا ثابت نہ ہوا۔ جواب۔ چٹائی کے حجرے کے باہر صحابہ نے کھڑے ہو کر بھی اقتداء فرمائی ہے اور صحن کے باہر کھڑے ہو کر بھی اقتداء فرمائی ہے کیونکہ بخاری شریف میں اقتداء کے ذکر کے ساتھ حضرت عائشہ سے یہ لفظ بھی منقول ہیں وجدار الحجرۃ قصیر اور چٹائی پر جدار کا لفظ نہیں بولا جاتا اس لئے لامحالہ صحن کے پیچھے بھی اقتداء کرنا اور صحن کی دیواروں کا چھوٹا ہونا ثابت ہو گیا سوال۔ دیوار کا چھوٹا ہونا تو پردے کے احکام کے خلاف ہے جواب۔ حضرت عائشہؓ کا قد چھوٹا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں تک حضرت عائشہ کا سر مبارک آتا تھا اس لئے دیواریں ایسی تھیں کہ حضرت عائشہؓ کا سر اور چہرہ باہر سے نظر نہ آتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک باہر سے نظر آجاتا تھا اس لئے پردہ بھی ہو جاتا تھا اور اقتداء بھی صحیح تھی رکوع سجدہ کا علم آواز سے ہوتا تھا۔ سوال صحن کی لمبائی چوڑائی بھی تو بہت تھوڑی تھی اور جو صحن چھوٹا ہوتا ہے اس میں سے دھوپ جلدی دور ہو جاتی ہے اس لئے تاخیر عصر پر دلالت صحیح نہ رہی۔ جواب۔ اگر صحن بہت لمبا چوڑا ہوتا ہے پھر تو غروب کے وقت دھوپ زائل ہوتی اور اگر صحن بھی چھوٹا ہوتا اور دیواریں بھی اونچی ہوتیں تو مثل اول پوری ہونے سے بھی پہلے دھوپ چلی جاتی اب ایک سبب تاخیر کا ہے دیواروں کا چھوٹا ہونا اور ایک سبب تعجیل کا ہے یعنی صحن کی لمبائی چوڑائی کا کم ہونا اس لئے یہ ثابت ہوا کہ اصفرار سے کچھ پہلے دھوپ جاتی تھی اس سے کچھ پہلے عصر کی جماعت ہوتی تھی۔ الجمہور۔ ۱۔ فی ابی داؤد عن انس مرفوعاً کان یصلی العصر والشمس بیضاء مرتفعۃ حیۃ ویذھب الذاھب الی

العوالی والشمس مرتفعۃ جواب عوالی دومیل سے آٹھ میل تک پھیلی ہوئی تھیں عوالی تک پہنچنے کے معنیٰ یہی ہیں کہ دو میل کے قریب فاصلہ طے کر لیتے تھے مدینہ منورہ اور حجاز میں پاکستان کی طرح عصر کا کم از کم وقت مثل ثانی کے بعد ایک گھنٹہ چالیس منٹ اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے دس منٹ ہوتا ہے اگر دو گھنٹے بھی لگائیں تو ۲۰ منٹ اصفرار کے نکال کر ایک گھنٹہ چالیس منٹ یعنی سومنٹ بچے ان کا نصف پچاس منٹ ہے تقریباً پانچ منٹ میں نماز ہو جاتی تھی باقی ۴۵ منٹ میں صحابہ جو تیز چلنے والے تھے آسانی سے دو میل دور اصفرار سے پہلے پہنچ جاتے تھے اس لئے یہ روایت ہمارے خلاف نہیں۔ پرانا میل انگریزی میل سے ایک فرلانگ بڑا ہوتا تھا۔ فرلانگ میل کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے اور 1.6 کلومیٹر ایک میل انگریزی کے برابر ہیں گویا 16 کلومیٹر دس میل کے برابر ہوتے ہیں گویا پرانے دو میل 3.6 کلومیٹر بنے تقریباً ساڑھے تین کلومیٹر دوسرا جواب۔ یہ بھی ہے کہ ہماری دلیل قولی ہے آپ کی فعلی ہے اور قولی روایت کو فعلی روایت پر ترجیح ہوتی ہے۔ ۲۔ جمہور کی دوسری دلیل۔ حدیث الباب عن عائشۃ قبل ان تظھر والی چونکہ صحن کی لمبائی چوڑائی کم تھی اس لئے دھوپ جلدی چلی جاتی تھی اس لئے عصر کی نماز کا جلدی پڑھنا ثابت ہوا جواب تفصیل سے ہو چکا۔ ۳۔ جمہور کی تیسری دلیل فی الصحیحین عن رافع بن خدیج کہ عصر کی نماز کے بعد صحابہ کرام اونٹ ذبح کر کے اس کے ٹکڑے کر کے پکا کر غروب شمس سے پہلے کھا بھی لیتے تھے جواب۔ ہم مرغی ذبح کرنے کھال اتارنے اور ٹکڑے کرنے میں آدھا گھنٹہ لگا دیتے ہیں۔ مرغا منڈی میں آدھ گھنٹے میں ۱۵ مرغیاں آسانی سے ذبح کر کے ٹکڑے کر کے گاہکوں کے حوالے کرتے ہیں گویا ہم سے ۱۵ گنا رفتار تیز ہے ایسے ہی ہماری ہنڈیا پکنے میں اور کھانے میں تقریباً دو گھنٹے کی ضرورت ہے۔ حضرات صحابہ کرام مرغا منڈی والوں کی طرح اونٹ ذبح کرنے میں بہت ماہر تھے اور پکانے اور کھانے کی صورت یہ تھی کہ بڑے بڑے ٹکڑوں کو آگ پر بھون کر نمک لگا کر کھا لیتے تھے تو ہم سے رفتار کم از کم دس گنا تھی اوپر کے حساب سے عصر کے بعد اصفرار تک ۴۵ منٹ بچے تھے اور اصفرار کے ۲۰ منٹ ملائیں تو غروب تک ایک گھنٹہ پانچ منٹ بچے۔ اگر ہم یہ سب کام دس گھنٹے میں کرتے ہیں تو صحابہ کرام دس گنا تیز ہونے کی وجہ سے ایک گھنٹہ میں کیوں نہیں کر سکتے تھے معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی ہمارے خلاف نہیں اور جمہور کا استدلال تعجیل پر صحیح نہیں ہے اور دوسرا جواب ان تینوں دلیلوں کا ہم یہ بھی دیتے ہیں کہ ہماری روایت قولی ہے آپ کی یہ تینوں دلیلیں اگر آپ کے حق میں بھی ہوں تو پھر بھی قولی دلیل سے کم ہیں قولی حدیث کو فعلی حدیث پر ترجیح ہوتی ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ منیبین الیہ واتقوہ واقیموا الصلوٰۃ

غرض باب کی اس آیت کی تفسیر ہے اور اس باب کا مواقیت صلوٰۃ کے ابواب سے ربط یہ ہے کہ اس آیت میں اور اس کی تفسیر میں جو حدیث نقل کی ہے دونوں میں اقامت صلوٰۃ کا ذکر ہے اور اقامت کے معنی ہیں وقت پر نماز کو ادا کرنا تو گویا وقت شرط اقامت صلوٰۃ ہے۔

باب البیعتہ علی اقامتہ الصلوٰۃ

باب سے غرض یہ ہے کہ اقامتہ صلوٰۃ ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کیونکہ اصل بیعت تو ایمان پر ہوتی ہے جس کو بیعت اسلام کہتے ہیں۔ بیعت طریقت دوسرے درجہ میں ہے بیعت اسلام کا اثر ہے یا اس کا جز ہے اس لئے اعمال پر بیعت اس بات کی علامت ہے کہ اعمال ایمان کے شعبے ہیں پھر جیسے حسی بیع میں ہر ایک دوسرے کو کچھ دیتا ہے ایسے ہی اس معنوی بیع میں جس کو بیعت کہتے ہیں بیعت لینے والا امر کا وعدہ دیتا ہے اور بیعت ہونے والا اتباع کا وعدہ دیتا ہے۔

باب الصلوٰۃ کفارۃ

غرض نماز کی یہ فضیلت بیان کرنا ہے کہ نماز کفارہ ہے اور اس باب کی مناسبت ابواب المیقات سے یہ ہے کہ نماز وہی کفارہ بنتی

ہے جو وقت پر پڑھی جائے۔

انک علیه او علیها لجرئ

اور شک راوی کے لیے ہے۔ اور یہ فرمانا بطور خوشی کے بھی ہے اور بطور تعجب کے بھی ہے دونوں کا اکٹھا اظہار مقصد ہے۔

ان بینها و بینک بابا مغلقاً

مقصد یہ ہے کہ اس فتنہ کی کوئی چیز آپ کی حیات میں ظاہر نہ ہوگی۔

لیس بالا غالیط: یعنی حدیث اپنی مراد میں صریح ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔

یذهبن السیئات

مراد صغائر ہیں کیونکہ۔ا۔ ایسے موقعوں میں الفاظ سیۂ اور خطیہ اور ذنب کے استعمال کئے گئے ہیں اور یہ سب صغائر کے لئے ہوتے ہیں۔ کبائر کے لئے معصیۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ۲۔ کبائر کے عذاب کے ذکر کے بعد قرآن پاک میں الا کے حصر کے ساتھ توبہ کا جا بجا ذکر ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کبائر کے عذاب سے بچنے کے لیے توبہ ضروری ہے صرف حسنات ان کے لئے کفارہ نہیں بنتیں۔۳۔ کفارہ کے ذکر کے بعد ایک حدیث پاک میں مالم یُؤتَ کبیرۃً بھی ہے اس کے بعض نے تو معنیٰ شرط کے کئے ہیں کہ نیک اعمال کے کفارہ بننے کی شرط یہ ہے کہ کبیرہ گناہ نہ کیا جائے لیکن راجح معنٰی یہ ہیں کہ بیان استثناء ہے کہ کبیرہ کے لئے نیکیاں کفارہ نہ بنیں گی۔۴۔ آگے ایک باب چھوڑ کر حدیث آرہی ہے اس میں ان گناہوں کو جو نماز سے معاف ہوتے ہیں وزن یعنی میل کچیل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ بھی علامت ہے کہ نماز سے وہ گناہ معاف ہوتے ہیں جو صرف ظاہری میل کچیل کے درجہ میں ہوتے ہیں کبائر تو دل کی سیاہی کے درجہ میں ہوتے ہیں اس لئے نماز اُن کا کفارہ نہیں بنتی۔

باب فضل الصلوٰۃ لوقتها

غرض یہ ہے کہ نماز کی فضیلت وقت پر پڑھنے میں ہے بے وقت پڑھنے کی کوئی فضیلت نہیں۔

الی دار عبد الله: ای ابن مسعودؓ۔

باب الصلوات الخمس کفارة

غرض اور ربط اور فرق۔ا۔ یہ باب گذشتہ باب سے اخص ہے کیونکہ گذشتہ باب میں مطلق نماز کے کفارہ بننے کا ذکر تھا اس باب میں فرض نماز کے کفارہ بننے کا ذکر ہے۔۲۔ گذشتہ باب میں جنس نماز کا ذکر تھا اور اس باب میں پانچ کے اجتماعی کی شرط ہے یعنی جو پانچوں نمازوں کا پابند ہوگا اس کی نماز کفارہ بنے گی کیونکہ بعض دفعہ اجتماع کی وجہ سے وہ قوت آجاتی ہے جو انفراد میں نہیں۔ ہوتی۔ سوال۔ بعض نسخوں میں یہاں یہ بھی ہے فی جماعۃ وغیرھا کہ جماعت کے ساتھ پڑھو یا بغیر جماعت کے دونوں صورتوں میں کفارہ بنتی ہے تو اس باب کا تعارض ہوگیا آگے آنے والے باب وجوب الجماعۃ سے کہ اس سے وجوب معلوم ہوتا یہی یہاں مراد ہے باقی اگر بالا عذر جماعت چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ چاہیں گے تو کفارہ بنا دینگے نہ چاہینگے تو نہ بنائیں گے وعدہ نہیں ہے اس لئے یہ باب جماعت کے وجوب کی نفی نہیں کرتا۔ **باب المصلی یناجی ربہ عزوجل**: غرض یہ ہے کہ اوقات کی رعایت اس لئے بھی ضروری ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہے اور بادشاہوں سے ملاقات کے اوقات متعین ہوتے ہیں دوسرے وقتوں میں ملاقات نہیں ہوسکتی۔

اعتدلو افی السجود:۔ یعنی اعتدال یہ ہے کہ نہ تو اتنے پھیل جاؤ سجدہ کرتے وقت کہ منہ کے بل لیٹ جاؤ اور ٹانگیں پھیلا دو اور نہ اتنے سکڑ جاؤ کہ ایک عضو کی طرح بن جاؤ۔ بلکہ اعتدال کے ساتھ سنت طریقہ سے سجدہ کرو جس میں سب اعضاء سجدہ میں مشغول ہوں۔

باب الابراد بالظهر في شدة الحر

غرض امام شافعی پر رد ہے کہ وہ مطلقاً تعجیل کو افضل قرار دیتے ہیں سوائے ایک نادر صورت کے جس کا ذکر عنقریب بیان اختلاف میں آئے گا اور اگلے باب میں پھر دوبارہ بطور تعریض

کے ان پر رد ہے اور پھر ابراد کو وقت ظہر کے بیان سے بھی مقدم فرمادیا اس کی وجہ ۔۱۔ اس میں بھی رد کا اہتمام ہے۔۲۔ ابراد میں مقصود اول وقت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ابراد زوال سے ہی شروع ہوتا ہے زوال سے پہلے کچھ ابراد نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ذکر ابراد ظہر کے وقت بیان کے لئے تمہید ہے اِس لئے ابراد کے ذکر کو مقدم فرمایا۔۳۔ ابراد کے ذکر کو اس لئے مقدم ذکر فرمایا کہ ابراد والی حدیث میں فیح جہنم کا ذکر ہے۔ اور فیح جہنم ناراضگی کا وقت ہے ناراضگی میں بادشاہوں سے ملاقات مناسب نہیں ہوتی اس لئے فیح جہنم والی روایت کو مقدم ذکر فرمایا تا کہ بادشاہوں کی ملاقات والے گذشتہ باب کے ساتھ یہ باب مل جائے اور اس میں چونکہ ابراد کا بھی ذکر تھا اس لئے ابراد کو بھی ساتھ ہی مقدم ذکر فرمایا۔ سوال۔ جب ابراد کا امر ثابت ہے تو ابراد۔ واجب ہونی چاہئے کیونکہ امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔ جواب۔ چونکہ بڑا مقصد شفقتہ علی المصلین ہے اور شفقت پر مشتمل امر استحبابی ہوتا ہے اس لئے ابراد مستحب ہے واجب نہیں۔

من فیح جهنم :۔ فاح الحر اذا سطع گرمی بلند ہوئی اور تیز ہوئی اور جوش والی ہوئی فاحت القدر اذا غلت ہنڈیا اُبلی۔ حاصل معنی جہنم کا جوش اور جہنم کی تیزی اور جہنم کی لپٹ ہے سوال۔ بظاہر گرمی کی زیادتی سورج کے قریب ہونے اور دن کے بڑا ہونے کی وجہ سے ہے اور اس حدیث پاک میں ہے کہ جہنم کی وجہ سے ہے تو بظاہر یہ حدیث مشاہدہ کے خلاف ہوئی جواب۔۱۔ یُؤ مَنُ ولا یُدَ قّق گویا یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔۲۔ یہ دنیا کی گرمی جہنم کی آگ کے مشابہ ہے۔۳۔ مشاہدہ والا سبب بھی موجود ہے اور جہنم والا سبب بھی موجود ہے ایک سبب کے موجود ہونے سے دوسرے سبب کی نفی نہیں ہوتی جیسے دن کے وقت کمرے میں بجلی جل رہی ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ بجلی جل رہی ہے اس لئے سورج نہیں ہے یا سورج ہے اس لئے بجلی نہیں جل رہی۔۴۔ بعض فلاسفہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ اجرام علویہ میں حرارت ذاتی نہیں ہے وہ اجرام سفلیہ سے حرارت لے کر واپس نیچے بھیج دیتے ہیں یہ حدیث بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ جہنم اجرام سفلیہ میں سے ہے۔ زمین کے اندر کسی جگہ رکھی گئی ہے قیامت میں ظاہر کی جائے گی۔

ظہر کے افضل وقت میں اختلاف

عند الشافعی ظہر ہمیشہ اول وقت افضل ہے البتہ اگر کسی دن بہت زیادہ گرمی پڑے اور مسجد ایسی ہو کہ لوگ اس میں دور دور سے نماز پڑھنے آتے ہوں جیسے مسجد نبوی میں آتے تھے اور گرمی کی وجہ سے دیواروں کے سایہ کے ساتھ ایک ایک کر کے آرہے ہوں سب جلدی نہ پہنچ سکتے ہوں تو ایسی شاذ و نادر صورت میں تاخیر اولیٰ ہوگی ورنہ گرمی سردی میں ہمیشہ اول وقت ہی اولیٰ ہے۔ وعند الجمهور سردیوں میں جلدی یعنی نصف اول میں اور گرمیوں میں دیر سے یعنی نصف ثانی میں پڑھنا افضل ہے۔ لنا۔ فی ابی داؤد عن ابن مسعود قال کانت قدر صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصیف ثلاثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام وفی الشتاء خمسۃ اقدام الی سبعۃ اقدام کیونکہ حجاز میں گرمیوں میں اصلی سایہ عدم سے تین قدم ہوتا ہے اور قدم ہر چیز کے ساتویں حصہ کو کہتے ہیں کیونکہ انسانی قدم انسانی لمبائی کا ساتواں حصہ ہوتا ہے پس گرمیوں میں تین قدم تک ہوتا ہے یعنی بعض دنوں میں عین دوپہر کو بالکل سایہ نہیں ہوتا اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہے تو زیادہ سے زیادہ تین قدم سے پانچ قدم تک پڑھنا یہ زوال سے دو اڑھائی گھنٹے بعد پڑھنا ہے اور یہ تاخیر ظہر ہے اور سردیوں میں حجاز میں اصلی سایہ عین دوپہر کے وقت پانچ قدم سے سات قدم تک ہوتا ہے۔ ان دنوں میں پانچ قدم سے سات قدم تک پڑھنا بالکل ابتداء وقت میں پڑھنا ہے۲۔ بخاری شریف میں آئندہ باب میں عن ابی ذر مرفوعاً سفر کا واقعہ کہ موذن اذان دینے لگا تو دو دفعہ روکا فقال لہ ابرد حتی رأینا فییٔ التلول فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان شدۃ الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوۃ ابو داؤد میں تین دفعہ روکنا مذکور ہے اور ٹیلوں کا سایہ آدھا

وقت گذرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے یہ روایت صراحۃً تاخیر پر دال ہے۔ ۳۔ طحاوی میں عن ابن مسعود فعل نقل فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ گرمیوں میں تاخیر سے اور سردیوں میں تعجیل سے پڑھتے تھے۔ وللشافعی ۱ ۲ ۳ ابوداؤد میں تین روایتیں ہیں ایک عن جابر بن عبداللہ دوسری عن ابی برزہ تیسری عن جابر بن سمرۃ تینوں میں زوال کے فوراً بعد نماز پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکور ہے۔ تینوں کا جواب ایک تو یہ ہے کہ یہ سردیوں پر محمول ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس کو عام شمار کیا جائے تو پھر یہ منسوخ ہے کیونکہ طحاوی میں ہے عن المغیرۃ بن شعبۃ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الظہر بالہجیر ثم قال ان شدۃ الحر من فیح جہنم فابردوا بالصلوٰۃ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ جو اِنّ شدۃ الحر من فیح جہنم کو مذکورہ شاذ و نادر صورت پر محمول فرماتے ہیں یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ بخاری شریف میں حضرت ابوذر والی مذکورہ روایت میں جو ہمارے دلائل میں ابھی گذری ہے اس روایت میں تصریح ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے اس لئے خاص مسجد پر اور دور دور سے آنے والے نمازیوں پر محمول کرنا صحیح نہ رہا کیونکہ سفر میں سب اکٹھے ہی ہوتے تھے۔ ۴۔ امام شافعی کی چوتھی دلیل فی ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ قال کنت اصلی الظہر مع رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم فاٰخذ قبضۃً من الحصٰی لتبرد فی کفی اضعہا لجبہتی اسجد علیہا لشدۃ الحر۔ جواب گرمی حجاز میں نصف اخیر میں بھی کافی ہوتی ہے اگر دھوپ میں نماز پڑھنی پڑھے تو کنکریاں ٹھنڈی کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اشتکت النار الی ربہا:۔ ۱۔ یہ اپنی حقیقت پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو تکلم کی قوت عطا فرمائی۔ ۲۔ یہ مجاز ہے اژدحام اجزاء سے کہ آگ کے اجزاء کی ایسی بھیڑ ہوگئی کہ گویا کہ جہنم نے شکایت کی۔ **نفس فی الشتاء**:۔ جہنم دنیا کی گرمی کو کھینچ لیتی ہے اس لئے دنیا میں سردی ہوجاتی ہے اور گرمیوں میں سانس لینے کا مطلب یہ ہے کہ جہنم اپنی گرمی باہر دنیا کی طرف پھینکتی ہے۔ جس سے دنیا میں گرمی بڑھ جاتی ہے۔ پھر حکمت ان دونوں سانسوں میں یہ ہے کہ دنیا والوں کو گرمی اور سردی کے فوائد حاصل ہوسکیں۔ سوال جہنم کے اثر سے بچنے کے لئے فجر کی نماز سردیوں میں دیر سے پڑھنی چاہئے حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے جواب۔ سردیوں میں سردی سے بچنے کا فجر میں اہتمام کیا جائے تو سورج کے بلند ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس وقت فجر کا وقت ہی ختم ہوجاتا ہے اس لئے یہاں ایسا نہیں کیا گیا صرف فجر کے وقت کے اندر تاخیر فجر حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے اس لئے اس سے زیادہ جہنم کے اثر سے بچنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

باب الابراد بالظہر فی السفر

غرض۔ ۱۔ تعریض ہے امام شافعی پر کہ وہ ایک شاذ صورت پر ابراد کو محمول کرتے ہیں حالانکہ سفر میں وہ صورت نہیں ہوتی اور ابراد ثابت ہے جیسا کہ ابھی اختلاف میں گذرا۔ ۲۔ ابراد عام ہے سفر اور حضر کو البتہ چلنے میں مشغول ہو تو یہ اضطراری صورت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں ضرورت وقتیہ ہے۔

قال ابن عباس تتفیأ تتمیل

اس کی مناسبت یہ ہے کہ سایہ بدلتا ہے پہلے مغرب کی طرف ہوتا ہے پھر مشرق کی طرف ہوجاتا ہے اسی لئے اس کو فئی کہتے ہیں اس تقریر سے حدیث کے اِس لفظ کی تفسیر کرنی مقصود ہے حتیٰ رأینا فیئ التلول۔

باب وقت الظہر عند الزوال

غرض ظہر کا ابتدائی وقت بتلانا ہے۔ پھر اخیر وقت ظہر نہیں بیان فرمایا اور نہ حدیث امامت جبریل مفصلاً بیان فرمائی اس لئے کہ یہ ان کی شرطوں پر نہ تھی اور کوئی صریح مثل اور مثلین والی روایت ان کی شرطوں پر نہیں ہے۔

فلا تسلونی عن شی الا اخبرتکم ما دمتُ فی مقامی ہذا

بعض جاہلوں نے اس سے عالم الغیب ہونا نکالا ہے۔ حالانکہ الفاظ سے ہی صاف واضح ہے کہ یہ عرض وقتی تھا علم غیب تو

بلا اسباب جاننے کو کہتے ہیں جو صرف ذات غیر متناہی کی شان ہے انسان متناہی اس کا تحمل نہیں کرسکتا یہاں سبب کیا تھا ا۔تصویر کا پیش کرنا جیسے بیت المقدس کی تصویر پیش کردی گئی شب معراج کے بعد۔۲۔رفع حجاب تھا دونوں سبب ہیں اور وقتی چیزیں ہیں۔

واحد نا یعرف جلیسه

یعنی عند الفراغ من الصلوٰۃ جیسا کہ اِس حدیث کے بعض طرق میں تصریح ہے اور یہ حدیث اسفار کی تائید کرتی ہے جو حنفیہ کا مسلک ہے۔

باب تاخیر الظهر الی العصر

غرض حدیث الباب کے معنٰی بیان کرنا ہے کہ جمع صوری ہے جمع حقیقی نہیں ہے۔آگے قول آئے گا عمرو بن دینار کا **قلت لجابر اظنه اخرالظهر و عجل العصر واخر المغرب و عجل العشاء قال وانا اظنه ایضاً** اور مسلم شریف کی روایت میں صراحۃً خوف اور مطر کی نفی ہے اور خوف کی نفی سے مرض کی نفی بھی ہو گئی کیونکہ اس میں بھی خوف زیادۃ مرض ہوتا ہے اس لئے بعض کا تاویل مرض کرنا بھی صحیح نہیں ہے پھر امام ترمذی فرماتے ہیں اجمع الناس علی ترک العمل بحدیث ابن عباس فی الجمع بالمدینہ من غیر خوف ولا سفر لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ حنفیہ نے جمع صوری لے کر اس حدیث پر عمل فرمایا ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کسی روایت میں بھی عصر و مغرب کے درمیان جمع کا ذکر نہیں کیونکہ اس میں جمع صوری کریں تو عصر کو مکروہ وقت میں پڑھنا پڑتا ہے ایسے ہی عشاء اور فجر کے درمیان جمع کا ذکر نہیں کیونکہ عشاء کا وقت آدھی رات کے بعد مکروہ ہوتا ہے ایسے ہی فجر اور ظہر کے درمیان مذکور نہیں کیونکہ فصل کی وجہ سے جمع صوری نہیں ہوسکتی۔ اگر جمع حقیقی کی گنجائش ہوتی تو ان تین صورتوں میں بھی جمع کرنے کی گنجائش ہوتی اس سے واضح ہوگیا کہ حج کے دو موقعوں کے سوئے جہاں بھی جمع بین الصلوٰتین ہے وہ صوری ہے اس مسئلہ میں اختلاف اس طرح ہے کہ عند امامنا ابی حنیفہؒ جمع بین الصلوٰتین سوائے حج کی دو اجماعی جمع کے جائز نہیں ہے وعند الجمہور جائز ہے سفر اور مطر کی وجہ سے اور عند احمد مرض کی وجہ سے بھی جائز ہے۔لنا ا۔**ان الصلوٰة كانت على المومنين كتا با موقوتا**۔۲۔فی الترمذی عن ابن عباس مرفوعاً من جمع بین الصلوٰتین من غیر عذر فقد اتی باباً من ابواب الکبائر اور عذر حدیث شریف میں صراحۃً صرف نوم اور نسیان مذکور ہیں وللجمہور ما فی ابی داؤد عن معاذ بن جبل مرفوعاً جمع بین الظہر والعصر والمغرب والعشاء اور ابوداؤد ہی کی روایت میں حضرت ابن عمر سے سفر کی تصریح بھی ہے مرفوعاً جمع کرنے میں سفر پر ہی مطر کو قیاس کیا گیا اور عند احمد مرض کو بھی سفر پر قیاس کیا گیا جواب یہ جمع صوری ہے جیسا کہ ابھی ابن عباس والی روایت کی تقریر میں بیان ہوا کہ جمع صوری نہ لیں تو حدیث کو چھوڑنا پڑتا ہے دوسری دلیل جمع صوری کی ابن عمر کی روایت ہے ابوداؤد میں **حتی اذا كان قبل غيوب الشفق نزل فصلى المغرب ثم انتظر حتى غاب الشفق فصلى العشاء ثم قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا عجل به امر صنع مثل الذى صنعت.**

باب وقت العصر

غرض یہ ہے کہ عصر کے وقت کی ابتداء والی صریح روایتیں چونکہ ان کی شرط پر نہ تھیں اس لئے حضرت عائشہ والی اور دیگر روایات سے استنباطات فرما کر عصر کا ابتدائی وقت بتلانا چاہتے ہیں پھر عند مالک چار رکعت کا وقت ظہر اور عصر کے درمیان مشترک ہے عند الجمہور کوئی وقت مشترک نہیں۔لنا ا۔فی مسلم وابی داؤد عن عبداللہ بن عمروؓ مرفوعاً وقت الظہر مالم تحضر العصر۔۲۔ **ان الصلوٰة كانت على المومنين كتاباً موقوتاً.** لمالک حدیث امامت جبریل جو ابوداؤد میں ہے اس میں عن ابن عباس جو اوقات کی تفصیل ہے اس میں پہلے دن عصر کی نماز اور دوسرے دن ظہر کی نماز میں ایک ہی وقت ہے **حين كان ظله مثله**۔ جواب۔ا۔ نماز عصر کی ابتداء اور نماز ظہر کی انتہاء مراد ہے۔۲۔ہماری روایت سند کے لحاظ سے اقوی ہے۔۳۔ ہماری

روایت کا واقعہ آپ کی روایت کے واقعہ سے متاخر ہے زمانہ کے لحاظ سے کیونکہ امامت جبریل اس وقت ہوئی جب معراج میں نمازیں دو سے بڑھا کر پانچ کی گئیں باقی۔ سب روایتیں اوقات کی امامت جبریل کے بعد کی ہیں۔

باب اثم من فاتته والعصر

غرض۔ ا۔ قضا بلا عذر کا گناہ اور نقصان کتنا زیادہ ہے۔ ۲۔ بلا عذر اصفرار میں پڑھنے کا نقصان بہت ہے۔ ۳۔ بلا عذر جماعت چھوڑنا کتنا بُرا ہے۔ سوال عصر کی کیوں تخصیص کی گئی جواب۔ ا۔ عصر کی فضیلت باقی سب نمازوں سے زائد ہے۔ ۲۔ خصوصی ذکر ہے عصر کا قرآن پاک میں الصلوٰۃ الوسطیٰ کے عنوان ہے۔ ۳۔ پہلی امتوں نے ضائع کی تھی اس لئے تاکید فرما رہے ہیں۔ ۴۔ وقت بہت مشغولی کا ہے اس لئے تاکید فرمادی۔ ۵۔ سائل نے سوال میں عصر ہی کا ذکر کیا تھا اس لئے اس کا ذکر فرمادیا ورنہ حکم سب نمازوں کا یہی ہے۔

باب اثم من ترک العصر

سوال۔ اس باب اور گذشتہ باب میں کچھ فرق نہیں۔ جواب فوت عمد اور سہو دونوں کو شامل ہے اور ترک صرف عمد کو شامل ہے اسی لئے زیادہ مناسب یہ تھا کہ گذشتہ باب میں اثم کی جگہ نقصان فرماتے۔ فقد حبط عملہ:۔ ا۔ گناہ اس نماز کو چھوڑنے کا اس دن کی نیکیوں سے زیادہ ہے۔ ۲۔ حدیث پاک میں حبط کی تھدید ہے خطرہ ہے کہ آہستہ آہستہ نعوذ باللہ کفر تک نہ پہنچ جائے کیونکہ حبط حقیقی تو کفر وارتداد سے ہی ہوتا ہے نعوذ باللہ من ذلک

باب فضل صلوٰۃ العصر

ا۔ فجر سے بھی عصر کی فضیلت زائد بیان فرمانی مقصود ہے کیونکہ اس نماز عصر کا لقب وسطیٰ قرار دیا گیا ہے۔ ۲۔ غرض یہ ہے کہ یہ نماز بہت فضیلت والی ہے افضلیت مقصود نہیں۔ لاتضامون:۔ ا۔ یہ ضیم سے ہے بمعنی تعب تھکاوٹ نہ ہوگی۔ ۲۔ لاتضامّون میم کی تشدید کے ساتھ ہے اصل میں تھا لاتتضامون ایک تاء گرگئی بھیڑ نہ کروگے وجہ شبہ رویۃ محققہ بلاخفاء ولامشقتہ ہے پھر رویۃ کو رویۃ کے ساتھ تشبیہ ہے مرئی کو مرئی کے ساتھ تشبیہ دینی مقصود نہیں ہے۔ پھر عصر اور فجر کی مناسبت رویت باری تعالیٰ کے ساتھ متعنا اللہ بھا یہ ہے کہ ترمذی میں مرفوعاً وارد ہے ان اکرمھم علی اللہ من ینظر الی وجھہ غدوۃ و عشیۃ کہ زیادہ سے زیادہ زیارت فجر اور عصر کے وقت دن میں دو دفعہ جنت میں ہوگی اس سے زائد کی کسی انسان میں برداشت نہیں ہے۔ دنیا میں بھی اس زیارت کی طلب میں ضرور دربار میں حاضر ہو جایا کرو امید ہے یہ حاضری اس عالی درجہ کا سبب بن جائیگی۔ **اللھم افضل علینا بھا اللّٰھم انعم علینا بھا اللّٰھم** احسن علینا بھا آمین یارب العالمین بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

کیف ترکتم عبادی

اس دریافت فرمانے کی حکمت انسانوں کے ساتھ مولائے کریم کی محبت وشفقت ورحمت وعنایت ہے کہ فرشتوں نے عرض کردیا تھا۔ **اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء** اگرچہ مقصد اعتراض نہ تھا بلکہ زیادہ اطاعت کے ارادہ کا اظہار تھا کہ یہ کام بھی ہم کرنے کو حاضر ہیں نئی مخلوق نہ بھی پیدا فرمادیں تو کچھ حرج نہیں لیکن صورت اعتراض کی تھی اس لئے ہر روز صبح و شام فرشتوں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ دیکھو یہ تو نمازی ہیں تم نے کیوں ان کو نااہل کہہ دیا تھا۔

باب من ادرک رکعتہ من العصر قبل الغروب

غرض یہ ہے کہ جو ایک رکعت غروب شمس سے پہلے پڑھ لے گا اس کی نماز صحیح ہوجائے گی امام بخاری نے جزاء اس لئے ذکر نہ فرمائی کہ حدیث پاک کو دیکھ کر جزاء خود ہی متعین کرلی جائے گی۔ پھر عصر کی نماز کے متعلق تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر غروب شمس سے پہلے ایک رکعت پڑھ لے گا اور باقی غروب کے دوران پڑھے گا تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی لیکن فجر میں اختلاف ہے۔ عندامامنا ابی حنیفۃ اگر درمیان میں سورج طلوع کرے تو فجر کی نماز نہ ہوگی وعند الجمھور ہوگئی لنا۔ ا۔ زیر بحث باب کی پہلی روایت ہے۔ عن ابی ھریرۃ مرفوعاً اذا ادرک احد کم سجدۃ من صلوٰۃ العصر قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلوٰۃ واذا ادرک

سجدة من صلوة الصبح قبل ان تطلع الشمس فليتم صلوٰته اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر اور عصر دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ دونوں اس صورت میں صحیح ہیں کہ ایک رکعت طلوع وغروب سے پہلے پڑھ لی جائے باقی نماز بعد میں پڑھی جائے اور مسلم شریف میں عن عقبة بن عامر جو مرفوع روایت منقول ہے۔ اوقات ثلثہ مکروہہ والی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع وغروب کے وقت کوئی نماز بھی صحیح نہیں ہوتی اس لئے نہ عصر کی صحیح ہوگی نہ فجر کی۔ جب ان دو حدیثوں میں تعارض ہوگیا تو حدیث سے ادنیٰ دلیل قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا تا کہ وہ قیاس ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکے، پھر اس قیاس کی دو تقریریں ہیں اور وہ ہماری دو دلیلیں ہیں پہلی تقریر اصولیین نے یہ کی کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اقیموا الصلوٰة یہ امر ہے اور بظاہر اس کا تقاضیٰ یہ ہے کہ عمر بھر میں ایک دفعہ نماز پڑھ لینے سے ذمہ فارغ ہو جائے لیکن بالاجماع ایسا نہیں ہوتا تو وجہ تکرار وجوب کی تکرار اوقات ہے جب بھی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اقیموا الصلوٰة ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور جب تک ہم نہ پڑھیں متوجہ رہتا ہے۔ جس وقت ہم نماز پڑھتے ہیں تو تحریمہ سے قبیل جو آن ہوتی ہے اُس آن والا خطاب اس نماز کا سبب بنتا ہے کیونکہ تحریمہ سے وہ خطاب ختم ہو جاتا ہے اب اگر وہ تحریمہ سے پہلے والی آن کامل ہے تو نماز کامل واجب ہوگی جیسے فجر کی نماز اگر طلوع شمس سے ذرا پہلے شروع کریں تو نماز کامل واجب ہوئی لیکن طلوع میں ادا ہوئی تو مکروہ وقت کی وجہ سے ناقص ادا ہوئی اب واجب کامل ہوئی اور اداء ناقص ہوئی تو ذمہ بری نہ ہوا اس لئے سورج بلند ہونے کے بعد دوبارہ نماز پڑھنی پڑے گی اور عصر کی نماز اگر غروب سے ذرا پہلے شروع کی تو ناقص واجب ہوئی کیونکہ غروب سے تقریباً ۲۰ منٹ پہلے کا وقت اصفرار کا وقت ہوتا ہے اور وہ مکروہ وقت ہے اور ناقص وقت ہے اب اگر غروب شمس کے دوران پوری کرے گا تو ناقص ہی واجب ہوئی اور ناقص ہی ادا ہوئی اس لئے ذمہ فارغ ہو گیا اور نماز صحیح ہو گئی۔

۲۔ ہماری دوسری دلیل جو کہ تعارض کو اٹھانے کی دوسری قیاس کی تقریر ہے اور وہ امام سرخسی نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ عصر کے بعد مغرب کا وقت ہے اور وہ فرض نماز کا وقت ہے اس کی برکت اور انوار سے غروب کے وقت کی کراہت کچھ کم ہوگی اس لئے عصر کے متعلق جواز والی روایت کو ترجیح ہونی چاہئے اور طلوع شمس کے بعد کسی فرض نماز کا وقت نہیں ہے اس لئے طلوع کی کراہت شدید کی شدید ہی رہی اس لئے فجر میں اوقات مکروہہ والی روایت پر عمل ہوگا اور فجر کی نماز صحیح نہ ہوگی وللجمہور رہی زیر بحث روایت کہ اس میں فجر اور عصر دونوں کے صحیح ہونے کا ذکر ہے اس کے دو جواب تو ہماری دو دلیلوں کی صورت میں ہو ہی گئے۔ ۳۔ تیسرا جواب امام طحاوی نے دیا ہے کہ یہ روایت کافر کے مسلمان ہونے اور بچے کے بالغ ہونے اور حائضہ کے پاک ہونے کے متعلق ہے کہ اگر اتنا وقت بھی ہوگا کہ یہ تینوں ایک رکعت پڑھ سکیں تو یہ نماز بھی ان پر فرض ہو جائے گی۔ ۴۔ حضرت انور شاہ صاحب نے دیا ہے کہ یہ روایت تو امام کے ساتھ ملنے اور جماعت کا ثواب پانے کے متعلق ہے کیونکہ بعض روایتوں میں من ادرک رکعتہ من الصلوٰة مع الامام ہے وہاں سب کے نزدیک یہی معنیٰ ہیں ایسے ہی زیر بحث روایت کے بھی یہی معنیٰ ہیں سوال یہ حکم تو سب نمازوں کا ہے پھر فجر اور عصر کا نام خاص طور سے کیوں لیا گیا۔ جواب یہ اس زمانہ کا ارشاد ہے جبکہ یہی دو نمازیں فرض تھیں۔ باقی نمازیں بعد میں فرض ہوئی ہیں۔ دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ ان دو نمازوں کی فضیلت باقی نمازوں سے زائد ہے اس لئے ان دو کا ذکر فرمایا۔ سوال اگر یہ مقصد ہوتا تو قبل طلوع الشمس اور قبل غروب الشمس کا لفظ نہ ہوتا۔

جواب۔ یہ دونوں فجر اور عصر کے لقب ہیں جو قرآن پاک میں جا بجا مذکور ہیں اس لئے فجر کے ساتھ اس کا لقب قبل طلوع الشمس مذکور ہے اور عصر کے ساتھ اس کا لقب قبل غروب الشمس مذکور ہے۔ ہماری اس مسئلہ میں دو دلیلوں سے اور پھر جمہور کی دلیل کے دو جوابوں سے اس اعتراض کے بھی چار جواب ہو گئے جو اس حدیث کے متعلق حنفیہ پر کیا جاتا ہے۔ کہ تم ایک ہی حدیث کے ایک حصہ کو لیتے ہو اور ایک حصہ کو چھوڑتے ہو اس حدیث میں جو عصر کا حکم ہے وہ تو لے لیتے ہو اور اسی حدیث میں جو فجر کا حکم ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو افتؤ منون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض پھر یہ چاروں جواب تو حنفیہ

کے مُفتیٰ بہ قول کے مطابق تھے کہ اِس صورت میں فجر کی نماز نہیں ہوتی اور عصر کی ہو جاتی ہے۔ان چار جوابوں کے علاوہ ہمارے اکابر نے چار جواب اور بھی دیئے ہیں جو حنفیہ کے غیر مفتیٰ بہ اقوال پر مبنی ہیں۔۱۔ امام طحاوی نے فرمایا ہے کہ اوقات مکروہہ والی روایت ناسخ ہے نہ عصر کی نماز اِس خاص صورت میں صحیح ہے نہ فجر کی صحیح ہے۔۲۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی جواب دیا ہے کہ حضرات شیخین کی ایک روایت یہ بھی ہے فقہ کے شیخین مراد ہیں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کہ اگر ایک رکعت کے بعد طلوع ہو جائے تو نمازی خاموشی سے کھڑا رہے جب بیس منٹ کے بعد سورج بلند ہو جائے تو ایک رکعت ملا کر دو نفل شمار کر لے اور اصل فجر کی نماز بعد میں پڑھے۔۳۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے دیا ہے کہ حنفیہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ طلوع کے وقت تحری للصلوۃ مکروہ ہے کہ روزانہ کوشش کر کے اسی وقت نماز پڑھتا ہے اور اگر اتفاقاً دیر ہو گئی اور ایک رکعت کے بعد سورج نکلنا شروع ہو گیا تو دوسری رکعت طلوع کے درمیان ہی پڑھ لے وہ نماز صحیح ہو جائے گی۔۴۔ ہمارے امام ابو یوسف سے ایک روایت بالکل جمہور کی طرح بھی منقول ہے اس روایت کے لحاظ سے بھی حنفیہ پر اعتراض نہیں پڑتا۔

انما بقاء کم فیما سلف قبلکم من الا مم کما بین صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس

حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ یہود کی عمریں پانچ سو سے چھ سو سال تک تھیں اور نصاریٰ کی اوسط عمریں ایک سو سے دو سو سال تک تھیں اور اس امت کی عمریں یعنی اوسط کے لحاظ سے ساٹھ سال اور ستر سال کے درمیان ہیں۔اور ثواب ان دونوں امتوں سے زیادہ ملتا ہے۔

فعملنا الی غروب الشمس

محل ترجمہ یہی حصہ ہے۔یعنی کام کرنے والا اگر غروب ہوتے ہوتے بھی کام کرتا رہے تو اس کو برا شمار نہیں کیا جاتا ایسے ہی اگر نمازی ایک رکعت غروب سے پہلے پڑھ لے اور باقی غروب کے دوران پڑھتا ہے تو گنجائش ہے لیکن اس تفصیل کو استدلال فقہی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ استیناس ہی کہہ سکتے ہیں کہ مناسبت کی وجہ سے کچھ تائید ہوتی ہے۔

فعملوا بقیتہ یومھم حتی غابت الشمس

یہ عبارت محل ترجمہ ہے کہ اس تیسری جماعت کا عمل غروب تک باقی رہا اسی طرح ہمارا عمدہ ترین عمل اس وقت میں نماز ہے اس لئے وہ بھی غروب تک رہ سکتا ہے اور عصر کا وقت غروب شمس تک ہے اور غروب کے دوران بھی کام کرنے والے کو بُرا نہیں سمجھا جاتا اسی طرح عصر کی نماز اگر غروب کے دوران پوری کر لے تو گنجائش ہے۔یہ بھی استیناس ہے دلیل فقہی نہیں ہے۔

دو حدیثوں کے مضامین میں فرق

۱۔ پہلی حدیث میں اجر لینا مذکور ہے اس لئے وہ اُن اہل کتاب کی مثال ہے جنہوں نے اپنے دین میں تحریف نہیں کی اور نئے آنے والے نبی کے ساتھ بھی کفر نہیں کیا اور دوسری حدیث میں اجر لینے سے انکار ہے اسلئے یہ اُن اہل کتاب کی مثال ہے جنہوں نے تحریف کی اور نئے آنے والے نبی کی تکذیب کی۔۲۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث میں ایسے کام کرنے والے تھے جنہوں نے عاجز ہونے کی وجہ سے مجبوراً کام چھوڑا تھا وہ اچھے اہل کتاب کی مثال ہے اور اس دوسری حدیث میں بلا عذر کام چھوڑنے والوں کا ذکر ہے اس لئے یہ بُرے اہل کتاب کی مثال ہے۔

باب وقت المغرب

غرض۔۱۔ مغرب کا وقت بیان کرنا مقصود ہے۔۲۔ اس وقت کا بیان مقصود ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ سوال مغرب کے وقت کی کوئی تفصیل امام بخاری نے نہیں فرمائی جواب۔ چونکہ لفظ مغرب خود ہی وقت پر دلالت کرتا ہے اس لئے تفصیل کرنے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی

یجمع المریض بین المغرب والعشاء

ظاہر یہی ہے کہ اس قول کے نقل کرنے میں اس طرف اشارہ

ہے کہ بعض کا جو یہ قول ہے کہ مغرب کا وقت صرف تین رکعت پڑھنے کی مقدار ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس تین رکعت والے قول میں مغرب کے وقت کے استداد کی نفی ہے کہ اس نماز کے وقت میں کچھ بھی لمبائی نہیں ہے یہ قول ٹھیک نہیں۔ بلکہ مغرب کے وقت میں لمبائی ہے اور یہ عشاء کے وقت شروع ہونے تک چلا جاتا ہے اور مریض اگر چاہے تو جمع صوری کرے کہ مغرب کی نماز مغرب کے وقت کے اخیر میں پڑھے اور عشاء کی نماز نماز عشاء کے وقت کے شروع میں پڑھے۔

باب من کره ان یقال للمغرب العشاء

غرض یہ ہے کہ جو صاحب ایسا کہنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں ان کے پاس بھی دلیل حدیث سے موجود ہے سوال یہ کیوں نہ فرمادیا کہ ایسا کہنا مکروہ ہے جواب۔ا۔ حدیث پاک میں مغرب کو عشاء کہنے میں اعراب کے غلبہ سے منع فرمایا گیا ہے کہ عشاء کہنا غالب نہ آجائے اس سے یہ نکل آیا کہ کبھی مغرب کہے اور کبھی عشاء کہے تو گنجائش ہے اس لئے صراحتہ مکروہ قرار نہ دیا۔۲۔ اگر کوئی عشاء کے ساتھ اولی ملالے تو حرج نہیں اس لئے بھی جزم کے ساتھ نہیں فرمایا کہ عشاء کہنا مکروہ ہے۔

باب ذکر العشاء والعتمه ومن راه واسعاً

غرض یہ ہے کہ عشاء کو عتمہ کہنے کی گنجائش ہے۔ سوال اِس باب کا عنوان گذشتہ باب کے عنوان سے کیوں بدل دیا حالانکہ مقصد دونوں بابوں کا ایک جلیسا ہی ہے کہ مغرب کو عشاء نہ کہو اور عشاء کو عتمہ نہ کہو۔ جواب مغرب پر عشاء کا اطلاق مرفوعاً ثابت نہیں ہے اور عشاء پر عتمہ کا اطلاق مرفوعاً ثابت ہے اس لئے دونوں کے بیان میں امام بخاری نے فرق فرمادیا جس کا حاصل یہ ہے کہ مغرب کو عشاء کہنا مکروہ تنزیہی ہے اور عشاء کو عتمہ کہنا خلاف اولیٰ ہے۔ اور خلاف اولیٰ اس لئے ہے کہ قرآن پاک میں عشا کا لفظ استعمال ہوا ہے عتمہ کا استعمال نہیں ہوا۔

لا یبقی ممن هو علی ظهر الارض احد

مقصد عمل کا شوق دلانا ہے کہ اس امت کی عمریں چھوٹی ہیں خوب عمل صالح کرلو۔

قلیل عمر نانی دار دُنیا ومرجعنا الی بیت التراب
له ملک ینادی کل یوم لدوا للموت وابنوا للخراب

باب وقت العشاء اذا جتمع الناس او تاخروا

غرض افضل وقت کا بیان ہے اور مسئلہ اتفاقیہ ہے۔

باب فضل العشاء

غرض:۔ا۔ عشاء کی فضیلت بیان فرمانی مقصود ہے۔ اِس باب کے علاوہ بعض روایات میں نورتام کی بشارت آتی ہے اس شخص کے لئے جو رات کے اندھیرے میں عشاء پڑھنے آتا ہے اس قسم کی احادیث کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے ہیں۔۲۔ اس باب سے مقصود عشاء کے انتظار کی فضیلت بیان کرنا ہے کیونکہ خاص نماز عشاء کی فضیلت میں اس باب میں کوئی روایت نہیں لائے۔۳۔ اس باب کا مقصد عشاء کی فضیلت کا بیان ہے اور حدیث الباب میں عشاء کی فضیلت مذکور ہے کیونکہ ارشاد پاک ہے ماینتظرها احد من اهل الارض غیرکم کیونکہ جب انتظار کی فضیلت بیان فرمادی تو اس سے خود ثابت ہو گیا کہ وہ چیز بھی بہت فضیلت والی ہے جس کا انتظار کیا جارہا ہے کیونکہ انتظار کی فضیلت اِسی بنا پر تو ہوتی ہے کہ جس کا انتظار ہو رہا ہو وہ فضیلت والی چیز ہو۔ پھر اس عبارت میں جو غیرکم کا لفظ ہے اس کے دو معنیٰ کئے گئے ہیں۔ا۔ غیر اہل الاسلام کیونکہ پہلی امتوں میں عشاء کی نماز فرض نہ تھی۔۲۔ غیر اہل مسجد کم مراد ہے۔ کہ باقی مسجدوں والے نماز پڑھ کر سوچکے ہیں تم جاگ رہے ہو۔

باب مایکره من النوم قبل العشاء

ما مصدر یہ ہے اور من زائدہ ہے معنیٰ یہ ہو گئے باب کراھتہ النوم قبل العشاء۔ا۔ اگر کوئی جگانے کا انتظام کر کے سوئے تو

گنجائش ہے ایسے ہی کسی کو معمولی اونگھ آ جاتی ہو اور امید ہو کہ جماعت فوت نہ ہوگی وہ یہ اونگھ یا ہلکی نیند کرلے تو اس کیلئے کراہت نہیں ہے۔۲۔بعض نے ضرورت کی بنا پر رمضان شریف کو اس کراہت سے مستثنٰی قرار دیا ہے لیکن شرط یہ ضرور ہے کہ جاگنے کا انتظام کرلے۔۳۔بعض نے کراہت صرف عشاء کا وقت شروع ہو جانے کے بعد سونے میں ذکر فرمائی ہے۔

باب النوم قبل العشاء لمن غلب

غرض اِس باب سے گذشتہ باب سے استثناء کا بیان ہے کہ نیند غالب آجائے تو گناہ نہ ہوگا۔نام النساء:۔یہ محل ترجمہ ہے۔

لا یقصر ولا یبطش

نہ بہت آہستہ ہاتھ کو پھیرتے تھے نہ بہت تیز۔یہ سر پر ہاتھ رکھنا سر سے پانی نچوڑنے کے لئے تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد تشریف لائے تھے۔

باب وقت العشاء الی نصف اللیل

غرض۔ا۔وقت مختار کا بیان ہے۔۲۔وقت جواز کا بیان مقصود ہے کیونکہ مسلم شریف میں ہے عن عبداللہ بن عمرو مرفوعاً فاذا صلیتم العشاء فانہ وقت الی نصف اللیل پس شاید اِسی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔پھر عشاء کے اخیر وقت میں اختلاف ہے۔عندامامنا ابی حنیفۃ واحمد طلوع فجر تک عشاء کا وقت ہے وفی روایۃ عن مالک وفی روایۃ عن الشافعی ثلث لیل تک وفی روایۃ روایۃ عنھما نصف لیل تک وقت ہے لنا...... مافی الطحاوی عن عائشۃ اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ حتیٰ ذھب عامۃ اللیل ولروایۃ الشافعی وروایۃ مالک مافی مسلم جوابھی روایت گذری نصف لیل والی اور ثلث لیل والی روایت کی دلیل مافی الطحاوی کہ صحابہ کرام کا عمل مذکور ہے کہ ثلث لیل تک تاخیر فرمالیتے تھے جواب یہ ہے کہ ثلث لیل تک عشاء کا وقت مستحب ہے پھر نصف لیل تک مباح ہے اس لئے یہ روایتیں ہمارے خلاف نہیں ہیں۔

باب فضل صلوٰۃ الفجر

غرض فجر کی نماز کی فضیلت کا بیان ہے پھر بعض نسخوں میں مذکورہ الفاظ کے بعد والحدیث بھی ہے اس کی غرض کیا ہے۔ا۔بیان الحدیث الوارد فی فضلھا۔۲۔مقصد یہ ہے کہ فجر کے بعد گفتگو جائز ہے عشاء کی طرح مکروہ نہیں ہے۔۳۔حدیث کا لفظ کسی کا تب کا وہم ہے کیونکہ اکثر نسخوں میں اور اکثر شروح میں نہیں ہے۔ اولا تُضَا ھون:۔شک راوی ہے المفاھاۃ المشابھۃ یعنی صاف زیارۃ ہوگی کوئی اشتباہ نہ ہوگا۔متعنا اللہ بھا بفضلہ و منہ:۔

من صلی البردین دخل الجنتہ

ا۔البرد الطرف یہ دونوں نمازیں دن کی دو طرفوں اور دو کناروں پر واقع ہیں۔۲۔برد کے معنیٰ ٹھنڈک کے ہیں کہ ان دونوں نمازوں میں گرمی کی شدت نہیں ہوتی۔سوال کیا باقی ضروری نہیں ہیں۔جواب یہاں دخول جنت ہے۔ابتدائی دخول کے لئے پانچوں نمازوں کا پڑھنا ضروری ہے۔**باب وقت الفجر**:۔غرض اول وقت فجر کا بیان بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت میں نماز پڑھتے تھے اس کا بیان بھی ہے۔

قال قدر خمسین او ستین یعنی آیتہ:۔اس روایت میں قائل حضرت زید بن ثابت ہیں اور آئندہ روایت میں حضرت انس ہیں اور یہ کوئی تعارض نہیں ہے دونوں نے یہ بات بیان فرمائی ہے۔

لایعرفھن احد من الغلس:۔ فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب اس آیت سے متبادر قبلیت قریبہ ہے اس سے حنفیہ کے مسلک تاخیر عصر واسفار کی تائید ہوتی ہے۔اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ عندامامنا ابی حنیفۃ فجر کی نماز کا افضل وقت اسفار ہے نصف اخیر میں پڑھنا وعندالجمھور افضل غلس ہے نصف اول میں پڑھنا۔لنا۔فی الترمذی عن رافع بن خدیج مرفوعاً اسفروا بالفجر فانہ اعظم للا جر سوال مراد یقین فجر ہے۔جواب پھر تو فجر سے پہلے بھی صحیح ہونی چاہئے حالانکہ اس کا

کوئی قائل نہیں۔۲۔ ہماری دوسری دلیل صحیحین میں ہے عن ابن مسعود حجۃ الوداع میں یوم مزدلفہ کے متعلق مرفوعاً وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اس دن طلوع فجر سے پہلے نہ پڑھی تھی بلکہ غلس میں پڑھی تھی تو غلس میں پڑھنا قبل وقت معتاد تھا اس لئے وقت معتاد اسفار تھا اس لئے وہی افضل ہے۔۳۔ فی الطحاوی عن ابراہیم مقطوعاً اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی شئی ما اجتمعوا علی التنویر وللجمہور۔۱۔ فی ابی داؤد عن ابی مسعود مرفوعاً و صلی الصبح مرۃ بغلس ثم صلی مرۃ اخریٰ فاسفر بھا ثم کانت صلوتہ بعد ذلک التغلیس حتیٰ مات و لم یعد الی ان یسفر جواب ایک اعرابی کو اوقات سمجھانے کے لئے ایک دن شروع وقت اور دوسرے دن اخیر وقت نمازیں پڑھیں پھر کامل اسفار کی طرف نہ لوٹے یعنی بالکل اخیر کی طرف نہ لوٹے۔۲۔ فی الصحیحین عن عائشۃ ما یعرفن من الغلس جواب۔۱۔ معرفت جزئی نہ ہوتی تھی اور یہ اسفار میں پڑھنے میں بھی نہیں ہوتی۔۲۔ ہماری دلیل قولی روایت ہے آپ کی فعلی روایت ہے اور تعارض کے وقت قولی کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔۳۔ ہماری روایت کو علامہ سیوطی نے متواتر قرار دیا ہے آپ کی روایت کسی کے نزدیک بھی متواتر نہیں اس لئے قوت سند کی وجہ سے بھی ہماری روایت کو ترجیح حاصل ہے۔۴۔ حضرات صحابہ کے شوق کو پورا کرنے کے لئے بعض دفعہ جلدی نماز شروع فرمائی تاکہ لمبی قرأت سن سکیں اس لئے یہ جلدی پڑھنا خصوصیت صحابہ ہے ہمیں حکم اسفار میں پڑھنے کا ہی ہے۔۵۔ حضرات صحابہ کرام کے عمل سے ہماری دلیلوں کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اور صحابہ کا عمل ہماری تیسری دلیل میں مذکور ہے۔۶۔ پہلے عورتیں نماز میں شریک ہوتی تھیں ان کی خاطر نماز جلدی ہوتی تھی پھر پردہ میں سختی ہوگئی اور جلدی پڑھنے کی ضرورت نہ رہی اس لئے آخری عمل اسفار ہی کا شمار ہوگا کیونکہ پردہ میں نرمی پہلے تھی سختی بعد میں ہوئی اس کے مناسب یہی ہے کہ غلس میں پڑھنا پہلے ہو اور اسفار میں پڑھنا بعد میں ہو اس لئے یہی ناسخ ہے۔۷۔ ابن ماجہ میں تعنی من الغلس ہے معلوم ہوا کہ من الغلس مدرج ہے اور یہی آپ کے استدلال کا مدار تھا۔۸۔ یہاں غلس لغوی ہے کیونکہ غلس اصطلاحی تو بعد کی فقہاء کی اصطلاح ہے اور اندھیرا کچھ نہ کچھ اسفار میں بھی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے۔۳۔ فی ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً والصبح بغلس جواب۔ یہی جواب سوائے پہلے جواب کے اور ساتویں جواب کے۔۴۔ فی ابی داؤد عن ابی برزۃ مرفوعاً وکان یصلی الصبح و ما یعرف احدنا جلیسہ الذی کان یعرفہ جواب۔ یہی آٹھ جواب سوائے ساتویں جواب کے۔ **باب من ادرک رکعۃ من الفجر**:۔ غرض یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح ہوگئی جیسا کہ جمہور ائمہ کا مسلک ہے بخلاف حنفیہ کے تفصیل پیچھے گزر چکی۔

باب من ادرک من الصلوۃ رکعۃ

غرض اور ربط اور فرق۔۱۔ گذشتہ باب میں وقت پانا مذکور تھا اور اب نماز پانا مذکور ہے کہ جو جماعت میں سے ایک رکعت پالے اسکو جماعت کا ثواب مل گیا اور گذشتہ باب کے معنیٰ تھے کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک رکعت پڑھنے کا وقت مل گیا۔۲۔ گذشتہ باب میں صرف فجر کا ذکر تھا اور اب سب نمازوں کا ذکر ہے۔

باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس

غرض اور ربط اس باب کا ماقبل سے یہ ہے کہ پہلے اوقات صحیحہ کا ذکر تھا اب اوقات مکروہہ کا ذکر ہے پھر ظاہر یہی ہے کہ اس وقت میں نفل پڑھنے مکروہ ہیں تحری ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں کراہت ہے کیونکہ۔۱۔ تحری کا ذکر زیادہ قباحت ثابت کرنے کے لئے ہے اس لئے تحری کی قید کو اتفاقی کہا جائے گا اسی لئے امام بخاری نے اس باب میں تحری کی قید ذکر نہیں فرمائی۔۲۔ وجہ کراہت سورج کی پوجا کرنے والوں سے مشابہت ہے اور اس مشابہت کے پائے جانے میں تحری کا دخل نہیں ہے۔۳۔ ممانعت کا مطلق ہونا تو نصوص کا منطوق ہے اور تحری کے ساتھ مقید ہونا یہ مفہوم مخالف سے ثابت ہوگا اور یہ اصول ہے کہ جب منطوق اور

مفہوم کا تعارض ہو تو ترجیح منطوق کو ہوتی ہے۔

لا تحروا بصلو تکم طلوع الشمس ولا غروبہا

بعض اہل ظواہر قائل ہو گئے کہ فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنے کی کراہت تحری پر مبنی ہے کہ قصداً اور کوشش کر کے اسی وقت میں پڑھے تو کراہت ہے اتفاق سے شروع کر لئے تو کراہت نہیں ہے جمہور کے نزدیک کراہت بہر حال ہے تحری کرے یا نہ کرے لنا ما فی البخاری عن عمر مرفوعاً نہی عن الصلوۃ بعد الصبح حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغرب اور زیادہ روایات میں تحری کے ذکر کے بغیر ہی ممانعت مذکور ہے بعض اہل الظواہر ما فی مسلم عن عائشۃ قالت وھم عمر انما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتحری طلوع الشمس وغروبھا جواب۔ حضرت عائشہ کا حضرت عمر فاروقؓ کی طرف وہم کی نسبت کرنا یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے خود دیکھا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی بلاتحری کراہت نقل فرمائی ہے اور عصر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعتیں پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اس سے امت کے لئے حکم نہیں نکالا جاسکتا۔ سوال۔ احادیث میں فجر اور عصر دونوں کا ذکر ہے اور امام بخاری نے باب میں صرف فجر کا ذکر فرمایا ہے یہ تو مناسب نہیں۔ جواب۔ ا۔ فجر ذکر میں مقدم تھی اس لئے امام بخاری نے اسی کو لے لیا۔ ۲۔ عصر کے بعد چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعتیں پڑھنا بھی آتا ہے اس لئے عصر کے بعد نوافل کی کراہت میں کچھ کمی کا شبہ ہو گیا اس لئے امام بخاری نے اس کا ذکر نہ فرمایا۔

اشتمال الصماء

ا۔ کندھوں پر کپڑا ڈال لے اور اس کو لپیٹے نہیں اور جب ایک ہی کپڑا ہو تو اس میں کشف عورت بھی ہے۔ ۲۔ کپڑے کو نماز میں ایسا سختی سے لپیٹ لے کہ ہاتھ بھی اندر ہی بند ہو جائیں الاحتباء:۔ نیچے بیٹھ جائے گھٹنے کھڑے کر لے اور ایک ہی کپڑا ہو اس سے گھٹنوں کو کمر کے ساتھ باندھ لے اس میں کشف عورت ہے **المنابذہ**:۔ سودا کرتے کرتے بائع بیعہ کو مشتری کی طرف پھینک دے اس کو زمانہ جاہلیت میں پختہ بیع شمار کرتے تھے خواہ سودا کرنے والے راضی ہوں یا نہ ہوں اس سے منع کر دیا گیا کہ جب تک دونوں راضی نہ ہوں بیع نہ ہو گی۔ **الملامسہ**:۔ سودا کرتے کرتے مشتری مبیعہ پر ہاتھ رکھ دیتا تھا کہ بس اتنے پیسے دونگا اس کو بھی زمانہ جاہلیت میں پختہ بیع شمار کرتے تھے خواہ سودا کرنے والے راضی ہوں یا نہ ہوں شریعت میں اس کو ناجائز قرار دیا گیا کیونکہ عقد کرنے والوں کی رضا ضروری ہے۔

باب لا یتحری الصلوۃ قبل غروب الشمس

غرض تحری کے خبیر عصر کے بعد نوافل جائز ہیں۔ سوال۔ یہاں تحری کی قید لگائی پیچھے نہ لگائی تھی جواب۔ ا۔ یہ تفنن ہے ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے بیان کرنا تفنن کہلاتا ہے امام بخاری نے بھی پہلے یہ مسئلہ اجمالاً بیان فرمایا اب تفصیلاً بیان فرمایا۔ ۲۔ چونکہ اب وہ حدیث بیان فرمانا چاہتے ہیں جس میں تحری کی قید ہے اس لئے اس کے مناسب باب میں بھی تحری کی قید لگائی پیچھے وہ حدیث ذکر کرنا چاہتے تھے جس میں تحری کی قید نہ تھی اس لئے وہاں قید نہ لگائی۔ ۳۔ پیچھے دوسرے حضرات کا مسلک نقل کیا تھا اب اپنا مسلک بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عصر کے بعد بلاتحری نوافل جائز ہیں۔ اس میں ایک اختلاف تو اہل ظواہر کے ساتھ ہے وہ عنقریب پیچھے گذر چکا دوسرا اختلاف یوں ہے کہ عند الشافعی ظہر کے فرضوں کے بعد کی دو سنتوں کی قضا عصر کے فرضوں کے بعد جائز ہے و عند الجمھور جائز نہیں لنا فی الطحاوی عن ام سلمۃ فقلت یا رسول اللہ افنقضیھما اذا فاتتا قال لا۔ وللشافعی۔ ا۔ فی ابی داؤد عن علی مرفوعا نھی عن الصلوۃ بعد العصر الا والشمس مرتفعۃ جواب۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عصر کا وقت شروع ہونے کے بعد فرضوں میں

اتنی دیر نہ کیا کرو کہ اصفرار ہو جائے۔۲۔ دوسری دلیل امام شافعی کی فی ابی داؤد عن عائشۃ ما من یوم یاتی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا صلی بعد العصر رکعتین جواب اس مسئلہ میں حضرت عائشہ کی روایات میں اضطراب ہے بعض روایات میں ہمیشہ پڑھنا ہے بعض میں ایک دفعہ کے بعد نہ پڑھنا ہے بعض میں عدم علم کا اظہار ہے۔ بعض میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا اظہار ہے اس لئے اس مسئلہ میں ان کی روایات کو نہیں لیا جا سکتا۔

باب من لم یکرہ الصلوٰۃ الا بعد العصر و الفجر

غرض دوسروں کا مذہب نقل کرنا ہے اپنی رائے نہیں ذکر فرمائی کیونکہ امام بخاری کو کچھ تردد تھا اور فیصلہ کن رائے نہ تھی۔ پھر امام مالک کے نزدیک نصف النہار کے وقت نفل مکروہ نہیں ہیں وعند الجمہور مکروہ ہیں لنا فی مسلم عن عقبۃ بن عامر فرفوعاً حدیث الاوقات الثلاثۃ المکروہۃ ولمالک حدیث الباب عن ابن عمر موقوفاً لا انھی احدا یصلی بلیل ولا نھار ماشاء غیران لاتحروا طلوع الشمس ولا غروبھا جواب۔ ہماری دلیل محرم ہے آپ کی دلیل مبیح ہے ایسے موقع میں محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔۲۔ مراد صلوٰۃ صحیحہ ہے جس سے فرمایا کہ نہیں روکتا اور عین دوپہر کو نماز صلوٰۃ صحیحہ نہیں ہوتی۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ عندامامنا ابی حنیفہ جمعہ کے دن بھی نوافل نصف النہار کے وقت مکروہ ہیں وعند الجمہور نہیں لنا فی صحیح مسلم عن عقبۃ بن عامر مرفوعاً اوقات ثلثہ مکروہۃ والی روایت و للجمہور فی ابی داؤد عن ابی قتادۃ مرفوعاً کرہ الصلوٰۃ نصف النہار الا یوم الجمعۃ جواب۔ ۱۔ لیث راوی ضعیف ہے اور ابوالخلیل کا سماع حضرت ابوقتادہ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ امام ابوداؤد نے خود تصریح فرمائی ہے۔۲۔ مقصد ابراد چھوڑنے کی اجازت دینا ہے۔

باب ما یصلّی بعد العصر من الفوائت وغیرھا

غرض وربط حدیث الباب کی توجیہ مقصود ہے کہ عصر کے بعد جو رکعتیں مرفوعاً ثابت ہیں یہ ظہر کے بعد والی دو رکعتوں کی قضا تھی اور سنتوں کی قضا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

من الفوائت وغیرھا

فوائت کی اجازت بالاتفاق ہے اور وغیرھا کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱۔ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت اس کا مصداق ہے اور ان کا جواز بالاتفاق ہے۔۲۔ نوافل ذوات الاسباب اس کا مصداق ہیں جیسے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء اس میں جمہور اور شوافع کا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک مکروہ ہیں اوقات ثلثہ مکروہہ میں اور شوافع کے نزدیک جائز ہیں ترجیح قول جمہور کو ہے کئی وجہ سے۔۱۔ اگر نھی سے بہت زیادہ افراد نکال لئے جائیں تو نھی کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس قسم کے نوافل نہیں نکالے جائیں گے۔۲۔ اس قسم کے نوافل کا نکالنا صرف فعل پر مبنی ہے قول کے عموم کا تقاضی یہ ہے کہ نہ نکالے جائیں اور جب قول اور فعل میں تعارض ہوتا ہے تو ترجیح قول کو ہوتی ہے اس لئے جمہور کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوام جو اس باب کی روایات میں مذکور ہے کہ عصر کے بعد ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھا کرتے تھے یہ دوام قضاء پر دلالت نہیں کرتا بلکہ خصوصیت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ قضا کا تعلق تو ایک دن سے ہوتا ہے قضا دواماً نہیں کی جاتی لامحالہ اس دوام کو خصوصیت پر محمول کیا جائے گا۔۴۔ نھی کی احادیث متواتر ہیں اور احادیث الباب اس درجہ کی نہیں ہیں اس لئے بھی نھی کو ترجیح دی جائے گی۔۵۔ صحابہ کا عصر کے بعد کی دو رکعت پر کثرت سے انکار ثابت ہے یہ بھی نھی کی احادیث کو ہی ترجیح دیتا ہے۔

باب التبکیر بالصلوٰۃ فی یوم غیم

غرض یہ ہے کہ بادل کے دن میں نماز میں احتیاط کرنی چاہئے قضا نہ ہو جائے یا مکروہ وقت میں ادا نہ ہو اور یہی حنفیہ کی رائے ہے اور امام شافعی اور اکثر ائمہ تو ہمیشہ ہی تعجیل کو افضل قرار دیتے ہیں پھر امام بخاری نے عصر پر غیر عصر کو قیاس فرمایا ہے کیونکہ حدیث میں صرف عصر کا ذکر ہے۔ حبط عملہ:۔ اس کی تفسیر پیچھے گذر چکی ہے۔

باب الا ذان بعد ذهاب الوقت

غرض یہ ہے کہ قضا کی بھی اذان واقامت ہونی چاہئے اور اگرایک آدمی کی قضاء ہے تو آہستہ سے اذان دے کیونکہ اپنی کو تاہی کو چھپانا ہی اولیٰ ہوتا ہے۔

فلما ارتفعت الشمس وابياضت قام فصلّٰى

اس میں حنفیہ کی تائید ہے کہ مکروہ وقت میں قضانہ فرمائی

باب من صلى بالناس جماعته بعد ذهاب الوقت

غرض یہ ہے کہ قضا میں بھی جماعت مشروع ہے اگرچہ واجب نہیں۔ پھر اس حدیث میں جو قضا ہوئی نماز تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی صلوۃ الخوف کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اب ایسے موقعہ میں صلوۃ الخوف پڑھی جائے گی نماز قضانہ کی جائے گی۔

باب من نسی صلوة فليصل اذا ذكرها ولا يعيد الا تلك الصلوة

ای باب فی بیان حکم من نسی صلوۃ غرض ایک تو حکم بیان فرمانا ہے اس شخص کا جو نماز بھول گیا ہو یہاں تک کہ وقت نکل گیا ہو اس بھولنے میں دونوں صورتیں آگئیں نیند غالب آگئی کہ نہ جاگا نہ یاد آیا دوسری صورت یہ کہ دنیا کے کسی کام میں یا دین کے کسی کام میں اتنا زیادہ مشغول ہوا کہ نماز یاد نہ رہی اور نماز کا وقت گذر گیا اور اس حکم کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بیان فرمانا بھی مقصود ہے کہ اعادہ صرف اسی نماز کا ہوگا جس کو بھولا ہے اور اس وقت ہوگا جب یاد آئے اور امام بخاری یہ اشارہ فرمارہے ہیں کہ مسلم شریف میں جو روایت آتی ہے۔ اسی واقعہ کے متعلق فاذا کان الغد فلیصلھا عند وقتھا یہ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کے معنیٰ ظاہری تو یہ بنتے ہیں کہ ایک نماز کا دو دفعہ اعادہ کیا جائے ایک اس وقت جبکہ یاد آئے اور دوسرے اس وقت جب اُسی نماز کا اگلے دن وقت آئے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت ابوقتادہ سے اسی حدیث کے واقعہ میں یوں ہے کہ من ادرک منکم صلوۃ الغداۃ من غد صالحا فلیقض معھا مثلھا علامہ خطابی اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ اس کے ظاہر کو کسی امام نے واجب قرار نہیں دیا اس لئے یہ احتمال معلوم ہوتا ہے کہ اس میں امر استحبابی ہوتا کہ وقت کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے لیکن یہ احتمال صحیح نہیں ہے اور صحیح یہی ہے کہ اعادہ صرف ایک دفعہ ہی ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں ایک ہی دفعہ قضا فرمائی ہے علامہ خطابی کی کلام کا خلاصہ ختم ہوا۔ بعض حضرات نے یہ احتمال بھی بیان فرمایا ہے کہ دوبارہ وقت آنے پر اُسی نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم تنبیہ اور تادیب کے طور پر ہوتا کہ پھر ایسی غفلت سے بچنے کی پوری کوشش کرے کیونکہ ہمارے امام الائمہ سراج الامہ امام ابوحنیفہ کا اپنا واقعہ منقول ہے کہ ایک دفعہ امام صاحب کی نماز قضا ہوگئی تو طویل زمانہ تک اس کو دہراتے رہے اس لئے یہ بھی احتمال ہے کہ دوبار یا بار بار دہرانے کا استحباب عوام کے لئے تو نہ ہو خواص کے لئے ہو جیسے مس المرأۃ سے اور مس الذکر سے وضو دہرانا بعض حضرات نے خواص کے لئے ذکر فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر نے علامہ خطابی کی تقریر پر اعتراض فرمایا ہے کہ وقت آنے پر دوبارہ اسی نماز کے پڑھنے کو مستحب کہنے کا احتمال کسی درجہ میں بھی نہیں ہے کیونکہ کوئی امام استحباب کا قائل نہیں ہے حافظ ابن حجر کے قول کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوئی ہے کہ اسی واقعہ میں عن انس مرفوعاً وارد ہے من نسی صلوۃ فلیصلھا اذا ذکرھا لا کفارۃ لھا الا ذلک اور ابوداؤد کی روایت عن ابی قتادہ جو ابھی ذکر کی گئی ہے یہ اس پر محمول ہے کہ کسی راوی نے روایت بالمعنیٰ نقل فرمائی ہے اصل الفاظ وہی تھے جو ابوداؤد میں حضرت ابوقتادہ سے اس طرح آتے ہیں مرفوعاً فلیصلھا حین یذکرھا ومن الغد للوقت ان الفاظ کے راوی نے یہ معنیٰ کر لئے کہ کل دوبارہ قضا کرے حالانکہ معنیٰ یہ تھے کہ کل سے نماز کا خیال رکھے اور کل کی وقتی نماز وقت پر پڑھے یعنی روزانہ ہی قضا کرنے کی عادت نہ بنائے ایک دفعہ غلطی سے اور سستی سے قضا ہوگئی اور اس کا گناہ بھی نہ ہوا اب روزانہ ہی اگر

جان بوجھ کر قضا کرے گا تو گناہ ہوگا۔ اس سارے بحث کا خلاصہ یہ نکل آیا کہ اگلے دن اُسی وقت کے آنے پر دوبارہ قضا کرنے کے بارے میں علما کے تین قول ہو گئے۔ ۱۔ اس کا کوئی احتمال نہیں اور احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ ۲۔ ایک دفعہ یاد آنے پر تو قضا کرنی واجب ہے پھر دوبارہ جب وہی وقت آئے تو دوبارہ قضاء کرنی مستحب ہے ۳۔ یہ دوبارہ قضاء کرنے کا امر استحبابی بھی ہے اور اس کا تعلق بھی صرف خواص سے ہے جن کا مسلک یہ ہوتا ہے۔

بردل سالک ہزاراں غم بود گرز باغ خلالے کم بود

لا کفارۃ لھا الا ذلک:۔ اس کے راجح معنیٰ یہی شمار کئے گئے ہیں کہ اس نماز چھوٹنے کا تدارک صرف ایک دفعہ قضا کر لینا ہے دوبارہ روزے رکھنا اس قسم کا کوئی کفارہ نہیں ہے البتہ اگر موت کے وقت نمازیں قضا باقی ہیں تو وصیت کر جائے کہ اتنی باقی ہیں ان کا فدیہ دے دیا جائے تو پھر ثلث مال میں سے ہر نماز فرض اور وتر کا فدیہ ایک صدقہ فطر کے برابر خیرات کرنا ہے۔ یاد آنے پر

قضا کرنے کے وقت میں اختلاف

عندا اما منا ابی حنیفۃ اگر مکروہ وقت میں بیدار ہو یا مکروہ وقت میں یاد آئے تو مکروہ وقت میں قضا کرنے سے قضا صحیح نہ ہوگی سوائے اُس دن کی عصر کے بلکہ مکروہ وقت گذارنے کے بعد قضا کرے و عندا الجمھور مکروہ وقت میں بھی اُٹھے نیند سے یا نسیان دور ہو تو فوراً اگر قضا کر لے تو وہ قضا صحیح ہو جائے گی لنا۔ ۱۔ فی مسلم عن عقبۃ ابن عامر و اوقات مکروہہ والی روایت ۲۔ حدیث الباب عن انس مرفوعاً لیلۃ التعریس کا واقعہ کہ رات بھر سفر فرمایا اخیر رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے آرام فرمایا حضرت بلال نے خود اپنے آپ کو پہرے کے لئے پیش فرمایا کہ میں جاگتا رہونگا اور فجر کی نماز کے لئے جگا دونگا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب صحابہ کرام سو گئے حضرت بلال کجاوے پر ٹیک لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے کہ ابھی طلوع فجر ہوتا ہے تو اذان دیتا ہوں ان کو بھی نیند آ گئی سب حضرات طلوع شمس ہونے پر اٹھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہاں سے آگے چلو چنانچہ سب آگے چلے حتیٰ کہ جب ارتفاع شمس ہو گیا تو نماز پڑھی ہم اس واقعہ سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ فوراً قضا نہ فرمائی بلکہ ارتفاع شمس کا انتظار فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ ارتفاع سے پہلے کا وقت مکروہ تھا اس کا گذرنا مقصود تھا۔ سوال تاخیر کا سبب قضاء حاجات تھا مکروہ وقت کا گذارنا نہ تھا اس لئے آپ کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ جواب۔ روایات میں صراحتہ ہے کہ ارتفاع شمس کے بعد سواریوں سے اُترے پھر قضاء حاجات ہوئیں پھر نماز ہوئی۔ سوال۔ اُس جگہ پر شیطان کا اثر تھا صرف شیطان کے اثر سے بچنا مقصود تھا۔ مکروہ وقت گذارنا مقصود نہ تھا۔ جواب۔ ۱۔ وساوس کی وجہ سے نماز نہیں چھوڑی جاتی جیسے حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نماز میں شیطان کو پکڑنے کا ارادہ فرمایا نماز توڑ دینا شیطان کے آنے کی وجہ سے ثابت نہیں ہے۔ ۲۔ یہ بھی وجہ تھی کہ شیطان کے اثر والے مکان سے بچنا مقصود تھا اور یہ بھی وجہ تھی کہ شیطان کے اثر والے زمان سے یعنی مکروہ وقت سے بچنا مقصود تھا دونوں مقصدوں میں کوئی تعارض اور منافات نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں وجمھور حدیث الباب یعنی لیلۃ التعریس والا واقعہ کیونکہ اس میں یہ لفظ بھی مرفوعاً ثابت ہیں فلیصلھا اذا ذکرھا اس کے معنیٰ ہیں کہ جب بھی یاد آئے خواہ وقت مکروہ ہو یا صحیح ہو نماز پڑھ لے۔ جواب ۱۔ اذا بیان شرط کے لئے ہوتا ہے متیٰ عموم اوقات کے لئے ہوتا ہے یہاں اذا ہے۔ ۲۔ معنیٰ یہ ہیں فلیصلھا صلوۃ صحیحۃ اور وقت مکروہ میں صلوٰۃ صحیحہ نہیں پائی جاتی۔ ۳۔ ہماری دلیل محرم ہے اور آپ کی مبیح ہے اور محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ ۴۔ ہماری روایت کو متواتر بھی کہا گیا ہے اس لئے اس کی سند اقویٰ ہے۔ ۵۔ اوقات مکروھہ مستثنیٰ ہیں۔

واقم الصلوۃ للذکریٰ

یہاں دو قرائتیں ہیں۔ ۱۔ لِذِکْرِیْ ۲۔ للذکریٰ ان دونوں قرائتوں کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ پہلے معنیٰ دوسری قرأت کے زیادہ قریب ہیں۔ باقی معانی دونوں قرائتوں میں برابر درجہ میں

جاری ہوتے ہیں۔ ا۔ جب میں نماز یاد کرادوں۔ ۲۔ تا کہ تم مجھے نماز میں یاد کرو۔ ۳۔ تا کہ میں تجھے مدح کے ساتھ یاد کروں۔ ۴۔ جس وقت تم بھولنے کے بعد میرے حکم کو یاد کرلو۔ ۵۔ میں جو تجھے انعامات میں یاد رکھتا ہوں اس کا شکر ادا کرنے کے لئے نماز قائم کر۔ ۶۔ میں نے تجھے اپنے ذکر کی توفیق دی ہے اس کا شکر کرنے کے لئے نماز قائم کر۔ ۷۔ صرف مجھے یاد کر اور صرف میری طرف توجہ کر نماز میں کسی اور کی طرف توجہ نہ کر۔ ۸۔ اس مقصد کے لئے نماز قائم کر کہ تو میرے امر صلوٰۃ کو یاد رکھنے والا ہے۔ ۹۔ اس لئے نماز پڑھ تا کہ تو نماز میں میرے اوامر ونواہی کو یاد کرے کیونکہ تو نماز میں میری طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور یاد کرنے کے بعد تو ان پر عمل بھی کر لے اور نماز کے بعد تو میرے سب اوامر ونواہی پر عمل کرنے والا بن جائے ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر۔ ۱۰۔ ذکر سے مراد نماز ہی ہے۔ تو نماز پڑھ تا کہ تو ذکر کی طرف یعنی نماز کی طرف متوجہ ہو جائے اور نماز کی طرف توجہ یہ میری طرف ہی توجہ ہے۔ ۱۱۔ نماز کے وقتوں میں نماز قائم کیا کر کہ یہ میرے ذکر کے وقت ہیں ای اقم الصلوۃ لاوقات ذکری ای فی اوقات ذکری۔ ۱۲۔ نماز قائم کر میرے ذکر کی وجہ سے یعنی اس وجہ سے کہ میں نے کتاب میں نماز کو ذکر کیا ہے۔ ۱۳۔ اخلاص کے ساتھ نماز پڑھ اس میں صرف میرا ذکر مقصود ہو میرا غیر اس میں مقصود نہ ہو نہ مال نہ نام۔

آیت کی لیلۃ التعریس کے واقعہ سے مناسبت

مناسبت یہ ہے کہ جب نماز کا وقت ختم ہو جائے تو یہ کہہ دینا کہ نماز کا تعلق تو وقت مقرر سے تھا جب وہ وقت نہ رہا تو اب قضا بھی نہ ہونی چاہئے ایسا نہیں ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے ہے۔ وقت کے اندر اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے اور وقت گذرنے کے بعد اگرچہ وہ اعلےٰ درجہ کا ذکر تو نہ رہا لیکن عام ذکر میں تو پھر بھی داخل ہے اس لئے قضا کی جائے گی۔

باب قضاء الصلوٰۃ الاولی فالأولی

غرض یہ ہے کہ قضا نمازوں میں ترتیب کا لحاظ ضروری ہے فعند الشافعی ترتیب ضروری نہیں عند الجمھور ضروری ہے: لنا حدیث الباب عن جابر مرفوعاً فصلیٰ بعد ما غربت الشمس ثم صلی المغرب جب وقتی نماز سے پہلے قضا پڑھی اور وقت کی فضیلت بھی چھوڑی تو صرف قضا نمازوں میں ترتیب کا لحاظ بطریق اولیٰ ہے وللشافعی جب پانچ سے زائد نمازوں میں بالا جماع ترتیب معاف ہے تو کم میں بھی معاف ہی ہونی چاہئے۔ جواب وہاں حرج ہے اور کم میں حرج نہیں ہے۔

باب ما یکرہ من السمر بعد العشاء

غرض یہ ہے کہ قصہ گوئی مکروہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں اگر تحریمی ہوتی تو کسی وقت بھی جائز نہ ہوتی۔

و السامر ھھنا فی موضع الجمع

ا۔ فی قولہ تعالےٰ سامرا تھجرون. ۲۔ ہر موضع جمع میں یہ سامر کا لفظ جمع کے معنیٰ میں آجاتا ہے حاصل یہ کہ مفرد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس ھھنا کا اشارہ گذشتہ عبارت میں والجمع السّمار کی طرف ہے۔

باب السمر فی الفقہ و الخیر بعد العشاء

غرض یہ ہے کہ بقدر ضرورت دین کی باتوں میں حرج نہیں اور فقہ کا خصوصی ذکر اہمیت کی وجہ سے ہے اس کی تائید ترمذی کی روایت سے بھی ہوتی ہے عن عُمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یسمر ھو وابوبکر فی امر من امور المسلمین وانا معھما اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن بھی قرار دیا ہے۔

کان شطر اُللیل یبلغہ

شطر کان کا اسم ہے اور یبلغہ اس کی خبر ہے۔

قال قرۃ ھو من حدیث انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی قال الحسن یہ حضرت حسن بصری کا مقولہ نہیں گذشتہ حدیث کا حصہ ہے پھر مرفوع نہیں موقوف ہے حضرت انس کا قول ہے۔

باب السمر مع الضيف والاهل

یعنی اس کی بقدر ضرورت گنجائش ہے کیونکہ یہ اداء حقوق کے درجہ میں ہے لیکن فقہ سے درجہ اس کا کم ہے۔ **تعشّی**:۔ پہلے تعشّی کے معنی کھانا کھایا دوسرے تعشّی کے معنی آرام فرمایا۔ **یاغنثر**:۔ اے کمینے۔ **فجدّع**:۔ کان کٹنے کی بد دعاء کی اور تنبیہ مقصود تھی۔ **کلوالا هنیئاً** یہاں اختصار ہے تفصیل یہ ہے کہ جب پتہ چل گیا کہ لڑکے عبدالرحمن کا تصور نہیں ہے مہمانوں نے خود ہی انکار کیا ہے تو مہمانوں سے فرمایا کھالو خوشگوار نہ ہوا انہوں نے قسم کھالی کہ آپ سے پہلے نہ کھائینگے حضرت صدیقؓ نے بھی قسم کھالی کہ میں نہ کھاؤں گا پھر حضرت صدیقؓ نے قسم توڑ دی تو کھانے میں برکت ہوگئی۔

قالت لا وقرة عيني

ا۔ لا نافیہ ای لاشئی الا ما اقول۔ ۲۔ لا زائد۔ پھر واو قسمیہ لفظ ربّ محذوف ہے وربّ قرة عيني **فاصبحت عنده**:۔ صبح کے وقت کھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا **ففرقنا اثنى عشر رجلا**:۔ وہ معاہدہ والے لوگ آگئے ہم نے ان کو ۱۲ سرداروں میں تقسیم کیا ہر سردار کے ساتھ کچھ آدمی تھے سب نے برکت والا کھانا کھایا۔

بفضلہ تعالےٰ جلد اول ختم ہوئی

کتبہ الاحقر محمد سرور عفی عنہ

۲۸ صفر ۱۴۱۰ھ

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کے حجرہ خاص تھانہ بھون میں یہ شعر لکھے ہوئے تھے ؎

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

الخیر الجاری
شرح
صحیح البخاری
جلد ثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الاذان

کتاب المیقات کے بعد کتاب الاذان رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اذان سے بھی وقت ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے لغت میں اذان کے معنی اعلام کے ہیں۔شریعت میں اذان کے معنی ہیں اعلام وقت الصلوٰۃ بالفاظ مخصوصۃ پھر اذان کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں دین کے اہم امور کا ذکر ہے۔(۱) اللہ تعالیٰ کے وجود کا ذکر ہے کیونکہ جب اکبر ہونے کا ذکر آیا تو وجود کا ذکر خود آ گیا۔۲۔توحید کا ذکر ہے۔ ۳۔رسالت کا۔۴۔نماز کا۔۵۔کامیابی کا ذکر ہے جو نماز کی وجہ سے آخرت میں حاصل ہوگی۔ پھر کلمات اذان میں جو تکرار ہے یہ تجدید ایمان کا سبب ہے تاکہ نماز میں ایمان کامل کے ساتھ شروع ہو۔

فوائد الاذان: ۱۔وقتِ صلوٰۃ شروع ہونے کی اطلاع کرنا۔ ۲۔توحید رسالت اور قیامت کا اعلان اور یہ تینوں امہات المسائل کہلاتے ہیں اور یہی تین مسئلے ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں بہت کثرت سے ہے۔۳۔سب سے افضل عبادت یعنی نماز کی طرف بلانا۔۴۔آخرت کی کامیابی کی طرف بلانا۔۵۔شعائر اسلام کا اظہار۔ ۶۔شیطان کو بھگانا۔اتنے فوائد والی چیز اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے اسی لیے اذان کے بارے میں مرفوعاً وارد ہے۔انھا لرویا حق۔

ایک نکتہ:۔ اذان جو ابتداً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جاری نہ ہوئی بلکہ صحابہ کے خوابوں سے جاری ہوئی اس میں ایک حکمت اور نکتہ یہ بھی ہے کہ اذان میں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک کی بہت بلندی ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہوا کہ دوسروں کی زبان سے اس کا اجراء ہو۔

باب بدء الاذان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس میں اذان سنائی گئی تھی پھر ساتویں آسمان پر سنائی گئی تھی جیسا کہ روایات سے ثابت ہے، پھر جب حضرت عبداللہ بن زید نے اپنی خواب کا ذکر کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں اذانیں یاد آ گئیں۔ پھر متعدد صحابہؓ کی خوابوں سے بھی اسی اذان کی تائید ہوئی ان خواب دیکھنے والوں میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ہیں۔ پھر ان دو آیتوں سے بھی تائید ہوگئی جن کو امام بخاری نے ذکر فرمایا ہے۔

اذان کب شروع ہوئی

۱۔ہجرت کے بعد پہلے سال میں ۱۔۲ھ میں۔

آیتیں شروع میں لانے کی وجہ

۱۔تبرک۔۲۔یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اذان مدینہ منورہ میں شروع ہوئی کیونکہ یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں۔

باب کی غرض:۔اذان کی ابتداء کا بیان ہے جو بالکل ظاہر ہے۔

سوال:۔امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ مشروعیت اذان کی مفصل حدیث کیوں نہ لائے۔ جواب۔ مفصل روایت ان کی شرط پر نہ تھی۔ اُمِرَ:۔ یہ صیغہ مجہول اس لیے کیا گیا کہ حضرت انس اس مجلس میں حاضر نہ تھے جس میں اذان کی ابتداء ہوئی ہے۔

کلمات اذان میں اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ و احمد اذان کے کلمات پندرہ (۱۵) ہیں

شروع میں تربیع یعنی اللہ اکبر چار دفعہ ہے اور درمیان میں عدم ترجیع ہے کہ شہادتین صرف دو دو دفعہ ہیں چار چار دفعہ نہیں ہیں وعند الشافعی انیس ۱۹ کلمات ہیں یعنی تربیع مع الترجیع ہے ترجیع کی صورت یہ ہے کہ شہادتین پہلے دو دو دفعہ آہستہ آواز کے ساتھ پھر دو دو دفعہ پوری قوت کے ساتھ کہے وعند مالک سترہ کلمات ہیں ترجیع بلا تربیع یعنی شروع میں اللہ اکبر دو دفعہ ہے۔ لنا:۔ ۱- فی ابی داؤد عن عبداللہ بن زید مرفوعاً تقول اللہ اکبر اللہ اکبر الحدیث اس میں جو خواب کی اذان حضرت عبداللہ بن زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی اس میں پندرہ کلمات ہیں۔ ۲- فی ابی داؤد النسائی عن ابن عمر قال انما کان الاذان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتین مرتین. ۳- صحیحین کی روایت جو یہاں مذکور ہے عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان' و للشافعی روایته ابی داؤد عن ابی محذورة مرفوعاً ثم ترفع صوتک بالشهادة۔ جواب:۔ ابن ماجہ میں اس واقعہ کی تفصیل مذکور ہے کہ سفر میں مکہ مکرمہ کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن نے اذان دی تو مشرکین کے لڑکوں نے نقل اتاری ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا۔ حضرت ابو محذورہ سے اذان دلوائی انہوں نے شہادتین کو آہستہ آہستہ کہا کیونکہ شہادتین ان کے شرک کے عقیدہ کے خلاف تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا رقم کی تھیلی دی۔ دعاء کی وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کو حکم دیا کہ شہادتین پورے زور سے کہو تو انہوں نے شہادتین زور زور سے کہیں۔ اذان کے بعد انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ مجھے مکہ مکرمہ کا موذن بنا دیا جائے آپ نے اجازت دے دی وہ مکہ مکرمہ میں ترجیع کے ساتھ اذان دیتے رہے دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اذان کو سنا ہو یہ ثابت نہیں ہے۔ لمالک ابی داؤد کی ایک روایت میں حضرت ابو محذورہ سے ہی ہے اس میں ترجیع ہے اور شروع میں اللہ اکبر دو دفعہ مذکور ہے جواب ہماری روایت ذکر تربیع میں مثبت زیادہ ہے اور اصول یہی ہے کہ جب نافی زیادۃ اور مثبت زیادہ میں تعارض ہو تو مثبت زیادۃ کو ترجیح ہوتی ہے۔

اقامت کے کلمات میں اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ مسنون سترہ کلمات ہیں عند الشافعی و احمد گیارہ کہ قدقامت الصلوٰۃ دو دفعہ باقی کلمات شہادتین اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح اور اخیر میں کلمہ طیبہ ایک ایک دفعہ اور اللہ اکبر شروع میں بھی اور اخیر میں بھی دو دو دفعہ ہے۔ وعند مالک دس کلمات ہیں کہ قدقامت الصلوٰۃ ایک دفعہ باقی امام شافعی کی طرح۔ لنا:۔ ۱- فی الترمذی عن عبداللہ بن زید کان اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفعاً شفعاً فی الاذان و الاقامة. ۲- فی ابی داؤد و الترمذی عن ابی محذورة ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم علمه الاذان تسع عشرة کلمة والاقامة سبع عشرة کلمة. ۳- فی الطحاوی عن الاسود عن. بلال انه کان یثنی الاذان و یثنی الاقامة. وللشافعی و احمد. ۱- صحیحین کی روایت جو بخاری شریف کے اسی باب میں ہے عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان ویوترالاقامة زاد حماد فی حدیثه الا الاقامة. ۲- فی ابی داؤد عن ابن عمر قال انما کان الاذان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتین مرتین والاقامةمرة مرة غیران یقول قد قامت الصلوٰۃ قدقامت الصلوٰۃ. دونوں دلیلوں کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو کلموں کو ایک سانس میں کہنا مراد ہے اس لئے صرف یہ ثابت ہوا کہ اقامت جلدی کہی جاتی ہے کلمات سب اذان والے ہوتے ہیں اور دو دو بار ہوتے ہیں۔ سوال:۔ پھر الا الاقامۃ کے معنی کیا ہوئے دو دفعہ تو یہ بھی ہے اس کو الا کے ساتھ کیوں ذکر کیا گیا ہے جواب ایک تو یہ ہے کہ یہ لفظ مدرج ہے کسی راوی نے بعد میں بڑھا دیا ہے اصل حدیث میں نہیں ہے۔ اسی لئے بعض روایتوں میں ہے بعض میں نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ معنی یہ ہیں اقامت

کے کلمات اذان کی طرح ہیں سوائے اقامت کے۔ ولما لک یہی حضرت انس والی روایت اور الا الاقامۃ یا تو مدرج ہے یا ہمارے قول کی طرح ماول ہے۔ جواب وہی جوابھی گزرا۔

یا بلال قم فناد بالصلوٰۃ

سوال۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے گھر پر اذان سنی اور اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے جلدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں اس روایت میں ہے کہ ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا یہ تو تعارض ہے جواب یہاں الصلوٰۃ جامعۃ پکارنے کا حکم ہے اور جس اذان کو سن کر حضرت عمر گھر سے آئے تھے وہ اللہ اکبر والی اذان ہے۔ پہلے الصلوٰۃ جامعۃ پکارنے کا مشورہ ہوا تھا بعد میں اللہ اکبر والی اذان خواب میں سنائی گئی تھی۔ پھر اس زیر بحث روایت کا باب سے ربط یہ ہے کہ الصلوٰۃ جامعۃ کا مشورہ بھی ان ہی مشوروں میں شامل ہے جو اذان کی ابتدا کے موقعہ میں ہوئے تھے۔

باب الاذان مثنیٰ مثنیٰ

اس باب کا مقصد ترجیع کے مسنون ہونے کا رد کرنا ہے۔

باب الاقامۃ واحدۃ الاقولہ قدقامت الصلوٰۃ

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ اقامت میں اولیٰ ایتار ہے

باب فضل التاذین

سوال۔ فضل الاذان کیوں نہ فرمادیا۔ جواب اس حدیث میں چونکہ تاذین کا لفظ تھا اس لفظ کی رعایت کرتے ہوئے تاذین فرمایا۔

ولہ ضراط: ۱- شیطان بدحواس ہو جاتا ہے اور اس کی ہوا خارج ہو جاتی ہے۔ ۲- شیطان بطور استہزاء کے ہوا خارج کرتا ہے۔ ۳- صرف بدحواس ہونے سے کنایہ ہے ہوا نکلنی ضروری نہیں پھر اس بدحواسی کی وجہ کیا ہے۔ ۱- اذان میں شعائر اسلام ہیں ان کو سننا برداشت نہیں کرسکتا۔ ۲- اذان میں ایسی ہیبت ہے کہ اس حواس ٹھیک نہیں رہتے پھر اس شیطان کا مصداق ۱- ابلیس ہے ۲- ہر سرکش جن ہے پھر باب کا مقصد اذان کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب رفع الصوت بالنداء

اس باب کا مقصد آواز بلند کرنے کی فضیلت بیان کرنا ہے۔

اذن اذانا سمحا: بغیر نغمہ کے اذان دو تا کہ اذان بلند آواز والی ہو۔

باب مایحقن بالاذان من الدماء

گذشتہ دو بابوں میں اذان کے دو فائدے مذکور تھے۔
۱- نماز کے لئے اجتماع۔ ۲- موذن کے حق میں قیامت کے دن شجر وحجر گواہی دیں گے اب تیسرا فائدہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کو جس بستی میں اذان ہو اس پر مسلمان حملہ نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی بستی ہے چوتھا فائدہ اگلے باب میں بیان فرمائیں گے کہ اذان سننے سے اور اس کا جواب دینے سے ثواب ملتا ہے۔

باب مایقول اذاسمع المنادی

اس باب کی غرض اذان کا جواب ذکر کرنا ہے، پھر اذان کے جواب میں اختلاف ہے عندامامنا ابی حنیفۃ اذان والے کلمات ہی کا اعادہ کیا جائے لیکن **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا جائے جمہور ائمہ کی ایک روایت تو ہمارے امام صاحب کی طرح ہی ہے اور دوسری روایت یہ بھی ہے کہ سب کے سب کلمات کے جواب میں وہی کلمات دہرائے جائیں جو موذن نے کہے ہیں۔ **لنا فی ابی داؤد عن عمر بن الخطاب مرفوعاً ثم قال حی علی الصلوٰۃ قال لاحول ولا قوۃ الا باللہ. للجمھور فی ابی داؤد عن ابی سعید مرفوعاً اذا سمعتم النداء فقولوامثل مایقول الموذن** جواب یہ مثل کہنا اکثر کلمات کے لحاظ سے ہے کہ اکثر کلمات میں وہی کلمات دہرائے جاتے ہیں سب کلمات کے لحاظ سے نہیں فرمایا۔ یہ توجیہ ضروری ہے تا کہ روایات میں تعارض نہ رہے پھر ابن العربی اور بعض مشائخ اس کے قائل ہو گئے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں یہ کلمات بھی کہے اور ساتھ ساتھ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** بھی

12

کہے۔ اس قول پر اور جمہور کے قول پر اشکال ہے کہ یہ تو بظاہر موذن کے ساتھ استہزاء ہے کہ جب موذن کہے حی علی الصلوٰۃ جلدی کرو نماز پر تو نعوذ باللہ باہر کھڑا آدمی بھی کہے کہ تم بھی جلدی سے باہر آؤ اور باہر آ کر نماز پڑھو جواب۔ ۱- یہ خطاب موذن کو نہیں بلکہ سننے والا اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے نفس جلدی کرو نماز پر اور مسجد میں جا کر نماز پڑھو۔ ۲- خطاب کسی کو بھی نہیں صرف کلمات کا دہرانا ثواب لینے کے لئے ہے۔

باب الدعاء عندالنداء

باب کا مقصد اس دعا کا بیان ہے جو اذان کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

هذه الدعوة التامة

۱- تامہ اس لئے ہے کہ اس میں شریعت کے اصول صراحتۃً یا اشارۃً آ گئے جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ۲- اب اس اذان کو کوئی شریعت منسوخ نہ کر سکے گی۔

والصلوٰة القائمة

اس نماز کے پروردگار جو ابھی قائم ہونے والی ہے۔ ۲- اس نماز کے پروردگار جو قیامت تک قائم ہوتی رہے گی۔ **الوسيلة**:۔ جنت کا ایک خاص مرتبہ جو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا۔ **والفضيلة**: باقی مخلوق پر زائد مرتبہ پھر یہ لفظ۔ ۱- عطف تفسیری ہے اور زائد مرتبہ وہی وسیلہ والا مراد ہے۔ ۲- تعمیم بعد تخصیص ہے کہ کئی مرتبے ایسے ملیں گے جو باقی مخلوق پر زائد ہوں گے ان مراتب میں سے ایک کا نام وسیلہ ہے باقی اس کے علاوہ ہیں۔ **مقاماً محمودا**: مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد شفاعۃ کبریٰ ہے کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن حساب کتاب شروع ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارش کریں گے اور کوئی شخص یہ سفارش نہ کر سکے گا اور اس کو مقام محمود اس لئے کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر سب اولین وآخرین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد کریں گے کیونکہ سب کو اس سفارش کی وجہ سے انتظار کی تکلیف سے نجات ملے گی۔ **الذی وعدته**: وعدہ اس آیت میں ہے **عسى ان يبعثك ربك مقاماً محموداً**۔ سوال: جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ یہ درجہ شفاعۃ کبریٰ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا تو پھر ہمارا دعا کرنا تو بے کار ہوا۔ جواب: اس دعا کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت اور فضیلت دنیا میں ظاہر ہوتی ہے۔

حلت له شفاعتي: یہ حسن خاتمہ کی بشارت ہے کہ جو یہ دعا پڑھتا رہے گا اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور میری شفاعت ملے گی کیونکہ ایمان کے بغیر شفاعت صغریٰ کسی کو نصیب نہ ہوگی اور یہاں شفاعت صغریٰ ہی مراد ہے۔ شفاعت کبریٰ تو سب کے لئے ہے کہ سب کا حساب کتاب شروع ہو جائے۔ شفاعت کے لغوی معنی ملانے کے ہوتے ہیں یہاں بھی ایمان کے انعام کے ساتھ نجات کا انعام ملا دیا جاتا ہے پھر اس دعا میں ہاتھ اٹھانے کو مباح کا درجہ کہا جائے گا۔ سنت اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اس موقعہ میں خاص طور پر ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے اور بدعت بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ نفس دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ یہ موقعہ بھی نفس دعا میں شامل ہے۔

باب الاستهام في الاذان

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ اذان دینا اتنا بڑا فضیلت کا کام ہے کہ سب کو اس کا شوق ہونا چاہئے اور اس شوق کی وجہ سے قرعہ اندازی کی نوبت آنی چاہئے کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ ہو کہ کون اذان دے۔

والصف الاول: صف اول کا مصداق کیا ہے۔ ۱- پہلی قطار۔ ۲- جہاں امام اور مقتدی کے درمیان مقتدیوں کے سوئی کوئی چیز دیوار منبر وغیرہ حائل نہ ہو اگرچہ دوسری قطار میں ہوں یا آٹھویں دسویں قطار میں ہوں۔ ۳- پہلی قطار میں جتنے آدمی آتے ہیں اتنے آدمی جو مسجد میں پہلے آئے ہوں اگرچہ کسی بھی قطار میں کھڑے ہو گئے ہوں۔ مثلاً پہلی قطار میں پچاس آدمی آتے ہیں تو مسجد میں جو پچاس آدمی پہلے داخل ہوں وہ صف اول ہیں اگرچہ کسی قطار میں کھڑے ہو جائیں۔ ان تینوں قولوں میں سے پہلے قول کو

راجح شمار کیا جاتا ہے۔ **التهجير**: اس کے معنی ہیں اول وقت میں نماز کے لئے تیاری کرنا یہ معنی نہیں کہ ہر نماز کو اول وقت میں پڑھ لینا ہی اولیٰ ہے کیونکہ اسفار کی فضیلت اور ابراد کی فضیلت احادیث میں صراحۃً مذکور ہے اور ان دونوں میں نماز دیر سے پڑھی جاتی ہے۔

باب الكلام في الاذان

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے اذان کے درمیان کلام کرنی جائز ہے۔ اور استدلال یوں فرمایا کہ اس باب کی روایت میں اذان کے درمیان **الصلوٰة في الرحال** کا اعلان حضرت ابن عباس نے کرایا حالانکہ یہ غیر اذان ہے معلوم ہوا کہ ضرورت کی وجہ سے گفتگو بھی ہو سکتی ہے وہ بھی اسی اعلان کی طرح غیر اذان ہے پھر اس قسم کا اعلان کرنے میں اختلاف ہوا۔ عند احمد اثناء اذان میں **صلوا في رحالكم** جیسی زیادتی میں کچھ حرج نہیں وعند الجمہور درمیان میں ایسی زیادتی خلاف اولیٰ ہے البتہ اخیر میں ایسے اعلان کا کچھ حرج نہیں ہے۔ لنا: کلمات اذان متعین ہیں اس لئے درمیان میں زیادتی اس شرعی تعیین کو بدلنا ہے اس لئے کم از کم خلاف اولیٰ ضرور ہے اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو عن ابن عمر مرفوعاً وارد ہے **يامر المنادى فينادى بالصلوٰة ثم ينادى ان صلوافى رحالكم** اسی طرح ابوداؤد میں ہے **عن ابن عمر موقوفاً فقال فى آخر ندائه الا صلوا فى رحالكم**، لاحمد حدیث الباب **عن عبدالله بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فى يوم ردغ فلما بلغ الموذن حى على الصلوٰة فامره ان ينادى الصلوٰة فى الرحال فنظر القوم بعضهم الى بعض فقال فعل هذا من هو خير منه و انها عزمة** جواب مرفوعاً مطلق زیادتی نقل کرنی مقصود ہے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے درمیان کی زیادتی کو قیاس فرمالیا اس لئے درمیان اذان کی زیادتی مرفوعاً ثابت نہ ہوئی۔ **ردغ**: اور بعض روایات میں رزغ ہے۔ دونوں کے معنی کیچڑ کے ہیں۔

باب اذان الاعمى اذا كان له من يخبره

غرض یہ ہے کہ بتانے والا ہو تو مکروہ نہیں اور اگر بتانے والا نہ ہو تو مکروہ ہے۔

باب الاذان بعدالفجر

امام بخاری کی غرض میں تین قول ہیں۔ ۱- معتبر وہ اذان ہے جو وقت شروع ہونے کے بعد ہو۔ ۲- وقت شروع ہونے کے فوراً بعد بھی اذان دے دینا صحیح ہے۔ ۳- اس باب اور بعد والے باب سے یہ غرض ہے کہ فجر کے طلوع ہونے سے پہلے ایک غرض کے لئے اذان دینی صحیح ہے اور طلوع فجر کے بعد دوسری غرض کے لئے اذان دینی صحیح ہے۔ سوال: جب یہ دو باب باندھنے مقصود تھے باب الاذان بعد الفجر اور باب الاذان قبل الفجر تو قرین قیاس یہ تھا کہ قبل الفجر کا ذکر پہلے ہوتا اور بعد الفجر کا ذکر پیچھے ہوتا۔ جواب۔ ۱۔ اصل اذان بعد الوقت ہی ہے اس لئے اسکو پہلے ذکر فرمایا۔ ۲۔ اذان بعد الفجر میں کوئی اختلاف نہ تھا اس لئے اس کو پہلے بیان فرمایا اور اذان قبل طلوع الفجر میں اختلاف تھا اس لئے اس کو بعد میں بیان فرمایا۔

اعتكف المؤذن: ۱- جب موذن فجر کی اذان کے لئے وقت کا انتظار کرتے ہوئے بیٹھ جاتا کہ وقت ہو جائے تو اذان دے دوں اور پھر صبح ظاہر ہو جاتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ ۲- دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہاں لفظ سکت تھا کہ جب مؤذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھا کرتے تھے ان دو توجیہوں میں سے پہلی راجح ہے۔

باب الاذان قبل الفجر

غرض یہ ہے کہ طلوع فجر سے پہلے اذان کا حکم کیا ہے صحیح ہے یا نہ ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ اس باب کی حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے مسئلہ اختلافی ہے عند امامنا ابی حنیفۃ ومحمد ومالک فجر کی اذان بھی قبل از وقت فجر کی نماز کے لئے کافی نہیں ہے وعند ابی یوسف والشافعی واحمد کافی ہے لنا۔

۱- **فى ابى داؤد عن ابن عمران بلالاذن قبل طلوع الفجر فامره النبى صلى الله عليه وسلم ان يرجع فينادى الاان العبد قدنام** ۲- **فى ابى داؤد عن**

نافع عن موذن لعمر یقال له مسروج اذان قبل الصبح فامره عمر فذکر نحوه. ۳-فی ابی اذؤد عن بلال مرفوعاً لاتوذن حتی یستبین لک الفجر هکذاو مدیدیه. ۴- فی ابی داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً والموذن موتمن اور وقت سے پہلے اذان دینا یہ امانت میں خیانت ہے۔ ۵- جیسے باقی نمازوں میں وقت سے پہلے اذان کافی نہیں ہے اسی طرح فجر میں بھی کافی نہیں ہے لہم۔ ۱- فجر کے وقت میں اشتباہ ہے اگر یقین کا انتظار کریں تو دیر ہو جائے گی۔ جواب تجربہ کار کے لئے کوئی اشتباہ نہیں۔ ۲-فی الترمذی و البخاری عن ابن عمر مرفوعاً ان بلالاً یوذن بلیل اس سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر فرمایا ہوا تھا کہ وہ طلوع فجر سے پہلے اذان دیں اس لئے یہ اذان کافی ہونی چاہئے جواب:۔ اسی حدیث میں آگے یہ بھی تو ہے فکلواواشر بو احتی تسمواتاذین ابن ام مکتوم۔ یہ ترمذی کے الفاظ ہیں اس کے قریب قریب ہی بخاری شریف میں ہیں مقصد یہ ہے کہ رمضان شریف میں دوموذن مقرر فرمائے ہوئے تھے حضرت بلال طلوع فجر سے کچھ پہلے اذان دیتے تھے تاکہ جو سو رہے ہوں وہ اٹھ کر سحری کھالیں اور تہجد پڑھ لیں پھر طلوع فجر ہو جانے پر عبداللہ بن ام مکتوم اذان دیتے تھے۔ یہی فجر کی اذان تھی۔ پس اذان وقت سے پہلے ثابت نہ ہوئی۔ آج کل جو عوام میں مشہور ہے کہ اذان ہوتے ہوتے کھا پی لیں تو روزہ صحیح ہو جاتا ہے یہ اسی صورت میں صحیح ہے کہ کوئی موذن ایسا مقرر ہو جو فجر سے پہلے اذان دیتا ہو اور لوگ اس کی آواز پہچانتے ہوں اور اگر اذان طلوع فجر ہونے پر ہوئی ہے تو اذان کے دوران ایک قطرہ پانی پینے سے بھی روزہ باطل ہو جائے گا۔ **باب کم بین الاذان والاقامة:** امام بخاری کی غرض ۱- اذان واقامت کے درمیان اتنی مقدار ہونی چاہئے کہ کم از کم دو رکعت نماز پڑھی جا سکے۔ ۲- امام بخاری کی غرض ایک حدیث کا ضعف بیان کرنا ہے کہ ایک حدیث میں جو اذان اور اقامت کے درمیان خاص مقدار مذکور ہے وہ حدیث قابل اعتماد نہیں ہے اور صحیح یہی کہ دو رکعت کی مقدار ہونی چاہئے وہ حدیث ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہے عن جابر ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لبلال اجعل اذانک و اقامتک قدر مایفرغ الا کل من اکله والشارب من شربه والمعتصر اذادخل لقضاء حاجة۔

ومن ینتظر اقامة الصلوٰة

بعض نسخوں میں یہ زیادتی نہیں ہے اور جن نسخوں میں ہے تو مقصد یہ ہے کہ انتظار اقامت صلوٰۃ کی بہت فضیلت ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے وباب یذکر فیه من ینتظر اقامة الصلوٰة

ولم یکن بین الاذان والاقامة شتی

ای شی کثیر یعنی تنوین تفخیم کے لئے ہے اذان واقامت کے درمیان زیادہ وقفہ نہ تھا۔ اس معنی کی تائید اگلی روایت سے ہوتی ہے کیونکہ اس میں یوں ہے لم یکن بینهما الاقلیل

باب من انتظر الاقامة

امام بخاری کی غرض میں اقوال: ۱- اقامت کا انتظار کرنے والے کی فضیلت۔ ۲- اگر گھر پر اقامت سن سکتی ہے تو گھر پر انتظار کر لینا کافی ہے۔ ۳- امام کے لئے اور مسجد کے قریب گھر والے کے لئے گھر پر اقامت کا انتظار کرنا کافی ہے۔

باب بین کل اذانین صلوٰة لمن شاء

باب کا مقصد یہی مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔ اس میں مغرب کی اذان بھی آ گئی۔ باقی نمازوں میں تو بالاتفاق نماز ہے مغرب کی نماز میں اختلاف ہے عند احمد مغرب کے فرضوں سے پہلے دو رکعت مستحب ہیں جمہور ائمہ کے نزدیک مغرب میں مستحب نہیں ہیں۔ ہماری جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کی نماز میں تعجیل اولیٰ ہے۔ اس کا تقاضیٰ یہی ہے کہ دو رکعت اس موقعہ میں مستحب

نہ ،ہوں ولاحمد حدیث الباب عن عبداللہ بن مغفل مرفوعاً بین کل اذانین صلوٰۃ بین کل اذانین صلوٰۃ ثم قال فی الثالثۃ لمن شاء جواب۔ تعجیل مغرب کا اہتمام اس سے زیادہ اہم ہے اس کی دلیل خلفاء اربعہ کا عمل ہے کہ وہ مغرب کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں نہ پڑھتے تھے۔

باب من قال لیوذن فی السفر موذن واحد

اس باب کی غرض میں مختلف اقوال ہیں۔ ۱- سب مسافروں کے لئے ایک اذان ہی کافی ہے۔ ۲- حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ وہ سفر میں فجر کی نماز کے لئے دو اذانیں دیا کرتے تھے امام بخاری اس عمل کی نفی کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایک اذان ہی کافی ہے۔ ۳- سفر کی قید اتفاقی ہے یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حرمین شریفین میں جو کئی موذن اکٹھی اذان دیتے ہیں یہ ضروری نہیں ہے۔ ۴- اس شخص کا رد کرنا چاہتے ہیں جو اس کا قائل ہوا کہ سفر میں دو آدمیوں کو اذان دینی چاہئے امام نسائی نے باب باندھا ہے۔ ان یوذن رجلان اور اس میں فاذنا والی روایت نقل کی ہے۔ ۵- امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ حضر میں تو متعدد موذنین کا اذان دینا مستحسن ہے کیونکہ لوگ منتشر ہوتے ہیں سفر میں سب قافلہ والے اکٹھے ہوتے ہیں اس لئے وہاں ایک اذان ہی کافی ہے۔ ۶- اذان الجوق کا رد کرنا مقصود ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں ایک ہی وقت کئی موذن اذان دیں۔ امام بخاری کے نزدیک یہ بدعت ہے بنی امیہ نے یہ بدعت شروع کی تھی لیکن حضرت انور شاہ صاحب کشمیری نے اذان جوق کو بدعت کہنے میں تردد فرمایا ہے کیونکہ موطا مالک میں اور بخاری شریف کی کتاب الحدود میں ہے فاذا خرج عمرو جلس علی المنبر واذن الموذنون جلسنا نتحدث فاذا سکت الموذنون وقام عمر یخطب انصتنا فلم یتکلم منا احد۔ ۷- امام بخاری کی غرض اذان جوق کا رد بھی ہے اور فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے دینے کا رد بھی ہے کیونکہ اس باب کی روایت میں فمااذا حضرت الصلوٰۃ فلیوذن لکم احد کم وارد ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد اذان ہونی چاہئے۔

باب الاذان للمسافرین اذا کانوا جماعۃً والاقامۃ

غرض یہ ہے کہ سفر میں اذان اور اقامت دونوں مسنون ہیں اور یہی حکم عرفات ومزدلفہ میں ہے اور سردی اور بارش کی وجہ اپنے اپنے خیموں میں یا گھروں میں پڑھنے کا اعلان بھی جائز ہے۔ گویا یہ تین مسئلے بتلانے مقصود ہیں پھر اذا کانوا جماعۃً کی قید لگا کر منفرد کو نکال دیا کہ اس کے لئے اذان واقامت چھوڑنے کی گنجائش ہے اور سفر میں جماعت کے لئے دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

باب ھل یتبع الموذن فاہ ھھنا وھھنا وھل یلتفت فی الاذان

غرض یہ ہے کہ نماز میں تو استقبال قبلہ شرط ہے اذان میں شرط نہیں ہے۔ وہل یلتفت ماقبل ہی کی تفسیر ہے۔

وکان ابن عمر لایجعل الصبعیہ فی اذنیہ

ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری ابن عمر کے عمل کو ترجیح دینا چاہتے ہیں کہ انگلیاں کان میں نہ کرنا اولیٰ ہے اسی لئے امام بخاری نے اس سے پہلے جو حضرت بلالؓ کا عمل کانوں میں انگلیاں کرنے کا ذکر فرمایا ہے وہ صیغہ مجہول سے ذکر فرمایا ہے جو کمزور ہونے کی علامت ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک کانوں میں انگلیاں کرنا ہی اولیٰ ہے کیونکہ حضرت بلالؓ نبی کریمؐ کے سفر وحضر کے مؤذن ہیں۔

فجعلت اتتبع فاہ ھھنا وھھنا بالاذان

۱- حضرت ابوجحیفہ فرمارہے ہیں کہ میں حضرت بلال کے چہرے کو دیکھ رہا تھا کہ وہ دائیں اور بائیں طرف حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں پھیر رہے ہیں۔ ۲- حضرت ابوجحیفہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ میں جب اذان دیتا تھا تو حضرت بلالؓ کا اتباع

کرتے ہوئے بھی اپنے چہرے کو دائیں بائیں طرف پھیرتا تھا۔

باب قول الرجل فاتتنا الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ ایسا کہنا مکروہ نہیں ہے

وکرہ ابن سیرین ان یقول فاتتنا الصلوٰۃ ولکن یقل لم ندرک

ابن سیرین یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ قصور کی نسبت اپنی طرف کرنا بہتر ہے نماز کی طرف فوت کی نسبت کرنا خلاف اولیٰ ہے لیکن امام بخاری اس کا رد فرمارہے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فوت کی نسبت نماز کی طرف فرمادی ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں آرہا ہے ومافاتکم فاتموا تو اسی کو ترجیح ہے اور ابن سیرین کے قول کو ترجیح نہیں ہے۔

باب ما ادرکتم فصلوا ومافاتکم فاتموا

غرض اس حدیث کا بیان ہے۔

باب متی یقوم الناس اذارأو االامام عند الاقامۃ

غرض یہ ہے کہ شروع اقامت میں یا قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اصل مقصد صفوں کا درست کرنا ہے پھر لفظوں میں اذارأوا جواب ہے متیٰ یقوم کا

باب لایسعی الی الصلوٰۃ مستعجلا ولیقم بالسکین والوقار

غرض بھاگنے کی کراہت کا بیان ہے پھر باب کے الفاظ میں وقار کا لفظ سکینہ کے لفظ کی تاکید کے لئے ہے کیونکہ یہ دونوں لفظ مترادف ہیں۔ پھر سکینہ کا مصداق یہ چیزیں ہیں مثلاً ۱-آنکھیں نیچی کر کے چلے۔ ۲- دائیں بائیں نہ دیکھے ۳- نماز کے لئے بھاگ کر نہ جائے۔ ۴- بات کرے تو پست آواز سے کرے۔

باب ھل یخرج من المسجد لعلۃ

اس باب سے غرض اس حدیث کی تفسیر کرنی ہے جو مسلم اور ابوداؤد میں آئی ہے کہ ایک آدمی اذان کے بعد مسجد سے باہر چلا گیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اماھذا فقد عصیٰ ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرہؓ کے اس فرمانے کی عقلی وجہ یہ تھی کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔ یہ جانے والا شیطان جیسا ہو گیا۔ اس کی تفسیر امام بخاری فرمارہے ہیں کہ ضرورت کی وجہ سے باہر جانے کی گنجائش ہے پھر اس واقعہ کی روایات میں تعارض ہے۔ بعض روایات میں اللہ اکبر ادا فرمانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانا مذکور ہے اور بعض میں اس سے پہلے اس کی متعدد توجیہات کی گئی ہیں۔ ۱- بخاری شریف کی روایت میں پہلے جانا مذکور ہے اس لئے قوت سند کی وجہ سے اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ ۲- جس میں بعد میں تشریف لے جانا مذکور ہے اس لئے قوت سند کی وجہ سے اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ ۲- جس میں بعد میں تشریف لے جانا مذکور ہے وہاں معنی یہ ہیں ارادان یکبر اس لئے راجح یہی ہوا کہ پہلے تشریف لے گئے۔ ۳- تکبیر ادا فرمانے کے بعد تشریف لے گئے تھے اور جن روایتوں میں تکبیر سے پہلے تشریف لے جانے کا کر ہے ان کو بیان کرنے والے صحابی راوی صفوں میں پیچھے تھے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تکبیر کی نہ سنی تھی اس لئے یہ خیال فرمالیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر ادا فرمانے سے پہلے تشریف لے گئے۔

باب اذاقال الامام مکانکم حتی نرجع انتظروہ

غرض یہ ہے کہ نیا امام مقرر کرنے سے بہتر ہے کہ اصل امام ہی کا انتظار کیا جائے۔

باب قول الرجل ماصلینا

غرض رد کرنا ہے ان علماء پر جو ماصلینا کہنے کو مکروہ کہتے ہیں کراہت کی ایک دلیل وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کا چھوڑنا گناہ ہے اور گناہ اگر صغیرہ بھی ہو تو اظہار سے کبیرہ بن جاتا ہے جواب یہ کہ بلا ضرورت اظہار برا ہے ضرورت کی وجہ سے اظہار گناہ نہیں ہے۔ دوسری دلیل کراہت والوں کی یہ ہے کہ یہ وہی کہتا ہے جو کوشش کرتا رہا ہو پڑھنے کی پھر کسی عذر سے نماز رہ گئی ہو تو انتظار صلوٰۃ کرنے والا تو نماز پڑھنے والا ہی شمار ہوتا ہے اس لئے ماصلینا کہنا تو جھوٹ بن گیا جواب یہ ہے کہ حقیقۃً نہیں پڑھی اور حکماً پڑھی ہے اس لئے دونوں

میں سے کوئی بات بھی جھوٹ میں داخل نہیں ہے۔

باب الامام تعرض له لحاجة بعدالاقامة

غرض یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے اقامت کہنے کے بعد بھی نماز میں دیر ہو جانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

باب الکلام اذااقیمت الصلوٰة

غرض ان کا رد ہے جو اقامت کے بعد ہر قسم کی کلام کو مکروہ قرار دیتے ہیں، ضرورت کی وجہ سے ہو یا بلاضرورت ہو پھر اس باب کا فرق گذشتہ باب سے دو طرح ہے۔ ا- یہاں کلام ہے پیچھے مطلق حاجت تھی کلام ہو یا کچھ اور ہو۔ ۲- پیچھے حاجت امام کی تھی یہاں عام ہے امام کی حاجت کی وجہ سے گفتگو ہو یا مقتدی کی حاجت کی وجہ سے گفتگو ہو۔

باب وجوب صلوٰة الجماعة

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے پھر جماعت کے درجہ میں فقہا کا اختلاف ہے عند عامة الحنفیة واجب ہے وعنداحمد و فی روایة عن الشافعی فرض عین ہے والراجح عندالشافعی وروایة عن مالک جماعت فرض کفایہ ہے و فی روایة عن مالک وعند بعض الحنفیة جماعت سنت موکدہ ہے لنا فی الوجوب:۔ ا- فی ابی داؤد عن ابی الدردا' مرفوعاً فعلیک بالجماعة. ۲- فی ابی داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً فاحرق علیهم بیوتهم بالنار. ۳- فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً من سمع المنادی فلم یمنعه من اتباعه عذر قالو اومالعذر قال خوف اومرض لم تقبل منه الصلوٰة التی صلی لنافی السنیة مافی ابی داؤد عن ابن مسعود موقوفاً و لو صلیتم فی بیوتکم وترکتم مساجد کم ترکتم سنة بنیکم جواب اس سے ثابت بالسنة مراد ہے اس سے وجوب کی نفی نہیں ہوتی ولاحمد یہی ابن عباس والی روایت جواب خبر واحد ظنی ہے اس سے فرض قطعی ثابت نہیں ہوسکتا۔ ولمالک فی فرض الکفایة یہ تاکید والی مذکورہ روایتیں جبکہ ان کے ساتھ ابوداؤد کی یہ روایت ملالی جائے عن ابی بن کعب مرفوعاً و ان صلوٰة الرجل مع الرجل از کی من صلوته وحده۔ اس میں ازکیٰ کا لفظ ہے جو اولویت پر دلالت کرتا ہے۔ معلوم ہوا ہر واحد کے لحاظ سے جماعت مستحب اور مجموعی طور پر فرض ہے۔ یہی فرض کفایہ ہوتا ہے جواب خبر واحد سے فرض قطعی تو ثابت ہو ہی نہیں سکتا اور باقی رہا ازکیٰ کا لفظ تو اس کے معنی بہتر کے ہوتے ہیں یہ وجوب کی نفی نہیں کرتا۔ کیونکہ واجب غیر واجب سے بہتر ہوتا ہے۔ عرقا:۔ ہڈی گوشت کے ساتھ مرماتین:۔ پائے

باب فضل صلوٰة الجماعة

غرض جماعت کی فضیلت کا بیان ہے۔ جماعت کی فضیلت کی بہت سی وجوہ ہیں۔ ا موذن جب اذان دیتا ہے تو سننے والا اس کا جواب دیتا ہے اس سے ثواب ملتا ہے۔ ۲- نماز کے لئے جلدی پہنچنا موجب ثواب ہے۔ ۳- سکینہ اور وقار کے ساتھ مسجد کی طرف چلنا ثواب کا ذریعہ ہے۔ ۴- مسجد میں داخل ہوتے وقت دخول مسجد کی دعا پڑھتا ہے اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک اس دعا پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ ۵- تحیة المسجد کے دو نفل پڑھتا ہے جو موجب ثواب ہے۔ ٦- انتظار صلوٰة کا ثواب ملتا ہے۔ ۷- مسجد میں فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ ۸- فرشتے اس کے حق میں گواہی دیں گے۔ ۹- جب اقامت کہی جاتی ہے تو یہ نمازی اس اقامت کا جواب دیتا ہے اس کا ثواب اس کو ملتا ہے۔ ۱۰- جب اقامت کہی جاتی ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اتنی دیر یہ نمازی شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ ۱۱- جب اقامت کہی جاتی ہے تو نمازی امام کی تکبیر تحریمہ کا انتظار کرتا ہے کہ امام تکبیر تحریمہ کہے تو میں بھی کہوں۔ اس انتظار کا بھی اس کو ثواب ملتا ہے۔ ۱۲- تکبیر اولیٰ پانے کا اس کو ثواب ملتا ہے پھر تکبیر اولیٰ کا مصداق کیا ہے اس میں چار قول ہیں ایک یہ کہ امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کہہ دے دوسرا یہ کہ امام کے ثناء پڑھتے پڑھتے جماعت کے ساتھ مل جائے تیسرا یہ کہ امام کے آمین کہنے سے پہلے پہلے امام

کے ساتھ مل جائے چوتھا یہ کہ پہلی رکعت مل جائے پہلا قول سب سے زیادہ احتیاط والا ہے۔۱۳- صفیں سیدھی کرنے کا اور خالی جگہ پر کرنے کا ثواب ملتا ہے۔۱۴- جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو اس کے جواب میں مقتدی ربنا لک الحمد کہتا ہے اس کا بھی بہت ثواب ہے جو جماعت میں شریک ہونے والے کو ملتا ہے۔ ۱۵- غالبًا باجماعت نماز میں سہو نہیں ہوتا اور اگر ہو تو مقتدی کو تسبیح کے ذریعہ لقمہ دینے کا یا قرأت کی غلطی بتانے کا ثواب ملتا ہے۔ ۱۶- غالبًا باجماعت نماز خشوع اور توجہ سے ادا ہوتی ہے اور غفلت میں ڈالنے والی چیزوں سے نمازی بچا رہتا ہے۔ ۱۷- نیک لوگوں کی برکت سے ان جیسی نماز پڑھنے کی توفیق ہو جاتی ہے خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ ۱۸- حدیث کے مطابق فرشتے احاطہ کرتے ہیں اس کی برکات نمازی کو نصیب ہوتی ہیں۔ ۱۹- عام طور پر امام اچھا قاری ہوتا ہے نمازی کو سننے سے تجوید کی مشق کا موقعہ ملتا ہے۔ مصر میں آج کل ٹیپ کے ذریعہ سے مشق کراتے ہیں۔ وہی صورت جماعت میں بن جاتی ہے۔ ۲۰- جماعت شعائر اسلام میں سے ہے اس لئے باجماعت نماز پڑھنے والے کو شعائر اسلام کے قائم کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ ۲۱- اجتماع علی العبادۃ و الجماعۃ سے شیطان ذلیل ہوتا ہے اس ذلیل کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ ۲۲ جماعت چھوڑنا منافق کی علامت ہے اس علامت سے یہ شخص بچ گیا اور اس بدظنی سے بھی بچ گیا کہ شاید یہ تارک صلوٰۃ ہے۔ ۲۳- امام کو سلام کرنا جواب دینے کی نیت کرنے سے اس کا ثواب بھی مل جاتا ہے۔ ۲۴- اجتماعی دعاء اجتماعی ذکر اور برکت کاملین نصیب ہوتی ہے۔ ۲۵- پڑوسیوں سے محبت اور ان کی ملاقات کا ثواب مل جاتا ہے پھر جہری نماز میں دو سبب زائد مل جاتے ہیں۔ ۱- قرآن پاک کی طرف پوری توجہ کرنا اور خاموش رہنا۔ استماع و انصات ۲- امام کی آمین کے ساتھ آمین کہنا تاکہ فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافقت ہو جائے۔ اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بعض روایات میں جماعت کا ثواب ۲۵ گنا ہے

اور بعض میں ۲۷ گنا ہے ان دو قسم کی روایات میں تطبیق یہ ہے کہ سری نمازوں میں جماعت کا ثواب ۲۵ گنا اور جہری نمازوں میں ۲۷ گنا ہے کیونکہ ۲۵ اسباب ثواب کے سب نمازوں میں ہیں اور جہری نمازوں میں دو سبب زائد ہیں۔ ۲۷ گنا ثواب کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اقل جماعت جس میں جماعت کی ہیئت کا پورا لحاظ ہے کہ امام آگے اور مقتدیوں کی صف پیچھے ہو وہ تین ہیں۔ ایک امام اور دو مقتدی کیونکہ اگر مقتدی صرف ایک ہو تو وہ امام کے برابر کھڑا ہوتا ہے اور جماعت کی اصل ہیئت ظاہر نہیں ہوتی پس جب اقل جماعت تین نمازیوں سے ہوئی والحسنۃ بعشرۃ امثالھا تیس نمازوں کا ثواب مل گیا اور تین نمازوں کا تو بلا جماعت بھی ملنا تھا اس لئے تیس میں سے تین کو نکال دیا باقی ۲۷ بچے اس لئے جماعت میں ۲۷ نمازوں کا زائد ثواب ملتا ہے۔ پھر یہ جو تعارض کا شبہ ہوتا ہے کہ بعض روایات میں جماعت کا ثواب ۲۵ گنا اور بعض میں ۲۷ گنا ہے ان میں تطبیق میں متعدد اقوال ہیں۔ ۱- عدد قلیل کثیر کے منافی نہیں کہ ۲۷ میں ۲۵ بھی ہے اور ۲۵ میں ۲۷ کی نفی نہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں۔ ۲- ۲۵ گنا نفس جماعت کا ثواب ہے اور ۲۷ گنا میں ادنی عدد جماعت کو یعنی دو کو بھی ساتھ ملا لیا گیا ہے اس لئے اگر نمازی تین ہوں گے تو ۲۸ گنا ثواب ہو جائے گا اگر ۴ ہوں گے تو ۲۹ گنا اور اگر ۵ ہوں گے تو ۳۰ گنا ثواب ہو جائے گا۔ علی ھذا القیاس ۳ پہلے ۲۵ گنا ثواب دیا گیا تھا پھر مزید انعام نازل ہوا اور ثواب ۲۷ گنا کر دیا گیا۔ ۴ فجر اور عشاء کا ۲۷ گنا باقی ۲۵ گنا ۵- فجر اور عصر کا ۲۷ گنا باقی ۲۵ گنا۔ ۶- جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزرا جہری نمازوں کا ۲۷ گنا اور سری نمازوں کا ۲۵ گنا۔ ۷- جماعت قلیلہ کا ۲۵ گنا اور جماعت کثیرہ کا ۲۷ گنا۔ ۸ خشوع و اخلاص زیادہ ہو تو ۲۷ گنا ورنہ ۲۵ گنا۔ ۹- پوری جماعت پائے تو ۲۷ گنا ورنہ ۲۵ گنا۔ ۱۰- پہلے سے جماعت کے لئے جا بیٹھے تو ۲۷ گنا عین وقت پر پہنچے تو ۲۵ گنا۔ ۱۱- دنیا میں انوار ۲۵ گنا آخرت کا ثواب ۲۷ گنا۔ ۱۲- ۲۷ درجے ۲۵ اجزاء کے برابر ہیں کیونکہ درجہ ذرا چھوٹا ہوتا ہے اور

جز ذرا بڑا ہوتا ہے جیسے ۲۵ بڑی کتابیں ۲۷ چھوٹی کتابوں کے برابر ہوں۔ ۲۵ بڑے مکان ۲۷ چھوٹے مکانوں کے برابر ہوں۔ ۱۳ مسجد کے اندر جماعت ہو تو ۲۷ گنا باہر ہو تو ۲۵ گنا۔ ۱۴- قریب سے چل کر مسجد میں آئے تو ۲۵ گنا دور سے چل کر آئے تو ۲۷ گنا۔

وجاء انس الی مسجد قد صلی فیه فاذن و اقام و صلی جماعةً

جماعت ثانیہ میں اختلاف ہے عند احمد جائز ہے بلا کراہت کہ جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو وہاں دوبارہ جماعت کر لی جائے تو کچھ حرج نہیں۔ وعند الجمہور مکروہ ہے۔ لنا۔ ۱- فی الطبرانی عن ابی بکرة مرفوعاً کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ کہیں تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو جماعت ہو چکی تھی فمال الی منزله فجمع اهله فصلی لبهم اگر جماعت ثانیہ مکروہ نہ ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل مبارک کو مسجد میں لے آتے اور وہاں جماعت کراتے اور مسجد کے ثواب سے محروم نہ رہتے۔ ۲- بدائع الصنائع میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی جب جماعت فوت ہوتی تھی تو مسجد میں اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے۔ ۳- اگر جماعت ثانیہ مکروہ نہ ہو تو پہلی جماعت کا اہتمام ختم ہو جائے ہر ایک یہ سوچے کہ جب بھی جائیں گے جماعت کر لیں گے اور جماعت جو شعائر اسلام میں سے ہے اور شوکت اسلام کے ظہور کا سبب ہے اس کی یہ شان ختم ہو جائے۔ ولاحمد ۱- فی ابی داؤد عن ابی سعید مرفوعاً ابصر رجلا یصلی وحده فقال الارجل یتصدق علی هذا فیصلی معه جواب اس میں پیچھے نماز پڑھنے والے کی نماز نفلی ہے اس لئے یہ محل نزاع سے خارج ہے اختلاف اس صورت میں ہے کہ امام اور مقتدی دونوں فرض نماز پڑھ رہے ہوں۔ ۲- یہی بخاری شریف کی تعلیقاً روایت جس میں حضرت انس کا عمل مذکور ہے کہ انہوں نے جماعت ثانیہ کی جواب ان کا یہ عمل جمہور صحابہ کے عمل کے خلاف تھا اس لئے جمہور صحابہ ہی کے عمل کو ترجیح ہے جو ہمارے دلائل میں مذکور ہے۔ البتہ چند صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں جماعت ثانیہ بالاتفاق جائز ہے۔ ۱- مسافروں کے لئے کھلی سڑک پر جو مسجد ہو کہ مسافر اس میں آتے ہوں نماز پڑھ کر چلے جاتے ہوں ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ نہیں۔ ۲- جس مسجد کا امام اور مؤذن مقرر نہ ہو اس میں بھی گنجائش ہے۔ ۳- کسی دن اذان عام معمول سے آہستہ ہوئی بعض نماز پہلی جماعت میں شریک نہ ہو سکے ہوں وہاں بھی جماعت ثانیہ کی گنجائش ہے۔ ۴- دو تین آدمیوں نے اہل محلہ سے پہلے ہی جماعت کر لی ہو۔ اصل جماعت کرنے والے بعد میں آئیں تو اب ان کی جماعت ثانیہ بلا کراہت جائز ہے۔

باب فضل صلوٰة الفجر فی جماعة

غرض یہ ہے کہ جماعت کی فضیلت میں قوت وضعف ہے فجر کی جماعت کی زیادہ فضیلت ہے اس باب کا ردِ ماقبل سے یہ ہوا کہ گذشتہ باب میں فضل عام تھا اب فضل خاص ہے۔ سوال۔ امام بخاری نے باب میں جماعت کی قید لگا دی حالانکہ جو حدیث فرشتوں کے حاضر ہونے کی ذکر فرمائی ہے اس میں تو جماعت کی قید نہیں ہے جواب امام بخاری کے نزدیک شرعی نماز باجماعت ہی ہے اس لئے شہود ملائکہ باجماعت نماز ہی سے متعلق ہے۔

الا انهم یصلون جمیعا

حضرت ابوالدرداء فرما رہے ہیں کہ صرف باجماعت نماز ہی ایک مسنون طریقہ رہ گیا ہے اس حدیث کا باب سے ربط یہ ہے کہ باجماعت نماز میں فجر کی نماز بھی داخل ہے۔

والذی ینتظر الصلوٰة ثم یصلیها مع الامام اعظم اجرامن الذی یصلی ثم ینام

سوال اس حدیث کی مناسبت باب سے نہ ہوئی کیونکہ باب تو ہے فجر کی جماعت کے متعلق اور اس حدیث میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ جواب ۱- عشاء کی فضیلت نیند کی وجہ سے ہے یہ فضیلت فجر میں زیادہ ہے کیونکہ نیند دیر سے کرنے سے بھی زیادہ مشکل نیند سے اٹھنا ہوتا ہے اس لئے فجر کی فضیلت ثابت ہوگئی۔

اندھیرے میں جانے کے لحاظ سے فجر عشاء کی طرح ہے اس لحاظ سے بھی عشاء کی طرح فجر کی فضیلت ثابت ہوگئی۔ سوال۔ باب کا مقصد تو جماعت کی فضیلت کا بیان تھا۔ اس حدیث میں جماعت کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ جواب۔ یہ حدیث جماعت کی فضیلت کے تتمہ کے بیان میں ہے کہ جماعت میں اس لئے بھی فضیلت ہے کہ جماعت کی خاطر نیند میں دیر کرنی ہوتی ہے اور دور سے چل کر آنا ہوتا ہے۔

باب فضل التهجير الى الظهر

امام بخاری کی غرض ظہر کی نماز کی طرف جلدی جانے کی فضیلت کا بیان ہے سوال: بظاہر اس حدیث کا امر ابرادوالی احادیث سے تعارض ہوگیا۔ جواب ا- اس باب کا اور اس کی حدیث کا تعلق سردی کے موسم سے ہے اس میں بالاتفاق تعجیل و تھجیر ہی اولیٰ ہے۔ ۲- یہاں جمعہ کی نماز جلدی پڑھنے کی ترغیب ہے اور جمعہ کی نماز ہر موسم میں جلدی پڑھنی ہی اولیٰ ہے۔ ۳- تھجیر کے معنی جلدی تیاری کرنا ہے یہ معنی نہیں کہ نماز اول وقت میں پڑھ لی جائے۔ **الشهداء خمس**: سوال موطا مالک کی روایت میں یوں ہے **الشهداء سبعة**۔ جواب شہادت کا ثواب ملنے کا دارومدار تین اصولوں پر ہے پھر ان اصولوں کی جزئیات اور صورتیں جتنی بھی پائی جائیں ان کو شہادت کہا جائے گا ان جزئیات میں سے بعض دفعہ پانچ ذکر فرمادیں بعض دفعہ سات پس یہ سب مثالیں ہیں کم ذکر کی جائیں یا زیادہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے وہ تین اصول یہ ہیں۔ ا- جس مرض میں درد شدید ہو اس کی موت شہادت میں شمار ہوتی ہے۔ جیسے ہیضہ ۲- جس مرض میں لوگوں کو خوف بہت ہو جیسے طاعون۔ ۳- جو آفت اچانک آجائے جیسے غرق ہونا **باب احتساب الآثار**: غرض احتساب آثار کی فضیلت بیان کرنی ہے۔ احتساب کے معنی خالص نیت کے ساتھ ثواب طلب کرنا اور آثار جمع اثر کی ہے اصل معنی تو زمین پر کسی کے چلنے کے نشان کو کہتے ہیں پھر مراد قدم ہیں جن کی وجہ سے نشان پڑھتے ہیں پھر باب میں اور حدیث میں الی الصلوٰۃ یا الی المسجد مذکور نہیں ہے تا کہ ہر نیکی کے کام کے لئے چلنے کو شامل ہو جائے۔

باب فضل صلوٰة العشاء فى الجماعة

امام بخاری کا مقصد عشاء کی جماعت کی فضیلت کا بیان ہے اور منشاء اس فضیلت کا اندھیرے میں چلنا ہے اور نیند کو پیچھے کرنا ہے۔

باب اثنان فمافوقهما جماعة

مقصد ا- یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ دو سے بھی جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔ ۲- باب والے الفاظ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مرفوعاً ابن ماجہ میں منقول ہیں لیکن چونکہ امام بخاری کی شرط پر یہ حدیث نہ تھی اس لئے باب میں الفاظ رکھدیئے اور دوسری حدیث سے یہی مضمون ثابت فرمادیا۔

باب من جلس فى المسجد ينتظر الصلوٰة و فضل المساجد

اس باب کی دو غرضیں ہیں۔ ا- انتظار جماعت کی فضیلت۔ ۲- مسجد کی فضیلت اور باب میں صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ مع الجماعۃ ہے۔ **معلق فى المسجد**: ا- نماز کے شوق کی وجہ سے دل مسجد کی محبت سے بھرا ہوا ہے۔

باب فضل من غدا الى المسجد ومن راح

غرض صبح وشام مسجد میں جانے کی فضیلت کا بیان ہے۔ **نزلا من الجنة**: وجہ یہ ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور صبح و شام مسجد میں آنے والا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے اور مہمان کو مہمانی کھلائی ہی جاتی ہے اور کھانے کے اوقات صبح وشام ہوتے ہیں اس کی تائید کلام اللہ میں یوں ہے **ولهم رزقهم فيها بكرة وعشيا**۔

باب اذا اقيمت الصلوٰة فلا صلوٰة الا المكتوبة

اس باب کی دو غرضیں ہیں ایک یہ کہ یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ اقامت شروع ہو جائے تو نماز نہ پڑھنی چاہئے دوسرے یہ کہ یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے اور سنن اربعہ میں بھی ہے سنن اربعہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کو کہتے ہیں لیکن بعض نے ان الفاظ کو

مرفوعاً اور بعض نے موقوفاً ذکر فرمایا ہے اس لئے امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں مسند ذکر نہیں فرمایا بلکہ ترجمۃ الباب میں ذکر کر کے مضمون کی تائید ایک دوسری حدیث سے کر دی اس لئے دوسری غرض باب کی یہ ہوئی کہ اس حدیث کے مضمون کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔سوال:۔باب کی حدیث میں صبح کا واقعہ ہے اور ترجمۃ الباب والی حدیث کے الفاظ عام ہیں سب نمازوں کو شامل ہیں جواب ترجمۃ الباب میں المکتوبہ کا الف لام عہد خارجی کا ہے فجر کی نماز ہی مراد ہے۔پھر ترجیح اس حدیث کے موقوف ہونے کو ہے اور امام بخاری کے یہاں کے طرز سے بھی ترجیح موقوف ہونے کو ہو رہی ہے کیونکہ اگر اس حدیث کو مرفوع قرار دیتے تو یوں فرماتے۔باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ الحدیث لیکن جز رفع الیدین میں امام بخاری اس حدیث کے مرفوع ہونے کی طرف مائل ہوئے ہیں یہ تقریر تو ترجیح کے متعلق تھی حضرت انور شاہ صاحب کشمیری نے تطبیق بھی ذکر فرمائی ہے کہ صحابہ بعض دفعہ بطور ضرب المثل کے بلا اسناد حدیث بیان فرما دیا کرتے تھے من کان له امام فقراء ۃ الامام له قراۃ کو بعض نے اسی طرح بطور ضرب المثل بیان فرمایا ہے ایسے موقعہ میں صحابہ سند ذکر نہ کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی نہ لیتے تھے اس کی تائید علل ترمذی میں ابن سیرین کے قول سے ہوتی ہے کان فی الزمن الاول لالیستالون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ سائلوا عن الاسناد پھر اس میں اختلاف ہو گیا کہ فجر کی اقامت شروع ہو جانے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنا کیسا ہے عند الشافعی و احمد مکروہ ہے وعند مالک اگر دونوں رکعتیں مل جانے کی امید ہو تو خارج مسجد پڑھ لے۔ہمارے امام صاحب کی تین روایتیں۔۱۔مثل امام مالک۔۲۔ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو خارج مسجد پڑھ لے۔۳۔ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو مسجد کے اندر ہی صفوں سے ہٹ کر پڑھ لے گے اور یہ تیسری روایت ہی حنفی مذہب میں راجح اور مفتیٰ بہ ہے ہماری اس مفتیٰ بہ روایت کی دلیل بخاری شریف کی روایت ہے۔عن ابی ھریرۃ مرفوعاً من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ اس کے ساتھ ہم روایت مسلم ملاتے ہیں عن عائشہ مرفوعاً رکعتا الفجر خیر من الدنیا و مافیھا اور صفوں سے الگ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فرضوں کے ساتھ غیر فرضوں کے ملانے کی ممانعت ہے اور امام صاحب کی دوسری روایت کی دلیل یہ ہے مسجد سے بھی باہر پڑھ لے تاکہ فرضوں سے غیر فرض اچھی طرح الگ ہو جائیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے صفوں سے الگ ہو جانا ہی کافی ہے۔امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتوں کے ملنے کی امید ہونی چاہئے کیونکہ جماعت کی بہت تاکید ہے۔جواب یہ ہے کہ بخاری شریف کی مذکورہ روایت کے مطابق ایک رکعت کے مل جانے سے بھی جماعت کا ثواب مل جاتا ہے وللشافعی و احمد' فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً اذااقیمت الصلوٰۃ فلاصلوٰۃ الا المکتوبۃ جواب۔بیہقی کی روایت میں الارکعتی الصبح بھی ہے اس لئے سنتوں کی اجازت ہے پھر جو روایت امام بخاری نے یہاں نقل فرمائی ہے اس میں آلصبح اربعاً کا لفظ حنفیہ ہی کی تائید کرتا ہے کیونکہ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے صفوں سے متصل دو سنتیں پڑھ لی تھیں جس سے شبہ ہوتا تھا کہ اس کے نزدیک شاید فجر کے فرض چار ہوں۔

باب حد المریض ان یشھد الجماعۃ

امام بخاری کی غرض کی متعدد توجیہات ہیں کہ اس باب کا مقصد کیا ہے ۱۔کس درجہ کا مرض معتبر ہے جس کی وجہ سے مسجد میں جماعت کے لئے جانا واجب نہیں رہتا بلکہ مستحب بن جاتا ہے۔۲۔کتنی مسافت معتبر ہے کہ اتنی دور سے مریض کے ذمہ مسجد میں جانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہو جاتا ہے۔۳۔اس مریض کی فضیلت بیان کرنی مقصود ہے کہ جو مشقت اٹھا کر مسجد میں باجماعت پڑھنے آتا ہے۔اسیف:۔رقیق القلب جو جلدی رونے لگ جائے۔

انکن صواحب یوسف

کہ تم بھی حضرت زلیخا جیسی ہو جیسے انہوں نے ظاہر تو یہ کیا کہ

وہ دعوت اور ضیافت کر رہی ہیں لیکن دل میں یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں مجھے معذور سمجھ لیں۔ ایسے ہی حضرت عائشہؓ نے ظاہر تو یہ کیا کہ حضرت ابوبکرؓ ضعیف القلب ہیں لیکن دل میں یہ تھا کہ اگر وہ امام بنیں گے تو لوگ ان کو منحوس سمجھیں گے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہو گئے یہ علامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ہونے کی ہے اور اس تفصیل کی تصریح بخاری شریف ہی میں مرض وفات کے باب میں جو روایت ہے اس میں موجود ہے کہ صواحب یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دینے کی یہی وجہ تھی جو اوپر ذکر کی گئی۔

جلس عن یسار ابی بکر

یہاں بظاہر چند تعارض ہیں۔ ا- پہلا تعارض یہ ہے کہ بخاری شریف کی اس روایت میں تو حضرت صدیق کے بائیں طرف بیٹھنا مذکور ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں حضرت صدیقؓ کے دائیں طرف بیٹھنا مذکور ہے اس تعارض کی توجیہ یہ ہے کہ سند کے لحاظ سے بخاری شریف کی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔ ۲- دوسرا تعارض یہ ہے کہ بعض روایات میں ایسے واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امام بننا مذکور ہے اور بعض روایات میں ایسے واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتدی بننا مذکور ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ہفتہ کے دن یا اتوار کے دن ظہر کی نماز میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام بنے تھے اور پیر کے دن فجر کی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی بنے تھے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں آخری نماز تھی۔ ۳- تیسرا تعارض یہ ہے کہ بعض روایات میں یوں ہے کہ پیر کے دن فجر کی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پردہ ہٹا کر دیکھا اور پھر واپس تشریف لے گئے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر کے دن فجر کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے پڑھی اس تعارض کی توجیہ یہ ہے کہ پیر کے دن فجر کی پہلی رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پردہ ہٹایا تھا پھر دوسری رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ ۴- چوتھا تعارض یہ ہے کہ صحیحین میں ہے عن ام الفضل سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بالمرسلات عرفاً ثم ما صلی لنا بعد حتی قبضہ اللہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں امامت کرائی تھی اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر میں امامت کرائی تھی اس کی توجیہ تو ظاہر ہے کہ ظہر میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کرائی تھی اور اس کے بعد مغرب میں بھی امامت کرائی تھی یہ تو چار قسم کے تعارض کا بیان تھا اس کے علاوہ علامہ ضیاء مقدسی نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں تین دفعہ حضرت صدیق اکبرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

باب الرخصة فی المطر والعلة ان یصلی فی رحله

امام بخاری کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے جماعت چھوڑنے کی بھی گنجائش ہے لیکن عذر حقیقی ہونا چاہئے فرضی نہ ہو استفت قلبک ولو افتاک المفتون۔

باب هل یصلی الامام بمن حضر و هل یخطب یوم الجمعة فی المطر

امام بخاری کی غرض دو مسئلے بیان فرمانا ہے۔ ا- معذور اور غیر معذور لوگوں میں سے جو بھی آجائیں ان کو امام نماز پڑھا دے اور غائبین کا انتظار نہ کرے۔ ۲- بارش کے باوجود جمعہ کا خطبہ نہ چھوڑے اور ان دونوں موقعوں میں ہل معنی قد ہے جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے هل اتی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیأ مذکورا ردغ:۔ کیچڑ

باب اذا حضر الطعام و اقیمت الصلوٰة

امام بخاری کی غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر عین نماز کے وقت کھانا تیار ہو جائے اور شدید بھوک بھی لگی ہوئی ہو تو پہلے کھانا

کھالینا چاہئے۔ حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جزا محذوف ہے فابداؤ بالعشاء والطعام چونکہ حدیث میں صراحۃً جزاء آ رہی تھی اس لئے ترجمۃ الباب سے جزاء کو حذف فرمادیا۔

باب اذادعی الامام الی الصلوٰۃ وبیدہ ما یاکل

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ امام اگر کھانے میں مشغول ہو اورنماز کے لئے بلایا جائے تو وہ نماز کو طعام پر مقدم کرے۔
سوال:۔ یہ بات گذشتہ باب کے خلاف ہے کیونکہ گذشتہ باب میں یہ تھا کہ پہلے کھانا کھائے یہاں یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھے۔
جواب:۔ ۱- اگر خطرہ ہو کہ میں اگر پہلے نماز پڑھوں گا تو نماز خشوع اور توجہ سے نہ پڑھی جائے گی توجہ کھانے ہی کی طرف رہے گی پھر تو پہلے کھانا کھانا چاہئے اور اگر امید ہو کہ ایسا نہ ہوگا تو پہلے نماز پڑھ لے۔ ۲- کھانا پہلے کھالینا مستحب ہے واجب نہیں ہے کیونکہ اگر واجب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا چھوڑ کر نماز نہ پڑھتے معلوم ہوا کہ پہلے نماز پڑھنا جائز ہے تو پہلے باب میں مستحب کا بیان تھا اس باب میں جائز کا بیان ہے کوئی تعارض نہیں۔ ۳- گذشتہ باب میں مقتدی کا حکم تھا کہ وہ کھانا پہلے کھائے اور اس باب میں امام کا حکم ہے کہ وہ نماز پہلے پڑھے۔ ۴- نماز پہلے پڑھنا یہ عزیمت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزیمت پر عمل فرمایا اور کھانا پہلے کھانا رخصت ہے گذشتہ باب میں رخصت کا بیان تھا اس باب میں عزیمت اور اعلیٰ درجہ کا بیان ہے۔

باب من کان فی حاجۃ اھلہ فاقیمت الصلوٰۃ فخرج

۱- امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ جیسے نماز کی خاطر کھانا چھوڑ دینا مستحب ہے ایسے ہی گھر کے کام کاج چھوڑ دینا بھی مستحب ہے بلکہ اس میں زیادہ ثواب ہے کیونکہ گھر کے کام کاج چھوڑنے میں زیادہ مشقت ہے۔ ۲- دوسرا قول غرض میں یہ ہے کہ کھانا کھانے میں تو کچھ عذر بھی ہے گھر کے دوسرے کاموں میں تو کوئی عذر نہیں کیونکہ اگر اہل ومال کی وجہ سے نماز چھوڑنے کی اجازت مل جائے تو پھر نماز کے لئے فرصت ہی نہ ملے ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگا رہے اس لئے نماز کے وقت گھر کے کاموں کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔

باب من صلی بالناس وھولا یرید الاان یعلمھم صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سننہ

غرض یہ ہے کہ ایسی نماز میں ریا کا گناہ نہیں ہے بلکہ تعلیم کا ثواب ہے۔

وکان شیخا یجلس اذارفع راسہ من السجود قبل ان ینھض فی الرکعۃ الاولیٰ

اس شیخ کا مصداق حضرت عمرو بن سلمہ ہیں پھر جلسہ استراحت میں اختلاف ہے عند الشافعی پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے جلسہ استراحت مسنون ہے۔ وعند الجمہور مسنون نہیں لنا۔ ۱- فی الطحاوی عن ابی حمید مرفوعاً فقام ولم یتورک۔ ۲- فی الترمذی عن ابی ھریرۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینھض فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ۔ ۳- فی مصنف ابن ابی شیبۃ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن زبیرؓ حضرتؓ ابن عباس حضرت ابنؓ عمر سے نھوض علی صدور قدمیہ موقوفاً عملاً منقول ہے۔ ۴- اگر جلسہ استراحت مسنون ہوتا تو اس میں کوئی نہ کوئی ذکر منقول ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ۵- نماز عبادت کے لئے ہے استراحت کے لئے نہیں ہے وللشافعی حدیث الباب عن مالک بن الحویرث کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر دکھائی اور وہ حضرت عمرو بن سلمہ جیسی تھی اور حضرت عمرو بن سلمہ جلسہ استراحت کرتے تھے الفاظ ابھی اوپر نقل کر دیئے گئے ہیں وکان شیخاً یجلس الحدیث جواب یہ اخیر عمر میں ضعف کی وجہ سے

ہےاس کی تائید ابوداؤد کی اس مرفوع روایت سے ہوتی ہے لا تبادرونی برکوع ولا بسجود انی قد بدنت.

باب اهل العلم و الفضل احق بالا مامة

غرض یہ ہے کہ امامت کے لئے اعلم کو ترجیح حاصل ہے اور یہی حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک ہے۔سوال۔امام بخاری پر اعتراض ہے کہ انہوں نے مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی کی مرفوع روایت یوم القوم اقرو هم لکتاب الله کا لحاظ کیوں نہ فرمایا۔جواب:۱۔ان کی شرط یہ نہ تھی اس لئے جو روایت ان کی شرط پر تھی اس کو ترجیح دے دی اور اس سے اعلم کو ترجیح ثابت ہوتی ہے۔۲۔اقراء کو ترجیح شروع اسلام میں دی گئی تھی تا کہ حافظ قرآن کا شوق بڑھے کیونکہ شروع اسلام میں قرآن پاک کے حافظ کم تھے اخیر زمانہ میں اعلم کو ترجیح دے دی گئی اور پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا کیونکہ اعلم کی ترجیح مرض وفات میں ثابت ہو رہی ہے۔۳۔اقرأکم لکتاب اللہ سے مراد اعرف اور اتقی اور اخشی للہ ہے اس لئے اقرأ والی روایت امام بخاری کے اس باب کے خلاف نہ ہوئی اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر کو امام بنایا حالانکہ حدیث یاد کرنے میں حضرت ابوہریرہ بہت بڑھے ہوئے تھے اور قرآن پاک یاد کرنے میں حضرت ابی بن کعب بہت بڑھے ہوئے تھے اس سے ثابت ہوا کہ اقرأ کے معنی ایسے تھے جو حضرت ابوبکر پر صادق آتے تھے۔گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اقرأکم کی تفسیر ہوگئی۔یہ تو امام بخاری پر اشکال کا جواب تھا اب اختلاف مسئلہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے عندامامنا ابی حنیفۃ و مالک وفی روایۃ عن الشافعی وفی روایۃ عن احمد اعلم امامت کا سب سے زیادہ حقدار ہے اور امام شافعی کی راجح روایت اور امام احمد کی راجح روایت یہ ہے کہ جو شخص قرآن پاک اچھی تجوید کے ساتھ پڑھے وہ امامت کا سب سے زیادہ حقدار ہے لنا۔۱۔فی الترمذی عن عائشۃؓ مرفوعاً لاینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یومھم غیرہ اس کے ساتھ ہم مانتے ہیں۔

صحیحین کی روایت جو حضرت ابوسعید سے مرفوعاً وارد ہے کہ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں اختیار دیا اس بندہ نے آخرت کو پسند کرلیا تو ابوبکرؓ رونے لگ گئے ہمیں رونے پر تعجب ہوا بعد میں جب جلدی ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو ہمیں پتہ چلا کہ ابوبکرؓ کیوں رو رہے تھے۔ وکان ابوبکر اعلمنا۔۲۔قرأت و تجوید کی ایک رکن میں ضرورت ہے اور علم کی سب ارکان میں ضرورت ہے ولھما روایۃ ابی داؤد عن ابی مسعود البدری مرفوعاً یوم القوم اقرؤ هم لکتاب الله جواب:۱۔اقرأ بمعنی اعلم ہے تا کہ روایات میں تعارض نہ ہو۔۲۔اقراء کے معنی ہیں اکثر حفظاً للقران جس کو یاد زیادہ ہو کیونکہ ابوداؤد میں ہے عن عمرو بن سلمة موقوفاً فکنت اوفھم وانا ابن سبع سنین اوثمان سنین حضرت عمرو بن سلمہ کو اسی لئے ان حضرات نے امام بنایا تھا کہ اس زمانہ کے عرف میں اقرأ اس شخص کو کہتے تھے جس کو قرآن پاک زیادہ یاد ہو اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ اقرأ کو امام بنالینا تو ان حضرات نے حضرت عمرو بن سلمہ کو امام بنالیا کیونکہ ان کو قرآن پاک زیادہ یاد تھا۔۳۔اگر آپ حضرات کی بات مانتے ہوئے اقرأ بمعنی احسن تجویداً لیں تو پھر یہ روایت منسوخ ماننی پڑے گی کیونکہ مرض وفات میں حضرت ابوبکر کو امام بنایا گیا حالانکہ اس معنی کے لحاظ سے اقرأ حضرت ابی بن کعب تھے۔۴۔یہ حکم اس وقت ہے جب علم میں سب برابر ہوں۔

کان وجهه ورقة مصحف

قرآن پاک کے کاغذ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو تشبیہ دی کمال حسن کے لحاظ سے۔

فلم یقدر علیه حتی مات

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشی پر قادر نہ ہوئے وفات تک اور بعض روایات میں فلم یقدر علیہ حتی مات ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پر قادر نہ ہوئے سوال۔ دوسرے حضرات نے

ذکر فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ والے واقعہ کے بعد مسجد میں تشریف لائے تھے۔ جواب:۔۱-دوسری رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تھے نماز یہی پردہ والے واقعہ والی تھی یعنی پیر کے دن فجر کی نماز اور حضرت انسؓ کا فرمانا فلم یقدر علیہ حتی مات اپنے علم کے لحاظ سے ہے۔۲-اس کے بعد امامت پر قادر نہ ہوئے وفات تک۔۳-اس کے بعد پوری نماز باجماعت پڑھنے پر وفات تک قادر نہ ہوئے کیونکہ اسی دن ظہر سے پہلے وفات پائی۔

باب من قام الی جنب الامام لعلة

باب کا مقصد یہ ہے کہ اصل طریقہ تو یہی ہے کہ جب مقتدی دو یا زائد ہوں تو وہ پیچھے کھڑے ہوں لیکن ضرورت کی وجہ سے مثلاً امام کی تکبیر کو زور سے کہنے کے لئے ایک آدمی اگر امام کے برابر بھی کھڑا ہو جائے تو گنجائش ہے اور جائز ہے۔

باب من دخل لیوم الناس فجاء الامام الاول فتاخر الاول ولم یتاخر جازت صلوته

من دخل سے مراد نائب امام ہے الامام الاول سے مراد اصل امام ہے فتاخر الاول سے مراد نائب امام ہے جو اس نماز میں اولاً امام بنا ہے امام بخاری کی غرض اس مذکورہ صورت کا جواز بیان کرنا ہے کہ اصل امام مسجد میں موجود نہ ہو نائب امام نے نماز شروع کر دی ہو پھر اصل امام آجائے اب نائب امام اس کو دیکھ کر پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے دونوں صورتوں میں نماز صحیح ہو جاتی ہے پھر ائمہ میں اختلاف ہو گیا امام شافعی کے نزدیک بلا عذر بھی نائب امام کا ہٹ جانا صحیح ہے اور جائز ہے جمہور کے نزدیک صرف عذر کی وجہ سے ہٹ جانا جائز ہے بلا عذر ہٹنا جائز نہیں منشاء اختلاف یہی زیر بحث حدیث کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پیچھے ہٹے جمہور کے نزدیک اس کی تین توجیہیں ہیں۔۱-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیۃ۔۲-ہیبت کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ آگے کھڑے ہونے پر قادر نہ رہے۔ ۳-اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ پر کھانسی کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے نماز پڑھانے پر قادر نہ رہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس واقعہ سے اصول نکل آیا کہ اصل امام کے آنے پر ہر حال میں نائب امام کا پیچھے ہٹ جانا جائز ہے گویا ان کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ اور عموم پر محمول ہے۔ اب بھی ایسا جائز ہے کہ نائب امام کو کوئی عذر ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں پیچھے ہٹنا جائز ہے۔ ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ جب ایک جماعت شروع ہو چکی ہو تو اس جماعت کی ہیئت میں اصل یہی ہے کہ اس کو نہ توڑا جائے اور پوری نماز نائب امام ہی پڑھائے البتہ عذر پیش آجائے تو مجبور ہے۔

باب اذا استووا فی القرأة فلیومهم اکبرهم

غرض یہ ہے کہ یہ الفاظ مرفوعاً مسلم میں حضرت ابو مسعود انصاری سے منقول ہیں لیکن امام بخاری کی شرط پر نہ تھے اس لئے ترجمۃ الباب میں حدیث کے الفاظ لے آئے اور اس مضمون کو ایک دوسری حدیث سے ثابت کر دیا جو ان کی شرط پر تھی گویا حدیث صحیح ہے لیکن امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے

باب اذا زار الامام قوما فامهم

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ امام اعظم یعنی خلیفہ وقت یا اس کا نائب یا اس جیسا کوئی عالم یا بزرگ کسی دوسری جگہ جائے اور امامت کرنا چاہے تو وہاں والوں سے اجازت لے چنانچہ زیر بحث روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عتبان کے گھر جا کر یہ فرمانا این تحب ان اصلی من بیتک یہ اجازت لینا ہی تھا۔

باب انما جعل الامام لیوتم به

غرض یہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ امام کی متابعت ضروری ہے مگر جس چیز میں شریعت نے متابعت سے منع کر دیا ہو وہ چیز متابعت سے نکل جائے گی جیسے مرض وفات کے واقعہ سے ثابت ہوا کہ امام اگر بیٹھا ہو اور کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو تو مقتدی کھڑے ہو کر ہی اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور اگر متابعت کے حکم کو عام مان لیا جائے تو وہ مرض وفات کی حدیث کی وجہ سے بیٹھنے میں متابعت کا

حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ امام اگر کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو تو مقتدی امام کی متابعت کرتے ہوئے بیٹھے گا نہیں بلکہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے عندامامنا ابی حنیفۃ والشافعی وفی روایت عن مالک امام کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو اس لئے بیٹھا ہو اور مقتدی کھڑے ہوں تو اقتداء صحیح ہے وعند مالک فی روایت صحیح نہیں ہے وعند احمد اقتداء تو صحیح ہے لیکن مقتدیوں کو بھی بیٹھنا ہی پڑے گا۔ لنا۔ مرض وفات کا واقعہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ کرامؓ نے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ولروایۃ مالک فی بدل المجھو دمرفوعا لا یوم احد بعدی جالسا جواب:۔ ۱- نہی تنزیہی ہے تا کہ روایات میں تعارض نہ ہو۔ ۲- سند کے لحاظ سے ہماری روایت اقویٰ ہے ولاحمد فی ابی داؤد عن انس و فی البخاری فی هذا الباب عن عائشة مرفوعاً واذا صلی جالسا فصلوا جلو سا۔ جواب:۔ حکم منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ یہ فرمانا ۵ھ کے واقعہ میں ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک میں موچ آ گئی اور ہماری دلیل مرض وفات کی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ معنی یہ ہیں کہ امام بیٹھا ہو تو دوسری رکعت میں کھڑے ہونے کا انتظار نہ کرو بلکہ فوراً شریک ہو جاؤ۔

فیمکث بقدر مارفع

حضرت ابن مسعود یہ مسئلہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے امام سے پہلے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھالیا تو جلدی سے دوبارہ رکوع یا سجدہ میں چلا جائے اور جتنی دیر سر اٹھا رکھا تھا اتنی دیر امام کے بعد اس رکوع یا سجدہ میں رہے تا کہ غلطی کا تدارک ہو جائے وجہ اس ارشاد کی یہ ہے کہ رکن کو مکمل کرنا امام کی متابعت سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

ثم یقضی الرکعة الاولیٰ

حضرت حسن بصری یہاں دو مسئلے بتلانا چاہتے ہیں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بھیڑ وغیرہ کی وجہ سے اگر پہلی رکعت کے سجدے نہ کر سکے تو دوسری رکعت کے سجدے کر لے امام کے ساتھ پھر ایک رکعت امام کے بعد مسبوق کی طرح پڑھ لے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھیڑ کی وجہ سے نہ چھوڑے بلکہ اگلے نمازی کی پشت پر کر لے اگر چہ وہ اگلا نمازی امام ہی ہو۔ دوسرا مسئلہ حضرت حسن بصری یہ فرما رہے ہیں کہ اگر امام کے پیچھے سجدہ کرنا بھول گیا اور امام کے ساتھ کھڑا ہو گیا تو پھر بیٹھ جائے اور سجدہ کر کے پھر امام کے ساتھ قیام میں مل جائے کیونکہ پہلی رکعت کا سجدہ کئے بغیر کھڑا ہو جانا نماز کے طریقہ اور ترتیب کے خلاف ہے پھر دوبارہ کھڑا ہو جائے اور امام کی متابعت شروع کر دے چونکہ اس متابعت کا ذکر اس قول حسن میں ہے اس لئے اس قول کو اس متابعت کے باب میں امام بخاری نے ذکر فرمایا۔

فصلینا وراءة قعوداً

سوال۔ اس روایت میں صحابہؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنا مذکور ہے اور اس سے پہلے متصلاً جو روایت ہے اس میں صحابہ کا پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مذکور ہے یہ تو تعارض ہے جواب۔ ۱- اس دوسری روایت میں اختصار ہے اصل واقعہ یہ تھا کہ صحابہ پیچھے کھڑے ہو گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا تو بیٹھ گئے تو راوی نے صرف آخری حالت بیٹھنے کی ذکر کر دی پہلے کھڑے ہونے کا ذکر چھوڑ دیا۔ ۲- بعض صحابہ شروع میں بیٹھ گئے ان کا ذکر حضرت انس نے فرمایا اور بعض اشارہ کے بعد بیٹھے ان کا ذکر حضرت عائشہ نے فرمایا۔ ۳- واقعہ دو دفعہ پیش آیا ایک دفعہ صحابہ کرامؓ شروع ہی میں بیٹھ گئے اور ایک دفعہ اشارہ کے بعد بیٹھے۔

باب متی یسجد من خلف الامام

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ امام سے پہلے سجدہ میں نہ جائے۔

باب اثم من رفع راسه قبل الامام

غرض ایسا کرنے کا گناہ بیان کرنا ہے کیونکہ یہ امام کی متابعت کے خلاف ہے پھر اس باب کی حدیث میں جو خوف مذکور ہے کہ امام سے پہلے سر اٹھانے والے کو خوف کرنا چاہئے کہ اس کا سر گدھے کا سر نہ بن جائے اس کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ۱- یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے چنانچہ ایک محدث نے امتحاناً ایسا کیا تو

گدھے جیسا لمبا سر ہو گیا پھر وہ نقاب ڈال کر حدیث پڑھاتے تھے۔نعوذ باللہ من مثل ہذا۔۲-گدھے جیسا احمق بنا دینا ہے کہ عقل کم ہو جاتی ہے اور سزا کو اس گناہ سے یہ مناسبت ہے کہ یہ امام سے پہلے سر اٹھانا انتہائی احمقانہ کام ہے کیونکہ امام کے سلام سے پہلے کہیں جا تو سکتا نہیں پھر جلدی سر اٹھانے کا کیا فائدہ۔ پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہوا۔فی روایۃ عن احمد امام سے پہلے سر اٹھانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے وعند الجمہور فعل مکروہ تحریمی ہے نماز نہیں ٹوٹتی منشاء اختلاف اسی حدیث کے دونوں معنی کرنا ہیں جو اس باب میں عن ابی ہریرہ مرفوعاً وارد ہے **الا یخشی احد کم اذا رفع راسه قبل الامام ان یجعل اللہ راسه راس حمار** ان کے نزدیک اتنی سخت وعید فساد صلوٰۃ کی علامت ہے اور جمہور کے نزدیک کراہت تحریمی کی دلیل ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ کوئی لفظ ایسا نہیں جو فساد صلوٰۃ پر دال ہو۔

باب امامة العبد و المولیٰ

غرض دونوں کا صحیح ہونا بیان کرنا ہے اگرچہ صحیح ہونے کو صراحۃً ذکر نہیں فرمایا لیکن روایتیں صحیح ہونے کی ذکر فرما دی ہیں اس لئے امام بخاری دونوں کی امامت کو بلا کراہت صحیح قرار دے رہے ہیں۔ امامۃ عبد کے جواز بلا کراہت کے قائل امام بخاری اور امام احمد اور امام شافعی ہیں۔حنفیہ کے نزدیک عبد کی امامت مکروہ ہے امام مالک کے نزدیک جمعہ کی امامت مکروہ ہے باقی بلا کراہت صحیح ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غلام کو عرف میں گھٹیا سمجھا جاتا ہے اس لئے امامت میں کراہت ہے وللشافعی واحمد اس باب کی تعلیق ہے وکانت عائشہؓ یومها عبدها ذکوان جواب جب کراہۃ اور اباحت میں تعارض ہو تو ترجیح کراہۃ کو ہوتی ہے اس لئے ہمارا قول احوط ہے۔ ولمالک دونوں قسم کے دلائل موجود ہیں اس لئے تطبیق یہ ہے کہ جمعہ میں امام نہ بنے باقیوں میں حرج نہیں جواب احوط ہمارا قول ہے۔ باقی رہا مولیٰ یعنی آزاد شدہ غلام تو اس کی امامت میں کچھ حرج نہیں کیونکہ سابقہ غلامی سابقہ کفر کی طرح ہے جیسے سابقہ کفر امامت سے مانع نہیں ایسے ہی سابقہ غلامی بھی امامت سے مانع نہیں۔

من المصحف:. امام مالک کے نزدیک رمضان المبارک میں مصحف میں دیکھ کر بھی نماز میں قرآن پاک پڑھنا جائز ہے امام بخاری کے نزدیک سارا سال جائز ہے۔ امام احمد کے نزدیک مع الکراہت جائز ہے سارا سال ہمارے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ایسا کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔لنا۔ ۱-فی **کنز العمال عن ابن عباس قال نهانا امیر المومنین عمر ان نؤم الناس فی المصحف ونهانا ان یؤمنا الا محتلم**. ۲-حدیث **مسئی الصلوٰۃ فی ابو داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً ثم اقراء ماتیسر معک من القرآن** اس میں معک سے بالکل واضح ہے کہ حفظ کے طور پر پڑھنا ہی ضروری ہے۔۳- فاقرءوا ماتیسر من القران میں تیسر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ جتنا آسانی سے حفظ ہو اور پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔امام بخاری کی دلیل اسی باب کی تعلیق ہے وکانت عائشہ یومها عبدها ذکوان من المصحف جواب معنی یہ ہیں کہ حضرت ذکوان نماز سے پہلے مصحف کو اچھی طرح دیکھ لیتے تھے تا کہ حفظ کے طور پر پڑھنے میں غلطی نہ ہو۔ ولمالک یہی تعلیق کیونکہ اسی روایت کے بعض طرق میں رمضان المبارک کی قید بھی ہے جواب وہی جو ابھی گزرا۔امام احمد کی دلیل سب دلائل کو جمع کرنا ہے۔(جواب) ہمارے قول میں احتیاط ہے۔

وولد البغی:اس کا عطف والمولیٰ پر ہے غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ ولد الزنا کی امامت بھی صحیح ہے اور بلا کراہت جائز ہے یہی مذہب امام احمد کا ہے جمہور کے نزدیک مکروہ ہے ولنا۔۱-اس کو عرف عام میں گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔۲-فی ابی داؤد ولد زنا کے متعلق مرفوعاً وارد ہے شر الثلاثۃ ولاحمد والبخاری تعلیق ہذا لباب اور یہ روایت مسلم اور سنن اربع میں سند کے ساتھ منقول ہے **عن ابی مسعود مرفوعاً یؤم القوم اقرأهم لکتاب اللہ تعالیٰ** یہ الفاظ عام ہیں ولد الزنا کو بھی شامل ہیں۔جواب۔ ۱-حدیث سے اقرأ ہونے کی صفت ثابت ہوتی ہے باقی تفصیل

دوسرے دلائل سے معلوم ہوگی۔۲- جب اباحت اور کراہت میں تعارض ہوتو ترجیح کراہت کو ہوتی ہے۔ والاعرابی:۔ اس کا عطف والبغی پر ہے غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ دیہاتی آدمی کی امامت بھی بلاکراہت صحیح ہے وعندالجمہور مکروہ ہے ولنا۔ ۱- عام طور پر دیہاتی پر جہالت ہی غالب ہوتی ہے۔ ۲-فی الدار قطنی عن ابن عباس مرفوعاً لایتقدم الصف الاول اعرابی ولاعجمی ولاغلام لم یحتلم یہاں تقدم سے مراد یا تو امامت ہے۔ یاصف اول میں شریک ہونا ہے اگر امامت مراد ہے تو استدلال عبارۃ النص سے ہے یعنی امامت کا مسئلہ ہی بیان فرمانا مقصود ہے اور اگر صف اول میں شریک ہونا مراد ہے تو استدلال دلالۃ النص سے ہے کہ جب دیہاتی پہلی صف میں شریک نہیں ہو سکتا تو امام بطریق اولیٰ نہیں بن سکتا اور اعرابی کے قرینہ سے عجمی دیہاتی ہی مراد ہے وللبخاری گذشتہ مسئلہ والی اقراءھم والی روایت ہے جواب دہی دونوں جوگذشتہ مسئلہ میں گزرے۔

والغلام الذی لم یحتلم

عطف ہے والاعرابی پر غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ نابالغ بچے کے پیچھے بھی نماز بالغ کی صحیح ہے۔ امام بخاری اور امام شافعی جواز کے قائل ہیں اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں لنا۔ ۱- فی سنن اثرم عن ابن مسعود لا یوم الغلام حتی تجب علیه الحدود. ۲- فی مسند احمد عن ابی امامة مرفوعاً الامام ضامن نابالغ کی نفل نماز بالغ کی فرضی نماز کی ضامن نہیں بن سکتی وللشافعی ابوداؤد کی روایت ہے عن عمرو بن سلمة موقوفاً فکنت اومهم وانا ابن سبع سنین اوثمان سنین. جواب:۔ یہ ان صحابہ کا اجتہاد تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اقراء کے امام بننے کا ذکر فرمایا تھا۔صرف کسی صحابی کے اجتہاد سے استدلال نہیں ہوسکتا جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جاننا اور پھر جاننے کے بعد انکار نہ کرنا ثابت نہ ہو۔ یہاں ایسا نہیں ہے اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے۔

وان استعمل حبشی: اس کی مناسبت بات سے یوں ہے کہ جب عبد حبشی کو امیر بنادیا جائے گا تو وہ امام فی الصلوٰۃ بھی بنے گا۔ پس غلام کی امامت کا صحیح ہونا ثابت ہوگیا جواب یہ تو اضطرار اور مجبوری کی حالت ہے اختلاف اختیاری حالت میں ہے۔

باب اذالم یتم الامام و اتم من خلفه

غرض امام بخاری کی جمہور کی تائید ہے حنفیہ کے خلاف۔ اختلاف یوں ہے کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے حنفیہ کے نزدیک مقتدیوں کی بھی فاسد ہو جاتی ہے جمہور کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی۔ لنا۔ روایة مصنف عبدالرزاق عن ابن جعفران علیا صلی بالناس وهو جنب او علی غیر وضوء فاعاد وامرهم ان یعیدوا ولهم حدیث الباب عن ابی هریرة یصلون لکم فان اصابوافلکم وان اخطا و افلکم وعلیهم جواب یہ تو اوقات کے متعلق ہے جیسا کہ دوسری روایتوں میں تصریح ہے اس حدیث کا تعلق ارکان سے نہیں ہے معنی صرف یہ ہیں کہ مستحب وقت کا امراء لحاظ نہ کریں گے۔ یا بعض دفعہ وقت گزار کر پڑھیں گے تم اکیلے بروقت پڑھ لینا پھر ان کے ساتھ بھی پڑھ لینا۔ اس صورت میں جو کوتاہی ہوگی اس کا ان کو گناہ ہوگا تم کو نہ ہوگا۔

باب امامة المفتون والمبتدع

غرض جمہور کی تائید ہے مالکیہ کے خلاف' فتنہ میں داخل ہونے والے اور خلاف سنت اعتقاد رکھنے والے بدعتی کے پیچھے جمہور کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے لیکن کراہت کے ساتھ امام مالک کے نزدیک نہیں ہوتی۔ منشاء اختلاف یہی زیر بحث روایت ہے کہ حضرت عثمان نے فتنہ والے امام کے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا فاذااحسن الناس فاحسن معهم واذااساء و فاجتنب اساتهم ہمارے نزدیک یہ معنی ہیں کہ نماز ایک اچھی چیز ہے اس لئے جب فتنہ کا امام نماز پڑھے تو نماز اس کے ساتھ پڑھ لو جب وہ قتل و غارت ناجائز کرے تو اس کا ساتھ نہ دو امام

مالک کے نزدیک اسی حدیث کا مقصد امام فتنہ کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکنا ہے کیونکہ وہ فتنہ والا یا کافر ہوگا یا فاسق دونوں صورتوں میں اس کی نماز صحیح نہیں ہے اس لئے واذا اساءو میں داخل ہے اور اس سے حضرت عثمانؓ نے منع فرمادیا جواب یہ ہے کہ الفتوح میں حضرت عثمان سے موقوفاً وارد ہے من دعا الی الصلوۃ فاجیبوہ اس سے جمہور کے مسلک کی تائید ہوگئی۔ فتنہ والے امام ہی کے حکم میں ہر بدعتی ہے۔ المخنث:۔ اس مرد کو کہتے ہیں جس کی عادتیں عورتوں جیسی ہوں۔ اگر غیر اختیاری طور پر ایسا ہے تو کوئی گناہ نہیں اور اگر جان بوجھ کر تکلف سے ایسا کرتا ہے تو فاسق اور مذموم اور گنہگار ہے۔

باب یقوم عن یمین الامام بحذاته سواء اذا کانا اثنین

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ مسنون اسی طرح ہے کہ ایک مقتدی برابر دائیں طرف کھڑا ہو۔

باب اذاقام الرجل عن یسار الامام مخوله الامام یمینه لم تفسد صلوٰة

وجہ یہ ہے کہ یہ عمل قلیل ہے اور ہے بھی نماز کی اصلاح کے لئے مقصد یہ مسئلہ بتلانا ہے۔

باب اذالم ینو الامام ان یوم ثم جاء قوم فامهم

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اقتداء صحیح ہے کیونکہ امام کے ذمہ مقتدی کی امامت کی نیت کرنا واجب نہیں صرف مستحب ہے تا کہ ثواب زیادہ ملے اور مقتدی کے ذمہ اقتداء کی نیت کرنا واجب ہے۔

باب اذا طول الامام و کان للرجل حاجة فخرج فصلی

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے پھر فخرج:۔ ا- جزاء ہے۔ ۲- فخرج شرط پر عطف ہے اور جزاء محذوف ہے صحت صلوٰۃ یعنی شروع کرنے سے اقتداء لازم نہیں ہو جاتی ضرورت کی بنا پر اقتداء ترک بھی کی جاسکتی ہے۔ پھر اختلاف ہو گیا عندامامنا ابی حنیفۃ و مالک وفی روایۃ احمد فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز اگر پڑھے گا تو نماز صحیح نہ ہوگی اور دوسری روایت امام احمد کی اور مسلک امام شافعی کا صحیح ہو جائے گی۔ لنا۔ ا- فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً الامام ضامن متنفل کا درجہ کم ہے مفترض کا زیادہ ہے اس لئے متنفل مفترض کا ضامن نہیں ہوسکتا اس لئے امام بھی نہیں بن سکتا کیونکہ اس حدیث کی وجہ سے امام کا ضامن ہونا ضروری ہے۔ ۲- فی سنن اثرم عن ابن عباس موقوفاً لایوم الغلام حتیٰ یحتلم و للشافعی. ا-فی ابی داؤد عن عمرو بن سلمة موقوفاً فکنت اؤ مهم وانا ابن سبع سنین اوثمان سنین جواب:۔ یہ صحابہ کا صرف اپنا اجتہاد تھا قرینہ یہ ہے کہ اسی واقعہ میں ابوداؤد میں یہ بھی مذکور ہے کہ امامت کی صورت میں حضرت عمرو بن سلمۃ پر جو چھوٹی سی چادر ہوتی تھی وہ ہٹ جاتی تھی اور کشف عورت ہو جاتا تھا اس پر ایک عورت نے اعتراض کر دیا کہ اپنے امام کے بدن کو تو ڈھانپو تو جیسے یہ کشف عورت ہو جانا اور اس کے باوجود نماز کچھ دن پڑھتے رہنا ان حضرات کا اپنا اجتہاد تھا اسی طرح نابالغ کو امام بنانا بھی ان چند صحابہ کا اپنا اجتہاد تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ساتھ شامل نہ تھی اور صحابی کی صرف روایت پر عمل ہوتا ہے اجتہاد پر دوسرا مجتہد عمل نہیں کرسکتا ہر مجتہد اپنے اجتہاد کا مکلف ہوتا ہے البتہ غیر مجتہد کسی ایک مجتہد کی تقلید کرنے کا پابند ہے اور یہاں کلام اسی میں ہے کہ مجتہدین کی دلیل کیا کیا ہیں۔ ۲- اس باب کی روایت جو ابوداؤد میں بھی ہے عن جابر بن عبدالله ان معاذ بن جبل کان یصلیٰ مع النبی صلی الله علیه وسلم ثم یر جع فیوم قومه جواب۔ ا- یہ حضرت معاذ کا اپنا اجتہاد تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو دو جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمادیا۔ چنانچہ طحاوی میں یوں منع فرمانا منقول ہے اما ان تصلی معی واماان تخفف علی قومک تقابل سے معلوم ہوا کہ دو جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمانا مقصود ہے۔ ۲- آپ کا استدلال جب

صحیح ہوگا جب آپ یہ ثابت کریں کہ حضرت معاذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرضوں کی نیت کرتے تھے اور جب اپنی قوم کو نماز پڑھاتے تھے تو اس وقت نفلوں کی نیت کرتے تھے جب تک آپ یہ ثابت نہ کریں آپ اس واقعہ سے استدلال نہیں کر سکتے اور یہ ثابت نہیں اس لئے استدلال صحیح نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ چونکہ حضرت معاذ اپنے محلہ میں امام مقرر تھے اس لئے اصل فرض نماز اپنے محلہ میں جا کر پڑھتے تھے اس لئے پہلے تبرکاً نفلوں کی نیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ لیتے تھے اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے۔۳-امام طحاوی نے ثابت کیا ہے کہ پہلے ایک فرض نماز دو دفعہ فرضوں ہی کی نیت سے پڑھنے کی اجازت تھی بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی تھی۔ حضرت معاذ والا واقعہ بھی اسی اجازت والے زمانہ پر محمول ہے کہ اسی زمانہ میں پیش آیا تو فرضوں والے کے پیچھے فرضوں والوں نے نماز پڑھی پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا تھا اس لئے اب ایسا کرنا جائز نہیں اور اب اس سے استدلال بھی ٹھیک نہیں کیونکہ منسوخ حکم سے استدلال ٹھیک نہیں ہوتا۔۳-امام شافعیؒ کی تیسری دلیل امامۃ جبریل والی روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام مکلف نہ تھے وہ امام بنے تو ان کی نماز نفلی تھی ان کے پیچھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن نمازیں پڑھیں وہ نمازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تھیں تو اقتداء المفترض خلف المتنفل پایا گیا۔ جواب۔۱- بخاری شریف اور موطا امام مالک میں حضرت جبریل علیہ السلام کا قول منقول ہے۔ بھذا امرت اس لئے دو دن کے لئے ان پر بھی نماز فرض ہو گئی تو اقتداء المفترض خلف المفترض ہوئی آپ کا استدلال صحیح نہ ہوا۔۲- یہ اس وقت کی خصوصیت تھی یہ عام حکم نہ تھا اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔۳- یہاں امامت تعلیم ہے امامت اقتداء نہیں ہے پھر امامت تعلیم میں دو احتمال ہیں جبریل علیہ السلام بیٹھے ہوں سمجھا رہے ہوں یوں پڑھیں یوں پڑھیں اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ رہے ہوں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام امام بنے ہوں لیکن اصل نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے علاوہ تھی۔ یہ جماعت صرف نماز سیکھنے کے لئے اور وقت معلوم کرنے کے لئے تھی۔

باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحسن ہے۔ سوال حدیث میں تو قیام کا ذکر نہیں ہے پوری نماز کی تخفیف کا ذکر ہے پھر امام بخاری نے اپنے ترجمۃ الباب میں صرف قیام میں تخفیف کا ذکر کیوں فرمایا۔ جواب:۔۱- امام بخاری کی تحقیق کے مطابق اس واقعہ میں امام نے قیام ہی میں تطویل کی تھی اس لئے ترجمۃ الباب میں قیام کی تخفیف ذکر فرمائی۔۲- عام طور پر نماز میں جو ثقل آتا ہے وہ قیام کی تطویل کی وجہ سے آتا ہے۔ اس لئے امام بخاری نے قیام کو خاص طور سے ذکر فرمایا ہے۔

باب اذاصلی لنفسہ فلیطول ماشاء

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ تخفیف کا حکم صرف امام کے لئے۔ اکیلا نمازی اپنی نماز کو جتنا چاہے لمبا کرے کچھ ممانعت نہیں۔

باب من شکا امامہ اذاطول

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ امام اگر نماز بہت لمبی کرے تو اس کی شکایت ایسے شخص کے پاس کرنی جو اس کی اصلاح کر سکے جائز ہے۔

عن قیس بن ابی حازم

ان کے متعلق امام احمد کا ارشاد ہے کہ یہ افضل التابعین ہیں کیونکہ صرف یہ یکتا تابعی ہیں جنہوں نے عشرہ مبشرہ کی زیارت کی ہے ان کے علاوہ کسی تابعی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔ انتہیٰ۔ امام احمد کے اس ارشاد سے حنفیہ کی ایک دلیل کی تائید بھی ہوگئی رفع یدین کے مسئلہ میں ہماری دلیل آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ کہ عشرہ مبشرہ صرف شروع صلوٰۃ میں رفع یدین فرماتے تھے۔ یہ تابعی جو عشرہ مبشرہ کی زیارت کرنے والے ہیں ان کا مسلک بھی یہی تھا

کہ یہ بھی صرف شروع صلوٰۃ میں رفع یدین فرماتے تھے۔اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی عشرہ مبشرہ کا عمل یہی پایا تھا جوامام ابوحنیفہ نے اختیار فرمایا۔ بنا صحین :۔ ناضحہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس پر پانی لایا جاتا ہے اور باغ اور کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے۔

وقدجنج اللیل:۔ رات اندھیرے والی ہوگئی۔

احسب هذا فی الحدیث

یہ اس حدیث کے راوی حضرت شعبہ کا مقولہ ہے کہ **فانه یصلی وراء ک الکبیروالضعیف و ذوالحاجة** کے الفاظ بھی غالب گمان ہے کہ اس حدیث میں مذکور تھے اگر چہ اس میں تین قسم کے مقتدیوں کا ذکر ہے لیکن پھر بھی ہذا جو استعمال فرمایا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ ہذا کو بتاویل مذکور شمار فرمایا جس میں کبیر اور ضعیف اور ذوالحاجۃ تینوں داخل ہیں۔

باب الایجاز فی الصلوٰۃ و اکمالها

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ نماز کے فرائض اور سنن میں تو اکمال ہونا چاہئے اور مستحبات میں بقدر تحمل اختصار ہونا چاہئے۔

باب من اخف الصلوٰۃ عندبکاء الصبی

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ نمازی عورت کے بچے کے رونے کی وجہ سے امام اگر نماز مختصر کر دے تو تو یہ جائز بلکہ مستحسن ہے اور گذشتہ ابواب سے ربط یہ ہے کہ پیچھے مقتدین کی رعایت تھی اب مقتدین کے متعلقین کی رعایت کا ذکر ہے۔

باب اذاصلی ثم ام قوماً

یعنی اگر ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کا مقصد اقتداء المفترض خلف المتنفل کا جواز بیان کرنا ہے۔اختلاف کی تفصیل پیچھے عنقریب گزری ہے۔

باب من اسمع الناس تکبیر الامام

غرض یہ ہے کہ مکبر مقرر کرنا جو امام کی آواز لوگوں تک پہنچائے اور تکبیرات زور زور سے کہہ دے جائز ہے۔

باب الرجل یا تم بالامام و یاتم الناس بالماموم

ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کی غرض اس باب سے حضرت مسروق اور حضرت شعبی کے مسلک کی طرف میدان ظاہر کرنا اور ان کی تائید کرنی ہے وہ دونوں حضرات اس کے قائل ہیں کہ جماعت کی ہر صف اپنے سے اگلی صف کی اقتداء کرتی ہے صف ثانی صف اول کی اور صف ثالث صف ثانی کی ہکذا اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ سب کی سب صفیں امام کی ہی اقتداء کرتی ہیں۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ جو شخص ایسے وقت میں جماعت کے ساتھ شریک ہوا کہ امام رکوع سے اٹھ چکا تھا اور صف اول مثلاً ابھی رکوع میں تھی یہ نیا آنے والا صف ثانی میں شریک ہوگیا تو ان دونوں حضرات کے نزدیک اس نئے شریک ہونے والے کو یہ رکعت مل گئی اور جمہور ائمہ کے نزدیک نہ ملی۔ لنا۔ ۱ – **فی البخاری عن عائشه مرفوعاً انما جعل الامام لیؤتم به** اگر صفوف بھی ایسی ہوتیں کہ ان کا اقتداء کیا جاتا تو ارشاد یوں ہوتا **انما جعل الامام والصفوف الاول لیؤتم بهم** امام شعبی اور حضرت مسروق کی دلیل یہ زیر بحث روایت ہے جو یہاں تعلیقا ہے اور مسلم میں **عن ابن سعید مرفوعاً مسنداً** ہے **اتمو ابی ولیأ تم بکم من بعد کم.** جواب:۔اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ دوسری صف والوں کو امام کی حرکات کا علم اگلی صفوں کی امداد سے ہو جاتا ہے اقتداء تو امام ہی کا ہوتا ہے۔۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اے صحابہ تم میرا اتباع کرو تابعین حضرات تمہارا اتباع کریں گے۔اس لئے یہ روایت محل نزاع سے خارج ہے اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں۔

باب هل یاخذ الامام اذاشک بقول الناس

غرض امام بخاری کی یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ جب امام کو شک ہو تو وہ مقتدیوں کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے نماز پڑھ لے تو صحیح ہے یا نہیں پھر فیصلہ امام بخاری نے نہ فرمایا کیونکہ مسئلہ اختلافی تھا

اور امام بخاری کو تردد تھا کہ کس قول کو لوں۔ اختلاف یہ ہے کہ ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح ہے اور جمہور کے نزدیک صحیح نہیں ہے منشاء اختلاف زیر بحث باب میں ذوالیدین والی حدیث کا واقعہ ہے عن ابی هريرة مرفوعاً اصدق ذواليدين فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى ثنتين اخريين ہمارے امام صاحب کی تحقیق کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی بات پر اعتماد فرماتے ہوئے دو رکعتیں پڑھیں جمہور کے نزدیک صحابہ کے کہنے سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یاد آ گیا اور یقین ہو گیا کہ میں نے دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں جب خود یقینی طور پر یاد آ گیا تو اپنے یقین پر عمل فرمایا ہے صحابہ کے قول پر عمل نہیں فرمایا ترجیح قول حنفیہ کو ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھولنا تو یقیناً ثابت ہے اب صحابہ کے عرض کرنے پر آپ کا نسیان اور بھولنا ختم ہو گیا یا نہ اس میں شک ہے پس نسیان یقینی صرف احتمال اور شک کی بنا پر زائل نہیں مان سکتے کیونکہ یہ مسلمہ ضابطہ ہے الیقین لا یزول بالشک۔

باب اذابكى الامام فى الصلوٰة

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ نماز میں اگر کوئی شخص جنت یا دوزخ الٰہی کی وجہ سے روئے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ امام کی قید اتفاقی ہے کیونکہ اس باب کی تعلیق اور مسند دونوں روایتوں میں امام کے رونے کا ذکر ہے۔ حکم امام اور غیر امام سب کا ایک ہی ہے۔

سمعت نشيج عمر:۔ نشیج کے معنی۔

۱- بہت رونا اشد البکاء ۲- بچوں کی طرح ہچکیاں لے کر رونا۔

۳- ہر آواز کو نشیج کہتے ہیں جو ظاہر ہو جائے۔

لم يسمع الناس من البكاء:۔ یہ محل ترجمہ ہے حضرت عائشہ نے یہ نہیں کہا کہ نماز اس سے ٹوٹ جائے گی اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس احتمال کے کہ حضرت ابوبکر رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرأت اور تکبیرات کی آواز نہ سنا سکیں گے۔ یہی حکم فرمایا مروا ابا بکر فلیصل بالناس اس سے بھی معلوم ہوا کہ رونے سے نماز نہیں ٹوٹتی اس کی تائید ابوداؤد اور نسائی کی روایت سے ہوتی ہے عن عبدالله بن الشخير رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بناو فى صدره ازيز كاز يزالمرجل من البكاء کہ ہنڈیا کی آواز کی طرح رونے کی آواز آ رہی تھی معلوم ہوا کہ دین اور آخرت کی وجہ سے رونے سے نماز نہیں ٹوٹتی اگرچہ آواز ظاہر ہو جائے۔

باب تسوية الصفوف عندالاقامة و بعد ها

غرض یہ ہے کہ اقامت پڑھنے کے بعد تکبیر تحریمہ سے پہلے صفوں کا درست کرنا اور اس کا خیال رکھنا ضروری ہے پھر ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری کے نزدیک تسویہ وجوب کے درجے میں ہے جیسا کہ آگے آنے والے بابوں سے ظاہر ہوتا ہے خصوصاً باب اثم من لم یتم الصفوف اسی وجوب تسویہ کے قائل ابن حزم ہیں۔ جمہور فقہا سنت موکدہ کے قائل ہیں منشاء اختلاف زیر بحث باب کی دونوں حدیثیں ہیں۔ ۱- عن النعمان بن بشیر مرفوعاً لتستون صفوفكم اوليخالفن الله بين وجوهكم۔ ۲- عن انس مرفوعاً اقيموا الصفوف فانى اراكم خلف ظهرى امام بخاری اور ابن حزم کے نزدیک یہ حدیثیں وجوب پر دال ہیں حتیٰ کہ ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ تسویہ نہ ہونے کی صورت میں نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ تصریح خلاف اجماع شمار کی گئی ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کا بھی یہی مسلک ہے گو ان سے صراحۃً بطلان صلوٰۃ منقول نہیں جمہور ائمہ کے نزدیک یہ دونوں روایتیں تاکید پر محمول ہیں ترجیح قول جمہور کو ہے کیونکہ وجوب اعادہ پر کوئی لفظ دال نہیں ہے۔

اوليخالفن الله بين وجوهكم

اس کے معنی۔ ۱- چہرے مسخ ہو جائیں کہ آنکھ منہ ناک ختم کر دیا جائے سر کا اگلا حصہ بھی سر کے پچھلے حصہ کی طرح بنا دیا جائے۔

۲- چہرے کا حسن اور رونق اور انوار ختم کر دیئے جائیں۔

۳- دلوں میں نفرت ہو اور اس کا اثر چہروں کے انقباض کی صورت میں ظاہر ہو۔

فانی اراکم خلف ظہری

پیچھے دیکھنے کی مختلف تفسیریں گزر چکی ہیں۔

باب اقبال الامام الناس عند تسویة الصفوف

یعنی لوگوں کی طرف امام کا متوجہ ہونا مستحسن ہے جبکہ لوگ صفیں سیدھی کر رہے ہوں۔ باب الصف الاول:۔ صف اول کا ثواب بیان کرنا مقصود ہے۔ صف اول کا مصداق کیا ہے اس میں تین قول اذان کے ابواب میں گزر چکے ہیں۔

باب اقامة الصف من تمام الصلوٰة

یعنی صف کے درست کرنے میں اگر کمی ہوگی تو ثواب میں کمی ہو جائے گی سوال تمام کا لفظ عموماً وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں ان کی کمی بیان کرنی مقصود ہو اور اس باب کی حدیث میں جو مرفوعاً وارد ہے فان اقامة الصف من حسن الصلوة اس میں توصفات کا حسن مذکور ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں تمام کا لفظ مناسب نہیں ہے جواب۔ یہ صفت اہمیت کی وجہ سے امام بخاری کے نزدیک اجزاء کی طرح ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں تمام کا لفظ استعمال فرمایا۔

فلا تختلفوا علیه

معنی یہ ہیں کہ رکوع سجدہ وغیرہ میں امام سے اختلاف نہ کرو ان الفاظ مبارکہ سے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ جب عملی طور پر امام سے اختلاف کرنے سے منع فرما دیا تو نیت کے طور پر اختلاف کرنا کہ امام تو نفل کی نیت کئے ہوئے ہے اور مقتدی فرض کی نیت کرے یہ بطریق اولیٰ منع ہے کیونکہ نیت کا اختلاف عمل کے اختلاف سے زیادہ سخت اور اشد ہوتا ہے اس لئے اقتداء المفترض خلف المتنفل صحیح نہیں ہے۔

باب اثم من لم یتم الصفوف

امام بخاری کی غرض تسویہ صفوف کا وجوب ثابت کرنا ہے اس باب میں ہے کہ حضرت انس نے صفوں کے معاملہ میں تابعین حضرات سے فرمایا ماانکرت شیأ الا انکم لاتقیمون الصفوف گویا حضرت انس نے صفیں پوری پوری سیدھی نہ کرنے کو اچھا نہ شمار فرمایا اور اس پر انکار فرمایا اس انکار کو امام بخاری نے وجوب پر محمول فرمالیا جمہور کی طرف سے جواب یہی ہے کہ صرف انکار سے یعنی اچھا نہ سمجھنے سے وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ایسا انکار تو ترک مستحب اور ترک سنت پر بھی ہوسکتا ہے۔

باب الصاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف

امام بخاری کی غرض خالی جگہ پر کرنے کی تاکید ہے مبالغۃً کہ مل کر کھڑے ہونا چاہئے کوئی جگہ خالی نہ رہے۔ ابوداؤد میں عن ابن عمر فی حدیث صحیح مرفوعاً ہے حاذوا بین المناکب وسدوا الخلل اس حدیث سے بخاری شریف کی زیر بحث باب کی روایت کی تفسیر ہوگئی جس میں یہ لفظ ہیں عن انس و کان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه معلوم ہوا کہ ایک سیدھ میں کندھوں کا اور قدموں کا کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود ہے کہ درمیان جگہ خالی نہ بچے پس آج کل کے غیر مقلد جو بخاری شریف کی زیر بحث باب کی روایت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ ہر ایک پاؤں خوب پھیلا کر کھڑا ہو اور ساتھ والے کے پاؤں سے پاؤں حساً جڑ جائے اور ٹخنے کا ٹخنے سے جوڑنا حسی طور پر ضروری سمجھتے ہیں یہ ان کی سمجھ کی کمی ہے اس کی دلیل۔ ۱- ابوداؤد کی مذکورہ روایت جو صحیح ہے اور مرفوع ہے کیونکہ محاذاۃ کی تصریح ہے اور خالی جگہ نہ چھوڑنے کا حکم ہے اس لئے کندھے اور پاؤں دونوں میں محاذاۃ ضروری ہے کندھے مل بھی جائیں گے تاکہ سد خلل ہو جائے پاؤں میں صرف محاذاۃ ہوگی۔ ۲- دوسری دلیل کہ پاؤں کا ملانا اور حساً جوڑنا دوسرے کے پاؤں کے ساتھ مراد نہیں ہے بلکہ پاؤں کا ساتھ والے کے پاؤں کی سیدھ میں کرنا مراد ہے یہ ہے کہ یہی معنی ائمہ اربعہ کے نزدیک ہیں۔ ۳- یہی تعامل آج تک چلا آرہا ہے۔ ۴- دو بھاری بدن کے نمازی ساتھ ساتھ

کھڑے ہوں تو وہ پاؤں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ فقہاء تعامل کالحاظ سند سے بھی زیادہ رکھتے ہیں اور محدثین صرف سند پر مدار رکھتے ہیں۔ پھر جب محدثین کسی موقعہ میں تعامل کو سند کے خلاف دیکھتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں۔ فقہاء تعامل کو ترجیح دے دیتے ہیں وجہ یہ ہے کہ تعامل خبر متواتر ہوتی ہے۔

باب اذااقام الرجل عن یسار الامام وحوله الامام خلفه الی یمینه تمت صلوٰة

سوال بیس باب پہلے ایک باب یوں تھا باب اذاقام الرجل عن یسار الامام فحوله الامام الی یمینه لم تفسد صلوتهما اس لئے ان دونوں بابوں میں تکرار پایا گیا۔ جواب یہاں غرض میں دو قول ہیں۔ ا- پہلا قول یہ ہے کہ تحویل یعنی ترتیب ٹھیک کرنے سے پہلے جو نماز مقتدی کی تھی اس میں نقصان نہ تھا اور وہ بھی ٹھیک تھی اگر چہ ترتیب غلط تھی لیکن یہ ایسی غلطی نہ تھی کہ نماز نہ ہو یا بہت ناقص ہو۔ ۲- امام کی نماز تحویل سے پہلے ٹھیک تھی تمت صلوٰة کی ضمیر امام کی طرف لوٹتی ہے ان دو قولوں میں سے پہلے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے بیس باب پہلے جو باب تھا اس کی غرض یہ تھی کہ امام کی تحویل یعنی پھیرنا اور مقتدی کا تحول یعنی پھر جانا یہ نماز کو توڑنے کا سبب نہ بنے کیونکہ۔ ا- یہ عمل قلیل تھا۔ ۲- تعلیم کے لئے تھا۔ ۳- نماز کی اصلاح کے لئے تھا۔

باب المراة وحدها تكون صفا

سوال صف کا لفظ تعدد کو چاہتا ہے کیونکہ صف کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دو یا زیادہ مرد یا عورتیں ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں اور وحدها کا لفظ صریح ہے کہ ایک عورت کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ جواب:۔ ا- پہلا یہ ہے کہ اکیلی عورت صف کے حکم میں ہے کیونکہ وہ مردوں کے ساتھ تو کھڑی ہو ہی نہیں سکتی وہ پیچھے اکیلی کھڑی ہوگی اس لئے وہ اکیلی ہی صف کے قائم مقام ہے امام ابن عبدالبر نے حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً نقل فرمایا ہے المراة وحدها صف۔ ۲- دوسرا جواب اور ترجمۃ الباب کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہاں جنس مراد ہے کہ عورتوں کی جنس الگ صف بنائے اور عورتیں مردوں کے ساتھ کھڑی نہ ہوں۔ یہ تو اشکال کے دو جواب تھے۔ اب امام بخاری کی غرض ذکر کی جاتی ہے غرض میں بھی دو قول ہیں۔ ا- یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عورت مردوں کے ساتھ کھڑی نہ ہو۔ ۲- دوسرا قول غرض میں یہ ہے کہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ حضرت عائشہؓ والی مذکورہ حدیث صحیح ہے۔

باب میمنة المسجد والامام

امام بخاری کا مقصد مسجد کی دائیں جانب اور امام کی دائیں جانب کی فضیلت بیان کرنا ہے کہ وہاں کھڑے ہونے میں ثواب زیادہ ہے۔ پھر مسجد کی دائیں جانب اور امام کی دائیں جانب اکٹھی ہی ہیں کیونکہ دونوں کا رخ قبلہ کی طرف ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ مسجد کا رخ نمازیوں کی طرف ہوتا اس لئے مسجد کی دائیں جانب امام اور مقتدی کی بائیں جانب ہے لیکن اس قول کو صحیح نہیں شمار کیا گیا۔ پہلا قول ہی صحیح ہے۔ پھر حدیث کی مطابقت امام کی دائیں جانب سے مطابقتاً اور صراحۃً ہے اور مسجد کی دائیں جانب کے ساتھ لزوماً ہے کیونکہ جو جانب امام کی دائیں ہے وہی مسجد کی بھی دائیں ہے۔ سوال۔ حدیث پاک میں تو ایک مقتدی کا واقعہ ہے۔ زیادہ مقتدیوں کا حکم تو ثابت نہ ہوا۔ جواب ٹھیک ہے صراحۃً تو ایک مقتدی کا حکم ہی ثابت ہوا لیکن اشارتاً زیادہ کا حکم بھی ثابت ہو گیا اشارہ کی دو صورتیں ہیں۔ ا- قیاس کریں گے زیادہ کو ایک پر۔ ۲- اشارہ فرما دیا ابوداؤد کی روایت کی طرف عن عائشة مرفوعاً ان الله وملئكته يصلون على ميامن الصفوف۔

وقال بیده من وراتی

معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اے ابن عباس تم میرے پیچھے سے ہو کر دائیں طرف آ جاؤ اور ایک نسخہ میں یہاں یوں ہے وقال بیده من ورائه اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے دست مبارک سے مجھے پکڑ کر اپنے پیچھے سے لا کر دائیں طرف کھڑا کر دیا قال بمعنی تناول ہے۔

باب اذا کان بین الامام و بین القوم حائط او سترة

امام بخاری کا مقصد اس باب سے یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان دیوار بھی ہو تو اقتداء ٹھیک ہو جائے گی یا سترہ درمیان میں ہو تو پھر بھی اقتداء ٹھیک ہو جائے گی لیکن فقہاء نے اس میں دو شرطیں بھی بیان فرمائی ہیں۔

۱- امام کا رکوع سجدہ میں جانا مقتدیوں کو معلوم ہوتا رہے۔

۲- امام اور مقتدیوں کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ نہ ہو کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ دونوں الگ الگ نماز پڑھ رہے ہیں۔

واجدار احجرة قصیر:۔ حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں نماز پڑھا کرتے تھے وجدار الحجرة قصیر اور حجرہ کی دیوار یعنی حضرت عائشہ کے مکان کے صحن کی دیوار چھوٹی تھی حجرہ سے مراد صحن ہے اور جدار کا لفظ چٹائی کے حجرہ پر نہیں بولا جاتا اس سے صاف معلوم ہوا کہ صحن کی دیوار مراد ہے اور حجرہ سے مراد صحن ہے چٹائی کا حجرہ نہیں ہے تفصیل عصر کی تاخیر کے مستحب ہونے کے مسئلہ میں گزر چکی ہے حنفیہ حجرہ سے مراد حضرت عائشہؓ صدیقہ کا صحن لیتے ہیں کہ بعض دفعہ ٹھیک ہے چٹائی کے حجرہ میں جماعت ہوئی ہے لیکن بعض دفعہ حضرت عائشہ کے صحن میں بھی جماعت ہوئی ہے کہ اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور صحابہ باہر تھے اور جمہور ائمہ کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اقتداء کے واقعہ میں صرف چٹائی کا حجرہ ہی مراد ہے صحیح بخاری کی اس زیر بحث روایت سے حنفیہ کے قول کی تائید ہو گئی مزید تائید ابو نعیم کی روایت سے ہوتی ہے اس میں یہ لفظ ہیں **کان یصلی فی حجرة من حجر ازواجه**۔

انی خشیت ان تکتب علیکم صلوٰة اللیل

سوال معراج کے واقعہ میں وارد ہے کہ جب نمازیں پچاس سے کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **لایبدل القول لدی**۔ جب یہ فرما دیا تھا کہ اب پانچ نمازوں میں تبدیلی نہ ہو گی تو اب یہ خطرہ کیسے ہو سکتا تھا کہ تراویح کی نماز فرض کر دی جائے۔ جواب:۔ ۱- معراج والے ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ اب پانچ سے کمی نہ ہو گی زیادتی کا احتمال تو باقی تھا اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادتی کا خوف ذکر فرمایا۔ ۲- معراج والے ارشاد کا تعلق پورے سال کے ساتھ تھا کہ پورے سال والی نمازوں میں نہ کمی ہو گی نہ زیادتی ہو گی۔ اکیلے رمضان میں زیادتی کا خطرہ موجود تھا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ذکر فرمایا۔ ۳- نمازیں چھ ہونے کا خطرہ تو نہ تھا لیکن تراویح کی جماعت جو سنت ہے اس جماعت کے فرض ہونے کا خطرہ تھا جس کو زیر بحث روایت میں ذکر فرمایا۔

باب صلوٰة اللیل

سوال۔ اس باب کو جماعت کے ابواب سے بالکل مناسبت نہیں ہے پھر یہاں جماعت کے ابواب کے اخیر میں کیوں یہ باب رکھ دیا۔ جواب:۔ ۱- بہت سے نسخوں میں یہاں یہ باب نہیں ہے اور جو روایتیں یہاں مذکور ہیں وہ گذشتہ باب ہی کا حصہ ہیں اور یہی نسخہ زیادہ مناسب ہے کہ یہاں یہ باب نہ ہو تا کہ کوئی اشکال نہ پڑے۔ ۲- یہاں صلوٰة اللیل مع الجماعة مراد ہے اور مقصد امام بخاری کا یہ ہے کہ صلوٰة اللیل میں بھی جماعت کی گنجائش ہے اس لحاظ سے جماعت کے ابوب کے مناسب ہے اور نفس صلوٰة اللیل کا استحباب یہ یہاں بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کا ذکر آگے آئے گا وہاں استحباب بیان کرنا مقصود ہو گا۔ اس تقریر سے تکرار کا اعتراض بھی ختم ہو گیا کہ صلوٰة اللیل کا باب دو جگہ کیوں رکھا۔ ۳- یہاں صلوٰة اللیل کے باب کے ذکر کرنے سے صرف یہ مقصد ہے کہ جیسے دیوار اقتداء سے نہیں روکتی اسی طرح رات کا اندھیرا جماعت سے نہیں روکتا لیکن [illegible] حال ملحوظ ہے کہ امام کا رکوع سجدہ میں

جانا اور اٹھنا مقتدیوں کو معلوم ہوتا رہے۔

باب ایجاب التکبیر و افتاح الصلوٰۃ

بعض نسخوں میں اس باب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی ہے اور ابواب صفۃ الصلوۃ بھی ہے اور یہ زیادتی والا نسخہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ پیچھے ابواب اذان جماعت تھے اب صفۃ صلوٰۃ کے اہم ترین ابواب شروع ہو رہے ہیں گویا پہلے شرائط و مبادی تھے اب اصل نماز کا طریقہ شروع ہو رہا ہے پھر باب ایجاب التکبیر سے غرض امام بخاری کی کیا ہے اس میں متعدد قول ہیں۔ ا۔ اللہ اکبر کا لفظ ضروری ہے تسبیح وتہلیل کے الفاظ تحریمہ منعقد ہونے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ ۲۔ بعض کا شاذ قول ہے کہ نماز کی سب تکبیریں واجب ہیں اس قول کا امام بخاری کی رد کرنا چاہتے ہیں کہ صرف شروع میں تکبیر واجب ہے بعد میں صرف سنت ہے۔ ۳۔ بعض کا جو قول ہے کہ ہر تکبیر نماز میں واجب ہے اسی شاذ قول کی تائید امام بخاری کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ائمہ کا اس میں اختلاف ہو گیا کہ تحریمہ منعقد ہونے کے لئے کون کون سے الفاظ کافی ہیں۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک تحریمہ کا مصداق صرف اللہ اکبر ہے وعندالشافعی اللہ الاکبر بھی ھے وعند ابی یوسف اللہ کبیر اللہ الکبیر اللہ الکبار بھی ہیں کل پانچ لفظ ہو گئے وعند الطرفین ہر لفظ جو موجب تعظیم ہو تحریمہ کے لئے کہنا صحیح ہے جیسے اللہ اجل ' الرحمٰن اعظم وغیرہ' للطرفین و ذکر اسم ربہ فصلی کیونکہ نماز سے پہلے متصلا تحریمہ ہی ہے تو حق تعالیٰ نے تحریمہ کا ذکر ان لفظوں میں فرمایا وذکر اسم ربہ معلوم ہوا کہ جو لفظ بھی ذکر اسم رب کا مصداق ہے وہی تحریمہ کا مصداق ہے اور اس پر فصلی مرتب ہو سکتا ہے فاء تعقیب بلا فصل کے ہوتا وہ چیز جس کے فوراً بعد نماز ہو وہ تحریمہ ہی تو ہے پس تحریمہ اور ذکر اسم رب ایک ہی چیز ہوئی۔ اس لئے ہر لفظ جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر دلالت کرے وہ ذکر اسم ربہ کا مصداق بھی ہے اور تحریمہ کا مصداق بھی ہے۔ ولمالک واحمد توارث عملی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک مسلمان اللہ اکبر کہتے چلے آئے ہیں اور توارث عملی تواتر کی ایک قسم ہے اس لئے اللہ اکبر تواتر سے ثابت ہو گیا۔ جواب۔ توارث عملی سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ اکبر سے تحریمہ منعقد ہو جاتی ہے ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ اس لفظ سے تحریمہ منعقد ہو جاتی ہے اور یہی کہنا مسنون ہے لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ اگر کوئی شخص کوئی اور لفظ کہہ دے گا تو تحریمہ منعقد نہ ہوگی اس لئے یہ توارث عملی ہمارے خلاف نہیں ہے۔ وللشافعی یہی توارث عملی اللہ اکبر کو ثابت کرتا ہے اور اگر اکبر پر الف لام لگا لیا جائے تو زیادتی ہوئی کمی تو نہ ہوئی۔ یعنی اللہ الاکبر میں اللہ اکبر بھی موجود ہے اس لئے دونوں لفظوں سے تحریمہ منعقد ہو جائے گی۔ جواب بالکل وہی ہے جو ابھی دیا گیا۔ ولابی یوسف۔ ا۔ فی ابی داوٗد عن علی مرفوعاً تحریمها التکبیر کہ تکبیر کے مادہ سے جو لفظ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوگا وہ تحریمہ کا مصداق بن جائے گا اور اسی میں حصر بھی ہوگا کیونکہ یہاں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں اور تعریف الطرفین سے حصر ثابت ہو جاتا ہے اس لئے صرف تکبیر کے مادہ سے ہی تحریمہ منعقد ہوگی اور کسی لفظ سے نہ ہوگی اور تکبیر کے مادہ سے یہی پانچ لفظ استعمال ہوتے ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں اس لئے تحریمہ ان ہی پانچ لفظوں میں بند ہے۔ ۲۔ دوسری دلیل امام ابو یوسف کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وربک فکبر تقریر وہی جو ابھی گزری کہ کبر کے مادہ کا لحاظ ضروری ہے اور اس آیت میں تکبیر کہنے کا امر ہے اور اس پر اجماع ہے کہ نماز کے علاوہ تکبیر کہنا فرض نہیں ہے لامحالہ اس آیت میں نماز کی تحریمہ ہی کا ذکر ہے کہ نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہا کرو اور اسماء الٰہیہ میں اسم تفضیل اکبر اور صفۃ کبیر اور کبار میں کچھ فرق نہیں اس لئے یہ پانچوں صیغے برابر درجہ کے ہیں اور ان سب سے تحریمہ منعقد ہو جاتی ہے۔ جواب ان دونوں دلیلوں کا یہ ہے کہ حدیث پاک میں اور آیت مبارکہ میں تکبیر کا مادہ مراد نہیں ہے بلکہ کلمہ تعظیم مراد ہے کہ ایسا لفظ کہو جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ظاہر ہوتی ہو اس لئے سب الفاظ جو عظمت پر دلالت کرتے ہیں اس کا مصداق بن

جائیں گے اوران سے تحریمہ منعقد ہو جائے گی اس کی تائید سورہ یوسف کی اس آیت سے ہوتی ہے فلماً رائینه اکبر نه وقطعن ایدیھن۔ یہاں اکبرن سے مراداللہ اکبر کہنا نہیں ہے بلکہ عظیم سمجھنا ہے معلوم ہوا کہ اکبرن اور کبرن تعظیم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

باب رفع اليدين فی التكبيرة الاولى مع الافتتاح سواءً

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ رفع یدین تحریمہ کے ساتھ ہونا ہی مسنون ہے یہ نہ ہو کہ تحریمہ سے پہلے ہو جائے یا تحریمہ کے بعد ہو۔ سواء ترکیب میں حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے حال کون رفع الیدین مع الافتتاح متساویین۔ پھر شروع میں ہاتھ اٹھانے میں مختلف حکمتیں ہیں مثلاً۔۱- اشارہ ہے کہ یا اللہ میں دنیا ساری کو ایک طرف پھینک کر آپ کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔۲- ہاتھ اٹھا کر وہ پردہ ہٹا دیا جاتا ہے جو عابد اور معبود کے درمیان تھا یعنی اے اللہ میں آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہو گیا ہوں۔۳- کعبۃ اللہ کی طرف پورے بدن کے ساتھ استقبال مقصود ہے کہ ہتھیلی اور انگلیاں بھی قبلہ رخ ہو جائیں۔۴- ہاتھ اٹھانا عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا اظہار ہے یعنی قولاً اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ساتھ عملاً ہاتھ اٹھانے سے مولائے عظیم کی تعظیم وکبریائی کا اظہار ہے۔۵- اتباع سنت کا اظہار ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھاتے تھے اس لئے ہم بھی اٹھائیں گے۔۶- نماز کی شوکت وعظمت وزینت ظاہر ہوتی ہے خصوصاً باجماعت نماز میں جو اصل نماز ہے۔۷- بادشاہوں کے پاس لوگ آتے ہیں تو شاہی آداب کے ساتھ سلام کرتے ہیں نماز کے شروع میں بھی احکم الحاکمین ملک الملوک شہنشاہ کے دربار کی حاضری کے وقت بھی شاہانہ ادب کے ساتھ سلام کیا جاتا ہے۔

باب رفع اليدين اذا كبر واذا ركع واذا رفع

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ ان تین موقعوں میں رفع یدین مسنون ہے اس مسئلہ میں اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے امام ابوحنیفہ کا مسلک اور اشہر روایات امام مالک کی یہ ہے کہ صرف شروع نماز میں رفع یدین مسنون ہے وعندالشافعی و احمد و فی روایة لمالک شروع میں اور رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین مسنون ہے اور شوافع حضرات نے تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی رفع یدین امام شافعی کے اصول کے مطابق مسنون قرار دی ہے اگرچہ صراحۃً امام شافعی سے منقول نہیں ہے لنا۔۱- فی ابی داؤد و الترمذی والنسائی عن عبدالله بن مسعود موقوفاً الا اصلی بکم صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلی فلم یرفع یدیه الامرةً اور امام ترمذی نے اس روایت کو حسن اور ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔۲- فی ابی داؤد عن البراء مرفوعاً کان اذاافتتح الصلوٰة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لایعود۔ سوال:۔ امام ابوداؤد نے ثم لایعود کی زیادتی کو صحیح قرار نہیں دیا۔ جواب:۔ امام طحاوی نے یہ زیادتی تین سندوں سے ثابت کی ہے۔۳- ہماری تیسری دلیل الخلافیات للبیہقی میں حضرت عباد بن الزبیر سے مرفوعاً وارد ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صرف پہلے موقعہ میں رفع یدین کا مذکور ہے۔۴- طبرانی میں عن ابن عباس مرفوعاً لاترفع الایدی الافی سبع مواطن پھر سات جگہیں مذکور ہیں۔۱- ابتداء صلوٰة۔۲- صفاومروہ پر۔۳،۴- مقامین عندالجمر تین۔۵- عرفات۔۶- مزدلفہ۔۷- عنداستقبال القبلۃ یعنی جب پہلی نظر خانہ کعبہ پر پڑے۔۵- ہماری پانچویں دلیل فی مسلم عن جابربن سمرة خرج علینا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة. سوال:۔ مسلم میں اس روایت کے بعد قریب ہی ایک اور روایت ہے جابر بن سمرۃ ہی سے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس روایت میں بھی کانها اذناب خیل شمس کے الفاظ ہیں پس اس روایت سے اس پہلی روایت کی

وضاحت ہوگئی کہ سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے سے منع فرمانا مقصود تھا رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانے سے منع کرنا مقصود نہ تھا۔ جواب:۔ ہماری پانچویں دلیل اوراس روایت میں کئی لحاظ سے فرق ہے۔ ۱- ہماری نفلوں کے بارے میں ہے آپ کی فرضوں کے بارے میں ہے۔ ۲- ہماری روایت میں بلاجماعت نماز پڑھنے کا ذکر ہے آپ کی روایت میں باجماعت نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ ۳- ہماری دلیل میں اسکنوافی الصلوٰۃ کی تصریح ہے جو ہمارے قول کو ثابت کرنے میں صریح ہے جو روایت آپ ذکر کر رہے ہیں اس میں یہ لفظ نہیں ہیں۔ ۴- ہماری دلیل کے راوی الگ ہیں آپ کی روایت کے راوی الگ ہیں صرف حضرت جابر بن سمرۃ مشترک ہیں عام طور پر جب ایک ہی واقعہ دوسندوں سے منقول ہوتا ہے تو اس میں متعدد راوی مشترک ہوتے ہیں یہاں ایک کے سوا سب راویوں کا الگ الگ ہونا بھی اس کی علامت ہے کہ یہاں دو واقعے الگ الگ ہیں ان سب باتوں سے ثابت ہوا کہ یہاں دو واقعے الگ الگ ہیں اور رکوع میں بھی ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ۶- ہماری چھٹی دلیل المعرفہ للبیہقی اور طحاوی اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت مجاہد عمل نقل کرتے ہیں حضرت ابن عمر کا کہ وہ صرف پہلے موقعہ میں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ ۷- طحاوی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابراہیم عمل نقل فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود کا یہی کہ شروع صلوٰۃ میں رفع یدین فرماتے تھے بعد میں نہیں۔ سوال:۔ حضرت ابراہیم کا سماع حضرت عبداللہ بن مسعود سے ثابت نہیں روایت منقطع ہو گئی جو ضعیف ہوتی ہے۔ جواب:۔ طحاوی شریف میں سند کے ساتھ منقول ہے کہ حضرت اعمش نے حضرت ابراہیم سے عرض کیا اذا حدثتنی فاسند تو جواب دیا کہ میرا یہ اصول ہے کہ جب ایک دوراوی ہوں تو ان کو ذکر کر دیتا ہوں اور جب بہت سے راوی ہوں تو سند ذکر نہیں کرتا۔ ۸- ہماری آٹھویں دلیل طحاوی شریف اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے جو علی شرط مسلم ہے عن الاسود کہ حضرت عمرؓ کا عمل نقل فرماتے ہیں کہ شروع صلوٰۃ میں ہی رفع یدین فرماتے تھے بعد میں نہ فرماتے تھے کثیر صحابہ کا امامت عمر فاروق کو دیکھنا اور انکار نہ فرمانا تقریباً اجماع صحابہ ہے۔ ۹- فی الطحاوی عن کلیب علی شرط مسلم حضرت علی کا عمل نقل فرماتے ہیں صرف شروع میں رفع یدین کا۔ یہ بھی بظاہر زمانہ خلافت ہی کا عمل ہے۔ ۱۰- دلیل عاشر عشرہ مبشرہ کا عمل ہے جن کو ایک ہی حدیث میں جنت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت سعیدؓ بن زید۔ ان سب حضرات کا عمل حضرت ابن عباسؓ سے بدائع الصنائع میں منقول ہے کہ صرف افتتاح کے موقعہ پر رفع یدین فرماتے تھے بعد میں نہ فرماتے تھے۔ ۱۱- رفع یدین دنیا سے ہاتھ اٹھانے اور سب گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے ہے اس لئے یہ شروع نماز ہی کے مناسب ہے۔ رکوع جاتے وقت ہاتھ اٹھانے کے معنی یہ ہوئے کہ قرأت قرآن پاک سے توبہ کی جارہی ہے یہ مناسب نہیں۔

للشافعی و احمد:۔ ۱- **فی ابی داؤد و صحیح البخاری فی ھذا الباب و فی صحیح مسلم عن ابن عمر قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذاقام فی الصلوٰۃ رفع یدیہ حتیٰ یکونا حذومنکبیہ و کان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع ویفعل ذلک اذارفع راسہ من الرکوع** اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی حضرت ابن عمر سے مرفوعاً عملاً منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان فرمایا کہ اس طرح تھا۔ جواب۔ جب حضرت ابن عمر کا اپنا عمل اپنی ہی نقل کی ہوئی مرفوع روایت کے خلاف ہمارے دلائل میں گزر چکا ہے تو یہ عمل اور روایت میں مخالفت تین چیزوں میں سے ایک چیز کی

دلیل ہے کہ جو روایت نقل فرمائی ہے وہ روایت ضعیف ہے یا منسوخ ہے یاماول ہے یعنی اس کے ایسے معنی ہیں جو صحابی کے عمل کے خلاف نہیں ہیں۔ تینوں صورتوں میں استدلال نہیں ہوسکتا۔ سوال:۔ بیہقی میں ایک سند میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اخیر عمر تک رہا۔ جواب:۔ یہ روایت اتنی کمزور ہے کہ اس کو موضوع قرار دیا گیا ہے اس لئے اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔۲- امام شافعی اور امام احمد کی دوسری دلیل فی الصحیحین عن مالک بن الحویرث عمل نقل فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ رفع یدین فرماتے تھے شروع میں اور رکوع میں اور رکوع سے اٹھتے وقت جواب نسائی میں ان صحابی سے ہی مرفوعاً سجدہ میں بھی رفع یدین ہے جو آپ سجدہ والی رفع یدین کا جواب دیں گے وہی ہم رکوع والی رفع یدین کا جواب دے دیں فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔۳- فی ابی داؤد عن ابی حمید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل منقول ہے شروع میں اور رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا۔ جواب:۔ اس روایت کے متن میں اضطراب ہے بعض راویوں نے اخیر میں تورک اور بعض نے افتراش نقل کیا ہے۔ نیز اس کی سند میں عبدالحمید راوی ہے جس کو یحیی بن سعید قطان نے ضعیف قرار دیا ہے اس کے علاوہ امام طحاوی نے ابی حمید سے پہلے ایک راوی چھوٹا ہوا ثابت کیا ہے جس کی وجہ سے یہ روایت منقطع ہوگئی جو ضعیف ہوتی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ سمعت کا لفظ جو یہاں منقول ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ راوی چھوٹا ہوا نہیں ہے بلکہ سماع ثابت ہے اس کے متعلق امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ سمعت نقل کرنا عبدالحمید راوی کا وہم ہے اس لئے سمعت ثابت نہیں ہے انقطاع ثابت ہے اور روایت ضعیف ہے جب اس روایت میں تین قسم کا ضعف پایا گیا تو اس روایت سے استدلال کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔۴- بیہقی میں حضرت عمرؓ سے مرفوعاً عمل منقول ہے رفع یدین کا شروع میں اور رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔ جواب۔ اس روایت کے راوی

حضرت عمرؓ کا عمل چونکہ اس کے خلاف ہمارے دلائل میں مذکور ہے اس لئے یہ روایت ضعیف یا منسوخ یا ماؤل ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک راوی کو صرف رجل کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ ایک راوی مجہول ہے اس لئے روایت ضعیف ہے۔۵- بیہقی میں حضرت علیؓ کا عمل تینوں موقعوں میں رفع یدین کا منقول ہے جواب یہ ہے کہ ہمارے دلائل میں جو حضرت علیؓ کا عمل صرف ایک موقعہ میں رفع یدین کا منقول ہے وہ اس بیہقی کی روایت سے اقویٰ ہے کیونکہ وہ علی شرط مسلم ہے اس لئے اسی کو ترجیح ہے۔۶- **فی ابی داؤد عن وائل بن حجر مرفوعاً فلما اراد ان یرکع رفعھما مثل ذلک ثم وضع یدیہ علی رکبتیہ فامارفع راسہ من الرکوع رفعھما.** جواب:۔ اسی باب میں ابوداؤد میں اس روایات سے پہلے دو روایتیں چھوڑ کر ان ہی صحابی سے جو عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منقول ہے اس میں رکوع کے ساتھ ساتھ سجدہ میں بھی رفع یدین ہے فما ھو جوابکم فھو جوابنا کیونکہ آپ سجدہ میں رفع یدین کے قائل نہیں ہیں اور ایک جواب ہمارے پاس ان مذکور اور غیر مذکور سب دلائل کا انتہائی جامع ہے وہ یہ ہے کہ پہلے نماز میں عمل کثیر کی بھی ممانعت نہ تھی گفتگو کی بھی اجازت تھی آہستہ آہستہ سکون اور یکسوئی کے احکام نازل ہوتے گئے پہلے یہ حکم تھا کہ جماعت ہورہی ہو تو نیا آنے والا اس شخص سے جو جماعت میں پہلے سے شریک ہوتا تھا پوچھ لیتا تھا کہ کتنی رکعتیں ہوگئی ہیں وہ بول پڑتا تھا کیونکہ نماز میں بولنے کی اجازت تھی وہ بتلا دیتا کہ دو رکعتیں مثلاً ہو چکی ہیں نیا شریک ہونے والا جلد جلدی دو رکعتیں پڑھ لیتا اور پھر جماعت کے ساتھ شریک ہوجاتا تھا۔ ہر نیا آنے والا اسی طرح کرتا تھا اس طرح مسجد میں ایک انتشار کی سی حالت رہتی تھی کوئی کھڑا ہے کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدہ میں ہے یہ انتشار بھی منسوخ کردیا گیا۔ اب رفع یدین کی روایات سب کی سب اگر جمع کی جائیں تو کل چار قسم کی روایات بنتی ہیں۔۱- ہر رفع وخفض میں رفع یدین حتی کہ

دونوں سجدوں میں بھی رفع یدین۔۲- چار موقعوں میں رفع یدین شروع میں اور رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت۔۳- تین رفع یدین شروع میں پھر رکوع کو جاتے وقت پھر رکوع سے اٹھتے وقت۔۴- صرف ایک رفع یدین شروع صلوٰۃ میں ان تمام حالات اور روایات کو دیکھنے سے قرین قیاس یہی ہے کہ پہلے ہر رفع وخفض میں رفع یدین تھا پھر چار جگہ رہ گیا پھر تین جگہ اور اخیر میں پھر صرف ایک جگہ رہ گیا اور اس پر حکم پختہ ہو گیا اور یہی ہمارے امام ابوحنیفہ کا مسلک اور امام مالک کی اشہر روایت ہے اور چار اماموں میں سے ان دو کا مقام بھی تو اونچا ہے امام احمد کے استاد امام شافعی ہیں ان کے استاد امام مالک ہیں ان کے استاد امام ابوحنیفہ ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

باب الی این یرفع یدیه

امام بخاری کی غرض ہاتھ اٹھانے کی حد بتلانی ہے کہ منکبین تک ہے۔ باب کے عنوان میں تصریح نہیں فرمائی کیونکہ آگے حدیث میں تصریح آ رہی تھی منکبین تک اٹھانے کی۔ اس سلسلہ میں کل روایتیں تین قسم کی مرفوعاً وارد ہیں۔ ۱- الی المنکبین. ۲- الی شحمتی الاذنین. ۳- الی الاذنین. امام بخاری نے تو ترجیح کی طرف اشارہ فرمایا کہ منکبین کو ترجیح ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک تینوں کو جمع کرنا اولیٰ ہے اس طرح سے کہ ہتھیلیاں کندھوں تک ہوں۔ انگوٹھے شحمتین تک یعنی کانوں کی لو تک ہوں جہاں عورتیں سوراخ کر کے کانٹے پہنتی ہیں اور انگلیاں کانوں کے برابر ہوں جمہور کا قول ہی اولیٰ ہے کیونکہ اس میں جامعیت ہے۔

باب رفع الیدین اذاقام من الرکعتین

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ ایک چوتھی رفع بھی مسنون ہے تفصیل گذشتہ بابوں میں گزر چکی۔

ورواہ حماد بن سلمة عن ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس سند کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اگرچہ حضرت ابن عمر سے رفع رابع میں روایتیں دو قسم کی ہیں۔ ۱- مرفوع۔ ۲- موقوف لیکن میرے نزدیک (یعنی امام بخاری کے نزدیک) مرفوع ہونا راجح ہے البتہ امام ابوداؤد کے نزدیک موقوف ہونا راجح ہے۔

ورواہ ابن طھمان عن ایوب وموسی بن عقبہ مختصراً

اس اختصار کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱- موقوف نقل فرمایا مرفوع نقل نہ فرمایا۔ ۲- چوتھی رفع ذکر نہ فرمائی صرف شروع کی تین ذکر فرمائیں۔ ۱- ابتداء صلوٰۃ میں رفع یدین۔ ۲- رکوع کو جاتے وقت۔ ۳- رکوع سے اٹھتے وقت اور چوتھی رفع یدین تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت ذکر نہ فرمائی۔

باب وضع الیمنی علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ

امام بخاری کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا نماز میں مسنون ہے۔ پھر علماء نے اس وضع میں حکمتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ۱- سائل ذلیل کی صفت یہی ہے کہ اسی طرح اپنے آقائے عظیم وجلیل کے سامنے کھڑا ہو۔ ۲- جب ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے تو ہاتھ فضول حرکتوں سے محفوظ رہیں گے۔ ۳- یہ حالت اقرب الی الخشوع بلکہ مصداق ہی ہے خشوع کا ایک قول کے مطابق اور خشوع کی تاکید قرآن پاک میں موجود ہے الذین هم فی صلوتهم خاشعون اسی مناسبت سے امام بخاری نے اس باب کے فوراً بعد خشوع کا باب رکھا ہے۔ ۴- انسان کا نصف اعلیٰ روحانی ہے جس میں دل و دماغ ہیں آنکھیں کان اور زبان ہیں ان سب سے روح کو بہت ترقی ہو سکتی ہے اور انسانی بدن کا نیچے کا آدھا حصہ نفسانی ہے جس میں گناہوں کا خطرہ ہو سکتا ہے خواہ گناہوں کا تعلق کھانے سے ہو یا زنا سے ہو جو درمیان میں ہاتھ باندھے جاتے ہیں تا کہ روح جو متوجہ الی اللہ ہونا چاہتی ہے اس کو نفس نہ روکے اور روح کے کام میں خلل نہ ڈالے۔ وہ چیز جس کی وجہ سے جسمانی ظاہری و باطنی قلبی حیوٰۃ ہے اس کو روح کہتے ہیں اور کھانے کی خواہش اور نکاح کی خواہش

کے مجموعہ کو نفس کہتے ہیں۔ پس ہاتھوں کا باندھنا نفس کے لئے رکاوٹ کا کام کرتا ہے تا کہ نفس کی شرارت سے محفوظ رہ کر روح اپنے خالق و مالک کی طرف پوری پوری متوجہ رہے۔ **ہاتھ کہاں باندھے جائیں**:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ و فی اشہر روایۃ عن احمد ناف کے نیچے باندھے جائیں وعند الشافعی و مالک و فی روایۃ عن احمد ہاتھ فوق السرہ باندھے جائیں۔لنا۔ **ما فی ابی داؤد عن علی موقوفا من السنة وضع الكف على الكف فی الصلوٰة تحت السرة** اور پھر ابوداؤد نے اس پر سکوت فرمایا ہے جو بہت سے محدثین کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے کی علامت ہے **وللشافعی و مالک ما فی صحیح ابن خزامة عن وائل بن حجر مرفوعاً فوضع يده اليمنىٰ على يده اليسرىٰ على صدره جواب**:۔ ۱- **لفظ من السنة** اصل سنت پر دلالت کرتا ہے اس لئے حضرت وائل بن حجر والی روایت کو بیان جواز پر محمول کیا جائے گا۔ ۲- روایتیں دونوں قسم کی وارد ہوگئیں اس لئے قیاس مرجح ہوگا اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تحت السرح کو ترجیح ہو کیونکہ یہ ادب سے زیادہ قریب ہے۔ ۳- قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تحت السرہ کو راجح قرار دیا جائے کیونکہ فوق السرہ یہود کا طریق ہے۔ تشبہ بالیہود سے بچنے کے لئے تحت السرہ کو ترجیح ہے۔ ۴ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تحت السرہ باندھنے میں ستر عورت زیادہ ہے اس لئے اس کو ترجیح ہے۔

باب الخشوع فی الصلوٰۃ

غرض خشوع کا شوق دلانا ہے کیونکہ کلام ازلی میں ہے **الذین هم فی صلوتهم خاشعون**۔ پھر خشوع کی حقیقت میں اقوال مختلف ہیں۔ ۱- اظہار ذلت و اظہار تواضع مولائے جلیل کے سامنے۔ ۲- حق تعالیٰ کے ناراض ہونے کے خوف کو خشوع کہتے ہیں۔ ۳- تین چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں۔ ایک تواضع دوسرے **لین الكتف للمسلم** یعنی جب کوئی مسلمان بھائی کہے صف میں آگے یا پیچھے ہو جاؤ تو فوراً ہو جائے تکبر و انکار نہ کرے تیسرے نماز میں دائیں بائیں نہ دیکھنا ان تین چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں۔ ۴- چوتھا قول خشوع کے معنی میں یہ ہے کہ دو چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں ایک غض البصر ہے یعنی جہاں نماز میں نگاہ رکھنا مسنون ہے وہاں ہی رکھے آگے پیچھے نہ دیکھے کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نگاہ ہو رکوع میں پاؤں پر سجدہ میں ناک کی طرف بیٹھنے میں رانوں کی طرف سلام پھیرتے وقت دائیں اور بائیں کندھے کی طرف نگاہ ہو۔ دوسری چیز خفض الجناح یعنی تواضع حسی کہ اکڑا اکڑ کر پریڈ کی طرح نماز نہ پڑھے بلکہ ہر ہر رکن میں حسی طور پر تواضع اور انکساری کی صورت بنائے۔ ان دو چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں۔ ۵- دو چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں ایک سکون ظاہری و باطنیٔ سکون ظاہری یہ کہ بلاضرورت بدن کو ہلاتا جلاتا نہ رہے۔ سکون باطنی کا مطلب یہ ہے کہ دل کی توجہ ایک طرف رہے مثلاً نماز کے الفاظ کی طرف کہ کچے حافظ کی طرح الفاظ سوچ سوچ کر پڑھے جب توجہ غیر اختیاری طور پر دوسری طرف چلی جائے تو یاد آنے پر پھر توجہ کر لے پھر چلی جائے تو یاد آنے پر پھر توجہ کر لے اگر اس طرح کرتا رہے گا تو کامل خشوع ہی کا ثواب مل جائے گا دماغ پر بہت زیادہ بوجھ ڈالنا کہ بالکل دوسری طرف ایک لحہ کے لئے بھی خیال نہ جائے اس سے اکابرین نے منع فرمایا ہے کیونکہ بعض دفعہ اس سے دماغ ضائع ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ کامیابی نہ ہونے کی وجہ سے خشوع کا ارادہ بالکل ہی چھوڑ دیتا ہے یا یہ سوچتا ہے کہ جب خشوع ہو نہیں سکتا اور خشوع کے بغیر نماز بہت کمزور ہے تو ایسی نماز ہی کا کیا فائدہ اور نماز ہی چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک بہر حال باطنی یکسوئی کی ایک صورت نماز کے الفاظ کو سوچ کر پڑھنا ہے دوسری صورت کلمات صلوٰۃ کے معنی سوچتے رہنا ہیں۔ تیسری صورت اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور ہے کہ میں اپنے خالق و مالک کے سامنے ادب سے کھڑا ہوں رکوع اور سجدہ کر رہا ہوں ادب سے بیٹھا ہوں۔ چوتھی صورت سکون باطنی کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مبارکہ سوچتا رہے کہ وہ رحیم و کریم ہیں

خالق و مالک ہیں۔ محسن عظیم ہیں ہم ان کے انعامات میں ڈوبے ہوئے ہیں وغیرہ اور پانچویں یہ صورت بھی اکابر دین نے جائز قرار دی ہے کہ خانہ کعبہ کے سامنے ہونے کا تصور نماز میں رکھے کہ گویا مسجد حرام میں نماز پڑھ رہا ہوں ان سب صورتوں میں اصول وہی ہے کہ دوسرا خیال غیر اختیاری آ جائے تو یاد آنے پر پھر توجہ کر لے اس فکر میں نہ پڑے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی دوسرا خیال ہرگز نہ آنے پائے۔ خشوع کے پانچویں معنی کا خلاصہ یہ ہوا کہ خشوع دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک سکون ظاہری و باطنی جس کی تفصیل ہوگئی دوسری چیز ہے حسن الھیہ کہ گندا مندا مولائے کریم کے سامنے کھڑا نہ ہو بلکہ صاف ستھرے بدن اور صاف ستھرے کپڑوں کے ساتھ باادب کھڑا ہو ان دو چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں۔ ۶- خشوع کے چھٹے معنی یہ ہیں کہ نماز کے ارکان مختلفہ میں جس جس جگہ نگاہ رکھنے کا حکم ہے وہاں ہی نگاہ رکھے کسی اور طرف نہ دیکھے۔ اس قول اور چوتھے قول میں فرق یہ ہے کہ چوتھے قول میں خشوع دو چیزوں کا مجموعہ تھا یہاں چھٹے قول میں ایک ہی چیز کا نام خشوع ہے۔ ۷- دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا نام خشوع ہے۔ ۸- جمع الھمة للصلوٰۃ کو خشوع کہتے ہیں۔ جس کو پانچویں قول میں سکون باطنی کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے پھر اس آٹھویں قول اور پانچویں قول میں فرق یہ ہے کہ پانچویں قول میں سکون باطنی کے ساتھ سکون ظاہری اور حسن الھیۃ کا بھی لحاظ تھا اور اس آٹھویں قول میں صرف سکون باطنی کو ہی خشوع قرار دیا گیا ہے۔ ۹- اخلاص کے اونچے مقام کو خشوع کہتے ہیں۔ اخلاص کے چھ مرتبے ہیں۔ ۱- عذاب سے بچنے کی نیت۔ ۲- جنت حاصل کرنے کی نیت۔ ۳- اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت۔ ۴- جنت کی نیت صرف اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کا محل ہے۔

عاشقاں جنت برائے دوست مے دارند دوست

۵- جنت کی نیت کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں اس قابل کہاں کہ اپنے آپ کو طالب رضا حق کہہ سکوں اور کبھی کبھی بارگاہ الٰہی میں عرض بھی کر دیتا ہے کہ میں اپنے آپ کو طالب رضا حق کہنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اس درجہ کو فناء کا درجہ کہتے ہیں۔ ۶- فناء الفناء جنت طلب کرتا ہے اور طالب حق و طالب رضا حق اپنے آپ کو کہنے کی کبھی جرات نہیں کرتا گو جی چاہتا ہے کہ طالب حق اور طالب رضاء حق بنوں لیکن اپنے آپ کو اس مقام سے گھٹیا شمار کرتا ہے اور اپنی اس تواضع کو کبھی زبان پر بھی نہیں لاتا۔ ان چھ مرتبوں میں سے ہر بعد کا مرتبہ اپنے ماقبل سے اونچا ہے۔ ۱۰- دسواں قول خشوع کے معنی میں یہ ہے کہ چار چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں۔ ۱- تعظیم۔ ۲- اخلاص۔ ۳- یقین۔ ۴- جمع الھمۃ یعنی سکون باطنی۔ ان دس قولوں میں سے آٹھواں راجح ہے جمع الھمۃ والا یعنی سکون باطنی والا کیونکہ لغت میں خشوع کے معنی سکون کے ہیں اور شریعت میں خشوع کو آداب باطنہ میں سے شمار کیا جاتا ہے اس لئے خشوع بمعنی جمع الھمۃ یعنی سکون باطنی راجح ہے۔

باب مایقول بعد التکبیر

اس باب کا ذکر بخاری شریف کے مبادی میں بھی کر دیا گیا تھا بطور مثال کے کہ بظاہر تو غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد کونسی دعا متعین ہے اس متعین دعا کو بیان کر دیا جائے لیکن امام بخاری کا مقصد یہ نہیں ہے بلکہ اس ظاہری معنی کا لازم اس باب کی غرض ہے وہ یہ کہ ثناء میں اختیار ہے جو دعائیں حدیث میں بطور ثناء مذکور ہیں ان میں سے جو چاہے پڑھ لے اور چاہے تو ثناء چھوڑ دے اب اس باب کی تینوں روایتیں ترجمۃ الباب کے ساتھ منطبق ہو جائیں گی۔ اگر صرف ظاہری معنی کو باب کا مقصد قرار دیا جائے تو انطباق روایات کا نہیں ہوتا کیونکہ پہلی روایت سے بظاہر ثناء نہ پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ دوسری روایت میں ایک ثناء مذکور ہے تیسری میں فاطال القیام میں اشارہ ہے کہ ثناء پڑھنے کی وجہ سے پہلی رکعت کا قیام لمبا ہوا ہے پس غرض لازمی معنی ہیں یعنی توسیع فی دعاء الاستفتاح کہ ثناء پڑھو یا نہ پڑھو اور اگر پڑھو تو جو ثناء چاہو پڑھ لو۔ تنبیہ:۔ الخیر الجاری جلد اول صفحہ ۲۰ سطر ۱۸ میں دس

لفظ بڑھا کر عبارت یوں کر لینی چاہئے لیکن مقصود اس کے لازمی معنی ہیں کہ مذکورہ دعاؤں میں سے جو بھی پڑھ لو یا ترک ثناء کر لو تب بھی صحت صلوٰۃ کے لئے کافی ہے۔ انتہی اس اصلاح سے اس مثال کی وضاحت مکمل ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ثناء کے متعلق اختلاف

امام مالک کے نزدیک فرضوں میں ثناء نہیں ہے جمہور کے نزدیک مسنون ہے پھر عند ابی حنیفۃ واحمد فرضوں میں **سبحانک اللّٰھم** والی ثناء مسنون ہے سنت غیر مؤکدہ کے درجہ میں جس کو مستحب بھی کہہ دیا جاتا ہے نفلوں میں جو ثناء چاہے پڑھے یعنی احادیث میں جو مختلف الفاظ سے ثناء کی دعائیں منقول ہیں ان میں سے جو چاہے پڑھ لے گنجائش ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرضوں اور نفلوں میں جو ثناء چاہے پڑھ لے۔ لنا۔ ۱- ابوداؤد کی روایت عن ابی سعید مرفوعاً **اذا قام من اللیل کبر ثم یقول سبحانک اللھم الحدیث**۔ سوال:۔ اس روایت پر امام ابوداؤد نے اعتراض فرما دیا کہ یہ جعفر راوی کا وہم ہے جس نے مرسل روایت کو مسند بنا دیا۔ جواب:۔ یہ ہے کہ جعفر راوی ثقہ ہے اس پر ابن عمار کے سوا کسی نے اعتراض نہیں کیا اور ابن عمار نے بھی جو جرح کی ہے وہ مبہم ہے اور ائمہ اسماء رجال کے نزدیک تعدیل تو مبہم بھی معتبر ہو جاتی ہے لیکن جرح مبہم معتبر نہیں ہوتی بلکہ صرف مفصل جرح ہی معتبر ہوتی ہے اس لئے یہ اعتراض معتبر نہ رہا اور راوی ثقہ ہو گیا۔ اب ثقہ راوی نے اگر روایت مرسل کی جگہ مسند نقل کی ہے تو یہ زیادۃ ثقہ ہے جو معتبر ہے اس لئے حدیث کمزور نہ ہوئی اس سے استدلال صحیح ہے۔ ۲- ہماری دوسری دلیل ابوداؤد ہی کی روایت ہے عن عائشہ مرفوعاً **اذا استفتح الصلوٰۃ قال سبحانک اللھم الحدیث**۔ سوال:۔ امام ابوداؤد نے اعتراض کر دیا کہ عبدالسلام اور طلق راوی متفرد ہیں۔ جواب:۔ عبدالسلام صحیحین کے راوی ہیں اور طلق بخاری شریف کے راوی ہیں اس لئے ان کی زیادتی ثقہ کی زیادتی ہے جو سب کے نزدیک معتبر ہے اور ابوداؤد کے علاوہ یہ روایت سنن ابن ماجہ اور سنن دار قطنی میں بھی موجود ہے۔ ۳- ہماری تیسری دلیل مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمر کبھی کبھی جہراً سبحانک اللھم والی ثنا پڑھا کرتے تھے یہ جہر تو یہ بتلانے کے لئے تھا کہ میں یہ پڑھ رہا ہوں اتنی بات ضرور ثابت ہوئی کہ فرائض میں یہ ثناء پڑھنی مسنون ہے۔ ولمالک فی مسلم عن انس کہ میں نے نماز پڑھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان کے پیچھے وہ **الحمد للہ رب العالمین** سے نماز شروع کرتے تھے اس کے قریب الفاظ اسی باب میں پہلی روایت میں بھی ہیں۔ جواب:۔ مضاف محذوف ہے قرأت صلوٰۃ الحمد للہ رب العالمین سے شروع فرماتے تھے اس کی دلیل ابوداؤد میں حضرت انس اور حضرت عائشہؓ سے روایتیں ہیں جن میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرأت **الحمد للہ رب العالمین** سے شروع فرماتے تھے اس کے علاوہ ابوداؤد میں ایک باب مستقل سکتہ کے متعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت سے پہلے سکتہ فرماتے تھے۔ صحیحین میں بھی یہ سکتہ مرفوعاً منقول ہے اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ قراءت **الحمد للہ رب العالمین** سے شروع ہوتی تھی اور اس سے پہلے ثناء سراً پڑھی جاتی تھی جس کو سکتہ سے تعبیر کیا گیا ہے وللشافعی زیر بحث باب کی دوسری روایت اور ہماری دلیلیں اور ابوداؤد کے دو مستقل باب جن میں کئی قسم کی ثنائیں مذکور ہیں۔ جواب۔ ابوداؤد کے جو دو مستقل باب ثناء کے مختلف الفاظ نقل کرنے کے لئے باندھے گئے ہیں ان میں سے پہلے باب کی چھٹی، ساتویں، آٹھویں، بارھویں اور تیرھویں روایات میں تصریح ہے کہ یہ ثنائیں نفلی نمازوں میں تھیں اس لئے یہ روایتیں ہمارے خلاف نہیں ہیں ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ نفلوں میں جو ثناء چاہے پڑھے اس کے علاوہ چونکہ فرض نماز میں تخفیف کا حکم ہے اس لئے بھی **سبحانک اللھم** والی دعا فرضوں کے مناسب ہے کیونکہ یہ دعا نہایت مختصر ہے اور دوسری دعائیں زیادہ تر لمبی ہیں۔ اس لئے وہ نفلوں کے مناسب ہیں۔

باعدبینی و بین خطایای

سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہوں سے پاک تھے پھر خطایا کو اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا کہ میری خطایا کو مجھ سے دور فرما دیجئے۔ جواب:۔ ۱- یہ اظہار عبدیت ہے کہ اپنے آپ کو خطا کار ہی شمار کیا جائے۔ ۲- یہ امت کو تعلیم ہے کہ امت یوں دعا مانگا کرے۔ ۳- خلاف اولیٰ کام بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لحاظ سے خطا کہلانے کے قابل تھا حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ۴- اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عبادت خواہ کتنی ہی عمدہ طریق سے کی جائے لیکن ان کی اونچی شان کو دیکھتے ہوئے وہ خطا کہلانے کے قابل ہے۔ ۵- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی تقاضا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاواسطہ متوجہ رہیں۔ ضرورت کی وجہ سے صحابہ کرام کو وعظ و نصیحت۔ اصلاح ظاہر و باطن کرنی پڑتی تھی اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ بلاواسطہ نہ رہتی تھی بلکہ بواسطہ بن جاتی تھی جیسے محبوب کو شیشہ کے ذریعہ سے دیکھا جائے اس کو خطا اور بعض موقعوں میں غین یعنی غبار سے تعبیر فرمایا۔ ۶- چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر و فکر وغیرہ کی وجہ سے ترقی فی القرب فرماتے رہتے تھے پھر جب کبھی گذشتہ زمانہ پر نظر پڑتی اور گذشتہ زمانہ میں اپنی حالت اللہ تعالیٰ سے بُعد کی ملاحظہ فرماتے تو خیال فرماتے کہ گذشتہ حالت میں شاید کوئی خطا ہوگئی ہو جس میں اتنا بُعد تھا اس لئے خطا سے معافی مانگتے تھے۔

نقنی من الخطایا: ۱- باعد کا تعلق استقبال سے ہے کہ اے اللہ آئندہ خطایا سے دور رکھئے۔ ۲- نقنی کا تعلق حال سے ہے اس وقت خطایا سے پاک فرما دیجئے۔ ۳- اغسل کا تعلق ماضی سے ہے کہ ماضی کی غلطیاں معاف فرما دیجئے پورے الفاظ یہ ہیں **اللّٰھم باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق والغرب اللّٰھم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اللّٰھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد۔** پھر اس حدیث پاک کی دعا کے اخیر میں جو تین چیزوں سے غلطیوں کو دھونے کی التجا ہے تو ان تین چیزوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ ۱- یہ تینوں چیزیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں اس لئے بابرکت ہیں۔ ۲- گناہ آگ میں جانے کا سبب ہیں جو گرم ہیں ان گناہوں کا تدارک ٹھنڈی چیز سے ہونا چاہئے العلاج بالضد اور یہ تینوں چیزیں ٹھنڈی ہیں۔

فاطال القیام: یہ محل ترجمہ ہے کیونکہ قیام کا لمبا ہونا ثناء اور قرأت کی وجہ سے ہے معلوم ہوا کہ ثناء بھی پائی گئی پھر بعض نسخوں میں یہاں باب بلاترجمہ ہے اس حدیث سے پہلے اس نسخہ کی بنا پر یہ حدیث اور یہ باب گذشتہ باب کا تتمہ ہے اور تتمہ ہونے کی وجہ بھی یہی فاطال القیام کا لفظ ہے وجہ وہی جو ابھی ذکر کی گئی۔

باب رفع البصر الی الامام فی الصلوٰۃ

امام بخاری کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ اصل طریقہ تو یہی ہے کہ نظر قیام میں سجدہ کی جگہ رہے لیکن ضرورت کی بنا پر مقتدی اگر امام کی طرف بھی دیکھ لے تو گنجائش ہے۔

باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

باب الالتفات فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ دائیں بائیں دیکھنا نماز میں مکروہ تنزیہی ہے۔

باب هل یلتفت لامر ینزل به اویری شیئاً اوبصاقاً فی القبلة

غرض یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ سجدہ کی جگہ کی طرف دیکھے لیکن ضرورت کی بنا پر دائیں بائیں دیکھنا یا قبلہ کی دیوار کی طرف دیکھنا کہ کوئی نامناسب چیز یا تھوک لگا ہوا تو نہیں یہ بھی جائز ہے۔

باب وجوب القرأة للامام والماموم فی الصلوات کلها فی الحضر والسفر وما یجهر فیها و مایخافت

اس باب سے امام بخاری کی غرض امام شافعی کے مسلک کو

اختیار کرنا ہے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں لیکن ترجمۃ الباب میں فاتحہ کا لفظ امام بخاری نہیں لائے کیونکہ بہت سی احادیث میں صرف لفظ قرأت ہے۔ اور امام بخاری کو فاتحہ والی حدیث کے بارے میں تردد تھا کہ یہ وجوب پر دلالت کرتی ہیں یا نہ اس لیے ترجمۃ الباب میں صرف قرأت کا لفظ رکھ دیا اور تعیین فاتحہ کا استدلال ناظر کے سپر د کر دیا کہ وہ خود تلاش کرے کہ تعیین کی دلیل کیا ہے۔

اصلی بھم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ محل ترجمہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قرأت سے خالی نہ تھی لیکن ہم حنفیہ یہ عرض کرتے ہیں کہ اتنی بات تو ہم بھی لیتے ہیں کہ امام کے ذمہ قرأت فرض ہے اور یہ مسئلہ تو اتفاقی ہے آپ جو فرما رہے ہیں والماموم کہ مقتدی کے ذمہ بھی فرض ہے یہ کہاں سے نکلا۔ **ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔**

فارکد فی الاولیین:۔ حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عمر کے سامنے عرض کر رہے ہیں کہ میں پہلی دو رکعتوں میں ٹھہرتا ہوں یعنی ان کو لمبا کرتا ہوں۔

فارسل معه رجلا اور رجالاً الی الکوفة

حضرت عمرؓ نے جو تحقیق کے لیے ایک یا زائد آدمی حضرت سعد کے ساتھ کوفہ بھیجے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت عمر کو حضرت سعد کے متعلق کسی کوتاہی کا شبہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ حضرت سعدؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کسی کو ان کے متعلق بدگمانی نہ رہے اور تہمت کا ازالہ ہو جائے۔ حضرت سعد مستجاب الدعوات بھی تھے جیسے کہ اس حدیث سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔

ولم یدع مسجداً الاسال عنه

اس سے معلوم ہوا کہ اہل مسجد سے تحقیق کرنا مستحسن ہے کیونکہ مسجد میں آنے والے لوگ نیک ہوتے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ حضرت سعد بے قصور ہیں لیکن اس کے باوجود حضرت عمر نے جو حضرت سعد کو کوفہ کی ولایت سے معزول فرما دیا اس کی وجہ ۱۔ فتنہ کا ازالہ تھا۔ ۲۔ حضرت عمر حضرت سعد کو مدینہ منورہ میں رکھنا چاہتے اور اپنے اہل شوریٰ میں داخل فرمانا چاہتے تھے۔

رکنیت فاتحہ کا اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ فاتحہ رکن صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ رکنیت سے کم درجہ ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں۔ وعندالشافعی رکن ہے وعن مالک واحمد دو دو روایتیں ہیں۔ ۱۔ رکنیت۔ ۲۔ عدم رکنیت۔ لنا۔ ۱۔ فاقرأوا ما تیسر من القرآن۔ اس پر اجماع ہے کہ تلاوت قرآن نماز سے باہر فرض نہیں ہے اور قرآن پاک کا امر کا صیغہ فرضیت ثابت کر رہا ہے پس اس آیت میں نماز میں قرآن پڑھنے کو فرض قرار دیا گیا ہے اور اس میں ماتیسر کے قید بھی ہے معلوم ہوا کہ نماز میں قرآن پاک ماتیسر پڑھنا فرض ہے یہی حنفیہ کا مسلک ہے کہ نفس قراءت فرض ہے اور سورہ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض نہیں ہے البتہ احادیث میں چونکہ تاکید ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور احادیث خبر واحد کے درجہ میں ہیں اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے۔ اس سے فرض کا درجہ تو ثابت نہیں ہوتا البتہ فرض سے کم درجہ واجب کا ہے وہ ثابت ہو جاتا ہے اس لئے فاتحہ کا پڑھنا نماز میں فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔ سوال:۔ سورہ مزمل کے شروع میں حکم نازل ہوا کہ آدھی رات یا کچھ کم یعنی رات کا تیسرا حصہ یا نصف سے کچھ زیادہ یعنی دو ثلث نماز میں تلاوت کیا کرو یعنی نماز کی صورت میں عبادت کیا کرو۔ پھر ایک سال کے بعد سورہ مزمل کا دوسرا رکوع نازل ہوا کہ تم زیادہ عبادت برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ گھڑی نہ ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کی ساری رات ہی عبادت میں گزر جاتی تھی **فاقرء و اماتیسر من القرآن** اب رات کے وقت جتنی عبادت آسانی سے کر سکو کر لیا کرو گویا رات کی عبادت فرض نہ رہی نفل ہوگئی یہ معنی نہیں جو حنفیہ لیتے ہیں کہ نماز میں ماتیسر فرض ہے سورہ فاتحہ فرض نہیں۔ جواب:۔ **العبرۃ لعموم الالفاظ لالخصوص المورد۔** اگرچہ تہجد کی فرضیت بھی اس آیت سے منسوخ ہوئی لیکن عموم الفاظ کی وجہ سے ہمارا استدلال بھی صحیح ہے۔ ۲۔ تہجد کی تخفیف کے معنی اسی طرح تو بنتے

ہیں کہ نفلوں میں جتنا قرآن پاک پڑھ سکو آسانی سے اتنا پڑھ لیا کرو۔ جب اس آیت کی وجہ سے نفلوں میں فاتحہ کا پڑھنا رکن صلوٰۃ نہیں ہے تو کسی نماز میں بھی قرأت فاتحہ فرض نہیں ہے لعدم القول بالفصل کہ کوئی بھی امام ایسا نہیں جو نفلوں میں فاتحہ کو رکن نہ مانتا ہو اور فرضوں میں مانتا ہو۔ ۳۔ تہجد میں جو تخفیف کا حکم نازل ہوا اس کی ایک تقریر یہ بھی ہے کہ قرآن بول کر نماز مراد ہے جزء بول کر کل مراد ہے اس تقریر پر بھی ہمارا استدلال صحیح ہے کہ نفس قرآن جزء صلوٰۃ ہے فاتحہ جزء صلوٰۃ نہیں۔ اس لیے نفس قرأت فرض ہے سورہ فاتحہ کی تعیین ضروری اور فرض کے درجہ میں نہیں ہے۔ سوال:۔ آیت مجمل ہے حدیث **لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** اس آیت کی تفسیر ہے۔ اس لیے فرضیت کا حکم سورۃ فاتحہ پر جاری ہو گیا۔ جواب:۔ آیت عام ہے مجمل نہیں ہے۔ مجمل وہ ہوتا ہے کہ بغیر تفسیر اس پر عمل نہ ہو سکے عام وہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل بغیر کسی تفسیر یا تخصیص کے بھی عمل ہو سکتا ہے۔ یہاں ایسا ہی ہے کہ **فاقرء وا ما تیسر من القرآن** پر عمل کرنے کے لیے نہ کسی تفسیر کی ضرورت ہے نہ کسی تخصیص کی ضرورت ہے۔ پس جب آیت مذکورہ عام ہے تو فاتحہ والی حدیث جو خبر دار واحد ہے اور ظنی ہے اس سے قرآن پاک کے عام کی جو قطعی ہے تخصیص نہ ہو سکتی گویا یہ مسئلہ اصولی اختلاف پر مبنی ہو گیا ہمارے اصولوں کے مطابق قطعی آیت کی تخصیص ظنی خبر واحد سے نہیں ہو سکتی اور شوافع کے نزدیک ہو سکتی اس اصولی اختلاف میں بھی حنفیہ کی دلیل بہت قوی ہے کیونکہ قطعی کی تخصیص قطعی سے ہی ہونی چاہیے ظنی سے نہ ہونی چاہیے ورنہ ظن کی وجہ سے یقین کا چھوڑنا لازم آئے گا جو عقلاً ونقلاً قبیح ہے۔ پس حنفیہ کا استدلال آیت سے صحیح رہا۔ سوال:۔ سورہ فاتحہ والی حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور ایسی حدیث سے قرآن پاک کی تخصیص بالا تفاق صحیح ہے۔ جواب:۔ ۱۔ خبر مشہور میں راجح قول یہی ہے کہ صحابہ کی تعداد حدیث نقل کرنے میں کم ہو بعد میں ہر زمانہ میں مادی درجہ تواتر کو پہنچے ہوئے ہوں اس حدیث کے نقل کرنے والے صحابہ بھی کم ہیں اور تابعین بھی کم ہیں اس لئے اس روایت کو خبر واحد ہی کہنا ضروری ہے خبر مشہور نہیں کہہ سکتے۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک کی تخصیص کرنے والی روایت کا محکم ہونا بھی ضروری ہوتا ہے کہ نہ نسخ کا احتمال ہو نہ تاویل کا نہ تخصیص کا۔ اس روایت میں تاویل کا احتمال موجود ہے یعنی نفی کمال کی مراد ہے نفی جنس کی نہیں ہے اس لحاظ سے بھی یہ روایت قرآن پاک کی مذکورہ آیت کے لئے مخصص نہیں بن سکتی اور آیت اپنے عموم پر رہی اور ہمارا استدلال صحیح رہا کہ نفس قرأت فرض ہے اور سورہ فاتحہ اس سے کم درجہ کی ہے یعنی واجب ہے۔

۲۔ ہماری دوسری دلیل

حدیث مسیئ الصلوٰۃ ہے جو ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ جلدی نماز پڑھنے والے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز پڑھنے کا طریقہ سکھلایا تو اس میں یہ ارشاد فرمایا ثم **اقراء ماتیسر معک من القرآن** اس میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے نفس قرأت کا حکم ہے لنا۔ ۳۔ **فی مسلم عن ابی ھریرۃ مرفوعاً لاصلوٰۃ لابقراۃ**. صرف قرأت کو ضروری قرار دیا گیا ہے فاتحہ کی تعیین نہیں کی گئی۔ لنا۔ ۴۔ **فی مسلم عن عبادۃ بن الصامت مرفوعاً لاصلوٰۃ لم یقرأ بام القرآن فصا عداً** اس حدیث میں **فصا عداً** سے ثابت ہوا کہ فاتحہ اور غیر فاتحہ کا ایک ہی حکم ہے متعین طور پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرضیت کے درجہ میں ثابت نہ ہوا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھ لینے کے بعد غیر فاتحہ کا ساتھ ملانا فرض نہیں ہے اور اس حدیث سے فاتحہ اور غیر فاتحہ کا ایک ہی درجہ ثابت ہو رہا ہے تو معلوم ہوا کہ فاتحہ کا پڑھنا بھی فرض نہیں ہے۔ لنا۔ ۵۔ **فی الصحیحین عن عبادۃ بن الصامت مرفوعاً لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**. استدلال یوں ہے کہ حافظ ابن القیم نے بدائع الفوائد میں قاعدہ بیان کیا ہے کہ قرأت جب

بلاواسطہ متعدی ہوتو صرف مفعول مذکور کا پڑھنا مراد ہوتا ہے اور جب بواسطہ باء کے متعدی ہوتو مذکور مع الغیر کا پڑھنا مراد ہوتا ہے اس حدیث میں بفاتحۃ الکتاب باء کے ساتھ متعدی ہے اس لئے فاتحہ مع الغیر کا پڑھنا مراد ہے اور فاتحہ اور غیر فاتحہ دونوں برابر ہو گئے اور غیر فاتحہ کی رکنیت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اس لئے فاتحہ کی رکنیت بھی ثابت نہ ہوئی لنا۔۶-فی ابوداؤد عن ابی سعید قال امرنا ان نقراء بفاتحۃ الکتاب و ماتیسر تقریر وہی فصاعداً والی جو ابھی گزری۔ وللشافعی:۔ ۱-فی الصحیحین عن عبادۃ بن الصامت مرفوعاً لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔

جواب:۔ ۱- لانفی جنس کبھی نفی وجود کے لئے آتا ہے کبھی نفی کمال کے لئے۔نفی وجود کی مثال لاصلوۃ لحائض الابخمار. نفی کمال کی مثال لاعیش الاعیش الآخرۃ اور لاصلوۃ لجار المسجد الافی المسجد فاتحہ والی حدیث میں نفی کمال ہے۔ قرینہ ہمارے دلائل ہیں پھر نفی کمال کی ایک تقریر یہ ہے کہ تقدیر عبارت یہ مانی جائے لاصلوٰۃ کاملۃ دوسری تقریر نفی کمال کی حضرت انورشاہ صاحب نے بیان فرمائی کہ ایسے موقعوں میں معنی تو یہی ہوں گے کہ یہ چیز نہیں ہے لیکن مراد یہ ہوگی کہ یہ چیز اتنی کمزور ہے گویا کہ نہیں ہے الوجود کالعدم پھر حضرت انورشاہ صاحب کو اس مسئلہ میں نفی کمال والا جواب پسند نہ تھا کیونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اگر اس حدیث کو ظاہر پر اور نفی وجود پر رکھیں تو پھر بھی اس سے وجوب فاتحہ ثابت ہوتا ہے اور اگر مجازی معنی یعنی نفی کمال پر محمول کریں تو واجب سے کم مرتبہ یعنی استحباب کا مرتبہ رہ جائے گا حالانکہ ہم مستحب نہیں قرار دیتے بلکہ فرض سے کم وجوب کا درجہ مانتے ہیں حضرت انورشاہ صاحب کو صاحب ہدایہ والا جواب پسند تھا اور وہ یہ دوسرا جواب ہے۔ ۲-قرآن پاک کے قطعی حکم کو جو اس آیت میں ہے فاقرؤا ماتیسر من القرآن خبر واحد سے مخصص نہیں کیا جاسکتا یا یوں کہیں کہ خبر واحد ظنی ہے اس سے رکنیت ثابت نہیں ہوسکتی۔۳-حدیث پاک میں خبر بول کر نہی مراد ہے لاتصلوا الابفاتحۃ الکتاب اس لئے یہاں رکنیت کا ذکر ہی نہیں ہے۔۴-جیسا کہ ہماری پانچویں دلیل میں گزرا کہ یہاں باء کی وجہ سے فاتحہ اور غیر فاتحہ کو برابر قرار دیا گیا ہے جب غیر فاتحہ رکن نہیں تو فاتحہ بھی رکن نہیں۔

دوسری دلیل:۔ فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج فھی خداج فھی خداج غیر تمام. جواب:۔

۱-خدجت الناقۃ کے معنی محاورات میں ہیں نتجت قبل اوانھا کہ وقت سے پہلے بچہ جن دیا اگر چہ تام الخلقۃ ہو اور دوسرا محاورہ ہے اخدجت الناقۃ ای نتجت ناقص الخلقۃ کہ بچہ اعضاء کے لحاظ سے ناقص جنا پہلے محاورہ میں بچے کو خداج کہتے ہیں وہ بچہ جو قبل از وقت جنا گیا اگر چہ کامل الخلقۃ ہے اور دوسرے محاورہ سے بچہ کو مخدج کہتے ہیں وہ بچہ جو اعضاء کے لحاظ سے ناقص ہو۔اب حدیث پاک میں اگر لفظ مخدج ہوتا تو آپ کا استدلال مناسب تھا لیکن یہاں تو لفظ خداج ہے اس لئے استدلال صحیح نہ رہا۔۲- دوسرا جواب ہم یہ بھی دیتے ہیں کہ مرکب خارجی میں اجزاء زائدہ کی نفی سے کل کی نفی نہیں۔مثلاً بچے کی ایک ٹانگ نہیں ہے یا ایک کان نہیں ہے تو یہ نہ کہیں گے کہ بچہ موجود ہی نہیں ہے۔حدیث پاک میں اگر بالفرض خداج بمعنی مخدج ہی لے لیا جائے تو پھر بھی فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ مخدج مردہ بچے کو نہیں کہتے بلکہ ایسا بچہ جو زندہ تو ہے لیکن پاؤں یا کان وغیرہ میں سے کوئی عضو نہیں ہے پس حدیث کے معنی یہ ہو گئے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ہو تو جاتی ہے لیکن کمزور ہوتی ہے حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں اس لئے یہ حدیث ہمارے خلاف نہ ہوئی۔سوال:۔ غیر تمام کی تاکید کی وجہ سے معنی یہ ہو گئے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ایسی ناقص ہوتی ہے کہ رکن اصلی ہی نہ رہا اس لئے نماز صحیح نہ ہوئی۔ جواب:۔ حدیث مسیئ الصلوٰۃ میں وضو کے ذکر کے بعد تشہد پڑھنے کا بھی بعض روایات میں حکم ہے اور اخیر میں ہے کہ ایسا نہ کرنے سے نماز

غیر تمام ہوتی ہے حالانکہ یہ تشہد یعنی وضو کر کے نماز سے پہلے کلمہ شہادت پڑھنا نہ رکن وضو ہے نہ رکن صلوٰۃ ہے۔

قرأت خلف الامام کا اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ قرأت خلف الامام مکروہ تحریمی ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری دونوں میں ایک ہی حکم ہے وفی القول الجدید للشافعی وہی روایۃ عن مالک وروایۃ عن احمد مقتدی پر سری اور جہری دونوں نمازوں میں قرأت فاتحہ فرض ہے۔ **وفی القول القدیم للشافعی و ھی روایۃ عن مالک وروایۃ عن احمد** جہری نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی کے لئے مکروہ ہے اور سری نماز میں فرض ہے۔ **منشاء اختلاف**:۔ ۱- اس مسئلہ کا مدار تین روایتوں پر ہے ایک **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** دوسری **واذا قرأ فانصتوا**۔ تیسری روایت **من کان لہ امام فقراء ۃ الامام لہ قراۃ** ہمارے امام ابوحنیفہ نے قاری کا لحاظ فرمایا کہ پہلی روایت امام اور منفرد کے لئے ہے دوسری اور تیسری روایتیں مقتدی کا حکم بیان کرنے کے لئے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منفرد کا لحاظ فرمایا کہ پہلی روایت سورہ فاتحہ سے متعلق ہے اور دوسری اور تیسری غیر فاتحہ سے متعلق ہیں اور امام مالک اور امام احمد نے منفرد فیہ کا لحاظ فرمایا کہ پہلی روایت سری نمازوں سے متعلق ہے اور دوسری اور تیسری جہری نمازوں کے بارے میں ہیں۔ ۲- منشاء اختلاف کی دوسری تقریر یہ ہے کہ ہمارے امام صاحب نے پہلی روایت کو اصل قرار دیا اور مقتدی کو دوسری اور تیسری روایتوں کی وجہ سے مستثنیٰ قرار دیا کہ اس کے ذمہ قرأت نہیں ہے نہ فاتحہ کی امام شافعی نے دوسری اور تیسری حدیثوں کو اصل قرار دیا اور پہلی حدیث کی وجہ سے سورہ فاتحہ کو مستثنیٰ قرار دیا کہ سورہ فاتحہ امام کے پیچھے بھی پڑھنی ہو گی۔ امام مالک اور امام احمد نے پہلی حدیث کو اصل قرار دیا لیکن دوسری اور تیسری حدیثوں کی وجہ سے جہری نماز کو مستثنیٰ قرار دیا کہ جہری نماز میں مقتدی نہ پڑھے گا۔

تفصیلی دلائل میں سے ہمارے حنفیہ کے دلائل

لنا۔ ۱- فی ابی ابوداؤد والترمذی اور امام ترمذی نے اس کو حسن اور امام ابوحاتم اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ **عن ابی ھریرۃ مرفوعاً بل قرأ معی احد منکم انفافقال رجل نعم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انی اقول مالی انازع القران قال فانتھی الناس عن القرا ۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما جھرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم** اس سے ہمارا استدلال کئی طرح سے ہے۔ ۱- اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہوا نہ تھا ورنہ آپ پیچھے پڑھنے والے پر مواخذہ نہ فرماتے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کو نقل کرنے والے حضرت ابوہریرہ ۷ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے وہ فرمار ہے ہیں صلی بنا اور ظاہر یہی ہے کہ یہ لفظ اپنی حقیقت پر ہیں اس لئے یہ واقعہ ۷ھ یا اس کے بعد کا ہے اور اس سے پہلے یہ آیت **واذا قرئ القران فاستمعو الہ وانصتوا لعلکم ترحمون** مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی ہجرت سے پہلے اور امام زیلعی نے قول نقل فرمایا ہے امام احمد کا اس آیت کے متعلق **اجمع الناس علی ان ھذہ الایۃ فی الصلوٰۃ** اس لحاظ سے بھی امام کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت ہو چکی تھی اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں۔ ۲- دوسرا طرز استدلال اسی حدیث سے یہ ہے کہ قال انی اقول مالی انازع القران کہ مجھ سے قرآن پاک کے بارے میں جھگڑا ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ قرأت امام کا منصب ہے جو امام کے پیچھے پڑھے گا وہ امام کے منصب کو چھیننے کی کوشش کرے گا اور یہ ناجائز ہے اس لئے امام کے پیچھے پڑھنا ناجائز ہے۔ ۳- تیسرا طرز استدلال اسی حدیث سے یہ ہے کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والا صرف ایک آدمی تھا کیونکہ رجل مذکور ہے۔ عام

صحابہ جانتے تھے کہ امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ۴- چوتھا طرز استدلال یہ ہے کہ یہاں انازع مذکور ہے اور منازعت میں یہ اشارہ ہے کہ یکے بعد دیگرے امام اور مقتدی کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے کہ امام کے سکتوں میں مقتدی پڑھ لے جیسا کہ بعض توجیہ کرتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتوں میں پڑھ لے۔ اشارہ اس طرح ہے کہ قرآن پاک میں ہے یتنازعون فیھا کاساً یعنی یکے بعد دیگرے ایک ہی پیالہ سے دوست جمع ہو کر شربت وغیرہ پیا کریں گے یہاں بھی مادہ منازعت کا ہے اس لئے یکے بعد دیگرے پڑھنے کی ممانعت بھی ثابت ہو گی۔ سوال:۔ یہ حدیث غیر فاتحہ کے متعلق ہے جواب: ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین۔ سوال:۔ ممانعت صرف پیچھے جہراً پڑھنے کی ہے سراً پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے۔ جواب۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ سوال:۔ اس روایت میں جو فانتھی الناس ہے یہ امام زہری کا اپنا قول ہے حضرت ابو ہریرہ کا قول نہیں ہے اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے جواب:۔ بعض حضرات کو واقعی یہ شبہ ہو گیا ہے کہ یہ امام زہری کا قول ہے لیکن غور سے اس روایت کے مختلف الفاظ اور طرق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول حضرت ابو ہریرہ کا ہی ہے قال الزہری جو بعض روایات میں ہے اس کی وجہ صراحۃً ابوداؤد میں منقول ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ کو اپنے استاد امام زہری کے آخری الفاظ جو انہوں نے اس حدیث میں نقل فرمائے تھے آہستہ بولنے کی وجہ سے نہ سنائی دیئے اس لئے اپنے استاد بھائی حضرت معمر سے پوچھا کہ استاد جی نے اخیر میں کیا فرمایا ہے فقال معمر انہ قال فانتھی الناس الحدیث اس لئے بعض کو شبہ ہوا کہ فانتھی الناس امام زہری کے اپنے الفاظ ہیں حالانکہ یہ اصل حدیث ہی کا حصہ ہیں اور بواسطہ ابن اکیمہ حضرت ابو ہریرہ ہی سے منقول ہیں۔ ۲- دوسرا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ الفاظ امام زہری ہی کے بلا سند شمار کئے جائیں تو پھر بھی ارسال تجرد نہ ہو گا کہ ضعیف ہونے کی وجہ سے امام زہری نے اپنے استاد کا نام نہیں لیا بلکہ ارسال توارث ہو گا کہ راوی کثیر ہونے کی وجہ سے سب کا نام نہ لیا قرینہ اس کا فانتھی الناس کے الفاظ ہیں کیونکہ الناس جمع ہے اور جمع پر جو الف لام آتا ہے اس میں اصل استغراق ہے کہ سب لوگوں نے پیچھے پڑھنا چھوڑ دیا۔ ایسا عمل بہت سے راویوں سے ہی ثابت ہوا کرتا ہے۔ ۳- اگر بالفرض یہ بھی مان لیں کہ رواۃ کثیرہ سے نقل کرنا مقصود نہیں ہے امام زہری صرف اپنا قول ذکر فرما رہے ہیں تو پھر بھی یہ بات ثابت ہے کیونکہ امام زہری تابعی ہیں اور تابعی صحابہ کا عمل بغیر کسی سند کے بھی بیان کر دے تو وہ مقبول ہے۔ ۴- اگر بالفرض آپ کی بات مانتے ہوئے یہ بھی مان لیا جائے کہ فانتھی الناس ثابت ہی نہیں ہے تو پھر بھی ہمارے استدلال میں کچھ کمزوری نہیں کیونکہ ہم نے جو اوپر اس حدیث سے استدلال کرنے کے چار طرز ذکر کئے ہیں ان میں فانتھی الناس کا کچھ بھی دخل نہیں۔

لنا۔ ۲- ہماری دوسری دلیل فی مسلم عن ابی موسیٰ الاشعری مرفوعاً فی حدیث الایتمام جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتدا کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے اس میں مرفوعاً ہے واذا قرأ فانصتوا صحیح مسلم میں جہاں یہ روایت ہے وہاں یہ بھی ہے کہ امام مسلم کے شاگرد ابو بکر نے اپنے استاد امام مسلم پر اشکال کیا تو امام مسلم نے فرمایا ترید احفظ من سلیمان ہمزہ استفہام محذوف ہے کیا تم ان الفاظ کے اثبات کیلئے سلیمان تیمی راوی سے بڑھ کر کسی راوی سے نقل حاصل کرنا چاہتے ہو یعنی وہ ثقہ راوی ہیں۔ اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہوتی ہے پھر شاگرد نے پوچھا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں جو یہی الفاظ آتے ہیں و اذا قرأ فانصتوا ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے امام مسلم نے فرمایا کہ میرے نزدیک وہ حدیث صحیح ہے شاگرد نے پوچھا کہ پھر آپ نے اپنی اس صحیح میں حضرت ابو ہریرہ والی روایت کو درج کیوں نہیں کیا تو فرمایا کہ اس کتاب میں میں نے صرف وہ روایتیں درج کی ہیں جو بالاجماع صحیح ہیں۔ انتھی امام

مسلم کے علاوہ امام احمد امام اسحاق بن راھویہ امام نسائی اور حافظ ابن حجر نے بھی صراحۃً حضرت ابوموسیٰ والی اس روایت کے صحیح ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔لنا۔۳۔ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ کی روایت عن ابی ہریرہ مرفوعاً واذا قرأ فانصتوا اور ابھی گزرا کہ امام مسلم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے ہماری دوسری اور تیسری دلیلوں سے طرز استدلال کئی طرح ہے۔۱-صراحۃً یہ الفاظ واذا قرأ فانصتوا دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ امام کے پیچھے خاموش رہنا ضروری ہے۔۲-دوسرا طرز استدلال یہ ہے کہ اس حدیث کا لقب حدیث ایتمام ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اقتداء کا طریقہ سمجھا رہے ہیں اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوتا تو ضرور ارشاد فرماتے کہ فاتحہ پڑھا کرو معلوم ہوا پیچھے پڑھنا فرض نہیں سکوت موضع بیان میں بیان ہوتا ہے۔۳-تیسرا طرز استدلال یوں ہے کہ اس روایت میں یہ بھی ہے واذاقال غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا امین اگر مقتدی کے ذمہ فاتحہ ہوتی تو ارشاد یوں ہوتا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا غیر المغضوب علیھم ولاالضالین معلوم ہوا کہ مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا نہیں ہے۔۴-فقولوا امین کے الفاظ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کا سننا ہے تاکہ بروقت آمین کہہ سکے اور جب سننا ضروری ہے تو پڑھنا مشکل ہے کیونکہ ایک وقت میں دو طرف توجہ نہیں ہوا کرتی النفس لاتتوجہ فی ان الی جھتین۔۵-بعض طرق میں اسی حدیث میں الفاظ یوں ہیں واذاامن القاری فامنوا معلوم ہوا کہ پڑھنے والا صرف امام ہے۔اسی لئے اس کا لقب قاری ہے۔لنا۔۴-فی کتاب القرأۃ للبیھقی عن ابی ھریرۃ مرفوعاً ماکان من صلوۃ یجھر فیھا الامام بالقرأۃ فلیس لاحدان یقرأ معہ اس حدیث پاک میں جہر کی قید واقعی ہے اور مقتدی کو قرأت کی صراحۃً ممانعت ہے۔سوال:۔امام بیہقی نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔جواب:۔حضرت انور شاہ صاحب نے دیا ہے کہ راوی ثقہ ہیں۔متابعات موجود ہیں اس لئے منکر کہنا صحیح نہیں۔لنا۔۵-واذاقری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔سوال:۔یہ آیت مبارکہ تو خطبہ کے متعلق ہے جواب:۔۱-علامہ زیلعی نے نصب الرایۃ میں امام احمد کا قول نقل فرمایا ہے۔ اجمع الناس علی ان ھذہ الآیۃ فی الصلوٰۃ ۲۔دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ اگر بالفرض یہ آیت مبارکہ خطبہ کے متعلق بھی مان لی جائے تو ممانعت کی وجہ یہی تو ہے کہ خطبہ میں چونکہ قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اس لئے حکم ہے کہ توجہ سے کان لگاؤ اور خاموش رہو اور خود کچھ نہ پڑھو تو نماز میں جو قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اس کو سننے کا اور خاموش رہنے کا اور خود کچھ نہ پڑھنے کا حکم بطور دلالۃ النص ثابت ہو گیا کیونکہ وہاں بھی قرآن پاک پڑھا جارہا ہے۔سوال:۔یہاں فاستمعوا کا لفظ ہے اور سننا صرف جہری نماز میں ہوسکتا ہے اس لئے صرف جہری نماز میں سننے کا اور خاموش رہنے کا وجوب ثابت ہوا حالانکہ آپ کا مقصد سری اور جہری سب نمازوں میں خاموشی ثابت کرنا ہے۔جواب:۔استماع کے معنی توجہ کرنے کے ہوتے ہیں آواز سنے یا نہ سنے چنانچہ مسلم شریف میں حضرت انس سے مرفوعاً منقول ہے اغارات وجھارات کی روایات میں کان یستمع الاذان فان سمع اذاناً امسک والا اغار لنا۔۶-فی مسند احمد بن منیع و موطا محمد و مصنف ابن ابی شیبۃ و الطحاوی عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قرأۃ اور علامہ عینی اور امام زیلعی اور حافظ ابن جوزی نے یہ روایت ان صحابہ سے بھی نقل فرمائی ہے۔حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابوسعیدؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمران بن حصینؓ اس لئے یہ ایک دلیل آٹھ دلیلوں کے قائم مقام ہے اور مسند احمد بن منیع کی روایت علیٰ شرط الشیخین ہے۔

سوال:۔اس حدیث کی ایک سند حضرت عبداللہ بن شداد سے بھی ہے وہ مرسل ہے اور مرسل امام شافعی کے نزدیک حجت نہیں۔ جواب:۔فتاوی ابن تیمیہ میں اس پر اتفاق نقل کیا گیا ہے کہ اکابر تابعین کی مرسلات سب ائمہ اربعہ کے نزدیک حجت ہیں اور حضرت عبداللہ بن شداد اصاغر صحابہ میں سے ہیں۔انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تو فرمائی ہے لیکن سماع نہیں فرمایا۔پس جب اکابر تابعین کی مرسلات کی حجیت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے تو اصاغر صحابہ کی مرسلات کے حجت ہونے پر بطور دلالۃ النص اتفاق ثابت ہو گیا۔سوال:۔عبداللہ بن شداد کا سماع حضرت جابر سے ثابت نہیں۔روایت منقطع ہو گئی۔جواب:۔ حضرت عبداللہ بن شداد اصاغر صحابہ میں سے ہیں اور حضرت جابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے۔ اس لئے امکان لقاء ثابت ہے جو جمہور کے نزدیک حدیث کے متصل ہونے کے لئے کافی ہے فعلیت لقاء اور ذکر سماع صراحۃً ضروری نہیں جیسا کہ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں ثابت کیا ہے۔سوال بعض سندوں میں حضرت عبداللہ بن شداد اور حضرت جابر کے درمیان راوی ابوالولید ہے جو مجہول ہے اس لئے روایت ضعیف ہو گئی۔جواب:۔عن ابن شداد عن ابی الولید میں دوسرا عن پہلے عن سے بدل ہے اور ابوولید حضرت ابن شداد ہی کی کنیت ہے۔سوال:۔اس روایت کو متصل کہنے والے چار راوی ہیں۔۱-جابر جعفی ۲-لیث بن ابی سلیم۔۳-امام ابوحنیفہ۔۴- حسن بن عمارۃ اور حدیث کا راوی ہونے کی حیثیت سے یہ چاروں کمزور ہیں۔اس لئے سند متصل قوی نہ رہی۔جواب:۔ ۱-مصنف ابن ابی شیبۃ میں ان چار حضرات میں سے کوئی بھی نہیں۔۲-امام ابوحنیفہ کے متابع سفیان ثوری اور شریک بھی ہیں۔۳-امام ابوحنیفہ پر اعتراض کر کے دارقطنی خود اس لائق ہو گئے کہ ان کو ضعیف کہہ دیا جائے دارقطنی جرح میں حد سے آگے نکلے ہوئے ہیں جس طرح امام حاکم توثیق میں حد سے زیادہ نرم ہیں اسی لئے حضرات محدثین کا فیصلہ ہے کہ جس راوی پر جرح میں دارقطنی متفرد ہوں وہ جرح معتبر نہیں اور جس راوی کی توثیق میں امام حاکم متفرد ہوں وہ توثیق معتبر نہیں۔امام ابوحنیفہ کی توثیق و تعدیل امام مالک امام احمد امام شافعی اور کثیر ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ سے صراحۃً ثابت ہے اور مشرق و مغرب میں کتابیں امام ابوحنیفہ کے مناقب و کمالات سے بھرپور ہیں۔لنا۔۷-**فی مسلم و ابی داؤد عن عمران بن حصین مرفوعاً صلی الظھر فجاء رجل فقرأ بسبح اسم ربک الاعلیٰ فلما فرغ قال ایکم قرأ قالو ارجل قال قد عرفت ان بعضکم خالجنیھا** اس میں واقعہ سری نماز کا ہے اور علت مخالجت ہے جو فاتحہ اور غیر فاتحہ دونوں کو شامل ہے۔لنا۔۸-**فی مسند احمد و مسند ابی یعلی و مسند بزارعن عبداللہ بن مسعود قال کانوا یقرؤن خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال خلطتم علی القرآن** اس روایت کے راوی علی شرط البخاری ہیں اور واقعہ سری نماز کا ہے۔لنا۔ ۹-**عن جابر فی الترمذی موقوفاً و فی الطحاوی مرفوعاً من صلی رکعۃ لم یقرا فیھا بام القرآن فلم یصل الأن یکون وراء الامام**...... یہ روایت درجہ حسن کی ہے۔لنا۔۱۰ **فی مصنف عبدالرزاق عن موسیٰ بن عقبۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابابکرو عمرو عثمان کا نوا ینھون عن القرأۃ خلف الامام** اس حدیث کی توثیق اعلاء السنن میں ثابت کر دی گئی ہے۔لنا۔۱۱-**فی الموطاء لمالک عن ابی ھریرۃ موقوفا من ادرک الرکعۃ فقد ادرک السجدۃ** یعنی جس نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے وہ رکعت پالی اور اس مسئلہ پر اجماع بھی ہے کہ رکوع میں مل جانے سے وہ رکعت مل جاتی ہے حالانکہ اس مقتدی نے قرأت بالکل نہیں کی تو وجہ یہی تو ہوئی کہ امام اس کا وکیل ہے اس لئے امام کا فعل اس مقتدی کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ گویا اس نے قرأت کر لی اور

شریعت میں توکیل کا باب بہت وسیع ہے ہمارے پاس بہت سے نظائر ہیں۔۱۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان میں شہادت کے جواب میں ایک دفعہ صرف وانا وانا فرمایا کہ میری طرف سے بھی موذن کی گواہی قبول کر لی جائے۔گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موذن کو اپنا وکیل بنادیا۔نظیر۔۲۔حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تم نے کیسے احرام باندھا ہے عرض کیا اھللت بما اھل به النبی صلی اللہ علیه وسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی انکار نہ فرمایا۔گویا حضرت علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وکیل بنایا۔نظیر۔۳۔وقال موسیٰ ربنا انک اٰتیت فرعون وملاه زینة واموالافی الحیوٰة الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالهم و اشدد علی قلوبهم فلا یومنواحتیٰ یرواالعذاب الالیم قال قداجیبت دعوتکما۔دونوں نے تو دعا نہ مانگی پھر دو کی دعا کیوں شمار کی گئی اس کی وجہ مفسرین حضرات نے یہ بیان فرمائی کہ حضرت ہارون علیہ السلام امین کہہ رہے تھے تو آمین کہنا وکیل بنانا ہے اس لئے دونوں دعاء مانگنے والے شمار کئے گئے۔نظیر۔۴ حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ۳۷ اونٹوں کی قربانی حضرت علیؓ نے کی تو وکیل بنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔نظیر۔۵۔حضرت عمرؓ نے ایک لشکر کو رخصت فرمایا اور فرمایا امضواوانا شریککم۔اب لڑیں گے لشکر والے سمجھا جائے گا کہ حضرت عمرؓ بھی جہاد فرمارہے ہیں۔نظیر۔۶:۔ایک دفعہ صحابہ کی دو جماعتیں تیراندازی کا مقابلہ کررہی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو فرمایا ارموا بنی اسمٰعیل فان اباکم کان رامیا. وانا مع بنی فلان کہ فلاں قبیلہ میرا وکیل ہے اس کی جیت میری جیت ہے اس کی ہار میری ہار ہے۔نظیر۔۷:۔لاتحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه و قرانه فاذاقرأ ناه فاتبع قرانه۔اس آیت میں قرأنا کے معنی یہی ہوئے کہ ہمارا وکیل جبریل علیہ السلام پڑھے۔اس کا پڑھنا یہ ہمارا ہی پڑھنا ہے معلوم ہوا کہ شریعت میں وکالت کا باب بہت وسیع ہے ایک دفعہ امام ابوحنیفہ سے مناظرہ کرنے کے لئے چند حضرات تشریف لے آئے فرمایا آپ سب سے تو میں بات نہیں کرسکتا آپ اپنا ایک وکیل بنایئے وہ آپ سب کی طرف سے بات کرے گا۔انہوں نے کہا بالکل ٹھیک ہے فرمایا کہ مناظرہ تو تم ہار گئے کیونکہ مناظرہ قرأت خلف الامام ہی کے مسئلہ پر کرنا تھا تم نے وکالت کو مان لیا تو قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں بھی میرا مسلک مان لیا۔سوال:۔اگر امام وکیل ہوتا ہے تو پھر مقتدی کے ذمہ رکوع، سجدہ، اذکار، تشہد، درود شریف، دعا اور ثناء بھی نہ ہونے چاہئیں کہ امام ہی سب کی طرف سے کرے گا۔

جواب:۔قرأت کے علاوہ دو چیزیں ہیں۔۱۔اعمال رکوع سجدہ وغیرہ ۲۔اذکار وادعیہ۔اعمال میں تو وکالت کا اثر ظاہر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اعمال بھی سب مقتدیوں کی طرف سے امام ہی کرے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ مقتدی نیت باندھنے کے بعد صرف کھڑے رہیں اور امام رکوع اور سجدہ میں جائے اس میں امام کی مخالفت لازم آتی ہے اس مخالفت سے توکیل لوٹ جائے گی اور اذکار میں توکیل اس لئے جاری نہ ہوگی کہ قرأت اور اذکار میں کئی لحاظ سے فرق ہے۔۱۔قرأت فرض ہے اور اذکار میں سے کوئی بھی فرض نہیں۔۲۔قرأت میں اصل سننا اور سنانا ہے اور ادعیہ اور اذکار میں اصل انفراد ہے کہ ہر ایک اکیلا اکیلا کرے اور ایک کی طرف سے دوسرا نہ کرے۔اسی لئے قرآن پاک میں جو دعائیں بھی آئی ہیں وہ زیادہ تر جمع کے صیغوں کے ساتھ ہیں۔۳۔قرأت میں منازعت اور ممانعت منصوص ہے۔ادعیہ اور اذکار میں منازعت اور ممانعت منصوص نہیں ہے۔۴۔قرأت میں اصل جہر ہے اور ادعیہ اور اذکار میں اصل اخفاء ہے ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة اور امام کے جہر کے ساتھ مقتدی کا بھی پڑھنا عقلاً بہت بعید ہے کہ امام کی قرأت اگر کسی نے سنی ہی نہیں اپنی

اپنی پڑھنے میں سب نے مشغول ہونا ہے تو امام جہر کیوں کر رہا ہے ان سب وجوہ کی بنا پر ادعیہ واذکار کو قرأت پر قیاس نہیں کر سکتے۔ لنا۔ ۱۲ فی الدارقطنی عن ابن عباس مرفوعاً یکفیک قرأة الامام خافت اوجهر لنا۔ ۱۳:۔ فی کشف الاسرار عن زید بن اسلم کان عشرة من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ینهون عن القرأة خلف الامام اشد النهی ' ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وعبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی الوقاص وعبداللہ بن مسعود وزید بن ثابت و ابن عمر وابن عباس لنا۔ ۱۴:۔ ہماری چودھویں دلیل چودھویں کے چاند حافظ بدرالدین عینی نے اپنی کتاب عمدة القاری شرح صحیح البخاری میں نقل فرمائی ہے روی منع القرأة خلف الامام عن ثمانین من الصحابة الکبار۔ لنا۔ ۱۵:۔ فی مسلم عن عبادة بن الصامت مرفوعاً لاصلوٰة لمن لم یقرأ بام القرآن فصاعداً معلوم ہوا کہ فاتحہ اور مازاد برابر ہیں اور جب مازاد کسی کے نزدیک امام کے پیچھے فرض نہیں ہے تو فاتحہ بھی فرض نہیں۔ لنا۔ ۱۶:۔ فی الصحیحین عن عبادة بن الصامت مرفوعاً لاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحه الکتاب 'باء' چاہتی ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا مقرون بالغیر ہو جیسا کہ بدائع الفوائد کے حوالہ سے پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے پس فصاعداً کے معنی پائے گئے۔ لنا۔ ۱۷:۔ فی موطأ محمد ومصنف ابن ابی شیبة و مصنف عبدالرزاق عن عمر موقوفاً لیت فی فم الذین یقرأ خلف الامام حجراً۔ لنا۔ ۱۸ فی الدار قطنی و مصنف ابن ابی شیبة و مصنف عبدالرزاق عن علی موقوفاً من قرأ خلف الامام فلیس علی الفطرة. لنا۔ ۱۹ فی مسلم عن زید بن ثابت موقوفاً لاقرأة مع الامام فی شی. لنا ۲۰۔ فی عمدة القاری عن علی وسعد و زید بن ثابت موقوفاً لاقراء ة مع الامام لافیما اسرو لافیما جهران بیس دلائل میں سے چودھویں دلیل اسی کے برابر ہے تیرھویں دلیل دس کے برابر چھٹی دلیل آٹھ کے برابر دسویں دلیل چار کے برابر بیسویں دلیل تین دلیلوں کے برابر ہے۔ اس طرح یہ پانچ دلیلیں ایک سو پانچ (۱۰۵) کے برابر ہو گئیں باقی پندرہ کو ایک ایک ہی شمار کر لیا جائے تو کل ایک سو بیس (۱۲۰) دلیلیں ہو گئیں۔ للشافعی۔ ا۔ فی ابی داؤد و الترمذی عن عبادة بن الصامت مرفوعاً لاتفعلو الابفاتحة الکتاب فانه لاصلوٰة لمن لم یقرأ بها۔ طرز استدلال ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے سے منع فرمایا اور سورہ فاتحہ کو ممانعت سے مستثنیٰ قرار دیا اور فرمایا کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا امام کے پیچھے فرض ہے۔

جواب:۔ اس روایت میں کئی قسم کا اضطراب ہے۔

اضطراب (۱) آخری راوی عبادہ بن الصامت ہیں یا عبداللہ بن عمرو ہیں۔

اضطراب (۲) روایت مرفوع ہے یا موقوف ہے

اضطراب (۳) مکحول اور عبادہ بن الصامت کے درمیان واسطہ مذکور ہے یا نہ اور جس روایت میں واسطہ مذکور نہیں ہے وہ روایت منقطع بھی ہے۔

اضطراب (۴) وہ واسطہ نافع کا ہے یا محمود کا ہے۔

اضطراب (۵) واسطہ ایک راوی کا ہے یا واسطہ دو راویوں کا ہے

اضطراب (۶) اگر دو راویوں کا واسطہ ہے تو نافع کے استاد محمود ہیں یا ابونعیم ہیں۔ بعض سندوں میں محمود ہیں بعض سندوں میں ابونعیم ہیں۔

اضطراب (۷) بعض سندوں میں مکحول اور عبداللہ بن عمرو کے درمیان واسطہ مذکور ہے اور بعض سندوں میں واسطہ مذکور نہیں ہے جب سات قسم کا اضطراب ہے تو اس روایت سے استدلال کیسے کیا جاتا ہے۔

جواب ۔۲:۔ امام احمد، امام ابن حبان، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن عبدالبر اور حضرت انور شاہ صاحب نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے معلول ہونے کی تقریر یہ کی ہے کہ اصل واقعہ صرف اتنا تھا کہ حضرت عبادہ بن الصامت نے امام کے پیچھے قرأت کی شاگرد نے اعتراض کیا تو جواب میں یہ حدیث پڑھ دی **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عام رواج امام کے پیچھے نہ پڑھنے کا تھا اسی لئے تو شاگرد نے اعتراض کیا اور پھر حضرت عبادہ بن الصامت کے نزدیک بھی فاتحہ کا پڑھنا مستحب تھا ورنہ اپنے شاگرد سے فرماتے کہ جن نمازوں میں تم نے سورہ فاتحہ امام کے پیچھے نہیں پڑھی ان نمازوں کا اعادہ کرو پھر یہ استحباب بھی حضرت عبادہ کا اپنا اجتہاد تھا کہ امام کے پیچھے جو پڑھنے کی ممانعت ہے اس ممانعت سے سورہ فاتحہ مستثنیٰ ہے اور حضرت انور شاہ صاحب نے معلول ہونے کی تقریر یوں کی ہے کہ حضرت مکحول تک دو حدیثیں پہنچی تھیں ایک بواسطہ محمود کے جو صحیحین میں ہے **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** اور دوسری بواسطہ نافع کے پہنچی تھی جو حافظ ابن تیمیہ نے نقل فرمائی ہے حضرت مکحول سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے ان دونوں روایتوں کو خلط کر دیا اور اس خلط سے وہ حدیث بن گئی جو ابوداؤد اور ترمذی میں ہے۔ سوال:۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

جواب:۔ حضرت انور شاہ صاحب نے دیا کہ امام بخاری نے صرف اس حدیث کو اپنی کتاب جزء القرأت میں نقل کیا ہے اور جزء القرأت کی وہ شرطیں نہیں ہیں جو صحیح بخاری کی ہیں اس لئے صرف نقل کر دینے کو صحیح قرار دینا نہیں کہہ سکتے۔ البتہ اگر امام بخاری صحیح بخاری میں مسنداً نقل فرماتے تو کہہ سکتے تھے کہ صحیح قرار دیا ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ **جواب ۔۳:۔** ابوداؤد اور ترمذی والی روایت کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے اقرار فرمایا ہے کہ الفاظ اگرچہ اس حدیث کے پندرہ قسم کے ہیں لیکن یہ واقعہ ایک ہی ہے انتھی جب ایسا ہے تو سب سے قوی الفاظ کو لیں گے باقی سب چھوڑ دیں گے اور وہ الفاظ صحیحین کے ہیں **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** ان سے مقتدی کے ذمہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ امام شافعی کے شاگرد امام احمد اور امام شافعی کے استاد سفیان بن عیینہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیث منفرد کے لئے ہے۔ ابوداؤد میں ہے **قال سفیان لمن یصلی وحدہ**۔ **جواب ۔۴:۔** حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے دیا ہے کہ پہلے مکہ مکرمہ میں یہ آیت نازل ہوئی **واذاقرئ القراٰن فاستمعو الہ وانصتوا لعلکم ترحمون** اس سے جہری نماز میں قرأت خلف الامام منع ہوگئی پھر مدینہ منورہ میں فرمایا **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** تو اس سے کسی نے یہ مستنبط کر لیا کہ امام کے پیچھے بھی سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دے دی جیسا کہ حضرت مکحول والی روایت میں ہے لیکن بعد میں اُس پڑھنے سے تکلیف محسوس فرمائی تو ابن اکیمہ والی حدیث والا واقعہ پایا گیا تو لوگوں نے جہری نماز میں پڑھنا بالکل بند کر دیا لیکن سری نمازوں میں پڑھتے رہے پھر اس سے بھی تکلیف محسوس فرمائی تو سری نمازوں میں پڑھنے سے بھی منع فرما دیا اور فرما دیا **من کان لہ امام فقراء ۃ الا مام لہ قراءۃ**۔

جواب ۔۵:۔ یہ جواب بھی حضرت گنگوہی نے دیا ہے کہ جب نہی کے بعد امر اباحت کے لئے ہوتا ہے تو نہی کے بعد استثناء بطریق اولیٰ اباحت کے لئے ہے۔ وہ اباحت بھی اباحت مرجوحہ ہے یعنی اباحت مع الکراہتہ یہی حنفی مسلک ہے۔ **واذا حللتم فاصطادوا** پہلے شکار سے ممانعت کا ذکر ہے پھر شکار کا امر ہے اس لئے مقصود اباحت ہے۔ یہ نہیں کہ شکار کرنا واجب شمار کیا جائے۔ **وابتغوا من فضل اللہ**. پہلے جمعہ کی اذان کے وقت بیع وشراء کے حرام ہونے کا ذکر ہے پھر یہ امر ہے بیع وشراء کا اس سے مقصود اباحت ہے وجوب نہیں۔ پس روایت مذکور سے شوافع

کا مذہب ثابت نہیں ہوسکتا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ زیادہ سے زیادہ اباحت مع الکراہت ثابت ہوگی۔

سوال نہی کے بعد امر اباحت کے لئے ہوتا ہے یہ تو صرف شوافع حضرات کا اصول ہے حنفیہ کا اصول نہیں ہے۔ جواب:۔ ۱۔ حنفیہ کا بھی ہے۔ ۲۔ اگر صرف شوافع حضرات کا بھی مانا جائے تو پھر بھی ہمارا جواب ٹھیک ہے کیونکہ اس صورت میں ہمارا جواب الزامی جواب بن جائے گا یعنی مخاطب کے مسلمہ اصولوں کے مطابق جواب ہو جائے گا گو تحقیقی نہ ہو۔ تحقیقی جواب وہ ہوتا ہے جو متکلم کے مسلمہ اصول کے مطابق ہو۔

سوال۔ **فانه لا صلوٰة الا بها** یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہاں استثناء اباحت کے لئے نہیں ہے بلکہ وجوب کے لئے ہے۔ جواب:۔ فانہ لاصلوٰۃ الا بھا میں عقلی طور پر دو احتمال ہیں یہ عبارت تعلیل کے طور پر مذکور ہے یا استشہاد کے طور پر مذکور ہے تعلیل کے معنیٰ ہیں کہ مسئلہ کا دارومدار بتلا دیا گیا اِس صورت میں تو واقعی وجوب ثابت ہونا چاہئے اور استشہاد کے معنیٰ یہ ہیں کہ معمولی مناسبت کی وجہ سے کسی دوسری نوع کا کوئی حکم ذکر کیا گیا۔ اس صورت میں وجوب نہ بنے گا بلکہ معنیٰ یہ ہونگے کہ پیچھے پڑھنے سے منازعت ہوتی ہے بقیہ غیر فاتحہ میں منازعت شدید ہے کہ وہ آیتیں یا سورتیں بدل بدل کر پڑھی جاتی ہیں اس لئے نسبۃً کم یاد ہوتی ہیں کوئی پیچھے پڑھے گا تو امام بالکل نہ پڑھ سکے گا اور سورہ فاتحہ میں منازعت نسبۃً کم ہوگی کیونکہ اس کے بغیر تو منفرد کی نماز نہیں ہوتی اس لئے کہ سورہ فاتحہ روزانہ بار بار پڑھی جاتی ہے۔ بہت کمی ہوتی ہے۔ وہ پیچھے پڑھنے کے باوجود بھی امام کے لئے پڑھنی زیادہ مشکل نہ ہوگی۔ امام کو پیچھے پڑھنے کی وجہ سے مشقت ہوگی لیکن دوسری سورتوں کی نسبت کم ہوگی اس لئے سورۃ فاتحہ پیچھے پڑھنے کی اباحت مرجوحہ حاصل ہوگی اور پیچھے پڑھنا حرام نہ ہوگا صرف مکروہ ہوگا۔ اب یہاں استشہاد ہے تعلیل نہیں ہے اس بات کو ثابت کرنے کی چند وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ:۔ اگر اس عبارت کو تعلیل بنایا جائے تو یہاں صریح تعارض بنتا ہے کیونکہ بعض روایات میں **لا صلوٰة لمن یقراء بام القراٰن فصا عداً** ہے اور واقعہ سب میں ایک ہی ہوگا اور معنیٰ یہ ہونگے کہ میرے پیچھے کچھ نہ پڑھا کرو سوائے فاتحہ کے کیونکہ فاتحہ اور مازاد کے بغیر نماز نہیں ہوتی گویا پہلے ارشاد فرمایا کہ امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھا کرو پھر ساتھ ہی فرمایا کہ فاتحہ اور مازاد دونوں کا پڑھنا واجب ہے یہ صریح تناقض ہے۔ پس تحلیل پر محمول کریں تو صریح تناقض ہے اور استشہاد پر محمول کریں تو تناقض نہیں ہے۔

دوسری وجہ:۔ **لا تفعلوا لا بفاتحة الکتاب** اس کا تعلق امام اور مقتدی بننے سے ہے اور **فانه لا صلوٰة الا بها** اِس عبارت کا تعلق نماز کے اجزاء اور ارکان سے ہے۔ یہ دونوں مسئلے الگ الگ باب سے اور الگ الگ قسم سے تعلق رکھتے ہیں ایسی صورت میں استشہاد ہی کے معنیٰ کرنے پڑتے ہیں کیونکہ تعلیل کے لئے ضروری ہے کہ دونوں باتوں کا تعلق ایک ہی باب اور ایک ہی قسم اور ایک ہی مسئلہ سے ہو۔

تیسری وجہ:۔ اگر تعلیل پر محمول کریں تو مقتدی بننے میں جو وکیل بنانا ہوتا ہے وہ باقی نہیں رہتا اس لحاظ سے بھی تعلیل پر محمول نہیں کر سکتے بلکہ استشہاد پر ہی محمول کرنا ضروری ہے تو کیل کے تفصیل پیچھے گذر چکی ہے ہماری گیارہویں دلیل میں۔

چوتھی وجہ:۔ فصاعداً سے فاتحہ اور غیر فاتحہ کی برابری معلوم ہوتی ہے اور تعلیل بنانے میں سورہ فاتحہ کا وجوب ثابت کرنا مقصود ہے اور غیر فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں تو فاتحہ اور غیر فاتحہ کے درمیان تسویہ نہ رہا۔ استشہاد لینے میں یہ تسویہ باقی رہتا ہے اس لحاظ سے بھی استشہاد ہونا چاہئے۔ تعلیل نہ ہونی چاہئے۔

پانچویں وجہ:۔ **لا تفعلوا** میں نہی کا صیغہ ہے جو انشاء ہے اور **لا صلوٰة الا بها** میں نفی ہے جو خبر میں داخل ہے یہ بھی علامت ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں جو استشہاد کے مناسب ہیں تعلیل کے مناسب نہیں ہیں۔

للشافعی ۲:۔ مسلم اور ابو داؤد میں ہے **عن ابی ھریرة موقوفاً اقراء بھایا فارسی فی نفسک** معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حضرت ابو ہریرہ نے حکم فرمایا اس لئے سورہ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا فرض ہے۔

جواب ا: اس میں حضرت ابو ہریرہ اپنے شاگرد کو ڈانٹ رہے ہیں کہ اے فارسی اے کم علم جاؤ جا کر امام کے پیچھے بھی ضرور پڑھو یعنی میں تو امام اور منفرد کے بارے میں بتلا رہا ہوں تم کہتے ہو کہ میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں اس حدیث کا مقتدی سے تعلق نہیں ہے۔ اس ڈانٹنے کا قرینہ کہ امر مقصود نہیں بلکہ ڈانٹنا اور روکنا مقصود ہے ایک تو غمز ذراعی ہے دوسرے یا فارسی ہے

جواب ۲:۔ قرأت کے حقیقی معنیٰ ہیں تلفظ باللسان اور مجازی معنیٰ ہیں تصور الالفاظ فی القلب ایسے ہی فی نفسک کے حقیقی معنیٰ ہیں فی قلبک اور مجازی معنی ہیں منفرداً جیسا کہ حدیث شریف قدسی میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا **من ذکر نی فی نفسه ذکر ته فی نفسی و من ذکر نی فی ملا ذکرته۔ فی ملا** خیر من ملاءٍ یہاں فی نفسی اور فی نفسی دونوں کے معنی منفرداً کے ہیں اب زیر بحث حدیث میں قرأت اور فی نفسک دونوں کے حقیقی معنیٰ تو ہو ہی نہیں سکتے کہ تلفظ کر فاتحہ کا دل میں کیونکہ تلفظ زبان سے ہوتا ہے دل سے نہیں ہوتا اس لئے یا تو قراءۃ کے حقیقی معنیٰ اور فی نفسک کے مجازی معنیٰ کرینگے ای اقراء منفرداً یا قرأت کے مجازی معنیٰ اور فی نفسک کے حقیقی معنیٰ کرینگے تَصَوَّرۡ فی قلبک دل میں سورہ فاتحہ کے الفاظ کا تصور کر اور دونوں کے مجازی معنیٰ نہیں لے سکتے کیونکہ جب ایک کے حقیقی معنیٰ ہو سکتے ہیں تو دونوں کے مجازی معنیٰ کیوں لے جائیں۔

جواب ۳۔ اگر وہی معنیٰ لیں جو آپ لیتے ہیں کہ قرأت کر سراً تو پھر بھی یہ حضرت ابو ہریرہ کا اجتہاد ہے مرفوع روایت تو پیش نہیں کی بلکہ بعید استنباط فرمایا کہ دیکھو صلوٰۃ کا اطلاق سورہ فاتحہ پر ہوا ہے قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی معلوم ہوا کہ فاتحہ جزء صلوٰۃ ہے اس لئے امام اور مقتدی دونوں پڑھیں۔

للشافعی ۳۔ فی الدارقطنی عن انس مرفوعاً **فلا تفعلوا الا ان یقرأ احد کم بفاتحة الکتاب فی نفسه.**

جواب ۔ا۔ علامہ ماردینی نے الجوہر النقی میں اضطراب شدید ثابت کیا ہے اس روایت میں

جواب ۲: حضرت انور شاہ صاحب نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے

جواب ۳: حضرت انور شاہ صاحب نے یہاں بھی فی نفسک کے معنیٰ منفرداً کے لئے ہیں۔

جواب ۴: امام بخاری نے صحیح بخاری میں اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مصنف میں حضرت انس کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ امام کے پیچھے تسبیحات کی جائیں قرأت نہ کی جائے جب راوی کا عمل اپنی ہی بیان کی ہوئی روایت کے خلاف ہو تو وہ مرفوع روایت منسوخ یا ماول یا ضعیف ہوگی۔

للشافعی ۔۴۔ **فی کتاب القرائة للبیھقی و جزء القراءة للبخاری عن ابن عمر** کہ کسی نے حضرت ابن عمر سے قرأت خلف الامام کے متعلق پوچھا تو فرمایا **انی لا ستحی من رب ھذا البیت ان اصلی صلوٰة لا اقراء فیھا بام القران**

جواب ا: حافظ عینی نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے

جواب ۲: علامہ ماردینی نے حضرت ابن عمر کا مشہور مذہب ترک قرأت خلف الامام نقل فرمایا ہے جیسا کہ ہماری تیرھویں دلیل میں بھی مذکور ہے۔

جواب ۳: یہ معنیٰ ہیں کہ قرأت نہ حقیقی ہو نہ حکمی ہو تو مجھے شرم آتی ہے اور مقتدی کی طرف سے امام کے پڑھ لینے سے مقتدی کی قرأت حکمی پائی جاتی ہے۔

جواب ۴: ان کا اپنا اجتہاد ہے۔

جواب ۵: ان دونوں کتابوں میں جن میں یہ روایت ہے بعض حضرات کا مذہب تیسری اور چوتھی رکعت میں پڑھنے کا نقل

کیا گیا ہے۔ یہاں بھی یہ معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ اور ائمہ میں اختلاف کا مدار پہلی دو رکعتیں ہیں۔

للشافعی ۵: فی جزء القراء ۃ للبخاری عن ابی مریم سمعتُ ابن مسعود یقراء خلف الا مام

جواب: ۔ ہمارے دلائل میں حضرت ابن مسعود کا قول منع عن القراءۃ خلف الامام مذکور ہے اور یہاں ان کا فعل ہے اور یہ اصول ہے کہ قول اور فعل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح ہوتی ہے۔

للشافعی ۶: ۔ **فی ابی داؤد عن ابی عثمان عن بلال انه قال یا رسول الله لا تسبقنی بآمین** معلوم ہوا کہ حضرت بلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

جواب ۱ ۔ حضرت ابوعثمان کا سماع حضرت بلال سے ثابت نہیں

جواب ۲ ۔ حضرت بلال سے کچھ پیچھے کھڑے ہو کر اقامت پڑھتے تھے پھر جگہ تلاش کرنے میں بعض دفعہ کچھ دیر ہو جاتی تو عرض کیا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ نماز میں سورہ فاتحہ میرے شریک ہونے سے پہلے پڑھ لیں۔

ولمالک واحمد: ادلہ قراءت خلف الامام کے متعلق دونوں قسم کے ہیں ان میں تطبیق یہ ہے کہ منع جہری نماز پر اور وجوب سری نماز پر محمول ہے اور اس تطبیق کے قرائن بھی ہیں۔

پہلا قرینہ: ۔ ابن اکیمہ والی روایت میں فانتھی الناس الخ ہے کہ صحابہ کرام نے جہری نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنا چھوڑ دیا۔

جواب ۱ ۔ بعض روایات میں یہ ظہر یا عصر کا واقعہ ہے معلوم ہوا کہ جہر کی قید واقعی ہے۔

جواب ۲ ۔ خبر واحد میں جہر کی قید سے قران پاک کے مطلق کو مقید نہیں کیا جا سکتا

جواب ۳ ۔ ہماری روایات میں سری نمازوں کی تصریح بھی ہے اور جو ائمہ مفہوم مخالف کو حجت سمجھتے ہیں ان کے نزدیک بھی منطوق کے مقابلہ میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا۔

دوسرا قرینہ: فی البیهقی عن عائشته وابی هریرة موقوفاً کانا یا مران بالقراء ۃ وراء الا مام اذالم یجهر۔

جواب: نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اجتہاداتِ صحابہ پر عمل نہیں کر سکتے۔

تیسرا قرینہ: ۔ ہمارے دلائل میں سے چوتھی دلیل۔

جواب: ۔ یہ روایت سری نماز کے حکم سے ساکت ہے اور ہمارے دلائل ناطق ہیں اور ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے۔ الحمدللہ کہ قرأت خلف الامام کا مسئلہ پورا ہوا۔

ثم اقراء ما تیسر معک من القران

یہ اس باب کی تیسری روایت ہے اس حدیث کا لقب حدیث مسیئ الصلوۃ ہے ثم اقراء امر کا صیغہ ہے امام بخاری اس سے باب کا مقصد ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ امر سے ثابت ہوا کہ قرأت فرض ہے۔ یہی امر کا صیغہ محل ترجمہ ہے ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ قرأت کا فرض ہونا ضرور ثابت ہوا اور اس کے ہم بھی قائل ہیں لیکن یہ تو ثابت نہ ہوا کہ امام کے پیچھے بھی قرأت فرض ہے کیونکہ یہ واقعہ تو منفرد کا ہے کہ ایک شخص نے اکیلے نے نماز پڑھی تھی اور اچھی نہ پڑھی تھی تو دوبارہ پڑھنے کا اس کو حکم دیا تین دفعہ ایسے ہی ہوا پھر اُس کو نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا اس میں امام کے پیچھے پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

تعدیل ارکان کا اختلاف

عندامامنا ابی حنیفة ومالک تعدیل ارکان فرض نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کم درجہ ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں وعندالشافعی واحمد تعدیل ارکان فرض ہے کہ ہر رکن میں اچھی طرح اعضاء کو قرار ہو جائے پھر اس رکن سے اٹھے۔ لنا۔ ا۔ **یایها الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون** یہاں رکوع کا امر ہے اور رکوع خارج صلوٰۃ فرض نہیں ہے اس لئے نماز ہی کا رکوع مراد ہے اور اس رکوع میں اور کوئی قید نہیں ہے جس سے تعدیل کی فرضیت ثابت ہو رکوع بمعنی انحناء جھکنا ہی فرض بنا۔ ایسے ہی اس آیت میں سجدہ مقرون بالرکوع ہے جو نماز والا سجدہ ہے اس لئے سجدہ بمعنی وضع الجبھت علی الارض ہی

فرض بنا اس سے زائد رکوع سجدہ کا اطمینان جو احادیث ظنیہ سے ثابت ہے اس کا درجہ کم ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں۔۲۔ابوداؤد اور بخاری شریف کی روایت یہی زیر بحث روایت جس کو حدیث مسیئی الصلوۃ کہتے ہیں اس میں ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعا ارجع فصل فانک لم تصل اس واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ایسی نماز کی اجازت دی جو تعدیل ارکان سے خالی تھی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تعدیل ارکان فرض نہیں ہے کیونکہ فرض کے بغیر نماز ایک فعل عبث ہے اور عبث فعل کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہیں دے سکتے۔معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان فرض نہیں۔ وللشافعی واحمد۔ا۔ فی ابی داؤد عن ابی مسعود البدری مرفوعاً لا تجزی ٔ صلوۃ الرجل حتی یقیم ظھرہ، فی الرکوع و السجود۔ جواب۔ا۔ ہمارے دلائل کی بناء پر یہ کہا جائے گا کہ اس حدیث میں کمال کی نفی ہے ورنہ تعارض لازم آئے گا۔۲۔ خبر واحد سے قرآن پاک پر زیادتی نہیں کی جا سکتی۔لھما۔۲۔ فی ابی داؤدو البخاری یھی حدیث مسئی الصلوٰۃ جو زیر بحث ہے اس حدیث پاک سے ان حضرات کا استدلال تین طریقہ سے ہے۔ا۔ فصّل امر کا صیغہ ہے۔۲۔ فانک لم تصل کہ بغیر تعدیل ارکان کے نماز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معدوم شمار فرمایا معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان رکن اور فرض ہے۔۳۔ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً اس میں تعدیل ارکان کی تصریح ہے کہ پورا اطمینان اور اعضاء کا سکون ہو جائے پھر اٹھنا پہلے نہ اٹھنا۔ جواب پہلا یہ ہے کہ خبر واحد سے قرآن پاک پر زیادتی نہیں ہو سکتی دوسرا جواب یہ ہے کہ امر ضرور موجود ہے لیکن یہ امر بھی خبر واحد میں ہے اور خبر واحد چونکہ ظنی ہے اس لئے اِس کے امر سے بھی فرضیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ فرض سے کم درجہ کی چیز واجب ثابت ہو جائے گا۔اور نفی جو اِس حدیث پاک میں ہے یہ نفی کمال کی ہے تا کہ نصوص میں تعارض لازم نہ آئے۔

باب القراء ۃ فی الظھر

امام بخاری کی غرض اس باب میں کیا ہے اس میں دو اہم قول ہیں۔ا۔حسن بن صالح وغیرہ بعض حضرات پر رد کرنا ہے جو ظہر اور عصر کی قرأت کے وجوب کے قائل نہیں ہیں۔۲۔ظہر و عصر میں قرأت کی صفت بیان کرنی مقصود ہے کہ پہلی رکعت میں قرأت دوسری سے زائد ہوتی تھی اور قرأت دونوں نمازوں میں سراً ہوتی تھی اور اب بھی ایسے ہی ہونی چاہئے۔

یطوّل فی الا ولیٰ و یقصّر فی الثانیته

ا۔بعض فقہاء کے نزدیک یہ روایت اپنے ظاہر پر ہے اور ان کے نزدیک ہر نماز کی پہلی رکعت دوسری سے زیادہ لمبی ہوتی چاہئے۔۲۔ جمہور فقہاء کے نزدیک فجر میں تو پہلی رکعت ہمیشہ دوسری سے کچھ لمبی ہونی ہی اولیٰ ہے اور پہلی رکعت کی قرأت دوسری رکعت کی قرأت سے کچھ زائد ہونی چاہئے باقی نمازوں کی قرأت مقدار کے لحاظ سے تقریباً برابر ہونی چاہئے اس لئے ان کے نزدیک اِس حدیث کی ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء کی وجہ سے رکعت کچھ لمبی ہو جاتی تھی قرأت کی مقدار دونوں رکعتوں میں تقریباً برابر ہی تھی ۳۔جمہور کی طرف سے ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت بہت آہستہ فرماتے تھے جس کو ترتیل کہتے ہیں دوسری رکعت میں ذرا تیز ہوتی تھی جس کو تدویر کہتے ہیں۔مقدار آیات کی تقریباً برابر ہی ہوتی تھی۔۴۔جمہور کی طرف سے ایک توجیہ یہ ہے ظہر و عصر میں پہلی رکعت کبھی کبھار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذرا لمبی فرما لیتے تھے کیونکہ نمازیوں کے ملنے کا انتظار ہوتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ پہلی رکعت میں شریک ہو جائیں عام طریقہ جس کو سنت کہا جائے گا وہ دونوں رکعتوں کو تقریباً برابر رکھنے ہی کا تھا۔

باب القراء ۃ فی العصر

یہاں بھی غرض میں گذشتہ باب کی طرح وہ قول ہیں فرق یہ ہے کہ وہاں ظہر کا ذکر تھا یہاں عصر کا ذکر ہے۔

باب القراء ۃ فی المغرب

امام بخاری کی غرض مغرب کی قرأت کی مقدار بیان فرمانا ہے۔

یقرأ بطولی الطولیین

اس کی تفسیر ابوداؤد میں مائدہ اوراعتراف سے کی گئی ہے۔کہ مغرب میں اِن دو میں سے ایک پڑھی بیان جواز کا درجہ ہے۔

باب الجهر فی المغرب

غرض یہ ہے کہ مغرب کی قرأت میں جہر ثابت ہے۔

باب الجهر فی العشاء

غرض عشاء میں جہر کا اثبات ہے۔سوال قرین قیاس یہ تھا کہ قرأت فی العشاء کا باب پہلے ہوتا اور جہر فی العشاء کا بعد میں ہوتا کیونکہ موصوف کا اثبات یعنی قرأت کا پہلے مناسب ہے اور صفت کا اثبات یعنی جہر کا بعد میں مناسب ہے الٹا کیوں کیا۔جواب۔ کسی کاتب کی غلطی پر محمول ہے۔

باب القراء ة فی العشاء بالسجدة

غرض یہ کہ سجدہ والی سورت پڑھنا بھی جائز ہے۔

باب القراء ة فی العشاء

عشاء میں قرأت کا اثبات مقصود ہے۔

باب یطول فی الا ولیین ویحذف فی الا خرّین

غرض یہ حکم بتانا ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سورۃ نہیں ملائی جاتی۔

با ب القراء ة فی الفجر

اس باب کی غرض کی مختلف توجیہات ہیں۔۱۔قرأت کا ثابت کرنا مقصود ہے۔۲۔صفت قرأت بیان کرنی مقصود ہے کہ جہراً قرأت ہے۔۳۔مقدار مسنون بیان کرنی مقصود ہے کہ ساٹھ آیتوں اور سو آیتوں کے درمیان ہے۔

باب الجهر بقراء ة صلوٰة الصبح

غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ فجر کی نماز کی قراءۃ میں جہر ہے۔

الی سوق عُکاظِ :۔اس بازار کی طرف جانا یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ شمار کیا گیا ہے۔عکاظ ایک جگہ کا نام ہے جو نخلہ اور طائف کے درمیان تھی وہاں زمانہ جاہلیت میں یکم تا ۲۰ ذی قعدہ لوگ جمع ہوتے تھے اور خرید وفروخت کرتے تھے اور فخر کرتے تھے اور اشعار پڑھتے تھے۔

فرجعت الشیاطین الی قومهم

اِس قوم سے مراد۔۱۔جنات۔۲۔کاھن۔

فلما سمعوا القران استمعوا اله

مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق اِن سننے والے جنّات کی تعداد ۹ تھی پھر سمعوا کے معنیٰ اتفاقاً کان میں آواز پڑگئی اور استمعوا کے معنیٰ ہیں کے قصداً قرأت کو سنا اور یہی محل ترجمہ ہے کہ فجر کی قرأت جہراً ہونی چاہئے جو کان میں پڑجائے۔

قرأ صلی الله علیه وسلم فیما اُمر و سکت فیما اُمر

یعنی جہراً پڑھنا اور سراً پڑھنا مراد ہے۔

باب الجمع بین السورتین فی الر کعته والقراء ة بالخو اتیم وبسورةِ قبل سورةِ وباول سورةِ

غرض یہ ہے کہ اِن سب طریقوں سے قرأت کرنی جائز ہے۔

هذّا کهذّا الشعر یعنی تم نے بہت تیز قرأت کی ہوگی۔ ہذّ کے معنیٰ جلدی کاٹنے اور جلدی پڑھنے کے آتے ہیں اُس زمانے میں شعراء جب اشعار حفظ کرنے کے لئے یا کوئی واقعہ نقل کرنے کے لئے پڑھتے تھے تو بہت جلدی جلدی پڑھتے تھے یہی یہاں مراد ہے لیکن جب شعراء خوشی میں شعر گاتے تھے تو آہستہ آہستہ پڑھتے تھے۔

باب یقرأ فی الا خر یین بفاتحة الکتاب

غرض یہ ہے کہ آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے ساتھ سورت نہیں ملائی جاتی۔

باب من خافَتَ القراء ة فی الظهر والعصر

غرض یہ حکم بیان فرمانا ہے کہ ظہر اور عصر میں قرأت سراً ہونی چاہئے۔

باب اذا اسمع الا مام الآیته

غرض یہ ہے کہ ضرورت کی بنا پر ایسا کرنا جائز ہے۔

باب یطول فی الرکعته الاولیٰ

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ سب نمازوں میں پہلی رکعت دوسری سے زیادہ لمبی ہونی چاہئے۔ مسئلہ اور حدیث کی تفصیل عنقریب گذری ہے

باب جھرا لا مام بالتأمین

تامین کے معنیٰ آمین کہنے کے ہیں۔ پھر آمین کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ ا۔ ایسا ہی ہو جائے لیکن کذلک۔ ۲۔ فعل۔ ۳۔ استجب۔ ۴۔ اقبل۔ ۵۔ لاتخیب رجاءنا۔ ہماری امید کو نا کام نہ کیجئے۔ غرض امام بخاری کی امام شافعی کا قول اختیار کرنا ہے اس مسئلہ میں اور حضرت وائل کی روایت ذکر نہ کی کیونکہ ان کی شرط پر نہ تھی۔

امام کے آمین کہنے میں اختلاف

فی روایۃ عن مالک امام جہری نماز میں آمین نہ کہے سری میں کہے۔ وفی روایۃ عنہ امام کسی نماز میں بھی آمین نہ کہے اور تیسری روایت امام مالک سے یہ ہے اور یہی جمہور کا قول ہے کہ امام سب نمازوں میں آمین کہے۔ لنا۔ ا:. **حدیث الباب عن ابی هریرة مرفوعاًاذا من الامام فامنوا.** لنا. ۲- **فی ابی داؤد عن وائل بن حجر مرفوعاً اذا قراء ولاالضالین قال آمین.** لنا. ۳- **فی ابی داؤد عن وائل بن حجر مرفوعاً مجهر بآمین** لنا. ۴- **فی ابی داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً اذا تلاغیر المغضوب علیهم ولاالضالین قال آمین.** **لمالک**:. **فی ابی داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً اذاقال الامام غیر المغضوب علیهم ولاالضالین فقولوا آمین** اس روایت میں امام اور مقتدی کا کام الگ الگ بتلا دیا گیا امام سورہ فاتحہ پڑھے آمین نہ کہے اور مقتدی آمین کہے سورہ فاتحہ نہ پڑھے پھر امام مالک کے نزدیک امام سری اور جہری دونوں میں اس پر عمل کرے یا صرف جہری میں اس پر عمل کرے یہ دونوں روایتیں ہیں۔ جواب: آپ کی روایت میں امام کے آمین پڑھنے سے سکوت ہے اور ہماری روایت میں نطق ہے اور ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے۔

آمین سراً اور جہراً کہنے میں اختلاف

عندامامنا ابی حنیفتہ و مالک وفی روایۃ عن الشافعی سراً آمین کہنا افضل ہے وفی روایۃ عنہ وعند احمد جہراً کہنا افضل ہے منشاء اختلاف یہ ہے کہ حضرت وائل بن حجر سے سفیان ثوری مرفوعاً جہر نقل کرتے ہیں اور وہ روایت ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں ہے اور شعبہ حضرت وائل بن حجر ہی سے مرفوعاً سراً امین کہنا نقل فرماتے ہیں اور وہ روایت ابی داؤد الطیالسی اور ترمذی اور مسند احمد میں ہے شعبہ کی روایت کئی وجوہ سے راجح ہے ا۔ تہذیب الآثار للطبرانی میں ہے **عن ابی وائل قال لم یکن عمر وعلی رضی الله عنها. یجهران. بسم الله الرحمن الرحیم ولابآمین.**

۲- ادعوار بکم **تضرعا و خفیة** اس آیت میں دعاء آہستہ مانگنے کا حکم ہے آمین بھی دعا ہے۔ ۳- تعلیماً بعض دفعہ جہر فرمایا اصل سنت آہستہ پڑھنا تھا۔ یہ توجیہ اس کے برعکس نہیں ہو سکتی کہ اصل سنت جہر تھی تعلیما سراً پڑھی جو کیونکہ جہراً پڑھنے میں تعلیم ظاہر ہو چکی۔ ۴- **فی الطحاوی عن وائل کان عمر و علی لایجهران بسم الله الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولابالتامین.** ۵- ابوداؤد میں حضرت سمرہ سے مرفوعاً دو سکتے مذکور ہیں ایک تحریمہ کے بعد اور ایک ولاالضالین کے بعد اس روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آمین آہستہ ہی ادا فرمایا کرتے تھے اسی لئے ولاالضالین کے بعد آمین آہستہ کہنے کو سکتہ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اگر عادت مبارکہ جہراً آمین ادا فرمانے کی ہوتی تو اس آمین کہنے کو سکتہ کے لفظ کے ساتھ بیان نہ کیا جاتا۔ ۶- سفیان ثوری راوی مدلس ہیں اور ان کی روایت بھی عن کے ساتھ ہے اور مدلس کی روایت عن

کے ساتھ معتبر نہیں ہوتی مدلس اس راوی کو کہتے ہیں جو بعض دفعہ اپنے استاد کا نام چھوڑ دے اور دادا استاد کا نام عن کے ساتھ ذکر کردے۔ حضرت شعبہ مدلس بھی نہیں ہیں اور ان کی روایت ابوداؤد طیالسی میں صیغہ سماع کے ساتھ ہے۔

حنابلہ اور شوافع حضرت کے مرجحات

۱۔حضرت شعبہ نے ابن العنبس راوی کو ابوالعنبس کہہ دیا ہے حالانکہ ان کی کنیت تو ابوالسکن ہے جیسا کہ امام بخاری نے تصریح فرمائی ہے اور یہ اعتراض امام ترمذی نے اپنی جامع میں نقل فرمایا ہے ہم اس کا جواب دیتے ہیں ان کی دونوں کنیتیں تھیں چنانچہ ابوداؤد سجستانی اور ابن حبان نے ابوالعنبس ہی بیان فرمائی ہے' ۲۔شعبہ نے ابوالعنبس کا استاد علقمہ ذکر کیا ہے یہ واسطہ شعبہ کی خطا ہے جواب شعبہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں ان کی زیادتی کو زیادہ ثقہ کہیں گے۔خطا نہ کہیں گے ابوالعنبس کا سماع بلاواسطہ بھی ہے اور بواسطہ بھی ہے ۳۔ **فی ابی داؤد السجستانی عن ابی ھریرۃ مرفوعاً قال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول۔** جواب۔اس روایت میں بشر بن رافع ہے جس کو بخاری اور ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۴۔حضرت شعبہ خود فرماتے ہیں سفیان احفظ منی جواب یہ تواضعاً ہے جیسے حضرت سفیان ثوری بھی تو فرماتے ہیں شعبۃ امیر المومنین فی الحدیث اور مومنین میں خود سفیان ثوری بھی داخل ہیں۔ ۵۔رفع زیادہ ہے اور مثبت زیادہ کو ترجیح ہوتی ہے جواب۔یہ صحیح نہیں ہے بلکہ سراً پڑھنا اور جہراً پڑھنا یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں سر ہو تو جہر نہیں اور جہر ہو تو سر نہیں زیادہ وہاں ہوتی ہے کہ ایک چیز باقی رہتے ہوئے دوسری ثابت ہو جائے یہاں سر کے رہتے ہوئے جہر ثابت نہیں ہوسکتی۔ ۶۔سفیان ثوری کے متابع علا بن صالح اور محمد بن سلمۃ بن کھیل ہیں۔ جواب۔یہ دونوں راوی ضعیف ہیں اس لئے ان سے تائید ثابت نہیں ہوسکتی۔

قال عطاء آمین دعاء

ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ دعا میں امام اور مقتدی دونوں کو شریک ہونا چاہئے۔ **للجتہ**:۔بلند آواز کو لجہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن الزبیر اور ان کے مقتدی جہراً آمین کہتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کا اجتہاد تھا۔

وکان ابوھریرۃ ینادی الامام لاتفتنی باآمین

معنیٰ یہ ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃ مروان کی خلافت میں اذان اور اقامتہ دیا کرتے تھے اس لئے مروان سے فرمارہے ہیں کہ میری اقامت سے پہلے ہی تحریمہ نہ کہہ دیا کرو ایسا نہ ہو کہ میں سورہ فاتحہ سننے سے اور آمین تمہارے ساتھ کہنے سے رہ جاؤں۔ **وسمعتُ منه فی ذلک خیراً**:۔نافع فرمارہے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے آمین کے متعلق فضیلت سنی ہے۔

اذا امّنَ الا مام فامنّوا

امام بخاری کا مقصد اس مرفوع روایت سے جہر آمین ثابت کرنا ہے۔ جواب۔یہ کیا ضروری ہے کہ آمین امام زور ہی سے کہے جب ولا الضالین پڑھے گا تو مقتدی آمین کہہ دے گا۔اس لئے جہر امام فی التامین ثابت نہ ہوا۔

باب فضل التامین

غرض آمین کہنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب جھرا لماموم بالتامین

غرض مقتدی کے جہر کو ثابت کرنا ہے آمین کہنے میں۔

باب اذا رکع دون الصف

غرض یہ ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے نمازی کی نماز بھی ہو جاتی ہے۔یہی جمہور کا قول ہے وقال احمد صحیح نہیں۔لنا۔حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے۔ابوداؤد جب بغیر نسبت کے ہو تو سجستانی ہی مراد ہوتے ہیں عن ابی بکرۃ مرفوعاً زادک اللہ حرصاً ولا تعد اس حدیث کے چھ معنی کئے گئے ہیں سب کے سب جمہور کی دلیل بنتے ہیں۔ ۱۔اے ابوبکرہ تم پھر تاخیر کی طرف نہ لوٹنا کہ پھر بھی تم کو صف کے پیچھے اکیلے رکوع کرنا پڑے۔ ۲۔پھر کبھی بھاگ کے جماعت پکڑنے

کے لئے نہ آنا کہ اس سے سانس پھول جاتا ہے اور نماز توجہ سے نہیں پڑھی جاتی۔۳۔ اب تو رکوع صف سے پیچھے کر لیا اور نماز ٹھیک ہوگئی پھر صف کے پیچھے رکوع نہ کرنا یہ اچھا نہیں گو نماز ہو جاتی ہے۔۴۔ تم رکوع کی حالت میں چل کر اگلی صف کے ساتھ ملے آئندہ اس طرح چوپایوں کی طرح نہ چلنا۔۵۔ لفظ لاتعُدْ ہے عدو بمعنی ھرب سے پھر نہ بھاگ کر آنا۔۶۔ لاتُعِدْ باب افعال سے اعادہ سے کہ نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ ان سب معنوں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز صحیح ہے گو بلا ضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں۔

ولاحمد۔۱۔ فی ابی داؤد عن وابصتہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یصلی خلف الصف وحدہ فامرہ ان یعید جواب۔ زجراً اعادہ کا حکم فرمایا کہ آئندہ احتیاط رکھے اگر اعادہ واجب ہوتا تو حضرت ابوبکرہ کو ضرور اعادہ کا حکم فرماتے حالانکہ ایک روایت کے مطابق صراحۃً فرمایا لاتُعِدْ کہ اعادہ نہ کرو۔۲۔ فی مسند احمد وابن ماجتہ عن علی بن شیبان مرفوعاً فلا صلوٰۃ لمنفرد خلف الصف۔ جواب لانفی کمال کے لئے ہے تاکہ تعارض نہ ہو۔

باب اتمام التکبیر فی الرکوع

اس باب سے امام بخاری کی غرض کیا ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔۱۔ اللہ اکبر کو لمبا کر کے کہے تاکہ اکبر کی راء رکوع میں ختم ہو اور پورا انتقال اللہ اکبر سے بھر جائے۔۲۔ ہر رکوع وسجدہ اور نماز کی ہر حرکت میں اللہ اکبر کہے اِس باب میں رکوع کا ذکر اور آئندہ باب میں سجدہ کا ذکر اِن دونوں کی عظمت کی وجہ سے ہے مراد ہر رفع وخفض ہے اِن دونوں میں حصر مقصود نہیں ہے۔ ۳۔ اللہ اکبر کے الفاظ خوب صاف صاف کہے۔۴۔ غرض ابوداؤد کی ایک روایت کو کمزور قرار دینا ہے جس میں ہے عن عبد الرحمٰن بن ابزی انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دکان لا یتم التکبیر اس روایت کی مختلف توجیہات ہیں۔۱۔ کمزور ہے۔۲۔ بیان جواز ہے۔۳۔ تکبیر کا جہر پورا نہ فرماتے تھے۔۴۔ زیادہ مدنہ کرتے تھے۔۵۔ بعض موقعوں میں تکبیر نہ پڑھتے تھے لیکن یہ اس زمانہ پر محمول ہے جبکہ ابھی نماز میں کمی وبیشی ہو رہی تھی آخری درجہ یہی تھا کہ ہر رفع وخفض میں تکبیر پڑھنے کو مسنون قرار دیا گیا۔ اس حدیث کی توجیہات مکمل ہوگئیں پھر حکمت ہر رفع وخفض میں تکبیر پڑھنے کی یہ ہے کہ شروع میں جو نیت کی تھی تحریمہ کے وقت اس کی تجدید مقصود ہے کیونکہ تکبیر علامت ہے ابتدائی نیت کی۔

باب اتمام التکبیر فی السجود

غرض میں وہی چار قول ہیں جو گذشتہ باب میں مذکور ہوئے۔

باب التکبیر اوا قام من السجود

غرض یہ ہے کہ یہ بھی مسنون ہے۔

باب وضع الاکف علی الرکب فی الرکوع

غرض یہ ہے کہ پہلے تطبیق فی الرکوع مسنون تھی کہ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر ان کو دونوں گھٹنوں کے درمیان دبا یا جائے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم نازل ہوگیا۔ سوال۔ بعض حضرات نے حنفیہ پر اعتراض کیا ہے کہ آپ کی فقہ کا زیادہ مدار حضرت ابن مسعود اور حضرت علی پر ہے۔ اور حضرت ابن مسعود سے ابوداؤد میں تطبیق منقول ہے تو کیا نعوذ باللہ حضرت ابن مسعود کو نسخ کا پتہ نہ چلا حالانکہ دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھی جاتی ہے۔ جواب پتہ تو چلا لیکن اُن کی تحقیق یہ تھی کہ نسخ کی صورت یہ ہوئی ہے کہ رخصت ہوگئی ہے کہ بہتر تطبیق ہے جس کو عزیمت کہتے ہیں اور رخصت وضع علی الرکبتین ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی آسانی کے لئے کثرت سے رخصت پر عمل فرماتے تھے۔ اس کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ عن علی موقوفاً قال اذا رکعتَ فان شئت قلتَ ھکذا یعنی وضعتَ یدیک علی رکبتیک و ان شئت طبقتَ۔

باب اذا لم یتم الرکوع

غرض یہ ہے کہ اگر رکوع بغیر تعدیل کے ادا کیا تو نماز کا اعادہ

کرے جیسا کہ اس باب کی حدیث سے ثابت ہے اور ترجمۃ الباب میں حکم کی تصریح نہ فرمائی کیونکہ مسئلہ اختلافی تھا اور اختلاف عنقریب گذر چکا ہے۔

باب استواء الظهر فی الرکوع

غرض یہ ہے کہ رکوع میں نہ پشت کو سر سے اونچا کرے نہ نیچا کرے۔ ہصر :۔اس کے معنیٰ ہیں مال جھکایا۔

باب حد اتمام الرکوع والا عتدال فیه والا طما نینۃ

غرض یہ ہے کہ رکوع میں پورا اطمینان اور سکون اعضاء ہونا چاہئے۔ا۔اختلاف عنقریب گذر چکا ہے۔

باب امرا لنبی صلی الله علیه وسلم الذی لا تیم رکوعه بالا عادۃ

غرض یہ ہے کہ تعدیل ارکان فرض ہے دلیل یہ پیش فرمادی کہ اعادہ کا حکم فرمایا ہم یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ یہ اعادہ کا حکم تادیبا ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی مزید تفصیل عنقریب گذر چکی۔

باب الدعاء فی الرکوع

غرض یہ ہے کہ رکوع میں دعاء کرنی بھی جائز ہے۔سوال۔دعاء توذکر فرمادی۔تسبیح ذکر نہ فرمائی امام بخاری رحمہ اللہ تعالے نے حالانکہ حدیث میں دونوں ہیں۔جواب۔تسبیح میں تو اتفاق ہے کہ مسنون ہے دعاء کو بعض نے مکروہ قرار دیا تھا ان کی تردید کرنے کے لئے باب میں صرف دعاء کا ذکر فرمایا۔ور یک روایت امام مالک سے بھی دعاء کے انکار کی ہے اس روایت کے لحاظ سے امام بخاری امام مالک پر انکار کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث سے دعاء ثابت ہے۔ عندالجمہور کراہت نہیں لنا۔ حدیث الباب عن عائشة قالت کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول فی رکوعه و سجوده سبحانک اللّٰهم ربنا و بحمدک اللّٰهم اغفرلی ولما لک روایته مسلم عن حذیفة مرفوعاً رکع نجعل یقول سبحان ربی العظیم و فی سجوده سبحان ربی الا علی. جواب ہماری روایت مثبت زیادت ہے۔

باب ما یقول الا مام و من خلفه اذا رفع راسه من الرکوع

غرض بظاہر تائید ہے۔امام شافعی واحمد کے قول کی کہ امام اور مقتدی دونوں ربنا لک الحمد کہیں وعند مالک وابی حنیفۃ امام ربنا لک الحمد نہ کہے۔لنا آئندہ باب کی روایت عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللّٰهم ربنا لک الحمد وللشافعی و احمد حدیث الباب عن ابی هریرة کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللّٰهم ربنا و لک الحمد جواب۔ا۔ ہماری قولی ہے اس لئے اس کو آپ کی فعلی روایت پر ترجیح ہے۔۲۔آپ کی روایت اکیلے نماز پڑھنے پر محمول ہے کیونکہ اس میں امامت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

باب فضل اللّٰهم ربنالک الحمد

غرض ربنا لک الحمد پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔باب۔بعض نسخوں میں یہاں باب القنوت ہے یعنی قنوت نازلہ کا بیان مقصود ہے۔کیونکہ قنوت وتر کا ذکر آگے آئے گا۔پھر باب بلاترجمہ جو تتمہ ہوتا ہے ماقبل کا اس کے ساتھ مناسبت اس باب کی پہلی روایت کی یوں ہے کہ ربنا لک الحمد ایسی جگہ پڑھا جاتا ہے جس جگہ دعا قبول ہوتی ہے یہ ربنا لک الحمد کی فضیلت کا تتمہ ہوگیا۔بعینہ یہی مناسبت اس باب کی دوسری حدیث کی ہے اور تیسری روایت میں ربنالک الحمد مع زائد کی فضیلت ہے اس سے صرف ربنا لک الحمد کی فضیلت بھی ظاہر ہوگئی پھر اکیلا باب بلاترجمہ ہونے کی صورت میں مبنی پڑھیں گے جیسے چند چیزوں کو شمار کیا جاتا ہے۔

باب الاطمانینة حین یرفع راسه من الرکوع

غرض تعدیل ارکان کی تاکید ہے۔

فانصب هنیتة: تھوڑی دیر سیدھے کھڑے ہوگئے۔

باب یھوی بالتکبیر حین یسجد

غرض یہ ہے کہ اللہ اکبر کہنا سجدہ کے لئے جھکنے کے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے نہ پہلے نہ پیچھے۔

کان ابن عمر یضع یدیه قبل رکبتیه

اس روایت کی مناسبت باب کے ساتھ یہ ہے کہ باب میں جھکنے کا ذکر تھا اس روایت میں اسی جھکنے کی تفصیل ہے پھر اختلاف ہے جھکنے کے طریق میں عند مالک مسنون یہ ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت پہلے ہاتھ زمین پر رکھے پھر گھٹنے اور عند الجمھور اس کا عکس مسنون ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر رکھے پھر ہاتھ۔ لنا۔ ا- فی ابی داؤد عن وائل بن حجر مرفوعاً اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه۔ ۲- فی صحیح ابن خزیمه عن سعد بن ابی الوقاص کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فامرنا بوضع الرکبتین قبل الدین ولمالک روایة ابی داؤد عن ابی ھریرة مرفوعاً اذا سجد احد کم فلا یبرک کما یبرک البعیر و لیضع یدیه قبل رکبتیه۔ جواب ا- یہ طریقہ منسوخ ہے جیسا کہ ہماری روایت میں تصریح ہے ۲- کسی راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ کہہ دیا اصل حدیث صرف اتنی تھی اذا سجد احدکم فلا یبرک کما یبرک البعیر اور اس میں ہاتھ پہلے رکھنے کی ممانعت تھی راوی یہ سمجھا کہ اونٹ کے ہاتھ تو ہیں ہی نہیں اس لئے اونٹ گھٹنے ہی لگاتا ہے اس لئے اونٹ کی طرح بیٹھنے کی ممانعت کے معنی یہی ہوئے کہ گھٹنے پہلے نہ لگاؤ بلکہ پہلے ہاتھ لگاؤ حالانکہ معنیٰ یہ تھے کہ اونٹ کے اگلے پاؤں ہاتھوں کی جگہ ہیں گویا اونٹ پہلے ہاتھ لگاتا ہے تم پہلے ہاتھ نہ لگایا کرو بلکہ پہلے گھٹنے لگایا کرو۔ ۳- حضرت ابو ہریرہ سے روایتیں دونوں قسم کی ہیں پہلے ہاتھ لگیں یا پہلے گھٹنے لگیں اس لئے استدلال نہیں ہوسکتا اذا تعارضا تساقطا۔ ۴- اونٹ کی طرح نہ بیٹھے کے معنی ہیں کہ ہاتھ پہلے نہ رکھے کیونکہ اونٹ پہلے ہاتھ یعنی اگلے پاؤں جھکاتا ہے اور پھر فرمایا کہ ہاتھ پہلے رکھے گویا اس حدیث کے شروع حصہ اور اخیر حصہ میں تعارض ہے اس لئے اس سے استدلال نہیں ہوسکتا۔

قال سفیان کذا جاء به معمر قلت نعم

یعنی سفیان بن عیینہ نے اپنے شاگرد علی بن عبداللہ مدینی سے فرمایا اکذا جاء۔ بہ معمر ہمزہ استفہام کا محذوف ہے کیا آپ کے پاس معمر نے بھی ایسے ہی حدیث کو نقل فرمایا ہے جیسے میں نے ولک الحمد کا لفظ نقل کیا ہے علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا نعم۔

قال لقد حفظ

حضرت ابن عیینہ نے فرمایا کہ معمر نے ٹھیک یاد کیا ہے امام زہری سے یونہی ثابت ہے ولک الحمد اس سے غرض یہ ہے ابن عیینہ کی کہ لیث وغیرہ سے جو لک الحمد بغیر واؤ کے منقول ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔

حفظت من شقه الایمن

اب حضرت سفیان اسی حدیث کی ایک دوسری غلطی بتلانا چاہتے ہیں جو امام زہری کے شاگرد حضرت ابن جریج سے واقع ہوئی کہ ابن جریج نے شق کی جگہ ساق نقل کیا ہے۔

فلما خرجنا من عند الزھری قال ابن جریج و انا عنده فجحش ساقه الایمن

جحش کے لغوی معنیٰ ہیں چھیلا گیا چھلکا اور کھال اتر گئی مراد زخمی ہونا ہے اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ پاؤں مبارک میں موچ آ گئی تھی اور جوڑا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ فلما خرجنا کے تین معنی کئے گئے ہیں۔ ا- حضرت سفیان فرما رہے ہیں کہ جب ہم امام زہری کے پاس سے نکلے تو ابن جریج فرمایا کہ میں امام زہری کے پاس ہی تو بیٹھا ہوا تھا جب امام زہری نے فرمایا جحش ساقہ الایمن اس تقریر میں وانا عندہ ابن جریج کا مقولہ ہے اور عندہ کی ضمیر امام زہری کی طرف لوٹتی ہے۔ ۲- جب ہم امام زہری کے پاس سے نکلے ابن جریج نے فرمایا فجحش ساقه الایمن حالانکہ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ امام زہری کی مجلس میں میں ابن جریج کے پاس ہی تو بیٹھا ہوا تھا جیسے ابن جریج نے سنا ایسے ہی میں نے سنا۔ پھر بھی ابن جریج بھول گئے اور باہر آ کر ساق کا لفظ کہہ دیا۔ وانا عندہ یہ منقولہ

حضرت سفیان کا ہے اور عندہ کی ضمہ حضرت ابن جریج کی طرف لوٹتی ہے اور بیٹھنا امام زہری کی مجلس میں مراد ہے۔ ۳- وانا عندہ مقولہ حضرت سفیان کا ہے لیکن عندہ کی ضمیر امام زہری کی طرف لوٹتی ہے کہ سفیان فرماتے ہیں کہ میں امام زہری کے پاس ہی تو بیٹھا ہوا تھا جیسے ابن جریج قریب ہی تھے پھر بھی ابن جریج بھول گئے اور شق کی جگہ ساق کا لفظ حدیث میں نقل فرما دیا۔

باب فضل السجود

غرض سجدہ کی فضیلت کا بیان فرمانا ہے۔

تماروں:۔ ۱- تاء اور راء کے ضمہ کے ساتھ جھگڑا کرتے ہو۔ ۲- تماروں۔ اصل میں تتماروں دو تاؤں کے ساتھ اور راء کے فتحہ کے ساتھ پھر ایک تاء کو حذف کر دیا گیا معنی تشکون۔ شک کرتے ہو۔

لایتکلم:۔ ای لا تکلم علی الصراط۔ یخر دل:۔ گرایا جائے گا۔

ویعرفو نهم باثار السجود:۔ یہ محل ترجمہ ہے کہ دوزخ میں فرشتے سجدہ کے نشانوں کی وجہ سے پہچان لینگے کیونکہ آگ سجدہ کے نشانوں کو نہ کھائے گی اس سے سجدہ کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

امتحشوا:۔ احترا قوا جل گئے۔

قشبنی:۔ زہر پلا دی یعنی مار دیا۔

ذلک لک وعشرة امثاله:۔ پہلے اللہ تعالیٰ فرمائینگے لک ذلک ومثلہ معہ پہلے ایک مثل ظاہر فرمائیں گے پھر دس مثل ظاہر فرمائیں گے اور مزید شفقت کا اظہار فرمائینگے اور دس مثل ظاہر فرمادینگے دونوں باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں آخری حصہ حضرت ابوہریرۃ نہ سن سکے اس لئے وہ نقل نہ فرمایا۔

باب یبدی ضبعیه ویجافی فی السجود

غرض بازوں کو سینے سے دور رکھنے کی وضاحت کرنا ہے پھر یجافی۔ ۱- اس کا مفعول محذوف ہے ضبعیہ بازؤں کو سینے سے دور رکھے اس معنیٰ کے لحاظ سے یہ ماقبل کی تاکید ہے۔ ۲- معفول محذوف ہے بطنہ کہ پیٹ کو رانوں سے دور رکھے اس صورت سے تاسیس ہے اور نئے معنی ہیں۔

باب لیستقبل القبلته باطراف رجلیه

غرض یہ ہے کہ سنت طریقہ یہی ہے کہ پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں۔ **باب اذا لم یتم السجود**:۔ غرض تعدیل ارکان کے فرض ہونے کی تاکید ہے کہ تعدیل ارکان سجدہ میں نہ ہو تو نماز نہ ہوگی اختلاف کی تفصیل گزر چکی اور ترجمۃ الباب میں اذا کا جواب ذکر نہ فرمایا کہ حدیث سے خود ہی نکال لیا جائے گا۔

باب السجود علی سبعته اعظم

غرض اعضاء سجود کا بیان ہے۔ **باب السجود علی الانف**: غرض کیا ہے دو قول ہیں۔ ۱- صرف ناک لگ جائے تو پھر بھی سجدہ صحیح ہے۔ ۲- ناک اور پیشانی دونوں کا لگنا ضروری ہے صرف پیشانی کافی نہیں بلکہ ناک کا لگنا بھی ضروری ہے۔ اختلاف: عند امامنا ابی حنیفہ: ناک اور ماتھے میں سے ایک کا لگنا کافی ہے اور صاحبین اور جمہور کے نزدیک ماتھا لگانا ضروری ہے اور عند احمد دونوں کا لگانا ضروری ہے حنفیہ کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے **للصاحبین والجمهور فی الصحیحین عن ابن عباس امر النبی صلی الله علیه وسلم ان یسجد علی سبعته اعضا ولایکف شعرا ولا ثوبا الجبهته والیدین والرکبتین والرجلین ولابی حنیفته عن ابن عباس حدیث الباب مرفوعاً امرت ان اسجد علی سبعته اعظم علی الجبهته واشارعلی انفه والیدین والرکبتین واطراف القدمین** معلوم ہوا کہ ناک اور ماتھا ایک ہی ہڈی ہے کسی ایک کا لگا لینا کافی ہے۔ جواب احتیاط یہی ہے کہ ماتھا لگائے تاکہ سب روایت پر عمل ہو جائے ولاحمد آئندہ باب کی روایت جو ابوداؤد میں بھی آتی ہے **عن ابی سعید مرفوعاً رایت اثر الطین والماء علی جبهته رسول الله صلی الله علیه وسلم وارنبته** جواب۔ ناک اور ماتھا دونوں کا وجود ہے وجوب نہیں اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر دونوں واجب ہوں تو اعضاء سجدہ آٹھ ہو جائیں گے حالانکہ سات کا عدد ہماری روایت میں صراحتہ مذکور ہے۔

واشار بیده علی انفه:۔اشار میں صنعت تضمین ہے امر کی۔

باب السجود علی الانف فی الطین

امام بخاری کی غرض اس باب میں کیا ہے اس میں مختلف قول ہیں ۔ا۔ ناک سجدہ میں ضرور لگنی چاہئے اِسی کی تاکید کے لئے یہ دوسرا باب باندھا حالانکہ مسئلہ گذشتہ باب میں بیان فرما چکے تھے۔۲۔ اگر ناک کیچڑ میں ڈوب جائے تو سجدہ صحیح ہے۔البتہ اگر پورا چہرہ ڈوب جائے تو سجدہ صحیح نہیں ہے۔۳۔سجدہ میں ناک لگانا مستحب ہے کیونکہ سجدہ قبول ہونے کی ایک نشانی کیچڑ کا ناک پر لگ جانا بھی ہے۔

قزعۃ:۔بادل کا ٹکڑا۔

تصدیق رویاہ:۔یعنی بیداری میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے اور ناک پر کیچڑ کا نشان دیکھا تو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کی تصدیق ہوگئی کہ اِس سال لیلۃ القدر وہ رات ہوگی جس میں میرے ماتھے اور ناک پر کیچڑ لگے گا۔ پھر یہاں عبارت میں تصدیق مضاف ہے اور رویاہ مضاف الیہ ہے۔

باب عقد الثیاب و شدھا و من ضمّ الیه ثوبه اذا خاف ان تنکشف عورته

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ گرہ لگانی تو جائز ہے ہی ضرورت کی وجہ سے کپڑے کو پکڑ لینا بھی جائز ہے البتہ بلاضرورت کف ثوب اور ضم ثوب مکروہ ہے۔

باب لا یکف شعراً

غرض میں اقوال ۔ا۔ بہتر ہے کہ بال کھلے چھوڑ دے تاکہ وہ بھی سجدہ کریں۔۲۔نماز پڑھتے وقت سر پر بالوں کو نہ باندھے۔ یعنی جوڑا سر کے درمیان نہ بنائے۔ پہلے قول میں یہ ہے کہ کسی قسم کے نہ باندھے دوسرے قول میں یہ ہے کہ سر کے درمیان جوڑے کی صورت میں نہ باندھے۔

باب لا یکف ثوبه فی الصلوٰة

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے کہ نماز میں کپڑے پکڑنا منع ہے۔

باب التسبیح و الدعاء فی السجود

غرض یہ ہے کہ تسبیح اور دعاء سجدہ میں مسنون ہیں۔ پھر اس کی وجہ کہ یہ دونوں سجدے میں کیوں مسنون ہیں ۔ا۔سجدہ میں زیادہ قرب ہے جیسا کہ سورہ علق کی آخری آیت میں صراحۃً مذکور ہے اس لئے اس قرب کی حالت میں تسبیح بھی قبول ہوگی دعاء بھی قبول ہوگی۔۲۔ سجدہ چونکہ دنیا میں سب سے پہلی عبادت جاری ہوئی تھی اس لئے اس میں تسبیح اور دعاء قبول ہوتی ہیں۔۳۔آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد دنیا میں سب سے پہلا گناہ ابلیس نے سجدہ چھوڑ کر کیا ہمیں اس کی مخالفت کا حکم ہوا اس اہمیت کی وجہ سے سجدہ میں تسبیح اور دعاء قبول ہوتی ہیں۔**وبحمدک**:۔دو ترکیبیں ہیں۔ا۔یہ حال ہے نسبحک حال کونک متلبساً بحمدک ۔۲۔ یہ عطف ہے نسبحک ونحمدک

باب المکثِ بین السجدتین

یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں تھوڑا سا ٹھہر جانا مستحب ہے

کان یقعد فی الثالثة هو الرابعة

یعنی حضرت عمرو بن سلمۃ جو جلسہ استراحت کرتے تھے یہ دوسرے حضرات نہ کرتے تھے معلوم ہوا کہ صحابہ اور تابعین میں جلسہ استراحت کرنے والے بہت کم تھے۔

اختلاف:۔عند الشافعی پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے جلسہ استراحت مسنون ہے وعند الجمہور مسنون نہیں۔لنا۔ا۔**فی الطحاوی عن ابی حمید مرفوعاً فقام و لم یتورک**.۲. **فی الترمذی عن ابی هریرة کا ن النبی صلی الله علیه وسلم ینهض فی الصلوٰة علی صد ورقدمیه**۔۳۔ **فی مصنف ابن ابی شیبته عن عمر وعلی وابن مسعود ابن الزبیر وابن عباس وابن عمر موقوفاً نهوض علی صدور القدمین** منقول ہے۔۴۔اگر جلسہ استراحت مسنون ہوتا تو اس میں کوئی ذکر منقول ہوتا اور بعد میں اللہ اکبر ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۵۔نماز عبادت کے لئے ہوتی ہے استراحت کے لئے نہیں ہوتی۔ وللشافعی۔ روایته ابی داؤد و البخاری عن مالک بن الحویرث مرفوعاً اذا کان فی وتر من الصلوٰة لم ینهض حتی لیستوی قاعداً۔ جواب۔ یہ اخیر عمر میں ضعف کی وجہ سے ہے کیونکہ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے لاتبادرونی برکوع ولاسجود انی قد بدنت قال فاتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم :۔عبارت محذوف ہے۔ا۔اسلمنا فاتینا۔۲۔ارسلنا قومنا۔فاتینا۔

باب لا یفترش ذراعیه فی السجود

وجہ افتراش سُستی کی نشانی ہے۔۲۔ ہاتھوں کا سجدہ یہ ہے کہ بلندی سے پستی کی طرف آئیں۔افتراش میں نہ رہا۔۳۔افتراش میں تشبہ ہے جانوروں کے ساتھ

باب من استوی قاعداً فی وتر من صلوته ثم نهض

غرض یہ کہ جلسہ استراحت کے قائل کے لئے بھی دلیل موجود ہے لفظ من سے معلوم ہوا کہ خود امام بخاری اس کے قائل نہیں ہیں مسئلہ میں اختلاف ابھی گذرا۔

باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعة

غرض یہ ہے کہ جب کسی رکعت کے بعد کھڑا ہونے لگے تو زمین پر سہارا لے کر اُٹھے بظاہر امام شافعی کا مسلک ہی امام بخاری لے رہے ہیں ان کا یہی مسلک ہے کہ یہی اولیٰ ہے جمہور کے نزدیک ہاتھ نیچے لگائے بغیر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنا اولی ہے اور زمین پر اعتماد کر کے اور سہارا لگا کر اٹھنا مکروہ ہے۔لنا۔روایته ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یعتمد الرجل علی یدیه اذا نهض فی الصلوٰة اور اس پر امام ابوداؤد نے سکوت فرمایا ہے جو بہت سے محدثین کے نزدیک صحیح ہونے کی دلیل ہے وللشافعی حدیث الباب عن مالک بن الحویرث کہ انہوں نے نماز پڑھ کر دکھائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے پڑھتے تھے اور وہ مشابہ حضرت عمرو بن سلمہ کی نماز کے تھی اور عمرو بن سلمۃ یوں کرتے تھے کہ واذا رفع راسه عن السجدة الثانیه جلس واعتمد علی الارض ثم قام۔ جواب۔ ا۔ بیان جواز۔۲۔ضعف پر محمول ہے۔۳۔ترجیح قول کو ہے ہماری روایت قولی ہے۔یہ فعلی ہے۔

وکان ذلک الشیخ یتم التکبیر

اس کے معنی۔ا۔عدد تکبیر کا پورا کرتے تھے یہ نہ کرتے تھے کہ کسی رفع وخفض میں تکبیر کہی کسی میں نہ کہی۔۲۔اللہ اکبر لمبا کر کے پڑھتے تھے ایسے طریقہ سے کہ پورا انتقال اس پڑھنے سے بھر جائے۔

باب یکبر وهو ینهض من السجدتین

امام بخاری کی غرض کیا ہے۔اس میں اقوال ہیں۔ا۔جب دو رکعتوں سے اٹھے تو تکبیر کہے تاکہ ہر رفع وخفض میں تکبیر کہنا پایا جائے۔۲۔دو رکعتوں سے اٹھنے میں جتنا وقت لگے اس میں اللہ اکبر کو پھیلا دے اور بھر دے۔

باب سنته الجلوس فی التشهد

غرض تشہد کے لئے بیٹھنے کا مسنون طریقہ بتلانا ہے اور جو روایتیں اس باب میں لائے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے امام شافعی والا قول ہی اس مسئلہ میں اختیار فرمایا ہے اختلاف کی تفصیل یہ ہے عندامامنا ابی حنیفۃ مسنون سب قعدوں میں افتراش ہی ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پر بیٹھ جائے وفی روایۃ عن مالک سب قعدوں میں تورک ہی مسنون ہے کہ پاؤں دائیں طرف نکال کر نیچے بیٹھ جائے اور امام مالک کی دوسری روایت وعندالشافعی درمیانی قعدہ میں افتراش مسنون ہے اور آخری قعدہ میں تورک مسنون ہے وعند احمد رکعت ثانیہ کے بعد جب بھی بیٹھے خواہ یہ آخری رکعت ہو یا درمیانی رکعت ہو افتراش مسنون ہے اور تیسری اور چوتھی رکعت کے بعد تورک مسنون ہے۔لنا فی مسلم عن عائشة مرفوعاً کان یفرش رجله الیسری و ینصب رجله الیمنیٰ و للشافعی ثانی الباب

اور یہ ابوداؤد میں بھی ہے بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں عن ابی حمید الساعدی مرفوعاًفاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسریٰ و نصب الیُمنیٰ واذا جلس فی الرکعته الآخرة قدم رجله الیسریٰ و نصب الاخریٰ وقعد علی مقعد ته ولا حمد روایته ابی داؤد عن ابی حمید مرفوعاً فاذا کانت الرابعته افضیٰ بورکه الیسریٰ الی الارض ولمالک روایته ابی داؤد عن سهل الساعدی مرفوعا ً فتورُّک جواب سب کا یہ ہے کہ یہ ضعف بدنی پر محمول ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے مرفوعاً لا تبادرونی برکوع ولا بسجود انی قد بدّنتُ ۔

وکانت ام الدرداء تجلس فی صلوتها جلسته الرجل وکانت فقیهتهً

یہ ان کا اجتہاد ہے اور اسی کو امام بخاری نے اختیار فرمایا ہے وعندالجمہو رعورت ہمیشہ تورک کرے لنا۔ روایته مراسیل ابی داؤد عن یزید بن ابی حبیب انه صلی الله علیه وسلم مر علی امرأ تین تصلیان فقال اذا سجد تما فَضُمّا بعض اللهم الی الا رض فان المرأة فی ذلک لیست کا لرجل و للبخاری. تعلیق هذا الباب اور یہ مسنداً مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے عن مکحول و کانت ام الدر داء تجلس فی صلوتها جلسته الرجل و کانت فقیهة جواب یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے پھر یہ ام الدرداء صغری تابعیہ ہیں کبریٰ صحابیہ نہیں ہیں کیونکہ اُن کبریٰ کو مکحول نے نہیں پایا۔ پھر اس مقام میں علامہ عینی نے امام ابوحنیفہ کا مسلک امام بخاری کی طرح نقل کیا ہے یہ علامہ عینی کی غلطی ہے کذا قال استاذ مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ تعالیٰ انتہی۔ احقر محمد سرور عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ یہ چھاپے کی غلطی ہے ہمارے چھاپے میں یہ غلطی نہیں ہے اور احقر کے دادا استاد مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علامہ عینی سے نقل مذاہب میں غلطی بہت ہی شاذونادر واقع ہوتی ہے انتہی

هضر۔ امال جھکایا

کل قفار۔ یعنی یہ روایت قاف کی تقدیم کے ساتھ ہے بغیر ضمیر کے اور بغیر تاء کے اس کے بعد والی روایت میں فاء مقدم ہے۔ اور تقدم فاء والی روایت بغیر ضمیر اور بغیر تاء بھی ہے اور ضمیر کے ساتھ بھی ہے اور تاء کے ساتھ بھی ہے فقارةٍ معنیً سب کے ایک ہی ہیں اور روایات کے الفاظ چار قسم کے ہیں قفارہ فقارہ قفارۃ فقارۃ

باب من لم یر التشهد الاول واجبا

غرض جمہور فقہاء کا مذہب بیان کرنا ہے کہ پہلا تشہد فرض نہیں ہے یہاں اپنا مسلک امام بخاری نے صراحۃً بیان نہیں فرمایا اگلے باب میں بیان فرمائیں گے۔

اختلاف: عنداحمد درمیانہ تشہد فرض ہے۔ عندامامنا ابی حنیفۃ فرض سے کم درجہ واجب ہے۔ کہ بھول کر چھوڑنے میں سجدہ سہو ہے جمہور کے نزدیک سنت کا درجہ ہے لنا وللجمہو رحدیث الباب عن عبد الله بن مالک مرفوعاً فقام من الرکعتین الا ولیین لم یجلس الی قوله فسجد سجدتین قبل ان یسلم ثم سلّم جمہور کے نزدیک سنیت پر محمول ہے کہ دوبارہ آپ پہلے تشہد کی طرف نہ لوٹے ہمارے نزدیک فرضیت کی نفی تو ہوئی سنت سے درجہ اونچا ہے ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے کیونکہ سجدہ سہو بھی مذکور ہے ولاحمد روایۃ ابی داؤد عن مطلّب مرفوعاً الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ ان تَشَهَّد فی کل رکعتین جواب۔ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ خبر واحد سے فرض ثابت نہیں ہوتا وجوب ہی ثابت ہوتا ہے۔

باب التشهد فی الا ولیٰ

امام بخاری کی غرض کیا ہے مختلف اقوال ہیں۔ ا۔ تشہد اول بھول کر چھوڑنے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ اس میں سجدہ سہو آتا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے باب فی بیان حکم التشهد فی الجسلته الا ولیٰ وهو سجود السهو فی ترکه. ۲۔ باب فی بیان فرضیته التشهد فی الجلسته اولیٰ اور گذشتہ باب کا مقصد اپنا مسلک بیان کرنا نہیں تھا بلکہ جوانکار

فرضیت کرتے ہیں ان کی دلیل بتلانی مقصود تھی اپنا مسلک اب بیان فرمایا۔۳۔گذشتہ باب میں بھی اپنا مسلک ہی تھا کہ پہلا تشہد فرض نہیں ہے اب بھی اپنا مسلک ہی ہے کہ فرض سے کم درجے ہے جس کے چھوڑنے سے نماز ہوتو جاتی ہے لیکن سجدہ سہو آتا ہے۔۴۔تشہد اول کی کیفیت بیان کرنی مقصود ہے کہ اس میں درود شریف اور دعاء نہیں ہے۔۵۔گذشتہ باب کی تاکید ہے کہ تشہد فرض نہیں تاکد ضرور ثابت ہے۔

باب التشهد فی الآخرة

امام بخاری کی غرض میں مختلف اقوال ہیں۔۱۔قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔۲۔غرض یہ ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد پڑھنے کی تاکید پہلے قعدہ میں پڑھنے سے زیادہ ہے۔ ۳۔قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا فرض ہے۔اِن تینوں بابوں کو ملانے سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا فرض ہے اولیٰ میں فرض نہیں ہے۔واللہ اعلم۔

ان الله هو السلام:۔بعض روایتوں میں تفصیل ہے کہ ہم کہتے تھے۔ السلام علی الله اس سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ان الله هو السلام اس لئے یوں نہ کہا کرو السلام علی الله **اختلاف:**۔عند امامنا ابی حنیفته و احمد حضرت ابن مسعود والا تشهد راجح ہے وعند الشافعی حضرت ابن عباس والا راجح ہے وعند مالک حضرت عمر والا تشهد راجح ہے۔لنا۔حدیث الباب جو صحاح ستہ میں آتی ہے عن ابن مسعود مرفوعاً التحیات لله والصلوٰت والطیبات وللشافعی روایته مسلم والنسائی وابی داؤد عن ابن عباس وکان یقول التحیات المبارکات الصلوٰت الطیبات لله ولمالک فی الطحاوی عن عمر کہ انہوں نے منبر پر تعلیم فرمائی التحیات لله الزاکیات لله والصلوٰت لله حنفیہ کے لئے وجوہ ترجیح۔۱۔حضرت ابن مسعود والی روایت کے متعلق ترمذی میں ہے وهو اصح حدیث عن النبی صلی الله علیه وسلم فی التشهد اور صحاح ستہ میں آنا بھی قوۃ سند کی دلیل۔۲۔فی الترمذی عن خصیف کہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ان الناس قد اختلفوا فی التشهدفقال علیک بتشهد ابن مسعود۔۳۔ہمارے تشہد میں دو واو ہیں اس لئے تین جملے بن گئے اور تین مستقل حمدین گئیں باقیوں میں ایک یا دو حمدیں بنتی ہیں۔مقام حمد میں کثرت محامد اولیٰ ہے چنانچہ اخیر وقت میں کسی نے امام ابو یوسف سے پوچھا بواواِوین جواب دیا بواوین۔یہ اسی مسئلہ کی طرف اشارہ تھا بہت ذہین تھے معمولی اشارہ سے سمجھ گئے اور نہایت مناسب جواب ذکر فرمایا۔رحمہ اللہ تعالےٰ رحمتہ واسعتہ۔

حکمتِ خطاب:۔تشہد میں جو السلام علیک ایها النبی ورحمته الله وبرکاته ’میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اس کی حکمت میں اقوال مختلف ہیں۔۱۔یونہی حکم ہے ہم عمل کرتے ہیں اور حکمت تلاش نہیں کرتے۔

زبان تازہ کردن باقرار تو　　نینگیختن علت از کار تو

نعمل ولانحقق۔۲۔اس تصور کی بنا پر خطاب کے صیغہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کہ فرشتے یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے ہیں جیسے مکتوبات میں السلام علیکم لکھا جاتا ہے۔حالانکہ جس کو خط لکھا ہے وہ خط لکھتے وقت سامنے موجود نہیں ہوتا۔۳۔ہم بطور حکایت کے یہ الفاظ پڑھتے ہیں معراج میں نبی کریم صلی علیہ وسلم نے پڑھا تھا التحیات لله والصلوٰت والطیبات حق تعالےٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا السلام علینا وعلیٰ عباد الله الصالحین پھر جبریل علیہ السلام نے پڑھا اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده ورسوله۔پھر یہ سارے کلمات ہماری نماز میں بطور معراج کی حکایت کے رکھ دیئے گئے کیونکہ نماز بھی معراج المومنین ہے۔

باب الدعاء قبل السلام

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ سلام سے پہلے دعاء مستحب ہے۔

باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشهد ولیس بواجب

غرض یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو اس باب میں مذکور ہے اس میں جو لفظ یتخیر کا آرہا ہے یہ وجوب کے لئے نہیں کہ دعاء کا اختیار کرنا ضروری ہو بلکہ استحباب کے لئے ہے کہ بہتر ہے کہ کوئی دعاء اختیار کرلے۔

باب من لم یمسح جبهته وانفه حتیٰ صلّٰی

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ نماز کے اندر پیشانی اور ناک کو صاف نہ کرے البتہ نماز ختم کرنے کے بعد اگر صاف کرلے تو کچھ حرج نہیں۔

باب التسلیم غرض اس سلام کا حکم بیان کرنا ہے جو نماز کے اخیر میں ہے۔ پھر حکم کیا ہے اس کی تصریح نہ فرمائی کیونکہ اختلافی مسئلہ ہے اور اختلاف یہ ہے کہ عند امامنا ابی حنیفۃ لفظ سلام فرض نہیں ہے وعند الجمہور فرض ہے۔ لنا۔ فی مسند احمد تشہد پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا **فاذا قضیتَ هذا وقال فاذا فعلتَ هذا فقد قضیت صلوٰتکَ ان شئتَ ان تقوم فقم وان شئتَ ان تقعد فاقعد**۔ ہمارا استدلال اِس روایت سے دو طرح سے ہے۔ ۱۔ فقد قضیتَ سے معلوم ہوا کہ نماز اس تشہد کے پڑھنے سے پوری ہوگئی۔ ۲۔ اٹھنے کا اختیار دیا اس سے بھی یہی ثابت ہوا۔ **وللجمهور روایة ابی داؤد عن علیٍّ مرفوعاً و تحلیلها التسلیم** کہ نماز سے نکلنے کا طریقہ صرف سلام ہے جواب یہ کامل طریقہ ہے اور حصر ادعائی ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ لفظ سلام فرض تو نہیں ہے لیکن فرض سے تھوڑا سا کم درجہ جس کو حنفیہ وجوب کا درجہ کہتے ہیں یہ درجہ لفظ سلام کو حاصل ہے۔

باب یسلم حین یسلم الا مام

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ امام کے ساتھ ہی سلام پھیرنا مستحب ہے۔

باب من لم یرد السلام علی الامام واکتفی بتسلیم الصلوٰة

غرض امام بخاری کی بعض مالکیہ پر رد ہے جو تین سلاموں کے قائل ہوئے کہ دو سلاموں کے درمیان امام کے سلام کا جواب دینے کے لئے تیسرا سلام بھی ہونا چاہئے۔ امام مالک کے نزدیک ایک سلام ہے اور جمہور کے نزدیک دو سلام ہیں بظاہر امام بخاری جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔ لنا۔ روایۃ الطحاوی جو ۱۳ صحابہ سے منقول ہے ان میں حضرت علی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر بھی ہیں جو مرفوعاً دو سلام نقل فرماتے ہیں **ولمالک روایة الطحاوی عن سعد بن ابی وقاص ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان لیسلم من الصلوٰة بتسلیمة واحدة** جواب امام طحاوی نے اس روایت کو شاذ قرار دیا ہے۔ **ولبعض المالکیة قول الله تعالیٰ واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها او ردّوها** جواب دو دفعہ جو مقتدی سلام کہے گا۔ اس سے جواب ہوجائے گا۔

باب الذکر بعد الصلوٰة

غرض اُس ذکر کا مستحب ہونا بیان کرنا ہے پھر ابن حزم ظاہری کے نزدیک ذکر جہری فرض نماز کے بعد مستحب ہے اور عند الجمہور مستحب نہیں ہے بلکہ سراً ہونا چاہئے منشاء اختلاف بخاری شریف کے اس باب کی دوسری روایت ہے جو ابوداؤد میں بھی ہے **عن ابن عباس قال کنتُ اعرفُ انقضاء صلوٰة النبی صلی الله علیه وسلم بالتکبیر** ابن حزم کے نزدیک یہ اپنے ظاہر پر ہے اور جمہور کے نزدیک اس کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱۔ تعلیم پر محمول ہے کہ بعض دفعہ آپ نے زور سے ذکر فرمایا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ میں خاموش بیٹھا ہوا نہیں ہوں بلکہ ذکر کررہا ہوں۔ ۲۔ تکبیرات تشریق کے ساتھ خاص ہے۔ ترجیح قول جمہور کو ہی ہے۔ کیونکہ ذکر میں اصل اخفاء ہی ہے اور یہی مسنون ہے جہر

صرف علاج کے طور پر جواز کے درجہ میں ہے اگر جہر کو مستحب یا سنت کہے گا تو پھر یہی جہر بدعت بن جائے گا۔

رجعت الیہ: حضرت ابو ہریرہ فرمار ہے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

باب یستقبل الا مام الناس اذا سلم

غرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ سلام پھیر کر امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے یہی اولیٰ ہے۔

سوال۔ یہاں بخاری شریف میں تو یوں منقول ہے عن سمرة بن جندب قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلّی صلوٰةً اقبل علینا بوجهه اور ابوداؤد کی روایت میں ہے عن البرأ بن عازب قال کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجبنا ان نکون عن یمینه فیقبل علینا بوجهه صلی اللہ علیہ وسلم

جواب۔ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کر کے بیٹھ جاتے تھے اور بعض اوقات دائیں طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے تھے اس لئے تعارض نہ رہا پھر حضرت انور شاہ صاحب کی تحقیق یہ تھی کہ اصل سنت بخاری شریف والی روایت میں ہے اور دوسری روایت بیان جواز پر محمول ہے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی تحقیق یہ تھی کہ اصل سنت دائیں طرف منہ کر کے بیٹھنے کی تھی اور دوسری روایت بیان جواز پر محمول ہے دونوں طرح عمل کی گنجائش ہے لیکن جن فرضوں کے بعد سنن بھی ہیں ان میں اولیٰ قبلہ رُخ رہنا اور مختصر دعاء کر کے سنتوں میں مشغول ہونا ہے۔

علی اثر سماء:۔ یہاں سماء بول کر مطر مراد ہے ظرف بول کر مظروف مراد ہے۔

فقال هل تدرون ماذا قال ربکم

یہ بھی چونکہ ذکر اللہ ہی ہے اس لئے باب کے مناسب ہے کیونکہ باب میں یہی مقصود تھا کہ نمازیوں کی طرف مُنہ کر کے ذکر کرنا چاہئے۔

وانکم لن تزالوا فی صلوٰة ما انتظر تم الصلوٰة

اس حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ مسئلہ کا بتلا دینا یہ بھی ذکر ہی کی طرح ہے۔

باب مکث الا مام فی مصلاہ بعد السلام

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ جگہ سے پھر جانا امر استحباب ہے اُسی جگہ امام کا ٹھہرے رہنا بھی جائز ہے۔

وقال لنا اٰدم

سوال۔ عام سندوں کی طرح یہاں حدثنا کیوں نہ ذکر فرمایا۔

جواب۔۱۔ یہ حدیث باقاعدہ حدیث پڑھانے کی مجلس میں حاصل نہ فرمائی تھی بلکہ مذاکرہ کے دوران حاصل فرمائی تھی امام بخاری نے اس لئے عام طرز سے اس کو الگ سے ذکر فرمایا۔۲۔ یہ حدیث موقوف تھی اس لئے مرفوع احادیث سے الگ کرنے کے لئے اس کو الگ طرز سے ذکر فرمایا۔

هذاالقرشیه:۔ فراسیہ کو ہی قرشیہ بھی کہتے ہیں کیوں۔۱۔ ایک نیچے کے دادا کی طرف نسبت ہے اور ایک اوپر کے دادا کی طرف نسبت ہے۔۲۔ ایک نسب کے لحاظ سے نسبت ہے اور ایک سوالات کے لحاظ سے نسبت ہے۔

باب من صلی بالناس فذکر حاجته فتخطاهم

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ گذشتہ باب میں جو امام کے ٹھہرنے کا ذکر تھا اس سے بعض صورتوں کا استثناء ہے کہ ضرورت کی وجہ سے ٹھہرے بغیر اُٹھ کر چلا جائے کچھ حرج نہیں۔ سوال اس واقعہ میں تخطی رقاب پائی گئی۔ جواب۔۱۔ ضرورت کا موقعہ مستثنیٰ ہے۔۲۔ جب لوگوں کو تکلیف نہ ہو تو کچھ حرج نہیں۔۳۔ جس بزرگ کی تخطی کو لوگ تبرک سمجھتے ہوں اس کے لئے گنجائش ہے۔

باب الا نفتال والا نصراف عن الیمین والشمال

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ اٹھ جانے اور بیٹھے رہنے دونوں

کاموں کی گنجائش ہے لفظ انفتال اور انصراف احادیث میں ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں اس گنجائش کو استعمال کی مختلف صورتیں ہیں۔۱۔امام چاہے تو قبلہ رخ بیٹھا رہے۔۲۔امام چاہے تو دائیں جانب یا بائیں جانب مڑ کر ذکر میں مشغول ہو جائے۔ ۳۔امام چاہے تو اپنی حاجت کے لئے اٹھ کر چلا جائے۔۴۔ چاہے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور اس صورت میں ذکر اور دعاء کرے۔ یہ تو اختیار کا ذکر تھا پھر اولیٰ کیا ہے پیچھے گذر چکا ہے۔ یتوخیٰ:۔ جو واجب سمجھتا ہو۔

باب ماجاء فی الثوم النیّی والبصل والکراث

کرّاث کے معنیٰ بد بودار سبزیاں ہیں جیسے مُولی ہے۔ غرض ان سب کا حکم بیان کرنا ہے کہ ان کو کھا کر بد بو دور ہونے سے پہلے مسجد میں نہ جائے یعنی جب نماز کا وقت قریب ہو تو ان کا کھانا مکروہ ہے بعض اہل ظواہر کے نزدیک کراہت تحریمی ہے اور جمہور کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے سوال۔ احادیث میں تو کرّاث کا ذکر نہیں ہے۔ جواب جن احادیث میں کرّاث کا ذکر تھا وہ امام بخاری کی شرط پر نہ تھیں اس لئے باب میں لفظ کرّاث کا ذکر کر دیا کہ یہ بھی ثوم کی طرح ہی ہیں۔

فلا ادری ھومن قول الزھری اوفی الحدیث

یہ فلا ادری کون فرما رہے ہیں اس میں مختلف احتمال ہیں۔ ۱۔امام بخاری۔۲۔سعید بن حفیر ۳۔ابن وھب۔ پھر قول زہری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قدر کا ذکر مرسلاً ہے اور فی الحدیث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قدر اور ہنڈیا کا ذکر مسنداً ہے۔

باب وضوء الصبیان و متی یجب علیھم الغسل والطھور و حضور ھم الجماعتہ والعیدین والجنائزو صفو فھم

غرض یہ ہے کہ ان پر وضوء کب واجب ہوگا۔ پھر امام بخاری نے جزم سے اور یقین سے حکم بیان نہیں فرمایا کیونکہ موقعہ اعتراض کا تھا اس لئے کہ اگر کہا جائے کہ بچے پر وضوء واجب ہے تو اعتراض ہوگا کہ نابالغ کیسے مکلف ہو گیا اور اگر کہا جائے کہ مستحب ہے اور بغیر وضو بھی نماز صحیح ہے تو اعتراض ہوگا کہ بلا وضو نماز کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ پھر راجح یہی ہے کہ مستحب ہے اور بلا وضو نماز کا صحیح نہ ہونا یہ بالغین کا حکم ہے۔

قبر منبوذ:۔ باقی قبروں سے الگ قبر تھی۔ یہ اس عورت کی قبر تھی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔

باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس

غرض یہ ہے کہ رات میں اور اندھیرے میں عورتوں کے مسجد میں آنے کا حکم بتلانا چاہتے ہیں لیکن یقین سے نہ بتلایا ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک فتنہ نہ ہونے کی صورت میں گنجائش ہے

لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن

معنیٰ یہ ہیں کہ اب عورتوں میں حیاء کی کمی آ گئی اور لا پرواہی اور غفلت آ گئی ہے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات کو دیکھتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے۔

باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال

غرض یہ ہے کہ عورتیں اگر مردوں کے پیچھے صف بنالیں تو ان کی نماز صحیح ہو جائے گی اور عورتوں کے متعلق جو پیچھے ہونے کا حکم ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اس میں عورتوں کا زیادہ پردہ ہے۔

باب سرعتہ انصراف النساء من الصبح وقلّتہ مقامھن فی المسجد

غرض یہی مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد عورتیں جلدی مسجد سے نکل آئیں تاکہ پہچانی نہ جائیں عشاء میں جلدی کا حکم نہیں کیونکہ عشاء میں اندھیرا زیادہ ہو رہا ہے اور فجر میں اندھیرا کم ہو رہا ہے۔ یہ فجر کے بعد جلدی نکلنا مستحب ہے۔

باب استیذان المرأۃ زوجھا بالخروج الی المسجد

غرض یہ ہے کہ یہ اجازت یعنی مسجد کے لئے بھی ضروری اور جب مسجد

کیلئے ضروری ہے تو دوسری جگہ جانے کے لئے بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

كتاب الجمعة

لفظ جمعہ کی تحقیق میں اقوال۔۱۔ یہ مصدر ہے اور مصدری معنیٰ ہی میں استعمال ہوتا ہے۔۲۔ یہ ہے تو مصدر لیکن اسم فاعل کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے کہ یہ لوگوں کو جمع کرنے والا ہے۔۳۔ یہ مصدر ہے اور اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ مجموع فیہ یہ ایسا وقت ہے کہ لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں۔

وجہ تسمیہ:۔۱۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے سب کام اِس دن میں جمع ہوئے تھے اور تخلیق مکمل ہوئی تھی۔۲۔ اس دن قیامت آئے گی اور لوگ جمع ہونگے۔۳۔ بہت سے بڑے بڑے امور اِس دن میں پائے گئے اور پائے جائینگے جیسا کہ احادیث میں تفصیل موجود ہے اور عنقریب اس کا ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

تاء کیسی ہے:۔۱۔ جمعۃ کی تاء مبالغہ کے لئے ہے۔۲۔ تاء تانیث ہے کیونکہ ساعۃ جمعہ مراد ہے۔

غرض:۔ کتاب الجمعۃ کی غرض احکام جمعہ کا بیان ہے تقدیر عبارت یوں ہے کتاب یذکر فیہ احکام الجمعۃ:۔ **باب فرض الجمعۃ**:۔ امام بخاری کی غرض اس باب سے جمعہ کی فرضیت کا ثابت کرنا ہے۔ فرضیت کی دلیلیں۔۱۔ **فاسعوا الی ذکر اللہ** اِس آیت میں امر ہے اور امر وجوب وفرضیت کے لئے ہوتا ہے اِسی لئے اذان کا ذکر بھی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ وذروا البیع جمعہ کی اذان پر بیع وشراء اور سب کاروبار بند کرنے کا حکم بھی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔ ظہر کی فرض نماز جمعہ کی خاطر چھوڑی جاتی ہے۔ اور فرض کو اس سے بڑے فرض کی خاطر ہی چھوڑا جاسکتا ہے۔

اختلافِ حرمتِ بیع

عند مالک واحمد جمعہ کی اذان شروع ہونے کے بعد بیع باطل ہے عند الجمہور بیع مکروہ تحریمی کے درجہ میں ہے گو منعقد ہوجاتی ہے۔ منشاء اختلاف وذروا البیع کی نہی ہے۔ ہمارے نزدیک کراہۃ تحریمی پر اور ان کے نزدیک بطلان بیع پر محمول ہے ترجیح قول جمہور کو ہے کیونکہ خرابی عقد سے خارج ہے اس لئے انعقاد سے مانع نہ ہوگی۔

نحن الآخرون السابقون يوم القيامة

ہم دنیا میں اگرچہ بعد میں ظاہر ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بہت سی چیزوں میں ہمیں باقی امتوں پر مقدم فرمائینگے۔ مثلاً۔۱۔ ہمارا حساب کتاب سب سے پہلے شروع ہوگا۔۲۔ ہمارے حساب کتاب کے فیصلے باقی امتوں سے پہلے ہونگے۔۳۔ ہم باقی امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہونگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

بَيدَا نهم او تو االكتاب من قبلنا

ان کو اگرچہ کتاب پہلے دی گئی لیکن نزول قرآن پاک سے وہ سب کتابیں منسوخ ہوگئیں۔

ثم هذا يومهم الذى فرض الله عليهم فاختلفوا فيه

اس کی راجح تقریر یہی ہے کہ جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردیا گیا تھا لیکن اہل کتاب نے اختلاف شروع کردیا کہ یہ دن اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا ہے اور اس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے یا ہمیں اختیار دے دیا ہے کہ چاہو تو یہ دن عبادت کے لئے لے لو اور چاہو تو کوئی اور دن لے لو انہوں اپنے اجتہاد سے اِسی کو اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تبدیلی کا اختیار دیا ہے اس لئے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے انہوں نے جمعہ کی جگہ ہفتہ اور اتوار کا دن عبادت کے لئے مقرر کرلیا۔ یہود نے ہفتہ کا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کرلیا۔

فهد انا الله له:۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی صورت یہ ہوئی کہ یہ آیت نازل فرمائی جس میں نماز جمعہ کی طرف جانے کا حکم فرمایا **اذا نودى للصلوٰة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله**۔ اس حدیث سے جمعہ کی فضیلت ثابت ہوئی ہے۔ جمعہ کی فضیلت کی بہت سی وجوہ ہیں مثلاً۔۱۔ حضرت آدم علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے کمالات کا مظہر اتم ہیں ان کی خلقت جمعہ

کے دن مکمل ہوئی۔۲۔ جمعہ کے دن آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کیا گیا۔۳۔ جمعہ کے دن خلافت کے لئے زمین پر اتارا گیا۔۴۔ جمعہ کے دن ہی حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔۵۔ جمعہ کے دن ہی قیامت ہوگی۔ جو ہمیشہ کی راحت مشروع ہونے کا ذریعہ ہوگی۔۶۔ جنت میں عام اہل جنت کو جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوا کریگی۔

فالناس لنا فيه تبع اليهود غداً والنصٰرى بعد غد

جمعہ کے دن کو دو حیثیتیں حاصل ہیں موخر ہونے کی اور مقدم ہونے کی۔ موخر ہونے کی وجہ۔۱۔ مخلوق کی خلق ہفتہ کے دن سے شروع ہوئی اور جمعہ کے دن پر مکمل ہوئی اِس ترتیب کو دیکھیں تو جمعہ موخر ہے۔۲۔ ہفتہ کے سات دنوں کو گنتی شنبہ اور یوم ہفتہ سے شروع ہوتی ہے ہفتہ اتوار پیر منگل بدھ جمعرات جمعہ اس لحاظ سے بھی جمعہ اخیر میں شمار ہوتا ہے۔ مقدم ہونے کی وجہ۔۱۔ فضیلت جمعہ کی زیادہ ہے اس لحاظ سے شرافت میں جمعہ مقدم ہے۔۲۔ اگر صرف اِن تین دنوں کو دیکھیں باقی چار دنوں کا خیال نہ کریں تو جمعہ ہی مقدم ہوتا ہے جمعہ۔ ہفتہ۔ اتوار۔

باب فضل الغسل يوم الجمعة وهل على الصبى شهو ديوم الجمعة اوعلى النساء

امام بخاری کی غرض تین باتیں ہیں۔۱۔ یوم جمعہ کے غسل کی فضیلت۔۲۔ بچے پر جمعہ نہیں ہے۔۳۔ عورتوں پر جمعہ نہیں ہے۔ آخری دو مسئلوں کو اِسی باب کی آخری حدیث سے مستنبط فرمایا ہے جو ابو داؤد میں بھی آتی ہے **عن ابى سعيد الخدرى مرفوعاً غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم**۔ اس حدیث میں محتلم کا ذکر ہے اور صبی کو احتلام ہوتا ہی نہیں اور عورتوں کو بہت کم ہوتا ہے جو کالعدم ہے اس لئے عورتوں اور بچوں پر نہ غسل جمعہ نہ حضور جمعہ کیونکہ غسل تو اِسی پر ہونا چاہئے جس نے جمعہ میں شرکت کرنی ہے۔

غسل یوم الجمعہ میں اختلاف

عند مالک فی روایۃ وعند حسن البصری وعند بعض اہل الظواہر واجب ہے وعند الجمہور مستحب ہے۔ لنا۔۱۔ **فى ابى داؤد عن عائشته قالت كان الناس مهتان انفسهم فيروحون الى الجمعة بهتيهم فقيل لهم لوا اغتسلتم.** ۲۔ **فى ابى داؤد عن ابن عباس موقوفاً و مَن لم يغتسل فليس عليه بواجب.** ۳. **فى ابى داؤد عن سمرة مرفوعاً من توضأ فيها و نعمت و من اغتسل فهو افضل.** ۴۔ ابو داؤد اور بخاری شریف کی زیر بحث باب کی روایت عن ابن عمر ایک صحابی بلا غسل جمعہ پڑھنے تشریف لے آئے تو ان کو حضرت عمرؓ نے ڈانٹا اور فرمایا والوضوء ایضاً یعنی تتوضا الوضوء ایضاً کہ صرف وضو کر کے آجاتے ہو وقد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بالغسل اس روایت سے استدلال یوں ہے کہ اگر غسل جمعہ کے لئے واجب ہوتا تو حضرت عمرؓ بغیر غسل کے آنے والے صحابی جو حضرت عثمان تھے ان کو واپس گھر بھیجتے کہ جاؤ غسل کر کے آؤ لیکن نہ بھیجا یہ نہ بھیجنا دلیل ہے کہ غسل واجب نہ تھا لمالک۔۱۔ **فى ابى داؤد و البخارى عن عمر وقد علمتَ اِن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يا مر با لغسل.** ۲. **عن ابى سعيد الخدرى فى البخارى وابى داؤد مرفوعاً غسل يوم الجمعته واجب على كل محتلم.** ۳. **عن حفصته فى ابى داؤد مرفوعاً و علىٰ من راح الى الجمعته الغسل**۔ جواب ان سب دلیلوں کا۔۱۔ اذیٰ کی وجہ سے غسل کا حکم دیا تھا کیونکہ شروع میں گھر کے اور باہر کے سب کام صحابہ خود کرتے تھے اور اِسی طرح پسینہ کے ساتھ مسجد میں آجاتے تھے اور پسینہ کی بو کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف پہنچتی تھی۔ جب بعد میں فراخی کی وجہ سے یہ اذی نہ رہی تو یہ حکم بھی نہ رہا جیسا کہ ابو داؤد میں حضرت ابن عباس کی روایت میں یہی تفصیل صراحۃً مذکور ہے گویا یہ حکم معلول بالعلۃ تھا اور علت اذیٰ

تھی۔۲۔ کان نفسخ اور اس کی دلیل بھی یہی حضرت ابن عباس والی روایت ہے۔ ۳۔ امر استحبابی تھا اس کی دلیل ہماری مذکورہ دلیلوں میں سے پہلی دلیل حضرت عائشہ والی حدیث ہے۔

والوضوء ایضاً:۔ اس عبارت میں ۹ نو احتمال ہیں۔ ۱۔ واو عاطفہ ہے اور جو انکار ماقبل سے مفہوم ہو رہا ہے اس پر عطف ہے حاصل معنیٰ یہ ہیں کہ دیر سے آنا بھی محل انکار ہے اور صرف وضوء کرنا اور غسل نہ کرنا بھی محل انکار ہے دو انکار جمع ہو گئے۔ ۲۔ واو بمعنیٰ استفہام انکاری ہے جیسے ایک قرأت ہے **قال فرعون وآمنتم به بمعنیٰ ءامنتم به**۔ ۳۔ بغیر واو کے۔ پھر تینوں میں سے ہر ایک میں تین تین احتمال ہیں الوضوء کا رفع اور نصب الوضوء کے رفع کی صورت میں تقدیر عبارت دو طرح ہے اس لئے یہ تین احتمال ہو گئے پہلے تین میں سے ہر ایک کے ساتھ جب تین تین احتمال ملائیں گے تو کل ۹۔ احتمال ہو جائیں۔ ۱۔ رفع کی پہلی تقدیر عبارت یہ ہے الوضوء یقتصر علیہ ایضاً ۲۔ رفع کی دوسری تقدیر عبارت یہ ہے کفایتک الوضوء ایضاًء ۳۔ نصب کی تقدیر عبارت یہ ہے توضاء الوضوء ایضاً۔

باب الطیب للجمعة:۔ غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ جمعہ کے لئے خوشبو استعمال کرنا مستحب ہے یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔

باب فضل الجمعة:۔ غرض امام بخاری کی جمعہ کے دن اور جمعہ کی نماز کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ باب کے عنوان کا یہ لفظ دونوں کو شامل ہے۔ **ومن راح فی الساعة الثانية**:۔ ان ساعات کی تفصیل میں مختلف اقوال ہیں۔ ۱۔ زوال کے بعد تھوڑے تھوڑے وقت کو ساعت شمار کیا گیا ہے جن کو ساعات عرفیہ کہتے ہیں۔ اہل ہیئت کی اصطلاح دن رات کا چوبیسواں حصہ مراد نہیں ہے۔ ۲۔ طلوع فجر سے لے کر ساعات عرفیہ مراد ہیں اور رواح کے معنیٰ مطلق ذہاب کے ہیں۔ ۳۔ طلوع شمس سے لے کر ساعات عرفیہ مراد ہیں۔ ۴۔ ارتفاع نہار سے لے کر ساعات عرفیہ مراد ہیں۔ **باب**:۔ یہ باب ترجمہ کے بغیر ہے اس لئے ماقبل والے باب کا تتمہ ہے اس میں جلدی غسل کر کے جمعہ کے لئے پہنچنے کی تاکید ہے جب جلدی کرنے کی تاکید ہے اور دیر سے آنے کی مذمت ہے تو اس سے جمعہ کی اہمیت اور فضیلت بھی ظاہر ہو گئی کیونکہ فضیلت والی چیز ہی میں جلدی کرنے کا حکم ہوا کرتا ہے۔

باب الدهن للجمعة: ظاہر یہی ہے کہ غرض بیان استحباب ہے۔ **باب یلبس احسن مایجد**:۔ غرض اس کا استحباب ہے اور اس باب کی حدیث سے استنباط یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جمعہ کے لئے عمدہ جوڑے کے خریدنے کا ارادہ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ عمدہ جوڑا پہننا متعارف اور مشہور و معروف تھا اس مشہور ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا اس سے تقریر کے طور پر استحباب ثابت ہو گیا۔ اس حدیث میں جو انکار ہے وہ صرف ریشمی ہونے پر ہے عمدہ جوڑا پہننے والی بات جو مشہور تھی اس پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔

باب السواک یوم الجمعة

غرض یہ ہے کہ مسواک جمعہ کے لئے مسنون ہے پھر حدیث میں جب ہر نماز کے لئے مسواک کو پسند کیا گیا ہے تو جمعہ کے لئے بطریق اولیٰ پسند اور مسنون ہے۔ **اذا قام من اللیل یشوص فاہ**:۔ یہ زینت باطن کے لئے ہے اس سے خود ثابت ہو گیا کہ جب رات کی تنہائی میں زینت باطن کی خاطر یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے صاف ستھرا ہو کر کھڑے ہونے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرماتے تھے تو جمعہ میں تو زینت باطن بھی ہے اور زینت ظاہر بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی صاف ستھرا ہو کر کھڑا ہونا ہے اور لوگوں کو بھی منہ کی بو کی تکلیف سے بچانا ہے اس لئے جمعہ کے لئے مسواک بطریق اولیٰ ثابت ہے۔

باب من تسوک بسواک غیرہ

غرض یہ ہے کہ دوسرے شخص کی اجازت سے اس کی مسواک استعمال کرنا جائز ہے یہ مسئلہ بیان فرمانا مقصود ہے نیز اس جواز سے ایک اور مسئلہ بھی نکل آیا کہ انسانوں کا تھوک پاک ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ نے مسواک چبا کر دی اور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر دھوئے استعمال فرمائی۔

باب مایقرأ فی صلوٰۃ الفجر یوم الجمعۃ

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدہ پڑھنی چاہئے کیونکہ اس میں آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے اور وہ جمعہ کے دن مکمل ہوئی اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان پڑھنی مستحب ہے کیونکہ اس میں قیامت کا ذکر ہے اور قیامت جمعہ کے دن آئے گی۔

باب الجمعۃ فی القری والمدن

غرض یہ ہے کہ جیسے شہر میں جمعہ واجب ہے گاؤں میں بھی واجب ہے گویا امام بخاری جمہور کے قول کی تائید کرنا چاہتے ہیں عندامامنا ابی حنیفۃ گاؤں میں جمعہ نہ واجب ہے نہ صحیح ہے اس لئے وہاں پڑھنا بدعت بھی ہے اور ظہر کی نماز بھی ذمہ میں رہتی ہے بہت سے دیوبندی بھی اس میں احتیاط نہیں کرتے البتہ بہت بڑا گاؤں ہو جو ہر لحاظ سے شہر ہی کی طرح ہو شہر کے لوازم عرفیہ۔ ہسپتال تھانہ حاکم سکول بازار وغیرہ موجود ہوں آس پاس کے گاؤں والے وہاں سودا سلف کے لئے آتے ہوں تو متاخرین حنفیہ کے نزدیک وہ شہر کے حکم میں ہو جائے گا اور اگر شبہ ہو کہ شہر کے حکم میں ہوا یا نہ تو اصل گاؤں کا حکم ہی جاری ہوگا۔ وعندالجمہور شہر ہونا شرط نہیں ہے۔ لنا۔ ا- فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن علی موقوفاً لاجمعۃ ولاتشریق ولاصلوٰۃ فطر ولا اضحی الافی مصر جامع۔ ۲- ہجرت کے موقع میں مدینہ منورہ کے قریب قباء بستی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ دن قیام فرمایا اس میں جمعہ نہ پڑھا مدینہ منورہ پہنچتے ہی پہلا جمعہ وہاں پڑھا جہاں بعد میں مسجد بنی سلیم بنی ہے ۳- بخاری شریف کی حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن ابن عباس انہ قال ان اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین. ہمارا استدلال یوں ہے کہ وفد عبدالقیس ۶ھ یا ۸ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور واپس جاکر جواثی میں جمعہ قائم کیا جواثی اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سوا کسی جگہ جمعہ قائم کرنا حیٰوۃ طیبہ میں ثابت نہیں حالانکہ اکثر عرب کا علاقہ مسلمان ہو چکا تھا اور اس میں بیشمار بستیاں تھیں اگر گاؤں میں جمعہ کا وجوب مانا جائے تو اکثر صحابہ کا تارک فرض ہونا ماننا پڑے گا نعوذ باللہ من ذلک' ۴- مسلم شریف میں تصریح ہے کہ حجۃ الوداع میں وقوف عرفات جمعہ کے دن تھا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود جمعہ قائم فرمایا نہ مکہ والوں کو جو مقیم تھے ان کو جمعہ قائم کرنے کا امر فرمایا وجہ یہی تو تھی کہ عرفات شہر نہیں تھا للجمہور ا- بخاری شریف اور ابوداؤد کی حدیث جواثی والی کہ جواثی گاؤں تھا اس میں جمعہ پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کہ جمعہ کے لئے شہر شرط نہیں۔ جواب۔ ا- منشاء استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں جواثی کے ساتھ بعض روایات میں لفظ قریہ کا استعمال کیا گیا ہے یہ منشاء استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ قریہ کا لفظ قرآن پاک میں مکہ مکرمہ اور طائف پر بھی بولا گیا ہے لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم حالانکہ مکہ مکرمہ اس زمانہ میں بھی یقیناً شہر تھا۔ ۲- لغت کے دو اماموں ابوالحسن اور ابوعبید نے تصریح کی ہے کہ جواثی شہر تھا۔ ۳- اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ جواثی گاؤں تھا تو پھر بھی ہم پر حجت نہیں کیونکہ اس روایت میں صرف صحابہ کا اپنا اجتہاد مذکور ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلع ہونا اور انکار نہ فرمانا ثابت نہیں ہے۔ وللجمہور ۲- دوسری دلیل فی ابی داؤد عن کعب بن مالک موقوفا لانہ اول من جمع بنانی ھزم البنیت من حرۃ بنی بیاضۃ فی نقیع یقال لہ نقیع الخضمات جواب۔ ا- اس روایت کو نقل کرنے میں محمد بن اسحاق راوی متفرد ہے اور ان کے بارے میں شدید اختلاف ہے بعض نے بہت بڑا محدث قرار دیا ہے اور بعض نے رجال کذاب تک کہہ دیا ہے۔ درمیانہ قول ان کے متعلق یہ ہے کہ استدلال کے موقعہ میں وہ حدیث جس میں یہ متفرد ہوں حجت نہیں ہوتی۔ ۲- دوسرا جواب یہ ہے کہ طبرانی کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ جگہ مدینہ منورہ ہی کا حصہ تھی مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مبارکہ سے پہلے حضرت اسعد نے یہاں

جمعہ قائم کردیا تھا مکہ مکرمہ میں امن نہ ہونے کی وجہ سے فتح میں پہلے اور ہجرت سے پہلے جمعہ نہیں قائم کیا گیا۔ ۳۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ الگ کوئی چھوٹی سی بستی تھی تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلع ہونا ثابت نہیں ہے اور بعض صحابہ کا اجتہاد دوسرے مجتہدین پر حجت نہیں ہے کیونکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرسکتا۔

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته

وجہ استدلال کی یہ ہے کہ تم حاکم ہو اور حاکم کے ذمہ رعایا کے حقوق ہیں اور حقوق میں سے اقامت جمعہ بھی ہے اس لئے تم جہاں بھی ہو جمعہ قائم کیا کرو۔ جواب۔ یہ ابن شہاب کا اجتہاد ہے ہمارے دلائل کے مقابلہ میں ایک تابعی کا اجتہاد کافی نہیں خصوصاً اس لئے کہ ہمارے دلائل میں حضرت علی کا قول ہے جو حکم میں مرفوع روایت کے ہے **لا جمعته ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع**۔

باب هل علی من لم یشهد الجمعته غسل من النساء والصبیان وغیر هم

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ غسل صلوٰۃ جمعہ کے لئے ہے یوم جمعہ کے لئے نہیں ہے اس لئے بچوں پر اور عورتوں پر چونکہ صلوٰۃ جمعہ نہیں ہے اس لئے غسل بھی نہیں ہے علماء کے قول دونوں طرف ہیں بعض نے غسل کو صلوٰۃ جمعہ کے لئے اور بعض نے یوم جمعہ کے لئے مانا ہے اس لئے مردوں کے لئے بھی بہتر یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے قریب ہی غسل کریں کہ اس کے بعد اسی غسل والے وضو کے ساتھ جمعہ پڑھا جاسکے تاکہ دونوں قولوں کی حتی الامکان رعایت ہوجائے۔

ایذنوا النساء باللیل الی المساجد

سوال۔ اس روایت کی مناسبت باب سے نہیں ہے۔ جواب۔ جب صرف رات کے وقت عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت ہے تو معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے اجازت نہیں اور جب عورتوں نے جمعہ نہیں پڑھنا تو عورتوں پر غسل جمعہ بھی نہیں ہے اور یہی باب کا ترجمہ تھا کہ عورتوں اور بچوں پر غسل جمعہ نہیں ہے۔

باب الرخصة ان لم یحضر الجمعة فی المطر

غرض یہی مسئلہ بیان کرنا ہے کہ بارش میں جمعہ معاف ہے۔ **والدحض**:۔ پھسلنا۔

باب من این توتی الجمعةُ وعلی من تجب

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ کتنی دور تک کے لوگوں پر جمعہ واجب ہوتا ہے اس باب کی سب روایتیں حنفیہ کی تائید کرتی ہیں اس لئے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری نے حنفیہ والا قول ہی لیا ہے

وکان انس رضی الله عنه فی قصره احیاناً یجمعّ واحیانا لا یجمعّ وهو بالزاویة علی فرسخین

زاریہ بہت چھوٹی بستی تھی جو بصرہ سے دو فرسخ تھی حضرت انس کبھی جمعہ پڑھنے بصرہ تشریف لے آتے تھے اور کبھی زاویہ میں ظہر پڑھ لیتے تھے اور بصرہ جمعہ پڑھنے تشریف نہ لاتے تھے۔ **اختلاف**:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ مصر والے پر جمعہ ہے اذان سنے یا نہ سنے وعندالجمھور اذان سننے پر وجوب جمعہ کا مدار ہے مصر میں ہو یا نہ ہو۔ لنا **روایته مصنف ابن ابی شیبته عن علّی موقوفاً لا جمعته ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطرولا اضحی الا فی مصر جامع وللجمهور روایة ابی داؤد عن عبد الله بن عمر و مرفوعاً انما الجمعة علی من سمع النداء جواب. قال ابو داؤد اختلاف فی رفعه و وقفه** ظاہر یہی ہے کہ یہ عبداللہ بن عمرو کا اجتہاد ہی ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں حضرت عائشہ کا ارشاد ہے کہ اہل عوالی باری باری جمعہ پڑھنے آتے تھے اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان پر جمعہ واجب نہ تھا ورنہ سب تشریف لاتے کیونکہ عوالی مدینہ منورہ سے دو میل سے شروع ہوجاتی تھیں اور اتنی دور اذان کی آواز کا پہنچ جانا بعید نہیں ہے۔

باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس

غرض جمہور کے قول کو اختیار کرنا ہے کہ زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا صحیح نہیں ہے وقال احمد صحیح ہے وللجمہور ابوداؤد کی روایت جو بخاری شریف میں زیر بحث باب میں ہے عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس ولاحمد فی ابی داؤد من سلمة بن الاکوع کہنا فصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمعة ثم ننصرف ولیس للحیطان فیئ جواب جلدی پڑھنے کو مبالغہ سے بیان فرمایا ہے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ حقیقتاً بالکل سایہ نہ تھا۔ مقصد یہ ہے کہ بہت تھوڑا سا سایہ تھا گویا کہ نہیں تھا۔ کانوا اذا راحوا الی الجمعة:۔ رواح کے معنیٰ زوال کے بعد جانے کے ہیں اس سے امام بخاری ثابت فرمارہے ہیں کہ جمعہ زوال کے بعد ہوتا تھا۔

باب اذا اشتد الحریوم الجمعة

ظاہر میں ہے کہ امام بخاری کی غرض جمعہ کو ظہر پر قیاس کرنا ہے کہ جمعہ میں بھی گرمیوں میں تاخیر اولیٰ ہے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ جمعہ میں تکبیر اور جلدی پڑھنے کا امر موجود ہے۔ اس لئے قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ یعنی الجمعة:۔ یہ راوی کی طرف سے تفسیر ہے اور بعض روایتوں میں نہیں ہے اس لئے جمعہ کا حکم ثابت نہ ہوا کہ جمعہ میں بھی ابرادفی شدة الحر ہے۔ جمعہ ہمیشہ شروع وقت میں ہونا چاہئے۔

باب لا یفرق بین اثنین یوم الجمعة

غرض تفریق کی ممانعت کا بیان کرنا ہے پھر۔۱۔ لا ناھیہ ہے اور یفرق مجزوم ہے۔۲۔ لا نافیہ ہے اور یفرق مرفوع ہے پھر تفریق کے معنیٰ۔۱۔ تخطی رقاب۔۲۔ دو کے درمیان بیٹھنا جبکہ دو آدمی کوشش کر کے اکٹھے بیٹھے ہوں ایسی حالت میں زبردستی ان کو دور کر کے بیٹھنا منع ہے۔

باب لا یقیم الرجل اخاہ یوم الجمعة ویقعد فی مکانه

غرض یہ ہے کہ جمعہ میں کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا منع ہے۔

سوال۔ حدیث میں جمعہ کی قید تو نہیں ہے۔ جواب۔ مسلم کی روایت میں جمعہ کی قید موجود ہے لیکن وہ ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے باب کے عنوان سے اشارہ فرمادیا کہ جمعہ کی قید والی روایت بھی صحیح ہے گو میری شرط پر نہیں ہے۔

باب الاذان یوم الجمعة

غرض میں اقوال۔۱۔ اذان کا وقت بتلانا مقصود ہے۔۲۔ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اذانیں کتنی ہونی چاہئیں۔ حدیث میں دونوں باتوں کی تفصیل موجود ہے کہ اذان اس وقت ہو جب امام منبر پر بیٹھے اور ایک اذان اُس سے پہلے ہونی چاہئے۔ اور گنتی بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمان سے پہلے دو اذانیں تھیں ایک جب امام منبر پر بیٹھے اور دوسری اقامت پھر تیسری اذان امام کے منبر پر بیٹھنے سے کچھ پہلے حضرت عثمان نے شروع فرمائی کیونکہ نمازی بہت زیادہ ہوگئے تھے اس کو تیسری اذان اس لئے کہا گیا کہ یہ منبر والی اذان اور اقامت کے جاری ہونے کے بہت بعد شروع ہوئی اور دین میں داخل ہے کیونکہ ہمیں خلفاء راشدین کے اتباع کا حکم ہے اور خلفاء راشدین کے کسی کام کو اگر بدعت کہا گیا ہے تو وہ بدعت لغوی ہے۔ بدعت شرعی نہیں جو گناہ ہو۔ بدعت لغوی نئی چیز اور عجیب چیز کو کہتے ہیں۔

باب المؤذن الواحد یوم الجمعة

غرض یہ ہے کہ اولیٰ عند البخاری یہی ہے کہ جمعہ کے لئے ایک ہی موذن ہو۔ گو کئی موذنوں کا اکٹھا اذان دینا بھی جائز ہے۔

باب یجیب الا مام علی المنبر اذا سمع النداء

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ اگرچہ مقتدیوں کے لئے منبر والی اذان کا جواب مکروہ ہے لیکن امام کے لئے مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ پھر ایک نسخہ میں یجیب کی جگہ یوذن ہے اس میں جواب اذان کو اذان کہا گیا ہے کیونکہ صورت کے لحاظ سے دونوں ایک جیسے ہیں کیونکہ جواب دینے والا اکثر الفاظ موذن ہی کے دہراتا ہے۔ پھر اس باب کی حدیث سے یہ مسائل مستنبط کئے گئے

ہیں ۔۱۔امام سے علم حاصل کرنا جبکہ وہ منبر پر خطبہ جمعتہ کے لئے بیٹھا ہو مستحسن ہے۔۲۔اسی حالت میں تعلیم دینا بھی مستحسن ہے۔ ۳۔منبر پر بیٹھ کر موذن کی اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔۴۔ شہادتین کے جواب میں وانا کہنا بھی جائز ہے گو اولیٰ پورے الفاظ کا دہرانا ہے۔۵۔منبر پر بیٹھ کر خطبہ سے پہلے گفتگو کرنا جائز ہے۔۶۔ اذان کے وقت خطبہ سے پہلے امام کا منبر پر بیٹھنا مسنون ہے۔

باب الجلوس علی المنبر عند التاذین

غرض رد کرنا ہے اس شخص پر جو کہتا ہے کہ اذان سے پہلے امام کا منبر پر بیٹھنا سنت نہیں ہے۔

سلام عند الصعود

عند الشافعی واحمد منبر پر چڑھتے وقت امام کے لئے مسنون ہے کہ وہ مقتدیوں کو سلام کرے وعند امامنا ابی حنیفة ومالک مسنون نہیں ہے منشاء اختلاف مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے **عن الشعبی مرسلاً کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صعدا لمنبر یوم الجمعة استقبل الناس فقال السلام علیکم** یہ روایت عند الشافعی واحمد ثابت ہے اور عند ابی حنیفہ ومالک ثابت نہیں ہے۔راجح عدم ثبوت ہے کیونکہ اس میں راوی عبداللہ بن لہیعة ضعیف ہے اور امام بیہقی نے فرمایا ہے الحدیث لیس بقوی۔

باب التاذین عند الخطبة

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ خطبہ کے وقت اذان مسنون ہے۔ **حکمتہ خطبہ**:۔نماز میں ایسی حالت میں داخل ہونے کے لئے وعظ و نصیحت کرنا ہے کہ مولائے کریم کی ناراضگی کا خوف بھی ہو اور اس کی بے پایاں رحمت کی امید بھی ہو اس محسن ذات سے محبت بھی ہو اور اس کی مناجاۃ کی لذت کا شوق بھی ہو اور گناہوں سے توبہ بھی کرے اور آئندہ کے لئے اس منعم کی اطاعة کا عزم بالجزم بھی کرے الٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ یہ سب کچھ استعداد پیدا کرنا ہے اس عالی دربار کی حاضری کی۔

باب الخطبته علی المنبر

غرض یہ ہے کہ بہتر یہی ہے کہ خطبہ منبر پر دیا جائے اگر نہ ہو سکے تو کسی اونچی جگہ پر بھی نہ ہو سکے تو کھڑے ہو کر ٹیک لگا کر۔

سمعنا للجذع مثل اصوات العشار

عشار جمع ہے عشراء کی دس ماہ کی حاملہ اونٹی کو کہتے ہیں اس حدیث سے رد ہو گیا قدریہ کا جو بغیر مُنہ اور زبان کے کلام ممتنع قرار دیتے ہیں۔

باب الخطبته قائما: غرض یہ ہے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دینا مسنون ہے۔

باب یستقبل الا مامُ القوم واستقبال الناس الا مام اذا خطب

غرض یہ ہے کہ خطبہ کے وقت امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ مقتدیوں کی طرف منہ کرے اور مقتدیوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ امام کی طرف منہ کریں۔

وجلسنا حوله :۔اردگرد حلقہ سے بنانا یہ جمعہ کے علاوہ وعظ پر محمول ہے اس سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مقتدی امام کی طرف متوجہ ہوں بیٹھنا صفوں کی شکل میں ہی چاہے امام کی طرف توجہ صرف چہروں سے ہو حلقہ نہ ہو۔

باب من قال فی الخطبة بعد الثناء

امابعد:۔غرض یہ ہے کہ مسنون ہے کہ خطبہ میں ثناء کے بعد امابعد کہے۔

ذکرت ما یغلظ علیه:. یعنی پھر اُس سختی کا ذکر فرمایا جو منافق پر قبر میں کی جاتی ہے۔**الجزع**:. بے صبری۔ **الھلع**: زیادہ گھبراہٹ۔**فتابو الیه**:. لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے اور قریب جمع ہو گئے۔**یقلون**:. یہ غیب کی خبر ہے جو پوری ہوئی اور انصار بعد میں کم ہو گئے۔

فاستطاع ان یضرَّ فیه احداً او ینفع فیه احداً

یعنی والی بن کر نفع اور نقصان لوگوں کو پہنچانے پر قادر ہو جائے تو انصار کا بہت خیال رکھے۔

باب القعدة بين الخطبتين يوم الجمعة

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا مسنون ہے پھر حکمت اس بیٹھنے میں کیا ہے۔ا۔ پہلے خطبہ میں احکام کی تبلیغ ہوتی ہے اور دوسرے میں زیادہ تر دعائیں ہوتی ہیں اِن دونوں قسموں کو الگ الگ کرنے کے لئے درمیان میں بیٹھنا مسنون قرار دیا گیا ہے۔۲۔ درمیان میں بیٹھنے سے خطبے دو بن جاتے ہیں اور ظہر کی جو دو رکعتیں جمعہ میں چھوڑی ہوئی ہیں ان کے قائم مقام یہ دو خطبے ہو جاتے ہیں۔ پھر اِن دو خطبوں کے درمیان کیا ہونا چاہئے۔ا۔ امام سرّاً زبان سے دعا مانگے اور مقتدی صرف دل میں دعا مانگیں۔۲۔امام سراً قرأت تھوڑی سی کرے۔۳۔امام سراً سورہ اخلاص پڑھ لے اِن تین قولوں میں سے نقل اور روایت کے لحاظ سے دوسرا قول راجح ہے کیونکہ مرقاۃ میں صحیح ابن حبان سے منقول ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأفی جلوسہ کتاب اللہ۔ اور عقل و درایت کے لحاظ سے تیسرا قول راجح ہے کیونکہ یہ قول تینوں قولوں کے لئے جامع ہے کیونکہ جب سورہ اخلاص پڑھے گا تو قرأت بھی پائی گئی اور دعا بھی پائی گئی کیونکہ حدیث کے مطابق تلاوت کرنے والے کے حق میں اللہ تعالےٰ بلاتلفظ ہی اُس کی دعائیں پوری فرماتے ہیں۔

باب الا ستماع الى الخطبه

غرض یہ کہ خطبہ سننا واجب ہے کہ پوری توجہ اس کی طرف رکھے۔

يستمعون الذكر: جب فرشتے جو کہ مکلف بھی نہیں ہیں وہ توجہ خطبہ کی طرف کرتے ہیں تو انسان مکلف کے ذمہ بطریق اولیٰ ہے کہ توجہ خطبہ کی طرف کرے۔

باب اذا راى الا مام رجلاً وهو يخطب امره ان يصلى ركعتين

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ امام کے لئے مستحب ہے کہ نئے آنے والے کو خطبہ کے درمیان ہی یہ کہے کہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھو اور یہی مسلک امام شافعی اور امام احمد کا ہے وعند امامنا ابی حنیفۃ و مالک ایسی حالت میں یہ دو رکعت مکروہ ہے ولنا۔ا۔ في ابی داؤد عن ابی هريرة مرفوعاً اذا قلتَ انصت و الامام يخطب فقد لغوت استدلال یوں ہے کہ جب اس حالت میں نہی عن المنکر کی اجازت نہیں تو دو رکعت نفل جس کا درجہ نہی عن المنکر سے ہے اس کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔۲۔واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اگرچہ بالا جماع عبارۃ النص نماز میں امام کے پیچھے پڑھنے سے منع کرنا ہے لیکن بطور اشارۃ النص کے سب موقعوں میں جہاں قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اور اس نے سننے کا التزام بھی کیا ہے خاموش رہنا ضروری ہے۔ اس لئے دو رکعت تحیۃ المسجد بھی اس حالت میں نہیں پڑھا سکتا وللشافعی واحمد اِس باب کی روایت ہے جو ابوداؤد میں بھی آتی ہے عن جابر بن عبد الله قال جاء رجل والنبى صلى الله عليه وسلم يخطب الناس يوم الجمعته فقال اصليت يا فلان قال لا قال قم فاركع ركعتين جواب۔ا۔ في الدار قطنى عن انس مرفوعاً انصتَ حتىٰ فرغ معلوم ہوا کہ یہ اس کی خصوصیت تھی۔۲۔ في السنن الكبرى للنسائى باب الصلوٰة قبل الخطبته اور حدیث میں بھی جو اس باب میں ہے یہ مذکور ہے کہ وہ آدمی خطبہ سے پہلے آیا تھا اور اختلاف خطبہ شروع ہونے کے بعد کی صورت میں ہے اس لئے اس روایت سے استدلال نہیں ہو سکتا۔۳۔ یہ اُس زمانہ پر محمول ہے جب کہ نماز میں کلام جائز تھی تو خطبہ میں بھی کلام اور نماز جائز تھی بعد میں جب کلام منسوخ ہوئی تو صورت بھی منسوخ ہوگئی۔۴۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے بعد اسی صاحب کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیرات کی لوگوں کو ترغیب دی تھی اس لئے دو رکعت پڑھانے سے اس کا حال لوگوں کو دکھانا مقصود تھا اس لحاظ سے یہ واقعہ خصوصیت پر محمول ہے اس سے عام حکم نکالا نہیں جا سکتا۔

باب من جاء والا مام یخطب صلّی رکعتین خفیفتین

سوال۔ یہی عنوان گذشتہ باب کا تھا تکرار پایا گیا۔ جواب گذشتہ باب میں امام کا حکم تھا اور اِس باب میں مقتدی کا حکم ہے۔

باب رفع الیدین فی الخطبة

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ خطبہ کے درمیان دعاء کے لئے ہاتھوں کو اٹھانا جائز ہے **الکراع** : گھوڑوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں۔

باب الاستسقاء فی الخطبة یوم الجمعة

غرض یہ ہے کہ بارش کی دعا مانگنا بھی خطبہ میں جائز ہے گذشتہ باب میں مطلق دعا مذکور تھی اب خاص دعا ہے اس لئے تخصیص بعد التعمیم پائی گئی۔ **قزعة** :۔ بادل کا ٹکڑا۔

حوالینا: یہ تثنیہ ہے حوال کا جس کے معنیٰ حول کے اور ارد گرد کے ہیں ہمارے دونوں طرف یعنی چاروں طرف۔ **الجوبة**: گول حوض۔

قناة: مدینہ منورہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔

حدّث بالجَود: زیادہ بارش کی خبر دی:۔

باب الانصات یوم الجمعة والا مام یخطب

غرض اُس شخص پر رد ہے جو قائل ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو خاموشی واجب ہے رد فرما دیا کہ جب خطبہ شروع ہوا س وقت خاموشی واجب ہے اس سے پہلے مستحب ہے۔

باب الساعة التی فی یوم الجمعة

غرض اُس ساعت جمعہ کا بیان ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے اور اس کو صاف صاف نہیں بیان فرمایا گیا تا کہ جمعہ کے پورے دن میں خوب توجہ الی اللہ کریں جیسے حق تعالےٰ نے اپنے خصوصی اولیاء اللہ کو مخلوق میں چھپا رکھا ہے تا کہ سب نیک لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھا جائے احقر کی تلاش میں کل چوالیس (۴۴) قول منقول ہیں طلبہ کے لئے ان میں سے شروع کے دس یاد کر لینے کافی ہیں باقی کا صرف مطالعہ کر لیں۔ ناظرین میں سے جو صاحب اس ساعت میں دعا فرمادیں' اِس خادم محمد سرور عفی عنہ کے لئے مغفرت بلا عذاب کی دعا بھی فرمادیں جزا کم اللہ تعالےٰ احسن الجزاء وہ اقوال یہ ہیں۔ ۱۔ امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز ختم ہونے تک اور یہ قول سب اقوال میں سے سند کے لحاظ سے قوی ترین شمار کیا گیا ہے۔ ۲۔ عصر کی نماز کے بعد آخری ایک گھنٹہ سورج غروب ہونے تک۔ اور یہ قول علماء میں مشہور ترین شمار کیا گیا ہے۔ ۳۔ جمعہ کے دن میں ایک ساعت عند اللہ متعین ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں اس لئے جو پانا چاہے پورا دن دعا اور عبادت میں مشغول رہے۔ ۴۔ جمعہ کے دن اذان فجر کے وقت۔ ۵۔ طلوع فجر سے طلوع شمس تک۔ ۶۔ طلوع شمس کے بعد پہلا گھنٹہ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں سے۔ ۷۔ عین طلوع شمس کے وقت۔ ۸۔ عین زوال کے وقت۔ ۹۔ خطبہ کی اذان کے وقت۔ ۱۰۔ یہ ساعت ختم کر دی گئی ہے۔ ۱۱۔ ہر سال ایک جمعہ میں وہ ساعت آتی ہے۔ ۱۲۔ ہر جمعہ میں وہ ساعت ہے لیکن بدلتی رہتی ہے کبھی کوئی ساعت کبھی کوئی ساعت ہوتی ہے۔ ۱۳۔ مرکب ہے دو ساعتوں سے طلوع فجر سے طلوع شمس تک اور عصر سے مغرب تک۔ ۱۴۔ تین ساعتوں سے مرکب ہے دو تو یہی جن کا ابھی ذکر ہوا تیسری نزول امام عن المنبر سے تکبیر فرضِ جمعہ تک۔ ۱۵۔ طلوع فجر کے بعد تیسری ساعت (گھنٹہ) کا آخری حصہ۔ ۱۶۔ زوال سے لے کر سایہ نصف ذراع ہونے تک (سوائے اصلی سایہ کے)۔ ۱۷۔ زوال سے سایہ ایک ذراع ہونے تک۔ ۱۸۔ زوال کے بعد جب سایہ ایک بالشت ہو جائے اس وقت سے سایہ ایک ذراع ہونے تک (شرعی ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ انگریزی گز کا آدھا۔ اور نصف میٹر سے آدھی گرہ کم)۔ ۱۹۔ زوال سے نماز جمعہ شروع ہونے تک۔ ۲۰۔ زوال سے امام کے خطبہ کے لئے نکلنے تک۔ ۲۱۔ زوال سے غروب تک۔ ۲۲۔ امام کے خطبہ کے لئے نکلنے سے لے کر اقامتِ صلوٰۃ

تک۔۲۳۔جب امام خطبہ کے لئے نکلے۔۲۴۔بیع کے حرام ہونے سے بیع کے حلال ہونے تک یعنی پہلی اذان کے شروع سے امام کے فرضوں کا سلام پھیرنے تک۔۲۵۔اختتام اذان سے اختتام نماز تک۔۲۶۔امام کے خطبہ کے لئے نکلنے سے لے کر نماز ختم ہونے تک۔۲۷۔تین سے مرکب اذان کا وقت۔خطبہ کا وقت اور اقامت کا وقت۔۲۸۔تین سے مرکب اذان کا وقت۔امام کا منبر پر چڑھنے کا وقت اور اقامت کا وقت۔۲۹۔خطبہ کا وقت۔۳۰۔منبر کے قریب امام کے پہنچنے سے لے کر خطبہ شروع کرنے تک۔۳۱۔دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت۔۳۲۔ابتداء اقامت سے لے کر امام کے امامت کی جگہ پہنچنے تک۔۳۳۔خطبہ دے کر اترتے وقت۔۳۴۔اقامت اور صف سیدھی کرنے سے لے کر نماز ختم ہونے تک (فرض نماز)۔۳۵۔جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے یعنی زوال کے بعد جلدی۔۳۶۔عصر کی نماز کے اندر دعا قبول ہوتی ہے دل میں دعا مانگے۔۳۷۔عصر سے غروب تک۔۳۸۔عصر کے بعد اصفرار تک۔۳۹۔عصر کی نماز کے فوراً بعد۔۴۰۔وسط نہار سے اختتام نہار کے قریب تک۔۴۱۔اصفرار سے غروب تک۔۴۲۔آدھے سورج کے غروب ہونے سے پورا غروب ہونے تک۔۴۳۔قرب غروب سے اختتام غروب تک۔۴۴۔سورۃ فاتحہ کے نماز میں شروع کرنے سے آمین کہنے تک دل میں دعا کرے۔

باب اذا نفر الناس عن الا مام فی صلوٰۃ الجمعۃ فصلوٰۃ الا مام و من بقی جائزۃ

غرض یہی مسئلہ بتلانا ہے کہ جمعہ کی نماز سے کچھ مقتدی بھاگ بھی جائیں تو بقیہ کے ساتھ امام کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔نہ بھاگنے والوں کا مصداق اس حدیث میں عشرہ مبشرہ اور حضرت بلال اور حضرت ابن مسعود ہیں۔پھر ظاہر ترجمہ اور ظاہر حدیث سے صحابہ کا نماز توڑنا معلوم ہوتا ہے لیکن راجح یہ ہے کہ نماز کا تتمہ خطبہ چھوڑنے پر محمول ہے جو ابتداء اسلام میں بعد الصلوٰۃ تھا اس کی دلیل مراسیل ابی داؤد کی روایت ہے **عن مقاتل بن حبان مرسلاً قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الجمعۃ قبل الخطبتہ مثل العیدین حتی کان یوم الجمعۃ (ای وقع) والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب وقد صلی الجمعۃ قد خل رجل فقال ان دحیۃ قدم بتجارتہ و کان دحیۃ اذا قدم تلقاہ اہلہ بالدفوف فخرج الناس لم یظنوا لا انہ لیس فی ترک الخطبۃ شیء فانزل اللہ عزوجل واذا رأو التجارۃً الا یتہ فقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخطبتہ یوم الجمعتہ واخر الصلوٰۃ فکان احد لا یخرج لرُعافٍ او حدث بعد النھی حتی یستاذن النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم یشیر الیہ باصبعہ التی تلی الا بہام فیاذن لہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم یشیر الیہ بیدہ** یعنی پہلے سر وغیرہ کے اشارہ سے اجازت مرحمت فرما دیتے تھے اسی کی تاکید کے لئے ہاتھ سے بھی اشارہ فرما دیتے تھے۔آیۃ میں لھو کا مصداق دف ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

باب الصلوٰۃ بعد الجمعۃ وقبلھا

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ کتنی رکعتیں سنن کی جمعہ کی فرض نماز سے پہلے اور پیچھے ثابت ہیں۔سوال۔قرین قیاس یہ تھا قبل الجمعۃ کا ذکر پہلے ہوتا اور بعد الجمعتہ کا پیچھے ہوتا اس کا الٹ کیوں کیا۔ جواب۔اُلٹ اس لئے کیا کہ بعد الجمعتہ کی رکعات صراحتہً مذکور ہیں۔سوال جمعہ سے پہلے کی رکعات تو حدیث میں مذکور ہی نہیں ہیں اس لئے وہ تو ذکر ہی نہ کرنی چاہئیں تھیں جواب۔ظہر پر قیاس کرتے ہوئے وہ بھی ثابت ہیں۔

اختلاف:۔ عند ابی یوسف ۲۔رکعت مسنون ہیں اور یہی حنفیہ کے نزدیک راجح ہے وفی روایۃٍ عن ابی حنیفۃ وفی روایۃٍ عن الشافعی چار رکعت مسنون ہیں وفی روایۃٍ عن الشافعی ومسلک الجمہور دو رکعت مسنون ہیں۔چھ رکعت کی دلیل فی ابی داؤد **عن ابن عمر موقوفاً تقدم فصلی رکعتین ثم تقدم**

فصلّی اربعاً الی قوله کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل ذلک چاررکعت کی دلیل فی ابو داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً من کان مصلیا بعد الجمعۃ فلیصل اربعاً اور دو رکعت کی دلیل فی ابی داؤد فی البخاری فی ھذا الباب عن ابن عمر مرفوعاً وکان لا یصلی بعد الجمعتہ حتّٰی ینصرف فیصلی رکعتین اورامام بخاری بھی بظاہر جمہور کے ساتھ ہی ہیں کیونکہ اس باب میں صرف دورکعت والی روایت لائے ہیں۔ترجیح امام ابو یوسف والی روایت کو ہے کیونکہ اِس میں احتیاط ہے کیونکہ جب چھ رکعت پڑھے گا تو اِسی میں دواور چار بھی آجائیں گی۔

باب قول اللہ تعالٰی فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروافی الارض وابتغوا من فضل اللہ

غرض یہ ہے کہ زمین میں پھیلنے اورتجارت کرنے کا جوحکم اس آیت میں ہے یہ وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحت کے لئے ہے کیونکہ نہی کے بعد ہے اورایسا امر اباحت کے لئے ہوتا ہے۔

اربعاء:۔جمع ہے ربیع کی نہر کا کنارہ۔فتکون

اصول السلق عرقہ:. اس جو کے دلیہ میں وہ چقندر کی جڑیں ایسی ہوتی تھیں جیسے شوربے میں عرق یعنی ہڈی گوشت والی ہوتی ہے۔

باب القائلتہ بعد الجمعۃ

قائلہ اورقیلولہ کے معنیٰ ہیں دو پہر کو لیٹنا نیند آئے یا نہ آئے اس باب کی غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ جمعہ کے دن قیلولہ کی سنت جمعہ کے بعدادا کرنی ہی اولیٰ ہے۔

ابواب صلوٰۃ الخوف

ای ھذہ ابواب فیھا بیان احکام صلوٰۃ الخوف۔غرض دو چیزوں کا بیان ہے۔ا۔صلوٰۃ الخوف ضرورت کے وقت جائز ہے۔ ۲۔صلوٰۃ الخوف کا طریقہ عام نمازوں سے مختلف ہے۔پھرشروع میں آیت لانے کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت احادیث کے علاوہ آیت سے بھی ہے پھراس باب میں جوابن عمر والی روایت لائے ہیں یہ صحاح ستہ میں آئی ہے ابن عبدالبر نے فرمایا ہے انہ اصحھا اسناداًاسی کوحنفیہ نے راجح قراردیا ہے اِس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ امام بخاری اِس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں۔

صلوٰۃ الخوف میں اختلاف

احادیث میں تقریباً ۱۷طریقے صلوٰۃ الخوف پڑھنے کے منقول ہیں۔ یہ سب طریقے بالاتفاق جائز ہیں سوائے ایک طریقہ کے کہ امام دودفعہ ایک ہی نماز پڑھے اور ہرجماعت دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک دفعہ پڑھے۔ یہ منسوخ ہے کیونکہ فرضوں کی نیت سے ایک ہی نماز دودفعہ پڑھنا پہلے مشروع تھا پھر منسوخ ہوگیا باقی طریقوں میں سے حنفیہ کے نزدیک دوطریقے راجح ہیں۔ا۔ پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ کر دشمن کی طرف جائے دوسری جماعت کوایک رکعت پڑھا کرامام سلام پھیردے اور دوسری جماعت اپنی ایک رکعت مسبوق کی طرح پڑھ کر سلام پھیردے اوردشمن کی طرف چلی جائے پھرپہلی جماعت اپنی ایک رکعت لاحق کی طرح پڑھے یعنی قرأت نہ کرے گویاامام کے پیچھے ہے۔۲۔دوسری جماعت ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر دشمن کی طرف چلی جائے پھر پہلے پہلی جماعت ایک رکعت لاحق کی طرح پڑھے اور سلام پھیردے پھر دوسری جماعت مسبوق کی طرح اپنی بقیہ رکعت پڑھے شوافع کی راجح صورت یہ ہے کہ پہلی جماعت ایک رکعت امام کےساتھ پڑھ کردوسری رکعت فوراًلاحق کی طرح پڑھ لےامام کھڑارہے پہلی جماعت سلام پھیرکر دشمن کی طرف فارغ ہوکر چلی جائے اوراب دوسری جماعت آئے وہ امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھےاورامام سلام پھیردے پھر یہ دوسری جماعت مسبوق کی طرح اپنی چھوٹی ہوئی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیردے وعند مالک واحمد راجح صورت یہ ہے کہ باقی

توشوافع کی طرح ہے صرف یہ فرق ہے کہ امام دوسری جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر سلام نہ پھیرے بلکہ خاموش بیٹھا رہے جب دوسری جماعت سلام پھیرنے لگے توامام بھی ان کے ساتھ سلام پھیر دے ہمارے وجوہ ترجیح یہ ہیں۔ا۔ ہماری دونوں راجح صورتیں آیت قرآنیہ سے زیادہ قریب ہیں **فاذا سجدوا فلیکو نوامن وراء کم** میں **فلیکو نوا** کا **فاء** چاہتا ہے کہ پہلی جماعت بلا تاخیر دشمن کی طرف چلی جائے یہ ہماری راجح صورتوں ہی میں ہے۔۲۔ ہماری راجح صورتوں میں امام کو مقتدیوں کی خاطر طویل انتظار کرنا نہیں پڑتا۔باقی حضرات کی راجح صورتوں میں کرنا پڑتا ہے۔۳۔ ہماری راجح صورتوں میں امام سے پہلے کسی جماعت کا سلام پھیرنا لازم نہیں آتا۔ دوسروں کی راجح صورتوں میں لازم آتا ہے۔اور یہ نماز کے اصل طریقہ کے خلاف ہے کہ امام سے پہلے کوئی مقتدی نماز سے فارغ ہو جائے۔۴۔ ہماری راجح صورتوں میں سلام میں امام کا کسی جماعت کے تابع ہونا لازم نہیں آتا۔مالکیہ اور حنابلہ کی راجح صورت میں لازم آتا ہے اور یہ نماز کی اصلی وضع کے خلاف ہے کہ امام مقتدیوں کے تابع ہو جائے۔۵۔ ہماری صورتوں والی ابن عمر والی روایت سند کے لحاظ سے اقوی ہے جیسے ابھی ذکر کیا گیا ہے اسی لئے امام بخاری نے صلوٰۃ الخوف میں اسی روایت کو ذکر فرمایا ہے اور جمہور والی صورت جس روایت میں ہے اس کو کتاب المغازی میں ذکر فرمایا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ روایت بھی امام بخاری کی شرط پر تو ہے لیکن امام بخاری کے نزدیک ترجیح اسی ابن عمر والی روایت کو ہے۔

صلوٰۃ الخوف اب مشروع ہے یا نہ

عند المزنی منسوخ ہے وعند ابی یوسف خصوصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ وعند الجمہور اب بھی مشروع ہے۔اور جائز ہے۔ لنا۔ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفاء نے بھی صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے۔۲۔ قرآن وحدیث سے یہ نماز ثابت ہے اور خصوصیۃ کی صراحۃً کوئی دلیل نہیں اس لئے اب بھی جائز ہے۔ وللمزنی۔ مرض وفات کا واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بعض نماز میں حضرت صدیقؓ کے پیچھے پڑھی ہیں معلوم ہوا نبی کی موجودگی میں غیر نبی امامت کرا سکتا ہے۔اور خلیفہ وقت کی موجودگی میں غیر خلیفہ امام بن سکتا ہے۔ پس ضرورت کے موقعہ میں رد جماعت یکے بعد دیگرے ہو جائیں گی اور صلوٰۃ الخوف کی ضرورت نہیں ہے۔ جواب حالت خوف الگ ہے اور حالت مرض الگ ہے۔اس لئے مرض وفات والی روایات سے صلوٰۃ الخوف کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ ولابی یوسف۔ا۔ **واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ** اس آیت مبارکہ میں صلوٰۃ الخوف کا ذکر ہے۔اور خطاب صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ جواب ایک یہ ہے کہ آپ نے جو اس آیت سے خصوصیت نکالی یہ مفہوم مخالف سے نکالی ہے اور ہمارے پاس خلفاء کا عمل ہے جو منطوق کے درجہ میں ہے۔اور منطوق کے ہوتے ہوئے کسی امام کے نزدیک بھی مفہوم مخالف پر عمل نہیں ہوسکتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اوّلی خطاب تو سب احکام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو ہے لیکن وہ سب احکام قیامت تک کے لئے ہیں جب تک کہ خصوصیت کی تصریح ثابت نہ ہو مثلاً **خذمن اموالھم صدقۃ تطھر ھم و تزکیھم بھا** یہ خطاب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حضرت صدیق نے صدقہ نہ دینے والوں کے ساتھ جہاد کو ضروری قرار دیا معلوم ہوا کہ خصوصیت نہیں ہے۔ ولابی یوسف ۲۔ چونکہ صلوٰۃ الخوف میں نماز کے اصل طریقہ کی مخالفت ہے اس لئے اس کی مشروعیت خصوصیت ہی کے درجہ میں ہوسکتی ہے ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ جواب۔اس سے فقط یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولیٰ ہے کہ صلوٰۃ الخوف نہ پڑھی جائے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جائز ہی نہیں ہے۔امام ابن ہمام نے بھی اولیٰ یہی قرار دیا ہے کہ اب دو دفعہ الگ الگ اماموں کے ساتھ آدھے آدھے مجاہدین نماز پڑھ

لیں یکے بعد دیگرے لیکن بہرحال صلوٰۃ الخوف کا جواز باقی ہے اور اسی میں کلام ہے۔ ولابی یوسف۔۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی وجہ سے سب آپ کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد یہ بات نہ رہی اس لئے دو حصے کر کے باری باری ہر ایک کو الگ الگ امام نماز پڑھادے گا۔

صلوٰۃ الخوف کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔ جواب یہ بھی صرف اولویت کی دلیل ہے اس سے جواز کی نفی نہیں ہوتی۔

فقام كل واحد منهم فركع لنفسه ركعة وسجد سجدتين

دو احتمال ہیں۔۱۔ سب نے اکٹھی نماز پڑھی یہ مرجوح ہے کیونکہ مقصد صلوٰۃ الخوف کا فوت ہوتا ہے۔۲۔ دونوں جماعتوں نے باری باری پڑھی۔ یہی راجح ہے پھر پہلی جماعت نے پہلے پڑھی یا دوسری نے دونوں احتمال ہیں اس لئے حنفیہ کی دونوں راجح صورتیں اس حدیث میں آجاتی ہیں۔

باب صلوٰة الخوف رجالاً وركبانا

غرض امام ابوحنیفہ کے مسلک کو اختیار کرنا ہے کہ پیدل چلتے ہوئے نماز نہیں ہوتی وعند الشافعی واحمد و مالک ہو جاتی ہے منشاء اختلاف اس آیت کے معنی ہیں فان خفتم فرجالاً او ركبانا ہمارے رجالاً کے معنی سواری کے بغیر نیچے کھڑے ہونے والے کے ہیں اُن کے نزدیک پیدل چلنے والے کے ہیں۔ ترجیح ہمارے قول کو ہے کیوں۔۱۔ رکباناً کے مقابلہ میں قائم آتا ہے اگر چلنا مراد ہوتا یوں ہوتا فرجالا او واقفين۔۲۔ ہمارے قول میں احتیاط ہے۔۳۔ ہماری تفسیر زیر بحث باب میں مرفوعاً منقول ہے عن ابن عمر مرفوعاً وان کانوا اکثر من ذلک فلیصلوا قیاماً ورکباناً۔

عن ابن عمر نحواً من قول مجاهد اذا اختلطوا قياما

یعنی حضرت مجاہد سے تو یوں منقول ہے کہ جب لڑائی میں خلط ہو اور دو جماعتیں بنا کر صفیں بنا کر نماز نہ پڑھی جا سکے تو بغیر صف کے قیاماً نماز پڑھ لیں اور ابن عمر سے بھی مرفوعاً اسی طرح منقول ہے جیسے حضرت مجاہد کا قول ابھی نقل کیا گیا۔

وزاد ابن عمر عن النبی صلى الله عليه وسلم وان كانوا اكثر من ذلك فليصلوا قياماً وركبانا

مقصد یہ ہے کہ ابن عمر کی مرفوع روایت مجاہد کی مقطوع روایت کی۔ طرح تو ہے حاصل معنیٰ ہیں لیکن ابن عمر کی مرفوع روایت کے الفاظ مجاہد کی مقطوع روایت کے الفاظ سے زائد ہیں اور وہ زائد الفاظ جن میں مطابقت بھی ہے اور زیادتی بھی یہ ہیں وان کانوا اکثر من ذلک فلیصلو اقیاماً ورکبانا اِن زائد الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر دشمن زائد ہوں من ذلک اُس خوف سے جس میں صلوٰۃ الخوف پڑھی جاتی ہے اور دشمن کے زائد ہونے کی وجہ سے خوف زائد ہو جائے اور صفیں نہ بنا سکیں تو پھر صفوں کے بغیر ہی قیام کی صورت میں یا سوار ہونے کی صورت میں باجماعت یا بلا جماعت پڑھ لیں یعنی دو تین جماعت کر لیں یا ہر ایک الگ الگ پڑھ لے۔

باب يحرس بعضهم بعضاً في صلوٰة الخوف

اس باب میں یہ صورت بیان کرنی مقصود ہے کہ دشمن قبلہ کی جانب ہو اس لئے سب نے اکٹھی نماز شروع کر لی البتہ پہلے پہلی جماعت نے امام کے ساتھ رکوع سجدہ کیا پھر دوسری جماعت نے بلا امام رکوع سجدہ کیا پھر پہلی جماعت دوسری کی جگہ اور دوسری جماعت پہلی جماعت کی جگہ آگئی پھر تشہد اکٹھے پڑھا اور اکٹھے سلام پھیرا سوال۔ ایک دوسرے کی چوکیداری کرنا تو صلوٰۃ الخوف کی سب صورتوں میں ہے پھر اس صورت کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا۔ جواب۔۱۔ اِس خاص صورت میں سب اکٹھی حراست کر رہے ہیں اس لئے اس میں حراست کو ذکر فرمایا۔۲۔ حراست صلوٰۃ الخوف کی

سب صورتوں میں بیان فرمانی مقصود ہے یہاں طرف شبہ کا جواب ہے کہ حراست تو نماز کے خشوع اور یکسوئی کے خلاف ہے جواب دیا کہ صلوٰۃ الخوف میں ضرورت کی وجہ سے حراست جائز ہے۔

باب الصلوٰۃ عند منا هضة الحصون ولقاء العدو

مھوض کے معنیٰ اٹھنے کے ہیں یعنی جب ہر فریق دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑا ہو مقصد شدت حرب کا بیان ہے پھر لقاء العدوّ تعیم بعد التخصیص ہے۔

صلّوا رکعة عند الاوزاعی شدید خوف کی مجبوری میں صرف ایک رکعت کافی ہے اور عند الثوری صرف تکبیر کافی ہے وعند الجمہور نماز موخر کر دینگے۔ لنا۔ ایک رکعت اور تکبیر ثابت نہیں ہے البتہ غزوہ خندق میں نماز کا قضا فرما دینا ثابت ہے ولہما بعض دفعہ اتنی ہی قدرت ہوتی ہے کہ ایک رکعت یا ایک تکبیر کہہ دی جائے اس لئے مجبوری ہے جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

وصلی العصر بعد ما غابت الشمس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصر کی نماز کیوں قضا ہوئی تھی مختلف اقوال ہیں۔ ا۔ مشغولی کی وجہ سے آپ بھول گئے تھے۔ ا۔ قتال کی سختی کی وجہ سے وقت نہ ملا۔ ۳۔ گو نماز کا وقت ملا لیکن طہارۃ کا وقت نہ ملا۔ ۴۔ ابھی صلوٰۃ الخوف نازل نہ ہوئی تھی اور عام طریقہ سے پڑھنے میں دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا۔

باب صلوٰۃ الطالب والمطلوب راکباً وایماء

جبکہ۔ ا۔ وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ ۲۔ عدو فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ ۳۔ نفل فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ غرض امام بخاری کی بظاہر امام مالک کی تائید ہے۔ اختلاف طالب میں ہے مطلوب میں اتفاق ہے۔ کہ وہ اگر سواری پر سوار ہونے کی صورت میں اشارہ سے نماز پڑھ لے تو اس مطلوب کی نماز صحیح ہے۔ طالب میں یہ اختلاف ہے کہ امام مالک کے نزدیک صحیح ہے جمہور کے نزدیک صحیح نہیں ہے ولّلجمہور نماز فرض ہے۔ اور دشمن کو پکڑنا اور طالب بننا مستحب ہے اور مستحب کام کی وجہ سے فرض کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ ولمالک۔ ا۔ طالب کو قیاس کیا جائے گا مطلوب پر وہاں بھی ضرورت ہے یہاں بھی ضرورت ہے۔ جواب۔ مطلوب مجبور ہے طالب مجبور نہیں ہے اس لئے قیاس مع الفارق ہے۔ ولمالک ۲۔ فی ابی داؤد عن عبد اللہ بن اُنیس جب ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیان ھزلی کی طرف بھیجا تھا تو اس موقعہ میں حضرت عبد اللہ بن اُنیس فرماتے ہیں فرأیتُہ' وحضرتِ العصر فخشیت فوتها فانطلقتُ امشی وانا اصلی أُدمی ایماءً اور اس کی سند بھی درجہ حسن کی ہے۔ جواب۔ یہ اِن صحابی کا اپنا اجتہاد ہے۔ ولمالک ۳۔ حدیث الباب فی البخاری عن ابن عمر مرفوعاً لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ اس روایت سے استدلال یوں ہے کہ جب طالب ہونے کی صورت میں نماز چھوڑ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی تو اشارہ سے پڑھنے کی اجازت بطریق اولیٰ ثابت ہوئی جواب یہاں غرض صرف جلدی کا امر فرمانا تھا کہ عصر کی نماز سے پہلے ضرور وہاں پہنچ جاؤ یہ مقصد نہ تھا کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے دیر ہو جائے تو نماز ہی چھوڑ دینا۔

ذکرتُ للاوزاعی صلوٰۃ شرحبیل بَن السَمط

حضرت انور شاہ صاحب کا ارشاد ہے کہ مجھے یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ حضرت شرجیل کی نماز جو سواری پر منقول ہے تو اُس وقت حضرت شرجیل طالب تھے یا مطلوب تھے۔ انتہیٰ احقر محمد سرور عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ عمدۃ القاری میں متعدد روایات سے ثابت کیا گیا ہے کہ شرجیل مطلوب تھے اب حضرت انور شاہ صاحب کے ارشاد کی توجیہ یہ تو مناسب نہیں کہ اس مقام کا مطالعہ نہ فرما سکے ہوں کیونکہ فتح الباری اور عمدۃ القاری بہت زیادہ پیش نظر رہتی تھیں البتہ یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ ان روایات کو ضعیف یا ماول شمار فرمایا ہو واللہ اعلم۔ حضرت شرجیل صحابہ کرام میں سے ہیں رضی اللہ عنہم:-

باب التکبیر والغلس بالصبح والصلوٰۃ عند الا غارة والحرب

یہاں دو نسخے ہیں۔ ا۔ التکبیر ۲۔ التکبیر۔ پھر الصلوٰۃ کا عطف بھی التکبیر پر ہی ہے اصلی غرض تو یہ ہے کہ جیسے خوف ہیں

تاخیر وقت مستحب سے اور شدید خوف میں نفس وقت سے جائز ہے ایسے ہی تعجیل وقت مستحب سے بھی جائز ہے۔ اور ضمناً التکبیر کے نسخہ میں دو مسئلوں کا بیان ہے۔۱۔ فجر میں ترک اسفار کی گنجائش ہے ضرورت کی وجہ سے۔۲۔ بہتر ہے کہ حملہ سے پہلے نماز سے فراغت حاصل کرلی جائے اور التکبیر کے نسخہ میں تیسرا مسئلہ بھی بیان فرمادیا۔۳۔ اللہ اکبر کہنا بھی مستحب ہے لڑائی میں التکبیر والے نسخہ میں غلس کا عطف تفسیری ہے۔ اور الاغارہ کے معنیٰ اچانک حملہ کر دینے کے ہیں۔ اور حرب عام ہے۔ کتاب العیدین ای کتاب فی بیان احکامھما وفضائلھما غرض عیدین کے احکام وفضائل کا بیان ہے اور ربط یہ ہے کہ پیچھے ہفتہ کی عید یعنی جمعہ کا ذکر تھا اب سال کی دو عیدوں کا ذکر ہے اور تینوں عیدیں شکر کے لئے ہیں عید الفطر میں روزے کی عبادت ادا ہو جانے کا شکر ہے عید الاضحیٰ حج اور عمرہ جو ہم نے یا ہمارے بھائی مسلمانوں نے کئے ہیں اُن کے شکر کے لئے ہے اور جمعہ میں کس چیز کا شکر ہے مختلف اقوال ہیں۔۱۔ ہفتہ بھر زندہ رکھنے کا شکر۔۲۔ عبادت خاصہ کے لئے دن دینے کا شکر۔۳۔ عبادت خاصہ کی توفیق دینے کا شکر۔

باب ماجاء فی العیدین والتجمل فیھما

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ عیدین میں اچھے کپڑے پہن کر زینت اختیار کرنا مستحب ہے۔

باب الحراب والدَرَق یومَ العید

حراب بالکسر جمع ہے حربۃ کی چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں اور درق کھالوں سے بنی ہوئی ڈھال کو کہتے ہیں غرض میں اقوال۔ ۱۔ عید کے دن خوشی کے طور پر کچھ لھو ولعب کی گنجائش ہے جو عام دنوں میں تضییع اوقات کی وجہ سے منع ہوتا ہے بشرطیکہ مباح کی حد کے اندر ہو۔۲۔ نیزہ بازی کا مقابلہ اسلام کی عظمت ظاہر کرنے کی نیت سے مستحب ہے۔۳۔ نیزہ بازی کا مقابلہ جہاد کی تیاری کی نیت سے مستحب ہے۔ سوال حضرت عائشہ کا دیکھنا تو پردہ کے حکم کے خلاف ہے کہ غیر مردوں کو بلا ضرورت دیکھا جائے جواب۔۱۔ ۹ سال کی عمر میں حضرت عائشہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آ گئی تھیں اور یہ واقعہ بالغ ہونے سے پہلے کا ہے۔۲۔ نزول حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے۔۳۔ جب فتنہ سے امن ہو تو گنجائش ہوتی ہے۔

باب سنتہ العیدین لا ھل الا سلام

غرض اہل السلام کا طریقہ بیان فرمانا ہے عیدین میں اور وہ یہ چیزیں ہیں۔۱۔ تکبیر پڑھنا نماز کے لئے جاتے وقت اور آتے وقت عید الفطر میں آہستہ اور عید الاضحیٰ میں آواز سے۔۲۔ عید کی نماز۔۳۔ خوشی کا اظہار۔۴۔ جائز درجہ کی زینت۔۵۔ خوش الحانی سے نظم پڑھنا بشرطیکہ کوئی ناجائز مضمون نہ ہو۔۶۔ عید الاضحیٰ میں قربانی کرنا۔ ایک نسخہ میں یوں ہے

باب سنیۃ الدعاء فی العیدین

اور ایک نسخہ میں ہے

باب الدعافی العید

ان دونوں نسخوں کے لحاظ سے حدیث الباب کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ حدیث الباب کا خطبہ کا ذکر ہے اور خطبہ میں عموماً دعا مذکور ہوتی ہے پھر ان دونوں نسخوں کے لحاظ سے باب کی غرض میں دو قول ہیں۔۱۔ یہی خطبہ والی دعا کا ذکر مقصود ہے کہ خطبہ عیدین میں دعا کا ہونا مستحب ہے۔۲۔ اس حدیث کی صحت کی طرف اشارہ ہے جو ابن عدی نے حضرت واثلہ سے نقل فرمائی ہے انه لقی النبی صلی اللہ علیه وسلم یوم عید فقال نقبل الله منا ومنک فقال نعم تقبل الله منا ومنک پس غرض میں دوسرے قول کا حاصل یہ ہوا کہ اس قسم کی دعا مستحب ہے۔

با ب الا کل یوم الفطر قبل الخروج

غرض یہ ہے کہ عید الفطر کی صبح عید الفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھالینا مستحب ہے اور نہ کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔

باب الا کل یوم النحر

غرض یہ کہ سارا دن کھانا پینا جائز ہے جیسا کہ اس باب میں حضرت براء کی حدیث سے ثابت ہے۔ البتہ بہتر اپنی قربانی سے

بعد صلوٰۃ العید کھانا ہے۔

ومن نسک قبل الصلوٰۃ فانہ قبل الصلوٰۃ ولا نسک لہ

سوال یہ تو حمل اولیٰ ہے کیونکہ مبتدا اور خبر ایک ہیں جواب معنیٰ یہ ہیں کہ اس کو کوئی اعتبار نہیں ولا نسک لہ عطف تفسیری ہے۔

باب الخروج الی المصلی بغیر منبر

غرض یہ ہے کہ مسنون ہے نکلنا بلا منبر ہی ہے پس بنی امیہ کا منبر نکالنا امام بخاری کے نزدیک مکروہ ہے اور امام بخاری نے حدیث الباب سے یوں استدلال فرمایا کہ اِس حدیث میں ہے فیقوم مقابل الناس کیونکہ اگر منبر ہوتی تو یوں ہوتا فصعد المنبر پھر ایک حدیث میں مرفوعاً یوں بھی آیا ہے خطب یوم العید علی رجلیہ لیکن یہ ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لائے۔ پھر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مروان نے منبر پر عید کا خطبہ دیا لیکن ایک دوسری حدیث میں حضرت عثمان کا منبر پر عید کا خطبہ دینا بھی منقول ہے اس لئے فقہاء کے نزدیک منبر نکالنے یا عیدگاہ میں بنانے کا جواز بلا کراہت ثابت ہوتا ہے اور ہمارے امام ابوحنیفہ سے بھی صراحتہً یہ جواز منقول ہے۔ ابا سعید: حرف ندا محذوف ہے ای یا ابا سعید۔

باب المشی والرکوب الی العید والصلوٰۃ قبل الخطبۃ بغیر اذان ولا اقامۃ

غرض تین مسئلہ بتلانا ہے۔ ا۔ سوار ہونا جائز ہے اور جن روایتوں میں مشی کا ذکر ہے وہ امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہیں اور پھر فضیلت پر محمول ہیں وجوب پر محمول نہیں۔ ۲۔ دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمانا مقصود ہے کہ عید کی نماز خطبہ سے پہلے ہے۔ ۳۔ یہ نماز بلا اذان اور بلا اقامت ہے۔ سوال۔ اس باب کی احادیث میں رکوب کا ذکر نہیں ہے۔ جواب۔ ا۔ شاید بعض دوسرے طریق میں ہو جو یہاں مذکور نہیں ہیں۔ ۲۔ وھو یتوکا علی ید بلال سے استدلال فرمایا ہے کہ جیسے دوسرے شخص کے ہاتھ سے سہارا لینا جائز ہے ایسے ہی سواری پر سوار ہونا اور سواری کا سہارا لینا بھی جائز ہے۔

باب الخطبۃ بعد العید

غرض یہ ہے کہ مسنون یہی ہے۔ کہ خطبہ عید کے بعد ہو یہی خلفاء راشدین کا معمول تھا اور جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے عید کا خطبہ مقدم کرنا یہ مَروان کی بدعت شمار کیا گیا ہے سوال یہ مسئلہ تو گذشتہ بابوں میں آچکا جواب۔ وہاں تبعاً آیا تھا اب قصداً بیان فرمایا۔

باب ما یکرہ من حمل السلاح فی العید والحرم

غرض یہی مسئلہ بیان کرنا ہے کہ عید و حرم میں ہتھیار لے جانا مکروہ ہے۔ سوال پیچھے حراب اور درق یعنی ڈھال کا مسجد میں لے جانا مذکور ہے جواب۔ ا۔ ممانعت ایذاء کی صورت میں ہے۔ ۲۔ ممانعت تکبر کی نیت سے ہے۔

باب التبکیر الی العید

غرض جلدی جانے کا استحباب بیان فرمانا ہے۔ پھر ایک نسخہ میں التکبیر ہے یہ تصحیف و تحریف پر محمول ہے۔

باب فضل العمل فی ایام التشریق

غرض یہ ہے کہ ایام تشریق میں عمل صالح کا ثواب زیادہ ہے پھر تشریق کے معنیٰ دھوپ میں ڈالنے کے ہیں کیونکہ اِن دنوں میں گوشت لمبا لمبا کاٹ کر دھوپ میں ڈالا جاتا تھا اور یہ یوم النحر کے بعد تین دن ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یوم النحر سمیت چار دن ہیں کیونکہ اس میں بھی یہی کام ہوتا ہے پہلے قول میں جو یوم النحر کو شمار نہیں کیا گیا اس کی وجہ سے صرف یہ ہے کہ اس کا مستقل نام ہے۔

واذکروا اللہ فی ایام معلومات ایام العشر والایام المعدودات ایام التشریق

حضرت ابن عباس کے اِس قول میں آیات کی تلاوت مقصود نہیں ہے بلکہ صرف تفسیر ذکر کرنی مقصود ہے کیونکہ آیات تو اِس طرح ہیں ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات اور دوسری

آیت یوں ہے واذکر واللہ فی ایام معدودات۔

یخرجان الی السوق فی ایام العشر

سوال۔ اس اثر میں اور اس کے بعد والی مسند روایت میں ایام عشر کا ذکر ہے ایام تشریق کا ذکر نہیں ہے پھر ایام تشریق والے باب میں کیوں ذکر فرمایا جواب۔ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایام عشر اور ایام تشریق دونوں فضیلت میں برابر ہیں۔

خرج یخاطر بنفسہ و مالہ

جہاد کے لئے نکلا اس حال میں کہ اپنے نفس اور مال کو خطرہ میں ڈال رہا ہے کہ نہیں معلوم بچیں گے یا نہ یعنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا۔

باب التکبیر ایام منی واذا عذاالی عرفۃ

ایام منٰی دس تاریخ اور تین دن بعد ہیں اور عرفات کو جاتے ہیں۔ ۹ تاریخ کو گویا ۹ سے ۱۳ تک تکبیرات تشریق ہیں یہ مسئلہ بتلانا اِس باب سے مقصود ہے۔

کنّ النساء یُکبرن

النساء فاعل سے بدل ہے اور تکبیر آہستہ مراد ہے کیونکہ جہر پر کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

نخُرجُ البکر من خِدرھا

خِدر کے معنٰی۔ ا۔ وہ پردہ جو کمرہ کے کونہ میں باکرہ عورت کے بیٹھنے کے لئے لگایا جاتا تھا۔ ۲۔ ھودج۔ ۳۔ تخت جس پر کپڑا لگایا ہوا ہو۔ ۴۔ کمرہ۔

باب الصلوٰۃ الی الحربۃ یوم العید

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عید کے دن چھوٹے نیزے کو سترہ بنا کر کر نماز پڑھنی مسنون ہے جبکہ کوئی دیوار وغیرہ سترہ نہ ہو۔ سوال۔ یہ باب تو سترہ کے ابواب میں گذر چکا ہے۔ جواب یہاں یوم العید کی قید زائد ہے اس لئے تخصیص بعد التعمیم ہے۔

باب حمل الْعَنَزۃِ او الحَرْبتہ
بین یدی الامام یوم العید

غرض یہ ہے کہ سترہ کی ضرورت کے موقع پر ایسا کرنا مسنون ہے۔ یہ دونوں چھوٹے نیزے ہوتے ہیں حربہ کا پھل چوڑا ہوتا ہے۔ سوال۔ اس حدیث میں حربہ کا ذکر نہیں ہے جواب۔ عنزہ پر قیاس فرمایا۔

باب خروج النساء والحیّض الی المصلی

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ ان کا نکلنا مستحب ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو الی المصلی فرمایا الی الصلوٰۃ نہ فرمایا کیونکہ انہوں نے نماز نہیں پڑھنی۔ **العواتق**: جمع ہے عاتق کی بالغ عورت ا۔ کیونکہ اب یہ ماں کی خدمت کی محتاج نہیں رہی بالغ ہونے کی وجہ سے اپنے کام خود کر سکتی ہے۔ ۲۔ پہلے والدین اس کے مال میں تصرف کرتے تھے اب اس سے آزاد ہو گئی۔

باب خروج الصبیان الی المصلی

غرض یہ ہے کہ بچوں کا لے جانا بھی مستحب ہے الی المصلی میں اشارہ ہے کہ اگر نماز پڑھنے کے قابل نہ بھی ہوں تو وہاں بیٹھے رہیں تکثیر سواد اور اظہار شوکت اسلام کا ذریعہ ہوں گے اِسی الی المصلی فرمایا الی الصلوٰۃ نہ فرمایا۔

باب استقبال الامام الناس فی خطبتہ العید

غرض یہ ہے کہ مسنون یہی ہے کہ امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے خطبہ دے قبلہ کی طرف پشت کرے۔

باب العَلم الذی بالمصلی

غرض یہ ہے کہ عیدگاہ پر کوئی علامت لگا دینا مستحب ہے تاکہ لوگوں کو پہنچنے میں آسانی ہو۔

باب موعظۃ الا امام النساء یوم العید

غرض یہ ہے کہ عید کے دن عورتوں کو امام کا نصیحت کرنا مستحب ہے۔ ھلُمّ:۔ اس کے معنی ہیں لاؤ۔

باب اذا لم یکن لھا جلباب فی العید

سوال۔ جزاً کو کیوں نہ ذکر فرمایا۔ جواب۔ حدیث پاک سے معلوم ہو رہی تھی لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا۔ باب کی غرض یہی ہے کہ جب فتنہ سے امن ہو تو ایک چادر میں دو

عورتیں بھی چلی جائیں تو یہ بھی مستحسن اور مستحب ہے۔

باب اعتزال الحيّض المصلّى

غرض یہ ہے حائضہ عورتوں کے لئے واجب ہے کہ وہ نماز میں شریک نہ ہوں۔اور نماز کے وقت ایک طرف بیٹھ جائیں۔

باب النحر و الذبح یوم النحر بالمصلّى

غرض یہ ہے کہ عیدگاہ میں قربانی کرنا مسنون ہے اور گھر میں کرنا جائز ہے اور سُستی کی علامت ہے۔

باب کلامِ الا مامِ و الناسِ فی خطبة العید واذا سّل الا مام عن شیء وھو یخطب

اذا کا جواب محذوف ہے۔ ینبغی للامام ان یجیب۔ غرض یہ ہے کہ عید کا خطبہ جمعہ کے خطبہ کی طرح نہیں کیونکہ جمعہ کے خطبہ میں گفتگو جائز نہیں عید کے خطبہ میں گفتگو دینی ضرورت کی وجہ سے اور سوال کا جواب دینا جائز ہے۔

باب من خالف الطریق اذار جع یوم العید

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عید کی نماز کے لئے جانے اور آنے کا راستہ الگ الگ کر لینا مستحب ہے اس کی متعدد وجوہ ہیں۔ تا کہ قیامت کے دن دونوں راستے گواہی دیں۔۲۔ تا کہ دونوں راستوں کے فقراء پر خیرات کی جاسکے۔۳۔ تا کہ ہم دائیں طرف چلنے والے بن سکیں جانے میں بھی اور آنے میں بھی۔۴۔ تا کہ ہم دونوں راستوں کی برکات حاصل کر سکیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں راستے تبرک حاصل کرتے تھے۔

باب اذا فاته العید یصلی رکعتین

غرض دو مسئلوں میں امام شافعی کی موافقت کا ظاہر کرنا ہے۔ پہلا مسئلہ:۔ جس شخص کی عید کی نماز باجماعت فوت ہو جائے تو عندالشافعی اس کی قضا واجب ہے۔ وعندالجمھو رواجب نہیں استحباباً تدارک کرنا چاہئے تو کرے۔ ولنا۔ ہم قیاس کرتے ہیں جمعہ پر کہ امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ جائے تو جمعہ کی کوئی قضا نہیں ہے۔ ظہر تو پہلے ہی فرض تھی وہ ادا کرنی ہوگی اور جمعہ پر قیاس کرنے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے عن علیؓ فی مصنف ابن ابی شیبة موقوفاً لا جمعته ولا تشریق ولا صلوٰة فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع انتھی اِس حدیث پاک میں جمعہ اور عیدین کو اکٹھے ہی ذکر کیا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ دونوں کے احکام ایک جیسے ہیں اس لئے ہمارا قیاس صحیح ہے وللشافعی تعلیق البخاری فی ھذا الباب اور یہی مضمون ابوداؤد اور نسائی میں مسنداً بھی آیا ہے ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں عن عقبۃ بن عامر مرفوعاً ایام منی عیدنا اھل الاسلام اور اِسی کے قریب قریب اِسی باب کی مسند روایت میں بھی ہیں عن عائشته مرفوعاً فانھا ایام عید ان سب روایات میں عموم مذکور ہے کہ یہ عید کے دن ہم سب کے لئے ہیں۔ اس عموم میں امام کے ساتھ نماز پڑھنا اور جماعت فوت ہونے پر اکیلے نماز پڑھنا دونوں آ گئے۔ جواب۔ عموم خوشی میں ہے نہ کہ بلا جماعت نماز کے واجب ہونے میں۔ دوسرا مسئلہ:۔ یہ حقیقت میں پہلے مسئلہ پر متفرع ہے اور اس کا تتمہ ہے عندالشافعی جس شخص کی امام کے ساتھ عید کی نماز فوت ہو جائے تو وہ وجوباً دو رکعت پڑھے وعند مالک واجب تو کچھ نہیں استحباباً چاہے تو دو رکعت پڑھ لے وعنداحمد واجب تو کچھ نہیں استحباباً چاہے تو چار رکعت پڑھ لے وعندامامنا ابی حنیفۃ واجب تو کچھ نہیں استحباباً چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار پڑھ ولنا۔ ما ورد مرفوعاً المتطوع امیر نفسه اس لئے واجب تو کچھ نہیں پڑھنا چاہے تو پورا اختیار ہے دو پڑھے یا چار پڑھے وللشافعی قیاس ہے پنجوقتہ نماز پر جتنی اصل ادا میں ہوتی ہیں اُتنی ہی قضا میں ہوتی ہیں ولاحمد قضاء واجب تو نہیں جیسا کہ گذشتہ مسئلہ میں گذرا اگر پڑھنا چاہے تو جمعہ کی طرح چار رکعت پڑھے ولمالک واجب تو نہیں جیسا کہ گذشتہ مسئلہ میں گذرا لیکن قضا کرنا چاہے تو پھر تہجد کی طرح ہے جتنی اصل ادا میں ہیں اتنی ہی قضا میں ہیں۔ والترجیح لنا کیونکہ ہمارا استدلال حدیث سے ہے

حدیث کے مقابلہ میں قیاسات پرعمل نہیں ہوسکتا۔

تدفغان :. دف بجارہی تھیں آگے تضربان اسی کا بیان ہے اور عطف تفسیری ہے۔ دعہم امناً :۔ا۔ اُمنا تمییز واقع ہورہی ہے۔ اِن کو چھوڑ دو فتنہ سے امن کے لحاظ سے۔ ۲۔ منصوب نبزع الخافض ہے ای **للا من من الفتنته۔ یعنی من الامن** :۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لفظ فتنہ سے امن کے معنیٰ میں ہے امان للکفار کے معنیٰ مرادنہیں ہیں۔

باب الصلوٰۃ قبل العید و بعد ھا

غرض نماز کا حکم بیان کرنا ہے عید کی نماز سے پہلے اور پیچھے۔ سوال اپنا مسلک صراحتہً کیوں بیان نہ فرمایا۔ جواب۔ ان کو ترجیح کی وجہ صاف صاف معلوم نہ ہوئی اس لئے باب میں اپنا مسلک ذکر نہ فرمایا بظاہر امام احمد کے قول کو ترجیح دینا چاہتے ہیں اختلاف یوں ہے۔ عندامامنا عید کے بعد گھر میں نوافل پڑھنا جائز ہیں بلا کراہت اور عیدگاہ میں نماز کے بعد بھی مکروہ ہیں اور نماز سے پہلے گھر پر بھی اور عیدگاہ میں بھی مکروہ ہیں وعند احمد وھو روایۃ عن الشافعی مطلقاً مکروہ ہیں پہلے بھی پیچھے بھی گھر پر بھی اور عیدگاہ میں بھی نوافل مکروہ ہیں **وعند احمد وھو روایۃ عن الشافعی مطلقاً** مکروہ ہیں پہلے بھی پیچھے بھی گھر پر بھی عیدگاہ میں بھی نوافل مکروہ ہیں۔ وفی روایۃ عن الشافعی مطلقاً جائز ہیں ہر جگہ پہلے بھی اور نماز عید کے بعد بھی ولنا فی ابن ماجتہ عن **ابی سعید الخدری کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یصل قبل العید شیئاً فافوار جمع الی منزلہ صلی رکعتین و لمالک** یہی روایت کہ جب گھر میں جائز تو عیدگاہ میں بھی جائز ہوئے ولہ روایۃ عن الشافعی اصل امور میں اباحت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ پڑھنا کراہتہ کی دلیل نہیں ہے۔ جواب دونوں حضرات کی دلیلوں کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حریص تھے عبادت پر اس کے باوجود ساری عمر عید کی نماز سے پہلے کبھی نفل نہ پڑھنا اور بعد نماز عیدگاہ میں نہ پڑھنا اور نہ ہی کسی کو پڑھنے کا امر فرمانا علامت ہے کراہت کی ورنہ بیان جواز قول مبارک ہے یا عمل مبارک سے ظاہر فرما دیتے۔ ولنا حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے **عن ابن عباس مرفوعاً لم یصل قبلھا و لا بعد ھا** جواب اسی کی تفصیل ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ عید کی نماز کے بعد عیدگاہ میں بھی نوافل نہ پڑھے گھر پر پڑھے ہیں۔ **ابواب الوتر** :۔ ہذہ ابواب فیھا احکام الوتر ربط یہ ہے کہ پانچ نمازوں کے بیان کے بعد ان کے تتمہ وتر کو شروع فرمایا۔

باب ماجاء فی الوتر

غرض بظاہر حنفیہ کا قول لینا ہے وجوب وتر میں۔ اور جمہور کا قول لینا ہے۔ بتسلیمتین ہیں۔ گویا دو اختلافی مسلوں میں سے ایک میں امام بخاری حنفیہ کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں جمہور کے ساتھ ہیں حنفیہ کے ساتھ ہونا وجوب میں یوں ظاہر ہو رہا ہے کہ امام بخاری نے وتر کے ابواب کو تطوع اور تہجد کے ابواب سے الگ ذکر فرمایا معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک وتر کا درجہ تطوع سے اونچا ہے اسی کو حنفیہ وجوب کا درجہ قرار دیتے ہیں اور جمہور کی موافقت تسلیمتین کے مسئلہ میں یوں ثابت ہوئی کہ امام بخاری حضرت ابن عمر کا عمل تسلیمتین کا نقل کر رہے ہیں اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کی رائے بھی یہی ہے واللہ اعلم پھر وتر میں حکمت یہ ہے کہ فرض رکعات ۱۷ ہیں دن رات میں ۳ بڑھا دی گئیں تا کہ ۲۰ ہو جائیں کیونکہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے تقریباً چار گھنٹے نوافل مکروہ ہوتے ہیں باقی بیس گھنٹے بچے اس کے مناسب ۲۰۔ رکعات ہیں۔ اور اس تقریر سے حنفیہ کے وجوب ہی کی تائید ہوتی ہے جو فرض اور نفل کے درمیان برزخی درجہ ہے اِس تقریر سے تراویح کے بیس ہونے کی بھی تائید ہوتی ہے کہ رمضان کی برکت کی وجہ سے عبادت کو حدیث دگنا کر دیا گیا۔

ان رجلاً سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ اللیل

سائل کا مقصد کیا تھا مختلف قول ہیں۔ ا۔ صلوٰۃ اللیل کا عدد پوچھنا۔ ۲۔ فصل و وصل کے متعلق پوچھنا کہ وتر کی دو رکعت کے ساتھ تیسری رکعت کو ملانا چاہئے یا الگ پڑھنی چاہئے ۔ ۳۔ صلوٰۃ

اللیل کا طریقہ کیا ہے۔ ۴۔ صلوٰۃ اللیل کو طاق بنانے کا طریقہ پوچھنا مقصود تھا چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کیف اوتر صلوٰۃ اللیل۔ انتھی طریقہ ارشاد فرمایا کہ وتر کی تین رکعت پڑھنے سے صلوٰۃ اللیل طاق ہو جائے گی۔

صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ:۔ اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ ۱۔ نفلوں میں دو رکعت سے زائد کی نیت باندھنا جائز ہی نہیں ہے۔ ۲۔ بہتر ہے کہ نفلوں میں دو رکعت سے زائد کی نیت نہ باندھی جائے۔ ۳۔ دو رکعت سے کم کی نیت نہ باندھی جائے نہ نفلوں میں نہ فرضوں میں گویا یہ حدیث نھیٰ عن البتیرا والی حدیث ہی کے ہم معنیٰ ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث کے اخیر میں یوں ہے کہ **فاذا خشی احد کم الصبح صلّی رکعۃ واحدۃ تو ترلہ ماقد صلّی۔** معلوم ہوا کہ مثنیٰ ایتار کے مقابلہ میں ہے ایتار میں ایک رکعت ملانے کا ذکر ہے اور مثنیٰ میں دو رکعت کا ذکر ہے کہ ایک نہ ہو۔ ۴۔ مقصد یہ ہے کہ ہر دو رکعت مستقل ہیں اگر چہ چار رکعت پڑھے اگر فاسد ہو جائیں تو قضا دو ہی کی ہوگی۔ سوال۔ اس معنیٰ پر لیل کی قید بے کار ہوگئی کیونکہ دن کے نوافل کا بھی تو یہی حکم ہے۔ جواب ایک تو یہ ہے کہ مفہوم مخالف معتبر نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ سائل کے سوال میں رات کی قید تھی اس مناسبت سے جواب میں بھی یہ قید ذکر کر دی گئی مقصود نہیں ہے اور احترازی نہیں ہے۔ ۵۔ دو سے زائد اکٹھی رکعتیں پڑھنے سے منع فرمانا مقصود ہے اور یہ ممانعت امر شرعی اور امر تعبدی نہیں ہے بلکہ صرف دنیا کی آسانی کے لئے ہے کہ جی چاہے تو درمیان میں دنیا کی بات یا کام کر لیا کرے اور پھر نئی نیت باندھ لے۔ کوئی امر شرعی بیان فرمانا مقصود نہیں ہے۔ ۶۔ نہی تو زیادتی سے ہے لیکن تغلیباً کہ زیادہ نمازوں میں دو سے زائد کی نیت نہ باندھا کرو۔ کیونکہ وتر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ۷۔ ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہونا چاہئے چنانچہ ابوداود میں اس کے بعد صراحۃ وارد ہے ان تشہّدَ فی کل رکعتین۔

فاذا خشی احد کم الصبح صلّی رکعۃً واحدۃً تو ترلہ ماقد صلّی

اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ نفل پڑھنے کے درمیان تردد ہو تو پھر ایک رکعت اور ملائے بلکہ معنیٰ یہ ہیں جب یہ شبہ ہو کہ اگر مزید نفل پڑھوں گا تو طلوع فجر سے پہلے وتر پڑھنے کا وقت نہ رہے گا تو اب دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اور تین بنا کر پڑھے یہ تیسری رکعت ساری رات کی نماز کو طاق بنا دے گی۔ پھر اس خشی کے لفظ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ وتر کا اخیر رات میں پڑھنا اولیٰ ہے۔

وتر واجب ہیں یا نہ:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ وتر واجب ہیں کہ قضاء بھی ہے اور سواری پر بھی نہیں ہو سکتے نفلوں کی طرح وعند الصاحبین والجمہور سنت ہیں۔ ان کی قضاء بھی واجب نہیں اور سواری پر ادا کرنا بھی صحیح ہے۔ لنا۔ ۱۔ **فی مسلم عن ابن عمر مرفوعاً بادروالصبح بالوتر**۔ ۲۔ **فی ابی داؤد عن بریدۃ مرفوعاً الوترحق فمن لم یوتر فلیس منا**۔ ۳۔ فی الطحاوی عن ابن عمر مرفوعاً وتر کا نیچے اتر کر پڑھنا اور نوافل کا سواری پر پڑھنا منقول ہے وللجمہور ا۔ **فی ابی داؤد عن عبد اللہ الصنابحی قال زعم ابو محمد ان الوتر واجب فقال عبادۃ بن الصامت کذب ابو محمد** جواب یہ حضرت عبادہ کا اپنا اجتہاد ہے کہ پانچ نمازوں والی روایت سے استنباط فرمالیا کہ وتر مستحب ہیں کیونکہ پانچ نمازوں میں وتر بھی داخل ہیں کیونکہ وتر عشاء کے تابع ہیں یا وتر کا وجوب اس پانچ نمازوں والی حدیث کے بعد ہوا۔ ۲۔ **فی البخاری وابی داؤد عن طلحتہ بن عبید اللہ مرفوعاً لا الا ان تطوع** کہ پانچ نمازوں کے سوا اور کچھ واجب نہیں جواب۔ ۱۔ وتر عشاء کے تابع ہیں اس لئے پانچ نمازوں میں داخل ہیں۔ ۲۔ وتر کے واجب ہونے سے پہلے کا ارشاد ہے۔ ۳۔ فی الصحیحین عن ابن عمر مرفوعاً سواری پر وتر کا پڑھنا مذکور ہے۔ جواب۔ یہ وجوب سے پہلے تھا۔

وتر ایک رکعت یا تین:۔ **عند اما منا** وتر تین رکعت

ہیں ایک سلام سے۔ وعندالجمہور وتر ایک ہی رکعت ہے۔ لنا۔ ۱- فی النسائی و مستدرک حاکم عن عائشة کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لایسلم الافی آخرھن۔ ۲- بخاری شریف کی حدیث الباب عن ابن عمر مرفوعاً فاذا خشی احد کم الصبح صلی رکعة واحدة توترله ما قد صلی۔ اس میں مراد تین اکٹھی پڑھنی ہیں درمیان میں سلام پھیرے بغیر کیونکہ ایک رکعت تو وتر ہے ہی اس کو تو طاق بنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ مقصود دو رکعت کو طاق بنانا ہے اور یہ جبھی ہوگا۔ جبکہ اس ایک رکعت کو ماقبل سے ملایا جائے۔ ۳- بخاری شریف کی آئندہ باب کی روایت عن ابن عمر کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ ویوتر برکعة اس میں باء الصاق کے لئے ہے کہ ایک رکعت کو ماقبل سے ملایا کرتے تھے۔ ۴- فی الطبرانی عن ابن عباس مرفوعاً صلوٰة اللیل مثنی مثنی والوتر رکعة فی اخر اللیل یہاں وتر سے مراد تین رکعتیں ہیں کیونکہ حضرت ابن عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں یہ حضرت امیر معاویہ پر اکیلی ایک رکعت وتر کی پڑھنے پر انکار فرمایا کرتے تھے معلوم ہوا کہ وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے مرفوعاً ثابت ہیں اور اس حدیث میں بھی وہی تین ہی مراد ہیں۔ ۵- فی النسائی عن ابی بن کعب کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ وقل یایھاالکافرون وقل ھواللہ احد ولایسلم الافی آخرھن. ۶- فی الترمذی عن علی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلث. ۷- اخرج ابن عبدالبرفی التمھید عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن البتیراء اس حدیث کو علامہ عینی نے شرح طحاوی میں صحیح قرار دیا ہے یہ روایت نھی عن البتیرا والی نقض وتر کے مسئلہ کے لئے بھی ناسخ ہے پہلے یہ حکم تھا کہ وتر کے بعد کوئی نفل

پڑھنا چاہے تو صرف ایک رکعت پڑھ کر وتر کو توڑ دے نوافل کے بعد پھر دوبارہ وتر پڑھے اس میں بھی چونکہ ایک رکعت پڑھنی ہوتی تھی اس لئے بتیراء کی نہی سے یہ نقض وتر والی صورت بھی منسوخ ہوگئی ایسے ہی اسی نھی عن البتیراء والی روایت سے یہ روایت بھی منسوخ ہوگئی جس میں مرفوعاً وارد ہے من شاء اوتر برکعة ومن شاء اوتر بثلاث اوبخمس کیونکہ اس میں بھی ایک رکعت وتر پڑھنے کی اجازت تھی نہی عن البتیراء سے یہ اجازت ختم ہوگئی۔ نقض وتر کے منسوخ ہونے کی دلیل ابوداؤد کی یہ مرفوع روایت بھی ہے لاوتران فی لیلۃ کیونکہ نقض وتر کی صورت میں وتر دو دفعہ پڑھنے ہوتے تھے اگر کسی کو مقدم اور مؤخر ہونے کے لحاظ سے شبہ بھی ہو کہ کیا معلوم پہلے کون سا ارشاد وارد ہوا اور بعد میں کون سا ارشاد وارد ہوا تو پھر بھی نھی عن البتیراء والی روایت محرم ہے اور اصول ہے کہ محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے سوال۔ اس نہی عن البتیراء والی حدیث میں ایک راوی عثمان بن محمد ہے جس کے بارے میں امام عقیلی فرماتے ہیں الغالب علی حدیث الوھم جواب۔ متقدمین ائمہ رجال میں سے صرف عقیلی نے ہی ان پر اعتراض کیا ہے بعد میں اگر کسی نے اعتراض کیا بھی ہے تو صرف امام عقیلی ہی کا اتباع کیا ہے۔ اس لئے غالب اس راوی میں ثقہ ہونا ہے۔ سوال۔ فی البھیقی عن ابن عمر موقوفاً البتیراء ان یصلی الرجل رکعة فلایتم لھا رکوعاً ولاسجوداً ولاقیاماً جواب۔ ۱- اس میں سلمۃ بن فضل الابرش راوی ضعیف ہے۔ ۲- بتیراء سے نہی والی ایک روایت میں مرفوعاً یہ بھی ہے ان یصلی الرجل واحدةً یوتر بھا پس مرفوعاً تفسیر کو ترجیح ہے۔ ۳- ایک روایت میں حضرت ابن عمر سے ایک رکعت وتر پڑھنے کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ یہ ایک رکعت تو بتیراء ہے انتہیٰ اب یہ لوگ کون تھے صحابہ اور تابعین ہی تو تھے معلوم ہوا کہ صحابہ اور تابعین کے نزدیک ایک رکعت پڑھنا ہی بتیراء کا

مصداق تھا رکوع سجدے اچھے کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں ممانعت ہے۔ ۸- ہماری آٹھویں دلیل یہ ہے کہ بخاری شریف میں زیر بحث باب میں تعلیق ہے عن نافع ان عبداللہ بن عمر کان یسلم بین الرکعته والرکعتین فی الوترحتیٰ یا مربعض حاجته اس روایت کے متعلق مستدرک حاکم میں حضرت حسن بصری کا قول یوں منقول ہے۔ کان عمر افقه منه وکان ینهض فی الثالثة یا لتکبیر۔ ۹- فی مصنف ابن ابی شیبة عن الحسن البصری اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلث لایسلم الا فی آخر هن. ۱۰- فی البخاری فی هذا الباب تعلیقاً قال القاسم (وهو تا بعی) ورأینا انا سامنذا درکنا (ای بلغنا) یوترون بثلاث تو ایک تابعی ہیں جو سلف کا عمل نقل فرما رہے ہیں۔ سوال بخاری شریف میں اس کے بعد یہ بھی تو ہے وان کلاً لواسع ارجوان لایکون بشئی منه باس۔ جواب۔ حضرت قاسم کا مسلک یہی تھا کہ وتر تین رکعت ہیں اس لئے وسعت رکعات میں بیان کرنی مقصود نہیں ہے کسی اور چیز میں ہے مثلاً شروع رات میں پڑھو یا اخیر رات میں وتر کے بعد نوافل پڑھو یا نہ پڑھو وغیرہ یہ دس دلیلیں ہوگئیں تلک عشرة کاملته۔ وللجمهور۔ ۱- اس باب کی پہلی حدیث عن ابن عمر مرفوعاً فاذا خشی احد کم الصبح صلی رکعة واحدة توترله ماقد صلی جواب ہو چکا کہ یہاں ایک رکعت کو دو سے ملانا ہی مقصود ہے کیونکہ ایک رکعت تو وتر ہے ہی ماقبل کو وتر بنانا ہے اور وہ جبھی ہوگا۔ جبکہ اس ایک کو ماقبل سے ملائیں گے اور تین بنائیں گے۔ ۲- اسی باب میں تعلیق ہے عن نافع ان عبداللہ بن عمر کان یسلم بین الرکعة والرکعتین فی الوتر حتی یامر ببعض حاجته۔ جواب ۱- حضرت حسن بصری نے دے دیا جیسا کہ ابھی گزرا۔ ۲- دوسرا جواب جمہور صحابہ اس مسئلہ میں ان کے خلاف تھے۔ ۳- ان کی تیسری دلیل فی البخاری عن ابن عمر مرفوعاً یصلی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ ویوتر بر کعة. جواب۔ ہو چکا کہ باء الصاق کے لئے ہے ماقبل سے ملانے پر دال ہے تین رکعات ثابت ہوئیں۔ ۴- فی الطبرانی عن ابن عباس مرفوعاً صلوٰة اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعة من آخر اللیل جواب ہو چکا کہ ابن عباس حضرت امیر معاویہ پر ایک رکعت پڑھنے پر انکار فرماتے تھے معلوم ہوا کہ ابن عباس کے نزدیک اس طبرانی والی روایت کے معنی ایک رکعت کو دو کے ساتھ ملانے کے ہیں بلاتسلیم پھران سب دلائل کا جواب یہ بھی ہے کہ نہی عن البتیر اءان سب کے لئے ناسخ ہے یا کم از کم محرم ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔

باب ساعات الوتر: غرض وتر کا وقت بیان کرنا ہے کہ عشاء کے فرضوں کے بعد ہے اور جو امید رکھتا ہو کہ اخیر رات اٹھ جاؤنگا اس کے لئے بہتر اخیر رات ہے ورنہ پڑھ کر سوئے جیسے حضرت ابوہریرہ جو طالب العلم تھے وہ سونے سے پہلے پڑھ لیتے تھے۔

والا ذان فی اذنیه: اذان سے مراد اقامت ہے کہ اقامت بالکل قریب ہوتی تھی اور اقامت سے ذرا پہلے شروع فرماتے تھے اور مختصر دو رکعت جلدی سے ادا فرما لیتے تھے امت کے لئے آسانی فرمادی کہ سنتوں کی خاطر بہت جلدی اٹھنا اور لمبی سنتیں پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

باب ایقاظ النبی صلی اللہ علیه وسلم اهله بالوتر

غرض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل کو تہجد کے لئے تو اٹھانے کا اہتمام نہ فرماتے تھے وتر کے لئے اٹھانے کا اہتمام فرماتے تھے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر کا درجہ تہجد سے زائد ہے اور وہ وہی ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں۔

باب لیجعل آخر صلوته وترا

غرض وجوب کی طرف اشارہ فرمانا ہے کیونکہ باب میں بھی اور حدیث پاک میں بھی امر کا صیغہ ہے جو تاکید اور وجوب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

باب الوتر علی الدابته

غرض۔ا۔ وتر واجب نہیں ہیں کیونکہ واجب سواری پر نہیں پڑھے جاتے ۲۔ وتر واجب ہیں لیکن امام بخاری کے نزدیک واجب سواری پر بھی پڑھنے جائز ہیں سوال۔ موطأ محمد اور مسند احمد میں حضرت ابن عمر کا عمل نوافل کو سواری پر پڑھنے کا اور وتر کو اتر کر پڑھنے کا منقول اور موطا محمد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی سواری سے اُتر کر وتر پڑھنے کا منقول ہے گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی اور ابن عمر کے عمر میں بھی تعارض پایا گیا۔ جواب۔ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر وتر پڑھنے کا عمل مبارک وجوب سے پہلے پر محمول ہے اور ابن عمر کا عمل بھی اسی پر محمول ہے کہ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا عمل وجوب کے بعد والا نیچے اتر کر وتر پڑھنے کا معلوم نہ ہوا تھا اُس وقت تک ابن عمر سواری پر پڑھتے رہے پھر علم ہو جانے کے بعد اتر کر پڑھنا شروع فرمادیا۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وجوب ہی کے قول میں اور نیچے اتر کر پڑھنے والے قول میں ہی احتیاط ہے اس لئے اسی کو ترجیح ہے۔

باب الوتر فی السفر

غرض ا۔ سفر میں بھی وتر کا چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اِس سے بھی وجوب کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ ۲۔ حضرت ضحاک کے قول کو رد کرنا مقصود ہے جو اس کے قائل تھے کہ سفر میں وتر مسنون نہیں ہیں

باب القنوت قبل الرکوع و بعده

غرض۔ا۔ قنوت کا وقت بتلانا ہے کہ قبل الرکوع بھی ثابت ہے بعد الرکوع بھی وتر میں بھی غیر وتر میں بھی۔ ۲۔ اس شخص کا رد مقصود ہے جو کہتا ہے کہ قنوت بدعت ہے۔

قنت بعد الرکوع یسیراً

ا۔ سیدھا کھڑے ہو جانے کے تھوڑی دیر بعد پڑھتے تھے یعنی پورا اعتدال فی القیام پائے جانے کے بعد شروع فرماتے تھے۔
۲۔ ایک مہینہ پڑھی ہے زیادہ عرصہ نہیں پڑھی۔

الی قوم من المشرکین دون اولئک وکان بینھم وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عھد

یعنی اہل نجد کی طرف قرأ ارسال فرمائے تھے جن کو مشرکین کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اُن اہل نجد کی طرف یہ قراء حضرات تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں رعل وذکوان وغیرہ تھے جن سے معاہدہ ہو چکا تھا۔ اِن معاہدین نے عہد شکنی کی اور ان کو شہید کر دیا پھر ان عہد شکنی کرنے والوں پر ایک ماہ بددعاً فرمائی۔ اہل نجد کی طرف تبلیغ کے لئے پہنچ ہی نہ سکے۔ بخاری شریف جلد ثانی کتاب المغازی میں اس کی تفصیلی روایت آتی ہے۔

قنوت وتر قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع

عند اما منا ابی حنیفته و مالک قنوت وتر قبل الرکوع ہے وعند الشافعی بعد الرکوع ہے وعند احمد اختیار ہے۔

لنافی الصحیحین عن عاصم الا حول سألتُ انس بن مالک عن القنوت فی الصلوة کان قبل الرکوع او بعده قال قبل الرکوع انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعد الرکوع شهراً و للشافعی روایة ابن ماجة سئل انس بن مالک عن القنوت فقال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعد الرکوع جواب یہ قنوت نازلہ ہے۔

قنوت سارا سال ہے یا نہ

عند الشافعی قنوت وتر میں صرف رمضان المبارک کے نصف اخیر میں مسنون ہے سارا سال مسنون نہیں ہے وعند الجمھور سارا سال ہی پڑھنی ضروری ہے وللجمھور گذشتہ مسئلہ والی عاصم احول والی روایت **وللشافعی روایة ابی داؤد عن اُبی بن کعب موقوفاً وکان یقنت فی النصف الآخر من رمضان** جواب۔ یہ قنوت نازلہ ہے کیونکہ رمضان شریف میں دعا قبول ہوتی ہے اور نصف اخیر زوال قمر کے دن ہیں ان دنوں کے مناسب ہے زوال کفار کی دعاء۔

قنوت نازلہ میں دوام ہے یا نہ

عندامامنا ابی حنیفۃ واحمد دوام مسنون نہیں ہے وعند الشافعی و مالک دوامسنون ہے۔لنا۔فی الترمذی عن ابی مالک الاشجعی قال قلتُ لا بی یا ابت انک قد صلیتَ خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر و عثمان و علی ھھنا با لکوفۃ نحواً من خمس سنین کا نو ایقنتون قال ای بُنَیَّ مَحدث مراد دوام کا بدعت ہونا ہے کیونکہ نفس قنوت نازلہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔ و للشافعی و مالک روایتہ ابی داؤد عن انس انہ سُئِل ھل قنتَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الصبح فقال نعم جواب یہ پڑھنا صرف ایک مہینہ مراد ہے اس کی دلیل ابوداؤد ہی کی روایت ہے۔عن انس مرفوعاً قنت شھرا ثم ترکہ

کان القنوت فی المغرب و الفجر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی ہے تاکہ جلدی قبول ہوجائے پھر یہ آیت نازل ہوئی لیس لک من الامر شیء تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دی امام طحاوی نے فرمایا کہ مغرب میں قنوت نازلہ کا منسوخ ہونا۔بالاجماع ہے اسی پر فجر کو بھی قیاس کریں گے۔سوال۔اس باب کی بعض روایات میں قنوت نازلہ ہے حالانکہ باب تو قنوت وتر میں ہیں جواب۔مغرب وتر النہار ہے اس پر وتر اللیل کو قیاس کریں گے۔

ابواب الا ستسقاء یعنی یہ ابواب استسقاء کے احکام کے۔بیان میں ہیں۔استسقاء کے لغوی معنیٰ پانی مانگنا اپنے لئے یا دوسرے کے لئے اور شریعت میں طلب الماء من اللہ تعالےٰ عند حصول الجدب علی وجہ مخصوص پھر استسقاء بالاتفاق مستحب ہے البتہ طریق استسقاء میں اختلاف ہے عن امامنا ابی حنیفۃ روایتان۔۱۔ استسقاء کی حقیقت صرف دعاء ہے ۲۔استسقاء کی تین صورتیں ہیں۔صرف دعاء میں صرف نماز۔نماز اور دعاء۔ دونوں کو جمع کرنا وعند الشافعی یہ مثل صلوٰۃ العید کے ہے وعند الجمہور نماز اس میں ضروری ہے۔ ہماری دلیل صرف دعاء والے قول کی۔۱۔فی ابی داؤد وعن عمیر مولیٰ ابی اللحم مرفوعاًید عوا یستسقی رافعاً یدیہ.۲۔فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا اور ہماری دوسری روایت کی دلیل مذکورہ دونوں دلیلیں مع روایت ابی داؤد عن عباد بن تمیم عن عمہ مرفوعاً خرج بالناس یستسقی فصلیٰ بھم رکعتین و للجمھور یہی روایت عباد والی وللشافعی روایۃ ابی دائود عن ابن عباس مرفوعاً ثم صلی رکعتین کما یصلی فی العید جواب امام صاحب کی پہلی روایت کی طرف سے یہ ہے کہ یہ عموم بلویٰ یعنی عام معاملہ میں ایک دو کی روایت کافی نہیں ہوتی دوسری روایت کی طرف سے جواب یہ ہے کہ آپ کی یہ روایتیں حصر پر دلالت نہیں کرتیں یہ بھی استسقاء ہے صرف دعاء بھی مصداق ہے۔

باب الاستسقاء و خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الاستسقاء

غرض یہ کہ استسقاء کے لئے کھلے میدان میں نکلنا مسنون ہے

باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف

غرض کافروں پر بد دعاء کرنا جائز ہے سوال ابواب تو استسقاء کے چل رہے ہیں ان میں یہ دعاء مناسب نہیں ہے۔جواب۔۱۔ لوگوں کے حق میں دعاء کرنے کو امام بخاری قیاس فرما رہے ہیں لوگوں کے خلاف دعاء کرنے پر جیسے اس فائدہ کی دعاء جائز ہے ایسے ہی یہ بھی جائز۔۲۔کافروں کا کمزور ہونا یہ مسلمانوں کے و لئے فائدہ ہے جیسے اس فائدہ کی دعاء جائز ہے ایسے ہی استسقاء کی دعا بھی جائز ہے۔۳۔کافر قحط کی وجہ سے مجبور ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعاء کرانے آتے تھے تو یہ قحط کی دعا سبب ہے

استسقاء کی دعا کا اس مناسبت سے استسقاء کے بابوں میں اِس باب کو ذکر فرمایا چنانچہ اس باب کی حدیث کے اخیر میں کافروں کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا مذکور ہے۔

وقد مضت الدخان والبطشته واللزام و آية الروم

یعنی یہ سب صورتیں گذر چکی ہیں۔ دخان سے مراد وہ دھواں ہے جو بھوک کی وجہ سے کفار قریش کو اوپر دیکھنے سے محسوس ہوتا تھا۔ اور بطشہ سے مراد غزوہ بدر میں کفار کا قتل ہونا ہے اور لزوم میں ایک قول یہ ہے کہ عطف تفسیری ہے اس سے مراد بھی قتل مذکور ہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ بدر میں کفار کا قید ہونا مراد ہے اور آیۃ الروم کا مصداق یہ ارشاد پاک ہے **وهم من بعد غلبهم سيغلبون في بضع سنين** کہ اب تو رومی عیسائی مغلوب ہوئے ہیں چند سالوں کے بعد رومی غالب آئیں گے ساتھ یہ بھی تھا **يومئذ يفرح المومنون بنصر الله** چنانچہ غزوہ بدر ہی کے دن رومی غالب آئے اور مولائے کریم قادر مطلق کی پیشین گوئی حرف بحرف روشن دن کی طرح پوری ہوئی اور یہ سب چیزیں گذر چکی ہیں۔ قرب قیامت کے متعلق نہیں ہیں اِسی لئے فرمار ہے ہیں قد مضت۔

باب سوال الناس الامام الاستسقأ اذا قحطوا

غرض یہ ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ قحط کے موقعہ پر امام سے درخواست کریں کہ وہ استسقاء کی دعاء کریں۔

يستسقى الغمام بوجهه

یہ ایسے ہیں کہ ان کے چہرے کے توسل سے بارش طلب کی جاتی ہے یہی محل ترجمہ ہے کہ جب ان کے توسل سے دعاء قبول ہوتی ہے تو خود اِن سے درخواست کرنا کہ دعاء کریں بطریق اولیٰ مستحسن ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہر بادشاہِ وقت سے درخواست کرنا مستحسن ہے۔

ثمال:۔ کھانا کھلانے والا۔

ان عمر بن الخطاب رضى الله عنه كان اذا قحطوا ستسقى بالعباس

امام بخاری کی غرض اس روایت کو لانے سے یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عباس کو مثل امام وقت شمار فرمایا جب ان سے دعاء کی درخواست کرنا مستحسن ہے تو امامِ وقت سے بطریق اولیٰ مستحسن ہے۔ پھر اس حدیث میں جو صراحۃً صورت ہے وہ تو یہ ہے کہ حضرت عباس سے درخواست کی جاتی تھی دعاء کی وہ دعاء فرماتے تھے اور بارش ہو جایا کرتی تھی اس صورت کے جائز ہونے پر تو اجماع ہے اس کے قریب قریب دوسری صورت توسل بالذوات کی ہے کہ اے اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے ہماری دعا قبول فرماویں اس کے جائز ہونے پر جمہور سلف وخلف تو جمع اور متفق ہیں۔ صرف ابن تیمیہ کا شاذ قول اس کے جائز نہ ہونے کا ہے۔ صحیح جمہور ہی کا قول ہے کئی وجہ سے۔ ا۔ سلف وخلف کے اتفاق کی وجہ سے اس کو اجماع یا قریب اجماع کے کہا جا سکتا ہے اس کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کا قول شاذ ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں ہے۲۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ مجھے اِسی مسئلہ میں کچھ شبہ ہوا تو شبہ دور کرنے کے لئے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت توسل بالذوات کے مسئلہ میں کچھ شبہ ہے اُس وقت آواز نہ پہچانی نابینا ہو چکے تھے فرمایا کون پوچھتا ہے عرض کیا اشرف علی فرمایا آپ پوچھتے ہیں۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں بس دوبارہ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی لیکن اتنی گفتگو سے ہی میری سمجھ میں مسئلہ آ گیا۔

اے لقاء تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

پھر بے پوچھے ہی ایسا حل ہوا کہ ابن تیمیہ بھی ہوں تو قائل ہو جائیں رہ اس طرح کہ توسل بالاعمال تو اجماع ثابت ہے جس کا ذکر بخاری شریف کی روایت میں بھی ہے کہ تین آدمی بارش میں ایک غار میں بیٹھے تو ایک بڑا پتھر اوپر آ گیا تینوں نے اپنے اپنے

اعمال ذکر کر کے دعا مانگی تو ہٹ گیا توسل بالذوات بھی اسی کے حکم میں ہے کیونکہ اس کے معنیٰ صرف یہ ہیں کہ یا اللہ فلاں شخص آپ کا پیارا ہے اُس سے ہمیں محبت ہے اور اولیاء اللہ سے محبت عبادت ہے اس عبادت کی برکت سے ہماری دعاء قبول فرما دیں۔ ابن تیمیہ چونکہ بڑے درجہ کے عالم تھے اس لئے ان کا احترام کرتے ہوئے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اصل انکار اِس صورت کا کیا کہ بعض لوگوں کی نیت یہ ہوتی ہے کہ جس بزرگ کا توسل کیا جاتا ہے وہ دعاء قبول کرانے میں کوئی دخل دیتا ہے یہ نیت واقعی ناجائز ہے پھر انتظام کے طور پر مطلقاً توسل بالذوات سے منع کر دیا۔۳۔ **عمل الیوم واللیلۃ لا بن السّنی** میں مرفوعاً روایت ہے **اللھم انی اسئلک بحق السائلین** اس روایت کو حافظ عراقی نے مغنی میں حسن کے درجہ کی روایت قرار دیا ہے اس سے توسل بالذوات ثابت ہوا۔۴۔ **وکانوا یستفتحون علی الذین کفروا** کے ماتحت متعدد تفاسیر میں لکھا ہے کہ خیبر اور بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی اور یہود مدینہ نبی آخر الزمان کے توسل سے فتح طلب کیا کرتے تھے۔ جب ولادت سے بھی پہلے توسل جائز ہے تو وفات کے بعد بھی جائز ہونا چاہئے۔۵۔ منقول حضرت عباس کی دعاء میں یوں ہے وقد توجہ القوم بی الیک لمکانی من نبیک انتھی تو اس میں توسل میں فرق ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ حضرت عمر کے اِس توسل سے اموات کے توسل کی نفی نہیں ہوتی اور حضرت عباس سے جو توسل فرمایا تو اس میں توسل بالذوات اور طلب دعاء دونوں کو جمع کرنا تھا۔

باب تحویل الرداء فی الاستسقاء

غرض اس شخص کا رد ہے جو تحویل رداء کا انکار کرتا ہے۔

کان ابن عیینہ: ا۔ یہ تعلیق ہے۔۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گذشتہ سند میں جو استاد ہیں ان کے واسطہ سے ابن عیینہ کا قول نقل کرنا مقصود ہے۔

با ب انتقام الرب عزوجل من خلقه بالقحط اذا انتهک محارمه

غرض یہ ہے کہ قحط اللہ تعالےٰ کی طرف سے انتقام اور عذاب ہوتا ہے اس لئے اس میں کثرت سے استغفار ہونا چاہئے۔ پھر اس باب میں کوئی مسند روایت بھی نقل نہ فرمائی اور نہ ہی کوئی تعلیق ذکر فرمائی وجہ ا۔ طالب کا امتحان مقصود ہے اور مناسب حضرت ابن مسعود والی روایت ہے جو عنقریب گذری ہے جس میں حضرت ابوسفیان کا دعاء کی درخواست کرنا بھی مذکور ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔۲۔ ارادہ تھا کسی روایت کے ذکر کرنے کا مگر نہ ملی جو بلا تکرار ذکر فرما سکتے۔

باب الا ستسقاء فی المسجد الجامع

غرض یہ ہے کہ استسقاء کے لئے عیدگاہ وغیرہ کی طرف نکلنا ضروری نہیں ہے مقصود صرف اجتماع ہے خوف اور امید کے ساتھ یہ چیز جامع مسجد میں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

سلع: مدینہ منورہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ **حوالینا**: حوال بمعنیٰ حول کا تثنیہ ہے جس کے معنیٰ طرف کے ہیں دونوں طرف بول کر چاروں طرف مراد ہے۔

والآجام: بعض نسخوں میں جبال کے بعد والآجام بھی ہے اس کی تحقیق میں دو قول ہیں۔ا۔ اَجَمۃ کی جمع اُجُم اور اس کی جمع آجام ہے معنیٰ جھاڑی اور گھنے درخت کے ہیں۔۲۔ اُجُم کی جمع ہے جس کے معنیٰ قلعہ کے ہیں۔

باب الا ستسقاء فی خطبة الجمعة غیر مستقبل القبلة

غرض یہ ہے کہ استسقاء کو جمعہ ہی میں درج کر دینا بھی صحیح ہے۔

دار القضاء: پورا نام یہ تھا دار قضاء دَین عمر کہ حضرت عمر ضرورت کے موقعہ میں بیت المال سے قرضہ لے لیتے تھے پھر اُس قرضہ کو ادا کرنے کے لئے گھر کو بیچا گیا اور قرضہ ادا کیا گیا۔

دار قضاء القاضی مراد نہیں ہے

باب الاستسقاء علی المنبر

غرض یہ ہے کہ منبر پر استسقاء کی دعاء مانگ لینا بھی جائز ہے۔

لا یمطرون: بعض نسخوں میں یہاں لا حرف نفی کے

ساتھ لایمطرون چھپا ہوا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ لانہیں ہے یمطرون ہے یعنی یمین وشمال کے علاقوں میں بارش ہورہی تھی۔

باب من اکتفی بصلوٰۃ الجمعۃ فی الاستسقاء

نیت کرے یا نہ کرے جمعہ کی نماز میں صلوٰۃ استسقاء داخل ہو جاتی ہے۔ یہی مسئلہ بیان فرمانا مقصود ہے۔

فانجابت: پھٹ گئے بادل۔

باب الدعاء اذا تقطعت السبل من کثرۃ المطر

غرض یہ ہے کہ جیسے بارش طلب کرنے کے لئے دعاء جائز ہے۔ ایسے ہی بارش بند کرنے کے لئے بھی دعاء جائز ہے۔

باب ما قیل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحول رداء ہ فی الا ستسقاء یوم الجمعۃ

غرض یہ ہے کہ جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے خطبہ میں چادر نہیں بدلی ان کے لئے بھی دلیل موجود ہے جمعہ کی قید اس لئے لگائی کہ تحویل رداء جو آتی ہے وہ عیدگاہ میں آتی ہے۔

با اذا استشفعوا الی الا مام یستسقی لھم لم یردھم

غرض یہ ہے کہ امام کے لئے جائز نہیں ہے کہ طلب استسقاء کو رد کردے سوال۔ عنقریب اسی مضمون کا باب گذرا ہے جواب وہاں لوگوں کا فعل بتلانا مقصود تھا اور یہاں امام پر جو کچھ واجب ہے اس کا بیان مقصود ہے۔ پھر باب کے بعض نسخوں میں لم یردھم سے پہلے واو بھی ہے ولم یردھم اس صورت میں جزاء محذوف ہوگئی ای فھوا لصحیح اور واو عطف کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور حالیہ بھی ہوسکتا ہے۔

باب اذا استشفع المشر کون بالمسلمین عند القحط

جواب حدیث کی بنا پر ذکر نہیں فرمایا فلیجیبوا غرض یہی ہے کہ اگر مسلمانوں سے کافر درخواست کریں طلب مطر کی دعاء کی تو مسلمانوں کو قبول کر لینی چاہئے خصوصاً ایسے موقعہ میں جبکہ دعاء قبول ہونے سے اسلام کی عظمت ظاہر ہونے کی امید ہو۔

فُسقُوا الناس حَولھم

الناس کا نصب تخصیص کی وجہ سے ہے اعنی الناس حول اہل المدینۃ۔

باب الدعاء اذا کثر المطر حوالینا و لا علینا

غرض بارش بند ہونے کی دعاء کا طریقہ بیان فرمانا ہے۔ سوال۔ اسی مضمون کا باب پیچھے بھی گذرا ہے جواب۔ وہاں دعاء کا جواز بیان فرمانا تھا اور یہاں دعاء کا طریقہ بتلانا مقصود ہے۔

تکشطت: خالی ہوگیا مدینہ منورہ

باب الدعاء فی الا ستسقاء قائما

غرض یہ ہے کہ یہ دعاء کھڑے ہوکر مانگنا ہی اولیٰ ہے وجہ۔ ا۔ کھڑا ہونا تواضع سے زیادہ قریب ہے۔ ۲۔ تاکہ لوگ دیکھیں اور وہ بھی اس امام کا اقتداء کریں۔ ۳۔ کھڑے ہونے سے اہتمام ہو جاتا ہے اور دعاء قابل اہتمام ہے۔

باب الجھر بالقراء ۃ فی الا ستسقاء

غرض صلوٰۃ استسقاء میں قراءت کا حکم بیان فرمانا ہے کہ جہراً ہونی چاہئے اور یہ مسئلہ اجماعیہ ہے۔

باب کیف حول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ظھرہ الی الناس

غرض پشت پھیرنے کا طریقہ بیان فرمانا ہے۔ پھر امام بخاری نے تصریح نہ فرمائی کہ کیسے پشت پھیری تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات مشہور ومعروف تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے اس لئے سب سمجھ جائیں گے کہ دائیں طرف سے پھرنے کی صورت پائی گئی۔

باب صلوٰۃ الاستسقاء رکعتین

غرض رکعات کی گنتی بیان کرنا ہے۔

باب الاستسقاء فی المصلی

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ عید گاہ میں استسقاء مستحب ہے۔ سوال۔ یہ مضمون تو پیچھے گذرا ہے باب الخروج الی الاستسقاء جواب یہ باب اخص ہے کیونکہ اس میں مصلّی کی قید ہے۔

باب استقبال القبلة فی الاستسقاء

غرض یہ کہ قبلہ رخ ہو کر دعاء کرنا مستحب ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ خطبہ کے دوران بھی اگر دعاء کرنا چاہے تو بہتر ہے کہ قبلہ رخ ہو جائے۔ ابن زید ھذا مازنی والاول کوفی:۔ دو راویوں کے درمیان فرق بیان فرمانا چاہتے ہیں لیکن اولیٰ یہ تھا کہ باب الدعاء فی الاستسقاء قائماً میں بیان فرماتے کیونکہ وہاں دونوں روایوں کا ذکر تھا۔

باب رفع الناس ایدیھم مع الامام فی الاستسقاء

غرض کیا ہے دو قول ہیں۔ ا۔ یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ امام اور مقتدی سب رفع یدین کر کے دعاء کریں۔ ۲۔ اس شخص پر رَد ہے جو کہتا ہے کہ صرف امام کا دعاء کر لینا ہی کافی ہے۔

باب رفع الامام یدہ فی الاستسقاء

غرض رفع کی کیفیت کا بیان ہے کہ خوب بلند اٹھانے چاہئیں اور گذشتہ باب میں صرف رفع کا ذکر تھا۔

باب ما یقال اذا مطرت

غرض یہ ہے کہ حدیث والے الفاظ کہنا مستحب ہے۔

باب من تمطر فی المطر حتی یتحادر علی لحیة

غرض یہ ہے کہ بارش میں کچھ دیر کھڑے ہو جانا مستحسن ہے کیوں۔ ا۔ اس کا اللہ تعالیٰ سے قوی تعلق ہے خصوصی رحمت لے کر آتی ہے۔ ۲۔ ابھی تک کسی گنہگار ہاتھ نے اس کو چھوا نہیں ہے۔ ۳۔ ابھی تک یہ اس زمین تک نہیں پہنچی جس پر غیر اللہ کی عبادت کی گئی۔ **الجوبته:** گول حوض۔ **قناة:**۔ ایک وادی کا علَم ہے اسی لئے غیر منصرف ہے تانیث اور علمیت کی وجہ سے۔ **بالجود:**۔ جَود کے معنیٰ مطر کثیر کے ہیں۔

باب اذا ھبت الریح

غرض یہ ہے کہ جب آندھی آئے تو کیا کرنا اور کیا پڑھنا چاہئے۔ استغفار کرے اور نزول عذاب سے پناہ مانگے۔ سوال استسقاء کے بابوں میں آندھی کا ذکر تو مناسب نہیں تھا۔ جواب۔ مناسب تھا کیونکہ آندھی عموماً بارش سے پہلے یا بعد آیا کرتی ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم نُصرت بالصبا

غرض اور ربط یہ ہے کہ جب ہوا کا ذکر ہوا تو اس کی اقسام کا ذکر بھی مناسب تھا کہ کبھی ہوا ہلاک کرنے کے لئے آتی ہے کبھی امداد کے لئے آتی ہے۔ پھر حدیث پاک میں اشارہ پایا گیا کہ اپنی فضیلت بطور فخر کے تو جائز نہیں لیکن بطور تحدیث بالنعمت کے جائز ہے۔

باب ما قیل فی الزلازل والآیات

غرض غیب کی خبر کا ذکر ہے اور ربط یہ ہے کہ زلزلے بھی آندھی کی طرح ہیں دونوں میں خوف پیدا ہوتا ہے۔ جو توبہ اور خشوع و خضوع کا سبب بنتا ہے۔

وبھا یطلع قرن الشیطان

یہ اس لئے فرمایا کہ نجد کا علاقہ مدینہ منورہ سے مشرق میں واقع ہے پھر ترک دعاء کی وجہ یہ ہے کہ جب علم یقینی سے ایک کام کا واقع ہونا معلوم ہو جائے تو پھر اس کے خلاف دعاء کرنا خلاف ادب ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ وتجعلون رزقکم انکم تکذبون

غرض اور ربط یہ ہے کہ ا۔ بارش تو موضع شکر ہے اس کو ناشکری سے کافر بدلتے ہیں ہمیں ایسا نہ کرنا چاہئے۔ ۲۔ نَو کو سبب قرار دینا اسلام کے خلاف ہے۔

باب لا یدری متی یجیئی المطر الا اللہ

غرض اور ربط یہ ہے کہ جب یہ ذکر فرمایا کہ بارش اللہ تعالےٰ کی قدرت سے ہے تو اب یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے علم سے ہے۔

خمس لا یعلمھا الا اللہ

ان پانچ کا قرآن میں بالتخصیص کیوں ذکر ہے۔ا۔اس لئے کہ یہ امہات الدنیا والآخرہ ہیں کیونکہ معاملہ آخرت کا ہوگا یا دنیا کا ثانی علم الساعۃ ہوگیا اور اول یا تو ابتداء سے متعلق ہوگا تو مافی الارحام اور انتہاء سے تو بای ارض تموت اور درمیان سے تو پھر دو حال سے خالی نہیں اختیار کا اس سے کچھ تعلق ہوگا یا نہ تعلق ہو تو ماذا تکسب غدا اور نہ ہو تو ینزل الغیث۔ ۲۔ ان پانچ چیزوں کے متعلق لوگ کثرت سے پوچھا کرتے تھے۔۳۔ بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ہم ان پانچ چیزوں کو جانتے ہیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام کو جو باتیں بتلائی جاتی ہیں وہ ابناء غیب ہوتی ہیں علم الغیب نہیں ہوتیں کیونکہ علم غیب کے معنیٰ بلا اسباب کے جاننا ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ ہے سوال اس حدیث پاک میں قیامت کا ذکر نہیں ہے۔ جواب۔ا۔ ماذا تکسب غدا میں آگیا۔۲۔اصل روایت میں تھا۔ کسی راوی نے اختصاراً چھوڑا ہے کیونکہ اسی حدیث کے بعض طرق میں ذکر قیامت کا بھی ہے۔

کتاب الکسوف:۔غرض کسوف وخسوف کا احکام بیان کرنا ہے۔ کسوف وخسوف میں فوائد وحکم۔ا۔اللہ تعالےٰ کی قدرت کا اظہار کہ اتنے بڑے جسموں میں تصرف فرمایا۔۲۔ ازالہ غفلت کہ عذاب سے بے خوف نہ رہو۔۳۔ قیامت کا دکھانا کیونکہ قیامت میں یہ دونوں بے نور کر کے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔۴۔ پھر دوبارہ صحیح ہوجانے میں اشارہ ہے کہ توبہ سے امید معافی کی ہونی چاہئے۔۵۔ پکڑ کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے کہ جب چاند اور سورج کو بلا گناہ پکڑا جاسکتا ہے تو گناہ کی وجہ سے پکڑے جانے کا بہت زیادہ احتمال ہے۔

باب الصلوٰۃ فی کسوف الشمس

غرض یہ ہے کہ سورج گرہن میں نماز مشروع ومسنون ہے۔ پھر ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری نے حنفیہ کا مسلک لیا ہے اس مسئلہ میں کہ کسوف میں رکوع ایک ہے ہر رکعت میں یا زائد کیونکہ زائد رکوع والی روایت کو صدقہ فی الکسوف میں ذکر فرمایا ہے صلوٰۃ فی الکسوف میں ذکر نہ فرمایا۔

کسوف نماز میں رکوع ایک ہے یا زائد

عند امامنا ابی حنیفۃ ایک رکوع ہر رکعت میں وعند الجمہور ہر رکعت میں دو رکوع ہیں لنا روایۃ ابی داؤد عن قبیصۃ مرفوعاً فاذا رأ یتموھا فصلوا کا حدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبۃ و للجمھور روایۃ ابی داؤد عن جابر مرفوعاً فکان اربع رکعات واربع سجدات جواب۔ا۔ ہماری قولی ہے آپ کی روایت فعلی ہے قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔۲۔ آپ کی روایت میں راوی زیادہ تر بچے اور عورتیں ہیں ہماری روایت میں زیادہ تر راوی مرد ہیں۔ جماعت کے مسئلہ میں مردوں کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔۳۔ جب کسوف کی روایتیں دونوں قسم کی ہیں تو عام نماز کو دیکھ کر ترجیح ہوگی اور عام نماز میں ایک رکوع ہر رکعت میں ہوتا ہے۔

کسوف شمس کی نماز کی قرأت سری ہے یا جہری

عند احمد جہری ہے وعند الجمہور سری ہے ولنا۔ روایتہ ابی داؤد عن سمرۃ مرفوعاً لا نسمع لہ صوتاً ولا حمد روایۃ النسائی عن سمرۃ مرفوعاً جہر فرمانا مذکور ہے۔ کسوف شمس میں جواب یہ بعض کلمات کا جہر ہے تعلیما کہ میں پڑھ رہا ہوں۔

باب الصدقۃ فی الکسوف

غرض یہ کہ کسوف میں صدقہ مستحب ہے **ما من احد اغیر من اللہ**:۔ سوال۔ غیرت کے معنیٰ ہیں ہیجان الغضب لارتکاب القبیح اور اللہ تعالےٰ اس سے پاک ہیں۔ جواب۔ مبدا بول کر غایت مراد ہے یعنی منع فرمانا۔

باب النداء بالصلوٰۃ جامعۃ فی الکسوف

غرض یہ ہے کہ الصلوٰۃ جامعۃ کا اعلان مستحب ہے اور اس

پر اجماع ہے کہ اذان واقامت صلوٰۃ الکسوف میں نہیں ہیں۔ **ان الصلوٰۃ جامعۃ:.** یہ عبارت مختلف طرق سے منقول ہے۔۱۔ان کی تخفیف اور دونوں کا نصب اعلان یوں ہے الصلوٰۃَ جامعۃً ای احضروا الصلوٰۃَ حال کو نہا جامعۃ.۲۔ نون کی تخفیف اور دونوں کا رفع اعلان یوں ہے الصلوٰۃُ جامعۃ مبتدأ اور خبر ہیں ۔۳۔نون کی تشدید اعلان یوں ہے اِنَّ الصلوٰۃ جامعۃً دونوں کا نصب ای ان الصلوٰۃ حاضرۃ حال کونہا جامعۃ ۴۔ نون کی تشدید پہلے لفظ کی نصب دوسرے کی رفع اعلان یوں ہے انّ الصلوٰۃَ جامعۃ انّ کے اسم وخبر ہیں۔۵۔نون کی تخفیف پہلے لفظ کا رفع دوسرے کا نصب الصلوٰۃُ جامعۃ ای الصلوٰۃ حاضرۃ حال کو نہا جامعۃ ۶۔اُن کے بغیر دونوں کا رفع اعلان یوں ہے الصلوٰۃُ جامعۃ مبتدا اور خبر ہیں۔

باب خطبۃ الا مام فی الکسوف

غرض کسوف میں خطبہ کا استحباب بیان کرنا ہے اور یہی امام شافعی کا مسلک ہے امام مالک کے نزدیک کسوف میں خطبہ نہیں ہے اور ہمارے امام صاحب اور امام احمد کی اس مسئلہ میں دو دو روایتیں ہیں منشاء اختلاف زیر بحث روایت ہے عن عائشتہ مرفوعاً ثم قام فاثنیٰ علی اللہ بما ھوا ھلہ ثم قال انتھی اِس میں خطبہ مرفوعاً کسوف میں مذکور ہے امام شافعی کے نزدیک یہ سنیت پر دال ہے امام مالک کے نزدیک ضرورت پر محمول ہے اصل سنت نہیں ہے۔ چونکہ ہماری دونوں روایتیں ہیں اس لئے ترجیح دینے کی ضرورت نہیں دونوں احتمال ہیں۔**فقلت لعروۃ:۔** ای قال الزھری فقلتُ۔**انّ اخاک :.** یعنی عبداللہ بن الزبیر۔ **مثل الصبح :.** صلوٰۃ الکسوف حضرت عبداللہ بن الزبیر کی فجر کی نماز کی طرح تھی دو چیزوں میں ۔۱۔ ہر رکعت میں ایک رکوع تھا۔۲۔قراءت زیادہ لمبی نہ تھی۔لانہ اخطاء السنتہ :۔ سوال۔اتنے بڑے صحابی کو خطا کار کہہ دینا تو توہین ہے جواب۔ بھائی تھے ادلال اور ناز میں کہہ دیا حقیقت یہی ہے کہ راجح مسلک

اس موقعہ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر ہی کا تھا کئی وجہ سے ۔۱۔ وہ صحابی ہیں اور عروۃ بن الزبیر تابعی ہیں صحابی تابعی سے زیادہ سنت کو سمجھنے والا ہوتا ہے۔۲۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر کے ساتھ بہت سے صحابہ و تابعین نے نماز پڑھی تھی کسی کا انکار منقول نہیں ہے۔۳۔ حضرت عبد اللہ بن الزبیر نے حدیث پر عمل فرمایا تھا صلّوہ کا حدث صلوٰۃ صلتیموھا من المکتوبۃ جیسا کہ مرفوعاً ابوداؤد میں قبیصۃ الھلالی سے منقول ہے۔

باب ھل یقول کسف الشمس او خسفت

غرض یہ ہے کہ شمس وقمر دونوں کے گرہن پر یہ دونوں استعمال کرنے جائز ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخوف اللہ عبادہ بالکسوف

غرض امام بخاری کی اُن اہل ہیئت پر رد ہے جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ چاند گرہن اور سورج گرہن تو عادی چیزیں ہیں ان میں کوئی تخویف نہیں ہے کیونکہ یہ عین حساب کے مطابق ہوتے ہیں حساب سے آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ وجوہ رد کی متعدد ہیں ۱۔ اسباب کے خالق بھی تو اللہ تعالےٰ ہیں۔۲۔ چونکہ نماز اور صدقہ وغیرہ کا ذکر ہے یہ علامت تخویف کی ہے اور نقل کو عقل پر ترجیح ہے۔۳۔امر عادی بھی تو تخویف کا ذریعہ بن سکتا ہے کیونکہ بعض عادی امور موت اور قیامت کو یاد دلاتے ہیں جیسے النوم اخ الموت۔آندھی کا چلنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف طاری کر دیتا تھا۔

گفتہ یونانیاں پیغام نفس است وہوا
حجت ایمانیاں فرمودہ پیغمبر است

باب التعوذ من عذاب القبر فی الکسوف

غرض یہ ہے کہ یہ تعوذ کسوف کے موقعہ میں مستحب ہے خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر ہو وجہ مناسبت کی کیا ہے۔۱۔دونوں میں اندھیرا ہوتا ہے قبر اور خسوف قمر میں بھی ۔۲۔ دونوں میں ڈر لگتا ہے۔۳۔خسوف

میں نجات مل جانے سے امید نجات کی قبر میں بھی ہوتی ہے۔ **عائذاً باللہ مِن ذلک:** ترکیب اور معنیٰ۔ا۔مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے اعوذ عائذ اً باللہ۲۔اسم فاعل کا صیغہ ہے اور حال واقع ہو رہا ہے اعوذ عائذ اً باللہ۔۳۔ایک روایت میں مرفوع ہے پھر خبر ہے مبتدا محذوف کی انا عائذ باللہ پھر اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سرّاً پناہ مانگا کرتے تھے اب حضرت عائشہ کے پوچھنے کے بعد جہراً پناہ مانگنی شروع فرمادی۔۲۔پہلے آپ کو اجمالی علم دیا گیا تھا اب قدرے تفصیل نازل ہوگئی اس لئے جہراً پناہ مانگنی شروع فرمادی تا کہ امت کا عقیدہ مکمل ہو جائے اور گناہوں سے بچنے کے لئے خوف پیدا ہو۔

باب طول السجود فی الکسوف

غرض بعض مالکیہ پر رد ہے جو فرماتے ہیں کہ صرف قیام لمبا ہونا چاہئے سجدے چھوٹے ہونے چاہیں۔ رد فرما دیا کہ سجدہ لمبا کرنا بھی مستحب ہے۔

باب صلوٰۃ الکسوف جماعۃ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ کسوف میں جماعت مسنون ہے۔ **فی صُفّتہ زمزم:**۔ا۔مسجد نبوی والا چھپر مراد ہے جس میں بے گھر مہاجرین رہتے تھے۔۲۔مکہ مکرمہ میں بیر زمزم کا چھپر مراد ہے۔ **رائیت الجنتہ:**۔ا۔ پردے ہٹادئے گئے۔۲۔تصویر جنت کی سامنے کی دیوار میں دیکھی۔

باب صلوٰۃ النساء مع الرجال فی الکسوف

غرض ان پر رد کرنا ہے جو عورتوں کے شریک ہونے کو ناجائز کہتے ہیں اور گھر میں اکیلی پڑھنے ہی کو جائز سمجھتے ہیں لیکن فتنہ سے امن ہونا بہر حال ضروری ہے۔

باب من احب العتاقۃ فی کسوف الشمس

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے۔ سوال یہ تو ہمیشہ ہی مستحب ہے جواب۔ چونکہ حدیث میں یہ قید ہے اس لئے یہ قید لگائی گویا استحباب میں حدیث کی وجہ سے تاکد آ گیا۔

باب صلوٰۃ الکسوف فی المسجد

غرض یہ کہ مسجد میں بھی جائز ہے سوال۔ اِس باب کی حدیث میں مسجد کا ذکر نہیں ہے جواب مسلم کی روایت میں اور بخاری شریف میں باب الصلوٰۃ فی کسوف القمر کی روایت میں مسجد کا ذکر ہے اُن روایتوں کا لحاظ کرتے ہوئے قید لگائی ہے۔

باب لا تنکشف الشمس لموت احد ولا لحیاتہ

غرض جاہلیت کی مشہور بات کا رد ہے کہ کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن ہوتا ہے۔ **باب الذکر فی الکسوف:**۔ غرض یہ ہے کہ کسوف میں ذکر زبان سے اور دل سے مستحب ہے۔ دل سے ذکر یہ ہے کہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ ان کی ذات' صفات انعامات' احکام' عنایات' شفقت' رحمت' عذاب وغیرہ سوچتا رہے اور ان کو راضی کرنے کی فکر ہر وقت لگی رہے۔ کسی قسم کی آواز دل سے آنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یخشی ان تکون الساعۃ

سوال۔ قیامت کی نشانیوں میں سے تو نزول عیسیٰ علیہ السلام بھی ہے۔ مثلاً تو اس سے پہلے تو قیامت آنے کا احتمال نہ تھا پھر خوف قیامت کا کیوں ہوا۔ جواب ا۔ غلبہ خوف کی وجہ سے اِس طرف توجہ نہ ہوئی اور تھوڑی دیر کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی نشانیوں کو بھول گئے۔۲۔ یہ جو حدیث پاک میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا ڈر ہوا یہ راوی کی اپنی رائے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایسا کوئی لفظ ارشاد نہ فرمایا تھا۔۳۔ راوی صرف تشبیہ دے رہے ہیں کہ ایسا زیادہ خوف ہوا جیسے قیامت کا خوف ہوتا ہے۔

باب الدعاء فی الخسوف

غرض یہ کہ خوف میں دعاء مستحب ہے۔

باب قول الامام فی خطبۃ الکسوف اما بعد

غرض یہی مسئلہ بتلانا ہے کہ خطبہ کسوف میں اما بعد کہنا مستحب ہے۔

باب الصلوٰۃ فی کسوف القمر

غرض یہ کہ چاند گرہن میں بھی نماز مسنون ہے پھر عند الشافعی

واحمد جماعت چاند گرہن میں مسنون ہے وعند امامنا ابی حنیفۃ و مالک مستحب ہے منشاء اختلاف حدیث الباب عن ابی بکرۃ مرفوعاً ان الشمس و القمر آیتان من آیات اللہ انتہیٰ ہمارے نزدیک دونوں کا اکٹھا ذکر نماز کی وجہ سے ہے اُن کے نزدیک نماز باجماعت کی وجہ سے ہے ترجیح ہمارے قول کو ہے دو وجہ سے۔۱۔رات خصوصاً آدھی رات جماعت کا اہتمام مشکل ہوتا ہے۔۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خسوف قمر میں جماعت منقول نہیں ہے۔ پھر امام بخاری بھی بظاہر ہمارے ساتھ ہیں کیونکہ یہاں جماعت کا لفظ باب میں نہ رکھا اور کسوف شمس میں رکھا ہے۔

باب صب المرأۃ علی راسها الماء اذا طال الا مام القیام فی الر کعته الاولیٰ

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ سر پر پانی ڈالنا بھی جائز ہے۔
غنودگی دور کرنے کے لئے پھر حدیث ذکر نہ فرمائی وجہ۔۱۔سات باب پہلے باب صلوٰۃ النساء مع الرجال فی الکسوف والی حدیث پر اکتفاء فرمایا۔۲۔ بیاض چھوڑی کہ بعد میں کوئی روایت درج کردونگا لیکن نہ مل سکی اب مناسب وہی روایت ہے جو سات باب پہلے ذکر فرمائی۔

باب الر کعۃ الاولی فی الکسوف اطول

غرض میں دو قول۔۱۔ پہلی رکعت لمبی ہونی چاہئے۔۲۔ پہلا رکوع لمبا ہونا چاہئے۔

باب الجهر بالقراء ۃ فی الکسوف

غرض کسوف کی نماز کی قراءت میں جہر ہے اختلاف پیچھے گذر چکا ہے۔

باب ماجاء فی سجود القران و سنتها

غرض سجدہ تلاوت کا طریقہ بتلانا ہے۔ سجود تلاوت کی مشروعیت تو بالا جماع ہے لیکن درجہ میں اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک وجوب ہے کہ چھوڑنے سے گناہ ہوگا اور فدیہ بھی مرنے کے بعد ایک نماز کے برابر ہے یعنی ایک صدقہ فطر فی سجدہ جمہور کے نزدیک مسنون ہے چھوڑنے سے گناہ نہ ہوگا اور مرنے کے بعد فدیہ بھی نہیں ہے منشاء اختلاف سورہ علق والی سجدہ کی آیت ہے۔اس میں سجدہ کا امر ہے یہ امر ہمارے نزدیک وجوب پر اور ان کے نزدیک استحباب پر محمول ہے۔ترجیح ہمارے قول کو ہے دو وجہ سے۔۱۔ اصل امر میں وجوب ہے۔۲۔سورہ انشقاق میں جو سجدہ کی آیت ہے اس میں ترک سجدہ کو ترک ایمان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ترک ایمان تو انتہائی قبیح ہے اس لئے ترک سجدہ بھی بہت قبیح ہے یہ علامت وجوب کی ہے۔ **غیر شیخ** یہ شیخ امیۃ بن خلف ہے جیسا کہ کتاب التفسیر فی البخاری میں تصریح ہے۔ **فرایتہ**: یہ دیکھنے والے حضرت ابن مسعود ہیں۔

باب سجدۃ تنزیل السجدۃ

غرض یہ ہے کہ اس سورت میں بھی سجدہ کی آیت ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

باب سجدۃ ص

غرض یہ ہے کہ یہ سجدہ ضروری نہیں ہے۔ **اختلاف**:۔ عندالشافعی سورہ ص میں سجدہ نہیں ہے وعن الجمهور ہے منشاء اختلاف حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے۔عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال ص لیس من عزائم السجود وقد رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسجد فیها ہمارا استدلال یوں ہے کہ مرفوعاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ فرمانا ثابت ہوگیا۔امام شافعی کا استدلال یوں ہے کہ ابن عباس فرمارہے ص لیس من عزائم السجود جواب یہ حضرت ابن عباس کا اپنا اجتہاد ہے۔ مرفوع روایت کے مقابلہ میں صحابی کے اجتہاد پر عمل نہیں ہوسکتا۔

سورہ حج کے دوسرے سجدہ میں اختلاف

عندامامنا و مالک سورہ حج میں ایک سجدہ ہے وعندالشافعی واحمد دو سجدے ہیں دلیلنا۔ دوسرے موقعہ پر نماز مراد ہے کیونکہ رکوع اور سجدہ دونوں کا اکٹھا ذکر ہے اور امر کے صیغوں سے ہے اور بالا جماع اکیلا رکوع ثابت نہیں لامحالہ نماز والا رکوع ہے اور اس کے ساتھ ہی سجدہ کا ذکر ہے اِس لئے یہ سجدہ بھی نماز والا ہی ہے۔ پس

جیسے جا بجا قرآن پاک میں اقیموا الصلوۃ ہے اِس پر کسی کے نزدیک بھی سجدہ نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی سجدہ نہیں ہے وللشافعی واحمد۔ ا۔ فی ابی داؤد عن عمرو بن العاص مرفوعاً فی سورۃ الحج سجدتان جواب۔ اس کی سند میں الحارث اور ابن مُنَین دوراوی مجہول ہیں۔ ۲۔ ان کی دوسری دلیل فی ابی داؤد عن عقبۃ بن عامر قلتُ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سورۃ الحج سجدتان قال نعم و من لم یسجد ھما فلا یقرأ ھما جواب۔ اس روایت میں دوراوی ابن لھیعۃ اور ابن ھاعان ضعیف ہیں۔

مفصلات کے سجدوں کا اختلاف

عندمالک مفصلات میں سجدہ نہیں ہے سورہ حجرات سے لے کر اخیر تک کی سورتوں کو مفصلات کہتے ہیں۔ عندالجمہور مفصلات میں تین سجدے ہیں سورہ نجم میں سورہ انشقاق میں اور سورہ علق میں وللجمھور فی ابی داؤد و البخاری عن عبداللہ بن مسعود مرفوعاً قرأ سورۃ النجم فسجد بھا و فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ سجد نا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اذا السماء انشقت واقرأبا سم ربک الذی خلق و لما لک روایۃ ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً لم یسجد فی شی من المفصل منذتحول الی المدینۃ جواب یہ اپنے علم کے مطابق فرمارہے ہیں۔

سجدوں کے اختلاف کا خلاصہ

تینوں اختلافوں کا لحاظ کرتے ہوئے ائمہ اربعہ کے مذاہب یوں ہیں عندامامنا ابی حنیفۃ ۱۴۔ سجدے ہیں۔ ص اور مفصلات میں چار سورہ حج میں ایک باقی ۱۹ اِجماعی۔ وعندالشافعی ۱۴۔ سجدے ص کا نہیں اس کی جگہ سورہ حج کے دو۔ وعنداحمد ۱۵۔ ص کا بھی اور حج کے بھی دو وعندمالک ۱۱۔ ہمارے والے ۱۴۔ میں سے تین مفصلات کے نکال دیں تو باقی ۱۱ بچ گئے۔

باب سجود المسلمین مع المشرکین و المشرک نجس لیس لہ وضوء

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ سجدہ تلاوت بلا وضوء جائز ہے امام بخاری کے نزدیک سجدہ تلاوت بلا وضوء صحیح ہے وعندالشعبی سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ دونوں بغیر وضوء صحیح ہیں وعندالجمہور دونوں میں سے کوئی بھی بغیر وضوء صحیح نہیں ہے۔ وللجمہور ولا تصل علی احد منھم مات ابداً اس آیت میں حق تعالیٰ نے نماز جنازہ کو بھی صلوٰۃ سے تعبیر فرمایا ہے اور ابو داؤد میں عن ابی الملیح عن ابیہ (اسامتہ بن عمیر) مرفوعاً لا یقبل اللہ صدقتہ من غلول ولا صلوٰۃ بغیر طہور اس لئے نماز جنازہ میں وضوء ضروری ہے اور سجدہ نماز کا ایسا رکن ہے جو کبھی ساقط بھی نہیں ہوتا اور نماز کے علاوہ اکیلا بھی مشروع ہے اس لئے نماز کے لئے وضوء کی شرط سجدہ کے لئے بھی شرط ہے وللشعبی نماز جنازہ کی حقیقت صرف دعاء ہے اور دعاء کے لئے بالا جماع وضوء ضروری نہیں اس لئے نماز جنازہ کے لئے بھی وضوء ضروری نہیں ہے۔ جواب قرآن پاک میں چونکہ صلوٰۃ کا اطلاق آیا ہے اس لئے اسی کو ترجیح ہے۔ قرآن پاک کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا سجدہ تلاوت میں امام بخاری اور امام شعبی کی دلیل۔ ا۔ فی البخاری حدیث الباب عن ابن عباس مرفوعاً سجد با لنجم و سجد معہ المسلمون و المشرکون و الجن والا نس استدلال یوں ہے کہ مشرکین نے بھی سجدہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہ فرمایا کہ بلا وضوء سجدہ نہ کرو معلوم ہوا کہ بلا وضوء سجدہ کرنا صحیح ہے۔ دوسری وجہ استدلال کی یہ بھی ہے کہ صحابی ابن عباس نے مشرکین کے فعل کو سجدہ سے تعبیر فرمایا اس سے بھی معلوم ہوا کہ ان کا سجدہ شرعی سجدہ تھا اور معتبر سجدہ اور شرعی سجدہ کے لئے وضوء کی ضرورت نہیں ہے۔ جواب۔ ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو منع نہ فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرتے تھے اس لئے ان کو منع فرمانا فضول تھا۔ باقی رہا صحابی کا ان کے فعل کو سجدہ کہنا تو اس کی وجہ صرف تشبہ بالسجدہ تھی۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مشرکین کا سجدہ کرنا تجلی قہری کی وجہ سے تھا اور اضطراری تھا۔ اور کلام سجدہ اختیاریہ میں ہورہی ہے اس لئے اِس واقعہ سے استدلال نہیں

ہوسکتا۔۲۔امام بخاری وشعبی کی دوسری دلیل حدیث الباب ہے تعلیقاً وکان ابن عمر رضی الله عنهما یسجد علی غیر وضوء جواب۔بخاری شریف ہی کے ایک نسخہ کی عبارت یوں ہے کان ابن عمر رضی الله عنهما یسجد علی وضوء اذا تعارضا تسا قطا۔۲۔یہ حضرت ابن عمر کا اپنا اجتہاد ہے اور اس اجتہاد میں ان کی تائید شعبی کے سوا کسی نے نہیں کی۔اس لئے یہ اجتہاد شذوذ کے درجہ میں ہے۔۳۔تیسرا جواب یہ ہے کہ بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ عن ابن عمر موقوفاً ہے لایسجد الرجل الا وهو طاهر فاذا تعارضا تساقطا۔۴۔بیہقی کی روایت کو دیکھتے ہوئے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ابن عمر کے قول وفعل میں تعارض پایا گیا ایسے موقعہ میں قول کو ترجیح ہوتی ہے۔۵۔علامہ عینی نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ ترک وضوء ابن عمر کا عذر اور اضطرار پر محمول ہے۔علامہ عینی کی یہ تقریر تطبیق پر دلالت کرتی ہے۔۶۔دونوں دلیلوں کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ احتیاط وجوب وضوء والی روایت و دلائل کو ترجیح دینے میں ہے۔

مشرکین کے سجدہ کی وجہ

اس سجدہ کی وجہ تجلی قہری تھی اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ جس قلم اور دوات سے سورہ نجم لکھی جارہی تھی اس نے بھی سجدہ کیا اور درختوں نے بھی سجدہ کیا اور بخاری شریف کی حدیث الباب میں جن وانس کا سجدہ کرنا مذکور ہے پھر یہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کو تھا۔بعض حضرات کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ مشرکین نے بتوں کو سجدہ کیا تھا اس کی تفصیل بخاری شریف جلد ثانی میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ پھر جس مشرک نے تکبر کیا اور صرف مٹی اٹھا کر ماتھے کو لگالی اس کو بہت جلدی سزا دے دی گئی اور غزوہ بدر میں کفر کی حالت میں قتل کر دیا گیا۔اس سے بھی حنفیہ کے قول ہی کی تائید ہوتی ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہے۔

باب من قرأ السجدة ولم یسجد

غرض یہ ہے کہ سجدہ کی آیت پڑھ کر اسی وقت سجدہ کرنا ضروری نہیں ہے **فلم یسجد فیها**: بعض حضرات نے اس روایت میں استدلال کرلیا کہ جب تلاوت کرنے والا سجدہ نہ کرے تو سامع بھی نہ کرے کیونکہ اس زیر بحث روایت میں حضرت زید بن ثابت تالی ہیں انہوں نے سجدہ نہ کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اس روایت کے واقعہ میں سامع تھے سجدہ نہ فرمایا۔جواب احتمال ہے کہ یہ مسئلہ ظاہر ہوجائے کہ سجدہ علی الفور ضروری نہیں ہے۔ان دو احتمالوں کے ہوتے ہوئے استدلال صحیح نہیں ہے۔

باب سجدة اذا السماء انشقت

غرض رد کرنا ہے امام مالک پر جو فرماتے ہیں کہ مفصلات سجدہ نہیں ہے۔

باب من سجد سجود القاری

غرض اس شخص کا قول ذکر کرنا ہے جو سننے والے پر سجدہ واجب ہونے کی شرط یہ قرار دیتا ہے کہ پڑھنے والا بھی سجدہ کرے لیکن یہ قول شاذ ہے اس لئے کہ مدار تو سماع پر ہے وہ پایا گیا قاری سجدہ کرے یا نہ کرے پھر جو تعلیق ذکر کی قول ابن مسعود کہ قاری سے فرمایا اسجد فانک امامنا فیها تو اس سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو عمل میں اتباع ہے وجوب میں تو اتباع نہیں اور کلام وجوب میں ہے۔

باب ازدحام الناس اذا قرأ الامام السجدة

غرض میں دو قول:۱۔ایسی بھیڑ کرنی جائز ہے۔۲۔ترغیب ہے سجدہ جلدی کرنے کی۔

باب من رای ان الله عزو جل لم یوجب السجود

غرض جمہور کے قول کی تائید ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں بخلاف حنفیہ کے قول کے کہ ان کے نزدیک واجب ہے دوسرے لفظوں میں حنفیہ کی تردید مقصود ہے فمن دلائله لفظ الحدیث المسند و من لم یسجد فلااثم علیه جواب:۱۔فوراً سجدہ کرنے کی نفی ہے۔۲۔وجوب میں احتیاط ہے سوال یہ مسند حدیث تو موقوف ہے جواب اصاب سے مراد اصاب السنة ہے چنانچہ بعض نسخوں میں یہاں اصاب السنة ہی ہے اس لئے حدیث مرفوع ہوگئی اس لئے امام

بخاری کا اصول باقی رہا کہ وہ صرف مرفوع احادیث کو مسند لائے ہیں۔

کانہ لایوجبہ علیہ: حضرت عمران بن حصین فرمارہے ہیں کہ قصداً سنے یا بلاقصد کان میں آواز پڑ جائے دونوں صورتوں میں سامع پر سجدہ واجب نہیں ہے۔ جواب۔ا۔یہ ان کا اجتہاد ہے۲۔صرف سامع پر وجوب کی نفی ہے اصل اختلاف تو تالی پر وجوب میں ہے۔

وقال سلمان مالهذا غدونا

بیہقی میں اس کی تفصیل ہے مر سلمان علی قوم قعود فقرا واالسجدۃ فقیل لہ فقال لیس لہذا غدونا۔ اس سے بھی استدلال کرنا مقصود ہے جواب۔ا۔یہ ان کا اجتہاد ہے کہ قصداً سننے پر وجوب ہے ہم کہتے ہیں کہ مدار سماع پر ہے کہ سن لے اور پتہ چل جائے کہ سجدہ کی آیت پڑھی ہے۲۔اس سے تلاوت کرنے والے پر وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔

وقال عثمان انماالسجدة على من استمعها

جواب۔ا۔یہ ان کا اجتہاد ہے‘ ۲۔تالی پر وجوب کی نفی نہیں ہوتی اور اصل کلام اسی میں ہے۔

فان كنت راكبا فلاعليك حيث كان وجهك

جواب یہ امام زہری کا اجتہاد ہے کہ سجدہ میں استقبال قبلہ ضروری نہیں جبکہ سواری پر سوار ہو۔

وكان السائب بن يزيد لايسجد لسجود القاص

جواب۔یہ ان کا اجتہاد ہے۔

زاد نافع عن ابن عمر رضى الله عنهما ان الله لم يفرض السجود الاان نشاء

ا۔یہ ابن عمر کا قول ہے۲۔یہ عمر فاروق کا ارشاد ہے جواب بھیڑ میں علی الفور واجب نہیں ہے۔

باب من قرأ السجدة في الصلوٰة فسجد بها

غرض امام مالک کے قول کا رد ہے کہ نماز میں سجدہ کی آیت پڑھنا مکروہ ہے۔

باب من لم يجد موضعاً للسجود من الزحام

غرض بھیڑ میں سجدہ کرنے کی تین صورتوں کی طرف اشارہ ہے‘ا۔اگلے آدمی کی پشت پر کرے‘۲۔موخر کردے۔۳۔اشارہ سے سجدہ کرے۔

ابواب تقصير الصلوٰة

آیت قصر واذاضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا. واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ فلتقم طائفۃ منھم معک. الآیۃ۔ لفظ مبینا تک آیت القصر کہلاتی ہے اس آیت القصر کی چار اہم تفسیریں ہیں۔ا۔جمہور مفسرین اور جمہور فقہاء نے یہ تفسیر فرمائی ہے کہ یہ آیت قصر سفر کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس میں جو قید ہے ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا یہ قید اتفاقی ہے اور قصر سے مراد گنتی کی قصر ہے یعنی چار رکعت کی جگہ ظہر‘ عصر اور عشاء میں دو رکعت پڑھی جائیں ہیئت کی تبدیلی مراد نہیں ہے جیسی کہ صلوٰۃ الخوف میں ہوتی ہے کہ پہلے ایک جماعت امام کے ساتھ پڑھے پھر دوسری جماعت پڑھے اس پہلے قول کے لئے چند مرجحات ہیں۔ا۔ابوداؤد کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر کو صدقہ قرار دیا ہے اس سے جمہور کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ رکعات کی کمی مراد ہے۔۲۔حدیث ذی الیدین میں یہ لفظ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار کی جگہ دو رکعت پڑھ لی تھیں تو ذی الیدین نے عرض کیا اقصرت الصلوٰۃ ام نسیت معلوم ہوا کہ قصر کا لفظ عدد کی گنتی میں استعمال ہوتا ہے اس سے بھی جمہور کی تفسیر کی تائید ہوئی۔۳۔قصر بمعنی تغییر الھیۃ اس آیت قصر کے بعد والی آیت میں مذکور ہے واذاکنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ الآیۃ اسلئے آیت قصر کے بھی یہی معنیٰ کئے جائیں کہ نماز پڑھنے کے طریقہ کی تبدیلی مراد ہے تو پھر دونوں آیتوں کے ایک ہی معنیٰ بن جائیں گے اور دوسری آیت پہلی آیت کی تاکید ہی بن جائے گی اور اگر جمہور کی تفسیر لی جائے کہ پہلی آیت

میں رکعات کی کمی ہے اور دوسری آیت میں طریقہ کی تبدیلی ہے تو پھر دوسری آیت میں تاسیس ہوگی اور بلاغت کے اصول میں تاسیس اولیٰ ہوتی ہے تاکید سے اس لحاظ سے بھی جمہور کی تفسیر راجح ہے۔ **دوسرا قول:**۔ اس کے قائل مجاہد اور ضحاک وغیرہ ہیں کہ سفر کی قید اتفاقی ہے اور قصر والی آیت کا نزول خوف کے موقعہ میں ہوا تھا پھر اگر چہ خوف نہ رہا اور اسلام کو غلبہ نصیب ہوا لیکن حکم وہی دو رکعت والا باقی رہا۔ جیسے طواف میں رمل عمرۃ القضاء میں کافروں کو مسلمانوں کی شجاعت دکھانے کے لئے جاری ہوا تھا کہ بھاگ کر اور اکڑ کر طواف کریں لیکن یہی طریقہ قیامت تک باقی رکھا گیا۔ ایسے ہی چار کی جگہ دو رکعت کو خوف کی وجہ سے شروع ہوئی تھیں لیکن بعد میں بھی باقی رکھی گئیں امام بخاری کے طرز سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ آیۃ القصر کو صلوۃ الخوف کے ابواب میں ذکر فرمایا ہے قصر فی السفر کے ابواب جواب چل رہے ہیں ان میں ذکر نہیں فرمایا اور تفسیر ابن جریر کی ایک روایت کے الفاظ سے بھی اس دوسرے قول کی تائید ثابت ہوتی ہے وہ روایت حضرت عمرؓ سے ہے موقوفاً انما القصر صلوٰۃ المخافتہ کہ قصر کے معنٰی تو صلوٰۃ الخوف کے ہیں گویا صلوٰۃ القصر اور صلوٰۃ الخوف کو ایک ہی قرار دیا۔ **تیسرا قول:**۔ بعض مفسرین کا یہ بھی ہے کہ یہاں دو علتیں ہیں ایک سفر اور ایک خوف جب دونوں علتیں جمع ہونگی تو قصر کی بھی دونوں صورتیں جمع ہو جائیں گی گنتی کے لحاظ سے بھی دو رکعتیں ہونگی اور ہیئت بھی بدل جائے گی اور جب دونوں میں سے ایک علت ہوگی تو پھر صرف قصر گنتی کے لحاظ سے ہوگی۔

چوتھا قول امام جرجانی کا ہے:۔ وہ یہ ہے کہ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا علیحدہ کلام ہے۔ یہ قصر سابق کی شرط نہیں ہے اس کی جزاء محذوف ہے وہ یہ ہے فاقم لھم یا محمد صلوٰۃ الخوف اور حق تعالیٰ کا ارشاد پاک ان الکافرین کانوا لکم عدواً مبینا یہ جملہ معترضہ ہے اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی سے منقول ہے کہ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا یہ ایک سال بعد نازل ہوا اس آیت سے واذا ضربتم فی الارض۔

قصر کیسی ہے:۔ عندا مامنا ابی حنیفتہ قصر اسقاط ہے چار رکعت پڑھنا گناہ ہے وعند الجمہو ر قصر رخصت ہے کہ سفر میں بھی چار رکعت پڑھنا اولیٰ اور عزیمت ہے۔ لنا۔ ۱۔ فی ابی داؤد عن عائشتہ موقوفاً فاقرت صلوۃ السفر و زید فی صلوۃ الحضر۔ ۲۔ فی ابی داؤد عن عمر مرفوعاً صدقتہ تصدق اللہ عزوجل بھا علیکم فاقبلوا صدقتہ۔ صدقہ قرار دینا بھی چاہتا ہے کہ چار پڑھنی جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو رد کرنا جائز نہیں ہے اور فاقبلوا امر کا صیغہ بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے و للجمہور روایتہ الدار قطنی عن عائشتہ مرفوعاً افطرو صمتُ وقصرواتممتُ فقلتُ بابی وامیّ افطرتُ وصمتُ و قصرتُ واتممتُ فقال احسنتِ یا عائشتہ جواب۔ قال ابن تیمیتہ ھذا حدیث کذب علی عائشتہ:

باب ماجاء فی التقصیر و کم یقیم حتی یقصُر

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ کتنے دن ٹھہرنے کی نیت سے سفر ختم ہو جاتا ہے اور مسئلہ اختلافی ہے عند امامنا ابی حنیفتہ پندرہ دن کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا اس سے کم دنوں کی نیت میں قصر کرے گا وفی روایۃ للشافعی اٹھارہ دن کی نیت کرے گا تو اتمام اس سے کم میں قصر وفی روایۃ عن الشافعی و مذھب مالک و مذھب احمد چار دن سے زائد کی نیت کرے گا تو اتمام اور چار دن اور اس سے کم میں قصر ہے۔ ولنا فی الطحاوی عن ابن عباس وابن عمر موقوفاً پندرہ دن کی نیت کرو تو پوری نماز پڑھو اور دلیل الشافعی اٹھارہ دن والے قول کے لئے روایۃ ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً اقام سبع عشرۃ بمکۃ یقصر الصلوۃ قال ابن عباس و من اقام سبع عشرۃ قصر ومن اقام

اکثر اتم جواب یہ الفاظ حضرت ابن عباس کے اجتہاد کو صراحۃً بیان کررہے ہیں۔ کہ اس مقام پر جو کچھ فرمایا اجتہاد سے فرمایا۔ ہماری روایت نقل مرفوعاً پر دال ہے اس لئے ہماری روایت کو ترجیح ہے۔ **ودلیل مالک واحمد روایت البخاری وابی داؤد عن انس خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المدینۃ الی مکۃ فکان یصلی رکعتین حتی رجعنا الی المدینتہ فقلنا ھل اقمتم بھا شیئا قال اقمنا بھا عشراً** ان دس دنوں کی تفصیل یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار ذی الحجۃ کو مکہ مکرمہ پہنچے آٹھ ذی الحجۃ کو منیٰ روانہ ہوگئے۔ ۹ کو عرفات شام کو مزدلفہ دس کو منیٰ شام کو مکہ شام کو ہی واپس منیٰ تیرہ کو مکہ اور چودہ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ روانگی ہوگئی تو زیادہ سے زیادہ چار دن اکٹھا ٹھہرنا ہوا اس لئے چار دن اور کم میں قصر ہونی چاہئے چار دن سے زائد میں اتمام ہونی چاہئے جواب یہ ہے کہ یہ روایت حنفیہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہم حنفیہ بھی تو چار دن میں قصر ہی کے قائل ہیں چار سے زائد کا اتمام یہاں مذکور ہی نہیں۔ اس لئے یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے۔

باب الصلوٰۃ بمنیً

غرض منیٰ میں نماز کا حکم بیان کرنا ہے اور حکم صراحۃً بیان نہیں فرمایا کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ عند مالک القصر لا حکام الحج یعنی ہر حاجی منیٰ میں قصر کرے گا۔ اگرچہ مقیم ہو وعند الجمھو رصرف مسافر قصر کرے گا وللجمھو را۔ **واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصر وامن الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا** اس آیت کی تفسیر جمہور کے نزدیک یہی ہے کہ سفر کی قید احترازی ہے اور خوف کی قید واقعی ہے۔۲۔ **فی ابی داؤد عن عائشۃ موقوفاً فاقرت صلوٰۃ السفر و زید فی صلوٰۃ الحضر** معلوم ہوا کہ مدار قصر کا سفر ہے۔ حج نہیں ہے۔ ولمالک ابوداؤد اور صحیحین کی روایت جو حدیث الباب ہے **عن حارثتہ بن وھب قال صلّی بنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم امن ماکان بمنیً رکعتین.** استدلال یوں ہے کہ حضرت حارثہ مکی تھے پھر بھی انہوں نے دو رکعتین پڑھیں جواب۔۱۔ ان کا مکی ہونا ثابت نہیں ہے۔۲۔ یہ کہاں ہے کہ بعد میں اٹھ کر دو رکعت نہ پڑھی تھیں۔

صرف یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باجماعت دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ اگر یہ مکی تھے تو ظاہر یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی بقیہ دو رکعتیں انہوں نے ضرور پڑھی ہوں گی جیسا کہ ہر مقیم مسافر کے پیچھے کرتا ہے۔۳۔ اگر بالفرض یہ بھی ثابت ہو جائے کہ یہ مکی بھی تھے اور انہوں نے جماعت کے ساتھ دو رکعت پڑھ کر پھر کوئی رکعت نہ پڑھی تھی تو پھر بھی یہ ان کا اجتہاد ہی شمار ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِس پر مطلع ہونا اور ان کا رنہ کرنا مذکور نہیں ہے۔ **ثم اتمھا**۔ یعنی حضرت عثمان پہلے منیٰ میں دو رکعت پڑھا کرتے تھے پھر چار رکعت پڑھنی شروع فرمادیں ایسا کرنے کی وجہ کیا تھی اس میں مختلف اقوال ہیں۔۱۔ ان کے زمانہ خلافت میں لوگ بہت دور دور سے حج کرنے آئے تھے تو ان کی خاطر حضرت عثمان نے اقامت کی نیت کرلی تھی تاکہ مقیم ہونے کی وجہ سے پوری نماز پڑھیں کیونکہ اگر دو رکعتین پڑھتے تو وہ دور دور سے آنے والے یہ سمجھتے کہ ظہر، عصر، عشاء کی رکعتیں ہیں ہی دو جیسا کہ ابوداؤد میں ہے **عن الزھری ان عثمان بن عفان اتم الصلوٰۃ بمنیً من اجل الاعراب.** ۲۔ منیٰ کے علاقہ کو بوجہ وہاں نکاح فرمانے کے وطن اصلی بنالیا تھا جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ **عن ابراھیم قال ان عثمان صلّی اربعاً لا نہ اتخذھا وطنا.** ۳۔ وہاں جاگیر خریدنے کی وجہ سے اِس علاقہ کو وطن اصلی بنالیا تھا جیسا کہ ابوداؤد میں ہے **عن الزھری قال لما اتخذ عثمان الا موال بالطائف وار ادان یقیم بھا صلی اربعاً.** ۴۔ کسی کام کے لئے وہاں اقامت کی نیت فرمائی تھی جیسا کہ ابوداؤد میں ہے **عن الزھری ان عثمان انما صلی بمنیً ابعاً لانہ اجمع علی الاقامۃ بعد الحج**

باب کم اقام النبی صلی الله علیه وسلم فی حجة

غرض ان دنوں کی گنتی کا بیان ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر گذارے۔

باب فی کم یقصر الصلوٰۃ

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ کتنی دور جانے کی نیت سے مسافر بنتا ہے ہمارے امام ابوحنیفہ سے وہ مقدار منقول ہے جس کا اندازہ آجکل کے ۴۸ میل انگریزی سے کیا گیا ہے وعندالجمہور اندازہ ۴۸ میل پرانے کیا گیا ہے پرانا میل انگریزی میل سے ایک فرلانگ یعنی میل کا آٹھواں حصہ زائد تھا۔ منشاء اختلاف یہ ہے کہ سفر کے احکام میں تین دن کا ذکر ہے مثلاً یہ کہ مسافر تین دن مسح علی الخفین کرسکتا ہے۔ اور تین دن کا سفر عورت بلا محرم نہیں کرسکتی۔ معلوم ہوا کہ تین دن کا سفر کم ازکم ہونا ضروری ہے پھر اس کا اندازہ ائمہ نے اپنی اپنی فراست سے فرمایا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ترجیح کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے امام صاحب کی فراست کا بڑھا ہوا ہونا سب فقہاء کے نزدیک مسلم ہے۔

باب یقصر اذا خرج من موضعه

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ سفر کی نیت سے جب اپنی بستی سے باہر نکل جاتا ہے تو سفر کے احکام شروع ہوجاتے ہیں اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

تاولت ماتاوّل عثمان رضی الله عنه

حضرت عثمان کے چار رکعت منٰی میں پڑھنے کی چار توجیہیں عنقریب گذر چکی ہیں۔ بعض حضرات نے دو تاویلیں اور بھی کی ہیں۔ ا۔ ان کے نزدیک قصر واتمام دونوں جائز تھے۔ ۲۔ ان کا اجتہاد یہ تھا کہ جب سفر میں چل رہا ہو تو قصر کرے اگر ایک دو دن ٹھہر گیا ہو تو اتمام کرے چار اور دو چھ توجیہیں ہوگئیں ان میں سب سے زیادہ قوی یہ ہے کہ اس علاقہ میں نکاح فرمالیا تھا اور اس بناء پر وہ وطن اصلی بنالیا تھا کیونکہ مسند احمد اور مسند ابی یعلیٰ میں روایت ہے عن عبد الرحمٰن بن ابی ذباب ان عثمان بن عفان صلی بمنیً اربع رکعات فانکرہ الناس علیه فقال یاایّھا الناس انی تاھلتُ بمکته منذ قدمتُ وانی سمعتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من تاھل فی بلد فلیصل صلوٰۃ المقیم انتھیٰ وحسّنه مولانا ظفر احمد فی اعلاء السنن یہ روایت حنفیہ کے اس قول کی بھی تائید کرتی ہے کو یہ قصر قصرِ اسقاط ہے قصر رخصت نہیں ہے کیونکہ یہ نہ فرمایا کہ جب قصر رخصت ہے تو اعتراض کیوں کیا جارہا ہے۔

حضرت عائشہ کیوں اتمام فرماتی تھیں

ا۔ اجتہاد فرمایا کہ میں ماں ہوں سب گھر میرے ہیں لیکن اس توجیہ پر اشکال ہے کہ حضرت ابی بن کعب کی قرأت یوں ہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجه امھا تھم و ھواب لھم الآیة۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصر فرماتے تھے تو حضرت عائشہ کا اتمام مناسب نہ رہا۔ اس لئے یہ توجیہ کمزور ہے۔ ۲۔ حضرت عائشہ کے نزدیک قصر صرف حج، عمرہ اور غزوہ میں تھی۔ یہ توجیہ بھی کمزور شمار کی گئی ہے کیونکہ یہ قول ان سے منقول نہیں اور پھر جو سفر حضرت علیؓ کی طرف فرمایا اس میں بھی اتمام ہی منقول ہے حالانکہ وہ ایک قسم کا ان کے نزدیک غزوہ کا سفر تھا۔ ۳۔ فی النسائی عن عائشة قالت یارسول الله بابی انت وامی قصرت و اتممت و افطرت وصمت فقال احسنت یا عائشه وماعاب علی فقیل حدیث صحیح لیکن اس پر بھی اعتراض کیا گیا ہے قال ابن تیمیه ھذا الحدیث کذب علی عائشة اور یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ صرف معافی اور چشم پوشی کا درجہ تھا کہ میری اجازت کے بغیر تو نے کیوں ایسا کیا اس لئے استدلال مناسب نہیں کہ ان کے نزدیک قصر رخصت تھی۔ ۴۔ فی تفسیر القرطبی من عائشة انھا کانت تقول فی السفر اتموا صلوٰتکم فقالوا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان

یقصر فقالت انه کان فی حرب و کان یخاف وھل انتم تخافون انتھیٰ معلوم ہوا ان کے نزدیک صرف خوف میں قصر تھی۔ ۵- **فی البیھقی عن عائشة موقوفاً** کہ جس کو سفر میں مشقت نہ ہو اس کے لئے اتمام افضل ہے گویا قصر صرف مشقت میں لازمی ہے بلا مشقت سفر میں قصر رخصت ہے۔ ان سب تو جیہات میں سے چوتھی زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔ **باب یصلی المغرب ثلاثاً فی السفر:** غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مغرب میں قصر نہیں ہے اور یہ مسئلہ اجماعیہ ہے۔

باب صلوٰة التطوع علی الدواب حیثما توجھت به

۱- غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ نوافل سواری پر پڑھنا جائز ہے لیکن سفر ہو یا آبادی سے خارج ہو۔

باب الایماء علی الدابة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ سواری پر اشارہ کے ساتھ نفل پڑھنے جائز ہیں اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے

باب ینزل للمکتوبة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ فرض چھوٹی سواری پر نہیں ہوتے البتہ فقہاء نے چند صورتیں مستثنیٰ قرار دی ہیں مثلاً ۱- دشمن سے جان کا خطرہ ہو ۲- دشمن سے مال کا خطرہ ہو ۳- درندہ سے جان کا خطرہ ہو ۴- ڈاکو سے جان یا مال کا خطرہ ہو ۵- قافلہ سے رہ جانے کا خطرہ ہو۔ راستہ گم ہو جانے کا خطرہ ہو۔

باب صلوٰة التطوع علی الحمار

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے کہ حمار پر نماز صحیح ہے پھر خاص گدھے کو کیوں ذکر فرمایا۔ ۱- حدیث میں اس کا ذکر تھا۔ ۲- یہ شیطان کو دیکھ کر ہنہناتا ہے شبہ ہو سکتا تھا کہ شیطان سے خصوصی تعلق کی وجہ سے شاید اس پر نماز صحیح نہ ہو اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔ ۳- یہ اشارہ کرنے کے لئے کہ اس کا پسینہ پاک ہے۔

باب من لم یتطوع فی السفر د بر الصلوٰة وقبلھا

بعض نسخوں میں قبلھا نہیں ہے غرض یہ کہ سنن رواتب غیر موکدہ ہو جاتی ہیں نوافل غیر رواتب بھی سفر میں پڑھنے ثابت ہیں اور سنن رواتب یعنی جو روزانہ فرض کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں وہ بھی بعض دفعہ پڑھی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ صرف تاکید ختم ہوئی ہے یہ معنیٰ نہیں کہ پڑھنی جائز ہی نہیں اور حنفیہ کا زیادہ تر فتویٰ یہ ہے کہ جب ایک دو دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو تو تاکید ختم نہیں ہوتی۔ بالفعل سفر کر رہا ہو تو تاکید ختم ہوتی ہے۔

باب من تطوع فی السفر فی غیر دبر الصلوٰة و قبلھا

غرض یہ ہے کہ گذشتہ باب میں نفی صرف رواتب کی تھی وہ بھی فجر کی دو سنت کے سوا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو سنتیں سفر میں پڑھا کرتے تھے۔ افضل طرز یہ ہے کہ چل رہا ہو تو رواتب چھوڑ دے ایک دو دن ٹھہرا ہوا ہو تو نہ چھوڑے اور نہ پیدل چلنے میں پڑھے نہ سواری پر پڑھے یہی رواتب۔

باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء

غرض میں دو قول ہیں۔ ۱- جمع بین الصلوٰتین سفر میں جائز ہے اور ربط ماقبل و مابعد سے یہ ہے کہ پہلے قصر پھر جمع بین الصلوٰتین اور پھر صلوٰۃ قاعداً کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ تینوں صورتیں عذر پر محمول ہیں اور ان میں اصلی نماز سے کچھ کوتاہی ہے۔ ۲- غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ احادیث میں صرف جمع صوری ہے کیونکہ آگے ایک باب چھوڑ کر تاخیر ظہر کی تصریح ترجمۃ الباب میں مذکور ہے۔ **اختلاف:-** عندنا ماما ابی حنیفۃ حج کے دو موقعوں میں تو بالاجماع جمع بین الصلوٰتین ہے اس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ عند الجمھور سفر اور مطر کی وجہ سے جمع بین الصلوٰتین جائز ہے ان میں سے امام احمد کے نزدیک مرض کی وجہ سے بھی جائز ہے۔ لنا۔ ۱- **ان الصلوٰة کانت علی المومنین**

کتابا موقوتا. ۲۔فی الترمذی عن ابن عباس مرفوعاً من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقدانی بابا من ابواب الکبائر اور عذر حدیث پاک میں صرف نوم ونسیان ہیں۔ وللجمہور روایۃ الباب عن انس کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین صلوۃ المغرب والعشاء فی السفر اور سفر ہی پر مطر کو اور عند احمد مرض کو بھی قیاس کیا جائے گا۔ جواب۔ احادیث میں جو جمع آرہی ہے یہ جمع صوری ہے ظہر کو پیچھے کرنا اور اخیر وقت میں پڑھنا اور عصر کو شروع وقت میں پڑھنا ایسے ہی مغرب کو اخیر وقت اور عشاء کو شروع وقت میں پڑھنا مراد ہے۔ اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً جمع بین الظهر و العصر و المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولامطر اس روایت میں لفظ بالمدینۃ سے سفر کی نفی ہوئی اور والامطر سے بارش کی نفی ہوئی اور من غیر خوف سے مرض کی نفی ہوئی لامحالہ اس روایت کو جمع صوری ہی پر محمول کرنا پڑے گا اس سے ظاہر ہو گیا کہ سفر میں بھی جمع صوری ہی ہوتی تھی۔ دوسری دلیل اسی بات کی کہ روایت میں جہاں بھی جمع بین الصلوتین کا ذکر ہے وہاں جمع صوری ہے سوائے حج کے دو اجماعی موقوں کے وہ دوسری دلیل بھی ابوداؤد کی ایک روایت ہے عن ابن عمر موقوفاً حتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتیٰ غاب الشفق فصلی العشاء ثم قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا عجل بہ امر صنعت مثل الذی صنعتُ اس روایت میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمع صوری ہی فرمایا کرتے تھے۔

باب هل یوذن اویقیم اذا جمع بین المغرب والعشاء

غرض اشارہ کرنا ہے اس حدیث کی طرف جس میں ابن عمر کا عمل منقول ہے کہ وہ سفر میں اذان نہیں دیا کرتے تھے اس کی وضاحت کرنی مقصود ہے کہ ابن عمر اقامتہ پر اکتفاء فرمالیتے تھے۔

یوخر صلوٰۃ المغرب

یعنی قبل غروب شفق تک تاخیر فرماتے تھے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں تصریح ہے اور ابھی اختلاف میں اس روایت کا تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ سوال۔ بعض روایات میں تو یہ لفظ ہیں ابن عمر کے عمل میں صلی المغرب بعد ما غاب الشفق۔ جواب۔ ۱۔ قریب غیوبتہ مراد ہے بطور مجاز بالمشارفہ کے جیسے طالب علم کو مولوی کہہ دیا جاتا ہے اور جیسے انی ارانی اعصر خمرا ہے۔ ۲۔ کسی راوی کو غلطی لگی ہے کیونکہ واقعہ ایک ہی ہے۔

باب یوخر الظهر الی العصر اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر مسافر زوال سے پہلے سفر شروع کرلے تو ظہر کو مؤخر کر کے اخیر وقت میں پڑھے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھنا یا عصر کی نماز ظہر کے وقت میں پڑھنا ثابت نہیں ہے اس لئے جمع صوری ہی مراد ہے۔

باب اذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلی الظهر ثم رکب

غرض یہ ہے کہ اگر مسافر نے زوال کے بعد سفر شروع کرنا ہو تو پھر جمع بین الصلوٰتین نہ کرے۔ سوال۔ مسند اسحاق بن راھویہ میں یوں ہے عن شبابۃ فقال اذا کان فی سفر فزالت الشمس صلی الظهر و العصر جمیعاً ثم ارتحل جواب۔ ۱۔ ذکر عصر اس روایت میں محدثین کے نزدیک محفوظ نہیں ہے۔ ۲۔ جمع صوری ہی مراد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ پھر سفر کو عصر کے وقت تک موخر فرماتے تھے تاکہ ظہر اخیر وقت اور عصر شروع وقت میں پڑھ کر سفر شروع کیا جاسکے۔

باب صلوٰۃ القاعد

غرض۔ ۱۔ ہر قاعد کی نماز صحیح ہے خواہ امام ہو یا مقتدی ہو معذور ہو یا نہ ہو لیکن نفل پڑھ رہا ہو کیونکہ بلا عذر فرض پڑھنے والا بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا اور اس پر اجماع ہے کہ فرض بلا عذر بیٹھ کر

پڑھنے جائز نہیں ہیں۔۲۔غرض صرف عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ذکر کرنا ہے کہ جائز ہے۔اور عذر کی قید ترجمۃ الباب میں ذکر نہ فرمائی کیونکہ احادیث میں یہ قید آ رہی ہے۔

ومن صلی نائما فله نصف اجرا القاعد

سوال۔اس عبارت کو نہ نوافل پر محمول کر سکتے ہیں نہ فرائض پر کیونکہ نوافل تو لیٹ کر پڑھنے بلا عذر جائز ہی نہیں ہیں اور عذر کی وجہ سے اگر لیٹے گا تو ثواب پورا ملے گا ایسے ہی فرائض بلا عذر نہ بیٹھ کر پڑھنے جائز ہی نہیں ہیں اور عذر کی وجہ سے اگر لیٹے گا تو ثواب پورا ملے گا ایسے ہی فرائض بلا عذر نہ بیٹھ کر پڑھنے جائز نہ لیٹ کر اور عذر کی وجہ سے ثواب پورا ملتا ہے۔جواب۔ا۔بعض حضرات نے اس روایت کو نوافل پر محمول کر لیا اور اس کے قائل ہو گئے کہ نوافل بلا عذر لیٹ کر پڑھنے جائز ہیں لیکن ثواب بیٹھنے سے آدھا ملے گا۔۲۔اگر لیٹ کر تو آسانی سے پڑھ سکتا ہو اور بیماری وغیرہ کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنے میں کافی تکلیف ہو اس صورت میں لیٹ کر نماز صحیح ہو جائے گی لیکن اگر ہمت کر کے مشقت برداشت کرتے ہوئے بیٹھ کر پڑھ لے گا تو لیٹنے سے ثواب دوگنا ملے گا اِس خاص صورت پر یہ حدیث محمول ہے۔نفل ہوں یا فرض ہوں دونوں اس میں داخل ہیں۔۳۔بعض راویوں نے یہ آخری حصہ قیاس کر کے خود ہی بڑھا دیا اصل حدیث میں لیٹنے کا ذکر نہیں ہے۔۴۔پہلے معذور کو لیٹ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملتا تھا۔پھر یہ حکم نازل ہو گیا کہ پورا ثواب ملے گا تو یہ روایت نسخ سے قبل پر محمول ہے۔

باب صلوٰۃ القاعد بالا یماء

غرض یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا بلا عذر بھی اشارہ سے رکوع سجدہ کر سکتا ہے۔لیکن امام بخاری کا یہ مسلک جمہور کے مسلک کے خلاف ہے۔جمہور ائمہ کے نزدیک جو رکوع سجدہ پر قادر ہو وہ فرض اور نفل دونوں رکوع سجدہ سے ہی پڑھے گا اشارہ سے نماز نہ ہوگی۔استدلال امام بخاری کا یوں ہے کہ جب لیٹنے والا رکوع سجدہ کی جگہ اشارہ کر سکتا ہے تو بیٹھنے والا بھی کر سکتا ہے۔جواب یہ ہے کہ وہ معذور ہے اور کلام غیر معذور میں ہو رہی ہے۔غیر معذور کو معذور پر قیاس نہیں کر سکتے۔

باب اذا لم یطق قاعداً صلی علی جنب

غرض یہ ہے کہ معذور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر بھی پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔

باب اذا صلی قاعداً ثم صح اووجد خفتۃً تمّم مابقی

غرض امام محمد پر رد ہے کہ ان کے نزدیک پہلے نماز بیٹھ کر پڑھتا ہو پھر کھڑے ہونے کی طاقت آ جائے تو پہلی نماز پر بنا نہیں کر سکتا بلکہ شروع سے نماز پڑھے امام ابوحنیفہ اور جمہور اور امام بخاری کے نزدیک بنا کرنا اور کھڑے ہو کر باقی رکعتیں پڑھ لینا جائز ہے ولنا۔ **حدیث الباب عن عائشته مرفوعاً فکان یقرأ قاعداً حتی اذا ارادان یرفع قام فقرانحواً من ثلاثین آیته اواربعین آیۃً ثم رکع و لمحمد** ادنی پر اعلی کی بنا نہیں ہو سکتی۔جواب۔حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہو سکتا۔پھر یہ کھڑا ہونا فرائض میں واجب اور ضروری ہے نفلوں میں مستحب ہے۔

کتاب التہجد:۔غرض ایسی کتاب کا بیان ہے جس میں تہجد کے احکام اور فضائل ہیں۔یہ بمنزلہ جنس کے ہے اس میں احکام بمنزلہ انواع کے ہیں۔ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے ایک نوع تھی نماز کی سفر کی نماز اب دوسری نوع ہے نماز کی تہجد پھر وتر اور تہجد کو الگ الگ بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امام بخاری کے نزدیک وتر تہجد سے الگ درجہ رکھتے ہیں جس کو حنفیہ وجوب کا درجہ کہتے ہیں۔پھر تہجد انتہائی لذیذ عبادت ہے لیکن اس شخص کے لئے جس نے ایمان کی حلاوت کو حاصل کیا ہو اس کو سحری کے وقت تنہائی میں مولائے کریم کی چاپلوسی میں لطف آتا ہے۔

باب التهجد بالليل

اور ایک نسخہ میں من اللیل بھی ہے یہ قرآن پاک کے زیادہ مطابق ہے **ومن اللیل فتهجد به نافلتۃً لک**، پھر تہجد

افضل صلوٰۃ بعد الفریضۃ ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ پھر تہجد ہجود سے ہے جس کے معنیٰ نیند کے ہیں تہجد کے معنیٰ ترک نوم کے ہو گئے جیسے تاثم کے معنیٰ ترک اثم کے ہیں۔ حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ نافلۃ لک میں یہ اشارہ بھی ہے کہ تہجد اکیلے اکیلے ہی پڑھنی چاہئے اور تداعی مکروہ ہے۔ کیونکہ نفل انفرادی غنیمت کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں غنیمت کا اطلاق اجتماعی غنیمت پر ہوتا ہے۔ پھر اس باب کا مقصد تہجد کی مشروعیت اور استحباب کا بیان ہے۔ تصریح یہاں نہیں فرمائی یہاں اجمالاً حکم بتلا رہے ہیں اور آگے عدم وجوب کی تصریح کر دینگے کہ امت پر واجب نہیں ہے۔ پھر ایک شاذ قول امت پر فرضیت کا بھی ہے جو بعض متقدمین کی طرف منسوب ہے لیکن اس کو شاذ ہی شمار کیا گیا ہے جمہور کے نزدیک مستحب ہے فرض نہیں ہے۔ نور السمٰوات والارض تقدیر عبارت یوں ہے انت نور السموٰت والارض معنیٰ میں دو احتمال ہیں۔ ۱۔ آپ نور ہدایت ہیں جو ہدایت لینا چاہے اس کو ہدایت دیتے ہیں۔ ۲۔ آپ نے ہی سب کو وجود دیا ہے اور دیتے ہیں۔

باب فضل قیام اللیل

یعنی اس کا ثواب باقی نفلوں سے زائد ہے یہی غرض ہے۔ اس باب کی کہ یہ بات بتلا دی جائے کہ اس عبادت کا درجہ باقی نفلی نمازوں سے اونچا ہے دلیل۔ ۱۔ فی مسلم مرفوعاً افضل الصلوٰۃ بعد الفریضۃ صلوٰۃ اللیل۔ ۲۔ زیر بحث باب کی حدیث جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نماز عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ ۳۔ ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک عسی ان یبعثک ربک مقاماً محمودا۔ ۴۔ تتجافی جنوبھم عن المضاجع الی قولہ تعالیٰ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین یعنی چھپ کر عبادت کرنے کا بدلہ بھی چھپا ہوا ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ پھر اس حدیث کے مضمون میں حضرت ابن عمر کے لئے صلوٰۃ اللیل کی تاکید اس لئے بھی زیادہ ہوگئی کہ وہ مسجد میں سوتے تھے اس کا حق بھی تھا کہ عبادت زیادہ کریں۔

باب طول السجود فی قیام اللیل

غرض یہ ہے کہ سجدہ کا لمبا ہونا زیادہ ثواب کا ذریعہ ہے بنسبت طول قیام کے وجہ ۱۔ اس میں دعاء قبول ہوتی ہے۔ ۲۔ اس میں عاجزی زیادہ ہے یعنی اظہار تواضع۔ ۳۔ اس میں قرب زیادہ ہے کیونکہ حدیث مرفوع میں ہے اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد اور سورہ علق کی آخری آیت سجدہ والی کا مضمون بھی یہی ہے لیکن حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے استاد محمد یعقوب صاحب کی تحقیق یہ تھی کہ جس موقعہ میں ایسی چیزوں میں سے طبیعت کا میلان جس عمل کی طرف زیادہ ہو وہی اس وقت افضل ہوتا ہے کیونکہ شوق کی وجہ سے زیادہ توجہ اور خشوع وخضوع سے وہ عبادت کرے گا تو کیفیات کے عمدہ ہونے کی وجہ سے ثواب بڑھ جائے گا۔

باب ترک القیام للمریض

غرض یہ ہے کہ مرض کی وجہ سے قیام چھوڑنے میں کچھ کراہت نہیں یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔

ماودّعک ربک و ما قلیٰ

سوال۔ اس روایت کا باب سے تعلق نہیں۔ جواب یہ روایت گذشتہ روایت کا تتمہ ہے جس میں مذکور ہے۔ کہ بیماری کی وجہ سے ایک دو راتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد نہ پڑھ سکے مزید تفصیل کتاب التفسیر اور فضائل القرآن میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صلوٰۃ اللیل والنوافل من غیر ایجاب

اس باب کی دو غرضیں ہیں ایک شوق دلانا یہ حضرت عائشہ والی روایت سے ظاہر ہے کہ محبت تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام اللیل سے لیکن خوف وجوب کی وجہ سے چھوڑ دی دوسری غرض عدم وجوب کا بیان ہے اور یہ بات اِس باب کی چاروں حدیثوں سے بالکل ظاہر ہے۔

یاربُّ کا سیتہ: ای یا قوم رُبَّ کاسیۃ الخ ماذا انزل من الخزائن:۔ اشارہ ہے کہ جو غفلت چھوڑتا ہے وہ خزانے

پاتا ہے اور فتنوں سے بچتا ہے لان العطایا علی متن البلایا۔

۔الالایحبون اخوالبلیته فللرحمن لطائف خفیه

یضرب فخذه : یہ ضرب فخذ اظہار تاسف کے طور پر تھا کیونکہ قضا کا حوالہ دار التکلیف میں صحیح نہیں ہے اور کافی نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام نے جو موسیٰ علیہ السلام کو چپ کرانے کے لئے تقدیر کا حوالہ دیا تھا تو وہ عالم برزخ میں تھا اللہ تعالیٰ کے ہاں عذر نہیں تھا اسی لئے دنیا میں یہی عرض کیا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین. پھر حضرت علی کا مقصد معارضہ کرنا نہ تھا بلکہ اپنی کمزوری اور عذر کا ذکر تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو کافی شمار نہ فرمایا اسی لئے اعراض فرمایا جو علامت تھی۔ اس بات کی کہ یہ عذر کافی نہیں ہے۔ **خشیتُ ان تفرض**:. سوال سنن موکدہ پر تو دوام فرمایا ہے وہ کیوں فرض نہ ہوگئیں جواب۔ یہ بات وحی سے معلوم ہوگئی تھی کہ فلاں نماز دوام سے فرض ہوگی فلاں نہ ہوگی۔

باب قیام النبی صلی الله علیه وسلم حتی ترم قد ماه

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی کیفیت بتلانی ہے کہ اتنا قیام فرماتے تھے کہ پاؤں مبارک پر ورم آ گیا تھا وجہ ۔ا۔ غلبہ شوق محبت ۔۲۔ خوف عظمۃ ۳۔ شکر نعمت ہمارے لئے بھی افضل تو کثرت عبادت ہی ہے اعتدال کے ساتھ گو قلت کی بھی گنجائش ہے۔ **عبداً شکورا**:۔ یعنی عبدیت چاہتی ہے شکر کو۔ **باب من نام عند السَحَر**:۔ غرض یہ کہ ایسا شخص محبوب عند اللہ ہے کیوں ۔ا۔ تا کہ دن کے اعمال میں نشاط ہو۔۲۔ سونے سے پہلے جو عبادت کی ہے وہ مخفی رہے **احب الصلوٰۃ الی الله صلوٰۃ داؤد**:۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں حق اللہ کی بھی رعایت ہے اور حق نفس کی بھی رعایت ہے۔ اور روزہ میں چونکہ دو حصے نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے ایک دن روزہ ایک دن افطار اختیار فرمایا۔ **اذا سمع الصارخ**:. صارخ مرغے کو کہتے ہیں یہ آخری تیسرے حصہ کے شروع میں اذان دیتا ہے۔ **ما الفاه السَحَرُ عندی الا نائما**:. یہ حضرت عائشہ کا ارشاد ہے اس میں السَحَرُ مرفوع ہے فاعلیت کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سحری کا وقت نہیں پاتا تھا مگر سویا ہوا یعنی تہجد پڑھنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر آرام فرماتے تھے۔

باب من تسحر ثم قام الی الصلوٰۃ فلم ینم حتی صلی الصبح

غرض یہ ہے کہ رمضان المبارک میں سحری کھا کر فجر کی نماز تک نہ سونا بھی سنت کے مطابق ہے۔

باب طول الصلوٰۃ فی قیام اللیل

غرض یہ کہ تہجد اور صلوٰۃ اللیل کو لمبا کرنا مستحسن ہے مرفوع حدیث میں یوں ہے افضل الصلوٰۃ طول القیام جس پر شوقِ ملاقات غالب ہو وہ قیام لمبا کرے اور جس پر تذلل اور شوق تقرب اور استجابتہ دعاء کا غلبہ ہو وہ سجدہ لمبا کرے ولکل وجهتہ ھو مولیھا یہ رائے تو حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور ان کے استاد محترم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے دیکھی جائے تو احقر محمد سرور عفی عنہ یوں تطبیق عرض کرتا ہے کہ جس رات ملاقات محبوب کا شوق غالب ہو اس رات تلاوت اور قیام لمبا کرے اور جس رات تواضع کا غلبہ ہو سجدے زیادہ یا لمبے کرے۔

کان اذا قام للتهجد من اللیل یشوص فاه بالسواک

سوال یہ روایت باب کے مناسب نہیں ہے جواب۔ا۔ یہ کسی کاتب کی غلطی ہے کہ اس روایت کو اس باب میں ذکر کر دیا۔۲۔ امام بخاری اپنی کتاب کی ابھی مزید تہذیب کرنا چاہتے تھے لیکن وفات ہوگئی نہ کر سکے یہ مقام بھی تہذیب کا اور صحیح ترتیب کا محتاج رہ گیا۔۳۔ ایک روایت مسلم شریف میں حضرت حذیفہ سے ہی

ہے اس میں طول صلوٰۃ اللیل کا بھی ذکر ہے اس روایت کی طرف اشارہ فرمانا مقصود ہے لائے نہیں کیونکہ ان کی شرط پر نہ تھی۔ ۴۔ مسواک کرنا یہ لمبی نماز کی تیاری پر دلالت کرتا ہے اس مناسبت سے رات کو لمبی نماز پڑھنے کے باب میں مسواک والی روایت کو لے آئے۔ ۵۔ امام بخاری نے یہاں حدیث سے پہلے جگہ خالی چھوڑی تھی تا کہ یہاں نیا ترجمۃ الباب لکھ سکیں۔ لیکن لکھنے کا موقعہ نہ ملا اس لئے وفات کے بعد یہ روایت گذشتہ باب ہی میں شمار کر لی گئی۔ ۶۔ اس حدیث سے استدلال مقصود نہیں ہے معمولی مناسبت کی وجہ سے یہاں ذکر کر دی گئی ہے اور معمولی مناسبت یہ ہے کہ رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے۔ تو مسواک بھی فرماتے تھے۔ مسواک کے بعد تہجد ہوتی وہ عموماً لمبی ہوتی تھی اور لمبی ہونے کی وجہ زیادہ تر طول قیام ہی تھی اس لحاظ سے طول قیام کے باب میں یہ روایت لے آئے اس تقریر سے دونوں نسخوں کے ساتھ یہ روایت معمولی مناسبت رکھتی ہے وہ دو نسخے یہ ہیں۔ ۱۔ باب طول الصلوٰۃ فی قیام اللیل ۲۔ باب طول القیام فی صلوٰۃ اللیل۔

باب كيف صلوة الليل وكيف كان النبی صلی الله عليه وسلم يصلی من الليل

غرض گنتی اور کیفیت بتلانا ہے کہ دو دو کی نیت فرماتے تھے یا چار کی اور مع الوتر یا بلا وتر۔ پھر کمیت یعنی گنتی میں کمی بیشی کی وجہ یہ تھی کہ کبھی طبیعت میں نشاط ہوتا کبھی نہ کبھی بیماری ہوتی کبھی نہ کبھی رات لمبی ہوتی کبھی نہ کبھی سفر کی وجہ سے تھکاوٹ ہوتی کبھی نہ۔ پھر گنتی میں ۱۷ والی روایتیں نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے ۷ سے ۱۵ تک منقول ہیں ۱۵ کی صورت یہ تھی کہ پہلے دو رکعت ہلکی پھر ۸ پھر ۳ پھر ۲ اور کل سات یہ اخیر عمر میں ضعف پر محمول ہیں ۴ پھر

باب قيام النبی صلی الله عليه وسلم بالليل و نومه و مانسخ من قيام الليل

غرض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات بھی بیداری نہ فرماتے تھے اور پوری رات نوم بھی نہ فرماتے تھے تا کہ اللہ تعالیٰ کا حق اور نفس کا حق دونوں ادا ہو جائیں اور تا کہ تھکاوٹ اور سستی نہ پیدا ہو اور ساتھ ساتھ اسی باب میں منسوخ ہونے کا بھی ذکر ہے پھر من قیام اللیل کی وضاحت میں دو قول ہیں۔ ۱۔ یہ من بیانیہ ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے جو بیان فرمادیا کہ قیام اللیل کا جوب کلی طور پر منسوخ ہے اور اب تہجد میں سے کچھ بھی واجب نہیں۔ ۲۔ یہ من تبعیضیہ ہے کچھ نہ کچھ تہجد باقی ہے اور یہی مسلک حسن بصری اور ابن سیرین کا ہے اور اسی طرف امام بخاری اور حضرت انور شاہ صاحب کا میلان ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے **فاقرءوا ماتيسر من القرآن۔ يايها المزمل**:۔ وحی کے پہلے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا تھا زملونی زملونی اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے **قال ابن عباس نشاء قام بالحبشية**:۔ اس کو توافق اللغتین کہتے ہیں۔

باب عقد الشيطان علی قافية الراس اذالم يصل بالليل

غرض یہ ہے کہ تہجد نہ پڑھنے والا ست رہتا ہے پھر اس ترجمۃ الباب میں جولم یصل ہے اس میں کونسی نماز مراد ہے دو قول ہیں۔ ۱۔ صلوٰۃ اللیل ۲۔ صلوٰۃ العشاء پہلا قول لیں تو اسی بات کی تائید ہو جائے گی کہ امام بخاری کے نزدیک کچھ نہ کچھ صلوٰۃ اللیل ضروری ہے۔ فان صلی:۔ اس حدیث کے سب طریق غور سے دیکھنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں صلوٰۃ اللیل ہی مراد ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں بھی پہلا قول ہی راجح ہے پس امام بخاری جمہور کے خلاف کچھ نہ کچھ صلوٰۃ اللیل واجب ہونے کی تائید ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے ارشاد فاقروا ما تیسر من القرآن میں مادہ تیسر جمہور کی تائید کرتا ہے معلوم ہوا کہ امر استحبابی ہے کیونکہ وجوب تو تعسر کو مستلزم ہے۔

اما الذی يثلغ راسه بالحجر فانه يا خذالقران فير فضه وينام عن الصلوة المكتوبه

یثلغ کے معنیٰ یکسر کے ہیں امام بخاری کا مقصد اس باب میں

اس حدیث کے لانے سے صلوٰۃ اللیل کا وجوب ثابت کرنا ہے لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے جمیع طرق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا سر عالم برزخ میں توڑا جاتا تھا اس کا مصداق وہ شخص تھا جس میں تین عیب تھے۔۱-صلوٰۃ اللیل نہ پڑھنا' ۲-فرض نماز نہ پڑھنا۔۳-دن میں قرآن کے خلاف عمل کرنا اس لئے اس روایت سے صلوٰۃ اللیل کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ پھر آگے عنقریب ایک روایت میں صلوٰۃ اللیل نہ پڑھنے والے کے کان میں شیطان کا پیشاب کرنا بھی آتا ہے وہ بھی تلعب شیطان پر دال ہے اس سے بھی وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

باب اذا نام ولم یصل بال الشیطان فی اذنه

غرض غافل کو تنبیہ کرنا ہے کہ غافل کی شیطان توہین کرتا ہے پھولوں کی صورت کیا ہے۔۱-حقیقت پر محمول ہے۔۲-استعارہ تمثیلیہ ہے غفلت سے۔ پھر استدلال کرنا اس حدیث سے صلوٰۃ اللیل کے وجوب پر اس کا جواب گذشتہ باب میں گزر چکا ہے کہ یہ صرف تلعب شیطان ہے اور اظہار غفلت ہے اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

باب الدعاء فی الصلوٰۃ من آخر اللیل

غرض اخیر رات کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ وہ مخلصین کی عبادت کا وقت ہے اور نزول رحمت کا وقت ہے۔

ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کل لیلته الیٰ السماء الدنیا

اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔۱-قال ابوحنیفۃ ہم نزول کو مانتے ہیں لیکن اس کی کیفیت نہیں جانتے۔اس قول کی شرح یہ ہے کہ نزول ضرور ہوتا ہے لیکن اس کی صورت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہے کیونکہ ہر چیز کا آنا اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے جمعہ کا دن آیا اس کی صورت الگ ہے۔ زید آیا اس کی صورت الگ ہے گاڑی میں بیٹھے ہوتے ہیں کہتے ہیں لاہور آگیا اس کی صورت الگ ہے۔ دوست کا خیال آیا اس کی صورت الگ ہے۔ زخمی مسافر کو دیکھ کر مجھے رحم آگیا اِس رحم کی آنے کی صورت الگ ہے۔زید کے گھر خوبصورت بیٹا آگیا۔ اس کی صورت الگ ہے۔اسی طرح امام صاحب کے ارشاد میں حق تعالیٰ کا آنا اُن کی شان کے مناسب ہے۔ جس کو ہم نہیں جانتے ۔۲-اللہ تعالیٰ کا اہل دنیا کی طرف خصوصی توجہ سے متوجہ ہونا۔۳-اللہ تعالیٰ کے کسی امر کا نازل ہونا۔۴-اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نازل ہونا۔۵-اللہ تعالیٰ کے خصوصی فرشتوں کا نازل ہونا۔۶-تجلی ربوبیت کا نازل ہونا۔ ۷-یہ متشابہات میں سے ہے ہمیں اس کے معنیٰ نہیں دیئے گئے۔

باب من نام اول اللیل واحیا آخره

غرض اس عمل کی فضیلت ہے کہ شروع رات میں سو جائے اور اخیر رات میں عبادت کرے۔

باب قیام النبی صلی الله علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیره

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز عموماً رمضان اور غیر رمضان میں ایک جیسی تھی البتہ نادراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات بھی عبادت فرماتے تھے جیسے اعتکاف کی راتیں۔

باب فضل الطهور باللیل والنهار وفضل الصلوٰۃ بعد الوضوء باللیل والنهار

غرض۔۱-ہمیشہ باوضوء رہنے کی فضیلت۔۲-تحیۃ الوضوء کی فضیلت اور تحیۃ الوضوء کی حکمت یہ ہے کہ وضوء اپنے مقصد سے خالی نہ رہے۔

سمعتُ دفّ نعلیک بین یدیّ فی الجنته

بطور کشف کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا گیا کہ آپ کا خادم بلال جنت میں بھی خادمانہ طور پر آپ کے آگے آگے ہوگا جیسے سواری کو آگے سے پکڑ کر خادم لے جاتے ہیں۔اس میں اظہار ہے کہ حضرت بلال دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی خادم رہے ہیں۔اِسی بناء پر بعض نے کہہ دیا کہ قیامت کے بعد جس انسان کا قدم سب سے پہلے جنت میں پڑے گا وہ حضرت بلال ہو

نکے۔شیخ عطار فرماتے ہیں کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی بلندی بھی ظاہر ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تو مقام مقدس میں جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کو بھی جوتے اتارنے کا حکم نہیں دیا گیا واللہ اعلم برموز احکامہ

باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ

غرض زیادہ مشقت کا مکروہ ہونا ہے۔ کیوں۔ متعدد وجوہ ہیں ۔ا۔اس سے چند دن بعد عبادت کا چھوڑنا لازم آئے گا۔۲۔ لا تغلوا فی دینکم کے خلاف ہے۔۳۔ وماجعل علیکم فی الدین من حرج کے خلاف ہے۔۴۔ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا کے خلاف ہے۔ البتہ بعض خواص اس سے مستثنیٰ ہیں جن کے لئے عبادت قرۃ عینین ہے انہی کے متعلق ارشاد ہے قلیلاً من اللیل ما یھجعون

باب مایکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ

غرض قیام اللیل شروع کر کے چھوڑ دینے کی مذمت وکراہت ہے کیونکہ یہ اعراض ہے۔ باب: گذشتہ باب کا تتمہ ہے۔ ھجمت عینک: دو معنی کئے گئے۔ا۔ غارت نیچے چلی گئی آپ کی آنکھیں۔۲۔ کمزور ہو گئیں۔ نفھت نفسک: تھک گیا آپ کا نفس۔

باب فضل من تعارّ من اللیل فصلّٰی

تعارّ کے معنی ۔ا۔ چیخ ماری۔۲۔ جاگا اور پلٹیاں کھاتا رہا اور بولتا رہا غرض یہ ہے کہ جو دعاء کے ساتھ چیختا ہوا اٹھتا ہے اس کی دعاء قبول ہوتی ہے اِس چیخنے کے لفظ میں حکمت یہ ہے کہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس کی عادت ہی کثرتِ دعاء اور کثرتِ ذکر کی ہوتی ہے اِسی لئے نیند سے چیختا ہوا اٹھتا ہے۔

باب المداومۃ فی رکعتی الفجر

غرض فجر کی سنتوں کی فضیلت کا بیان ہے۔ ربط ما قبل سے کیا ہے اس میں دو قول ہیں ۔ا۔ تہجد کی احادیث سے فارغ ہو کر اب سنن رواتب شروع فرما رہے ہیں اور ان میں سب سے اونچا مرتبہ فجر کی سنتوں کا ہے اس لئے ان کو سب سے پہلے ذکر فرمایا۔
۲۔ پیچھے تہجد کا ذکر تھا۔ اب سنن رواتب کا ذکر ہے جو فرضوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ فجر کی دو سنتیں تہجد کے فوراً بعد آتی ہیں اِس وقتی اتصال کی وجہ سے فجر کی سنتوں کو تہجد کے فوراً بعد ذکر فرمایا۔

باب الضجعہ علی الشق الایمن بعد رکعتی الفجر

الضجعۃ کسرہ کے ساتھ ہیئت کے معنیٰ میں آتا ہے اور فتحہ کے ساتھ مرّہ کے معنیٰ میں آتا ہے غرض یہ ہے۔ کہ دو رکعت کے بعد لیٹنا جائز ہے۔ اِس لیٹنے میں اختلاف یوں ہے۔ کہ عند امامنا ابی حنیفۃ مباح ہے وعند مالک مکروہ ہے وعند الشافعی واحمد مسنون ہے ولنا روایتہ البخاری وابی داؤد عن عائشتہ مرفوعاً اذاصلی رکعتی الفجر فان کنتُ نائمتہ اضطجع وان کنت مستیقظتہ حدثنی ولمالک فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود موقوفاً مابال الرجل اذا صلی رکعتین تیمعک کما تتمعک الدابتہ او الحمارا ذا سلم فقد فصل جواب سختی کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے غیر سنت کو سنت کہنا شروع کر دیا تھا۔ وللشافعی روایۃ ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً اذا صلی احد کم الرکعتین قبل الصبح فلیضطجع علی یمینہ۔ جواب دنیوی آسانی کے لئے لیٹنے کا امر فرمایا ہے عبادت کے طور پر یہ لیٹنا نہیں ہے اس لئے لیٹنے کو عبادت اور سنت سمجھنا صحیح نہیں اسی لئے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لیٹتے تھے کبھی نہیں اگر یہ عبادت میں داخل ہوتا تو بلا عذر نہ چھوڑتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت پر بہت حریص تھے۔

باب من تحدث بعد الرکعتین ولم یضطجع

غرض اُن ائمہ پر رد کرنا ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ یہ لیٹنا فصل کے لئے ہے اس لئے سنت ہے وجہ رد کی یہ ہے کہ فصل کے لئے لیٹنا ضروری نہیں ہے بات کرنے سے اور جگہ بدلنے سے بھی تو فصل ہو جاتا ہے اس باب

اور گذشتہ باب کو ملانے سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام بخاری نے حنفیہ کی موافقت فرمائی ہے واللہ اعلم۔

باب ماجاء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ

غرض یہ ہے کہ دن رات میں دو رکعت سے زائد نفل ایک نیت سے نہ پڑھنے چاہئیں لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری اِس باب میں جو روایتیں لائے ہیں وہ کافی نہیں ہیں کیونکہ ان میں تو صرف دو رکعت پڑھنی ہی مقصود تھیں اگر یوں ہوتا کہ چار کا ارادہ ہو پھر دو دو پڑھی جائیں تو استدلال مناسب تھا۔

قال محمد ویذکر ذلک عن عمار

یہاں محمد سے مراد خود امام بخاری ہی ہیں۔

یعلمنا الا ستخارۃ فی الا مور کلھا

یعنی جس کام کی دونوں جانبین جائز ہوں پھر استخارہ میں خواب کا آنا ضروری نہیں ہوتا صبح اُٹھ کر جو رائے غالب ہو اس پر عمل کرنے سے برکت ہوتی ہے۔

باب الحدیث یعنی بعد رکعتی الفجر

غرض یہ ہے کہ فجر کی دو سنت پڑھنے کے بعد فرضوں سے پہلے گفتگو جائز ہے۔

قلت لسفیان قال بعضھم یرویہ رکعتی الفجر

اس عبارت میں بعضھم کا مصداق امام مالک ہیں جیسا کہ دارقطنی میں تصریح ہے۔ اور یرویہ کے معنیٰ مرفوعاً بیان کرنا ہے۔ یعنی اس روایت میں رکعتین کی جگہ رکعتی الفجر ہے۔

باب تعاھد رکعتی الفجر ومن سماھما تطوعا

غرض اظہار تردد ہے کہ فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعت سنت موکدہ ہیں جیسا کہ جمہور کا قول اور حنفیہ کا مفتیٰ بہ قول ہے اور اس کی طرف اشارہ تطوع کا اطلاق کر کے فرمایا یہ دو رکعتیں واجب ہیں جیسا کہ ہمارے امام ابو حنیفہ کی ایک شاذ روایت ہے۔ تعاھد کے لفظ میں امام بخاری وجوب کی طرف اشارہ فرمار ہے ہیں بہر حال امام بخاری اِس مسئلہ میں تردد کا اظہار فرمار ہے ہیں فیصلہ نہیں فرمایا۔ راجح جمہور کا اور حنفیہ کا مفتیٰ بہ قول ہی ہے کہ سنت موکدہ کا درجہ ہے۔

باب ما یقرأ فی رکعتی الفجر

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ فجر کی سنتوں میں قرأت مختصر ہی ہونی چاہئے۔

باب التطوع بعد المکتوبۃ

غرض اُن سنن کی تفصیل ہے جو فرائض کے بعد ثابت ہیں۔ ان سنن میں حکمت یہ ہے کہ فرائض میں اگر کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو اس کا تدارک ہو جائے سوال۔ باب میں صرف بعد کا ذکر ہے حالانکہ حدیث میں تو پہلے کا بھی ذکر ہے۔ جواب۔ا۔ زیادہ ضرورت تدارک کی فرائض کے بعد پیش آتی ہے اس لئے بعد کی تصریح فرمائی اہمیت کی وجہ سے۔۲۔ یہاں صنعت اکتفاء ہے کہ ایک ضد یا ایک مناسب کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ دوسری ضد یا دوسرا مناسب سامعین خود ہی سمجھ جائینگے جیسے حق تعالےٰ کا ارشاد ہے وجعل لکم سرابیل تقیکم الحرای والبرد۔۳۔ بعدیۃ شرافت میں ہے کہ سنتوں کا درجہ فرضوں سے کم ہے۔۴۔ بعدیۃ کے معنیٰ تبعیۃ کے ہیں کہ سنتیں فرضوں کے تابع ہیں۔۵۔ یہاں بعد المکتوبہ کا بیان ہی مقصود ہے۔ آگے قصداً قبل المکتوبہ بیان کرینگے۔

باب من لم یتطوع بعد المکتوبۃ

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ بعض دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں چھوڑی بھی ہیں تا کہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ واجب نہیں ہیں۔

باب صلوٰۃ الضحی فی السفر

غرض یہ ہے کہ یہ نماز ضحیٰ کی ایسی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی اور کبھی کبھی سفر میں پڑھی ہے اور اس پر دوام حضر میں چھوڑا ہے اِس ڈر سے کہ امت پر فرض نہ ہو جائے۔ سوال۔ اس باب کی دو روایتوں میں تعارض ہے کیونکہ ایک میں ضحیٰ کا اثبات ہے اور ایک میں نفی ہے جواب۔ اثبات کبھی کبھی پڑھنے کا ہے اور

نفی دوام کی ہے۔ سوال حضرت ابن عمر سے ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ صلوٰۃ الضحیٰ بدعت ہے جواب۔ ا۔ اس کے وجوب کا اعتقاد بدعت ہے۔ ۲۔ مسجد میں اظہار اور دکھاوے کی نیت سے پڑھنا بدعت ہے کیونکہ نوافل میں اصل یہی ہے۔ کہ گھر میں پڑھے جائیں۔ پھر حضرت انور شاہ صاحب نے ایسے موقعہ میں یہ تحقیق فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ ایک کام کا شوق دلاتے تھے لیکن خود وہ کام نہ کرتے تھے اس نہ کرنے میں کوئی حکمت اور اشارہ غیبیہ ہوتا تھا جیسے اذان کی فضیلت تو مذکور ہے لیکن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان دینا ثابت نہیں ہے کیونکہ نبوت کے زیادہ مناسب امامت تھی اذان نہ تھی۔ ایسے ہی صلوٰۃ ضحیٰ کا معاملہ ہے کہ ترغیب دی ہے اور خود بہت کم پڑھی ہے۔

باب من لم یصل الضحیٰ وراہ واسعاً

غرض یہ ہے کہ جو شخص ضحیٰ کے نوافل نہ بھی پڑھے اس کے لئے بھی گنجائش ہے اور سنت سے اس کی اصل ثابت ہے مَن کی جزاء محذوف ہے فلہ اصل من السنۃ۔ پھر یہ باب باندھ کر جو حدیث لائے ہیں اُس حدیث کے لانے میں یہ اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ پڑھنے سے چھوڑنا اولیٰ نہ بن گیا بلکہ پڑھنا اولیٰ بنا اور تاکید ثابت ہوئی کیونکہ حضرت عائشہؓ اہتمام فرماتی تھیں معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوڑنا فرض ہونے کے ڈر سے تھا اس لئے اِس چھوڑنے سے تاکید بڑھ گئی کم نہ ہوئی۔

باب صلوٰۃ الضحیٰ فی الحضر

غرض یہ ہے کہ حضر میں بھی مستحب ہے اور مسنون ہے سنت غیر موکدہ کے درجہ میں۔ باب الرکعتین قبل الظہر:۔ غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے رواتب بعد الفرائض کا ذکر تھا اب قبل الفرائض کا ذکر ہے۔ سوال اس باب کی دوسری روایت میں ظہر سے پہلے چار رکعات مذکور ہیں اس لئے باب کے مناسب نہ ہوئی کیونکہ باب میں دو رکعتیں ظہر سے پہلے مذکور ہیں جواب۔ امام بخاری کے نزدیک ظہر سے پہلے ہیں تو چار رکعتیں لیکن دو موکدہ ہیں دو غیر موکدہ ہیں۔ باب میں موکد کا ذکر ہے اور روایت میں موکد اور غیر موکد ملا کر کل چار رکعتیں مذکور ہیں اِس لئے دوسری روایت باب کے مطابق ہے۔ جمہور ائمہ کے نزدیک چار رکعتیں موکد ہیں۔ دو کا ثبوت بہت کم ہے اس لئے دو کو سنت نہ کہینگے۔

اختلاف:۔ عند امامنا ابی حنیفۃ ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ سنت موکدہ ہیں وعند الجمہور دو سلاموں کے ساتھ سنت موکدہ ہیں۔ ولنا۔ ا۔ **روایۃ ابی داؤد عن عائشۃ مرفوعاً کان یصلی قبل الظھر اربعاً. ۲. فی ابی داؤد عن ام حبیبتہ مرفوعاً من حافظ علی اربع قبل الظھر واربع بعد ھا حرّم علی النار. ۳. فی ابی داؤد عن ابی ایوب مرفوعاً اربع قبل الظھر لیس فیھن تسلیم تفتح لھن ابواب السماء** یہ تیسری روایت اگرچہ سند کے لحاظ سے کمزور ہے لیکن پہلی دو دلیلوں کی تائید کے لئے کافی ہے اصل پہلی دو روایتیں ہیں وللجمہور **روایتہ ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً صلوٰۃ اللیل والنھار مثنیٰ مثنیٰ.** جواب۔ ا۔ اس روایت کے فوراً بعد ابو داؤد میں روایت ہے عن المطلب مرفوعاً الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ ان تشھد فی کل رکعتین معلوم ہوا کہ مثنیٰ مثنیٰ کے معنیٰ درمیان میں تشہد پڑھنا ہے۔ ۲۔ قال النسائی نھار کی زیادتی کسی راوی کی خطا ہے چنانچہ صحیحین میں صرف یہ ہے صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ۔

باب الصلوٰۃ قبل المغرب

غرض مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کا حکم بیان کرنا ہے۔ سوال۔ امام بخاری نے صلوٰۃ قبل العصر کے لئے باب کیوں نہ باندھا حالانکہ ابو داؤد۔ ترمذی اور مسند احمد میں ہے **عن ابی ھریرۃ مرفوعاً رحم اللہ امرأً صلّٰی قبل العصر اربعاً** جواب۔ یہ روایت امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لائے۔

اختلاف:۔ فی روایۃ عن احمد دو رکعت قبل المغرب مسنون ہیں اور عند الجمہور مسنون نہیں ہیں اور یہی دوسری روایت ہے امام احمد سے لنا **روایتہ ابی داؤد عن ابن عمر**

مارایتُ احداً علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلیهما ولا حمد روایت الباب عن عبد الله المزنی مرفوعاً صلوا قبل صلوٰة المغرب قال فی الثالثته لمن شاء کراهیة ان یتخذها الناس سنة

جواب ۔ا۔ منسوخ ہے جیسا کہ ابن شاہین نے تصریح کی ہے۔۲۔ تعامل سلف صالحین حضرت ابن عمر کی روایت کے لئے مرجح ہے۔۳۔ سند حضرت ابن عمر والی روایت کی اقویٰ ہے۔ سوال۔ ابوداؤد کی روایت بخاری شریف کی روایت سے زیادہ قوی کیسے ہوگئی۔ جواب۔ بخاری شریف پوری کتاب ابو داؤد پوری کتاب سے زیادہ صحیح ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ بخاری شریف کی ہر ہر روایت ابوداؤد کی ہر ہر روایت سے اقوی ہے سند کے لحاظ سے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ ابن عمر والی یہ روایت عبد اللہ مزنی والی بخاری شریف کی روایت سے اقوی ہے۔ مسنداً۔

خاتمہ ایمان پر حاصل کرنے کی تدبیریں

ا۔ اِس باب کی شرح میں جو یہ روایت نقل کی گئی ہے مرفوعا رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعاً اس سے اکابر نے یہ استنباط بھی فرمایا ہے کہ عصر سے پہلے چار سنت غیر موکدہ کا اہتمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی دعاء رحمت کا سبب ہے اس لئے جو شخص عصر کی اِن چار سنتوں کا اہتمام کرے گا امید ہے کہ اس کا خاتمہ اچھا ہوگا اس کے علاوہ۔۲۔ خاتمہ علی ایمان کی دوسری تدبیر لا الہ الا اللہ کا کثرت سے ورد ہے تھوڑے تھوڑے سے وقفہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملاتا رہے۔ جب کلمہ طیبہ کا ورد کثرت سے ہو گا تو کلمہ طیبہ رگ وریشہ میں سرایت کر جائے گا تو امید غالب یہی ہے کہ اخیر وقت میں کلمہ طیبہ ضرور زبان پر جاری ہوگا اور حدیث پاک میں ہے من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنتہ۔۳۔ اعمال کا پورا اہتمام خاتمہ بالخیر کی سب سے بڑی تدبیر ہے کیونکہ عمل کے بغیر ایمان کھلے میدان میں چراغ رکھ دینے کی طرح ہے اعمال ایمان کے محافظ ہیں جیسے چمنی اور کمرہ چراغ کی حفاظت کرتے ہیں اس لئے اعمال کی برکت سے ایمان محفوظ ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خاتمہ ایمان پر ہوگا۔۴۔ ایمان موجود پر شکر کثرت سے کیا جائے اور اس کی ایک آسان صورت ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر احسان فرماتے ہوئے سکھادی کہ جب کچھ کھاؤ پئو تو یہ دعا کرلیا کرو **الحمدلله الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین** جب ہر روز تین چار دفعہ ایمان پر شکر ادا کرے گا تو یہ وعدہ مولائے کریم کا جس کے سب وعدے سچے ہیں ضرور پورا ہوگا **لئن شکر تم لا زید نکم** اور ایمان جب کامل اور زائد ہوتا رہے گا تو بفضلہ تعالیٰ وکرمہ ومنّہ واحسانہ خاتمہ ایمان پر ہوگا ۵۔ درود شریف کی کثرت بھی ایک لحاظ سے خاتمہ بالخیر کا سبب ہے کیونکہ عموماً اخلاص کے ساتھ بدعات کے طرز سے بچتے ہوئے کثرت سے درود شریف پڑھنا سبب بن جایا کرتا ہے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں مقام صحابیت کا سبب ہے اور خواب میں حسن خاتمہ کی علامت شمار کی گئی ہے۔ **وفقنا الله تعالٰی بمنه و کرمه. بحرمته النبی الکریم صلی الله علیه وعلی اله و اصحابه واتباعه و بارک و سلم تسلیما کثیرا.**

باب صلوٰة النوافل جماعة

غرض یہ ہے کہ نوافل کی جماعت جائز ہے فقہاء نے اِس میں عدم تداعی کی شرط لگائی ہے کہ مقتدی تین سے زائد نہ ہوں۔ شبینہ میں کراہت سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ امام بننے والے حافظ صاحبان صرف دو رکعت تراویح میں امام نہ بنیں اُن کی جگہ کوئی اور دو رکعت تراویح پڑھادے اور وہ پیچھے نفل کی نیت کرلیں۔ ان ہی دو رکعت تراویح کی نیت شبینہ میں کر لیں۔ اس طرح شبینہ تراویح میں ہوگا۔ نوافل میں نہ ہوگا۔ مقتدیوں کی نیت چاہے تراویح کی ہو چاہے نفل کی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا۔

خزیر:۔ جس میں گوشت اور دلیہ ہو جس کو ہم حلیم کہتے ہیں۔

اہل الدار: محلّہ والے مراد ہیں۔

باب التطوع فی البیت

غرض یہ بتلانا ہے کہ نوافل میں مستحب یہی ہے کہ وہ گھر پر پڑھے جائیں البتہ اگر کسی زمانہ میں لوگ تارک سنن رواتب ہونے کی تہمت لگاتے ہوں تو تہمت سے بچنے کی نیت سے مسجد میں پڑھنا سنن رواتب کا اولیٰ ہو جائے گا فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے پھر عام حالات میں گھر پر نوافل کیوں اولیٰ ہیں اس کی متعدد وجوہ ہیں۔۱-گھر پر پڑھنا ریاء سے محفوظ رکھتا ہے ۲-گھر میں پڑھنے سے گھر پر رحمت اور فرشتوں کا نزول ہوگا۔۳-مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ گھر پر نوافل کا ثواب ۲۵ گنا ہوتا ہے اعلانیہ پڑھنے سے اور ظاہر ہے کہ مسجد کے نوافل اعلانیہ میں ہی شمار ہونگے۔

ولاتتخذوھا قبورا: مختلف معانی کئے گئے۔۱-جب گھر میں نوافل نہ پڑھیں گے تو وہ مقابر کی طرح ہو جائیں گے کیونکہ قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ گویا گذشتہ مضمون کی تاکید ہے ۲-جب گھر میں نوافل نہ پڑھیں گے تو وہ صرف سونے کے لئے رہ جائینگے اس معنیٰ میں بھی گذشتہ مضمون کی تاکید ہی مقصود ہے۔۳-یہ علیحدہ مضمون ہے کہ مردوں کو گھروں میں دفن نہ کیا کرو ورنہ زیادہ غم کی وجہ سے دنیا کے کاروبار بگڑ جائیں گے البتہ انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو وہاں ہی دفن کیا جاتا ہے جہاں وہ وفات پائیں۔ اسی لئے غیر نبی کی قبر پر تعمیر جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دفن فی البیت کیا گیا نہ کہ تعمیر علی القبر کی گئی۔ غیر نبی کو دفن فی البیت بھی نہ کرینگے۔ **باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ:** غرض مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔ **سمعت اباسعید رضی اللہ عنہ اربعاً**۔ ان چار روایتوں کی تفصیل آگے چھ روایتیں چھوڑ کر بخاری شریف ہی میں ہے۔ **ثلاثۃ مساجد:** ان تین مسجدوں کی جو ترتیب یہاں مذکور ہے وہی ترتیب ان تینوں میں نماز پڑھنے کے ثواب کی ہے کہ سب سے زیادہ مسجد حرام میں پھر مسجد نبوی میں پھر بیت المقدس میں۔ **والمسجد الاقصی:** وجہ تسمیہ ۱-کیونکہ یہ مسجد مکہ مکرمہ سے بہت دور ہے۔۲-دنیا کی سب مساجد سے یہ مسجد زیادہ اونچی ہے ای اقصیٰ فی العلو۔

لاتشدد الرحال الا الی ثلثتہ مساجد

سوال۔ یہ سوال اور اعتراض حافظ ابن تیمیہ نے کیا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روضہ مقدسہ کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر جائز نہیں اس لئے مسلمانوں کو اس نیت سے مدینہ منورہ کا سفر نہ کرنا چاہئے۔ جواب جمہور ائمہ کی طرف سے اس کے مختلف جواب دیئے جاتے ہیں کیونکہ جمہور ائمہ کے نزدیک اسی نیت سے یہ سفر مستحب بلکہ حاجی کے لئے قریب وجوب کے ہے۔۱-پہلا جواب یہ ہے کہ مسند احمد میں سند حسن کے ساتھ مرفوعاً ان الفاظ سے یہ حدیث آتی ہے **لاینبغی للمطی ان تشدر حالہ الی مسجد تبغیٰ فیہ الصلوۃ غیر المسجد الحرام والاقصیٰ و مسجدی ھذا**۔ اس روایت سے وضاحت ہوگئی کہ کسی مسجد کی طرف زیادہ ثواب کے لئے سفر کر کے جانا منع ہے سوائے ان تین مسجدوں کے روضہ اقدس کا سفر مسجد کے ثواب کے لئے نہیں ہوتا بلکہ روضہ اقدس کی زیارت ہی کے لئے ہوتا ہے اس لئے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے۔۲-معنیٰ یہ ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے سفر تین سفر ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی سب سفر ناجائز ہیں۔ گویا حصر ادعائی ہے حقیقی نہیں کہ باقی سب سفر ناجائز ہیں۔۳-صرف مکان کی وجہ سے جو سفر ہونے چاہیں وہ یہی تین ہونے چاہئیں۔ علم کی خاطر یا جہاد کی خاطر یا اور کسی اچھے مقصد کی خاطر کوئی اور سفر بھی ہو تو اس سے یہاں سکوت ہے مدینہ والے محبوب کی خاطر اگر سفر ہو تو اس کی ممانعت اس حدیث میں نہیں ہے لیلیٰ سے تعلق رکھنے والا مجنون کہتا ہے۔

امر علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذاالجدار و ذاالجدارا
وماحب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا

۵۵۵ھ میں حضرت احمد رفاعی مدینہ منورہ حاضر ہوئے عرض کیا السلام علیک یا جدّی روضہ اقدس سے آواز آئی وعلیک السلام یاولدی عرض کیا۔

فی حالته البعد روحی کنتُ ارسلها
تقبلُ الارض عنی وھی نائبتی
فھذہ دُولته الا شباح قد حضرت
فامدو یمینکَ کَیُ تحظی بھا شفتی

پہلے میری روح زیارت کے لئے آتی تھی اب دُولتہ الاشباح صورت کا غلبہ یعنی بدن حاضر ہوگیا ہے اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ وہ میرے لبوں کو عزّت دے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالےٰ نقل فرمارہے ہیں کو سورج سے زیادہ روشن دست مبارک روضہ اقدس سے نکلا بوسہ دیا واپس چلا گیا نوّے ہزار کے مجمع نے یہ واقعہ دیکھا۔ یہ ہیں اہل محبت۔ حضرت عبدالرحمٰن بُراعی زیارت روضہ اقدس کے لئے مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو روضہ اقدس کا خادم تلاش کرتا کرتا آگیا کہ آپ کی شکل مجھے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائی ہے کہ ان کو کہہ دو واپس چلے جائیں۔ چلے گئے تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ اب عرض کیا کہ اگلی دفعہ ایسا ہو تو وجہ پوچھنا چنانچہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی دفعہ فرمایا کہ اُن سے ہمارا تعلق ایسا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ قبر سے باہر آکر ملوں لیکن قیامت سے پہلے یہ مناسب نہیں ہے اس لئے واپس چلے جائیں یہ سن کر بطور شکر دو رکعت پڑھیں اور اس کے بعد روح پرواز کرگئی۔ یہ ہے حبُ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی محبت کی وجہ سے محبوب کے روضہ کی زیارت کی نیت سے سفر کرنے کی کیسے ممانعت ہوسکتی ہے۔ ان مذکورہ تین جوابوں کی تائید دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ا۔ ابن ہمّام فرماتے ہیں کہ حاجی کے لئے روضہ اقدس کی زیارت قریب وجوب کے ہے۔ ایک حدیث کی وجہ سے جو مرفوع ہے من حج ولم یزرنی فقد جفانی۔ ۲۔ سلف صالحین ہمیشہ روضہ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرتے رہے ہیں مسجد نبوی کا دل میں خیال بھی نہیں گزرتا رہا۔ اس لئے ابن تیمیہ کا یہ قول ٹھیک نہیں ہے۔

صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام

اس عبارت کے دو معنیٰ کئے گئے۔ ا۔ اس ثواب کا مدار مسجد ہونے پر ہے اس لئے بعد میں مسجد نبوی میں جو اضافہ کیا گیا اس میں بھی یہی زائد ثواب ملے گا۔ ۲۔ مدار ہذا کے اشارہ پر ہے اس لئے جو حصہ اس وقت مسجد بنا ہوا تھا صرف اسی میں یہ زائد ثواب ملے گا بعد کی زیادتی میں یہ ثواب نہیں ہے۔ احوط دوسرے قول پر عمل کرنے کا اہتمام ہے۔

باب مسجد قباء

ا۔ غرض مسجد قباء اور اس میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے لمسجدٌاُسّس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیه. پھر لفظ قباء میں قاف کا ضمہ ہے اور مد ہے اور منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنے کی گنجائش ہے مذکر شمار کریں تو منصرف مؤنث شمار کریں تو غیر منصرف۔

کان لا یصلی من الضحٰی الا فی یومین

یہاں ضحٰی کی نماز لغوی معنٰی کے لحاظ سے ہے کیونکہ یہاں جو دو نمازیں مذکور ہیں پہلی نماز طواف کی رکعتیں ہیں دوسری نماز تحیۃ المسجد سے اتفاق سے یہ دونوں ضحٰی کے وقت پائی گئیں۔

باب من اتی مسجد قباء کل سبت

غرض ہر ہفتہ مسجد قبا جانا مستحب ہے یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔

باب ایتان مسجد قباء ماشیا وراکبا

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد قباء جانا دونوں طرح مستحسن ہے پیدل جائے یا سوار ہو کر جائے۔

باب فضل ما بین القبر والمنبر

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد نبوی کے بعض حصے بعض دوسرے حصوں سے افضل ہیں ما بین بیتی ومنبری روضۃ ریاض الجنۃ:۔ اور ایک روایت میں بیتی کی جگہ قبری ہے۔ یہ اخبار بالغیب پر محمول ہے کہ مجھے میرے گھر ہی دفن کیا جائے گا۔

سوال۔ بعض روایتوں میں کچھ اختلاف منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں صحابہ میں اختلاف ہوا کہ کہاں دفن کیا جائے۔ جب پیشین گوئی فرمادی تھی تو اختلاف کیوں ہوا۔ جواب۔ گھبراہٹ میں اس حدیث کی طرف ذہن نہیں گیا۔ وفات کی وجہ سے صحابہ کچھ گھبرا گئے تھے۔ پھر روضۃ من ریاض الجنۃ کی تفصیل میں متعدد قول ہیں۔۱۔ یہ زمین کا ٹکڑا جنت سے یہاں لایا گیا ہے۔ جیسے حجر اسود جنت سے لایا گیا ہے اور قیامت کے بعد دوبارہ یہ ٹکڑا زمین کا جنت ہی میں داخل کر دیا جائے گا۔ ۲۔ اس ٹکڑے میں عبادت کرنے والا جنت میں جائے گا۔ جیسے ارشاد ہے الجنۃ تحت ظلال السیوف کہ جہاد میں شریک ہونے والا جنت میں جائے گا۔۳۔ تشبیہ دینی مقصود ہے کہ نزول رحمت کے لحاظ سے اور برکت کے لحاظ سے یہ ٹکڑا جنت جیسا ہے۔

ومنبری علی حوضی

مختلف معنیٰ کیے گئے۔۱۔ اس منبر کو اُٹھا کر قیامت کے دن حوض پر رکھ دیا جائے گا گویا کلام حقیقت پر محمول ہے۔۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نیا منبر حوض کوثر پر بنایا جائے گا۔۳۔ منبر کے پاس عبادت حوض کوثر کا پانی پینے کا سبب ہوگی اللھم انعم بہ علینا۔

باب مسجد بیت المقدس

غرض بیت المقدس کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب استعانته الید فی الصلوٰة اذا کان من امر الصلوٰة

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے وقت عمل قلیل کی گنجائش ہے لفظ استعانۃ حاجت پر دلالت کرتا ہے بلا حاجت وہ کام عبث ہوگا اور مکروہ ہوگا ایسے ہی جس کام کا تعلق نماز سے نہ ہو وہ بھی عبث اور مکروہ ہوگا۔

باب ما ینھی من الکلام فی الصلوٰة

غرض میں دو احتمال ہیں۔۱۔ جمہور ائمہ کے قول کی تائید کرنی مقصود ہے کہ نسیاناً کلام سے نماز نہیں ٹوٹتی اور من جو اس ترجمۃ الباب میں ہے یہ تبعیضیہ ہے کہ صرف عمداً کلام سے ممانعت ہے اور وہی مفسد صلوٰۃ ہے۔۲۔ ہمارے امام ابوحنیفہ کی موافقت فرمائی ہے کہ ہر قسم کی کلام مفسد صلوٰۃ ہے۔ اور من بیانیہ ہے اور یہ دوسرا احتمال ہی راجح ہے کیونکہ نسیاناً کلام میں مستقل باب نہیں باندھا حالانکہ ذوالیدین والی حدیث امام بخاری اپنی کتاب میں کئی جگہ لائے ہیں۔ اِس باب کی روایت میں جو یہ مذکور ہے ان فی الصلوٰۃ شُغُلًا اس کی تنوین میں دو احتمال ہیں۔۱۔ تنویع کے لئے ہے۔۲۔ تعظیم کے لئے ہے۔ اختلاف: عندامامنا ابی حنیفۃ نماز میں تکلم عمداً اور نسیاناً دونوں مفسد صلوٰۃ ہیں۔ وعندالجمہور صرف عمداً کلام کرنا مفسد صلوٰۃ ہے۔ نسیاناً کلام کرنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے منشاء اختلاف حضرت ذوالیدین اور حضرت ذوالشمالین کا ایک ہی صحابی ہونا ہے یا دو الگ الگ صحابی ہونا ہے ہمارے امام صاحب کے نزدیک ایک ہی ہیں جمہور کے نزدیک دو ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ غزوہ بدر میں ذوالشمالین شہید ہو گئے تھے۔ اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد قوموا للہ قانتین نازل ہوئی جس سے تکلم فی الصلوٰۃ کی ممانعت ہوگئی اور حضرت ذوالیدین تکلم نسیاناً کے واقعہ میں موجود تھے اب اگر حضرت ذوالشمالین اور حضرت ذوالیدین ایک ہی صحابی ہیں تو لامحالہ یہ نسیاناً کلام والا واقعہ غزوہ بدر سے پہلے کا ہے۔ اور کلام کی ممانعت غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی اور ممانعت نازل ہونے کے بعد نسیاناً کلام واقع نہ ہوئی۔ اس لئے ہر قسم کی کلام منسوخ ہوگئی خواہ وہ قصداً ہو یا نسیاناً جمہور ائمہ کی تحقیق یہ ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین دو صحابی الگ الگ ہیں ذوالشمالین غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ پھر کلام منسوخ ہوئی پھر ذوالیدین والا واقعہ پایا گیا جس میں کلام نسیاناً ہوئی اور اُسی نماز پر باقی نماز پڑھی گئی معلوم ہوا کہ صرف قصداً کلام مفسد صلوٰۃ ہے نسیاناً مفسد نہیں ہے۔ ہمارے مرجحات۔۱۔ فی النسائی عن ابی ہریرۃ فادرکہ ذوالشمالین شہید ہوئے تھے ان ہی کو ذوالیدین بھی

کہتے تھے۔ جمہور کے مرجحات۔ ا۔ فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ صلی بنا اور حضرت ابوہریرہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہو چکا۔ معلوم ہوا کہ ذوالیدین جو حضرت ابوہریرۃ والی روایت میں ہیں یہ الگ ہیں اور ذوالشمالین جو غزوۃ بدر میں شہید ہوئے وہ الگ ہیں۔ جواب صلی بنا کے معنیٰ ہیں صلی بجماعۃ المسلمین آج بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدر میں ہمارے مجاہد کم تھے ہمارے دشمن ایک ہزار تھے ہمیں اللہ تعالےٰ نے فتح دی۔ حالانکہ ہم اُس وقت موجود نہ تھے۔۲۔ دوسرا مرجح جمہور کا یہ ہے کہ ذوالشمالین عُمیر خزاعی ہیں اور ذوالیدین خرباق سلمی ہیں۔ جواب۔ عُمیر نام ہے خرباق بمعنیٰ تیز چلنے والا لقب ہے۔ اور نبی سُلیم شاخ ہے نبی خزاعہ کی اس لئے دو ہونا ثابت نہ ہوا۔

باب مایجوز من التسبیح والحمد فی الصلوٰۃ للرجال

غرض یہ ہے کہ لقمہ دینے کی ضرورت ہو تو مَردوں کو چاہیے کہ سبحان اللہ یا الحمدللہ کہیں اور عورتوں کو چاہیے کہ بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیاں ہاتھ ماریں۔ اور زبان سے کچھ نہ کہیں کیونکہ اُن کی آواز میں بھی پردہ کا لحاظ ہونا چاہئے۔

باب من سمّٰی قوما اوسلم فی الصلوٰۃ علی غیرہ مواجھتہ وھو لا یعلم

غرض میں دو احتمال ہیں۔ا۔ یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خطاب کے صیغہ کے ساتھ غائب کو سلام کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی جیسے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ'۔ اس صورت میں وھو لا یعلم میں ھو کی ضمیر مسلّم علیہ کی طرف لوٹتی ہے اور یہ باب نسیاناً کلام ہی کا تتمہ ہے کہ جس کو سلام کیا جارہا ہے وہ غائب ہے اور اس کو علم نہیں کہ مجھے سلام کیا جارہا ہے۲۔ ھو ضمیر مسلّم کی طرف لوٹتی ہے۔

کہ غلطی سے اور مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نمازی نے کسی کو سلام کر دیا تو معاف ہے اور نماز نہ ٹوٹے گی۔ اور یہ امام بخاری ہی کی رائے ہے ان کے نزدیک بہت سے مسائل میں جہالتہ عذر ہے جمہور فقہاء کے نزدیک صرف بعض شاذ و نادر صورتوں میں جہالتہ عذر ہے مثلاً روزہ میں قی آگئی اور کسی مفتی نے غلطی سے فتویٰ دے دیا کہ روزہ ٹوٹ چکا ہے روزہ دار نے اس کے بعد کچھ کھا پی لیا تو اس روزہ دار پر کفارہ نہ آئے گا اور یہاں جہالت کی وجہ سے معافی ہو جائے گی۔ امام بخاری کے نزدیک بہت سے موقعوں میں جہالت کی وجہ سے معافی ہے اُن میں سے ایک موقعہ یہاں بھی مذکور ہے کہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نماز کے اندر ہی کسی گذرنے والے کو سلام کر دیا تو نماز نہ ٹوٹے گی۔

باب التصفیق للنساء

غرض یہ ہے عورتیں لقمہ دینے کے لئے بھی نہ بولیں بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیاں ہاتھ ماریں عورتوں کی آواز کا بھی پردہ ہوتا ہے۔

باب من رجع القھقریٰ فی صلوٰتہ او تقدم بامر ینزل بہ

غرض یہ ہے کہ عمل قلیل کے درجہ میں کچھ پیچھے ہٹنا یا تھوڑا سا آگے بڑھنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔

باب اذا دعت الاُم ولدھا فی الصلوٰۃ

غرض اِس خاص صورت کا حکم بتلانا ہے کہ نمازی کو اگر ماں پکارے تو نماز میں جواب دینا ضروری ہے یا نہ اور جواب دینے سے نماز ٹوٹے گی یا نہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالےٰ نے جواب سے سکوت فرمایا کیونکہ اِس مسئلہ میں تین قول ہیں۔ا۔ فقہاء کا راجح قول یہ ہے کہ جواب دینا واجب نہیں ہے اور اگر جواب دے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جواب دینا واجب ہے۔۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر وقت تھوڑا ہو کہ دوبارہ نہ پڑھ سکتا ہو تو جواب نہ دے ورنہ دے دے۔ ظاہر یہی ہے کہ آخری قول میں بھی نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی دوسرے قول میں اعادہ واجب نہیں۔ پہلے قول کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ۔ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ واقعہ بیان فرمایا تو مقصد جریج کی مدح بیان

کرنی ہے کہ نماز کا بہت خیال کیا اور اس کی نیکی کی وجہ سے کرامت ظاہر ہوئی کہ بچے نے بول کر جریج کی تصدیق کی۔ ۲۔ دوسری وجہ راجح قول کی ترجیح میں یہ ہے کہ جریج کا یہ کہنا اللھم امی وصلوتی یہ بھی نماز کے فاسد ہونے ہی پر دلالت کرتا ہے کہ یا اللہ میں نماز کا لحاظ کروں یا امی کا لحاظ کروں۔ یہ تقابل جبھی تو درست ہوگا جبکہ امی کا لحاظ کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہو۔ اگر نماز نہ ٹوٹتی ہوتو پھر کوئی تقابل نہیں کہ نماز بھی پڑھوامی کو جواب بھی دے دو جواب دینا بھی ضروری ہے اور نماز کا بھی نقصان نہیں۔ دوسرے قول کا استدلال یوں ہے کہ ماں کی بددعاء جو قبول ہوئی تو اس کی وجہ یہی تھی کہ جریج نے ماں کو تکلیف پہنچائی جواب دینا واجب تھا۔ یہ ریا اور کلام کرنا نماز میں جائز تھی مفسد صلوٰۃ نہ تھی۔ پھر بھی جواب نہ دینا جریج کی غلطی تھی اس لئے اس کے خلاف ماں کی بددعاء قبول ہوگئی اس کا جواب یہ ہے کہ اگر جریج گنہگار ہوگیا ہوتا تو اس کے ہاتھ پر بچے کے بولنے کی کرامت ظاہر نہ ہوتی تیسرے قول کی دلیل جمع بین الدلیلین ہے کہ دلیلیں دونوں قسم کی ہیں تطبیق یہ ہے کہ وقت دیکھ لیا جائے اگر وقت فراخ ہوتو جواب دے کر نماز دوبارہ پڑھ لی جائے اور اگر وقت تنگ ہوتو پھر نماز کو ترجیح دی جائے اس کا جواب یہ ہے کہ جب دوسرے قول کی دلیل کا جواب ہوگیا تو دو قسم کی دلیلیں باقی نہ رہیں۔ **اللھم امی وصلوتی**:۔ الادب المفرد للبخاری کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ لفظ حضرت جریج نے دل میں کہے تھے زبان سے نہ کہے تھے۔ **المیایس** :۔ یہ جمع ہے مومسۃ کی اس کے معنیٰ ہیں اعلانیہ زنا کرنے والی عورت۔ **یابابوس**:۔ ۱۔ اس کے معنیٰ چھوٹے بچے کے ہیں کہ فرمایا اے چھوٹے بچے تم خود بتاؤ کہ تمہارا باپ کون ہے۔ ۲۔ بابوس اس بچے کا نام رکھا گیا تھا **من ابوک**:۔ سوال زنا سے تو نسب ثابت نہیں ہوتا پھر ابوک کیوں فرمایا جواب مجازاً فرمایا کیونکہ زانی باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ **المسائل المستنبطه**: ۱۔ ماں باپ کی فرمانبرداری کی عظمت بیان کرنی مقصود ہے کہ حضرت جریج سے تھوڑی سی بات ایسی ہوگئی جو مشابہ نافرمانی کے تھی اسکی بھی تھوڑی سی سزا دی گئی تو جو نافرمانی جان بوجھ کر ہوتو کیوں نہ قابل سزا ہوگی۔ دنیا میں سزا ہو یا آخرت میں ۲ عام طور پر ماں باپ کی دعاء قبول ہو جاتی ہے۔ ۳۔ اولیاء اللہ کرام کی کرامات حق ہیں جیسے حضرت جریج کی کرامت ظاہر ہوئی کہ بچہ بولا۔ ۴۔ اس آیت کا مضمون ظاہر ہوا **ومن یتق اللہ یجعل له مخرجا**......

سوال' بہت دفعہ تو اولیاء اللہ پر بھی مصیبت باقی رہتی ہیں۔ جواب۔ وہ صورت مصیبت کی ہوتی ہے حقیقت مصیبت کی نہیں ہوتی۔ علامت یہ ہے کہ حقیقی مصیبت میں پریشانی ہوتی ہے۔ مصیبت کی صورت میں پریشانی نہیں ہوتی ایک قسم کا سکون ہوتا۔

باب مسح الحصافی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ نماز میں کنکری ٹھیک کر لینا ایک دفعہ عمل قلیل سے جائز ہے۔

باب لبسط الثوب فی الصلوٰۃ للسجود

غرض یہ ہے کہ عمل قلیل سے نماز میں کپڑا بچھالینا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ نماز سے پہلے بچھالے۔

باب مایجوز من العمل فی الصلوٰۃ

غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے عمل قلیل کی بعض جزئیات تھیں جو مفسد صلوٰۃ نہیں ہیں اب قاعدہ کلیہ ذکر فرمادیا کہ کسی عمل قلیل سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی **ان الشیطان عرض لی**: یہ ابلیس نہیں تھا کیونکہ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا غلبہ نہ تھا اس نے قیامت تک کی مہلت لی ہوئی ہے اور نہ ہی قرین تھا کیونکہ اس پر بھی سلیمان علیہ السلام کا غلبہ نہ تھا کیونکہ اگر اس پر غلبہ ہوتا تو اُن کے زمانہ میں گناہ نہ ہوتے۔ حالانکہ گناہ ان کے زمانہ میں بھی ہوتے رہے ہیں بلکہ ان دونوں کے علاوہ عام بڑے جنات میں سے کوئی جن تھا۔

اذا انفلتت الدابة فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ اگر نماز پڑھ رہا ہو اور پتہ چلے کہ کوئی جانور بھاگ گیا ہے تو جائز ہے کہ نماز توڑ کر پہلے جانور پکڑے پھر نماز دوبارہ شروع سے پڑھ لے تاکہ مصیبت میں پڑنے سے بچ جائے۔

جعلتُ اتقدم الی قوله تا خرتُ

یہ تقدم وتاخر جانور پکڑنے کی طرح ہے معلوم ہوا کہ جانور کی رسی ہاتھ میں پکڑ کر بھی نماز ہو جاتی ہے جبکہ بھاگ جانے کا خطرہ ہو اور کوئی جگہ باندھنے کی نہ ہو۔

باب مایجوز من البزاق والنفخ فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ ایسا تھوکنا اور پھونک مارنا نماز میں جائز ہے جس میں حروف نہ بنیں اور کلام الناس کے مشابہ نہ ہو اس عبارت میں مِن تبعیضیہ ہے۔

ثم نزل:۔ اس کے معنی ہیں نزل مِن المنبر۔

باب من صفق جاھلا من الرجال فی صلوته لم تفسد صلوته

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر مرد مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے امام کو لقمہ دینے کے لئے بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیاں ہاتھ مار دے تو نماز نہیں ٹوٹتی اِس عبارت میں جاھلاً کی قید لگا کر یہ اشارہ فرمارہے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر کہ ایسا کرنا تو عورتوں کے لئے ہے مردوں کو زبان سے سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہنا چاہئے یہ جاننے کے بارجود اگر پھر بھی تصفیق ہی کرے گا مرد تو اُس مرد کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ لیکن یہ امام بخاری کی انفرادی رائے ہے جمہور فقہاء کے نزدیک جان بوجھ کر کرنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اور جمہور کی رائے ہی راجح ہے کیونکہ امام بخاری کا استدلال صرف مفہوم مخالف سے ہے اور جمہور کا استدلال منطوق سے ہے کہ عمل قلیل سے نماز نہیں ٹوٹتی اور یہ نہ ٹوٹنا گذشتہ بابوں کی احادیث میں مذکور ہے۔

باب اذا قیل للمصلی تقدم اوانتظر فانتظر فلا باس

یہاں انتظر کے معنیٰ ہیں تأخّر پیچھے ہو جاؤ۔ غرض یہ ہے کہ اگر ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہو دوسرا جو نماز نہیں پڑھ رہا وہ اس نمازی کو کہہ دے کہ آگے ہو جاؤ یا پیچھے ہو جاؤ وہ ہو جائے تو اس سے نماز نہ ٹوٹے گی۔ سوال۔ حدیث میں یہ تو نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں فرمایا تھا بلکہ نماز سے پہلے فرمایا تھا۔ پھر امام بخاری نے اس حدیث سے کیسے استدلال فرمالیا۔ جواب۔ واقعہ تو یہی ہے کہ نماز سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لیکن لفظوں سے یہ بھی نکل سکتا ہے کہ عورتیں نماز پڑھ رہی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی آدمی باہر سے آیا اُس نے نماز میں شریک ہونے سے پہلے عورتوں سے کہا کہ آگے ہو جاؤ یا پیچھے ہو جاؤ عورتیں ہو گئیں۔ گویا امام بخاری نے ظاہر لفظوں سے استدلال فرمالیا اور بخاری شریف میں ایسے استدلال کثرت سے ہیں کہ ظاہر لفظوں سے استدلال فرمالیتے ہیں۔ جمہور فقہاء اس کے قائل ہیں کہ اگر ایسی صورت پیش آئے اور نمازی اُس باہر کے آدمی کی بات سُن کر فوراً عمل کرلے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ امام بخاری کا تفرد ہی شمار کیا گیا ہے۔

باب لایرد السلام فی الصلوٰۃ

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر کسی کے سلام کے سلام کا جواب دے گا تو یہ ناجائز ہے اور مفسد صلوٰۃ ہے۔

باب رفع الایدی فی الصلوٰۃ لا مر نزل به

ضرورت میں ہاتھ اُٹھانے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور گناہ بھی نہیں ہوتا۔

باب الخصر فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ تہی گاہ جس کو کوکھ کہتے ہیں اس پر ہاتھ رکھنا نماز میں مکروہ ہے۔ مکروہ ہونے کی وجہ میں مختلف قول ہیں۔ ۱۔ شیطان جب آسمانوں سے زمین پر اتارا گیا تھا تو اُس نے اختصار کیا ہوا تھا جیسا کہ ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں مذکور ہے۔ ۲۔ یہودی کثرت سے نماز میں ایسا کرتے رہتے ہیں۔ ۳۔ اہل جہنم ایسا کرینگے۔ ۴۔ یہ تینوں وجہیں ملحوظ ہیں کیونکہ ان میں کچھ تعارض نہیں ہے۔

باب تفکر الرجل الشئی فی الصلوٰۃ

باب کی غرض میں تین توجیہیں وہی ہیں جو اس باب کی پہلی تعلیق کی توجیہیں آئیں گی۔ اس مسئلہ کا ضابطہ یہ ہے کہ نماز میں تفکر

کی پانچ صورتیں ہوتی ہیں۔ا۔غیر اختیاری خیال آئے یہ معاف ہے۔جب ہوش آئے تو توجہ نماز کی طرف کرے۔۲۔اختیاری طور پر نماز کے الفاظ یا معانی یا ذات اللہ یا صفات اللہ یا استقبال الی القلبۃ سوچنا یہ عین مطلوب ہے۔۳۔اختیاری طور پر دنیا کی باتیں سوچنا یہ مکروہ تحریمی ہے۔۴۔اختیاری طور پر دین کی ایسی باتیں سوچنا جن کی وقتی طور پر شدید ضرورت ہے۔یہ جائز ہے۔۵۔اختیاری طور پر دین کی باتیں سوچنا اور باتیں بھی ایسا ہوں جن کی فوری طور پر کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس صورت کے متعلق دو قول ہیں ایک کراہت کا اور دوسرا عدم کراہت کا احتیاط کراہت والے قول میں ہے۔

قال عمر رضی الله عنه انی لا جهنر جیشی و انا فی الصلوٰة

اس روایت کی توجیہات اور وہی باب کی غرض کی توجیہات ہیں ا۔مذکورہ پانچ توجیہات میں سے پہلی کہ غیر اختیاری طور پر لشکر کا خیال آتا تھا۔۲۔مذکورہ پانچ میں سے چوتھی کہ وقتی ضرورت کی وجہ سے ایسا اختیاری طور پر سوچتے تھے۔۳۔مذکورہ پانچ میں سے آخری کہ حضرت عمر دو عبادتیں جمع فرماتے تھے نماز اور تفکر جہاد لیکن حضرت عمر محدَّث تھے یعنی مُلہم من اللہ تعالےٰ اس لئے ان کا یہ سوچنا عام مسلمانوں کے خشوع سے بھی اونچا تھا۔اس لئے عام مسلمانوں کے لئے احوط یہی ہے کہ وہ ایسا نہ کریں اور خشوع فی الصلوٰۃ کا خیال رکھیں۔

لکن انا ادری قرأسورة کذا و کذا

حضرت ابو ہریرہ فرمارہے ہیں کہ مجھے تو یاد ہے کہ گذشتہ رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء میں فلاں فلاں سورتیں پڑھی تھیں اس روایت کی باب سے مناسبت میں دو قول ہیں۔ا۔بعض صحابہ کی توجہ نماز میں دینا کی باتوں کی طرف چلی جاتی تھی۔۲۔حضرت ابو ہریرۃ بہت زیادہ توجہ نماز کی قراءت کی طرف رکھتے تھے۔

باب ماجاء فی السهوا ذا قام من کعتی الفریضته

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر نمازی دو رکعت پر غلطی سے کھڑا ہو جائے اور تشہد کے لئے بیٹھنا بھول جائے تو قبل السلام سجدہ سہو کرے۔سجدہ سہو کے متعلق کل پانچ حدیثیں آتی ہیں چار فعلی ہیں اور ایک قولی ہے۔ا۔**حدیث الباب عن عبد الله بن بحَینته مرفوعاً قام من النتین من الظهر لم یجلس بینهما فلما قضیٰ صلوٰة سجد سجدتین ثم سلم بعد ذلک** ۲۔**حدیث ذی الیدین** جس میں رباعی نمازیں دو پر غلطی سے سلام پھیرنا مذکور ہے۔۳۔عمران بن حصین کی روایت جس میں رباعی نماز میں تین پر غلطی سے سلام پھیرنا مذکور ہے۔۴۔ابن مسعود والی حدیث جس میں پانچ رکعات غلطی سے پڑھ لینا مذکور ہے۔۵۔ابو سعید خدری والی روایت جس میں مرفوعاً قولاً شک کی وجہ سے سجدہ سہو کرنے کا ذکر ہے۔

باب اذا صلی خمساً

غرض یہ ہے کہ اگر نمازی چار کی جگہ غلطی سے پانچ رکعات پڑھ لے تو بعد السلام سجدہ سہو کرے جیسا کہ اِس باب کی حدیث میں ہے عن ابن مسعود مرفوعاً فسجد سجدتین بعد ما سلم امام بخاری رحمہ اللہ تعالےٰ نے امام مالک کا مسلک اختیار فرمایا ہے۔

اختلاف عند امامنا ابی حنیفته سجدہ سہو سلام ورنہ قبل السلام وعند احمد اگر ایسی صورت پیش آئی ہے جیسی کہ حدیث میں آ چکی ہے تو حدیث کے مطابق عمل کرے جس صورت میں قبل السلام ہے اُس میں اب بھی قبل السلام ہی کرے اور حدیث کی جس صورت میں بعد السلام مذکور ہے ویسی صورت اگر پیش آ گئی ہے تو یہ بھی بعد السلام ہی کرے اور اگر کوئی ایسی صورت پیش آ گئی جو حدیث میں نہیں ہے تو پھر قبل السلام سجدہ سہو کرے۔**ولنا روایه ابی داؤد عن عتبه بن محمد مرفوعاً من شک فی صلوٰة فلیسجد سجد تین بعد ما یسلّم وللشافعی روایه ابی داؤد عب عطاء بن یسار مرفوعاً و یسجد سجد تین وهو جالس قبل التسلیم جواب قبل سلام الفراغ** مراد ہے۔**ولما لک** روایتیں

دونوں قسم کی ہیں تطبیق اُسی طرح ہے جیسے ہم کہتے ہیں کیونکہ اگر زیادتی کی صورت میں قبل التسلیم سجدہ سہو کرے گا تو زیادتی پر اور زیادتی لازم آئے گی اور فساد زیادہ ہوگا اس لئے بھول کر زیادتی ہو جانے کی صورت میں سجدہ سہو بعد التسلیم ہی ہونا چاہئے اور اگر صورت ایسی پیش آئی کہ زیادتی نہ ہوئی تو سجدہ سہو قبل التسلیم ہو کیونکہ سلام پھیرنے سے تو نماز ختم ہو جاتی ہے۔ جواب۔ آپ کی اس تطبیق پر یہ اشکال ہے کہ اگر ایک ہی نماز میں کمی بھی ہو اور زیادتی بھی ہو تو پھر کیا کرے یہی اعتراض امام ابو یوسف نے امام مالک پر کیا تھا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور امام احمد کے ادلہ واجوبہ ضمناً ہو گئے۔

باب اذا سلم فی رکعتین اوفی ثلاث فسجد سجدتین مثل سجود الصلوٰۃ او اطول

جزاء محذوف ہے ای تصح صلوٰتہ اور ایک نسخہ میں فسجد کی جگہ سجد ہے بغیر فاء کے اس نسخہ پر سَجَدَ ہی جزاء بن جائے گی۔ غرض یہی مسئلہ بتلانا ہے کہ دو یا تین رکعتوں پر سلام پھیر دیا ہو اور پڑھنی چار ہوں تو پھر باقی پڑھ کر سجدہ سہو کرے۔

فقال له ذوالیدین نماز میں سہواً کلام مفسد ہے یا نہ۔ یہ مسئلہ تفصیل سے پیچھے گذر چکا ہے حنفیہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی صحابی کے دو لقب قرار دیتے ہیں۔ طبقات ابن سعد اور ثقات لابن حبان اور الکامل للمبرد میں بھی تصریح ہے کہ یہ دونوں لقب ایک ہی صحابی کے ہیں۔ نیز اس واقعہ میں عمل کثیر کا پایا جانا بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ کہ یہ واقعہ شروع اسلام کا ہے جبکہ عمل کثیر بھی جائز تھا اس سے بھی حنفیہ ہی کی تائید ہوتی ہے۔

باب من لم یتشهد فی سجدتی السهو

ای فان له اصلاً من السنۃ غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بعض ائمہ اس کے قائل ہیں کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد نہیں ہے۔

اختلاف: عندامامنا ابی حنیفۃ سجدہ سہو کے بعد تشہد ہے وعند الجمہور نہیں لنا روایتہ ابی داؤد عن عمران بن حُصین مرفوعاً فسهٰی فسجد سجدتین ثم تشهد ثم سلم و للجمہور فی ابی داؤد عن محمد بن سیرین مقطوعاً لم اسمع فی التشهد جواب ہماری روایت علم پر مبنی ہے آپ کی عدم علم پر مبنی ہے اس لئے ہماری روایت راجح ہے۔ تنبیہ:۔ ایک روایت جمہور کی حنفیہ کے ساتھ بھی ہے۔

باب یکبر فی سجدتی السهو

غرض یہ اجماعی مسئلہ بتلانا ہے کہ سجدہ سہو میں تکبیر بھی کہی جاتی ہے۔

بلٰی قد نسیتَ: سوال۔ نبی کو نسیان ہو تو شبہ ہو سکتا ہے کہ وحی کی کوئی بات بھی نسیان والی ہو پھر وحی پر اعتماد کیسے رہے گا۔ جواب۔ جمہور کی تصریح ہے کہ وحی پہنچانے میں نبی نسیان سے پاک ہوتا ہے۔ افعال ذاتیہ میں نبی سے بعض دفعہ نسیان ظاہر ہوتا ہے اس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے مثلاً یہاں سجدہ سہو کی تعلیم کی حکمت تھی۔ سوال۔ عبادت میں تو سہو نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس میں شبہ ہوتا ہے کہ عبادت کی طرف توجہ کم ہے۔ جواب۔

یا سائلی عن رسول الله کیف سها
والسهو عن کل قلب غافل لاهی
قد غاب عن کل شیء سرّه فسها
عماسوی الله فی التعظیم لله

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تعظیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے زیادہ مشغول ہو جاتے تھے کہ بعض دفعہ رکوع سجدوں اور رکعات کی طرف سے بھی توجہ ہٹ جاتی تھی اس لئے سہو ہو جاتا تھا اس سے عبادت کی بہت اونچی شان ثابت ہوئی۔ کوتاہی ثابت نہ ہوئی۔

باب السهو فی الفرض والتطوع

غرض امام ابن سیرین کا رد ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ تطوع میں سجدہ سہو معاف ہے۔ امام بخاری فرما رہے ہیں کہ معاف نہیں ہے۔

باب اذا کُلِّم وهو یصلی فاشار بیده واستمع

غرض یہ ہے کہ نمازی سے کوئی آدمی خطاب کرے اور نمازی سُن کر کوئی اشارہ کر دے تو اس سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

وقد بلغنا ان النبی اللّٰہ علیہ وسلم نہا عنہما

اس روایت میں حضرت ابن عباس اور حضرت مسور اور حضرت عبدالرحمٰن بن از ہر حدیث کو بَلَغَنا کے لفظ سے ذکر فرما رہے ہیں اِس سے معلوم ہوا کہ کوئی ثقہ بلغنا کے لفظ سے حدیث بیان کر دے تو وہ معتبر ہے۔اس لئے بلاغات مالک اور بلاغات ابی حنیفہ معتبر ہیں۔

باب الا شارۃ فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ اشارہ سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا سوال۔ ابھی عنقریب اشارہ کا حکم گذر چکا ہے۔ دوبارہ کیوں ذکر فرمایا جواب۔ اُس باب میں اصل ذکر دوسرے کی کلام سننے اور سمجھنے کا تھا اور اشارہ کا ذکر تبعاً تھا۔ اب اشارہ کا ذکر قصداً کرنا مقصود ہے۔ **کتاب الجنائز:۔** غرض جنازہ کے متعلق احکام بتلانا ہے اور ربط یہ ہے کہ پہلے زندوں کی نمازوں کا ذکر تھا اب مرنے والوں کے متعلق نماز کا ذکر ہے۔

باب ماجاء فی الجنائز ومن کان آخر کلامہ لا الہ الا اللّٰہ

اس کی جزاء محذوف ہے حدیث کی وجہ سے یعنی دخل الجنتہ۔ غرض ایسے شخص کا حکم اور حال بیان کرنا ہے جس کی زبان پر اخیر وقت میں کلمہ طیبہ ہو کہ وہ جنتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ۔ا۔کلمہ توبہ کی طرح ہے اس لئے اس سے سب گناہ مٹا دئے جاتے ہیں۔ ۲۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اخیر وقت میں کلمہ طیبہ پڑھنا ایمان کے راسخ اور کامل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اخیر وقت میں وہی چیز زبان پر آتی ہے جس میں ساری عمر مشغول رہا ہو اور جب ایمان کامل ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دخول جنت بھی ضرور نصیب ہوگا۔ پھر امام بخاری اشارہ فرما رہے ہیں مسلم شریف کی حدیث کی طرف **عن ابی هريرة لقنوا موتا كم لا اله الا الله** اور صحیح ابن حبان اور مسند احمد میں عن ابی ہریرۃ مرفوعاً وارد ہے **لَقِنُوا موتا كم لا اله الا الله فانه من كان آخر كلامه لا اله الله دخل الجنة** پھر اس تلقین کے مستحب ہونے پر اجماع ہے لیکن اس میں زیادہ مبالغہ جس سے قریب الموت گھبرا جائے مکروہ ہے جب ایک دفعہ وہ پڑھ لے تو چپ ہو جانا چاہئے پھر اگر دینا کی کوئی بات کرے تو دوبارہ تلقین کی جائے ورنہ نہیں تلقین کی صورت یہی ہے کہ خود پاس بیٹھ کر پڑھے اُسے کچھ نہ کہے۔ دفن کے بعد تلقین نہ کرنا ہی راجح ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس کو منع بھی نہ کیا جائے کیونکہ گنجائش ہے پھر یہ پڑھنا ضمیمہ کے ساتھ ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام نجم الدین عمر نسفی کے بارے میں منقول ہے کہ وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا کہ آپ نے منکر اور نکیر کا کیسے جواب دیا تو فرمایا کہ انہوں نے مجھے نثر کے ساتھ خطاب کیا تو میں نے انہیں نظم میں جواب دیا پس اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ واپس چلے گئے اور اپنے جواب والے اشعار بھی خواب میں سنائے جو بحر خفیف سے ہیں۔

ربی الله لا اله سواه　　ورسولی محمّد مصطفاه
ولی کتاب ربی ودینی　　هو ما اختاره لنا وارتضاه
ملهبی مرتضی وفعلی ذمیم　　اسال الله عفوه ورضاه

اسی مضمون کے اشعار احقر محمد سرور عفی عنہ کے استاذ محترم مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے بھی ہیں جو ان کی غیر مطبوعہ تصنیف تحفتہ القاری فی حل مشکلات البخاری میں ہیں جس کے مسودہ کا تقریباً بالاستیعاب مطالعہ احقر کو کرنے کی توفیق ہوئی ہے اور تراجم کے اکثر مباحث احقر نے وہاں سے ہی لئے ہیں البتہ مسائل اور اختلافات اور دلائل اور فوائد زیادہ تر احقر نے اپنی تصنیف حسن المعبود فی حل سنن ابی داؤد سے لئے ہیں اور وقتاً فوقتاً عمدۃ القاری اور فتح الباری اور فیض الباری اور اوجز المسالک اور المدونتہ الکبریٰ اور المغنی اور رحمتہ الامتہ اور تفسیر مظہری اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ اور اپنے مشائخ ثلثہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ و حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ وحضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب مدظلہم العالی اور اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا خیر محمد صاحب اور حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری رحمتہ اللہ

تعالیٰ کے ارشادات کی روشنی میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ بذل المجہود اور معارف السنن اور صحاح ستہ کے حواشی متفرقہ سے بھی احقر نے استفادہ کیا ہے یا اللہ ان سب اکابر کے درجات بلند فرما۔ آمین۔ قبر میں سوالات کے جواب والے اشعار زائد فائدہ کے طور پر احقر لکھ رہا ہے طلبہ کے ذمہ ان کا یاد کرنا ضروری نہیں ہے اور وہ یہ ہیں قال حضرت مولانا محمد ادریس الکاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

الافا سمعو امنی اهیل مودتی
جواب سوال المنکرین بحفرنی
اذا ستلا عن ربکم ونبیکم
وعن وینکم قولوالجسن تثبت
هوالله ربی مالک الملک کله
و دینی هوالاسلام آخر ملته
واشهد ان الله ارسل احمرا
الی سائرالاکوان انس وجنته
لقد جاء نا بالبینات و بالهدیٰ
هرانا الی الرحمن مولی البریته
علیه صلوٰة الله ثم سلامه
الی ابدالآباد من غیر فترة

من مات لیشرک باللہ شیاءً دخل النار وقلت انامن مات لایشرک باللہ شیئاً دخل الجنته

یہ الفاظ حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہیں گویا وعید مرفوعاً نقل فرمائی اور بشارت موقوفاً نقل فرمائی۔ سوال: مسلم کی روایت میں اس کا عکس ہے عبداللہ بن مسعود ہی سے من مات لایشرک باللہ شیئا دخل الجنته وقلت انامن مات یشرک باللہ شیئا دخل النار یہ تو تعارض پایا گیا جواب۔۱۔ دونوں روایتوں میں سے کسی ایک میں کسی راوی سے نسیان ہوئی ہے یہ ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ بخاری شریف والی روایت میں نیچے کے کسی راوی سے نسیان ہوئی یا مسلم شریف کی روایت میں نسیان ہوئی۔۲۔ اقویٰ سند کے لحاظ سے بخاری شریف والی روایت ہے۔۳۔ حضرت ابن مسعود نے دونوں باتیں مرفوعاً سنی تھیں جیسا کہ دوسرے صحابہ سے دونوں مرفوعاً منقول ہیں پھر حدیث آگے پہنچاتے وقت ابن مسعود کو بعض دفعہ وعید میں شک ہوا تو وہ صرف اپنی طرف منسوب کی مرفوعاً ذکر نہ فرمائی اور بعض موقعوں میں بشارت میں کچھ شک ہوا تو اس کو اپنی طرف منسوب کر دیا یہ بہت اعلیٰ درجہ کی احتیاط تھی حاصل یہ کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اور کوئی تعارض نہیں دو مختلف وقتوں میں حضرت ابن مسعود کے بیان فرمانے پر محمول ہیں تعارض میں اتحاد زمانہ شرط ہوتا ہے۔

درتنا قض هشت وحدت شرط داں
وحدت موضوع و محمول و مکان
وحدت شرط واضافت جز وکل
قوة وفعل است درآخر زمان

سوال۔ جس حصہ میں شک تھا اس کو بالکل بیان نہ فرمانا چاہئے تھا۔ اس کو کیسے جان لیا اور کیسے یہاں بیان فرما دیا یہ تو احتیاط کے خلاف ہے۔ جواب۔۱۔ قیاس سے جان لیا اور وہ بھی ادلہ میں داخل ہے۔۲۔ اس آیت کی وجہ سے جان لیا ان اللہ لایغفران یشرک به ویغفرمادون ذلک لمن یشاء۔

باب الامر باتباع الجنائز: غرض جنازہ کے ساتھ جانے کی مشروعیت کا بیان ہے پھر وجوب یا استحباب کی تصریح نہ فرمائی اس لئے کہ حدیث پاک میں امر مذکور ہے اور امر میں دونوں احتمال ہیں کہ وجوب کے لئے ہو یا استحباب کے لئے ہو اور جمہور فقہاء نے اس کو فرض علی الکفایہ قرار دیا ہے جس میں مجموعی طور پر وجوب وفرضیت ہے کہ کوئی بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہونگے اور انفرادی طور پر مستحب ہے پس فقہاء کے قول میں وجوب اور استحباب دونوں کی رعایت موجود ہے۔

والدیباج: ریشم کی ایک قسم۔ **قسی:** ریشمی گدی۔ **والاستبرق:** ریشم کی ایک قسم۔ سوال۔ شروع حدیث میں تو

نھانا عن سبع ہے اور یہاں چھ مذکور ہیں۔ جواب ساتویں چیز کسی راوی سے اس روایت میں رہ گئی وہ ہے المیثرۃ الحمراء سرخ ریشمی گدیاں۔ باب الدخول علی المیت بعدالموت اذا ادرج فی اکفانہ:۔ غرض امام نخعی کا رد ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ مرنے کے بعد غسل دینے والے اور خصوصی گھر والوں کے سوا کسی کے لئے میت کی زیارت مناسب نہیں کیونکہ اس کی خوبصورتی میں تبدیلی آ چکی ہوتی ہے اسی لئے آنکھیں بند کرنے کا اور منہ ڈھانپنے کا حکم ہے ان کا رد کر دیا کہ چہرہ دیکھنا سب کے لئے جائز بلکہ مستحب ہے جیسا کہ اس باب کی روایت سے ثابت ہو رہا ہے۔

لایجمع اللہ علیک موتتین

دو معنی کئے گئے۔ ۱- ایسا نہیں ہے جیسا کہ حضرت عمر کہہ رہے ہیں کہ عنقریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ زندہ کئے جائینگے پھر بعد میں دوبارہ موت آئے گی کیونکہ بار بار موت آنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونچے مرتبہ کے خلاف ہے جیسا کہ بطور سزا کے ایسا کیا گیا الم ترالی الذین خرجوا من دیار ھم وھم الوف حذر الموت یا خاص حکمت کی وجہ سے ایسا کیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے او کالذی مر علی قریۃوھی خاویۃ علی عروشھا الآیۃ۔ یہاں نہ خاص حکمت ہے نہ زجر مناسب ہے۔ ۲- قبر میں سوال جواب کے بعد عام مسلمانوں کی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہ آئے گی کیونکہ نیند تو موت کی بہن ہے النوم اخ الموت۔ **ماادری وانا رسول اللہ مایفعل بی:۔** اس فرمانے سے غرض۔ ۱- عبدیت کا اظہار۔ ۲- یہ فرمانا اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے پر محمول ہے **لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر**۔ ۳- آخرت کے انعامات کی تفصیلات کا پتہ نہیں۔

باب الرجل ینعیٰ الی اھل المیت بنفسہ

غرض یہ ہے کہ موت کا اعلان کرنا جائز ہے تاکہ لوگ جنازہ میں شریک ہوسکیں میت کے لئے استغفار کریں اور اس کی وصایا کو نافذ کیا جاسکے۔ سوال نعی سے تو احادیث میں ممانعت آتی ہے جواب۔ ۱- میت کے رشتہ داروں کو تکلیف پہنچانے کی نیت سے اعلان کرتے پھرنا منع ہے۔ ۲- نوحہ کے ساتھ اعلان کرنا جیسا کہ جاہلیت میں رسم تھی یہ منع ہے۔ بنفسہ:۔ اور بعض نسخوں میں نفسہ ہے بغیر باء کے یہ زیادہ واضح ہے دونوں نسخوں کے معنی یہ ہیں۔ کہ آدمی خود ہی اپنے گھر والوں کو اطلاع دے کو ہمارا فلاں آدمی فوت ہو گیا ہے۔ **اھل المیت:**۔ دو معنی کئے گئے۔ ۱- یہاں اہل کا لفظ عام ہے رشتہ داروں کو بھی شامل ہے اور اخوت دینیہ والے سب مسلمانوں کو شامل ہے یہاں دینی بھائی ہی مراد ہیں کیونکہ مدینہ منورہ والے مسلمان حضرت نجاشی کے دینی بھائی تھے۔ ۲- ترجمۃ الباب میں اہل المیت سے مراد رشتہ دار ہیں۔ حدیث سے امام بخاری استنباط فرمانا چاہتے ہیں کہ جب اجنبی لوگوں کو موت کی خبر دینا جائز ہے تو میت کے رشتہ داروں کو بطریق اولیٰ خبر دینا جائز ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ میں اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ ومالک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے وعندالشافعی واحمد جائز ہے منشاء اختلاف اس باب کی حدیث والا واقعہ ہے۔ **عن ابی ھریرۃ مرفوعاً نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ خرج الی المصلیٰ فصف بھم وکبرار بعاً۔** ہمارے نزدیک یہ حضرت نجاشی کی خصوصیت تھی وعندالشافعی واحمد اس سے قاعدہ کلیہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک کی نماز جنازہ غائبانہ جائز ہے ہماری وجوہ ترجیح۔ ۱- چونکہ وہ خفیۃً مسلمان ہوئے تھے اس لئے ان کے ملک میں کسی نے بھی ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی تھی اس مجبوری سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی اس کو قاعدہ کلیہ نہیں بنا سکتے۔ ۲- بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نجاشی کا بدن مبارک غائب نہ رہا تھا پردے درمیان سے ہٹا دیئے گئے تھے۔ یا تھوڑی دیر کے لئے میت کو مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا تھا اس لئے یہ غائبانہ نماز جنازہ نہ رہی حاضرانہ نماز جنازہ ہوئی۔ ۳- یہ ان کی خصوصی فضیلت تھی کیونکہ بہت سے صحابہ غائبانہ فوت ہوئے اور غائبانہ

نماز جنازہ صرف حضرت نجاشی کی اور صرف ایک صحابی کی وارد ہے اس کی تفصیل بھی بخاری شریف کی شرح میں کافی دور آئے گی انشاءاللہ تعالےٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے ایک صحابی مدینہ منورہ میں فوت ہوئے تھے اُن کا جنازہ سفر میں حاضر کیا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی۔ ان دو کے علاوہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ ثابت نہیں ہے۔ خصوصاً غزوہ مؤتہ میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شہید ہونے کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے اُسی وقت بطور معجزہ کے دی لیکن نماز جنازہ نہ پڑھی اس لئے صرف دو حضرات کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا باقیوں کی نہ پڑھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اِن دو حضرات کی خصوصیت ہے یہ عام قاعدہ نہیں ہے۔

ثم اخذها خالدبن ولید من غیر امرة ففتح له

اس حدیث پاک سے چند مسائل مستنبط کئے گئے ہیں۔ ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور معجزہ کے اخبار بالغیب فرمائی کہ اب فلاں شہید ہوا۔ اب فلاں شہید ہوا۔ اور معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا ہمارے دلوں میں اور زیادہ پختہ ہوا اور رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا اللھم زدفزد۔ ۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غم ظاہر فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ دل میں شفقت اور رحمت اور رقت کا پایا جانا اچھا ہے۔ نوحہ کی طرح عیب نہیں ہے۔ ۳۔ اضطرار کے درجہ میں بغیر بادشاہ کے امر کے بھی ولایت اور لشکر کی امیری کی گنجائش ہے جیسے حضرت خالد بن الولید امیر لشکر بن گئے حالانکہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر نہ بنایا تھا لیکن اُس وقت اضطرار تھا اور بغیر امیر کے مسلمانوں کا بہت نقصان ہونے کا اندیشہ تھا۔ ۴۔ وکیل بنانے میں تعلیق بھی جائز ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر فلاں شخص میرا وکیل ہے جیسے ارشاد فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر لشکر بن جائیں وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر بن جائیں یہ صورت جائز ہے۔

باب الاذن بالجنازة

غرض یہ ہے کہ۔ ۱۔ یہ خواہش کرنا کہ مجھے نماز جنازہ کے وقت کی اطلاع ہو جائے مستحسن ہے۔ ۲۔ یہ اعلان کرنا کہ فلاں وقت نماز جنازہ پڑھی جائے گی مستحسن ہے۔ فرق:۔ گذشتہ باب اور اِس باب میں یہ فرق ہے کہ گذشتہ باب موت کی خبر کرنے کے متعلق تھا کہ جس کو موت کا پتہ نہ ہو اس کو بتلا دیا جائے کہ فلاں شخص کی موت واقع ہو گئی ہے اور اس باب میں نماز جنازہ کا وقت بتلانا یا معلوم کرنا مقصود ہے۔

باب فضل من مات له ولد فاحتسب

غرض اُس شخص کی فضیلت کا بیان کرنا ہے کہ جس کا کوئی بچہ فوت ہو گیا ہو اور اس نے اس کو ثواب کا ذریعہ سمجھا ہو کہ اس کو واقعی بہت ثواب ملے گا۔ **لا یموت لمسلم ثلاثة من الولد فیلج النارالا تحلة القسم** :۔ اس تحلۃ القسم میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے وان منکم الا واردھا تقدیر عبارت یوں ہے وان منکم واللہ الا واردھا حاصل معنیٰ یہ ہوئے کہ تھوڑا سا جہنم پر سے گذر جائے گا نہ داخل ہوگا نہ اِس کو عذاب ہوگا صرف آیت والی قسم پوری ہونے کے لئے تھوڑا سا گذرنا پڑے گا۔ **باب قول الرجل للمرأة عند القبر اصبری** غرض یہ ہے کہ کوئی عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی ہو تو اسے کہنا کہ صبر کر یہ مستحسن ہے۔

باب غسل المیت ووضوءه بالماء والسدر

غرض یہ ہے کہ میت کو بیری کے پتوں والے پانی سے غسل اور وضوء دونوں کرانے چاہئیں پھر غسل تو واجب ہے اور وضوء سنت ہے۔

وحنطه ابن عمر رضی الله عنهما ابناً لسعید بن زید

سوال۔ یہ روایت تو باب کے مناسب نہیں کیونکہ اس میں خوشبو لگانے کا ذکر ہے تحنیط کے معنیٰ خوشبو لگانے کے ہیں اور باب میت کو غسل دینے کا باندھا ہوا ہے۔ جواب خوشبو غسل دینے کے بعد ہی تو

لگائی جاتی ہے اس لئے بطور اقتضاء النص کے غسل کا ذکر پایا گیا۔

باب مایستحب ان یغسل وِتراً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ طاق کا لحاظ کرنا غسل میں مستحب ہے۔

باب یبدأ بمیا من المیت

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ غسل میت میں دائیں طرف کو پہلے دھونا مستحب ہے اور اس میں حکمت نیک فالی کی ہے کہ امید ہے کہ اس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔

باب مواضع الوضوء من المیت

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت پہلے وضوء کی جگہوں کو دھونا سنت غیر موکدہ کے درجہ میں ہے۔

باب یجعل الکافور فی آخرہ

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ غسل کے اخیر میں کافور لگانا سنت غیر موکدہ ہے۔ باب نقض شعر المرأۃ:۔ غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ میت عورت کو غسل دیتے وقت بالوں کا کھولنا اور دھونا ضروری ہے۔

باب کیف الا شعار للمیت

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے۔ کہ زندہ آدمی کی طرح ازار کو بل دینے کی یا گرہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سادہ طریقے سے لپیٹ دے۔

باب ھل یجعل شعر المرأۃ ثلثۃ قرون

ہل کا جواب محذوف ہے جو حدیث سے سمجھ میں آرہا ہے یعنی نعم اور بعض نسخوں میں ہل نہیں ہے غرض یہ بتلانا ہے کہ عورت میت کے بال تین مینڈیوں کی صورت میں کرنے چاہئیں اختلاف:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ بغیر کنگھی کئے عورت کے بال دو حصے کر کے آگے ڈالنے چاہیں وعند الجمہور تین مینڈیاں کر کے پیچھے ڈالنی چاہیں لنا روایۃ عمدۃ القاری ومصنف عبد الرزاق عن عائشۃ موقوفاً عَلامَ تَنصُوْن میتکم تم کسی بنا پر اپنی میت کو کنگھی کرتے ہو معلوم ہوا کہ میت کا حال زندہ کی ضد پر ہے زندہ عورت کنگھی کرتی ہے میت کو کنگھی نہ کی جائے زندہ عورت کی مینڈیاں ہوتی ہیں میت کی نہ کی جائیں زندہ عورت کے بال پیچھے ہوتے ہیں اس کے آگے کئے جائیں۔ وللجمھور حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن ام عطیۃ موقوفاً ضفرنا شعر بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم تعنی ثلاثۃ قرون وفی روایۃ للبخاری والقینا ھا خلفھا جواب۔ یہ ان صحابی عورتوں کا اپنا اجتہاد تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تین مینڈیاں پیچھے کرنے کا امر فرمانا یا مطلع ہونا ثابت نہیں اور حضرت عائشہ صحابیات میں سب سے زیادہ فقیہہ تھیں۔

باب یلقی شعرا لمرأۃ خلفھا

غرض یہ کہ مستحب یہ ہے کہ میت عورت کے بال پیچھے رکھے جائیں تفصیل اختلاف کی ابھی گذر چکی۔

باب الثیاب البیض للکفن

غرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ کفن سفید کپڑوں کا بنانا سنت ہے۔ ربط یہ ہے کہ پیچھے غسل کا ذکر تھا اب کفن کا ذکر ہے۔ یمانیۃ:۔ یمن کی طرف نسبت ہے الف بڑھا دیا گیا ہے اور الف کے بڑھانے ہی کی وجہ سے یائے نسبت جو مشدد ہوتی ہے اس کو مخفف کر دیا گیا ہے۔ سحولیۃ یمن میں ایک جگہ ہے۔ سَحُول اُس کی طرف نسبت ہے۔

باب الکفن فی ثوبین

غرض غریبی اور مجبوری کا کفن بیان کرنا ہے کہ ایسی صورت میں دو کپڑے بھی کافی ہیں۔ فوقصتہ:۔ وقص کے معنیٰ گردن توڑنے کے ہیں۔ معنیٰ یہ کہ اونٹی نے گرادیا لیکن یہ گرانا سبب تھا گردن ٹوٹنے کا اس لئے اسناد مجازی کے طور پر فرمادیا گیا کہ اونٹنی نے گردن توڑ دی۔

باب الحنوط للمیت

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ غیر محرم کے لئے مرنے کے بعد خوشبو لگانا مستحب ہے۔ اقعاص اور اقصاع کے معنیٰ جلدی قتل کرنے کے ہیں۔

باب کیف یکفّن المحرم

غرض طریقہ بیان کرنا ہے محرم کوکفن دینے کا۔ **اختلاف:۔** عند امامنا ابی حنیفۃ و مالک مرنے کے بعد احرام کا حکم باقی نہیں رہتا عند الشافعی واحمد باقی رہتا ہے ولنا روایۃ موطأ محمد عن نافع ان ابن عمر کفّن ابنہ واقد بن عبد اللہ وقد مات محرما بالجحفۃ و خمّر راسہ و للشافعی واحمد روایۃ ابی داؤد والبخاری حدیث الباب عن ابن عباس مرفوعاً ولا تمسوہ طیباً ولا تخمرّ وا راسہ فان اللہ یبعثہٗ یوم القیامۃ ملبّدا و فی روایۃ للبخاری ملبّیا. جواب یہ اُس صحابی کی خصوصیت ہے کیونکہ ضمیر میں اصل یہی ہے کہ وہ شخص مُعین کی طرف لوٹتی ہے۔ اُس صحابی کومُعین فرما کر فرمادیا کہ یہ تلبیہ کہتا ہوا اُٹھے گا جو حج قبول ہونے کی قطعی دلیل ہے ہم ہر ایک کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے اس لئے ہر ایک پر مرنے کے بعد حج کے احکام کو باقی بھی نہیں رکھ سکتے کہ نہ خوشبو لگائیں نہ سر ڈھانپیں۔

باب الکفن فی القمیص الذی یُکفُّ اولا یکف و من کفن بغیر قمیص

غرض میں اقوال مختلف ہیں۔ا۔ القمیص المکفّف اس قمیص کو کہتے ہیں جس کے حاشیہ پر سلائی کی گئی ہو اور یُکفُّ مجہول کا صیغہ ہے۔ اور معنیٰ یہ ہیں کہ مکففٌ اور غیر مکفّف ہر طرح قمیص میں دفنانا جائز ہے اور غرض رد کرنا ہے اس شخص پر بھی جو مکفف سے منع کرتا ہے اور اس شخص پر بھی جو مکفّف کو مستحب قرار دیتا ہے۔ یعنی مباح ہے نہ مستحب ہے نہ مکروہ ہے۔۲۔ یہ لفظ فاء کے شد کے ساتھ معروف پڑھا گیا ہے اور غرض یہ ہے کہ صالحین کی قمیص سے تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے پھر واقع میں وہ قمیص عذاب سے روکے یا نہ روکے جیسا کہ منافق کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص نے عذاب سے نہ روکا۔۳۔ کاف کی تخفیف کے ساتھ ہے اور اصل لفظ یکفی اولا یکفی تھا یاء کسی کاتب سے ساقط ہوئی ہے غرض یہ ہے کہ قمیص گھٹنوں تک یا پوری قمیص پاؤں تک ہو دونوں طرح ٹھیک ہے۔ **ومن کفّن بغیر قمیص:۔** باب کے ترجمہ کے اِس حصہ کا مقصد یہ ہے کہ فقر یا سفر کی وجہ سے قمیص کے بغیر بھی کفن دے دینا جائز ہے۔

ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم

سوال۔ جب استغفار پر بخشش کی نفی کر دی گئی تھی تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کیوں فرمایا جواب۔ بلغاء کی اصطلاح میں اس کو تلقی المخاطب المتکلم بغیر ماارادہ کہتے ہیں کہ مخاطب متکلم کی کلام کو ایسے معنیٰ پر محمول کر لے جو بظاہر متکلم نے مراد نہیں لئے اِس امید پر کہ مخاطب کی درخواست متکلم قبول کر لے اور ارادہ بدل دے کہ یا اللہ ظاہری ایمان پر ہی بخشش فرمادیں اِس بخشش کی خاطر میں ستّر سے زائد مرتبہ استغفار کرلونگا آپ نے جو او کے ساتھ ذکر فرمایا ہے **استغفرلھم اولا تستغفر لھم** اس میں لفظوں کے لحاظ سے اختیار بھی نکل سکتا ہے آپ اِسی تخییر اور اختیار دینے ہی کا ارادہ فرمالیں اور اِن منافقین کی بخشش فرمادیں پھر نبی کریم صلی علیہ وسلم کا منافق پر نماز پڑھنا کس وجہ سے تھا اس میں دوقول ہیں۔ا۔ ظاہری اسلام لانے پر مدار رکھا۔ کہ اللہ تعالےٰ اسے ہی بخشش کا ذریعہ بنا دیں۔۲۔ اس نماز پڑھنے سے خزرج کے قبیلہ کے لوگوں کے ایمان لانے کی امید تھی اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس منافق پر نماز پڑھی تھی چنانچہ ایک روایت کے مطابق ایک ہزار آدمی خزرج قبیلہ کے مسلمان ہوگئے اس لحاظ سے یہ ارشاد **استغفر لھم اولا تستغفر لھم** ایسا ہی ہے جیسے ارشاد پاک ہے۔ **ان الذین کفروا سواء علیھم انذرتھم ام لم تنذر ھم لا یومنون۔** کہ تبلیغ کا کافروں کو فائدہ نہ ہوگا آپ کو ثواب ہوگا ایسے ہی استغفار کا اِس منافق کو فائدہ نہ ہوگا جس کے لئے استغفار کیا جارہا ہے دوسرے کافروں کو فائدہ ہوسکتا ہے کہ شاید اس نرمی کی وجہ سے اخلاص کے ساتھ ایمان لے آئیں جیسا کہ ابھی روایت نقل کی گئی ایک ہزار کے ایمان لانے کی۔

باب الكفن بغير قميص

غرض رد کرنا ہے ہمارے امام ابوحنیفہ پر جو قمیص کے قائل ہیں اور جمہور ائمہ کے نزدیک کفن میں قمیص نہیں ہے۔ ولنا۔ا۔ روایۃ کامل لا بن عدی عن جابر قال کفّنَ النبی صلی الله علیه وسلم فی ثلثة اثواب قمیص وازار ولفافة. ۲. فی ابی داؤد عن ابن عباس قال کفن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ثلثة اثواب قمیصه الذی مات فیه وحُلتهِ نجرنیته و للجمهور. ا حدیث الباب عن عائشته ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کفن فی ثلثة اثواب لیس فیها قمیص ولا عمامته. جواب۔ا۔ ہماری روایت مثبت ہے آپ کی نافی ہے اور عند التعارض مثبت کو ترجیح ہوتی ہے۔۲۔ اس معاملہ میں مردوں کی روایت عورتوں پر راجح ہے۔۳۔ نفی قمیص متعارف کی ہے کہ کوئی نئی قمیص متعارف طریقہ سے سلائی گئی ہو اور یہ پہنائی گئی ہو۔

باب الكفن بلا عمامته

غرض اُس شاذ قول کا رد ہے کہ عمامہ بھی کفن میں ہونا چاہئے ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق ہے کہ عمامہ نہ ہونا چاہئے۔

باب الكفن من جميع المال

غرض رد کرنا ہے حضرت خلاس بن عمرو اور حضرت سعید بن مسیب اور حضرت طاؤس کے قول پر جو قائل تھے اس کے کہ کفن ثلث مال میں سے ہوتا ہے ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک کل مال میں سے ہوتا ہے ہماری دلیل حدیث الباب عن عبدالرحمن بن عوف موقوفاً قتل حمزة اور رجل آخر خیر منّی فلم یوجدله مایکفن فیه الا بُردة ولطاؤس و من معه قیاس ہے وصیت پر جواب۔ حدیث کی موجودگی میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب اذا لم یوجدالا ثوب واحد

غرض میں دو قول ہیں۔ا۔ یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر ایک ہی کپڑا ہو تو دوسرے اور تیسرے کپڑے کے انتظار میں دفن میں دیر نہ کی جائے۔۲۔ یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر میت دو ہوں اور کپڑا ایک ہو تو ایک میں دفن کر دینا جائز ہے درمیان میں گھاس رکھ دی جائے گی سوال۔ اس باب کی حدیث میں تو دو کا ذکر نہیں ہے۔ جواب۔ا۔ جس حدیث میں دو کا ذکر ہے وہ ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے صرف باب میں اشارہ فرما دیا۔۲۔ باب کی حدیث پر قیاس فرمایا اور علتِ مشترکہ ضرورت ہے۔ جیسے ضرورت کی وجہ سے تین کی جگہ ایک کپڑا کفن میں دیا جاسکتا ہے ایسے ہی ضرورت کی وجہ سے دو کو ایک کپڑے میں بھی دفن کیا جاسکتا ہے۔

باب اذا لم یجد کفنا الا ما یواری راسه او قدمیه غَطّٰی به راسه

غرض اِس مسئلہ کا بیان ہے کہ اگر کفن کا ایک ہی کپڑا ہو اور وہ چھوٹا ہو تو سر ڈھانپ دیا جائے اور پاؤں پر گھاس وغیرہ ڈال دی جائے۔ یَھْدِبُھا:۔ پھل کاٹتا ہے۔

باب من استعدالکفن فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم فلم ینکر علیه

غرض یہ ہے کہ زندگی میں ہی کفن اپنا خود تیار کر لینا جائز ہے بلکہ قبر کھود لینا بھی جائز ہے تاکہ نفس نیکی میں زیادہ کوشش کرے سوال۔ ماتدری نفس بای ارض تموت تو اس کے خلاف ہے جواب۔ اس آیت میں علم کی نفی ہے کہ پتہ نہیں ہے۔ نفس کو کہ کس زمین میں موت آئے گی۔ قبر کھودنے کی کراہت تو اس سے ثابت نہیں ہوتی باب اتباع النساء الجنائز:۔ غرض یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ ساتھ عورتوں کا جانا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے ولم یُعزَمَ علینا۔

باب حدّ المرأة علی غیر زوجها

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عورت کے لئے جائز ہے کہ غیر زوج کے مرنے پر تین دن زینت کے کپڑے نہ پہنے البتہ زوج کی موت

پر زینت کا چھوڑنا پوری عدّت میں ضروری ہے۔ **باب زیارۃ القبور**:۔ غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مَردوں کے لئے تو مطلقاً قبرستان میں جانا جائز ہے اور عورتوں کے لئے اگر فتنہ کا اور جزع فزع کا اندیشہ نہ ہو تو گنجائش ہے اور دوسرا قول جو راجح ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مطلقاً منع ہے البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر سب کے نزدیک عورتوں اور مردوں کی حاضری مستحسن ہے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم یعذب المیّت ببعض بکاء اهله علیه اذا کان النوح من سنته

غرض میں دو قول ہیں ا۔ حضرت عمر اور ابن عمر کا قول منقول ہے کہ نوحہ کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے اور حضرت عائشہ اس کا انکار فرمایا کرتی تھیں اِن دونوں قولوں میں جو تعارض ہے امام بخاری اس تعارض کو اٹھانا چاہتے ہیں کہ جب مرنے والے کا اپنا طریقہ ہی نوحہ کرنے کا تھا تو اُس طریقہ کی وجہ سے اُس کے مرنے کے بعد بھی نوحہ کیا جائے تو چونکہ وہ سبب بنا اس لئے اس کو عذاب ہوتا ہے یہی مراد حضرت عمر اور ابن عمر کی ہے اور اگر اُس کا طریقہ نہ ہو تو پھر مرنے کے بعد اگر اُس پر نوحہ کیا جائے تو مرنے والے کو عذاب نہ ہوگا اور یہی مراد حضرت عائشہ کی ہے پس کوئی تعارض نہ رہا۔ ۲۔ امام بخاری کی غرض میں دوسرا قول یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں ہے ببعض بکاء اہلیت اور بعض دوسری روایات میں ہے ببکاء اہلیت تو امام بخاری مطلق کو مقید پر محمول کرنا چاہتے ہیں کہ سب میں یہی مراد ہے ببعض بکاء اہلیت پھر میت کو جو عذاب ہوتا ہے اس کی تفصیل میں متعدد قول ہیں۔ ا۔ یہ عذاب والی حدیث کافروں کے متعلق ہے کہ اُن کو تو عذاب ہو رہا ہے اور اُسی عذاب کے زمانہ میں لوگ اُن پر نوحہ کر رہے ہیں اور ان کی تعریفیں کر کر کے رو رہے ہیں باء ظرفیت کی ہے سببیت کی نہیں ہے۔ ۲۔ یہ حدیث اُس شخص کے متعلق ہے۔ جس نے وصیت کی ہو کہ میرے مرنے کے بعد میری خوب تعریفیں کرنا اور خوب نوحے کرنا۔ ۳۔ گھر والوں کی عادت تھی نوحہ کرنے کی یہ منع کر سکتا تھا پھر بھی اس میت نے مرنے سے پہلے منع نہ کیا تو یہ بھی اسی درجہ میں ہے کہ گویا مرنے کے بعد نوحہ کرنے کی وصیت کر دی اس لئے مرنے کے بعد اپنی اِس بُرائی کی وجہ سے اس کو عذاب ہوتا ہے۔ ۴۔ جب عورتیں جھوٹی تعریفیں نوحہ میں کرتی ہیں واسیداہ واجبلاہ تو فرشتے اُس مرنے والے کو کہتے ہیں کہ کیا تم ایسے تھے تو اس سے اُس میت کو تکلیف ہوتی ہے اور افسوس ہوتا ہے اِسی کو عذاب سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی مرفوع روایت میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔ ۵۔ مسلمانوں اور کافروں کو نوحہ کرنے کے زمانے میں اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ ۶۔ بعض دفعہ میت کو نوحہ کرنے والوں کی حالت دکھائی یا بتلائی جاتی ہے تو میت کو افسوس ہوتا ہے کہ اِس نوحہ کا کیا فائدہ۔ اِس افسوس کو عذاب کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ ۷۔ ایک خاص یہودی کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے اور مقصود اتحادِ زمان ہے کہ اُس کو تو عذاب ہو رہا ہے اور یہ اس کی تعریفیں کر کے نوحہ کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ہے **عن عائشة انما مر النبی صلی الله علیه وسلم علی قبر یهودی فقال ان صاحب هذا لیعذب واهله یبکون علیه**

وما یرخص من البکاء فی غیر نوح

اِس عبارت کا عطف ترجمۃ الباب کے شروع حصہ پر ہے اور اس میں ترجمۃ الباب کی وضاحت ہے۔ تقعقع:۔ اس کی حالت بدل رہی تھی۔ کانھا شن:۔ معنیٰ یہ ہیں کہ بچہ کمزوری میں پرانے مشکیزے کی طرح تھا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کانھا فی شن۔ وہ ایسا تھا جیسے کنکریاں پرانی مشک میں ہوں۔ گویا بچے کے بدن کو کمزوری میں پرانے مشکیزے سے تشبیہ دی گئی اور اس میں روح کو کنکریاں کے ساتھ تشبیہ دے دی گئی کہ بدن کمزور تھا اور معمولی روح باقی تھی۔

هل منکم رجل لم یقارف اللیلته

اس کے دو معنیٰ کئے گئے ہیں۔ ا۔ کیا کوئی ہے کہ جس نے آج رات کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ ۲۔ جماع نہ کیا ہو اس دوسرے معنیٰ میں

حضرت عثمان پر تعریض ہے یعنی اشارۃ اعتراض ہے کہ تم نے اپنی اُس بیوی سے اعراض کیا جو اُسی رات فوت ہوگئی اور اپنی کسی لونڈی کے ساتھ مشغول ہوگئے لیکن یہ اعتراض اور تنبیہ خلاف اولیٰ ہی پر تھی کیونکہ حضرت عثمان کو کیا پتہ تھا کہ یہ ان کی آخری رات ہے اور ان کی لمبی بیماری کی وجہ سے اپنی خواہش پوری کرنے کے محتاج ہوگئے تھے اور یہ ثابت نہیں ہے کہ حالت نزع شروع ہونے کے بعد یا وفات کے بعد مشغول ہوئے ہوں اس لئے یہ مشغول صرف خلاف اولیٰ تھی۔ پھر حضرت ابوطلحہ کا یہ قبر میں اترنا کچی اینٹیں درست کرنے کے لئے تھا اور قبر میں رکھ دینے کے بعد تھا اس لئے بدن کو مس کرنا لازم نہ آیا اور حضرت ابوطلحہ اینٹیں درست کرنے میں ماہر بھی تھے۔

قال ابن عباس عند ذلک والله هو اضحک وابکی

غرض یہ ہے کہ جیسے رونا اور ہنسا غیر اختیاری ہے ایسے ہی نوحہ کرنے والوں کا نوحہ کرنا میت کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کو عذاب نہ ہونا چاہئے گویا حضرت عائشہ کے قول کی تائید فرما دی پھر اس پر ابن عمر کا سکوت ترک مجادلہ کے درجہ میں ہے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے بھی حضرت عائشہ کے قول کی تائید فرما دی۔

سَمُرہ:۔ ببول کا درخت جو گھنا ہوتا ہے۔

باب ما يُكرَهُ من النيا حته على الميّت

غرض یہ ہے کہ نوحہ مکروہ ہے اور من بیانیہ ہے۔

باب: یہ ماقبل کا تتمہ ہے۔

باب ليس منا من شق الجيوب

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ جو غم میں کپڑے پھاڑتا ہے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے سوال۔ حدیث پاک میں تو تین چیزیں تھیں باب میں صرف ایک کیوں ذکر فرمائی۔ جواب امام بخاری یہ اشارہ فرمانا چاہتے ہیں کہ تینوں میں سے ہر ایک محل وعید ہے اسی لیے تین باب باندھے اور ہر ایک میں ایک ایک گناہ ذکر فرمایا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ صرف تینوں کا مجموعہ محل وعید ہے۔

باب رثى النبى صلى الله عليه وسلم سعد بن خولته

غرض یہ ہے کہ مرنے والے پر شفقت کا اظہار جائز ہے۔ سوال ابن ماجہ اور مسند احمد میں عن عبد الله بن ابی اوفی مرفوعاً هے نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المراثى اور یہاں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رثاء فرمانا مذکور ہے جواب رثاء مصدر ہے اس کے دو معنیٰ آتے ہیں۔ ا۔ غم بڑھانا۔ ۲۔ شفقت ظاہر کرنا یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں اور ابن ماجہ والی روایت میں پہلے معنیٰ سے ممانعت ہے۔

با ب ما ينهى من الحلق عند المصيبته

غرض عورتوں کا حلق راس حرام ہے اور مصیبت کے اظہار کے لئے مردوں کے لئے بھی منع ہے۔ سوال۔ حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے باب میں امام بخاری نے صرف ایک کیوں ذکر فرمائی۔ جواب۔ ا۔ عورتوں کے حق میں حلق اِن تینوں مذکورہ چیزوں میں سے زیادہ قبیح ہے وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ ا۔ صالقہ۔ نوحہ میں آواز بلند کرنے والی۔ ۲۔ حالقہ سر منڈانے والی۔ ۳۔ شاقہ گریبان پھاڑنے والی۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر ایک گناہ ہے اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہر ایک کے لئے الگ الگ باب باندھ دیا اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ شاید صرف تینوں کا مجموعہ گناہ ہے اکیلے اکیلے ہر ایک کام میں شاید کوئی گنجائش ہو پھر اس باب میں جو ما ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ ا۔ موصولہ اور من بیانیہ۔ ۲۔ ما مصدریہ اور من زائدہ ای باب نهى الحلق عند المصيبته۔

باب ليس منامن ضرب الخدود

غرض ضرب خدود کی کراہت کا بیان ہے۔

باب ما ينهى من الويل و دعوى الجاهليته عند المصيبة

غرض نوحہ کی ممانعت کا بیان ہے۔ ما موصولہ ہے اور من میں

دونوں احتمال ہیں بیانیہ اور تبعیضیہ دوسرے احتمال میں اُن آیات اور احادیث کونکالنا مقصود ہے جن میں لفظ ویل استعمال کیا گیا ہے۔

باب من جلس عند المصیبته یعرف فیه الحزن

غرض یہ ہے کہ مصیبت میں اعتدال کے ساتھ غم ظاہر کرنے کی گنجائش ہے۔

ولم تترک رسول الله صلی الله علیه وسلم من العناء

اس عبارت کی دوتوجیہیں ہیں۔ا۔حضرت عائشہ یہ فرمارہی ہیں۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ اگر حرام کے درجہ کا نوحہ کررہی ہیں تو منع کردو۔وہ ایسانہیں کررہیں۔تم اُن کو پوری بات نہیں پہنچارہے جاکر یہ کہہ رہے ہو کہ رونا بند کردواور پھر شکایت کررہے ہو کہ وہ بات نہیں مان رہیں اس سے نبی کریم کو مشقت ہورہی ہے یہ چھوڑ دو۔۲۔بعض رونے والی نوحہ بھی کر رہی تھیں لیکن یہ صاحب اُن کو پورا پیغام نہیں پہنچارہے تھے۔مثلاً یہ کہ ایسے طریقہ سے منع کررہے تھے کہ وہ سمجھ رہی تھیں کہ یہ اپنی طرف سے منع کررہے ہیں اوراپنی کوتاہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ بتلارہے تھے کہ کسی اور کو بھیج دیا جاتا اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشقت ہورہی تھی کہ وہ گناہ کر رہی ہیں اور میری بات نہیں مان رہیں اس مشقت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کونجات مل جاتی:۔

باب من لم یظهر حزنه عند المصیبة

غرض اِس باب سے یہ ہے کہ صبر کا اونچا مقام ہے۔سوال گذشتہ باب میں اظہار حزن تھا یہاں عدم اظہار حزن ہے تو یہ تعارض ہے۔جواب۔گذشتہ باب میں بیان جواز تھا اب بیان اولو یۃ ہے ولئن صبرتم لهو خیر للصابرین۔

فرأیتُ لهم تسعة اولادِ

مراد بلاواسطہ اولاد ہے اوران کے مبارک نام یہ ہیں۔اسحٰق۔ اسماعیل۔یعقوب۔عُمیر۔عمر۔محمد۔عبداللہ۔زید۔قاسم۔

باب الصبر عند الصدمه الاولیٰ

غرض اُس صبر کا مصداق بتلاتا ہے جس کے فضائل قرآن وحدیث میں ہیں اور جس کو قرآن پاک میں مورد صلوٰت اور مورد رحمۃ قرار دیا گیا ہے اور جس کے ساتھ موصوف ہونے والوں کو مہتدین قرار دیا گیا ہے۔العدلان:۔جانور پر جو بوجھ لادا جاتا ہے اُس بوجھ کی ہر جانب کو عِدل کہتے ہیں اور دونوں جانبوں کو عدلان کہتے ہیں۔العلاوہ:۔وہ وزن جو عدلان کے درمیان رکھا جاتا ہے۔یہاں عدلان کا مصداق صلوٰت اور رحمت ہیں اور علاوہ کا مصداق ہدایۃ ہے جوھم المھتدون کے ضمن میں مذکور ہے۔باب کے مقصد کا حاصل یہ ہوا کہ یہ سب فضائل اُسی صبر کے ہیں جو مصیبت کے بعد فوری طور پر اختیار کیا جائے کیونکہ کچھ عرصہ کے بعد تو ہر ایک کو صبر آہی جاتا ہے۔

انا لله وانا الیه راجعون

اِن آیتوں میں متعدد اسباب صبر صراحۃً یا اشارۃً بیان فرمائے گئے ہیں مثلاً۔ا۔وبشر الصابرین میں تبشیر میں اشارہ ہے کہ مصیبت آئے تو سوچا کرو کہ اس کا ثواب بہت ملے گا حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کی وفات پر سب سے زیادہ سکون ایک دیہاتی کے دوشعروں سے ہوا۔

اصبر نکن بک صابرین فانما
صبرا لرعیته بعد صبر الراس
خیر من العباس اجرک بعده
والله خیر منک للعباس

۲۔وبشر الصابرین الذین میں جمع کے صیغوں میں اِس مراقبہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایسی مصیبتوں میں اکیلا نہیں ہوں سب کو آتی رہتی ہیں مرگ انبوہ جشنے دارد۔۳۔اذا اصابتهم مصیبةٌ میں اذا استعمال فرمایا جو یقین کے لئے ہے اشارہ تقدیر کے مسئلہ کی طرف ہے جو مشکل تھا لیکن صرف اس لئے اجمالاً ذکر فرمادیا گیا تاکہ مصیبت میں زیادہ غم نہ ہو اور راحت میں فخر وتکبر نہ

پیدا ہو لکیلاتأ سوا علی ما فا تکم ولا تفرحوابما اتکم۔۴۔ انا للہ میں عقلی غم کا ازالہ ہے کہ وہ حاکم ہیں کسی کو اعتراض کا حق نہیں جس کو چاہیں دنیا میں رکھیں جس کو چاہیں آخرت میں لے جائیں جس کو چاہیں امیر بنائیں جس کو چاہیں غریب بنائیں جس کو چاہیں صحت دیں جس کو چاہیں مرض دیں تعزّمن تشاء و تذل من تشاء. ۵. وانا الیہ راجعون میں طبعی غم کا ازالہ ہے اگر کسی ملنے والے سے یا مال سے یا صحت سے جدائی ہوئی ہے تو یہ جدائی عارضی ہے ہمارے مرنے کے بعد یہ جدائی دور ہو جائے گی اور وہ ہم سے پہلے مرنے والا بھی ہمیں مل جائے گا اور جنت میں مال اور صحت بھی اعلیٰ درجے میں مل جائینگے ۔۶۔ راجعون میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مرنے والا اپنے اصلی وطن کی طرف لوٹ گیا ہے۔ ہم بھی اپنے اصلی وطن آخرت کی طرف لوٹنے والے ہیں فی الحال سفر میں ہیں۔ سفر میں تھوڑی بہت تکلیف آیا ہی کرتی ہے سفر سمجھ کر برداشت کر لینی چاہئے کُن فی الدنیا کا نک غریب اوعابرُ سبیل.۷. اولئک علیھم صلوٰت. مصیبت والوں پر کامل رحمتیں کئی قسم کی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مصیبت سے تواضع اور انکساری پیدا ہوتی ہے اور تکبر دور ہوتا ہے جو بلا مصیبت دور ہونا بہت مجاہدوں سے ہوتا ہے۔ مصیبت سے عبدیت ملی جو عبدہ ورسولہ کے اندر بھی مذکور ہے اور عبدیت ذریعہ نبی صلوٰت کا۔ ۸۔اولئک علیھم صلوٰت من ربھم ورحمۃ' اِس رحمت میں جہاں اور بہت سے انعامات ہیں وہاں ایک بڑا انعام کفارہ سیئات ہے کہ مصیبت سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ۹۔واولئک ھم المھتدون۔ ہدایت پانے میں جہاں اور بہت سی چیزیں ہیں ایک ازالہ عقلت بھی ہے جو مصیبت سے حاصل ہوتا ہے اور اس سے نیکی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ مصیبت کے اِس فائدہ کو سوچ کر بھی مصیبت میں صبر آسان ہو جاتا ہے۔ وفقنا اللہ تعالےٰ حضرت عمر کے ارشاد میں یہ آخری تین چیزیں مذکور ہیں۔واستعینوا با لصبروالصلوٰۃ :۔صبر یعنی روزہ سے خواہشات اعتدال پر آئینگی کہ جب آقا کی رضا کی خاطر حلال چیزیں چھوڑ دیں تو حرام چیزیں بطریق اولیٰ چھوڑنی ضروری ہیں پس خواہش کو بے موقعہ استعمال نہ کرنا چاہئے اپنے موقعہ پر استعمال کرنا چاہئے اس کو عفّت کہتے ہیں یہ خواہش اور شہوۃ کا اعتدال ہے حد سے بڑھ جانا شہوۃ کا کہ کھانے پینے کی خواہش کو اور نکاح کی خواہش کو حلال وحرام کا فرق کیئے بغیر پورا کرتے رہنا فجور ہے جو افراط ہے اور بالکل ہی خواہش نہ ہو یہ تفریط ہے جس کو جمود کہتے ہیں۔ انسان میں تین قوتیں ہیں جو انسان کے تمام اخلاق واعمال کی بنیاد ہیں ایک قوۃِ عاقلہ ہے جس سے انسان اپنا نفع نقصان سوچتا ہے۔ یہ علمی قوۃ ہے پھر نفع ونقصان حاصل کرنے نہ کرنے کے لئے دو قوتیں دی گئی ہیں قوۃ غضبیہ کہ مرضی کے خلاف چیز کو اپنے سے دور کرنے کی خواہش اور جوش۔ اور دوسری قوۃ شہوانیۃ کہ مرضی کے مطابق چیزوں کو حاصل کرنے کی خواہش۔ ان تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنا انسان کا کمال ہے اور افراط اور تفریط عیب ہیں۔ قوۃ شہوانیہ کا اعتدال اور افراط اور تفریط بیان کیا جا چکا ہے اور یہ اعتدال صبر یعنی روزہ سے حاصل ہوتا ہے اور قوۃ غضبیہ کا اعتدال نماز سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ نماز سے ماتھا پاؤں رکھنے کی جگہ پر بار بار رکھنے سے تکبر دور ہوتا ہے جو افراط قوۃ غضبیہ کا سبب ہے۔ اِس افراط کا نام تھوّر ہے تفریط کا نام جُبُن اور بزدلی ہے۔ شیطان اور نفس نماز سے روکتے ہیں ہمت کر کے اِن دونوں سے جہاد کرتے ہوئے جب پابندی سے باجماعت نماز پڑھی جائے گی تو جبن بھی ختم ہو جائے گا اور اعتدال شجاعت نصیب ہو جائے گا۔ نماز اور روزہ بغیر ایمان کے معتبر نہیں اور ایمان قوۃ عاقلہ کا اعتدال ہے کہ عقل کو وحی کے ماتحت رکھا جائے افراط کا نام جزبرہ ہے کہ وحی کی جگہ بھی عقل سے فیصلہ کیا جائے کہ مرنے کے بعد کی تفصیل صرف عقل سے سوچی جائے حالانکہ یہاں وحی کے بغیر ہدایت نہیں مل سکتی جو خالق موت وحیوٰۃ ہے وہی بتلا سکتا ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا یہ جزبرہ عیب ہے اور تفریط کو حماقتہ کہتے ہیں درمیان میں حکمت ہے۔

شریعت کی ساری تعلیم حکمت اور عفت اور شجاعت پر مبنی ہے اور یہی انسانی کمال ہے۔ اس لئے صلوٰۃ وصبر وایمان سے دنیا اور آخرت کے سب امور میں استعانۃ کا حکم حق تعالےٰ فرما رہے ہیں۔

وانها لکبیرة الا علی الخاشعین

یہاں کبیرۃ بمعنی شاقۃ ہے کہ نماز میں مشقت ہے اور خشوع سے وہ مشقت ختم ہوجاتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان آزادی پسند ہے اس لئے نماز کی قیود اس کو مشکل نظر آتی ہیں جب خشوع کا اہتمام کرے گا تو اپنی توجہ قلبی ایک طرف رکھے گا اِس یکسوئی کی عادت سے آزادی کی عادت ختم ہوجائیگی اور نماز مشکل نہ رہے گی کیونکہ تمام اعضاء دل کے تابع ہیں جب دل یکسو ہوجائے گا تو تمام اعضاء میں آزاد پھرنے کی خواہش کمزور ہوجائے گی اور نماز پڑھنی آسان ہوجائے گی۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم انا بک لمحزون

غرض یہ ہے کہ اس قسم کا قول صبر کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ میت کا حق ادا کرنے کے لئے ہے۔

ثم اتبعها باخریٰ

دو معنیٰ کئے گئے۔ ا۔ ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ آنسو بہائے ضمیر کا مرجع ومعۃ ہے۔ ۲۔ ایک کلمہ کے بعد دوسرا کلمہ ارشاد فرمایا۔ ضمیر کا مرجع کلمۃ ہے۔ یہ دونوں ومعۃ اور کلمۃ پیچھے حکماً اور ضمناً مذکور ہیں۔

باب البکاء عند المریض

غرض یہ ہے کہ بغیر نوحہ کے رونا جائز ہے

فوجده فی غاشیة اهله

دو معنیٰ کئے گئے۔ ا۔ گھر کی عورتیں جو اُن پر جمع تھیں اُن کے درمیان تھے حضرت سعد بن عبادہ۔ ۲۔ غاشیہ کے معنیٰ بستر کے ہیں۔ اپنے گھر کے لوگوں کے بستر پر تھے

قد قضی:۔ ہمزہ استفہام محذوف ہے کیا ان کی وفات ہوگئی۔ **اویرحم**:۔ اس کا عطف یُعَذّبُ پر ہے یعنی زبان کے نوحہ کرنے پر عذاب ہوتا ہے اور اسی زبان سے اچھے کلمات کہنے پر مغفرت اور رحمت ہوتی ہے۔

باب ما ینهی عن النوح والبکاء والزجر عن ذلک

غرض نوحہ سے نہی اور زجر کو ذکر کرنا ہے نہی صرف منع کرنے کو کہتے ہیں اور زجر سختی سے روکنے اور وعید ذکر کرنے کو کہتے ہیں۔

فما وفت منا امرأة: مراد پورے پورے وفاء کی نفی ہے۔ **باب القیام للجنازة**: غرض جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم بیان کرنا ہے۔ طرز سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے امام احمد کا مسلک اس مسئلہ میں اختیار کیا ہے اُن کے نزدیک کھڑا ہونا مستحب ہے جمہور کے نزدیک نہیں وللجمہور روایته ابی داؤد عن علّی مرفوعاً قام فی الجنازة ثم قعد بعُد ولا حمد حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن عامر بن ربیعته مرفوعاً اذا رائیتم الجنازة فقو مواحتیٰ تُخلّفِکم جواب کھڑے ہونے کا حکم منسوخ ہے جیسا کہ ہماری روایت میں تصریح موجود ہے

باب متیٰ یقعد اذا قام للجنازة

غرض مذکورہ مسئلہ بتلانا ہے جواب حدیث میں موجود ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا کہ جب گذر جائے یا رکھدیا جائے تو بیٹھ جائے۔

باب من تبع جنازة فلا یقعد حتی توضع عن مناکب الرجال فان قعد امر بالقیام

غرض زیر بحث باب کی روایت کو ترجیح دینی ہے ابوداؤد کی روایت پر ابوداؤد کی روایت میں ہے حتیٰ توضع فی اللحد اور زیر بحث باب کی روایت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ توضع علی الارض مراد ہے وجہ ترجیح بظاہر قوتِ سند ہے۔ دوسری غرض یہ بھی ہے کہ اگر بھول کر بیٹھ گیا ہو تو مستحب ہے کہ یاد آنے پر کھڑا ہو جائے پھر روایت الباب میں جو حضرت ابو ہریرہ کا بیٹھنا مذکور ہے

اس کی وجہ کیا تھی دوقول ہیں۔۱۔نسیان۔۲۔وہ قیام کو مستحب ہی تو سمجھتے تھے اور مستحب کے چھوڑنے کی گنجائش ہوتی ہے حضرت ابو سعید کا کھڑا کرانا تاکید استحباب کے درجہ میں تھا۔ **باب من قام لجنازۃ یہودی:**۔غرض یہ بتلانا ہے کہ قیام للجنازہ عبرت کے لئے ہے۔میت کی تعظیم کے لئے نہیں ہے اس لئے کافر کے جنازہ کے لئے کھڑے ہونا بھی مستحب ہے۔

باب حمل الرجال الجنازۃ دون النساء

غرض یہ ہے کہ جنازہ اٹھانا مردوں کا کام ہے عورتوں کے لئے مناسب نہیں ہے کئی وجہ سے۔۱۔مسند ابی یعلیٰ میں حضرت انس سے مرفوعاً عورتوں کے جنازہ کے لئے نکلنے اور جنازہ اٹھانے اور دفن میں شریک ہونے پر زجر منقول ہے۔۲۔وہ کمزور ہیں ۳۔مردوں اور عورتوں میں خلط سے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ **باب السرعۃ بالجنازۃ:**۔غرض جنازہ کو جلدی لے جانے کا استحباب بیان کرنا ہے۔پھر اس باب کی پہلی تعلیق کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ حضرت انس چاروں طرف چلنے کا حکم فرمارہے ہیں اس سے بھی جلدی چلنے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ایک طرف چلنے کی صورت میں باری باری اُٹھانے میں مشقت ہوگی اور چلنے کی رفتار سُست ہوجائے گی۔

وقال غیرہ قریبا منھا: یعنی حضرت انس کے سوا دوسرے حضرات کا ارشاد ہے کہ جنازہ سے قریب رہو چاہئے جس جانب بھی چلو۔ **باب قول المیت وھو علی الجنازۃ** غرض میت کا یہ قول بیان کرنا ہے جو اس سے جنازہ کی چارپائی پر صادر ہوتا ہے کہ مجھے جلدی لے جاؤ یا کہاں لے جاتے ہو پھر اس میں دوقول ہیں۔۱۔یہ قول روح سے صادر ہوتا ہے۔۲۔روح اور جسم کے مجموعہ سے صادر ہوتا ہے۔

باب من صف صفین او ثلاثۃ علی الجنازۃ خلف الا مام

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ ایک صف کی نسبت زیادہ صفوں کا ہونا بہتر ہے کیونکہ ابوداؤد اور ترمذی میں ہے اور امام ترمذی نے اِس روایت کو حسن بھی قرار دیا ہے عن مالک بن ھُبیرۃ مرفوعاً من صُف علیہ ثلثہ صفوف فقدا وجب۔

باب الصفوف علی الجنازۃ

غرض اور باب سابق سے فرق میں دو توجیہیں ہیں۔۱۔گذشتہ باب میں عدد بتلانا مقصود تھا صفوں کا اور اِس باب میں نفسِ صف بندی کا ذکر ہے۔۲۔یہاں تین کی تصریح مقصود ہے کیونکہ اقل جمع تین ہے اور گذشتہ باب تین کی تصریح بیان کرنی مقصود نہ تھی۔ پھر ان دوغرضوں کے علاوہ تیسری غرض رد یہ ہے حضرت عطاء کے قول پر جو فرماتے ہیں کہ جنازہ پر صف بنانے کی ضرورت نہیں جیسے چاہیں کھڑے ہو جائیں پھر دوسرے شہر میں فوت ہونے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جنازہ پڑھنا ایک تو حضرت نجاشی کے حق میں ثابت ہے دوسرے معجم طبرانی میں ہے عن ابی امامۃ قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتبوک فنزل جبریل علیہ السلام فقال یا رسول اللہ ان معاویہ بن معافیۃ المزنی مات بالمدنیتہ اتحبُّ ان تطویٰ لک الا رض فتصلی علیہ قال نعم فضرب بجناحہ علی الا رض ورفع لہ سریرہ فصلّٰی علیہ وخلفہ صفان من الملئکتہ فی کل صف سبعون الف مَلک ثم رجع لیکن اِس سے حنفیہ اور مالکیہ کے قول پر اعتراض نہیں پڑتا جو غائبانہ نماز جنازہ کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ اِس روایت میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین سُکیڑ دی گئی تھی اور مدینہ منورہ پہنچ کر میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھی تھی غائبانہ نہ پڑھی تھی۔

باب صفوف الصبیان مع الرجال علی الجنائز

غرض یہ ہے کہ نماز جنازہ میں بچے اگر بڑوں کے ساتھ بھی کھڑے ہوجائیں تو کراہت نہیں ہے گو نماز پنج وقتہ میں کراہت ہے۔

باب سنۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ

یہاں سنت کے معنیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہیں جو

فرض وواجب کو بھی شامل ہے غرض اس باب کی رد ہے امام شعبی پر جو بلاوضوء نماز جنازہ کو جائز قرار دیتے ہیں اس لئے یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ نماز جنازہ بھی پنج وقتہ نمازوں کی طرح ہے سب شرطوں میں اور اکیلی دعاء کی طرح نہیں ہے اسی لئے اس پر صلوٰۃ کے لفظ کا اطلاق صحیح ہے۔ اختلاف کی تفصیل کتاب الوضوء کے شروع میں گذر چکی ہے۔

باب فضل اتباع الجنائز

جنازہ کے ساتھ جانے کی فضیلت بیان کرنی مقصود ہے۔

ما علمنا علی الجنازة اذناً

یعنی جنازہ میں حاضر ہونا میت کا حق ہے اولیاء میت کا حق نہیں ہے اس لئے اولیاء میت سے اذن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

باب من انتظر حتی یُدْفن

مَن کا جواب حدیث میں ہے کہ اس کو دوہرا ثواب ملے گا غرض دفن تک ساتھ رہنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب صلوٰة الصبیان مع الناس علی الجنائز

ا۔ ایک غرض تو یہ ہے کہ بچوں کا شریک ہونا بھی جائز ہے۔ سوال پیچھے خلط صبیان کا باب اُس سے ثابت ہو گیا تھا کہ بچوں کا شریک ہونا جائز ہے پُھر الگ باب بنا نا تکرار ہے جواب۔ ا۔ وہاں بچوں کی شرکت کا جواز ضمناً نکلا تھا اب قصداً بیان کرنا مقصود ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ۔ درمیان میں اتباع الجنائز کا باب رکھ دیا اس میں اشارہ فرما دیا کہ اتباع جنائز کی حدیث میں بچے بھی داخل ہیں۔۲۔ دوسری غرض اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اکیلے بچوں کے نماز جنازہ پڑھنے سے یہ فرض کفایہ ساقط نہ ہوگا جب تک کہ کوئی بڑا اُن کے ساتھ شریک نہ ہو گویا امام احمد کے قول کی تائید مقصود ہے اِس سے مذکورہ شبہ کا جواب خود نکل آیا۔ جمہور ائمہ کے نزدیک بچوں کا پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ ہماری جمہور کی دلیل اذان اور جواب سلام پر قیاس ہے کہ بچے کی اذان بھی کافی ہے اور سلام کا جواب صرف بچہ دے دے تو سب کی طرف سے کافی شمار کیا جاتا ہے اِسی طرح یہاں بچوں کا نماز جنازہ پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ ولاحمد والبخاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف بچّوں نے نماز جنازہ پڑھ لی ہو یہ ثابت نہیں ہے اس لئے کافی نہیں۔ جواب بڑے جو جنازہ خود پڑھنے کا اہتمام فرماتے تھے یہ اولویت کا درجہ تھا۔

باب الصلوٰة علی الجنائز بالمصلی والمسجد

غرض میں دو احتمال ہیں۔ ا۔ غرض امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے قول کو اختیار کرنا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے دو حدیثیں جو لائے ایک میں مصلّی میں پڑھنی مذکور ہے اور دوسری میں مسجد میں کیونکہ عند المسجد میں عند فی کے معنیٰ میں ہے گویا خارج مسجد اولیٰ ہے اور مسجد میں جائز ہے فی المسجد والی......... حدیث ان کی شرط پر نہ تھی۔۲۔ غرض امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے قول کو اختیار کرنا ہے اور عند اپنے اصل معنیٰ میں ہی ہے اور مسجد کے قریب موضع الجنائز کا متعین ہونا اس کی دلیل ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کا پڑھنا مکروہ ہے۔ **اختلاف**:۔ عندا امامنا ابی حنیفۃ و مالک مکروہ ہے وعند الشافعی واحمد مکروہ نہیں ولنا روایة ابی داؤد عن ابی ھریرة مرفوعاً من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شئی له وللشافعی واحمد. ا. فی ابی داؤد عن عائشته ما صلّی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی سُبیل بن البیضاء الا فی المسجد. جواب بارش یا اعتکاف کے عذر کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا۔۲۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر بھی مسجد میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔ جواب چونکہ ان دونوں حضرات کو مسجد نبوی کے ساتھ ملحق روضۂ اقدس ہی میں دفن کرنا تھا اس لئے یہ بھی عذر تھا۔

ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور

غرض یہ ہے کہ قبرستان کو عبادت کی جگہ بنالینا مکروہ ہے سوال آٹھ باب کے بعد باب آئے گا باب بناء المسجد علی القبر تکرار پایا گیا۔ جواب۔ ا۔ اتخاذ مساجد اور بناء مسجد میں فرق ہے۔۲۔ ایک ہی مقصد

ہے لیکن چونکہ حدیثوں میں لفظ دو قسم کے آرہے تھے اس لئے دو باب باندھ دیئے۔ پھر من یہاں تبعیضیہ ہے کیونکہ سورہ یٰسین مثلاً روزانہ بھی کوئی قبرستان میں جاکر پڑھے تو مکروہ نہیں ہے۔

لو لاذالک لابرزوا قبرہ

یعنی اگر صحابہ کرام کو خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ سجدہ کرینگے تو قبر مبارک کو بند کوٹھڑی میں نہ رکھتے بلکہ دیواریں چاروں طرف سے گرادیتے اور کھلی جگہ میں کردیتے۔

باب الصلوۃ علی النفساء اذا ماتت فی نفاسھا

غرض ۱- شبہ کا ازالہ ہے کہ نفاس والی عورت تو ناپاک ہوتی ہے۔ شاید اس پر نماز جنازہ جائز نہ ہو اس کا جواب دے دیا کہ جائز ہے۔ ۲- غرض میں دوسری تقریر یہ ہے کہ نفاس میں مرنے والی تو شہید ہوتی ہے اور شہید پر امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی شاید ان حضرات کے نزدیک نفاس میں فوت ہونے والی عورت پر بھی نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی ہو اسی شبہ کا زالہ کر دیا کہ اس پر بالاتفاق نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ النفساء: ۱- یہ لفظ بضم النون وفتح الفاء والمد مفرد استعمال ہوتا ہے علی خلاف القیاس کیونکہ وزن یہ جمع کا ہے جیسے علماء اور یہی اس لفظ میں لغت فصیحہ ہے۔ ۲- دوسری لغت بفتح النون وسکون الفاء مع المد ہے نفساء۔ ۳- تیسری لغۃ بفتح النون وسکون الفاء مع القصر ہے۔ نفسی۔ یہ آخری دونوں لغتیں بہت قلیل الاستعمال ہیں اور ردی لغتیں شمار ہوتی ہیں۔ تینوں کے معنیٰ وہ عورت جو ولادت سے نئی نئی فارغ ہوئی ہو۔

باب این یقوم من المرأۃ والرجل

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ امام عورت اور مرد کے جنازہ میں کہاں کھڑا ہو۔ سوال حدیث میں مرد کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔ جواب۔ ۱- عورت پر قیاس فرمایا۔ ۲- امام بخاری ابو داؤد کی اس حدیث کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جس میں حضرت انس کا عمل ہے کہ مرد کے سر کے پاس اور عورت کی عجیزہ کے پاس کھڑے ہوئے اور پھر جب پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کھڑے ہوتے تھے مرد کے سر کے پاس اور عورت کی عجیزہ بیٹھنے کی جگہ کے پاس تو فرمایا نعم۔ یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لائے صرف باب کے عنوان میں اشارہ فرمادیا۔ پھر وجہ فرق یہ ہے کہ عورت کے ستر کا زیادہ لحاظ ہے اس مسئلہ میں خنثیٰ بھی عورت ہی کے حکم میں ہے۔ اختلاف: عندامامنا ابی حنیفۃ ایک روایت میں یہ ہے کہ اصلی بدن کے درمیان میں یعنی سینے کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے مرد میں بھی اور عورت میں بھی اور یہی مسنون ہے وفی روایۃ ثانیتہ عن امامنا اور یہی مذہب ہے امام شافعی اور امام احمد کا کہ مرد کے سر کی سیدھ میں اور عورت کی بیٹھنے کی جگہ کے سامنے یعنی چارپائی کے درمیان میں کھڑا ہونا مسنون ہے۔ وعند مالک مرد اور عورت دونوں کے سر کے سامنے کھڑا ہونا مسنون ہے۔ دلیل روایتنا الثانیۃ روایۃ ابی داؤد عن انس موقوفاً فقام عندراسہ الی قولہ فقام عند عجیز تھا اور ہماری پہلی روایت کی دلیل حدیث الباب ہے جو ابوداؤد میں بھی ہے عن سمرۃ بن جندب مرفوعاً فقام علیہا وسطہا اور انسان کے اصلی بدن کا وسط سینہ ہی ہوتا ہے کیونکہ ہاتھ اور پاؤں تو زائد ہوتے ہیں ہماری چونکہ دونوں روایتوں پر فتوے موجود ہیں اس لئے کسی روایت کا جواب دینے کی ضرورت نہیں دونوں میں سے ہر ایک پر عمل کی گنجائش ہے گو ہمارے قریبی اکابر کا زیادہ تر عمل مرد و عورت کے سینے کے برابر کھڑے ہونے کا ہی ہے۔ امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ ایمان دماغ میں ہوتا ہے اور وہی سبب ہے نماز جنازہ کا کیونکہ نماز جنازہ ایک شفاعت ہے جو ایمان کی وجہ سے کی جاتی ہے اس لئے ایمان کے محل دماغ اور سر ہی کے سامنے کھڑا ہونا مناسب ہے جواب احادیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب التکبیر علی الجنازۃ

غرض یہ اجماعی مسئلہ بتلانا ہے کہ تکبیرات جنازہ پر چار ہیں کیونکہ ۱- فی البھیقی عن ابی وائل قال کانوا یکبرون

علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم سبعاً وستاً وخمساً واربعاً فجمع عمر الناس علی اربع کا طول الصلوٰۃ. ۲- کتاب الآ ثار میں بھی عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراہیم بہت تفصیل سے یہی ثابت کیا گیا ہے کہ آخری عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چار تکبیر تھا اس لئے اسی پر اجماع ہو گیا۔ اصحمتہ :۔وقال یزید سے مقصود ابن ابی شیبہ والی روایت کا رد ہے کیونکہ اس میں حضرت نجاشی کا نام صحمتہ بلا ہمزہ نقل کیا گیا ہے۔

باب قراءۃ فاتحة الکتاب علی الجنازۃ

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرأت مسنون ہے۔ گویا جمہور کا مسلک لے لیا وعند امامنا ابی حنیفة قرأت فاتحہ مسنون نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک مسنون ہے ولنا فی ابی داؤد عن ابی هریرۃ مرفوعاً اذا اصلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کی حقیقت دعاء ہے اس لئے قرأت اس کا حصہ نہیں ہے وللجمہور حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے۔عن ابن عباس موقوفاً فقرأ بفاتحة الکتاب قال لیعلموا انها سنة جواب یہ پڑھنا بطور ثناء کے ہے بطور قرأت کے نہیں ہے۔

باب الصلوٰۃ علی القبر بعد مایدفن

غرض قبر پر نماز پڑھنے کا حکم بیان کرنا ہے کہ جائز ہے اور عند امامنا ابی حنیفة و مالک مکروہ ہے وعند الشافعی احمد مکروہ نہیں ہے بلکہ بلا کراہتہ جائز ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے جو ابوداؤد میں بھی آتی ہے عن ابن عباس انه مرمع النبی صلی الله علیه وسلم علی قبر منبوذ فامهم وصلوا خلفه ہمارے نزدیک یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیۃ پر محمول ہے اوران کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ ہے ہمارے قول کی ترجیح ۔ا۔مسلم شریف کی روایت سے ہے عن ابی هریرۃ مرفوعاً وان الله ینورها لهم بصلوتی علیهم' ۲-دوسری وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ سلف صالحین نے قبروں پر نماز پڑھنے کا اہتمام نہیں فرمایا۔

باب المیت یسمع خفق النعال

غرض امام بخاری کی اثبات ہے سماع موتی ہے خفق کے معنی آواز کے ہیں ہمارے اکابر دیوبند کی تحقیق یہ ہے کہ فی الجملہ سماع ثابت ہے۔یعنی بعض اوقات مردہ سنتا ہے بعض اوقات نہیں سنتا اور اس مسئلہ میں زیادہ مباحثہ اور تفصیل میں مبالغہ مناسب نہیں کیونکہ صحابہ سے یہ اختلاف چلا آرہا ہے بعض صحابہ سماع موتی کے قائل تھے بعض نفی کرتے تھے نفی کرنے والے حضرات جیسے حضرت عائشہ استدلال فرماتے تھے اس آیت سے انک لاتسمع الموتی اثبات والے حضرات کی طرف سے جواب ا- اسماع کی نفی ہے سماع کی نفی نہیں۔۲- سماع نافع اور سماع ہدایت کی نفی ہے علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

سماع الموتی کلام الخلق قاطبةً　قد صح فیها لنا الأثار بالکتب

وآیة النفی معنا ها سماع هدیً　لایسمعون ولایصغون للادب

دلائل الاثبات:۔ا- بخاری شریف میں کتاب المغازی میں ہے کہ خطاب فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مقتولین کو بعد غزوہ بدر اور فرمایا قد وجد نا ما وعد نا ربنا حقاً فهل وجد تم ما وعد ربکم حقا اور تصریح فرمائی کہ یہ سنتے ہیں ۔۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لے جاتے تو سلام کرتے تھے السلام علیکم یا اہلِ القبور۔۳۔حدیث الباب عن انس مرفوعاً انه یسمع قرع نعالهم ۔ ہمارے اکابر دیوبند دونوں قسم کے دلائل کو جمع فرماتے ہیں۔ کہ ہر مردہ کے ہر وقت سننے کی نفی ہے اور فی الجملہ سماع کا اثبات ہے۔

یسمع قرع نعالهم

سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ جوتے سمیت قبرستان میں چلنا جائز ہے اور ابوداؤد میں عن بشیر بن الخصاصیة مرفوعاً وارد ہے کہ قبرستان میں چلنے والے کو فرمایا اَلْقِ نعلیکَ تو یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے۔

ما کنت تقول فی هذا الرجل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ظاہر یہی ہے کہ اِس روایت میں نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرج ہے۔

واما الکافر او المنافق

ا۔ یہاں او بمعنیٰ واو ہے۔۲۔شک راوی ہے پھر سوال کس سے ہوتا دوقول ہیں۔ا۔مومن اور منافق سے۔۲۔سب سے اور یہی راجح ہے۔**لا دریتَ ولا تلیت**:۔ اصل تھا لا تلوت۔قریب والے لفظ کی مناسبت سے واو کو یا سے بدلا گیا اس کو صنعت ازدواجِ کہتے ہیں۔معنیٰ یہ ہیں کہ نہ تو خود سمجھدار اور مجتہد تھا اور نہ تو نے دوسرے کی تقلید کی۔**بمطرقة** گرز اوراس حدیث کے شروع میں جو قال العبد ہے اِس سے مراد مومن مخلص ہے **من احب الدفن فی الا رض المقدسة او نحوھا**:۔غرض۔ا۔ یہ کہ بیت المقدس کے قریب دفن ہونے کی خواہش مستحسن ہے۔دو وجہ سے ایک تبرک حاصل کرنا دوسرے حشر کے میدان میں جان کی آسانی ہوگی کیونکہ حشر شام میں قائم ہوگا۔۲۔دوسری غرض یہ ہے کہ میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنا امام بخاری کے نزدیک متبرک مسجد کے قرب کی نیت سے جائز ہے اِسی کو یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں۔جمہور فقہاء کے نزدیک ہر جگہ نقل کرنا جائز ہے صرف کراہت تنزیہی ہے۔سب کا استدلال زیر بحث روایت سے ہے **عن ابی ھریرة موقوفاً فی موسیٰ علیه السلام فسأل الله ان یدنیه من الا رض المقدسة رمیةً بحجر** اور کراھتہ تنزیھی کی وجہ بخاری شریف کی روایت ہے عن ابی سعید الخدری مرفوعاً فان کانت صالحۃً قالت قدّمونی۔کہ میت جلدی دفن ہونا چاہتی ہے اس لئے دوسری جگہ لے جانے سے چونکہ دیر لگے گی اس لئے وہ مکروہ ہے۔**فلمّا جاء ہ صکّہ**:۔وجہ کی مختلف تقریریں ہیں۔کیونکہ ظاہری طور پر تو اشکال ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے **من احبّ لقاء اللہ احبّ اللہ لقاء ہ موسیٰ علیه السلام** کا ملک الموت کو طمانچہ مارنا اس کے خلاف ہے۔جواب۔ا۔ پہچانا نہیں۔۲۔بیت المقدس فتح کرنے کا شوق اس قدر غالب تھا کہ اس کے خلاف بات سن کراتنے پریشان ہوگئے کہ ہوش نہ رہا اور طمانچہ ماردیا اس کو غلبہ حال کہتے ہیں اس میں انسان معذور ہوتا ہے۔۳۔طبعی طور پر موت کے خوف سے مغلوب الحال ہوگئے اس وجہ سے بھی انسان معذور ہوتا ہے اور گناہ نہیں ہوتا۔

فسأل الله ان یدنیه من الا رض المقدسته رمیته بحجر

سوال۔یہ کیوں نہ دعا کی کہ بیت المقدس کے اندر ہی دفن کردیا جاؤں جواب۔ا۔تا کہ بنی اسرائیل کہیں عبادت نہ شروع کردیں۔ ۲۔چالیس سال بیت المقدس میں داخلہ تمام بنی اسرائیل کا ممنوع قرار دیا جاچکا تھا اور موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں داخل تھے اس لئے بیت المقدس میں دفن ہونے کی دعا خلاف ادب تھی۔پہلے ہارون علیہ السلام کی اور پھر موسیٰ علیہ السلام کی وفات اِسی وادی تیہ میں ہی چالیس سال گذرنے سے پہلے اور بیت المقدس کے فتح ہونے سے پہلے ہی ہوئی تھی۔اس لئے یہ دعا نہ فرمائی۔

باب الدفن باللیل

غرض امام احمد کی ایک روایت کا رد کرنا ہے کہ رات کو دفن کرنا مکروہ ہے اُن کی دوسری روایت اور قول جمہور ہے کہ کراہتہ نہیں ہے۔وللجمھور حدیث الباب **عن ابن عباس قال صلی النبی صلی الله علیه وسلم علی رجل بعد ما دفن بلیلتهِ ولاحمد روایة مسند احمد والطحاوی عن جابر مرفوعاً فنھی عن الدفن باللیل** جواب یہ نہی تنزیہی تھی تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمین کثیرین کی برکات مرنے والا لے سکے۔

باب بناء المسجد علی القبر

غرض قبر پر مسجد بنانے سے منع کرنا ہے۔سوال آٹھ باب پہلے

تھا باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور۔ تکرار پایا گیا۔ جواب اتخاذ بناء سے عام ہے۔ سوال۔ قرآن پاک میں اصحاب کہف کے متعلق ہے لنتخذن علیھم مسجدا اس سے تو اتخاذ مسجد کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ جواب اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کے قریب مسجد منائینگے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ قبروں کو سجدہ کرنے کے لئے مسجد بنائینگے اور ممانعت اِس دوسری صورت کی ہے۔

باب من ید خل قبر المرأة

غرض یہ ہے کہ اول محارم کو قبر میں اترنا چاہئے وہ نہ ہوں یا عذر ہو تو پھر متقی کو اترنا چاہئے۔ اراہ یعنی الذنب:۔ یہ ان کی رائے ہے دوسری رائے یہ بھی ہے جو اِس حدیث میں مرفوعاً وارد ہے لا یدخل القبرر جل قارف اللیلتہ اھلہ. اور تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

باب الصلوٰۃ علی الشھید

غرض صرف تعارض کا بیان ہے کہ صلوٰۃ علی الشھید میں روایتیں دونوں قسم کی ہیں فیصلہ امام بخاری نے نہیں فرمایا پہلی روایت نفی کی نقل کردی دوسری اثبات کی نقل کردی مسئلہ اختلافی ہے عندامامنا ابی حنیفتہ شہید پر نماز جنازہ پڑھنی ضروری ہے وعند مالک وشافعی شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھائی جاتی اور امام احمد کی اس میں دونوں روایتیں ہیں ایک ہمارے ساتھ اور ایک امام شافعی کے ساتھ ولنا روایتہ ابن ماجتہ عن ابن عباس اتی بھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد فجعل یصلی علی عشرۃ عشرۃ و حمزۃ وھو کما ھو یرفعون و ھو کما موضوع و للشافعی و ما لک روایتہ ابی داؤد و ھی روایتہ الباب فی البخاری عن جابر بن عبد اللہ مرفوعاًفی قتلی احد و لم یصل علیھم جواب۔ حضرت حمزہ کی طرح اُن پر نماز نہ پڑھی۔

یَجْمَعُ بُین الرجلین من قتلیٰ اُحُد فی ثوب واحد

سوال۔ دومردوں کے بدن کا ملنا تو مناسب نہیں ہے جواب درمیان میں گھاس رکھی جاتی تھی نیز چونکہ یہ شہید ہیں ان کے اپنے کپڑے بھی اتارے نہ جاتے تھے

باب دفن الرجلین والثلاثتہ فی قبر واحد

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے وقت دو تین یا زیادہ مردوں اور عورتوں کو ایک قبر میں دفن کرنا بھی جائز ہے البتہ مجبوری نہ ہو تو ہر ایک کو الگ الگ ہی دفن کرنا مستحب ہے۔

باب من لم یر غسل الشھداء

غرض سعید بن المسیب اور حسن بصری کے قول کا رد ہے کہ ان کے نزدیک شہید کو بھی غسل دیا جائے گا جمہور کے نزدیک نہیں دیا جائے گا وللجمہور ہذا حدیث الباب عن جابر مرفوعاً و لم یغسلھم اُن دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شہید میں جُنبی ہونے کا بھی تو احتمال ہے اس لئے غسل ہونا چاہئے جواب نص کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

باب من یقدم فی اللحد

غرض یہ ہے کہ جس کو قرآن پاک زیادہ یاد ہو اس کو لحد میں آگے رکھا جائے گا۔ لانہ فی ناحیتہ:۔ لحد کی وجہ تسمیہ بیان فرما رہے ہیں کہ لحد کے معنیٰ طرف کے ہوتے ہیں۔ لحد بھی قبر سے ایک جانب کو واقع ہوتی ہے اس لئے اس کو لحد کہتے ہیں

باب الاذخر والحشیش فی القبر

غرض یہ ہے کہ اینٹوں کے درمیان خالی جگہ کو پُر کرنے کے لئے اذخر اور خشک گھاس کا ڈال دینا جائز ہے

باب ھل یُخرج المیت من القَبُر واللحد لعلّیتہِ

غرض رد کرنا ہے اس شخص پر جو قبر میں رکھنے کے بعد میت نکالنے کو مطلقاً منع کہتا ہے۔ پہلی حدیث میں کرتہ پہنانے کے لئے نکالا گیا جو میت کی مصلحت تھی اور دوسری حدیث میں زندہ حضرت جابر کی تطییب قلبی کی مصلحت تھی۔ غیر اُذُنہ:۔ کہ سارا بدن ٹھیک تھا ایک کان پر ذرا سا زمین کا اثر تھا سوال۔ ایک

روایت میں ہے الا شُعَیْراتِ کن من لحیته مما یلی الا رض اورایک روایت میں یوں ہے الا قلیلاً من شحمة اُذُنه بظاہر اِن سب روایات میں تعارض ہے جواب تھوڑے سے داڑھی کے بال اوراُس کے قریب ہی تھوڑا سا کان کی لو کا حصہ زمین سے متاثر تھا اِس لئے کچھ تعارض نہیں ہے۔سوال۔طبرانی میں ہے عن جابر ان اباه قتل یوم احد ثم مثلوا به فجدعوا انفه و اذنیه پس جب کان پہلے سے ہی کٹے ہوئے تھے تو پھر دفن کے بعد تھوڑا اثر ہونا کیسے ذکر کر دیا گیا۔جواب یہ طبرانی والی روایت اِس پر محمول ہے کہ کانوں کے کچھ کچھ حصے بطور مُثلہ کاٹے گئے تھے۔کچھ حصے موجود تھے۔

باب اللحد و الشق فی القبر

غرض میں دوتقریریں ہیں۔ا۔لحد اور شق دونوں جائز ہیں اور لحد افضل ہے۔۲۔اسلام میں اصل لحد ہی ہے۔لحد نہ بن سکے تو پھر شق کی گنجائش ہے مجبوری کے درجہ میں دلیل اس کی ابوداؤد کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً اللحد لنا و الشق لغیر نا.

باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلّی علیه وهل یعرض علی الصبی الاسلام

غرض دومسئلوں کا بیان ہے اور ہر دو کا جواب نعم ہے کہ مسلمان بچے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور بچے پر اسلام بھی پیش کیا جائے گا اور اگر وہ ایمان لے آیا تو اس کا ایمان بھی معتبر ہے اور دلیل حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس کا بچپن میں ایمان لانا اور بچپن کے اس اسلام کا موجب فضیلت ہونا ہے۔اگر معتبر نہ ہوتا تو موجب فضیلت کیسے ہوجاتا۔

وقال الا سلام یعلو و لا یُعلیٰ

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ پیچھے حضرت ابن عباس کا ذکر ہے اس لئے یہ بھی حضرت ابن عباس ہی کا ارشاد ہوگا لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حدیث مرفوع ہے کیونکہ دارقطنی میں حضرت عائذ بن عمرو سے یہ روایت مرفوعاً منقول ہے پھر مناسبت اِس روایت کی باب سے یہ ہے کہ بچہ جو مسلمان ہوگیا تھا اس پر کفر کے احکام جاری نہ کرینگے بلکہ ایمان کے احکام جاری کرتے ہوئے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس لئے بچے کے معاملہ میں اسلام غالب رکھا جائے گا مغلوب نہ ہونے دیا جائے گا۔

ابن صیاد:۔ابن صیاد کی بعض صفات دجال سے ملتی جلتی تھیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق کے لئے ابن صیاد کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت جابر بن عبد اللہ قسم کھایا کرتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے لیکن جمہور کے نزدیک راجح یہی ہے کہ وہ دجال اکبر نہیں ہے صرف اُس کے مشابہ ہے چند صفات میں۔ا۔دونوں یہود میں سے ہیں۔۲۔ابن صیاد طبعی طور پر کچھ کاھن سا واقع ہوا تھا۔اور دجال اکبر بھی کاھنوں جیسے کام کرے گا۔۳۔دونوں ایک آنکھ والے ہیں۔جمہور کی دلیل حضرت تمیم داری والی روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ دجال ایک جزیرہ میں جکڑا ہوا ہے اور اس کی جاسوس ایک بالوں والی ایسی جاندار ہے جو عورت کے مشابہ ہے اس کو جساسہ کہا گیا ہے۔اور حضرت جابر اور حضرت عمر اور بعض دوسرے صحابہ کے اقوال جو اس کے خلاف ہیں تو وہ اِسی پر محمول ہیں کہ وہ یہ اُسی وقت تک فرماتے رہے جب تک ان کو تمیم داری والی حدیث نہ پہنچی تھی جس کی تصدیق صراحتۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی۔سوال۔جب ابن صیاد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا اتشهد انی رسول الله تو نبی کریم صلی الله علیه وسلم نے جھوٹے مدعی نبوت ہونے کی وجہ سے اس کو قتل کیوں نہ کروادیا۔جواب وہ ابن صیاد ابھی نابالغ تھا مکلف نہ تھا اس لئے قتل نہ کروایا۔سوال۔جب دجال کا خروج نبی آخر الزمان کے زمانہ میں ہونا تھا تو پہلے نبی دجال سے کیوں ڈرایا کرتے تھے۔جواب چونکہ دجال کا نکلنا پوری دنیا کے لئے ایک بہت بڑا فتنہ ہے اس لئے جیسے قیامت سے سب نبی ڈرایا کرتے تھے۔اِسی طرح دجال سے بھی سب نبی ڈرایا کرتے تھے۔

وهو یختل ان یسمع من ابن صیاد شیاءً قبل ان یرال ابن صیاد

ختل کے معنیٰ دھوکہ دینے کے ہوتے ہیں معنیٰ یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابن الصیاد کو غفلت میں دیکھنا چاہتے تھے اور اُس کی باتیں سننا چاہتے تھے تا کہ اندازہ لگا سکیں کہ وہ کاھن ہے یا جادوگر ہے یا کچھ اور ہے۔ **رَمزۃ:**۔ اِس موقعہ پر مختلف الفاظ منقول ہیں جن کے معنیٰ قریب قریب ہیں۔ا۔ زمزمہ کے دو معنیٰ کئے گئے ایک یہ کہ کلام کے لئے لبوں کو ہلانا دوسرے ناک اور گلے سے آواز نکلے زبان اور لب نہ ہلیں۔۲۔ رمرمہ اور رمزہ ہلکی آواز گفتگو کے لئے نکالنا جو سمجھ میں نہ آئے ۳۔ زمرہ۔ منہ کے اندر سے آواز آئے سب کے حاصل معنیٰ یہ ہوئے کہ ہلکی سی آواز تھی معنیٰ سمجھ میں نہ آرہے تھے۔ **الفطرۃ:**۔ اس کے معنیٰ۔ا۔ اسلام۔۲۔ فطرت سلیمہ جس میں قبول حق کی صلاحیت ہوتی ہے اور یہ اخیر عمر تک باقی رہتی ہے یہودی اور عیسائی ہونا عارضی صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اِس سے اسلام کی بہت بڑی مدح ثابت ہوئی۔ **وان کان لغیّت:**۔ غوایہ سے ہے جس کے معنیٰ ضلالت کے ہیں کفر اور زنا دونوں کو شامل ہے معنیٰ یہ ہیں کہ بچے کی ماں اگرچہ کافرہ ہو یا زاینہ ہو بچے پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے کیونکہ اُس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہیں یا باپ مسلمان ہے۔

باب اذا قال المشرک عند الموت لا الہ الا اللہ

غرض یہ ہے کہ نا امیدی ہو جانے پر کہ اب نہ بچے گا کلمہ شریف دل سے پڑھ لینا مفید ہے البتہ جب آخرت نظر آنی شروع ہو جائے جس کو حالت یاَس کہتے ہیں اُس وقت معتبر نہیں پہلی حالت یاَس کہلاتی ہے۔

لما حضرت ابا طالب الوفاۃ

مراد وفات کی علامتیں ہیں۔

باب الجرید علی القبر

باب کی غرض میں تین قول ہیں۔ا۔ حدیث شریف میں جو مرفوعاً شاخیں گاڑنا آتا ہے یہ خصوصیت تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسا کہ ابن عمر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ عمل ہی کرتا ہے البتہ حضرت بریدہ نے کھجور کے درخت کی برکت سمجھی یا غلبہ حال کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو عام سمجھ کر اتباع کر لی۔۲۔ نافع اصحاب قبور کے لئے اعمال صالحہ ہیں۔ قبر پر بیٹھنا یا قبر کو اونچا بنانا وغیرہ میت کے لئے نہ نافع ہے نہ ضار ہے۔۳۔ مقصد باب کا ضاعات مختلفہ متعلقہ بالقبور کا بتلانا ہے جیسے شاخ گاڑنا بعض کے نزدیک نافع ہے اور خیمہ لگانا بیکار ہے۔ اور کودنا اور چھلانگ لگانا مکروہ تنزیہی ہے اور بیٹھنا مباح ہے اور بول و براز کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

وان اشدنا و ثبتۃً الذی یثب قبر عثمان بن مظّعون حتیٰ یجاوزہ

اِس روایت کی مناسبت غرض کے تینوں قولوں میں سے ہر ایک سے ہے۔ا۔ پہلے قول کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بعض کے نزدیک شاخ گاڑنا مستحسن ہے اور یہ قبر کے اونچا بنانے کی طرح ہے جیسے حضرت ابن مظعون کی قبر اونچی تھی۔۲۔ دوسرے قول پر یہ مناسبت ہے کہ چھلانگ لگانا ایک غیر مفید کلام ہے۔۳۔ تیسرے قول پر مناسبت یہ ہے کہ ضاعات متعلقہ بالقبور میں سے ایک چھلانگ لگا بھی ہے جو مکروہ تنزیہی ہے۔

انہ مرّبقبرین: راجح یہ ہے کہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں اور **لاتمس النار من رانی** جو مرفوعاً وارد ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کوئی صحابی دوزخ میں نہ جائے گا۔ قبر میں مواخذہ ہوسکتا ہے اور ارجح ہونے کی وجہ۔ا۔ مسند احمد میں ہے **وما یعذ بان الا فی الغیبتہ والبول** اور کافر کا عذاب تو اصل کفر کی وجہ سے ہے۔ یہاں حصر آ گیا کہ صرف غیبت کی وجہ سے یا بول کی وجہ سے ہے یعنی کفر کی وجہ سے نہیں ہے۔۲۔ مسند احمد میں ہی ہے۔ **من دفنتم الیوم ھھنا** خطاب صحابہ کو ہے۔۳۔ کافر

میں اصل یہ ہے کہ تخفیف نہ ہو۔ اگر ہوتی ہے تو خصوصیت کی تصریح ہوتی ہے جیسے خواجہ ابو طالب کی تخفیف میں خصوصیت کی تصریح ہے یہاں خصوصیت کی تصریح نہیں ہے کہ تھے تو یہ کافر لیکن میری شفاعت کی وجہ سے تخفیف ہونا ان کی خصوصیت ہے۔

وما یعذ بان فی کبیر: یہاں کبیر کی نفی ہے بعض روایات میں کبیر کا اثبات ہے۔ جواب۔ نفی میں کبیر بمعنی مشقت والا ہے کہ بچنا مشکل نہ تھا اور اثبات میں کبیرہ گناہ مراد ہے۔ **اما الآخر فکان یمشی بالنمیمۃ**:۔ سوال۔ یہاں نمیمہ ہے اور ابھی اوپر جو مسند احمد کے الفاظ اِسی حدیث کے نقل کیے گئے ہیں **وما یعذ بان الا فی الغیبتہ والبول** اس میں غیبت کا ذکر ہے غیبت کے معنی الگ ہیں اور نمیمہ کے معنیٰ الگ ہیں یہ بھی تعارض ہے۔ جواب۔ غیبت کے معنیٰ ہیں ذکر العیب علی وجہ الغیب اور نمیمۃ کے معنیٰ ہیں ذکر الحدیث علی جھتہ الفساد دونوں میں نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے جس میں ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہوتے ہیں۔ یہاں اجتماعی مادہ ہے اس لئے اس کو نمیمہ بھی کہہ سکتے ہیں غیبت بھی کہہ سکتے ہیں۔

اما احد هما فکان لا یستتر من البول: قبر میں ترک طہارت پر عذاب کی وجہ یہ ہے کہ قیامت میں پہلے نماز کا سوال ہوگا۔ مقدمہ قیامت میں یعنی قبر میں مقدمہ صلوٰۃ یعنی طہارت کا سوال مناسب ہے حضرت عثمانؓ قبر دیکھ کر روتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے یہ اچھی ہوئی تو بعد میں بھی آسانی ہوگی الحدیث ہمیں زمین دیکھ کر موت اور آسمان دیکھ کر جنت یاد کرنی چاہئے۔

؎ کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آ گیا
یکسروہ استخوان شکستہ سے چور تھا
بولا ذرا سنبھل کے چلو راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا

قبر پر پھول چڑھانے کا استدلال

اِس حدیث سے غلط ہے

وجہ۔ ا۔ راجح یہی ہے کہ دعاء یا قبولیت دعاء میں شاخوں کا تر رہنا وقت مقرر کیا گیا تھا شاخوں کا تخفیف میں دخل نہ تھا۔ اِسی لیے سلف صالحین نے شاخیں گاڑنے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ ۲۔ تمہاری غرض خوشبو پہنچانا ہوتی ہے نہ کہ تخفیف عذاب۔ ۳۔ اگر آپ تخفیف عذاب کی نیت کرتے ہیں تو یہ بزرگوں کی توہین ہے۔ ۴۔ اُن کو تو جنت کی خوشبوئیں مل رہی ہیں ان کی قبر پر دنیا کے پھول گندگی کے ڈھیر کی طرح ہیں کیونکہ اعلیٰ خوشبو والے کے لئے ادنیٰ خوشبو بدبو ہوتی ہے۔

باب موعظته المحدث عند القبر وقعود اصحابه حوله

غرض یہ ہے کہ قبرستان میں وعظ مستحب ہے دو وجہ سے۔ ا۔ سننے والے پر اثر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ قبروں کی وجہ سے اپنی موت پیش نظر ہوتی ہے۔ ۲۔ چونکہ یہ بھی عبادت ہے اس لئے جیسے قرآن پاک قبر کے پاس پڑھنے سے صاحب قبر کو انوار پہنچتے ہیں اِسی طرح وعظ سے بھی انوار پہنچتے ہیں۔

یوم یخرجون من الا جداث

اس آیت کو ذکر کرنے کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ جیسے اس آیت مبارکہ میں وعظ ونصیحت ہے اور اس میں قبروں کا ذکر ہے اِسی طرح قبروں کے پاس وعظ ونصیحت کرنے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ **الا یفاض الا سراع**:۔ اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کا **نهم الی نصب یوفضون**۔

قال اما اهل السعادة فیسیرون لعمل السعادة

ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ قادر ہونا بدیھی ہے اس لئے عمل کرو اِسی عمل سے اللہ تعالےٰ کی طرف سے آسانی حاصل ہوگی جیسے رزق میں کوشش کی جاتی ہے اور حاصل تقدیر سے ہوتا ہے۔ علاج میں کوشش کی جاتی ہے تندرستی تقدیر سے ہوتی ہے ورنہ مرجاتا ہے

تو جیسے علاج اور رزق کمانا چھوڑا نہیں جاتا ایسے ہی عمل چھوڑا نہیں جا سکتا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کسب انسان کا ہے اور خلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسی خلق کو تیسیر اور اعانت فرمایا گیا ہے۔

باب ما جاء فی قاتل النفس

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ انسانی جان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ سوال۔ باب تو ہے قاتل نفس میں کہ کسی انسان کا قتل کرنا بُرا ہے اور حدیث میں خودکشی کا ذکر ہے۔ جواب۔ خودکشی پر ہی غیر کے قتل کو بھی قیاس فرمایا۔ سوال۔ امام بخاری نے جزم اور یقین کے ساتھ کیوں نہیں فرمادیا کہ خودکشی پر ہی غیر کے قتل کو بھی قیاس فرمایا۔ سوال۔ امام بخاری نے جزم اور یقین کے ساتھ کیوں نہیں فرمادیا کہ خودکشی کرنے والے یا قاتل کا کیا حکم ہے۔ جواب۔ ا۔ تا کہ ناظر کو خود سوچنے کا موقعہ ملے۔ ۲۔ امام بخاری ایک حدیث کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے ہیں جو ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے اِس کو اسناد کے ساتھ نہ لائے وہ حدیث ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ میں ہے عن جابر بن سمرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اُتی برجل قتل نفسہ فلم یصلی علیہ۔

اختلاف:۔ عندالامام الاوزاعی خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ وعندالجمہور اس زمانے کے اکابر دین نہ پڑھیں عام مسلمانوں میں سے کچھ پڑھ کر دفن کر دیں منشاء اختلاف ابوداؤد کی روایت ہے عن جابر بن سمرۃ مرفوعاً اذالا اصلی علیہ۔ امام اوزاعی کے نزدیک جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کرنے والے پر نماز نہ پڑھی تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ کوئی بھی اس پر نماز نہ پڑھے جمہور کے نزدیک اوروں کو پڑھنے سے منع نہیں فرمایا اس لئے یہی معنیٰ ہوئے کہ اکابر دین نہ پڑھیں عوام پڑھ لیں، ترجیح جمہور کے معنیٰ کو ہے دو وجہ سے۔ ا۔ ترمذی میں عن ابی ہریرہ مرفوعاً وارد ہے مدیون کے متعلق کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شروع اسلام میں مدیون پر نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے بلکہ فرمادیتے تھے صلّوا علی صاحبکم انتھی پھر فتوحات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرضہ کی ذمہ داری خود لے لیتے تھے اور نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے تو یہاں بھی خود نہ پڑھنا اشارہ ہے صلّوا علی صاحبکم کی طرف یہ مطلب نہیں کہ کوئی بھی نہ پڑھے۔ ۲۔ نسائی میں خودکشی کے موقعہ پر مرفوعاً یہ الفاظ منقول ہیں امّا انا فلا اصلی علیہ ان الفاظ میں صاف اشارہ موجود ہے کہ میرا اس پر نماز پڑھنا مناسب نہیں ہے تم پڑھ لو۔

من حلف بملّتہ غیر الا سلام کا ذباً متعمدا فھو کما قال

اس کے دو معنیٰ کیے گئے ہیں۔ ا۔ ماضی میں کام کر چکنے کے بعد غیر اسلام کی جھوٹی قسم کھائی کہ اگر اُس نے یہ کام کیا ہے تو وہ کافر ہے اس سے تو کافر ہو جائے گا اور اگر آئندہ کے متعلق قسم کھائی کہ اگر اُس نے یہ کام کیا تو وہ کافر ہوگا پھر وہ کام بھی کر لیا تو کافر نہ ہوا۔ ۲۔ دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ ماضی اور مستقبل دونوں کی قسم کی صورت میں گنہگار ہی ہوگا کافر نہ ہوگا کیونکہ قسم کھانے کا مقصد تو اس کام سے رُکنا ہی تھا اتفاق سے وہ کام کر لیا تو گنہگار ہی ہوگا کافر نہ ہوگا حدیث پاک میں زجر ہی مقصود ہے کہ وہ کافر جیسا ہو گیا۔

باب ما یکرہ من الصلوٰۃ علی المنافقین والاستغفار للمشرکین

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ منافق پر نماز جنازہ پڑھنا اور مشرک کے لئے استغفار کرنا دونوں مکروہ ہیں۔ **باب ثناء الناس علی المیت**:۔ غرض یہ ہے کہ مرنے کے بعد میت کی مدح مستحسن ہے اگر چہ زندگی میں اُس کے سامنے قبیح ہے کیونکہ اس سے تکبیر اور خود بنی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جو دونوں کے دونوں حرام ہیں۔ مرنے کے بعد اچھا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مدح علامت ہے کہ ارحم الرحمین نے اس کی پردہ پوشی دینا میں فرمادی ہے اور یہ پردہ پوشی علامت ہے آخرت میں بھی مولائے کریم اِس کے ساتھ یہی معاملہ فرمائینگے۔ پھر یہ شہادۃ کس کی معتبر ہے اِس میں دو قول ہیں۔ ا۔ اہل علم وفضل گواہی دیں اور گواہی بھی سچی ہو۔ ۲۔ عامتہ

المومنین کی گواہی مراد ہے اور پھر وہ آدمی گنہگار ہو یا نیک ہو دونوں صورتوں میں عامتہ المومنین کی گواہی معتبر ہے کیونکہ یہ گواہی علامت ہوگی اِس بات کی کہ اُس بخشنے والی ذات نے اس کے گناہ بخش دیئے ہیں اور یہ دوسرا قول ہی راجح ہے کیونکہ پہلے قول ہیں اگر وہ نیک ہی ہے تو اِس گواہی کے پائے جانے اور نہ پائے جانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا اِس لئے اس کا بیان فضول ہوا۔

باب ماجاء فی عذاب القبر

غرض عذاب قبر کا اثبات ہے اور معتزلہ پر رد کرنا ہے کیونکہ معتزلہ عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اور بعض معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ کافروں کو عذاب قبر ہوگا مسلمانوں کو نہ ہوگا پھر عذاب القبر میں جو عذاب کی اضافت قبر کی طرف ہے یہ اکثر حالات پر مبنی ہے کیونکہ بعض دفعہ سمندر میں غرق ہونے سے موت آ جاتی ہے اور لاش سمندر ہی میں گم ہو جاتی ہے اور سمندر ہی میں گناہوں کی وجہ سے بغیر قبر بنے عذاب ہوتا ہے بعض کو شیر وغیرہ کوئی درندہ کھا جاتا ہے اور قبر بنے بغیر جانور کے پیٹ میں ہی عذاب ہوتا ہے اور وہاں ہی روح کا تعلق بدن کے ٹکڑوں سے ہو جاتا ہے۔ روح تو ایسی چیز ہے کہ اس کا تعلق مشرق اور مغرب میں پھیلے ہوئے بدن کے ٹکڑوں سے بھی ہو سکتا ہے جیسے سورج بیک وقت آدھی زمین کو روشن کر دیتا ہے کیونکہ روح کا حلول کی صورت میں بدن کے اندر داخل ہونا ضروری نہیں ہے تدبیر و تصرف کا تعلق ہے۔ پھر جو احادیث میں آتا ہے کہ روح سوال و جواب کے وقت بدن میں لوٹائی جاتی ہے اس لوٹانے اور اعادہ کی مقدار اتنی ہی مراد ہے جس سے سوال سمجھ سکے اور جواب دے سکے اور ثواب و عذاب کو محسوس کر سکے اتنا تعلق ضروری نہیں جتنا موت سے پہلے تھا قبر میں ثواب و عذاب کی مثال سونے والے جیسی ہے جو جاگنے والے کی طرح چلتا پھرتا تو نہیں ہے لیکن تکلیف اور راحت محسوس کرتا ہے۔ اتحاف شرح احیاء العلوم میں ہے عن ابن مسعود مرفوعاً فاذا وضع فی قبره اجلس وجیئی بالروح وجعلت فیه فیقال له من ربک ومادینک و من نبیک فیقول ربی الله ودینی الاسلام و نبی محمد صلی الله عنیه وسلم فیقال له صدقت فیوسع له فی قبره مدبصره ثم ترفع روحه فتجعل فی اعلیٰ علیین الحدیث اور متکلمین نے تصریح فرمائی ہے کہ تعلق ارواح مومنین کا جسموں کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے سورج کا تعلق زمین سے ہے اور میت سونے والے کی طرح ہوتا ہے ہنستا بھی ہے اور تکلیف بھی محسوس کرتا ہے اگرچہ روح بدن کے اندر نہیں ہوتی الله یتو فی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها. ۱۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں الاحادیث متواترة علی عود الروح الی البدن وقت السوال وھو قول الجمھور انتھی۔ ۲۔ فی الاتحاف شرح احیاء العلوم کہ بعض اس کے قائل ہوئے کہ بدن بلا روح سے سوال جواب ہوتے ہیں۔ ۳۔ اتحاف میں ہے کہ سوال جواب صرف روح سے ہوتے ہیں۔ بدن کا دخل نہیں ہے اور یہ ابن حزم کا قول ہے اور غلط ہے اس لئے کہ اگر بدن کا دخل نہیں تو پھر قبر کی کیا خصوصیت ہوئی۔

قبر میں سوال کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے یوم الست میں توحید کا وعدہ لیا اور سب کو گواہ بنایا پھر دنیا میں نبیوں اور مومنوں کو گواہ بنایا پھر قبر میں فرشتوں کو گواہ بنایا توحید پر بس جب شیطان قیامت میں گناہوں کی وجہ سے یہ کہے گا کہ یہ تو میری جماعت ہے تو اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین اس کا رد فرمادینگے اور بندہ کو جنت میں داخل فرمادینگے۔ ادخلنا الله ایاها بلا عذاب۔ آمین۔

اتی ثم شهد: آنے والے منکر اور نکیر ہیں اور جس کے پاس آتے ہیں وہ بندہ مومن مراد ہے۔ پھر شہد کی جگہ ایک نسخہ میں تشہد بھی ہے۔

ماانتم باسمع منهم ولکن لایجیبون

باب سے مناسبت یہ ہوئی کہ جب مردے سنتے ہیں تو ثواب اور تکلیف بھی محسوس کرتے ہیں۔ سماع موتی کے دلائل۔ ۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دھلوی نے فرمایا کہ متکلمین حضرات نے عذاب قبر اور ثواب قبر کے انکار کو کفر قرار دیا ہے اور بغیر شعور و

ادراک کے ثواب وعذاب کا تصور ہی نہیں ہوسکتا اس لئے شعور و ادراک بھی ماننا ضروری ہے۔۲- احادیث صحیحہ سے قبرستان میں السلام علیکم کہنا ثابت ہے۔۳- اہل بدر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا۔۴- **ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل الله امواتا** یہ چاروں فتاوٰی عزیزیہ میں ہیں۔۵- ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں سند قوی سے نقل فرمایا **عن عطاء بن یسار مرسلاً قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعمر بن الخطاب رضی الله عنه یا عمر کیف بک اذا انت مت واتاک فتانا القبر منکرو نکیرفقال عمرو یکون معی مثل عقلی الآن قال نعم قال اذا اکفیهما انتہٰی** اتحاف شرح احیاء العلوم میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جزء باقی رہتا ہے جس سے موت کے بعد شعور کا تعلق ہوجاتا ہے اگرچہ اس کا بدن مشرق ومغرب میں منتشر ہوجائے۔ **انما قال النبی صلی الله علیه وسلم انهم لیعلمون الآن ان ماکنت اقول حق:** حضرت عائشہ کی غرض اس قول سے حضرت عمر کی تردید ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ نہ تھی کہ قلیب بدر میں کافروں کی لاشیں اس وقت سن رہی ہیں بلکہ مراد یہ تھی کہ اب وہ جان رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا تھا وہ ٹھیک تھا سماع ثابت کرنے والے حضرات اس قول عائشہ کے مختلف جواب دیتے ہیں۔۱- جمہور صحابہ اور بعد کے حضرات نے ابن عمر کے قول کو ظاہر ہی پر رکھا ہے۔ ۲- احادیث کثیرہ سے ابن عمر...... کی روایت کے ظاہری معنیٰ ہی کی تائید ہوتی ہے۔۳- حضرت عائشہ تو بدر کے میدان میں موجود نہ تھیں۴- جیسے وہ جانتے تھے ایسے ہی وہ سن بھی سکتے تھے جاننا سننے کے قریب ہی تو ہے۔۵- حضرت عائشہ صرف علم کو ثابت کررہی ہیں اور دوسرے حضرات علم اور سماع دونوں کو ثابت کررہے ہیں اور مثبت زیادہ کو ترجیح ہوتی ہے۔۶- شیخ الاسلام زکریا انصاری اور مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کا اس مسئلہ میں رجوع ثابت ہے کیونکہ مسند احمد میں حسن کے درجہ کی سند سے ثابت ہے۔ **عنها مرفوعاً ما انتم باسمع لمااقول منهم** اس روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام سے سننے کے بعد حضرت عائشہ نے رجوع فرمالیا تھا کیونکہ خود تو حاضر نہ تھیں۔

اہل قلیب کو سنانے کا فائدہ

کہ زندوں کو عبرت ہو کہ کفر کا انجام بہت برا ہے۔

انک لاتسمع الموتیٰ:۔ اس آیت سے حضرت عائشہؓ نے استدلال فرمایا اس کے دو جواب پیچھے گزر چکے ہیں۔۱- سماع نافع کی نفی ہے۔۲- اسماع کی نفی ہے سماع کی نفی نہیں ہے۔ **نعم عذاب القبر:**۔ بعض نسخوں میں یہاں اس طرح ہے نعم عذاب القبر حق۔ سوال: **فی مسلم عن عائشته قالت وخلت علی امراۃ من الیهود وهی تقول بل شعرت انکم تفتنون فی القبور قالت فارتاع رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال انما تفتن یهود قالت عائشة فلبثنا لیالی ثم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بل شعرت انه اوهی الی انکم تفتنون فی القبورالحدیث** تعارض ہوگیا جواب قال الطحاوی وہ عورت دو دفعہ آئی پہلی دفعہ وہ گفتگو ہوئی جو مسلم شریف میں ہے دوسری دفعہ آئی تو وہ گفتگو ہوئی جو بخاری شریف میں ہے درمیان میں وحی نازل ہوئی۔ **لمحمد صلی الله علیه وسلم:**۔ یہ راوی نے وضاحت کی ہے **اشهدانه عبدالله ورسوله:**۔ ایک کتاب ہے الانصاف اس میں روایت ہے **عن ابن عمر رایت ابی فی النوم فقلت له یا ابت منکرو نکیر حق فقال ای والله الذی لااله الاهو لقد جاء انی فقالالی من ربک فاغذت علیهما وقلت لهما لااخلی عنکما حتیٰ تعر فانی من ربکما فقال احدهما للآخروعه فانه عمر الفاروق سراج اهل الجنته.**

باب التعوذ من عذاب القبر

غرض یہ ہے کہ عذاب قبر سے پناہ پکڑنا مسنون ہے۔

فسمع صوتا: ا- عذاب کے فرشتوں کی آواز تھی۔ ۲- عذاب واقع ہونے کی آواز تھی۔ ۳- جس کو عذاب ہو رہا تھا اس کے چیخنے کی آواز تھی مناسبت باب سے یہ ہے کہ ایسے موقعہ میں پناہ پکڑنا مسنون ہے۔ سوال: احادیث میں تو یہ ہے کہ عذاب قبر کی آواز انسانوں اور جنوں سے مخفی رکھی جاتی ہے جواب۔ ا- یہ مخفی رکھنا قاعدہ اکثر یہ ہے۔ ۲- عادۃ اللہ تعالیٰ یہی ہے کہ مخفی رکھا جاتا ہے یہ واقعہ خرق عادت بطور معجزہ کے صادر ہوا۔ **فقال یهود تعذب فی قبورها**۔ یہود قال کے فاعل نہیں ہیں بلکہ یہود مبتدا ہے اور تعذب خبر ہے یعنی یہودیوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے۔

باب عذاب القبر فی الغیبته والبول

غرض یہ ہے کہ عذاب قبر صرف کافر کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ مسلمان کو بھی ہوتا ہے۔

باب المیت یعرض علیه مقعده بالغداة والعشی

غرض ثواب وعذاب فی القبر کی ایک خاص صورت کا بیان ہے تخصیص بعد التعمیم ہے پھر مسلم شریف میں اس مضمون کی روایت میں الفاظ یوں ہیں **ثم یقال هذا مقعدک الذی تبعث الیه یوم القیامة** ان الفاظ کی روشنی میں زیر بحث بخاری شریف کی روایت کے جو یہ الفاظ ہیں **فیقال هذا مقعدک حتیٰ یبعثک الله یوم القیامة** ان کا مطلب یہ ہے کہ تجھے یہ ٹھکانا قیامت تک دکھایا جائے گا **حتیٰ یبعثک الله** یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس ٹھکانے میں قیامت کے بعد پہنچا دینگے پھر یہ دکھایا جانا بھول جاؤ گے جیسے اس آیت کے معنیٰ ہیں وان علیک لعنتی الی یوم الدین کہ قیامت تک تو تم پر لعنت ہوتی رہیگی پھر ایسا عذاب آئے گا کہ یہ لعنت بھول جاؤ گے۔

باب کلام المیت علی الجنازة

غرض یہ ہے کہ میت کو دنیا کے کچھ کاموں کا پتہ چلتا ہے یہ تمہید ہے اس کی کہ اس کو قبر میں بھی سوال جواب کا پتہ چلے گا کیونکہ چارپائی قبر کی تمہید ہے اور پیچھے جو اسی قسم کا باب تھا باب قول المیت قدمونی وہاں مقصود یہ تھا کہ میت کو جلدی دفن کرنا چاہئے پس تکرار نہ رہا۔

باب ما قیل فی اولاد المسلمین

بظاہر غرض امام بخاری کی اولاد مسلمین غیر بالغین میں توقف ذکر کرنا ہے۔ کیونکہ صراحۃ جنتی ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ امام نووی نے اجماع نقل کیا ہے ذراری مومنین کے جنتی ہونے پر اور توقف کرنے والے حضرات کے دلائل۔ ا- **فی مسلم عن عائشة توفی صبی من الانصار فقلت طوبیٰ له لم یعمل سوءً ولم یلدکه فقال النبی صلی الله علیه وسلم اوغیر ذلک یا عائشة ان الله خلق ...... للجنه اهلاً الحدیث** جواب اہل اجماع کی طرف سے یہ ہے کہ اس حدیث میں بلا دلیل جلدی سے قطعی فیصلہ کر دینے سے منع فرمانا مقصود ہے کہ مجھ سے پوچھے بغیر کیوں فیصلہ کیا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ جنتی نہیں ہے۔ ۲- حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں جو مذکور ہے طبع یوم طبع کافرا یہ بھی توقف کی تائید کرتا ہے۔ ۳- حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ عمل مفقود ہے جس کی وجہ سے دخول جنت ہوتا ہے استعداد موجود ہے اور وہ کافی نہیں دخول جنت کے لئے کیونکہ استعداد تو کافر بالغ میں بھی موت تک رہتی ہے اس لئے ادلہ کا مقتضیٰ توقف ہے۔ ۴- ذراری مشرکین میں جمہور توقف کی طرف چلے گئے ہیں اس پر قیاس کا تقاضی یہ ہے کہ ذراری مومنین میں بھی توقف ہی کیا جائے۔ ان سب ادلہ کا جواب یہی ہے کہ اجماع کی وجہ سے ترجیح جنتی ہونے کو ہی ہے اجماع کی تائید مختلف ادلہ سے بھی ہوتی ہے۔ ا- ثانی الباب **عن انس مرفوعاً ما من الناس مسلم یموت له ثلثته من الولدلم یبلغوا الحنثَ الا ادخله الله الجنة بفضل رحمته ایا هم**. ۲. اول الباب **عن ابی هریرة مرفوعاً من مات له ثلثة من**

الولدلم یبلغوا الحنث کان له حجاباً من النار اودخل الجنته جب آگ سے حجاب ہونگے والدین کے لئے تو خودبطریق اولی آگ سے باہراور جنت میں داخل ہونگے ۔۳۔ فی زیادات مسند احمد لعبد الله بن احمد عن علی مرفوعاً ان المسلمین واولادھم فی الجنة. الی قوله. ثم قرأ والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الآیة۔ ۴۔ خود یہی آیت مبارکہ مستقل دلیل ہے۔ والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم بایمانِ الحقنا بهم ذریتهم الآیة. ۵۔ ثالث الباب عن البراء قال لما توفی ابراھیم علیہ السلام قال رسول اللہ صلی اللہ ان لہ مرضعا فی الجنتہ۔

باب ما قیل فی اولاد المشرکین

غرض اولاد مشرکین میں اظہار توقف ہے۔ کافروں کے جو بچے نابالغ ہونے کی حالت میں مرجاتے ہیں ان کے متعلق چھ اہم قول ہیں۔ ۱۔ کافر ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ جانتے تھے کہ اگروہ بڑے ہونگے تو کافر ہونگے اسی لئے ان کو کافروں کے گھر پیدا فرمایا اب وہ دوزخ میں اپنے والدین کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے۔ ۲۔ اہل جنت ہیں اس کی دلیلیں عنقریب تفصیل سے آرہی ہیں۔ ۳۔ بین الجنتہ والنار ہونگے اُعراف میں نہ ثواب ہوگا ان کو نہ عذاب ہوگا۔ ۴۔ اہل جنت کے خادم ہونگے ۵۔ بعض جنتی ہونگے جن کے متعلق اللہ تعالےٰ جانتے ہیں جوایسے کہ اگر یہ زندہ رہیں اور بالغ ہوجائیں تو یہ مومن بن جائیں گے اور بعض دوزخی ہونگے جوایسے ہیں کہ اللہ تعالےٰ جانتے ہیں کہ اگر یہ زندہ رہینگے تو بالغ ہونے کے بعد کافر ہونگے۔ ۶۔ توقف۔ امام بخاری کے طرز سے بظاہر یہی معلوم ہورہا ہے کہ وہ توقف ہی کے قائل ہیں اور یہی توقف ہمارے امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی سے منقول ہے اور یہی ایک روایت امام احمد کی بھی ہے۔ لیکن بہت سے محدثین اور ہمارے قریب زمانہ کے اکابر نے ان کے جنتی ہونے کو ترجیح دی ہے اور اس کے خلاف جو دلائل ہیں ان کو منسوخ یا ماول قرار دیا ہے۔

ذراری مشرکین کے جنتی ہونے کے ادلہ

۱۔ حدیث الباب عن ابی هریرة مرفوعاً کل مولود یو لدعلی الفطرة فابواه یهود انه او ینصرانه او بمجسانه الحدیث. ۲۔ معراج کی احادیث میں صراحتہً مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو دیکھا اوران کے گرد بچوں کو دیکھا اوران کی تفصیل یہ بتلائی گئی کل مولود علی الفطرة ۔۳۔ وما کنا معذبین حتّٰی نبعث رسولا.۴۔ زیربحث باب کے بعد جو باب بلاترجمہ ہے اِس میں لمبی حدیث ہے اس میں تصریح ہے اُن بچوں کے متعلق جوخواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے اردگرد دیکھے والصبیان حوله فاولاد الناس۔ ۵۔ فی مسند ابی یعلیٰ عن انس مرفوعاً سالت رُبی اللاہین (ای الا طفال) من ذریته البشران لا یعذبهم فاعطانیهم اوراس حدیث کی سند حسن کے درجہ کی ہے۔ ۶۔ فی مسند احمد عن خنساء بنت معاویة بن مریم عن عمتها قلتُ یا رسول الله من فی الجنه قال النبی فی الجنة والشهید فی الجنة والمولود فی الجنة اس کی سند بھی درجہ حسن کی ہے۔

الله اذا خلقهم اعلم بما کانوا عاملین

ما کے مصداق میں دواحتمال ہیں۔ ۱۔ عمل ۔ ۲۔ اللہ تعالےٰ کا ارادہ مخفیہ دونوں صورتوں میں یہ روایت توقف پردال ہے۔

کل مولود دیولد علی الفطرة

فطرة کے دومعنیٰ کئے گئے ہیں۔ ۱۔ سبب اسلام ۔ ۲۔ اسلام۔ سوال۔ حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں جس بچہ کوقتل فرمادیا اس کے بارے میں ثابت ہے طبعه الله یوم طبعه کافرا تو زیربحث روایت کے ساتھ اِس بچہ والے واقعہ کا تعارض ہوگیا جواب۔ پہلے شقاوت وسعادت کاتعلق بچے سے ہوتا ہے پھر ولادت اور اس کے ساتھ ہی فطرة کا ظہور ہوتا پھرطبع کا وقوع ہوتا ہے۔ اس لئے پہلے فطرة سلیمہ پر ولادت ہوئی پھر کفر کی مہر جس کو طبعه الله

یوم طبعه کافرا میں ذکر کیا گیا ہے اُس کا وقوع ہوا اس لئے کچھ تعارض نہیں کیونکہ زمانہ ایک نہ رہا۔ سوال جب ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور فطرۃ کے معنیٰ اسلام کے کئے گئے ہیں تو کافروں کے جو بچے نابالغی کے زمانہ میں فوت ہوتے ہیں ان پر نماز جنازہ بھی پڑھنی چاہئے جواب نماز جنازہ پڑھنا یہ اسلام کا دنیوی حکم ہے اور فطرۃ جو بمعنیٰ اسلام ہے اس میں چھپا ہوا اسلام مراد ہے جو آخرت ہی میں ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس پر دنیا میں کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا۔ **باب** :۔ یہ تتمہ ہے ماقبل کا **کلوّب** لوہے کا کانٹا۔ **شدق** :۔ منہ کی بانچھ یعنی منہ کی ایک جانب۔ **حتی ثیلغ قضاہ**:۔ منہ کی ایک جانب کو پھاڑتا ہوا گدی تک یعنی سر کے پچھلے حصہ تک پہنچ جاتا تھا۔ **بفھر** :۔ اس کے دو معنیٰ کئے گئے ہیں۔ ا۔ اتنا بڑا پتھر جو ہتھیلی کو بھر دے۔ ۲۔ ہر پتھر کو فہر کہتے ہیں۔ **فیشدخ به**:۔ شدخ کے معنیٰ ہیں کھوکھلی چیز کو یعنی ایسی چیز کو جو اندر سے خالی ہو اس کو توڑنا۔ **رمی الرجل بحجر فی فیه** :۔ کنارہ والا آدمی نہر والے آدمی کے مُنہ میں پتھر مارتا تھا ای فی فمہ۔ **والصبیان حوله فاولاد الناس**:۔ یہ محل ترجمہ ہے کہ مشرکین کی اولاد بھی نجات پانے والی ہے کیونکہ اس میں الناس کا لفظ ہے جو مسلمانوں اور کافروں سب کو شامل ہے۔

باب موت یوم الا ثنین

غرض پیر کے دن مرنے کی فضیلت کا بیان کرنا ہے کیونکہ اُس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا۔ سوال۔ **فی الترمذی عن عبد الله بن عمرو مرفوعاً ما من مسلم یموت یوم الجمعته الا وقاه الله فتنته القبر**۔ جواب۔ اس کی سند میں کچھ ضعف تھا اِسی لئے اس کو امام بخاری نے نہ لیا۔ **انما هو للمهلته** :۔ یعنی نئے کپڑے تو زندہ کے لئے ہوتے ہیں جس کو دنیا میں کچھ مہلت رہنے کی ملی ہوئی ہے۔

باب موت الفجَائة البغتة

غرض شبہ کا ازالہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موتِ فجاءۃ سے یعنی اچانک موت آجانے سے پناہ مانگی ہے شاید اس میں کوئی کراہت ہو اور مرنے والے کو تکلیف ہونے کا اندیشہ قبر میں یا بعد میں ہو تو اس کا ازالہ فرمادیا کہ اِس باب کی حدیث میں موتِ فجاءۃ کا ذکر ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کراہت کا اظہار نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ استعاذہ صرف عارض کی وجہ سے ہے کہ توبہ اور خصوصی تیاری کا موقعہ نہ ملا حاصل اِس موت میں کوئی قباحت یا کراہت نہیں ہے۔ کیونکہ غیر اختیاری چیز ہے۔

باب ما جاء فی قبر النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی الله عنهما

غرض یہ ہے کہ تینوں قبریں مسنّم تھیں کوہان کی شکل میں چورس جس کو مسطح کہتے ہیں نہ تھیں **کفاتاً**:۔ **کَفَتَ الشئی اذا جمعه وضمه سَحری** :۔ پیٹ کا اوپر کا حصہ درمیان والا۔ **وعن هلال**:۔ اوپر والی پوری سند مراد ہے **کنّا فی**:۔ میری کنیت رکھی وہ کیا تھی۔ ا۔ ابو اُمیّہ ۔ ۲۔ ابوالجہم ۔ ۳۔ ابو عمرو اور تیسری ہی مشہور ہے **انه رایٰ قبر النبی صلی الله علیه وسلم مُسنّماء**:۔ عندالشافعی اولیٰ ہے قبر کو مسطح یعنی چار کونوں والی بنانا اور جمہور کے نزدیک اولیٰ ہے **مُسَنَّم** یعنی کوہان جیسی بنانا **وللجمهور حدیث الباب عن سفیان التّمار انه رأی قبر النبی صلی الله علیه وسلم مسنّماً و للشافعی روایته الترمذی عن الهیاج الا سدی قال لی علّی الا ابعثُک علی ما بعثی علیه النبی صلی الله علیه وسلم ان لا ادع قبرا مشرفاً الا سویتَه ولا تمثالاً الا طمتَه.** جواب اِس سے مراد صرف وہ قبر ہے جو فخر کے طور پر بہت اونچی بنائی گئی ہو۔ **لا اعلم احداً احق بهذا الا مر**:۔ مراد امر خلافت ہے۔ **اُوصیه بذمة الله** مراد عامتہ المومنین ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں ہوتے ہیں۔

باب ما ینهی من سبّ الا موات

غرض یہ ہے کہ مرنے کے بعد بُرا کہنا برا ہے البتہ حدیث کی سند میں جرح مقصود ہو یا کسی کو کسی گناہ سے بچانا مقصود ہو تو

بقدر ضرورت گنجائش ہے۔

باب ذکر شرار الموتیٰ

غرض گذشتہ باب سے ایسے شخصوں کو نکالنا ہے جو ایذاء اور شر میں مشہور ہوں جیسے ابولہب اور ابوجہل کہ ان کی برائی گنجائش ہے۔

کتابُ الزکوٰۃ

ای کتاب یذکر فیہ احکام الزکوٰۃ۔ یہ تقدیر عبارت ہے اور اس سے غرض بھی ظاہر ہوگئی کہ زکوٰۃ کے احکام بیان کرنے مقصود ہیں اور ربط یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ایمان اور نماز کے بعد سب سے زیادہ ذکر زکوٰۃ کا ہے اس لئے تیسرے درجہ پر امام بخاری بیان فرما رہے ہیں۔لغوی معنیٰ ۱۔نماء اور ۲۔طہارۃ کے ہیں زکوۃ دینے والا اور اس کا مال پاک ہوجاتے ہیں اور مال میں برکت کی وجہ سے نماء اور زیادتی ہوتی ہے۔حدیث پاک میں ہے **ما نقص مال من صدقته** اور قرآن پاک میں ہے **یمحق الله الربٰوا ویُربی الصدقات**۔

باب وجوب الزکوٰۃ

غرض فرضیت زکوٰۃ کا بیان ہے لفظ وجوب کثرت سے فرضیت پر بولا جاتا ہے۔کیونکہ وجوب کے لغوی معنیٰ ثبوت اور تحقق کے ہیں۔**قال ما له ما له**:۔قائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ما استفہامیہ ہے تعجب کا اظہار ہے اُس کی حرص آخرت پر اور ایک روایت میں یوں ہے قال الناس مالہ مالہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارب مالہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ مالہ پہلا دو دوفعہ یہ صحابہ کی کلام ہے۔البتہ ارب کے بعد مالہ بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام ہے۔**ارب مالہ**:۔اس کے مختلف معنیٰ کئے گئے اور مختلف طریقے سے پڑھا گیا۔۱۔اَرِبٌ بمعنی صاحب حاجت تقدیر عبارت یہ ہے ھواَرِب کہ وہ صاحب حاجت ہے۔آگے مالہ الگ جملہ ہے جس کے معنیٰ گذر چکے۔۲۔اَرَبٌ میں راء کا فتحہ ہے جس کے معنیٰ حاجت کے ہیں۔ما اسی کی تاکید ہے لہ حال یا صفت ہے اور خبر محذوف ہے واقع یعنی کچھ نہ کچھ حاجت اس کی ثابت اور واقع ہے۔۳۔اَرِبَ فتحہ ءراء کے ساتھ ماضی کا صیغہ ہے بمعنیٰ احتاج اور مالہ جملہ استفہامیہ الگ جملہ ہے۴۔یہی لفظ بمعنی بلغ جُهده ای صار ماھراً اظہار تعجب ہے اور مالہ الگ جملہ استفہامیہ تعجب کے لئے ہے۔۵۔یہی لفظ بمعنی سقط اٰرابہ ای اعضاءہ یہ بھی اظہار تعجب ہے اور مالہ بھی مزید تعجب کے لئے الگ جملہ ہے ۶۔۷۔۸یہی تینوں معنیٰ صرف بکسر الراء ہے اَرِبَ۔

من فرّق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ

سوال۔حضرت ابن عمر اور حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ سے یہ بھی مرفوعاً منقول ہے کہ مجھے لڑنے کا حکم ہے یہاں تک کہ کلمہ شریف پڑھیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔تو پھر حضرت صدیق نے اسی سے استدلال کیوں نہ فرمایا کہ جب تک زکوٰۃ صحیح طریقہ سے نہ دیں میں جہاد کرونگا زکوٰۃ کو نماز پر کیوں قیاس فرمایا جواب۔۱۔حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ حصہ حدیث کا نہ پہنچا تھا۔۲۔پہنچا تھا لیکن کبھی تو اسی زائد حصہ سے بھی استدلال فرمایا جیسا کہ نسائی میں حضرت انس سے مروی ہے اور کبھی الا بحقہٖ سے استدلال فرمایا کہ الا بحقہ میں عموم ہے زکوٰۃ کو بھی شامل ہے اور کبھی زکوٰۃ کو صلوٰۃ پر قیاس فرمایا۔

باب البیعة علی ایتاء الزکوٰۃ

غرض یہ ہے کہ جب تک بیعت میں زکوٰۃ پر عمل کرنے کا وعدہ نہ کرے بیعت پوری نہیں ہوتی۔

باب اثم مانع الزکوٰۃ

غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا بہت بڑا گناہ ہے۔

یحملها علی رقبته

شاید گردن پر اٹھانا خیانت کی وجہ سے ہو اور جانور جو روندیں گے یہ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے **ھو له زبیبتان**:۔سانپ کی آنکھوں پر دو نکتے کالے رنگ کے۔

ماادی زکوته فلیس بکنز

غرض یہ ہے کہ زکوۃ ادا کرنے کے بعد جو مال باقی بچ گیا وہ کنز مذموم نہیں ہے اور موجب عذاب نہیں ہے کیونکہ جو شخص اپنی حاجت

سے بچاہوامال خیرات نہ کرے اس پر عذاب کا ذکر نہیں آتا۔

لیس فیما دون خمس اوسق صدقة

عندامامنا ابی حنیفۃ ہر قلیل وکثیر میں عشر ہے وعندالجمہور پانچ اوسق سے کم میں عشر نہیں ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے ولنا۔ ا. یا ٔیھا الذین انفقوا من طیبات ماکسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض. اس آیت میں ماآخرجنا من الارض عام ہے۔۵اوسق اور کم اور زائد سب کو شامل ہے۔ ۲. فی ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً فیما سقت السماء والا نھار والعیون او کان بعلا العشرُ اس حدیث میں ماسقت السماء عام ہے پانچ اوسق کی قید نہیں ہے۔ وللجمھور حدیث الباب جوابوداؤد میں بھی ہے عن ابی سعید مرفوعاً لیس فیما دون خمس اواقِ صدقة ولیس فیما دون خمس ذود صدقة ولیس فیما دون خمس اوسق صدقة جواب۔ا۔اس میں غلّہ کی زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ کیونکہ پانچ اوسق غلہ کی قیمت عموماً پانچ اواقی ہوجاتی تھی۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اِس حدیث میں اونٹوں کا نصاب اور چاندی کا نصاب مذکور ہے اور ان دونوں کا تعلق زکوٰۃ سے ہے عشر سے نہیں ایسے ہی غلّہ کا ذکر بھی زکوٰۃ کے درجہ میں ہے کہ مال تجارت کے طور پر غلّہ کتنا ہو کہ اس کی قیمت پانچ اواقی ہوجائے گی اور اس میں زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ عشر کا تو اس حدیث میں بالکل ذکر ہی نہیں اس لئے عشر پر محمول کرنا ٹھیک نہیں ہے۔۲۔دوسرا جواب یہ ہے کہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے واتواحقه یوم حصاده اس میں دبھی عشر کا بیان ہے اور کوئی قید نہیں ہے اِس لئے حدیث کے بھی ایسے معنیٰ ہی ہونے چاہئیں جو آیت کے خلاف نہ ہوں اور وہ ہمارے بیان کئے ہوئے معنیٰ ہیں۔ اور یہ آیت ہمارے دلائل میں سے بھی شمار کی جاسکتی ہے۔۳۔ ہمارے معنیٰ میں احتیاط ہے۔۴۔خمسۃ اوسق کا ذکر اس لئے ہے کہ اتنی مقدار کا عشر بیت المال میں پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ مالک خود ہی ادا کردے۔۵۔اتنی مقدار عرایا میں شمار ہوتی ہے۔مقصد یہ ہے کہ جس فقیر کو عرایا کے درجہ میں غلّہ ملا ہو اس فقیر کے ذمہ عشر نہیں ہے۔ کیونکہ عشر مالک کے ذمہ ہوتا ہے یا مزارع کے ذمہ ہوتا ہے عرایا لینے والے فقیر کے ذمہ نہیں ہوتا۔۶۔ہم جو معنیٰ لیتے ہیں کہ زکوٰۃ مراد ہے مال تجارت میں۔ یہ معنیٰ بالا جماع معمول بہ ہیں اور جو آپ معنیٰ لیتے ہیں وہ محل اختلاف ہیں اس لئے ایسے معنیٰ لینے اولیٰ ہیں جو بالا جماع معمول بہ ہوں۔ **فجاء رجل خشن الشعر و الثیاب والھُیته:**۔پراگندہ بالوں والا اور سخت اور موٹے کپڑے والا اور پراگندہ ہیئت والا **برضف:**۔ رضف کے معنیٰ پتھر کے ہیں۔**باب انفاق المال فی حقه:**۔غرض یہ ہے کہ نیکی میں مال خرچ کرنا مستحب ہے۔

باب لا یقبل الله صدقة من غلول

غرض یہ ہے کہ یہ مسلم شریف کی حدیث کے الفاظ ہیں یہ ان کی شرط پر نہ تھے اس لئے ترجمۃ الباب میں لائے اور ان کو آیت سے ثابت کیا۔ آیت اِس حدیث کی تائید کیسے کرتی ہے۔اس میں دوقول ہیں۔ا۔خائن کو قیامت کے دن اذیٰ اور عذاب پہنچے گا جیسے صدقہ کرنے والا صدقہ کے بعد اذی پہنچاتا ہے۔۲۔ جب صدقہ کے بعد اذیٰ مبطل صدقہ ہے تو صدقہ کے ساتھ اذیٰ غصب وغیرہ کی صورت میں بطریق اولیٰ مبطل ہے۔

باب الصدقة من كَسْبِ طَيِّبِ

غرض اور ربط یہ ہے کہ یہ باب گذشتہ باب کا عکس ہے کہ پیچھے تھا وہ صدقہ جو قبول نہیں ہوتا اب وہ ہے جو قبول ہوتا ہے۔

ویُربی الصدقات

سود بدن کے ورم کی طرح ہے اور صدقہ بیماری کی وجہ سے جو اسہال اور دستوں کی دوا دیتے ہیں اس کی طرح ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ جو مال کی زیادتی چاہتا ہے وہ سود نہ لے بلکہ خیرات کرے اِس سے زیادتی ہوگی زیادتی کے لئے ناجائز طریقہ نہ اختیار کرے جائز طریقہ اختیار کرے۔

کما یربّی احد کم فلُوَہ

اشارہ ہے کہ جیسے گھوڑے کا بچہ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا ہے ایسے ہی

برکت صدقہ کی وجہ سے آہستہ آہستہ ظاہر ہوتی ہے کمثل حبّۃٍ انبتت سبع سنابل میں بھی یہی اشارہ ہے کہ جیسے پودا آہستہ آہستہ بڑا ہوتا ہے۔ ایسے ہی صدقات کی برکت آہستہ آہستہ ظاہر ہوتی ہے۔

باب الصدقۃ قبل الرد

غرض یہ ہے کہ صدقہ میں جلدی کرلو ورنہ ایسا زمانہ آجائے گا جس میں کوئی صدقہ لینے والا نہ ہوگا۔

بغیر خفیر :۔ بغیر کسی محافظ کے

باب اتقوالنار ولو بشق تمرۃ

باب کی غرض اور حدیث الباب کے معنیٰ ۔ا۔ صدقہ ضرور کرو ترغیب مقصود ہے یہ نہ سوچو کہ جو صدقہ کر رہا ہوں وہ تھوڑا مال ہے۔ زیادہ نہیں تو وہی سہی ۔۲۔ کسی کا حق نہ دباؤ اگرچہ تھوڑا ہو وہ بھی آگ میں لے جاسکتا ہے۔ کنا نحامل ہم بوجھ اٹھاتے تھے تا کہ جو پیسے ملیں وہ خیرات کردیں۔

باب فضل صدقۃ الشحیح الصیحح

غرض یہ ہے کہ احتیاج کی حالت میں صدقہ استغناء کی حالت کے صدقہ سے افضل ہے شح کے معنیٰ ہیں بخل مع الحرص

باب :۔ یہ باب بلا ترجمہ ہے اس لئے گذشتہ باب کا تتمہ ہے اور جیسے گذشتہ باب میں احتیاج کے زمانہ میں صدقہ کی زیادہ فضیلت کا ذکر تھا اسی طرح اس باب میں بھی صدقہ کی فضیلت کا ذکر ہے کہ صدقہ کی ایسی فضیلت ہے کہ صدقہ کی زیادتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جلدی ملنے کا سبب بن گئی۔

وکانت اسرعنا لحوقاً بہ وکانت تحبُّ الصدقۃ

بظاہر اس عبارت کی جو اس باب کی حدیث کے اخیر میں واقع ہے اس عبارت کی مونث کی تینوں ضمیریں اور اس سے پہلے جو متصلا اسی حدیث میں یہ جملہ ہے انما کانت طول یدھا الصدقۃ اس میں یدھا کی مونث کی ضمیر بھی یہ سب حضرت سودہ کی طرف لوٹتی ہیں۔ اور امام بخاری کی کتاب التاریخ الصغیر میں اسی سند کے ساتھ روایت اسی مضمون کی منقول ہے اس میں یہ لفظ ہیں فکانت سودۃ اسرعنا الحدیث اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سودہ ہی کے ظاہری ہاتھ لمبے تھے اور حضرت سودہ ہی کے معنوی ہاتھ بھی لمبے تھے اور وہ زیادہ خیرات کیا کرتی تھیں اور وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے دنیا سے رخصت ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملیں۔ لیکن امام واقدی نے اس حدیث کو وہم قرار دیا ہے حضرت سودہ کے لحاظ سے اور فرمایا کہ لحوق میں مقدم حضرت زینب بنت جحش تھیں جن کی وفات حضرت عمر کی خلافت میں ہوئی ۲۰ھ میں جبکہ حضرت سودہ کی وفات حضرت معاویہ کی خلافت میں شوال ۵۴ھ میں ہوئی۔ اور مسلم شریف کی روایت سے بھی امام واقدی کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ وہ مسلم شریف کی روایت عن عائشۃ اس طرح ہے **وکانت زینب اطولنا یداً لا نھا کانت تعمل و تتصدق الحدیث**۔ جواب۔ا۔ اُس مجلس میں حضرت عائشہ اور حضرت سودہ کے سوا کوئی زوجہ محترمہ نہ تھیں اس لئے ان دونوں میں سے پہلے فوت ہونے والی کا ذکر فرمایا تھا کہ تم دونوں میں سے پہلے لمبے ہاتھ والی فوت ہوگی اور حضرت سودہ حساً ومعناً لمبے ہاتھ والی تھیں اس لئے حضرت عائشہ سے پہلے فوت ہوگئیں اور پیشین گوئی پوری ہوگئی لیکن یہ توجیہ کمزور ہے کیونکہ صحیح ابن حبان میں اسی واقعہ میں ہے لم تُغاور منھن واحدۃ۔ ۲۔ دوسرا جواب اور اصل اعتراض کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت سودہ کی وفات حضرت عمر کی خلافت میں نقل فرمائی ہے۔ ۳۔ لفظ زینب بخاری شریف کی روایت سے گر گیا ہے۔ اصل عبارت یہ تھی وکانت زینب اسرعنا لحوقاً بہ۔ ۴۔ اس زیر بحث حدیث کا آخری حصہ اُس حدیث سے لیا گیا ہے جس میں حضرت زینب کی طرف لوٹتی ہیں۔ ۵۔ حدیث کے آخری حصہ کی ضمیریں حضرت زینب کی طرف لوٹتی ہیں اس

لحاظ سے کہ حضرت زینب سخی ہونے کے لحاظ سے محدثین کے ذہنوں میں تھیں کیونکہ وہ سخاوت میں بہت زیادہ مشہو رتھیں۔۶۔یہ ضمیریں اُس زوجہ محترمہ کی طرف لوٹتی ہیں جو سخاوت میں مشہور ہونے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں تھیں۔اور وہ حضرت زینب ہی تھیں۔

باب صدقته العلانية

غرض صدقہ اعلانیہ کے جواز کا بیان ہے جبکہ مقصد دکھاوا نہ ہو۔کوئی اور مقصد ہو مثلاً دوسروں کو شوق دلانا یا تہمت سے بچنا کہ سرّاً صدقہ میں شاید لوگ کہیں کہ یہ تارک زکوٰۃ ہے۔ پھر اس باب میں حدیث نہ لائے کیونکہ ان کی شرط پر نہ تھی۔

باب صدقته السِّر

غرض سراً خیرات کرنے کا جواز بیان کرنا ہے پھر اس میں صرف تعلیقاً حدیث لائے ہیں اور آیت لائے ہیں اسناداً حدیث نہ لائے کیونکہ جو حدیث باب کے مناسب تھی وہ پیچھے کتاب الصلوٰۃ میں بھی بیان فرما چکے ہیں۔اور آگے تیسرے باب میں بھی آئے گی۔اگر یہاں بھی اسناداً لاتے تو تکرار بن جاتا کیونکہ صرف دو قسم کے الفاظ ہی ان کی شرط پر تھے پھر یہاں اور گذشتہ باب میں نفسِ فضیلت سراً اور علانیۃ کی بتلادی۔افضیلت آئندہ بابوں میں بیان فرمادینگے کہ افضیلت سراً خیرات کرنے کی ہے۔

باب اذا تصدق علی غنی وھو لا یعلم

غرض یہ ہے کہ غلطی سے غنی پر بھی صدقہ کردیا تو وہ بھی مقبول اور صحیح ہے کیونکہ وہ معذور ہے۔

اللھم لک الحمد

۱۔کیونکہ یہ آپ کا فعل ہے میرا فعل نہیں ہے۔۲۔یہ حمد رضا علی القضا ظاہر کرنے کے لئے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ناپسند چیز دیکھتے تھے تو یوں فرماتے تھے الحمد للہ علی کل حال.سوال۔بظاہر باب تو واجب صدقہ میں ہے اور حدیث میں کوئی دلیل صدقہ کے واجب ہونے کی نہیں ہے جواب۔۱۔امام بخاری کا دائرہ اجتہاد عام فقہاء سے کچھ زیادہ وسیع تھا اس لئے ان کے نزدیک فرض کو مستحب پر قیاس کرنے کی بھی گنجائش تھی۔

باب اذا تصدق علی ابنه وھو لا یشعر

غرض یہ ہے کہ جب بعد میں پتہ چل گیا کہ یہ تو میرا بیٹا ہی تھا تو صدقہ کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔سوال یہاں شعور کی نفی ہے۔ لا یشعر اور گذشتہ باب میں علم کی نفی ہے۔دونوں جگہ ایک ہی لفظ ہونا چاہئے تھا۔جواب۔یہاں ابن کا ذکر ہے اور اس کا ادراک صرف دیکھنے سے ہوجاتا ہے اور پیچھے اجنبی کا ذکر تھا اور اس کا غریب ہونا دلائل سے معلوم ہوتا ہے جس کو علم کہتے ہیں شعور نہیں کہتے کیونکہ شعور ادراک حسی کا نام ہے جو دیکھنے سننے وغیرہ سے حاصل ہوجاتا ہے اور علم ادراک عقلی ہوتا ہے جو دلائل سے حاصل ہوتا ہے۔پھر جمہور فقہاء غنی کے مسئلہ میں تو امام بخاری کے ساتھ ہیں کیونکہ اس کے واقع ہونے کا زیادہ احتمال ہے اس لئے صدقہ صحیح ہوجائے گا ورنہ حرج لازم آتا ہے۔اور بیٹے کے مسئلہ میں صدقہ جمہور فقہاء کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ صورت بہت ہی نادرالوقوع ہے اس میں مدار نفس واقعہ پر ہے۔لیکن غنی کے مسئلہ میں بھی تحری اور جستجو ضروری ہے ورنہ پھر فقیر کی شرط جو شریعت میں ہے وہ بے کار ہوجاتی ہے۔

خطب علّی:۔میری منگنی کرادی یعنی نکاح کا رشتہ طے کرادیا علّی کے یہی معنیٰ ہیں اگر خطب کے بعد الیٰ آئے تو معنیٰ ہوتے ہیں کہ لڑکی کے ولی کی طرف اپنے لئے پیغام بھیجا۔

باب الصدقته بالیمین

غرض میں وہ قول ہیں۔۱۔مستحب ہے کہ صدقہ دائیں ہاتھ سے ہو کیونکہ اس میں صدقہ کا اکرام ہے دوسرے اس میں فقیر کا بھی اکرام ہے اور وہ قابل اکرام ہے کیونکہ یہ اس کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ ہم سے صدقہ لے کر جنت تک پہنچاتا ہے۔

وہاں ہمیں وہ صدقہ کئی گنا ہو کر مل جائے گا۔۲۔ دوسرا قول غرض میں یہ ہے کہ یہ باب اور آئندہ باب ایک دوسرے کے مقابلہ میں ہیں آئندہ میں صدقہ کرنا بواسطہ خادم اور وکیل کے ہے اور اس باب میں اس کے مقابلہ میں خود اپنے ہاتھ سے صدقہ کرنا مراد ہے۔ تو غرض یہ ہوئی کہ خود اپنے ہاتھ سے صدقہ کرنا اولیٰ ہے گو وکیل اور خادم کے ذریعہ سے بھی جائز ہے۔

فاما الیوم فلا حاجته لی فیها

سوال۔ بظاہر اس حدیث کو باب سے مناسبت نہیں ہے کیونکہ باب تو صدقہ بالیمین کا ہے اور اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ اخیر زمانہ میں کوئی محتاج نہ ملے گا اس لئے زمانہ سے پہلے صدقہ کرلو کوئی صدقہ لے کر جائے گا تو دوسرا یہ کہے گا کہ کل تو حاجت تھی آج نہیں ہے جواب۔ ا۔ اس حدیث پاک میں صدقہ لے کر جانے کا ذکر ہے۔ یہ صدقہ لے کر جانا اس لئے بھی ہے کہ خیرات کی عبادت میں اخفاء ہو اور کامل اخفاء یہ ہے کہ دائیاں ہاتھ دے بائیں کو پتہ نہ چلے اس لحاظ سے دائیں ہاتھ کا ثبوت ہو گیا۔۲۔ جب صدقہ کرنے والا خود صدقہ لے کر جائے گا تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ صدقہ کرنے والا افضل صورت اختیار کرنا چاہتا ہے کہ خود خیرات کرنا چاہتا ہے خادم اور وکیل بھیجنا نہیں چاہتا تو وہ ہاتھ بھی دایاں ہی استعمال کرے گا کیونکہ دائیں ہاتھ کی فضیلت بائیں پر تو بہت ظاہر اور مشہور ہے جب ایک ایسی فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے جو زیادہ مشہور نہیں ہے تو ضرور ایسی فضیلت بھی حاصل کرنا چاہے گا جو مشہور ہے۔

باب من اَمَرَ خادمه بالصدقة ولم يناول بنفسه

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے کہ خادم کے ذریعہ صدقہ کر دے۔ پھر جو یہ لفظ بڑھا دیئے ولم یناول بنفسہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ خادم کا استعمال ضرورت اور حاجت ہی کے موقعہ میں مناسب ہے حتی الامکان خود ہی یہ کام کرنا چاہئے کیونکہ تناول کا مادہ اچھے کام میں استعمال ہوتا ہے یعنی خود خیرات کا کام نہ کر سکا مجبوراً دوسرے کو کرنے کے لئے کہا۔

بفضلہ تعالےٰ جلد دوم ختم ہوئی

الخیرالجاری شرح صحیح البخاری جلدسوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب لا صدقة الا عن ظهر غنیً

غرض اِس حدیث کے مضمون کا ثابت کرنا ہے اوراس حدیث کوصحیح قرار دینا ہے اگر چہ ان کی شرط پر نہیں ہے اِسی لئے اس حدیث پاک کوصرف تعلیقاً کتاب الوصایا میں لائے ہیں اور حصرادعائی ہے کہ کامل صدقہ وہی ہے جوغنیٰ کے بعد ہویعنی اپنے اوراہل کا خرچہ اور دَین ادا کرنے کے بعد سوائے اس کے کہ اس کے اہل اور خود کامل فی الصبر ہوں۔ **الا ان یکون** :۔ یہ حدیث مرفوع کا حصہ نہیں ہے بلکہ امام بخاری کی کلام ہے۔

وکذلک اثر الانصار المهاجرین:۔ یہ بھی امام بخاری ہی کی کلام کا تتمہ ہے۔ **باب المنان بما اعطی** غرض احسان جتلانے والے کی مذمت ہے کہ صدقہ کر کے جس پر صدقہ کیا ہے اس کوصدقہ یاددلا کر تکلیف پہنچائے یہ کام کیوں بُرا ہے اس کی کئی وجہیں ہیں۔ ا۔ منان متکبر ہوتا ہے اوراپنے تکبر کوظاہر کر رہا ہے۔ ۲۔ وہ خود بین ہوتا ہے اوراپنی خود بنی اور عُجب کا اظہار کر رہا ہے جو گناہ ہے کہ بلا ضرورت اپنے کمالات سوچے یاذکر کرے۔ مَیں ایسا مَیں ایسا بکری کی طرح مَیں مَیں کرے۔ ۳۔ اس احسان جتلانے کا منشااورسبب بخل ہوتا ہے جس کا ایک درجہ حرام ہے۔ ۴۔ اِس احسان کا جتلانے والا بھول جاتا ہے کہ اِس پر بھی تو اللہ تعالیٰ بے شماراحسانات کر چکے ہیں اگر اِس نے کسی پرایک چھوٹا سا احسان کردیا تو کیا ہے۔

جان دیدی کہ دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

باب من احب تعجیل الصدقة من یومها

غرض اُس شخص کی فضیلت کا بیان ہے جوایسے دن سے پہلے صدقہ کردے جس دن ادا کرناواجب ہوجاتا ہے جس کووجوب ادا کہتے ہیں گویانفس وجوب ہو چکا ہووجودنصاب کی وجہ سے وجوب اداء نہ ہوا ہوتو وجوب اداء سے پہلے ہی صدقہ کردے اس کو بڑا ثواب ہے جیسے شروع وقت میں نماز پڑھ لینے کا بہت ثواب ہے

باب التحریض علی الصدقة والشفاعة فیها

دوکاموں کامستحب ہونا بیان کرنامقصود ہے۔ا۔شوق دلانا صدقہ کا۔۲۔کسی خاص شخص پر صدقہ کرنے کی سفارش کرناان دونوں کاموں میں مشترک چیز یہ ہے کہ دونوں میں محتاج کی راحت کا لحاظ ہے **القُلب** کنگن۔**الخُرص** :۔کانوں میں ڈالنے کے لئے بالیاں۔

باب الصدقة فیما استطاع

غرض یہ ہے کہ صدقہ اتنی ہی مقدار میں ہوناچاہئے جتنے کی برداشت آسانی سے ہوسکے۔**اِرْضَخِي**:۔تھوڑادینے کورَضخ کہتے ہیں۔

باب الصدقة تكفر الخطيئة

غرض صدقہ کی ایک اہم فضیلت بیان کرنی ہے کہ صدقہ کفارۂ سیئات ہوتا ہے۔

باب من تصدق فی الشرک ثم اسلم

غرض اسلام سے پہلے صدقہ کا حکم بیان کرنا ہے پھرمَن کا جواب ذکر نہ فرمایا۔ا۔ کیونکہ حدیث میں آرہا تھا۔۲۔ شدت اختلاف کی وجہ سے فیصلہ نہ فرمایا اور تفصیل بخاری شریف میں

کتاب الایمان میں گذر چکی ہے۔

باب اجر الخادم اذا تصدق با مر صاحبه غير مفسد

غرض یہ ہے کہ خادم اگر مالک کی اجازت سے خیرات کرے تو اِس خادم کو بھی ثواب ملے گا اور اشارہ فرما دیا کہ بلا اجازت صدقہ جائز نہیں ہے۔

باب اجر المرأة اذا تصدقت او اطعمت من بيت زوجها غير مفسدة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ بیوی خاوند کے مال سے اگر صدقہ کرے تو اس کو بھی اجر ملے گا اس میں امام بخاری نے قید نہ لگائی کہ خاوند کی اجازت بھی لے کیونکہ بیوی کو وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو خادم کو نہیں ہوتا اور بخاری شریف میں کتاب البیوع میں روایت آئے گی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً اذا انفقت المرأۃ من کسب زوجھا من غیر امرہ فلھا نصف اجرہ انتھی غرض اتنی مقدار کی خیرات ہے جتنی کی خاوند کی طرف سے دلالۃً اجازت ہوتی ہے ترجمۃ الباب میں بھی یہی مراد ہے اور حدیث پاک میں بھی یہی مراد ہے۔

باب قول الله تعالٰى فا ما من اعطٰى واتقى وصدق بالحسنٰى فسنيسرّه لليسرىٰ واما من بخل واستغنى وكذب بالحسنٰى فسنيسره للعسرىٰ

غرض صدقہ پر دنیا اور آخرت کے فوائد ذکر کر کے ترغیب دینی ہے اور بخل پر نقصانات ذکر کے تہدید وترہیب ہے۔

اللهم اعط منفق المال خلفا

یہ حدیث کے الفاظ ہیں آیت کے بعد ان الفاظ مبارکہ کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ حدیث اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔

باب مثل المتصدق والبخيل

غرض خیرات کرنے والے اور بخیل کی مثالیں بیان کر کے ترغیب وترہیب ہے۔

وقال حنظلة عن طاؤس جُنتّان

یعنی انہوں نے جُبّتان کی جگہ جُنتّان نقل فرمایا ہے بمعنی دِرعین۔لوہے کے کرتے۔

باب صدقة الكسب والتجارة

غرض یہ ہے کہ کسب اور تجارت سے جو مال حاصل ہو اس کا صدقہ مستحب ہے۔اور اس میں کوئی نصاب نہیں اور نہ ہی حولان حول شرط ہے کیونکہ یہ نفلی صدقہ ہے اور یہ دونوں شرطیں فرضی صدقہ کی ہوتی ہیں۔پھر تجارۃ کا عطف کسب پر عطف الخاص علی العام ہے کیونکہ کسب میں مثلاً مزدوری بھی داخل ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ جس مال سے خیرات کی جائے وہ حلال ہونا چاہئے۔اور پھر صرف آیت ذکر فرمائی اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس مقصد کے لئے آیت ہی کافی ہے حدیث کی تفسیر کے بغیر بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔

باب على كل مسلم صدقة فمن لم يجد فليعمل بالمعروف

غرض۔ا۔وجوب استحسان بیان کرنا ہے کہ ہر مسلمان پر کچھ نہ کچھ صدقہ مستحب ہے۔۲۔بعض پر وجوب استحقاق ہے اور بعض پر وجوب استحسان ہے۔

باب قدر كم يعطى من الزكوٰة والصدقة ومن اعطىٰ شاةً

غرض۔ا۔وہ مقدار بیان کرنی مقصود ہے جو ایک فقیر کو دی جاسکتی ہے۔۲۔امام ابوحنیفہ کے اِس قول کا رد مقصود ہے کہ ایک ہی فقیر کو نصاب کی مقدار دے دینا مکروہ ہے کہ دیکھو ایک پوری بکری اِس حدیث میں خیرات کرنا مذکور ہے جو مال تجارت کے لحاظ سے چاندی کے نصاب کے برابر بھی ہوسکتی ہے۔جواب۔ا۔ہمارے امام ابو حنیفہ کی طرح سے یہ ہے کہ ہم کراہتہ اپنے اجتہاد سے نہیں کہہ رہے حدیث شریف میں ہے کہ توخذ من اغنیاء ھم وترد علی فقراء ھم۔اگر مثلاً نصاب ساڑھے تین ہزار روپے ہے اور بکری چار ہزار کی دیدی تو پانچ سو روپے غنی کو دینے کا شبہ ہے جو اِس حدیث مذکور کے

خلاف ہے۔۲۔ بکری میں تو بکریوں کا نصاب دیکھیں گے اور وہ چالیس بکریاں ہیں۔اس لئے حنفیہ کے خلاف کچھ بھی ثابت نہ ہوا۔

باب زکوٰۃ الورِق

غرض چاندی کا نصاب بتلانا ہے۔

باب العرض فی الزکوٰۃ

غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ میں اصل واجب کی جگہ اس کی قیمت کی کوئی اور چیز دینی بھی جائز ہے۔اوراس مسئلہ میں امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کا قول لیا ہے اور جمہور کا قول چھوڑا ہے کیونکہ ہمارے امام ابوحنیفہ کی دلیل اس مسئلہ میں اقوی نظر آئیں اختلاف یہی ہے کہ ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اصل واجب فی الزکوٰۃ کی جگہ قیمت دینی جائز ہے جمہور کے نزدیک نہیں ولابی حنیفۃ ۔ا۔ قیمت فقیر کی حاجت کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ نقد رقم کو جہاں چاہے گا اپنے کام میں لے آئے گا۔۲۔اس باب کی تعلیق عن طاؤس قال معاذ رضی اللہ عنہ لا ھل الیمن ائتونی بعرض ثیاب خَمِیْصٍ اولَبِیسٌ مکان الشعیر والذرۃ اھون علیکم وخیر لا صحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ۔سوال۔ یہ تعلیق تو مرسل ہے۔جواب۔مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے گویا یہ اختلاف اصولی ہو گیا اس میں تو حنفیہ کا پلّہ بہت ہی بھاری ہوتا ہے کیونکہ حدیث اگر چہ مرسل ہو قیاس سے تو اونچی ہی ہے۔سوال یہاں صدقہ سے مراد جزیہ ہے اس لئے جزیہ میں اصل کی جگہ قیمت دینے کا جواز ثابت ہوا۔ زکوٰۃ اور عشر کی جگہ قیمت دینے کا جواز تو ثابت نہ ہوا۔اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت معاذ والی روایت میں مدینہ منورہ نقل کرنا بھی مذکور ہے حالانکہ مذہب حضرت معاذ کا یہ تھا کہ نقل کرنا صدقات کا منع ہے اسی کی دوسری تائید یہ ہے کہ اس میں مدینہ منورہ کے صحابہ کو دینا مذکور ہے جو مہاجرین و انصار تھے اور جزیہ ہجرت اور نصرت کے مناسب ہے زکوٰۃ کے مناسب تو فقر ہے اور مسکنت ہے۔تیسری تائید یہ ہے کہ زکوٰۃ میں تو یہ وارد ہے

تو خذمن اغنیائھم فترد فی فقرائھم اس لئے زکوٰۃ دوسری جگہ نہ جانی چاہئے اِس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جزیہ ہی ہے۔جواب اول جزیہ مراد اس لئے نہیں لیا جاسکتا کہ یہاں مذکور ہے مکان الشَعِیْر والذّرۃ اوراس پر اجماع ہے کہ جزیہ میں شعیر اور ذرہ واجب نہیں ہوتے جواب دوم' بخاری شریف کی روایت میں صدقہ کا لفظ صراحۃ مذکور ہے جو عبادت ہے۔تو اس سے جزیہ مراد لینا جو ایک قسم کی عقوبت اور ذلت ہے ہرگز جائز نہیں۔جواب سوم' جب حضرت معاذ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا تو وہ زکوٰۃ کی جگہ جزیہ وصول کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے بھیجنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔حضرت معاذ امر کے خلاف کیسے کر سکتے ہیں۔جواب چہارم یہ ہے کہ حضرت معاذ اہل یمن کے مسلمانوں سے گفتگو فرمارہے ہیں جو مہاجرین وانصار کے خیر خواہ تھے کافروں کو یہ کہنا کہ تم ایسی چیز دو جس میں مہاجرین و انصار کی خیر خواہی ہو فضول ہے معلوم ہوا کہ معاملہ عشر وزکوٰۃ کا تھا جزیہ کا نہ تھا۔باقی رہی معترض کی یہ بات کہ حضرت معاذ کا مذہب یہ تھا کہ صدقات کا دوسری جگہ منتقل کرنا منع ہے یہ کلام بے بنیاد ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کا نہ کوئی اختلاف تھا نہ کوئی مذہب تھا یہ اختلافات و مذاہب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شروع ہوئے ہیں۔اور حضرت معاذ والا یہ واقعہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوٰۃ طیبہ کا ہے۔ پھر معترض کا یہ کہنا کہ ہجرت اور نصرت کے مناسب جزیہ ہے یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ مطلقاً مہاجرین وانصار تھوڑا ہی مراد تھے اُن میں سے فقراء مراد تھے اور فقر زکوٰۃ کے عین مناسب ہے باقی رہا معترض کا یہ کہنا کہ زکوٰۃ ہوتی تو مدینہ منورہ منتقل ہی نہ ہوتی توخذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہی اس لئے تھا کہ مدینہ منورہ لے کر آؤ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی وجہ سے مدینہ منورہ زکوٰۃ نقل کی جارہی تھی اس امر کی وجہ سے یہ موقعہ مستثنٰی تھا دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اُس وقت مدینہ منورہ میں تنگی اور ضرورت تھی اور

ایسے حالات میں دوسرے شہر میں زکوٰۃ لے جانے میں کچھ حرج نہیں ہوتا۔ سوال۔ اُس زمانہ میں بعض عرب جزیہ کو صدقہ کہہ دیتے تھے شاید حضرت معاذ نے بھی اِسی وجہ سے جزیہ کو صدقہ فرما دیا ہو۔ جواب حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں بنی تغلب اور عرب کے نصاریٰ نے درخواست کی تھی کہ ہمارے جزیہ کو صدقہ کہا جائے اس کا جواب حضرت عمرؓ نے دیا تھا **ھی جزیۃ فسمّوھا ما شئتم** معاذ والا واقعہ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ہے اور پھر مسلمانوں سے تو کہیں منقول نہیں کہ وہ جزیہ کو صدقہ کہتے ہوں یہ تو صرف نصاریٰ نے درخواست دی تھی جس کو حضرت عمرؓ نے منظور فرما دیا سوال۔ مدینہ منورہ کے صحابہ میں تو بنی ہاشم بھی تھے اور غنی بھی تھے ان کو زکوٰۃ کیسے دی جاسکتی ہے اس لئے یہ جزیہ ہی تھا۔ جواب صحابہ میں سے مصرف مراد تھے سب صحابہ کہاں مراد تھے اور جزیہ بھی تو ہر ایک کو نہیں دیا جاتا مصرف ہی میں خرچ ہوتا ہے اس لئے یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی کہ جزیہ مراد تھا زکوٰۃ نہ تھی سوال۔ یہ حضرت معاذ کا اجتہاد تھا۔ جواب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیجا تھا زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اس لئے آپ کا نائب اور رسول ہونے کی حیثیت سے اِسی طریقہ سے عمل کریں گے جس طریقہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا اور پھر لانا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ہے اگر غلطی کی تھی تو مدینہ منورہ پہنچ کر اس کی اصلاح ہونی ضروری تھی جو منقول نہیں ہے اس لئے یہی کہا جائے گا کہ یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اور اجازت سے تھا۔ ۳۔ ہماری تیسری دلیل اِسی باب کی تعلیق ہے وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما خالد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ اس سے ہمارا استدلال یوں ہے اولاً کہ اگر یہ چیزیں وقف نہ ہوتیں تو حضرت خالد اِن سے زکوٰۃ ادا کر دیتے معلوم ہوا سونا چاندی کی جگہ اِس سامان سے بھی زکوٰۃ ادا ہوسکتی ہے۔ ثانیاً استدلال یوں ہے کہ فی سبیل اللہ اِن چیزوں کا استعمال یہ بھی زکوٰۃ کا ایک مصرف ہے۔ **انما الصدقات للفقراء و المساکین والعملین علیہا والمؤلفۃ قلوبھم و فی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل الآیۃ**۔ پس اِس سامان کو زکوٰۃ کے مصارف میں دینا صحیح ہے۔ جیسے فی سبیل اللہ وقف کرنا جائز ہے ایسے ہی فی سبیل اللہ تملیک بھی جائز ہے۔ ۴۔ ہماری چوتھی دلیل اِسی باب کی روایت ہے تعلیقاً فجعلت المرأۃ تلقی خرصھا وسخابھا اس سے معلوم ہوا کہ زیورات اور باقی استعمال کی چیزیں زکوٰۃ کی قیمت کے طور پر دی جاسکتی ہیں۔ یہ استدلال امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیونکہ ان کے استدلال میں کچھ وسعت ہے وہ فرضوں کو نفلوں پر قیاس فرما لیتے ہیں۔ حنفیہ اگر اس دلیل کو نہ بھی لیں تو کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ دوسرے دلائل موجود ہیں۔ ۵۔ بخاری شریف کے اِسی باب کی مسند روایت ہے عن انس مرفوعاً فان لم یکن عندہٗ بنت مخاص علی وجھہا وعندہ ابن لبون فانہ یقبل منہ ولیس معہ شئی اس کی یہی تو وجہ ہے کہ وہ دونوں قیمت میں تقریباً برابر ہی ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ قیمت سے بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جو واجب ہوا ہے وہی ادا کرنا ہوگا جیسے نماز واجب ہو تو اس کی جگہ روزہ رکھنا کافی نہیں ہوتا۔ جواب نص کے مقابلہ میں قیاس معتبر نہیں ہے۔ **الخمیص**:۔ کالی چادر مربع اس کے دو کناروں پر نقش و نگار بھی ہوتے تھے۔ اور خمیس سین کے ساتھ پانچ گز کا کپڑے کا ٹکڑا ہوتا تھا اور پہلے اس کو جاری بھی ایسے بادشاہ نے کیا تھا جس کو خمیس کہتے تھے۔ **لبیس**:۔ لباس۔ **باب لا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع**:۔ غرض خلطۃ شیوع اور خلطۃ جوار کا اختلاف بیان کرنا ہے۔ خلطۃ الشیوع کا دوسرا نام خلطۃ الاعیان ہے اور تیسرا نام خُلطۃ الاشتراک ہے اور خلطۃ الجوار کا دوسرا نام خلطۃ الاوصاف ہے **خلطۃ جوار کا اختلاف**:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ خلطۃ جوار موثر نہیں ہے وعند الجمہور موثر ہے یعنی جانوروں کا چرواہا۔ باڑہ۔ چراگاہ۔ دودھ نکالنے کے برتن وغیرہ اکٹھے ہوں تو زکوٰۃ کا حساب اکٹھا کیا جائے گا۔ اس اکٹھا حساب کرنے کو خُلطۃ جوار کہتے ہیں۔ پھر جمہور میں آپس میں اختلاف ہے عند مالک ہر مالک کا صاحب نصاب ہونا ضروری ہے باقی

جمہور کے نزدیک یہ بھی ضروری نہیں اگر چالیس بکریاں اکٹھی رہتی ہیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اگر چہ ان کے مالک چالیس ہوں ہر ایک کی ایک ایک بکری ہو منشاء اختلاف ابوداؤد کی روایت ہے۔ عن ابی بکر مرفوعاً و ما کان من خلیطین فانھما یتراجعان بینھما بالسویۃ ہمارے نزدیک یہ خلطۃ شیوع پر محمول ہے مثلاً زید اور عمرو نے مشترک طور پر ۱۲۰ بکریاں خریدیں یہ تین لاکھ کی آئیں زید کے دو لاکھ اور عمرو کے ایک لاکھ تھے اب حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والا ساعی آئے گا اور ۱۲۰ مشترک میں سے ۲ بکریاں لے جائے گا ایک عمرو کی زکوٰۃ ہے کیونکہ اس کی ۴۰ بکریاں بنتی ہیں اور ایک بکری زید کی زکوٰۃ ہے کیونکہ اس کی ۸۰ بکریاں بنتی ہیں۔ جمہور ائمہ کے نزدیک اسی حدیث کے یہ الفاظ خلطۃ جوار پر محمول ہیں کہ دو آدمی ایسے ہیں کہ ان کی بکریاں اکٹھی رہتی ہیں ایک آدمی کی ۴۰ بکریاں ہیں جو وہ پہچانتا ہے دوسرے کی ۸۰ بکریاں متعین ہیں جو وہ پہچانتا ہے تو ساعی صرف ایک بکری لے جائے گا کیونکہ ۱۲۰ بکریوں کا اکٹھا حساب کیا جائے گا ان میں ایک بکری ہی واجب ہوتی ہے۔ تو اختلاف ائمہ کا اس وجہ سے ہوا کہ ایک ہی حدیث کے دو مختلف معنیٰ کئے گئے۔ ترجیح خلطۃ شیوع والے معنیٰ کو ہے دو وجہ سے۔ ۱۔ لفظ خلطۃ کا اطلاق عربی محاورات میں اور احادیث میں خلطۃ شیوع پر ہوتا ہے۔ خلطۃ جوار پر تو جار کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہاں حدیث پاک میں خلطۃ جوار مراد ہوتی تو یہاں لفظ جارین ہوتا۔ خلیطین نہ ہوتا۔ ۲۔ دوسری وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے **فانھما یترا جعان بینھما بالسویۃ** کہ دونوں درست حساب کر کے رجوع کریں گے یتراجعان کا لفظ باب تفاعل سے ہے باب تفاعل میں خاصہ ہے تشارک من الجانبین کا کہ دونوں کے دونوں شریک رجوع کریں گے اور یہ صرف خلطۃ شیوع ہی میں ہوتا ہے خلطۃ جوار میں دونوں رجوع نہیں کرتے بلکہ ایک وقت میں صرف ایک ہی رجوع کرتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ خلطۃ شیوع کی اُسی صورت میں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ زید نے دو لاکھ کی رقم ڈالی اور عمرو نے ایک لاکھ کی رقم ڈالی اور دونوں نے مل کر ۱۲۰ بکریاں خریدیں ساعی آیا اور دو بکریاں اُن ۱۲۰ بکریوں میں سے لے گیا تو زید عمرو سے کہے گا کہ جس بکری سے آپ کی زکوٰۃ ادا ہوئی اس میں دو حصے میرے تھے اور ایک حصہ آپ کا تھا اگر اس بکری کی قیمت تین سو روپے تھی تو دو سو میرے گئے اور ایک سو آپ کا گیا اور زکوٰۃ صرف آپ کی ادا ہوئی اس لئے آپ دو سو مجھے دیں اُس کو دینے پڑیں گے پھر عمرو کہے گا زید سے کہ جس بکری سے آپ کی زکوٰۃ ادا ہوئی اس میں تیسرا حصہ میرا تھا اگر قیمت تین سو روپے تھی تو اس میں ایک سو میرا تھا اور دو سو آپ کے تھے تو آپ کی زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک سو میرا گیا اس لئے آپ مجھے ایک سو روپیہ ادا کریں اس کو ادا کرنا پڑے گا اس طرح سے خلطۃ شیوع میں۔ دونوں شریک رجوع کریں گے اور یتراجعان کے لفظ مبارک پر عمل ہو جائے گا۔ خُلطۃ جوار والے معنیٰ لئے جائیں تو صرف ایک آدمی رجوع کرتا ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کی بکریاں ممتاز اور متعین ہوتی ہیں۔ اب زید اور عمرو کی بکریاں اکٹھی رہتی ہیں زید کی بکریاں ۸۰ ہیں اور عمرو کی بکریاں ۴۰ ہیں۔ ساعی مثلاً زید کی بکریوں میں سے ایک بکری لے گیا تو صرف زید عمرو سے رجوع کرے گا بکری کی قیمت مثلاً ۳۰۰ روپے ہے تو زید کہے گا کہ جو بکری ساعی لے گیا ہے اس سے آپ کی زکوٰۃ بھی ادا ہوئی جو کہ ایک سو روپیہ تھی اور میری بھی ادا ہوئی جو کہ ۲۰۰ روپے تھی کیونکہ آپ کی بکریاں ۴۰ تھیں اور میری بکریاں ۸۰ تھیں جو بکری میری زکوٰۃ میں گئی اُس سے ۲۰۰ روپے تو میری زکوٰۃ ادا ہوئی کیونکہ میری بکریاں آپ کی بکریوں سے دوگنی تھیں اور ۱۰۰ روپے آپ کی زکوٰۃ ادا ہوئی کیونکہ آپ کی بکریاں میری بکریوں سے آدھی تھیں صرف ۴۰ تھیں اب آپ کی زکوٰۃ میں جو میرے ایک سو روپے چلے گئے یہ ایک سو روپے آپ مجھے ادا کریں۔ تو اس کو ادا کرنے پڑیں گے۔ بس ایک ہی طرف سے رجوع ہوا دونوں طرف سے رجوع نہ ہوا اس لئے یتراجعان لے لفظ پر صرف حنفیہ عمل کرتے ہیں جمہور ائمہ عمل نہیں کرتے اس بناء پر حنفیہ کا مسلک

راجح ہے۔ پھر امام مالک کے نزدیک نصاب والی احادیث کی وجہ سے ہر ایک کا مالک نصاب ہونا ضروری ہے باقی جمہور کے نزدیک سب کامل کر نصاب پورا ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے۔ **ولا یجمع بین متفرق:**۔ اس حدیث پاک میں دو جملوں کے بعد خشیۃ الصدقۃ کا جو لفظ مبارک ہے یہ دنوں جملوں کے ساتھ لگتا ہے اس لئے پہلا جملہ یوں ہو گیا ولا یجمع بین متفرق خشیۃ الصدقۃ بہت جامع کلمہ ہے دو احتمال ہیں اور دونوں ہی مراد ہیں ساعی کو بھی خطاب ہے اور مالک کو بھی خطاب ہے۔ ساعی کو خطاب ہونے کی صورت میں ایک معنیٰ ہیں خشیۃ سقوط الصدقۃ اس معنیٰ کو لیتے ہوئے حنفی مسلک پر مثال یہ بنے گی کہ مثلاً اگر ایک آدمی زید کی بیس بکریاں ہیں اور عمرو کی بھی ۲۰ بکریاں ہیں۔ ساعی یہ نہ کہے کہ سب چالیس کی چالیس بکریاں صرف زید کی مِلک میں ہیں اور ایک بکری زکوۃ واجب ہو چکی ہے اس لئے میں ایک بکری لے کر جاؤں گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرما رہے ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے لا یجمع ملکاً بین متفرق ملکاً خشیۃ سقوط الصدقۃ یہی مالکیہ کی بھی پہلی مثال ہے۔ ۲۔ مالکیہ کے مذہب پر دوسری مثال یہ ہوگی کہ زید کی ۴۰ بکریاں ہیں لیکن دو الگ الگ جگہ رہتی ہیں سب انتظامات الگ الگ ہیں ۲۰ الگ رہتی ہیں ۲۰ الگ رہتی ہیں ساعی سب کو اکٹھی شمار کر کے ایک بکری لینا چاہتا ہے تو اس سے منع فرما دیا گیا لا یجمع جواراً بین متفرق جواراً خشیۃ سقوط الصدقۃ۔ ۳۔ مالکیہ کے مسلک پر تیسری مثال یہ ہے کہ زید کی ۲۰ بکریاں الگ رہتی ہیں اور عمرو کی ۲۰ بکریاں سب انتظاموں کے لحاظ سے الگ رہتی ہیں اب ساعی کہتا ہے کہ ان کا مالک بھی ایک ہی ہے اور ان کا جوار بھی ایک ہی ہے اس لئے میں ایک بکری لے کر جاؤنگا اس سے منع فرمادیا لا یجمع ملکاو جواراً بین متفرق ملکاو جواراً خشیۃ سقوط الصدقۃ جمہور کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ زید کی ۲۰ بکریاں ایک چراگاہ میں ہیں اور عمرو کی ۲۰ بکریاں دوسری چراگاہ میں ہیں ساعی دونوں کی بکریوں کو ایک چراگاہ کی شمار کر کے اس میں سے زکوٰۃ ایک بکری لینا چاہتا ہے تو اس کو منع کر دیا گیا ولا یجمع جواراً بین متفرق جواراً خشیۃ سقوط الصدقۃ کہ ساعی کا اس طرح جمع کرنا ظلم ہے۔

دوسرا احتمال:۔ حذف مضاف میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ نقصان محذوف مانا جائے عندالحنفیہ مثال یہ ہے کہ زید کی ۱۰۱ بکریاں ہیں اور عمرو کی بھی ۱۰۱ بکریاں ہیں ساعی کہتا ہے کہ یہ سب زید کی ہی ۲۰۲ بکریاں ہیں اس لئے میں تین بکریاں بطور زکوٰۃ کے لے جاؤنگا اس ظلم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ الگ بکریوں کو الگ ہی شمار کرو اس خیال سے کہ الگ شمار کرنے میں دو بکریاں واجب ہونگی۔ ۱۰۱ میں ایک اور دوسرے کی ۱۰۱ میں ایک اور اکٹھا شمار کرنے میں دو کی جگہ تین واجب ہو جائیں گی اس لئے ساعی کہتا ہے کہ میں اکٹھی شمار کر کے تین بکریاں لے جاؤنگا یہ منع ہے تقدیر عبارت یوں ہے لا یجمع ملکاً بین متفرق ملکاً خشیۃ نقصان الصدقۃ۔ مالکیہ اور جمہور کی مثال یہ ہے کہ زید کی ۱۰۱ بکریاں ایک چراگاہ میں ہیں اور عمرو کی ۱۰۱ بکریاں دوسری چراگاہ میں ہیں ساعی سب کو ایک چراگاہ کی بکریاں شمار کر کے تین بکریاں لے جانا چاہتا ہے اس سے اسے منع کر دیا گیا تقدیر عبارت یوں ہے لا یجمع جواراً بین متفرق جواراً خشیۃ نقصان الصدقۃ۔ **تیسرا احتمال:**۔ خطاب مالک کو ہے لفظ زیادۃ کا محذوف ہے حنفیہ کی مثال یہ ہے کہ تین آدمیوں میں سے ہر ایک کی چالیس چالیس بکریاں ہیں وہ ساعی کو یہ نہ کہیں کہ ان ۱۲۰ بکریوں کا مالک ایک ہی شخص ہے تاکہ ایک بکری دینی پڑے تین نہ دینی پڑیں۔ کیونکہ تین مالک شمار ہوں تو پھر تین بکریاں زکوٰۃ میں دینی پڑتی ہیں۔ تقدیر عبارت یوں ہے لا یجمع ملکاً بین متفرق ملکاً خشیۃ زیادۃ الصدقۃ۔ مالکیہ اور جمہور کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ تین آدمیوں میں سے ہر ایک کی چالیس چالیس بکریاں ہیں اور وہ الگ الگ چراگاہوں میں چرتی ہیں وہ مالک یہ نہ کہیں کہ یہ ایک ہی چراگاہ کی ہیں اور صرف ایک بکری ہی واجب ہے تین واجب نہیں ہیں تقدیر عبارت یہ ہے ولا یجمع جواراً بین متفرق جواراً خشیۃ زیادۃ الصدقۃ۔ **لا یفرق بین مجتمع خشیۃ الصدقۃ:** یہاں بھی تین احتمال ہیں اور تینوں ہی مراد ہیں اسی لئے صیغہ مجہول کا رکھا گیا ہے اور مضاف

ذکر نہیں فرمایا گیا تاکہ تینوں احتمال جاری ہوسکیں پہلا احتمال یہ ہے کہ ساعی کو خطاب ہے اور مضاف محذوف نقصان ہے اس صورت میں حنفیہ کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ واقع میں ایک شخص کی ۱۲۰ بکریاں ہیں ساعی ان کو تین شخصوں کی قرار دیتا ہے کہ ہر ایک کی چالیس چالیس ہیں تاکہ میں تین بکریاں لے کر جاؤں اس ظلم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تقدیر عبارت یوں ہے لا یفرق ملکاً بین مجتمع ملکاً خشیۃ نقصان الصدقۃ۔ مالکیہ اور جمہور کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ تین شخصوں کی بکریاں ایک ہی چراگاہ میں چرتی ہیں اس لئے واقع میں ایک بکری واجب ہوتی ہے ساعی کہتا ہے کہ یہ تو تین چراگاہوں کی ہیں اور تین بکریاں واجب ہیں ایسا نہ کرے تقدیر عبارت یوں ہے لا یفرق جواراً بین مجتمع جواراً خشیۃ نقصان الصدقۃ۔ **دوسرا احتمال:۔** مالک کو خطاب ہے اور لفظ وجوب بطور مضاف محذوف ہے اس صورت میں حنفیہ کی مثال یوں بنے گی کہ ایک آدمی کی چالیس بکریاں ہیں تو وہ جھوٹ بول رہا ہے کہ آدھی میری ہیں۔۲۔ اور آدھی فلاں شخص کی ہیں تاکہ زکوٰۃ سے بچ جائے یہ زکوٰۃ سے بھاگنا بھی ہے اور جھوٹ بولنا بھی ہے۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تقدیر عبارت یوں ہے۔ لا یفرق ملکاً بین مجتمع ملکاً خشیۃ وجوب الصدقۃ۔ مالکیہ کا مسلک سمجھنے کے لئے تین مثالیں سمجھنی ہونگی۔ ا۔ ایک شخص کی ۴۰ بکریاں ہیں ایک ہی چراگاہ میں چرتی ہیں یہ نہ کہنے آدھی میری ہیں آدھی کسی اور کی ہیں لا یفرق ملکا بین مجتمع ملکاً خشیۃ وجوب الصدقۃ۔۲۔ ایک شخص کی چالیس بکریاں ایک ہی چراگاہ میں چرتی ہیں وہ یہ نہ کہے کہ بیس ایک چراگاہ میں چرتی ہیں بیس دوسری چراگاہ میں چرتی ہیں لا یفرق جواراً بین مجتمع جواراً خشیۃ وجوب الصدقۃ۔۳۔ ایک شخص کی چالیس بکریاں ایک ہی چراگاہ میں چرتی ہیں وہ یہ بھی نہ کہے کہ دو شخصوں کی ہیں اور دو چراگاہوں میں رہتی ہیں لا یفرق ملکا وجواراً بین مجتمع ملکاوجواراً خشیۃ وجوب الصدقۃ جمہور کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ ایک آدمی کی چالیس بکریاں ایک ہی چراگاہ میں رہتی ہیں وہ یہ نہ کہے کہ یہ دو چراگاہوں میں رہتی ہیں۔ اس لئے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ لا یفرق جواراً بین مجتمع جواراً خشیۃ وجوب الصدقۃ۔ **تیسرا احتمال:۔** مالک کو خطاب ہے اور زیادۃ محذوف ہے حنفیہ کے مسلک پر اس کی مثال یہ ہے کہ جس کی ۲۰۲ بکریاں ہوں وہ یہ نہ کہے کہ آدھی کسی اور کی ہیں اور کل دو بکریاں ہم دونوں پر واجب ہیں ایک مجھ پر ایک میرے ساتھی پر کیونکہ ہر ایک کی ۱۰۱ بکریاں ہیں۔ یہ جھوٹ نہ بولے بلکہ ۲۰۲ پر تین بکریاں زکوٰۃ ادا کردے لا یفرق ملکاً بین مجتمع ملکاً خشیۃ زیادۃ الصدقۃ اور مالکیہ اور جمہور کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ دو آدمیوں کی ۲۰۲ بکریاں اکٹھی رہتی ہیں اور ان میں تین بکریاں واجب ہیں وہ یہ نہ کہیں کہ ۱۰۱ الگ چراگاہ میں رہتی ہیں اور ۱۰۱ الگ چراگاہ میں رہتی ہیں اور ہم پر صرف دو بکریاں واجب ہیں۔ لا یفرق جواراً بین مجتمع جواراً خشیۃ زیادۃ الصدقۃ۔ **حنفیہ کا ایک مرجح:۔** یہ بھی ہے کہ دو آدمیوں کے پاس تھوڑی رقم ہو ہر ایک رقم حج کے خرچ کے لئے ناکافی ہو لیکن مل کر کافی ہو جاتی ہو تو کسی امام کے نزدیک اُن دونوں میں سے کسی ایک پر بھی حج فرض نہیں ہوتا ایسے ہی دو آدمیوں کے جانوروں کو زکوٰۃ میں بھی نہیں ملا سکتے۔

باب ما کان من خلیطین فانهما یتراجعان بینهما بالسویة

غرض خلط کا حکم بیان فرمانا ہے پھر خلط میں دونوں احتمال ہیں خلطہ الشیوع اور خلطہ الجوار اور حضرت طاوس اور حضرت ثوری کے اقوال کے شروع میں لانے سے بظاہر یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام بخاری نے حنفیہ کا مسلک لیا ہے اور اختلاف کی تفصیل ابھی گذر چکی ہے۔

باب زکوٰة الا بل

غرض اونٹوں کی زکوٰۃ کا بیان ہے۔ **اختلاف:۔** ۱۲۰ اونٹ تک اتفاق ہے کہ ۵ میں ایک بکری ۱۰ میں ۲ اور پندرہ میں تین اور ۲۰ میں ۴ اور ۲۵ میں بنت مخاض ایک سال کی اونٹنی ۳۶ میں بنت

لبون دو سال کی اونٹنی ۴۶ میں حقہ تین سال کی اونٹنی ۶۱ میں جذعہ ۴ سال کی اونٹنی ۷۶ میں ۲ بنت لبون ۹۱ میں حقے ۱۲۰ تک پھر عندنا ماممنا ابی حنیفۃ دو قسم کے استیناف ہیں پہلا ۱۲۰ اونٹ سے ۱۵۰ اونٹ تک دوسرا ۱۵۰ اونٹ سے غیر متناہی درجہ تک ۱۲۵ میں ۲ حقہ اور ایک بکری ۱۳۰ میں دو حقہ اور ۲ بکری ۱۳۵ میں ۲ حقہ ۳ بکری ۱۴۰ میں ۲ حقہ ۴ بکری ۱۴۵ میں ۲ حقہ ایے بنت مخاض ۱۵۰ میں ۳ حقہ اب ہر پچاس پر استیناف ہوگا جیسے بالکل شروع میں تھا مثلاً ۱۵۵ میں ۳ حقہ ایک بکری ۱۶۰ میں ۳ حقہ ۲ بکری ۱۶۵ میں ۳ حقہ ۳ بکری ۱۷۰ میں ۳ حقہ ۴ بکری ۱۷۵ میں ۳ حقہ ایک بنت مخاض ۱۸۶ میں ۳ حقہ ایک بنت لبون ۱۹۶ میں چار حقہ اب پھر استیناف ہوگا ۲۰۵ میں ۴ حقہ ایک بکری ۲۱۰ میں ۴ حقہ ۲ بکری علی ھذا القیاس۔ عند مالک ۱۲۰ کے بعد ۱۳۰ میں یہ اصول جاری ہوگا کہ ہر ۴۰ میں بنت لبون ہر ۵۰ میں حقہ یہی اصول غیر متناہی درجہ تک چلے گا اس لئے ۱۳۰ میں ایک حقہ ۲ بنت لبون ۱۴۰ میں دو حقے اور ایک بنت لبون ۱۵۰ میں تین حقے ۱۶۰ میں ۴ بنت لبون ۱۷۰ میں ایک حقہ اور ۳ بنت لبون علی ھذا القیاس اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک باقی تو امام مالک ہی کی طرح ہے صرف ۱۲۱ میں ۳ بنت لبون ۱۲۹ تک ہیں۔ دلائل:۔ لنا۔ فی مشکل الآثار و مراسیل ابی داؤد یہ مراسیل ابی داؤد نام کی کتاب سنن ابی داؤد کے اخیر میں چھپی ہوئی ہے اس کے صفحہ ۸ پر باب فی صدقۃ الماشیۃ میں روایت ہے عن حماد مرفوعاً و ما فضل فانہ یُعاد الی اول فریضۃ من الابل۔ ولمالک روایۃ ابی داؤد عن ابی بکر مرفوعاً فاذا زادت علی مائۃ وعشرین ففی کل اربعین بنت لبون و فی کل خمسین حقۃ امام مالک کے نزدیک فاذا زادت میں زیادۃ سے مراد وہ زیادت ہے جس میں حساب کیا جا سکے یعنی دس کی زیادتی۔ جواب ہم بھی اس حدیث پر پورا پورا عمل کرتے ہیں کہ ہر چالیس پر بنت لبون اور پچاس پر حقہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس کو معیار قرار دیا ہے اس لئے ہم بھی ہر پچاس پر استیناف کرتے ہیں پھر ۱۲۰ سے ۱۵۰ تک صرف ۳۰ کا فاصلہ ہے اس لئے نہ اس میں چالیس کا حساب ہو سکتا ہے نہ پچاس کا اس مجبوری سے یہاں ہم صرف استیناف پر عمل کرتے ہیں اور بکریاں اور بنت مخاض ہی ثابت کرتے ہیں ۱۵۰ پر حدیث کے مطابق تین حقے لیتے ہیں اس کے بعد ہر چالیس پر ہم بھی بنت لبون لیتے ہیں کیونکہ ہر استیناف میں ۳۶ سے ۴۵ تک بنت لبون ہے۔ ایسے ہی ہر پچاس پر ہم بھی حقہ لیتے ہیں کیونکہ ہر استیناف میں ۴۶ سے ۵۴ تک ہم حقہ لیتے ہیں۔ دلیل امام شافعی اور امام احمد کی۔ یہی امام مالک والی روایت ہے فاذا زادت علی مائۃ وعشرین الخ ان دونوں حضرات کے نزدیک زادت میں زیادہ حقیقیہ مراد ہے اس لئے ۱۲۱ میں تین بنت لبون آجائیں گے جو ۱۲۰ میں آئے تھے لیکن ۱۲۰ میں صریح نص کی وجہ سے دو حقے ہیں ۱۲۱ میں تین بنت لبون ہوں گے اور ۱۲۹ تک یہی رہیں گے۔ جواب تفصیل سے ابھی گذر چکا اسی جواب کا تتمہ یہ بھی ہے کہ ہم استیناف میں منطوق کو لیتے ہیں اور مالکیہ و شوافع و حنابلہ مفہوم مخالف کو لیتے ہیں کہ چالیس سے کم میں کچھ نہیں اور یہ اصول بالاجماع مُسلم ہے کہ اگر مفہوم اور منطوق کا تعارض ہو تو ترجیح منطوق کو ہوتی ہے۔

باب من بلغت عندہ صدقۃ بنت مخاض ولیست عندہ

اس صورت کا حکم بیان فرمانا مقصود ہے کہ جانوروں کے مالک پر بنت مخاض واجب ہو چکی ہو لیکن بنت مخاض اس کے پاس نہ ہو تو کیا کرے حکم چونکہ حدیث سے ثابت ہو رہا تھا اس لئے باب میں صراحۃ بیان نہ فرمایا۔

باب زکوۃ الغنم

بکریوں کی زکوۃ بیان کرنی مقصود ہے۔

باب اخذ العناق فی الصدقۃ

بکری کا چار ماہ کا بچہ اگر مذکر ہو تو اس کو جدی کہتے ہیں اور اگر مونث ہو تو اس کو عناق کہتے ہیں۔ غرض یہ بیان کرنا ہے کہ جس صورت میں بکری واجب ہوئی ہو تو اس میں بکری کی جگہ عناق

دے دینا بھی کافی ہے۔ لیکن یہ امام بخاری کی انفرادی رائے ہے جمہور کے نزدیک کم از کم چھ ماہ کا بچہ دیا جا سکتا ہے ہماری جمہور کی دلیل یہ ہے کہ شاۃ واجب ہوئی ہے اور اس کا اطلاق کم از کم چھ ماہ کے بچے پر ہوتا ہے وللبخاری حدیث الباب عن ابی بکر موقوفا لو منعونی عناقا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعھا جواب یہ کلام تو بطور مثال کے ہے اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

باب لا تؤخذ کرائم اموال الناس فی الصدقة

غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ مین درمیانے جانور لئے جائیں گے نہ بہت عمدہ نہ بہت گھٹیا۔

باب لیس فیما دون خمس ذود صدقة

غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے وجوب کی زکوٰۃ کا ذکر تھا اب عدم وجوب کا محل بتلانا مقصود ہے۔

باب زکوٰۃ البقر

غرض گائے کی زکوٰۃ کا بیان ہے۔ پھر جو حدیث لائے ہیں اس میں نفس وجوب کا ذکر ہے نصاب کا ذکر نہیں ہے کیونکہ نصاب والی روایت ان کی شرط پر نہ تھی۔

باب الزکوٰۃ علی الا قارب

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ زکوٰۃ رشتہ داروں کو دینی جائز ہے۔ فقہاء کے نزدیک ولادت اور زوجیت کے علاقے مستثنیٰ ہیں اور حدیث میں تو صرف نفلی صدقۃ کا ذکر ہے اس سے زکوٰۃ کے مصرف کا استنباط صحیح نہیں ہے۔ اور پھر ہیں بھی ابن عم جو بالاجماع مصرف ہیں۔

باب لیس علی المسلم فی فرسه صدقة

غرضہ جمہور کا مذہب اختیار کرنا ہے اور حنفیہ کی مخالفت کرنا ہے کہ گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اختلاف:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ گھوڑے جب مذکر و مونث نسل بڑھانے کے لئے رکھے ہوں سواری کے لئے نہ ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے یا تو قیمت کا چالیسواں حصہ دے دیا ہر گھوڑے کے بدلہ ایک دینار دے یعنی ساڑھے چار ماشہ سونا یا اس کی قیمت وعندالجمہور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ولنا فی البیہقی مرفوعا عن جابر فی الخیل السائمۃ فی کل فرس دینار و فی الدارقطنی عن السائب بن یزید رایت ابی یقوم الخیل ثم یدفع صدقتھا الی ربع عشر قیمتھا وھم فی الجحسین وابی داؤد حدیث الباب عن ابی ہریرۃ مرفوعا لیس علی المسلم فی فرسہ وغلامہ صدقۃ جواب فرس رکوب مراد ہے جیسے غلام سے مراد عبد خدمت ہے۔

باب لیس علی المسلم فی عبده صدقة

غرض یہ ہے کہ عبد خدمت پر زکوٰۃ نہیں ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

باب الصدقة علی الیتامیٰ

غرض یتیموں پر صدقۃ کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ حدیث پاک کے مطابق یتیم پر خیرات کرنے سے دل کی قساوت دور ہوتی ہے۔ لایاتی الخیر بالشر:۔ غرض یہ ہے کہ مال فی ذاتہ شر کو نہیں لاتا البتہ عوارض کی وجہ سے شر آ سکتا ہے مثلاً مال جمع کرنے میں یا ضرورت کے موقعہ میں خرچ کرنے سے رک جانے سے یا بے موقعہ خرچ کرنے سے شر آ سکتا ہے۔ الربیع:۔ ۱-موسم بہار۔ ۲- چھوٹی نہر۔ یقتل حَبَطاً پودے جن کو موسم ربیع یا نہر اگاتی ہے وہ پودے حقیقۃً اونٹ کو قتل کر دیتے ہیں جبکہ وہ زیادہ کھالے اور ہیضہ ہو جائے یہ کافر کی مثال ہے۔ اویلمّ:۔ یا وہ پودا جس کو موسم ربیع نے یا نہر نے اگایا اپنے کھانے والے کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیتا ہے یہ فاسق کی مثال ہے۔ الا آکلة الخضر اء:۔ مگر گھاس کھانے والی اونٹنی یہ اس شخص کی مثال ہے جو نیکی بھی کرتا ہے اور گناہ بھی کرتا ہے اور متقی کی مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ میں بیان نہ فرمائی کیونکہ مال اس کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ فنعم صاحب المسلم:۔ یعنی اچھا مال مسلم کا ساتھی وہ ہے جو وہ یتیم اور مسکین اور مسافر کو دے دے۔

باب الزکوٰۃ علی الزوج والا یتام فی الحجر

غرض امام شافعی کے مسلک کی تائید کرنا ہے۔ اختلاف:۔ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک خاوند اور بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ دیں تو صحیح ہے جمہور کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ منشاء

اختلاف یہ ہے کہ زیر بحث روایت عندنا نفلی صدقہ پر محمول ہے اور امام شافعی کے نزدیک نفلی اور فرضی دونوں کو شامل ہے ترجیح اسی کو ہے کہ یہاں نفلی صدقہ ہی مراد ہے کیونکہ اسی باب کی دوسری روایت میں اپنی اولاد پر صدقہ کرنے کی اجازت بھی اسی قسم کے واقعہ میں مذکور ہے حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ فرضی صدقہ اولاد کو دینا جائز نہیں ہے معلوم ہوا کہ ایسے واقعات میں نفلی صدقہ ہی مراد ہے اس باب کے دونوں واقعے بالکل ایک جیسے ہیں۔

باب قول اللہ تعالیٰ و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ

غرض آیت مبارکہ میں ذکر کئے ہوئے مصارف زکوٰۃ کی وضاحت ہے کہ ان کے مصداق کیا کیا ہیں۔ پھر اس باب کی پہلی تعلیق میں حضرت ابن عباس کا عمل نقل فرمایا کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے غلام آزاد کر دیا کرتے تھے اس سے امام مالک کے قول کو ترجیح دینا چاہتے ہیں۔ **اختلاف**:۔ اس طرح ہے کہ عند مالک زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دینا بھی صحیح ہے وعند الجمهور صحیح نہیں ہے۔ منشاء اختلاف باب کے ترجمہ میں ذکر کی ہوئی آیت ہے کیونکہ اس میں ایک مصرف وفی الرقاب ہے امام مالک کے نزدیک یہ عام ہے اور غلام کو خرید کر آزاد کرنے کو بھی شامل ہے جمہور کے نزدیک اس کا مصداق رقاب مکاتبین ہے کہ ان کو رقم دی جائے اور وہ مالک بن جائیں اور چاہیں تو اپنے بدل کتابت کے ادا کرنے میں استعمال کریں ترجیح جمہور کے معنیٰ کو ہے کیونکہ زکوٰۃ میں مالک بنانا شرط ہے اور اس پر دال اسی آیت میں انما الصدقات للفقراء کا لام ہے جو تملیک کے لئے آتا ہے اور غلام آزاد کرنا اسقاط ہے تملیک نہیں ہے اسی لئے تکفین میں اور تعمیر مسجد میں اور سڑک اور پل بنانے میں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی کیونکہ ان صورتوں میں کسی متعین شخص کو مالک بنانا نہیں پایا جاتا۔ ۲- دوسری وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ زکوٰۃ میں ضروری ہے کہ دینے والے کا تعلق زکوٰۃ سے نہ رہے اور غلام آزاد کرنے کی صورت میں ولاء آزاد کرنے والے کو ملتی ہے اس لئے دینے والے کا تعلق ختم نہیں ہوتا۔

باب الاستعفاف عن المسئلة

غرض فضیلت کا بیان کرنا ہے اس کی کہ سوال کرنے سے بچے۔

باب من اعطاه اللہ شیئاً من غیر مسئلة و اشراف نفس

غرض استحباب بیان کرنا ہے ایسی چیز کے قبول کرنے کا جو مانگے بغیر اور نفس کے انتظار کے بغیر مل جائے۔

باب من سأل الناس تکثرا

غرض مذمت کرنا ہے اس شخص کی جس نے مانگنے کا پیشہ بنا رکھا ہو مسلم شریف میں مذمت میں یہ لفظ بھی وارد ہیں فانما یسئل جمراً کہ وہ آگ کے انگارے مانگ رہا ہے۔ **مزعۃ لحم**:۔ گوشت کا ٹکڑا۔ **فیمشی حتی یاخذ بحلقة الباب**:۔ ۱۔ جنت کے دروازے کی کنڈی پکڑ لیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۲۔ کنایۃ اللہ تعالیٰ کے قرب سے ہے کہ شفاعتِ کبریٰ کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی قرب ظاہر ہوگا۔

باب قول اللہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا

غرض ایسے لوگوں کی مدح ہے جو مانگتے نہیں ہمارے اکابر کا ارشاد ہے کہ مانگنے سے بہتر ہے کہ فاقہ سے مرجائے۔ **وکم الغنیٰ**:۔ یہ باب ہی کا تتمہ ہے کہ کتنی مقدار مال کی موجود ہو تو سوال کرنا ناجائز ہوتا ہے۔ غرض اِسی مسئلہ کا بیان فرمانا ہے۔ **وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا یجد غنیً یغنیہ**:۔ یہ بھی ترجمۃ الباب ہی کا تتمہ ہے بظاہر غرض حنفیہ کے قول کی تائید ہے کہ ایک دن کے کھانے پینے کا انتظام ہو تو مانگنا ناجائز ہوتا ہے۔

اختلاف:۔ عند امامنا ابی حنیفۃ جس کے پاس ایک دن رات کے کھانے کا سامان نہ ہو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے واجب پھر بھی نہیں ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے اکابر کا ارشاد ہے کہ فاقہ سے مرجانا سوال کرنے سے بہتر ہے اور

ہمارے امام صاحب کے نزدیک مصرف زکوٰۃ ہر وہ شخص ہے جو صاحب نصاب نہ ہو وعند احمد سوال کے جواز اور مصرف زکوٰۃ دونوں کا مدار ۵۰ درہم پر ہے کہ ۵۰ درہم کا مالک نہ سوال کرسکتا ہے نہ اس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے اس سے کم کا مالک ہو تو دونوں جائز ہیں وعند الشافعی و مالک دونوں کا مدار ضرورت پر ہے کوئی حد مقرر نہیں ہے ولنا روایۃ ابی داؤد عن سہل بن الحنظلیۃ فقالوا یا رسول اللہ وما الغنی الذی لا ینبغی معہ المسئلۃ قال قدر مایغدیہ ویعشیہ اور ابو داؤد ہی میں روایت ہے عن عبد اللہ بن عمرو مرفوعاً لا تحل الصدقۃ لغنی اور ابو داؤد ہی میں ہے عن ابن عباس مرفوعاً زکوٰۃ کے بارے میں تو خذ من اغنیائھم وترد فی فقرائھم ان تین حدیثوں میں سے پہلی حدیث سے سوال کرنے کے جواز کی حد واضح ہوگئی کہ ایک دن رات کے کھانے کا سامان ہو تو سوال جائز نہیں ہے۔ اِس سے سوال کرنے کی حد تو متعین ہوگئی اب رہی یہ بات کہ بغیر سوال کئے کس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے تو اس کے لئے مذکورہ تین روایتوں میں سے دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ غنی زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے پھر غنی کے کہتے ہیں یہ بات مذکورہ تین روایتوں میں سے تیسری روایت سے معلوم ہوگئی کہ غنی اور فقیر ایک دوسرے کے مقابل ہیں غنی صاحب نصاب ہے اور فقیر وہ ہے جو صاحب نصاب نہ ہو اس لئے وہ زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ ولاحمد:۔

روایت ابی داؤد عن عبد اللہ فقیل یا رسول اللہ وما الغنی قال خمسون درھماً جواب اس حدیث پاک میں صرف سوال کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اور اس مسئلہ میں یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ ۵۰ درھم والے کے پاس عموماً ایک دن رات کے کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کے مصرف کا اس روایت میں ذکر نہیں ہے اس لئے امام احمد کا استدلال مصرف زکوٰۃ کے متعلق اِس روایت سے صحیح نہیں ہے۔ وللشافعی و مالک دونوں مسئلوں میں ضرورت پر دارو مدار ہونا چاہئے کیونکہ سوال بھی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور مصرف بھی وہی ہونا چاہئے جو ضرورت والا ہو۔

ضرورت میں مال کی حد مقرر نہیں کی جاسکتی جواب۔ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ **فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ فجمع بین عنقی وکتفی**:۔ا۔ یعنی ایسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیارا ہاتھ مجھے مارا جہاں میری گردن اور کندھا جمع ہوتے ہیں یعنی گردن اور کندھے کے درمیان۔ مقصد تنبیہ فرمانا تھا جیسے بچوں کا کان کھینچ کر تنبیہ کی جاتی ہے۔۲۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں فجمع بین عنقی وکتفی اور معنیٰ وہی ہیں جو ابھی گذرے اس صورت میں بین اسم ہے ظرف نہیں ہے جیسے ایک قرأت ہے لقد تقطعَ بَیْنَکُم ۔۳۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں فجمع بین عنقی وکتفی یعنی دست مبارک جمع فرمایا اور مُکّہ بنایا اور میرے کندھے اور گردن کے درمیان مارا۔ مقصد وہی ہے تنبیہ فرمانا۔ **اَقْبِلْ ای سعدُ**:۔ا۔ اَقْبِلْ ہمزہ قطعی کے ساتھ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے جارہے تھے اس لئے فرمایا اقبل باب افعال سے کہ ای سعد میرے ساتھ آؤ میں تمہیں وجہ بتلاؤں کہ میں کیوں دیتا ہوں اور کیوں چھوڑتا ہوں۔۲۔ اِقبل سمع یسمع سے ہمزہ وصلی کے ساتھ معنیٰ یہ ہیں کہ میری بات قبول کرلو اے سعد اور معارضہ اور مقاتلہ میرے ساتھ نہ کرو اس دوسری روایت کی تائید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے کیونکہ اس میں یوں ہے اَقِتَالاً اَیْ سَعْدُ معنیٰ یہ ہیں کہ اے سعد کیا تم مجھ سے لڑنا چاہتے ہو اَتُقَاتِلُ قِتَالاً یَا سَعْدُ۔

باب خرص التمر

غرض یہ ہے کہ خرص مشروع ہے۔ **اختلاف** عندامامنا خرص مکروہ ہے خرص کی صورت یہ ہے کہ عشر وصول کرنے کے لئے اندازہ لگالیا جائے کہ اِس باغ سے مثلاً دس من کھجوریں اتریں گی اس لئے ایک من عشر وصول کیا جائے کٹی ہوئی کھجوروں میں سے اور پھر جب باغ کی کھجوریں اُتریں تو عشر نہ لیا جائے یعنی درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے عشر کے بدلہ میں الگ کھجوروں سے عشر وصول کرلیا جائے ہمارے امام صاحب کے نزدیک یہ صورت

مکروہ ہے امام شافعی کے نزدیک واجب ہے اور جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔ ولنا روایۃ الطحاوی عن جابر مرفوعاً نھی عن الخرص وللشافعی حدیث الباب عن ابی حمید الساعدی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصحابہ اُخرُصوا اور جمہور کی دلیل بھی یہی روایت ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ استحباب پر محمول ہے کیونکہ بہت کم خرص کرنا آتا ہے اگر واجب ہوتا تو پورے اہتمام سے ہمیشہ کیا جاتا ہم جمہور اور شوافع کو جواب دیتے ہیں کہ یہ خرص منسوخ ہے کیونکہ یہ ربٰو ہی کے مشابہ ہے کیونکہ جو اصل پھل درختوں پر ہیں ان کے بدلہ میں اُترا ہوا پھل لیا جاتا ہے اس لئے جب سود حرام ہوا تو سود کے مشابہ صورت بھی مکروہ ہوگئی۔ اختلاف کی وجہ سے امام بخاری نے فیصلہ نہ فرمایا اور یقین سے خرص کا حکم نہ بتلایا بظاہر امام شافع کے قول کی طرف میلان معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

باب العشر فیما یُسقیٰ من ماء السماء و بالماء الجاری

غرض یہ ہے کہ بارانی علاقہ میں اور جہاں دریا کا پانی نہر کھودے بغیر آسانی سے پہنچ جاتا ہے وہاں عشر واجب ہوگا۔ نصف عشر کافی نہ ہوگا۔ **ھذا التفسیر الاول:**۔ ھذا کا اشارہ تو اس باب کی حضرت ابن عمر والی روایت کی طرف ہے اور الاول کا مصداق حضرت ابوسعید والی روایت ہے جو کہ کافی پیچھے گذر چکی ہے اس لئے اول قرار دیا اور دوبارہ بھی آرہی ہے اگلے باب میں بلا فصل اس میں مرفوعاً وارد ہے لیس فیما اقل من خمسۃ اوسق صدقۃ لیکن اس پر یہ اعتراض باقی رہتا ہے کہ خمسۃ اوسق والی روایت میں تو زکوٰۃ کا بیان ہے اور حضرت ابن عمر والی روایت میں عشر کا بیان ہے اس لئے ایک کو دوسری روایت کی تفسیر بنانا صحیح نہیں ہے اور اختلاف کی تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے۔

باب لیس فیما دون خمسہ اوسق صدقۃ

غرض حنفیہ پر رد ہے جو عشر میں نصاب کا اعتبار نہیں فرماتے۔

اختلاف:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ ہر قلیل و کثیر میں عشر واجب ہے وعندالجمھور پانچ اوسق سے کم میں عشر واجب نہیں ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع تین سیر ۹ چھٹانک کا ہوتا ہے۔ ولنا ۱۔ یھا الذین امنو ا انفقو من طیبات ما کسبتم و مما اخرجنالکم من الارض اس آیت مبارکہ میں ما اخرجنا عام ہے قلیل و کثیر کو شامل ہے۔ ۲۔ فی ابی داؤد والبخاری عن ابن عمر مرفوعاً فیما سقت السماء والانھار والعیون اوکان بعلا العشر والجمھور یہی زیر بحث بخاری شریف کی روایت جو ابوداؤد میں بھی آتی ہے عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فیما اقل من خمسۃ اوسق صدقۃ ولا فی اقل من خمس اواق من الورق صدقۃ جواب اس میں غلہ کی زکوٰۃ کا ذکر ہے کیونکہ پانچ اوسق غلہ کی قیمت عموماً پانچ اواقی ہو جاتی تھی دلیل اس کی یہ ہے کہ اس حدیث میں سب نصاب زکوٰۃ کے ہیں عشر کا بالکل ذکر ہی نہیں اس لئے عشر کے متعلق اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

باب اخذا لتمر عند صرام النخل وھل یترک الصبی فیمس تمر الصدقۃ

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے پہلا مسئلہ اختلافی ہے اور دوسرا اتفاقی ہے۔ **پہلا اختلافی مسئلہ:**۔ عندالبخاری وعندامامنا ابی حنیفۃ وعنداحمد نفس وجوب توبدّ و صلاح سے ہوجاتا ہے اور وجوب اداء صرام وحصاد سے یعنی جب غلہ اور پھل کاٹا جائے اس وقت ہوتا ہے وعندالشافعی و مالک صرف کاٹنے سے ہی وجوب ہوتا ہے۔ ولنا۔ چونکہ بدّ و سے نفس نفع شروع ہو جاتا ہے اس لئے وجوب کے لئے کافی ہے البتہ کمال نفع صرام وحصاد سے ہوتا ہے اس لئے وجوب ادا اُسی وقت ہوگا۔ وللشافعی و مالک و اٰتو حقہ یوم حصادہ جواب یہ وجوب اداء ہے۔ **دوسرا اتفاقی مسئلہ**:۔ کہ بچہ اگر کھاتا نہ ہو تو صدقہ کے مال کو ہاتھ لگانے کی گنجائش ہے جبکہ بچہ بنی ہاشم میں سے ہو۔

باب من باع ثمارہ او نخله او ارضه اوزرعه و قد وجب فيه العشر او الصدقة

غرض ان چیزوں کی بیع وجوب صدقہ سے پہلے اور پیچھے جائز ہے

باب هل يشتری صدقة

غرض یہ ہے کہ مناسب نہیں ہے کہ اپنا صدقہ خریدے کیونکہ وہ فقیر اس کو بازار کی قیمت سے سستی قیمت پر دے دے گا۔ لیکن اگر خرید لے گا تو بیع صحیح ہو جائے گی گویا کراہت تنزیہی ہے۔

باب ما یذکر فی الصدقة للنبی صلی الله علیه وسلم

غرض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقہ حرام تھا وجہ۔ ۱۔ خذمن اموالهم صدقة تطهرهم وفی مسلم مرفوعاً الصدقة اوساخ الناس پس نبی کریم جو طاہر اور مطہر ہیں ان کے لئے لوگوں کی میل کچیل والا پانی مناسب نہیں۔ ۲۔ حدیث شریف میں ہے الید العلیا خیر من الید السفلیٰ پس لینا ذل وھوان ہے اس لئے بھی مناسب نہیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو نفلی اور فرضی دونوں صدقے حرام تھے اور بنی ہاشم کے لئے صرف فرضی حرام تھا اور حرام ہے۔ کخ کخ: ۔ یہ لفظ چار طرح پڑھا گیا ہے۔ کاف کا فتحہ اور کسرہ ہر صورت میں خاء کا سکون اور خاء کا تنوین کے ساتھ کسرہ۔ معنی ہیں اتر کہ چھوڑ دو پھر اس میں دو قول ہیں۔ ۱۔ عربی ہے۔ ۲۔ فارسی سے لیا گیا ہے امام بخاری کے نزدیک دوسرا قول راجح ہے کیونکہ انہوں نے باب من تکلم بالفارسیہ میں بھی اس روایت کو ذکر فرمایا ہے۔

باب الصدقة علی موالی ازواج النبی صلی الله علیه وسلم

غرض یہ ہے ازواج مطہرات کے موالی کے لئے صدقہ لینا جائز ہے۔ سوال۔ امام بخاری نے ازواج مطہرات کے موالی کا حکم ذکر فرمایا خود ازواج مطہرات کا کیوں نہ ذکر فرمایا حالانکہ وہ زیادہ اہم تھا۔ جواب ازواج مطہرات کے متعلق ان کو حدیث نہ ملی اس لئے ذکر نہ فرمائی اور موالی کے بارے میں مل گئی اس لئے ذکر فرمادی۔

باب اذا تحولت الصدقة

غرض یہ ہے کہ تبدل ملک سے حکم بدل جاتا ہے صدقہ کا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ کو بھیجا انہوں نے صدقہ کی بکری کو ذبح کر کے اس کا گوشت حضرت عائشہ کو بھیجا اسی میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا تو اس سے یہ لازم نہ آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا گوشت تناول فرمایا بلکہ ام عطیہ کے ہدیہ کا گوشت تناول فرمایا۔ نُسیبہ: ۔ یہ حضرت ام عطیہ کا نام ہے یہ اس وقت غریب ہونگی اسی لئے ان کو صدقہ کا جانور دیا گیا۔ **قد بلغت محلها**: ۔ ۱۔ جہاں پہنچانا واجب تھا وہاں پہنچ گیا۔ ۲۔ حلال ہونے کی جگہ کہ جہاں اس کا کھانا یا ذبح کرنا حلال تھا وہاں پہنچ گیا۔

باب اخذ الصدقة من الاغنياء وترد فی الفقراء حيث كانوا

ظاہر یہی ہے کہ غرض حنفیہ کے قول کی تائید ہے کہ زکوٰۃ کا دوسرے شہر منتقل کرنا جائز ہے جبکہ دوسرے شہر والوں کو زیادہ ضرورت ہو۔ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام احمد اس کے قائل ہیں کہ جتنی دور جانے سے مسافر بن جاتا ہے اور قصر ثابت ہو جاتی ہے اتنی دور منتقل کرنا جائز نہیں اس سے کم جائز ہے منشاء اختلاف زیر بحث باب کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً تو خذمن اغنیائھم فترد علی فقرائھم ہمارے نزدیک فقراء عام ہیں شوافع اور مالکیہ کے نزدیک اسی جگہ کے فقراء ہیں اور حنابلہ کے نزدیک اس جگہ کے اور قریب قریب کے فقراء ہیں جو سفر کی مقدار سے کم دور ہوں۔ ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے کیونکہ اگر خاص اسی قوم کے فقراء بھی لئے جائیں تو وہ بھی تو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور جگہ کی طرف تو ضمیر لوٹ ہی نہیں سکتی فقرائھم میں مطلق مسلمین کی طرف لوٹے گی یا اس قوم کی طرف لوٹے گی دونوں صورتوں میں عموم ہی اقویٰ ہے۔

باب صلوٰۃ الامام ودعائہ لصاحب الصدقۃ وقولہ تعالیٰ خذمن اموالھم الایۃ

غرض۔۱-امام کے لئے مستحب ہے کہ صدقہ لانے والے کے لئے دعا کرے۔۲-لفظ صلوٰۃ کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر بھی جائز ہے۔**اختلاف**:۔اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں۔۱-حرام ۲-مکروہ تحریمی ۳-مکروہ تنزیہی ۴-مباح۔ بظاہر مکروہ تحریمی راجح ہے دلیل مکروہ تحریمی کی تعامل سلف صالحین ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ غیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے کہ شبہ نہ ہو کہ یہ نبی ہے اور چونکہ منشاء احتیاط ہے اس لئے مکروہ تحریمی کہیں گے حرام نہ کہیں گے جو حضرات حرام قرار دیتے ہیں ان کا استدلال بھی تعامل سلف صالحین ہی ہے ان کے نزدیک یہ تعامل حرمت پر دال ہے جواب۔ منشاء ممانعت کا چونکہ احتیاط ہے اس لئے حرمت کا اطلاق مناسب نہیں ہے اس کے لئے تو دلیل قطعی ہونی چاہئے اباحت کی دلیل ۱- روایت ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً صلی اللہ علیک وعلی زوجک۔۲- فی البخاری زیر بحث باب کی روایت عن عبداللہ بن ابی اوفی مرفوعاً اللھم صلی علی ال ابی اوفی۔۳-**وصلی علیھم ان صلوتک سکن لھم** جواب ان تینوں دلیلوں کا یہ ہے کہ یہ خصوصیت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ لفظ صلوٰۃ کے ساتھ آپ کا دعاء کرنا صحیح تھا اگر یہ حکم عام ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن حضرات کو ساعی بنا کر بھیجتے تھے۔ان کو بھی حکم فرماتے کہ تم بھی صدقہ لانے والے کے لئے اس لفظ کے ساتھ دعاء کیا کرو کیونکہ قرآن پاک میں صیغہ امر کا ہے جو وجوب کے لئے ہوتا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساعی حضرات کو حکم نہیں فرمایا تو اس سے ظاہر ہوا کہ امن دعاء کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خصوصی تھا۔امت کے لئے نہ تھا مکروہ تنزیہی والے قول کی دلیل دونوں قسم کی دلیلوں کو جمع کرنا ہے جواب محرم کو مبیح پر ترجیح ہے۔

باب مایستخرج من البحر

غرض یہ ہے کہ سمندر سے جو موتی وغیرہ نکالے جاتے ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اور یہ مسئلہ اتفاقیہ ہے۔**دسرہ البحر**:۔جس کو سمندر پھینک دے۔

انما جعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرکاز الخمسلیس فی الذی یصاب فی الماء

یہ امام بخاری کی کلام ہے اور مقصود حضرت حسن بصری کے قول کا رد ہے کہ ان کا فرمانا کہ عنبر میں اور موتیوں میں جو سمندر سے نکلتے ہیں خمس ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ خمس تو رکاز پر ہے اور رکاز خشکی میں ہوتا ہے۔ سمندر کی چیزیں رکاز کا مصداق نہیں ہیں۔ **فاخذھا لاھلہ حطباً**:۔ باب سے مناسبت یہ ہے کہ سمندر کی لکڑی اور دوسری چیزوں کو جو چاہے اٹھالے اس سے خمس کا تعلق نہیں ہے۔

باب فی الرکاز الخمس

غرض رکاز کا حکم بیان کرنا ہے کہ اس میں خمس واجب ہے۔ **اختلاف**:۔عند امامنا ابی حنیفۃ جو سونے چاندی وغیرہ کی کان خلقۃ ہوتی ہے اس میں بھی خمس ہے وعند الجمہور اس میں خمس واجب نہیں ہے ولنا فی البیہقی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً فی الرکاز الخمس قیل وما الرکاز یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الذھب الذی خلقہ اللہ فی الارض یوم خلقت الارض ولھم روایۃ الصحیحین عن ابی ہریرۃ مرفوعاً حدیث الباب العجماء جبار البئر جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس جواب اس کے معنیٰ تو یہ ہیں کہ معدن میں گر کر کوئی مر جائے تو دیت نہیں ہے قرینہ اس سے پہلے کے دونوں جملے ہیں کہ جس کو جانور مار دیں اس میں دیت نہیں جو کہ کنویں میں گر کر مر جائے اس میں دیت نہیں۔ اسی طرح جو معدن میں گر کر مر جائے اس میں دیت نہیں وفی الرکاز الخمس شبہ کا جواب ہے کہ شاید دیت واجب نہ ہونے کی طرح خمس بھی واجب نہ ہو جواب دیا کہ خمس واجب ہے کیونکہ خمس تو ہر رکاز میں ہے خواہ

وہ معدن کے درجہ میں قدرتی سونا چاندی وغیرہ ہو یا کنز کے درجہ میں انسان کا دفن کیا ہوا خزانہ ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ معدن رکاز کے مقابلہ میں ہے اس لئے معدن رکاز میں داخل نہیں ہے جیسا کہ جمہور ائمہ معنیٰ کرتے ہیں۔ یہ معنیٰ صحیح نہیں ہیں۔ **وان وجدت اللقطۃ فی ارض العدو فتعر فہا وان کانت من العدو ففیہا الخمس**:۔ یہ عبارت بھی حضرت حسن بصری ہی کا مقولہ ہے کہ اگر دشمن کی زمین میں لقطہ ملے اور وہاں اس زمانہ میں مسلمان مجاہدین بھی ہوں اور احتمال ہو کہ شاید وہ لقطہ کسی مسلمان کا ہے تو اس کی تعریف کرو اور مالک تلاش کرو جیسا کہ لقطہ کا حکم ہوتا ہے اور اگر ایسی جگہ کوئی چیز ملی ہے جس میں یہ احتمال نہیں ہے۔ کہ کسی مسلمان کی ہو بلکہ یقین ہے کہ دشمن کی ہی وہ چیز ہے تو پھر وہ مال غنیمت کی طرح ہے اور اس میں خمس ہے۔ **قال بعض الناس المعدن رکاز مثل دفن الجاھلیۃ**:۔ امام ابن التین نے جزم سے فرمایا ہے کہ اس مقام پر امام بخاری کا مقصد امام ابو حنیفہ پر اعتراض کرنا ہے اور وہی بعض الناس کا مصداق ہیں۔ لیکن احتمال یہ بھی ہے کہ بعض الناس کا مصداق سفیان ثوری یا امام اوزاعی ہوں کیونکہ وہ دونوں حضرات بھی معدن کو رکاز میں شمار فرماتے ہیں۔ امام بخاری دو اعتراض فرما رہے ہیں۔

پہلا اعتراض:۔ یہ ہے کہ بعض الناس نے یہ محاورہ لیا ہے ارکز المعدن اذا خرج منہ شیٔ پھر اس پر امام بخاری یوں اعتراض فرما رہے ہیں کہ اگر کسی کو بطور ھبہ کے کوئی چیز مل جائے یا تجارت وغیرہ میں نفع کثیر مل جائے یا اس کے باغ میں پھل زیادہ آ جائے تو اس کو بھی کہہ دیا جاتا ہے ارکزت تو ان صورتوں میں بھی رکاز پایا گیا اور اس موھوب لہ اور رابح اور صاحب ثمر کثیر کے ذمہ بھی خمس ہونا چاہیئے حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ امام بخاری کے اس اعتراض کا پہلا جواب یہ ہے کہ بعض الناس سے یا اُن کے تلامذہ سے یا اہل عرب سے یہ محاورہ منقول ہی نہیں ہے کہ ارکز المعدن استعمال ہوتا ہے اس معنیٰ میں کہ معدن سے کوئی چیز نکل آئی محاورہ یوں ہے ارکز الرجل اس لئے امام بخاری کا یہ اعتراض بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ رکاز کا اطلاق ربح عظیم وغیرہ پر آتا ہے تو یہ اطلاق اور استعمال صرف مبالغہ اور تشبیہ پر مبنی ہے یہ معنیٰ تھوڑا ہی ہیں کہ وہ شخص حقیقی طور پر رکاز والا ہو گیا اور اس پر خمس واجب ہو گیا۔ **دوسرا اعتراض**:۔ امام بخاری دوسرا اعتراض یہ فرما رہے ہیں کہ بعض الناس نے پہلے تو کہہ دیا کہ معدن رکاز ہے اور اس میں خمس واجب ہے پھر خود ہی اس خمس کو ساقط کر دیا یہ تو تناقض ہے اس کی تفصیل یوں فرمائی امام بخاری نے کہ وہ بعض الناس اس کے بھی قائل ہیں کہ اگر وہ شخص جس کے پاس معدن ہے اپنے معدن کو چھپا لے اور خمس نہ دے تو پھر بھی کچھ حرج نہیں یہ تو صریح تناقض ہے کہ خمس واجب بھی ہے اور نہ دینے کی بھی گنجائش ہے۔ اِس اعتراض کا ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ امام طحاوی نے امام ابو حنیفہ سے یہ نقل فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے رکاز پایا اُس کے لئے یہ بھی گنجائش ہے کہ بیت المال میں دینے کی بجائے خود ہی مساکین میں خمس تقسیم کر دے اور اگر خود محتاج ہے تو خود ہی استعمال کر لے پھر اس کی وضاحت امام طحاوی نے یہ فرمائی کہ امام ابو حنیفہ کا مقصد یہ ہے کہ اُس رکاز پانے والے کا حق مسکین ہونے کی وجہ سے بیت المال پر بنتا ہے تو وہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے وہ خمس جو بیت المال میں دینا تھا خود رکھ لے اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ خمس واجب ہی نہیں ہوا یا واجب ہو کر ساقط ہو گیا بلکہ یہ صرف مصرف کی تفصیل ہے کہ اصل طریق تو بیت المال میں پہنچانا ہے لیکن اگر بیت المال پر اس شخص کا حق بنتا ہے تو اپنا حق وصول کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بیت المال کی چیز خود رکھ لے اِس طرح سے اپنا حق وصول کر لے گا۔ اگر ایسا کر لے تو گناہ نہ ہوگا اس لئے امام بخاری کا اعتراض فرمانا کہ تناقض پایا گیا اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے۔

وکم من عائب قولاً صحیحا　　وآفة من الفهم السقیم

باب قول الله تعالیٰ والعاملین علیها ومحاسبة المصدقین مع الامام

غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ کا کام کرنے والے بھی زکوٰۃ کا مصرف ہیں اور امام اُن سے حساب بھی لیتا رہے پھر اس میں دونوں قول ہیں کہ عاملین کے مصرف بننے میں ان کا فقیر ہونا بھی شرط ہے یا نہ راجح یہی ہے کہ شرط نہیں ہے۔

باب استعمال ابل الصدقة والبانها لابناء السبیل

غرض یہ ہے کہ مصرف صدقات میں جو قرآن پاک میں آٹھ انواع مذکور ہیں ان سب کو دینا ضروری نہیں ہے گویا حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک اختیار فرمایا۔ اختلاف:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ ومالک اصناف ثمانیہ کا ہر صدقہ واجبہ میں لحاظ ضروری نہیں کہ سب کو دینا ضروری ہے۔ بلکہ اُن میں سے جتنی قسموں کو چاہے دے دے صحیح ہے وعند الشافعی واحمد سب کا لحاظ ضروری ہے۔ ولنا حدیث الباب عن انس ان ناسا من عرینة اجتوؤا المدینة فرخص لهم رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یاتوا ابل الصدقة فیشربوا من البانها اوبوالها الحدیث صرف مسافروں کو صدقہ کے اونٹوں سے نفع اٹھانے کی اجازت مرحمت فرمائی آٹھ اقسام میں سے باقی سات قسموں میں کچھ تقسیم نہ فرمایا وللشافعی و احمد انما الصدقات للفقراء الایة جواب یہ بیان مصرف ہے کہ ان میں سے جس کو چاہو دے دو بیان ملک اور بیان استحقاق نہیں ہے۔

باب وسم الامام ابل الصدقة بیده

غرض یہ ہے کہ نشانی کے طور پر صدقہ کے اونٹوں پر امام خود داغ لگائے تو یہ بھی مستحسن ہے۔

ابواب صدقة الفطر

غرض صدقہ فطر کے احکام کا بیان ہے اور بعض نسخوں میں یہ ابواب والی سرخی نہیں ہے۔

باب فرض صدقة الفطر

غرض جمہور کے مذہب کی تائید کرنی ہے۔ اختلاف:۔ عند امامنا ابی حنیفۃ صدقہ فطر فرض نہیں ہے بلکہ فرض سے کم درجہ ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں وعندالجمہور فرض ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر صاعاً من تمرٍ الحدیث ہمارے نزدیک یہ وجوب پر محمول ہے اور جمہور کے نزدیک فرضیت پر محمول ہے ترجیح قول حنفیہ کو ہے کیونکہ خبر واحد ظنّی ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی فرضیت کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

باب صدقة الفطر علی العبد وغیره من المسلمین

غرض دو اختلافی مسئلوں کو بیان کرنا ہے ایک یہ کہ صدقہ فطر عبد پر بھی واجب ہے دوسرا یہ کہ جس عبد پر صدقہ فطر ہے اس میں اسلام شرط ہے پہلا اختلاف:۔ عندالامام البخاری صدقہ فطر کا وجوب عبد پر بھی ہے البتہ اس کی طرف سے اداء کرنا سید پر واجب ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک عبد پر واجب نہیں ہے صرف عبد کے سید پر وجوب ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر مرفوعاً زکوٰۃ الفطر صاعاً من تمر او صاعاً من شعیر علی کل حرٍ او عبدٍ الحدیث امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور غلام پر بھی صدقہ فطر واجب ہے اور جمہور کے نزدیک وجوب صرف حُر پر بیان فرمانا مقصود ہے۔ عبد کا ذکر تبعاً ہے ترجیح قول جمہور کو ہی ہے کیونکہ عبد تو مال کا مالک ہی نہیں ہوتا اس پر وجوب مالی کیسے ہوسکتا ہے۔ دوسرا اختلاف:۔ عندامامنا کافر عبد کی طرف سے بھی صدقہ فطر واجب ہے وعن الجمہور صرف مسلم عبد کی طرف سے بھی صدقہ فطر واجب ہے وعندالجمہور صرف مسلم عبد کی طرف سے صدقہ فطر واجب ہے عبد کافر کی طرف سے واجب نہیں ہے۔ منشاء اختلاف زیر بحث باب کی روایت ہے عن ابن عمر مرفوعاً فرض زکوٰۃ الفطر صاعاً من تمر او صاعاً من شعیر علی کل حرٍ او عبد ذکر او انثی من المسلمین اور بخاری شریف میں صدقۃ الفطر کے ابواب کی آخری روایت میں یوں ہے

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقۃ الفطر طعاماً من شعیر او صاعاً من تمر علی الصغیر والکبیر والحر والمملوک اس روایت میں من المسلمین کی قید نہیں ہے ہمارے نزدیک دونوں روایتوں پر الگ الگ عمل کرنا ضروری ہے وعند الجمہور مطلق کو مقید پر محمول کریں گے ترجیح ہمارے قول کو ہے وجہ۔ا۔ ہمارا اصول قوی ہے کہ ہر ایک حدیث پر الگ الگ عمل کریں گے۔۲۔ قال الطحاوی من المسلمین مالک کے متعلق ہے۔ امام طحاوی کے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے لیس علی المسلم فی عبدہ ولافی فرسہ صدقۃ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی قید کا ذکر مالک پر بھی احادیث میں ہوتا رہتا ہے۔

باب صدقة الفطر صاع من شعير

غرض یہ کہ جَو بھی ایک صاع دو۔

باب صدقة الفطر صاعاً من طعام

غرض جمہور کے قول کی تائید ہے کہ گندم سے صدقہ فطر دینا ہو تو صاع دیا جائے گا۔ اختلاف :۔ عندامامنا گندم سے نصف صاع کافی ہے وعند الجمہور گندم سے صاع ضروری ہے ولنا روایۃ ابی داؤد عن عبد اللہ بن ابی صعیر مرفوعاً صاع من براوقمح علی کل اثنین وللجمہور حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن ابی سعید موقوفاً کنا نخرج زکوٰۃ الفطر صاعاً من طعام جواب طعام کا لفظ گندم کے متعلق صریح نہیں۔

باب صدقة الفطر صاعاً من تمر

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ کھجور سے اگر صدقہ فطر دینا ہو تو ایک صاع دینا ہو گا۔ اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

باب صاع من زبيب

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر کشمش سے صدقہ فطر ادا کرنا ہو تو ایک صاع دینا ہو گا اور یہ مسئلہ بھی اتفاقی ہے۔

باب الصدقة قبل العيد

صدقہ فطر کا وقت بتلانا مقصود ہے کہ نماز عید سے پہلے مستحب ہے اور عید کی نماز کے بعد مکروہ ہے بالاتفاق اور عید کا دن گذار دینا اور نہ دینا گناہ ہے اور قضاء پھر بھی لازم ہے۔

باب صدقة الفطر على الحر و مملوك

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ حر اور عبد دونوں پر صدقہ فطر واجب ہے حر خود ادا کرے گا اور غلام کی طرف سے اس کا آقا ادا کرے گا۔ پھر امام بخاری کا مسلک کیا ہے اسلام کی قید ہے یا نہ غلام میں دونوں احتمال ہیں۔ دو اختلاف پیچھے عنقریب گذر چکے ہیں۔ سوال دوبارہ یہ مسئلہ کیوں بیان فرمایا۔ جواب پیچھے ذکر وجوب تھا کہ عبد پر واجب ہے صدقہ فطر اب عبد اور حر کی برابری بیان کرنی مقصود ہے کہ اس مسئلہ میں حر اور عبد برابر ہیں۔ حتیٰ ان کان یعطی عن بنی :۔ یہ حضرت نافع کا قول ہے کہ ابن عمر میرے بیٹوں کی طرف سے بھی صدقہ فطر دیا کرتے تھے وجہ۔ا۔ حضرت نافع حضرت ابن عمر کے آزاد شدہ غلام تھے آزادی سے پہلے حضرت ابن عمر ہی کے ذمہ غلاموں کا صدقہ فطر بھی تھا۔۲۔ آزاد ہو جانے کے بعد دیتے تھے تبرعاً اور استحباباً یعطیھا الذین یقبلونھا :۔ اس کے معنیٰ۔ا۔ بلا تحقیق حضرت ابن عمر دے دیا کرتے تھے جو بھی کہتا کہ میں مستحق ہوں اس سے اچھا گمان فرماتے اور دے دیتے تھے۔۲۔ وہ ایسے فقراء تھے جن کو حکومت نے کہہ دیا تھا کہ یہ واقعی مستحق ہیں ان کو دے دیتے تھے۔۳۔ حکومت نے کچھ آدمی مقرر کئے ہوئے تھے وہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر وصول کر کے پھر غرباء میں تقسیم کرتے تھے ان کو حضرت ابن عمر دے دیا کرتے تھے یہی معنیٰ خود امام بخاری بیان فرما رہے ہیں ان لفظوں کے ساتھ کانو ایعطون لیجمع لا للفقراء۔

باب صدقة الفطر على الصغير و الكبير

غرض یہ ہے کہ صدقہ فطر صغیر اور کبیر دونوں پر ہے لیکن کبیر خود ادا کرے گا اور صغیر کی طرف سے اس کی ولی ادا کرے گا۔ البتہ زکوٰۃ صغیر پر نہیں ہے۔ فقہاء کے نزدیک صدقہ فطر بھی صغیر پر واجب نہیں صغیر کے والد پر ہے جبکہ وہ غنی ہو منشاء اختلاف زیر بحث روایت ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقۃ

الفطر صاعاً من شعیر او صاعاً من تمر علی الصغیر والکبیر امام بخاری کے نزدیک یہ روایت اپنے ظاہر پر ہے اور فقہاء کے نزدیک علیٰ جو وجوب کے لئے ہے اس کا اصل ذکر کبیر کے لئے ہے اور صغیر کا ذکر تبعاً ہے۔ ترجیح فقہاء کے قول کو ہے کیونکہ صغیر تو مکلف ہی نہیں ہے۔

کتابُ الحج

ای کتاب فی بیان احکام الحج غرض حج کے احکام بتلانا ہے بعض نسخوں میں یہاں کتاب المناسک ہے۔ ربط۔۱۔ بُنی الا سلام علی خمس والی حدیث میں چونکہ حج کا ذکر صوم سے پہلے ہے اس لئے امام بخاری نے حج کو صوم سے پہلے ذکر فرمایا۔۲۔ جب نماز اور زکوٰۃ سے فارغ ہوئے تو گویا صرف بدنی اور صرف مالی عبادت سے فارغ ہوئے تو اب مناسب ہوا کہ ایسی عبادت ذکر فرمائیں جو بدنی اور مالی سے مرکب ہو اور وہ حج ہے

باب وجوب الحج و فضله

غرض حج کی فرضیت اور حج کی فضیلت کا بیان ہے۔ **وقول اللہ تعالیٰ وللہ علی الناس حج البیت الایۃ**:۔ اس آیت مبارکہ کو یہاں نقل فرما کر جمہور کے قول کی تائید کر دی کہ حج کی فرضیت اسی آیت سے ثابت ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس آیت سے فرضیت ثابت ہوتی ہے **واتموا الحج والعمرۃ للہ** لیکن پہلا قول راجح ہے کیونکہ اتمام کے اصلی معنیٰ ہوتے ہیں شروع کر کے پورا کرنا یعنی اگر حج اور عمرہ شروع کر لیا ہو تو ان کو پورا کرو۔

باب قول اللہ تعالیٰ یا توک رجالا وعلی کل ضامر الایة

غرض۔۱۔ راحلہ وجوب حج کے لئے شرط نہیں ہے۔۲۔ سوار ہونا اور پیدل چلنا دونوں جواز میں برابر ہیں اور وجوب کے لئے راحلہ شرط ہے پھر افضل کیا ہے اس میں دو قول ہیں۔۱۔ افضل سوار ہونا ہی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہو کر حج ادا فرمایا ہے۲۔ افضل پیدل ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں رجالاً کو پہلے ذکر فرمایا ہے اور **وعلیٰ کل ضامر** کو بعد میں ذکر فرمایا ہے اور دوسری دلیل پیدل کے افضل ہونے کی یہ ہے کہ بہت سے نبیوں اور اولیاء اللہ نے پیدل حج ادا فرمایا ہے جیسا کہ پیدل حج کرنے والوں میں عینی میں حضرت آدم علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت حسن بن علی حضرت ابن جریج اور حضرت سفیان ثوری کو ذکر کیا گیا ہے۔

باب الحج علی الرحل

غرض میں دو تقریریں ہیں۔۱۔ یہ بیان کرنا ہے کہ اولی رحل پر سوار ہونا ہے یعنی اونٹ پر زین ڈال کر ایسے سوار ہونا جیسے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس طرح سوار ہونا بھی جائز ہے کہ لکڑی کا پالان ڈال کر دو حصے کئے جائیں ایک طرف ایک آدمی بیٹھے یا سوئے اور دوسری طرف دوسرا آدمی بیٹھے یا سوئے۔۲۔ حج کے سفر میں زینت نہ ہونی چاہئے جیسا کہ پہلی تعلیق میں ہے کہ حضرت عائشہ نے قتب پر بیٹھ کر عمرہ ادا فرمایا اور قتب چھوٹا سا رحل ہوتا ہے جو صرف اونٹ کے کوہان کے برابر ہوتا ہے۔ **ولم یکن شحیحا**:۔ شحیح کے معنیٰ بخیل مع الحرص کے ہیں مقصد یہ ہے کہ حضرت انس بخیل نہ تھے پھر ہودج کی جگہ رحل کیوں اختیار فرمایا ہودج پالان ہوتا ہے جس پر دو آدمی بیک وقت سوار ہوتے ہیں دونوں بیٹھیں یا دونوں لیٹ جائیں ایک دائیں طرف ایک بائیں طرف۔ پھر حضرت انس نے ایسا کیوں کیا۔۱۔ تواضعاً ۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرماتے ہوئے۔ **وکانت زاملة**:۔ زاملہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس پر صرف سامان لادا جاتا ہے مقصد یہ ہے کہ ایک ہی اونٹنی تھی وہی سواری بھی تھی اور وہی سامان اٹھانے والی بھی تھی۔ **فاحقبہا**:۔ اردفہا اپنی اونٹنی پر پیچھے بٹھایا۔ **باب فضل الحج المبرور**:۔ غرض حج مبرور کی فضیلت کا بیان ہے پھر حج مبرور کا مصداق کونسا حج ہے مختلف اقوال ہیں۔۱۔ حج مقبول عند اللہ تعالیٰ ۲۔ جس میں حاجی نے کوئی گناہ نہ کیا ہو ۳۔ محظورات احرام میں سے کسی چیز کا ارتکاب نہ کیا ہو ۴۔ جب حج کر کے آئے تو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق اس میں بھرا ہوا ہو ۵۔ واپس آنے کا دینی حال جانے کے دینی حال سے

بہتر ہو۲- حج کے بعد معاصی کی طرف نہ لوٹے۔

باب فرض مواقیت الحج والعمرة

غرض حج اور عمرہ کے لئے مواقیت کا بیان ہے۔ وسرادق:۔ قنات یعنی کپڑے کی دیوار مقصداپنے گھروالوں کا پردہ تھا فخر نہ تھا

باب قول الله تعالیٰ و تزودوا فان خیر الزاد التقویٰ

غرض اور ربط۔ ۱- پیچھے میقات کا بیان تھا اب یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جو شخص بھی میقات سے احرام باندھے اس کے پاس زاد ہونا چاہئے تا کہ سکون سے حج اور عمرہ کر سکے۔ ۲- زاد توکل کے خلاف نہیں ہے، پھر حق تعالیٰ نے زاد لیجانے کے حکم کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے آخرت کی ترغیب بھی ذکر فرمائی فان خیر الزاد التقویٰ کہ بہتر زاد عمل صالح ہے مراد آخرت کا توشہ ہے فتبارک الله ارحم الراحمین۔ **فاذا قدموا المدینة**:۔ اور ایک روایت میں یہاں مکۃ ہے یہ زیادہ اچھی ہے کیونکہ لفظ مدینہ سے مراد بھی مکہ مکرمہ ہی ہے۔

باب مهل اهل مكة للحج والعمرة

غرض اہل مکہ کے لئے وہ جگہیں بتلانی ہیں جہاں سے وہ احرام باندھیں اور یہ بات گذشتہ میقات والے باب کی تفصیل ہے اسی طرح آئندہ چند باب بھی اُسی میقات والے باب کی تفصیل کے طور پر آئیں گے۔

باب میقات اهل المدینة ولا یهلّون قبل ذی الحلیفة

غرض اہلِ مدینہ کی میقات کا بیان ہے اور یہ بھی تفصیل ہے میقات والے باب کی اور ساتھ ساتھ امام بخاری جمہور کے خلاف اپنی رائے ظاہر فرما رہے ہیں کہ میقات سے پہلے اہل مدینہ کے لئے احرام باندھنا منع ہے ایسے ہی باقی علاقوں سے آنے والوں کے لئے بھی میقات سے پہلے احرام باندھنا منع ہے جمہور کے نزدیک میقات سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے ہماری جمہور کی دلیل مستدرک حاکم کی روایت ہے حضرت علی سے کہ واتموا الحج والعمرة لله کی تفسیر میں فرماتے ہیں اَن تحرم مَن دویرة اهلک امام بخاری کی دلیل حدیث الباب عن ابن عمر مرفوعاً یهل اهل المدینة من ذی الحلیفة جواب یہ بیان جواز ہے۔

باب مُهَلّ اهل الشام

غرض میقات والے باب کی تفصیل بیان کرنا ہے۔

باب مهل اهل نجد

غرض میقات والے باب کی تفصیل بیان کرنا ہے۔

باب مهل من کان دون المواقیت

غرض ان لوگوں کی احرام باندھنے کی جگہ کا بیان ہے جو میقات کے اندر رہتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے احرام باندھیں

باب مهل اهل الیمن

غرض میقات والے باب کی تفصیل بیان کرنا ہے۔

باب ذات عرق لاهل العراق

غرض میقات والے باب کی تفصیل بیان کرنا ہے۔ پھر اس میں دو قول ہیں کہ اہل عراق کے لئے ذات کا میقات مقرر ہونا حضرت عمرؓ کا اجتہاد ہے یا یہ مرفوعاً ثابت ہے۔ راجح یہی قول ہے کہ یہ مرفوعاً ثابت ہے اور حضرت عمرؓ نے اجتہاد اس لئے فرمایا تھا کہ ان کو اس کا مرفوعاً ثابت ہونا معلوم نہ تھا اور یہ بھی اُن مسائل میں داخل ہے جن میں حضرت عمرؓ کی رائے وحی کے موافق ہوئی اِس قول کی تائید ابو داؤد کی روایت سے ہوتی ہے جو عن عائشة مرفوعاً وارد ہے وَقّتَ لاهل العراق ذات عرقٍ اور اس پر امام ابو داؤد نے سکوت فرمایا ہے۔ سوال۔ فی ابی داؤد والترمذی ومسند احمد عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم وقت لاهل المشرق العقیق۔ جواب۔ ۱- عقیق اور ذات عرق ایک دوسرے کی سیدھ اور محاذاۃ میں ہیں اس لئے یہ کوئی تعارض نہیں ہے۔ ۲- طحاوی میں

ہے عن انس مرفوعاً وَقَّتَ لاھل بصرۃ ذات عرق ولاھل المدائن العقیق انتہیٰ اس سے معلوم ہے کہ بعض اہل عراق کے لئے ذات عرق ہے اور بعض اہل عراق کے لئے عقیق ہے۔

باب الصلوٰۃ بذی الحلیفۃ

غرض یہ ہے کہ ذی الحلیفۃ میں نماز پڑھنا مستحسن ہے۔ کیونکہ وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے

؎ من مذھبی حب الدیار لا ھلھا
وللناس فیما یعشقون مذاھب

باب خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی طریق الشجرۃ

غرض یہ ہے کہ شجرہ کے راستہ سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانا مستحسن ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی راستہ سے تشریف لے گئے ہیں اور شجرہ مشہور جگہ ہے جو مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر مکہ مکرمہ کے راستہ پر واقع ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم العقیق وادٍ مبارک

غرض یہ ہے کہ وادی عقیق میں نوافل مستحب ہیں۔ **وقل عمرۃً فی حجۃ**:۔ ان الفاظ سے صراحۃ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے اور حنفیہ کا مسلک راجح ہے تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ **باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب**:۔ غرض یہ بیان کرنا ہے کہ خلوق جو کہ مرکب ہوتی ہے۔ زعفران سے اس کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے۔

باب الطیب عند الاحرام وما یلبس اذا اراد ان یحرم ویترجل ویدھن

غرض یہ ہے کہ احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا اور تیل لگانا اور کنگھی کرنا مستحب ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ امام مالک کے نزدیک احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا منع ہے۔ ولنا. حدیث الباب عن عائشۃ قالت کانی انظرُ الی وبیص الطیب فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم ولمالک۔ا۔ جب محرم کو خوشبو لگانے سے منع کیا گیا ہے تو احرام باندھتے وقت بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کا اثر بعد میں بھی رہتا ہے جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔۲۔ امام مالک کی دوسری دلیل گذشتہ باب کی روایت عن صفوان بن یعلیٰ مرفوعاً اغسل الطیب الذی بک ثلث مرات الحدیث جواب اس میں خلوق کو دھونے کا حکم ہے کیونکہ وہ مردوں کے لئے منع ہے احرام میں بھی اور پہلے بھی اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ **لیشم المحرم الریحان**:۔ عندامامنا و مالک مکروہ ہے، وعند الشافعی حرام ہے اور امام احمد نے توقف فرمایا ہے منشاء اختلاف بیہقی کی روایت ہے بسند صحیح عن ابن عمر موقوفاً انہ کان یکرہ شم الریحان للمحرم امام شافعی کے نزدیک یہ حرمت پر اور عندامامنا ابی حنیفۃ و مالک کراہت پر محمول ہے امام احمد کے نزدیک چونکہ اس میں دونوں احتمال ہیں کہ شاید بدن پر استعمال کرنے کے بعد سونگھنے سے ممانعت ہو یا صرف سونگھنے سے ممانعت ہو اس لئے توقف اختیار فرمایا ترجیح حنفیہ اور مالکیہ کے قول کو ہے کیونکہ ایسے موقعہ میں محرِم کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور چونکہ دلیل ظنی ہے اس لئے مکروہ کہیں گے۔ حرام نہ کہیں گے محرم کو مبیح پر ترجیح دینا بھی احتیاط پر مبنی ہے پھر حرام کی جگہ مکروہ کہنا بھی احتیاط پر مبنی ہے۔ ہم دو احتیاطوں پر عمل کرتے ہیں۔ **ولم تر عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بالتبان باسا للذین یرحلون ھودجھا**:۔ یہ حضرت عائشہ کا اپنا اجتہاد ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک محرم کے لئے تبان یعنی جانگیا بھی سلوار کی طرح ناجائز ہے اور یہ سلوار کی طرح مخیط میں داخل ہے سلوار کی ٹانگیں بڑی ہوتی ہیں اس کی چھوٹی ہوتی ہیں ولنا روایات جن میں سلوار کے پہننے کی صریح ممانعت ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں آگے دو باب چھوڑ کر روایت آرہی ہے عن ابن عمر مرفوعاً لا یلبس القمص ولا العمائم ولا السراویلات الحدیث

ولعائشۃ۔ ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہے۔ جواب ضرورت تو ازار پرسی باندھنے سے بھی پوری ہو جاتی ہے اس لئے تبان اور جانگیے کی ضرورت نہیں جس کو نیکر یا انڈرویر کہتے ہیں۔ نیکر تو ویسے بھی نوکروں کا لباس ہے۔ نہ نیکر پہننا اچھا نہ پینٹ پہننا اچھا۔ پینٹ میں ستر عورت پورا نہیں ہوتا۔

باب من اھلَّ ملبّداً

غرض یہ کہ تلبید کر کے احرام باندھنا جائز ہے تا کہ جوئیں نہ پڑیں اور بال منتشر نہ ہوں بلکہ اگر عبادت اچھی ادا ہونے کی نیت سے احرام سے پہلے تلبید کرے تو عبادت میں داخل ہو جائے گی کیونکہ عبادت کی تیاری بھی عبادت ہے۔

باب الا ھلال عند مسجد ذی الحلیفۃ

غرض یہ ہے کہ اس مسجد کے پاس سے احرام باندھنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے باندھا تھا۔

باب مالا یلبس المحرم من الثیاب

غرض ان کپڑوں کا بیان جن کا پہننا محرم کے لئے منع ہے۔

باب الر کوب والا رتداف فی الحج

غرض یہ ہے کہ سوار ہونا اور سوار کے پیچھے بیٹھنا حج میں جائز ہے۔

باب ما یلبس المحرم من الثیاب والا ردیۃ والا زار

غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے اُس لباس کا ذکر تھا جو محرم کے لئے منع ہے اور جب اس سے فارغ ہوئے تو اب امام بخاری وہ لباس بیان فرمانا چاہتے ہیں جس کا پہننا محرم کے لئے جائز ہے۔

لبست عائشۃ رضی اللہ عنھا الثیاب المعصفرۃ وھی محرمۃ

عندامامنا ابی حنیفۃ عصفور سے رنگا ہوا لباس احرام میں عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے وعندالجمھور جائز ہے منشاء اختلاف یہ ہے کہ ایسا لباس خوشبو لگانے میں داخل ہے یا نہ ہمارے امام صاحب کے نزدیک داخل ہے۔ اور جمہور کے نزدیک داخل نہیں ہے ترجیح ہمارے قول کو ہے احتیاط کی وجہ سے۔ **ولاتلثم**:۔ یہ لفظ لثام سے لیا گیا ہے اس کے معنیٰ ہیں وہ پردہ اور نقاب جس سے لبوں کو ڈھانپا جاتا ہے۔

تردع علی الجلد

ردع کے معنیٰ چمٹانے کے ہونے ہوتے ہیں یعنی ایسی خوشبو والا کپڑا منع ہے جس کا جسم بدن سے چمٹتا ہو۔

باب من بات بذی الحلیفۃ

غرض دو تقریریں ہیں۔ا۔ یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ میقات پر رات گذارنا جائز ہے یہ نہ سمجھیں گے کہ وہ ایسے آدمی کی طرح ہے جو میقات سے بلا احرام باندھے گذر جائے۔۲۔ اپنے شہر کے قریب رات گذارنی جائز ہے تا کہ اگر کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آجائے تو وہ آسانی سے جا کر لے آئے دونوں تقریروں پر یہ رات گذارنا سنن مقصودہ اور سنن ھدیٰ میں سے نہیں ہے البتہ عشاق کے لئے اتباع کا سامان ہے اور تبرک کا مقام ہے۔ جیسے حضرت ابن عمر کی عادت مبارکہ تھی۔

باب رفع الصوت بالا ھلال

غرض یہ کہ تلبیہ کہتے وقت آواز بلند کرنا مستحب ہے۔ **یصرخون بھما جمیعا**:۔ بھما سے مراد حج اور عمرہ ہیں۔

باب التلبیۃ

غرض۔ا۔ تلبیہ کہنے کا طریقہ۔۲۔ تلبیہ کا حکم کیا ہے۔ پھر حکم تلبیہ میں اختلاف ہے عندامامنا ابی حنیفۃ ومالک تلبیہ کہنا واجب ہے وعندالشافعی واحمد سنت ہے منشاء اختلاف یہ ہے کہ احادیث میں تلبیہ کا امر تو موجود ہے عند ابی حنیفہ ومالک یہ امر وجوب کے لئے ہے اور امام شافعی واحمد کے نزدیک سنّت کے لئے ہے ہمارے قول کے راجح ہونے کی وجہ۔ا۔ اصل امر میں وجوب ہے۔۲۔ سلف صالحین سے ایسا احرام منقول نہیں ہے جس میں نہ تلبیہ ہو نہ تلبیہ کے قائم مقام کوئی چیز ہو۔ **دوسرا اختلاف**:۔ عند مالک جانور کے گلے میں ہار ڈالنا تلبیہ کے قائم نہیں ہے۔ جمہور

کے نزدیک تقلید تلبیہ کے قائم مقام ہے وللجمہور ما نقل مرفوعاً فی تحفۃ القاری بلا ذکر الراوی من قلد بدنہ فقد احرم ولمالک جب تلبیہ واجب ہے تو اداء کرنا ہوگا یا پھر قضاء ہوگی اس کے بغیر ساقط نہ ہوگا جواب نص کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کر سکتے۔

باب التحمید والتسبیح والتکبیر قبل الاهلال عند الرکوب علی الدابة

غرض میں دو تقریریں ہیں۔۱۔ احرام باندھ کر تسبیح اور تحمید اور تکبیر کی ممانعت نہیں ہے۔۲۔ رد کرنا مقصود ہے امام ابوحنیفہ کے قول کا کہ تسبیح تلبیہ کے قائم مقام ہو جاتی ہے جواب۔ امام ابوحنیفہ سے صرف یہ منقول ہے کہ تلبیہ پر تسبیح وتحمید کی زیادتی ہو سکتی ہے یہ منقول نہیں ہے کہ تلبیہ کی جگہ تسبیح وتحمید ہو سکتی ہے۔ ثم اهل بحج وعمرۃ:۔ اس حدیث سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قارن ہونا ثابت ہوتا ہے اور حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن ہی افضل ہے تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب من اهل حین استوت به راحلة

غرض یہ ہے کہ سواری پر سوار ہوتے وقت تلبیہ کہنا مستحب ہے۔ امام بخاری نے گو تصریح نہیں کی لیکن ان کے طرز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک راجح جمہور کا قول ہے کہ تلبیہ کی ابتداء میں افضل یہ ہے کہ سواری پر سوار ہوتے وقت ہو اس کے برخلاف ہمارے امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ افضل یہ ہے کہ احرام کی دو رکعت پڑھ کر فوراً تلبیہ کہے ولنا روایۃ ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً فلما صلّی فی مسجد بذی الحلیفۃ رکعتیہ اوجب فی مجلسہ وللجمہور۔۱۔ فی ابی داؤد عن انس مرفوعاً فلما رکب راحلتہ واستوت بہ اہل۔۳۔ حدیث الباب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال اہل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین استوت بہ راحلتہ قائمۃً جواب دونوں دلیلوں کا یہ ہے کہ یہ دونوں دلیلیں ہمارے خلاف نہیں ہیں کیونکہ جب احرام نماز کے فوراً بعد شروع ہو گیا تو پھر احرام والا بار بار تلبیہ پڑھتا ہے گویا ہماری روایت مثبت زیادۃ ہے ہم سواری پر سوار ہونے سے پہلے بھی تلبیہ ثابت کرتے ہیں اور جمہور نفی کرتے ہیں اور ایسے موقعہ میں مثبت زیادۃ کو ہی ترجیح ہوتی ہے اور یہی بات حضرت ابن عباسؓ نے تفصیل سے بیان فرمائی اجو ابوداؤد میں ہماری مذکورہ روایت میں ہے۔

باب الاهلال مستقبل القبلة

غرض یہ ہے کہ قبلہ رخ ہو کر تلبیہ پڑھنا مستحب ہے۔

باب التلبیة اذا انحدر فی الوادی

غرض۔۱۔ جب کسی وادی میں اترے تو اس وقت بھی محرم کے لئے مستحب ہے کہ وہ تلبیہ کہے۔۲۔ جیسے بلندی پر چڑھتے وقت تلبیہ پڑھنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے ایسے ہی پستی میں اترتے وقت تلبیہ پڑھنا یہ بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ احرام کی حالت میں کسی وادی میں تلبیہ کہتے ہوئے اُترے ہیں اس کی صورت کیا تھی اِس کی مختلف توجیہات ہیں۔۱۔ موسیٰ علیہ السلام کی روح مبارک کو جسم مثالی دیا گیا تھا اُس جسم کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔۳۔ اکیلی روح مبارک تھی جو جسم کی صورت میں ظاہر ہوئی۔۴۔ خواب میں یہ واقعہ دکھایا گیا۔۵۔ بیداری ہی میں کشف ایسا ہی ہوتا ہے جیسے آج کل فلم بنائی جاتی اور دکھائی جاتی ہے۔ گویا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا واقعہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔

اما موسی کانی انظر الیه اذا انحدر فی الوادی یلبی

اِس عبارت کی معنوی تحقیق تو ہو چکی اب ایک لفظی تحقیق ذکر کی جاتی ہے کہ لفظ کانی لفظ اما کی جزاء ہے اور کانی سے فاء محذوف ہے اس لحاظ سے اس حدیث پاک سے ان نحوی حضرات کی تردید ہو گئی جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اما کی جزاء سے فاء کا حذف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام قرآن پاک کے بعد فصیح ترین اور بلیغ ترین کلام ہے۔ حدیث پاک کی دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ کسی روای نے فاء کو حذف کیا ہے۔

باب كيف تهلّ الحائض والنفساء

غرض حائضہ اور نفساء کے احرام باندھنے کا طریقہ بتلانا ہے اور اشارۃً یہ مسئلہ بھی بتلارہے ہیں کہ یہ دونوں عورتیں باقی تو سب کام کریں گی صرف طواف اور سعی نہ کریں گی کیونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور یہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتیں اور سعی طواف پر متفرع ہے۔ **واهلى بالحج ودعى العمرة**:۔ اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ متمتعہ تھیں اور تردید ہوگئی امام بیہقی کے قول کی کیونکہ انہوں نے قارنہ قرار دیا ہے۔

باب من اهل فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم كا هلال النبى صلى الله عليه وسلم

غرض یہ کہ احرام باندھتے وقت صرف یہ نیت کر لینا کہ میں ایسا ہی احرام باندھتا ہوں جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحیح تھا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ **وذكر قول سراقة**:۔اس سے مراد وہ قول ہے جو آگے بخاری شریف میں باب عمرۃ التنعیم میں آئے گا ان سراقة لقى النبى صلى الله عليه وسلم بالعقبة وهو يرميها فقال الكم هذه خاصة يارسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا بل لابدالابد **ان ناخذ بكتاب الله فانه يا مرنا بالتمام** حضرت عمرؓ کے اس قول کا مقصد کیا تھا مختلف قول ہیں ۱۔ فسخ الحج بالعمرہ سے منع فرمانا جیسا کہ مسلم میں ہے کہ فسخ کرنے والے کو مارا کرتے تھے۔ ۲۔ متعہ سے منع فرماتے تھے تنزیہاً اور **واتموا الحج والعمرة** کے معنیٰ کرتے تھے کہ ہر ایک کے لئے الگ سفر ہوتا کہ خانہ کعبہ سارا سال آباد رہے۔ اور پہلے قول پر آیت کے معنیٰ یہ ہوئے کہ حج کا احرام باندھو تو اُسی کو پورا کرو اور عمرہ سے فسخ نہ کرو کہ درمیان میں حج کی جگہ عمرہ کی نیت کرلو۔ ۳۔ کبھی فسخ سے منع کرنا ہوتا تھا کبھی متعہ اصطلاحیہ سے تنزیہاً اور کبھی قرآن اور متعہ دونوں سے منع کرنا ہوتا تھا تنزیہاً کہ دوسفر الگ الگ ہوں۔

باب قول الله تعالىٰ الحج اشهر معلومات

غرض یہ ہے کہ اشہر حج سے پہلے احرام نہ باندھو کیونکہ یہ میقات زمانی ہے اور یہ صرف امام بخاری کا اجتہاد ہے جمہور کے نزدیک ممانعت نہیں ہے بلکہ جتنا جلدی باندھے گا عبادت کا ثواب زیادہ ہوگا۔ **ذکرہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان یحرم من خراسان او کرمان**:۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں عن الحسن اور تاریخ مرو لاحمد بن سیار میں ہے عن داؤد بن ابی ھند لما فتح عبداللہ بن عامر خراسان قال لاجعلن شکری اللہ ان اخرج من موضعی ھذا محرما فاحرم من نیسابور فلما قدم علی عثمان لامہ علی ما صنع۔ جواب۔ یہ منع فرمانا اور ملامت فرمانا صرف شفقۃً تھا تحریماً نہ تھا اس لئے امام بخاری کا اِس سے استنباط فرمانا کہ جیسے میقات مکانی سے پہلے احرام سے حضرت عثمان نے منع فرمایا ایسے ہی میقات زمانی سے پہلے احرام باندھنا بھی منع ہے۔ یہ استنباط صحیح نہیں ہے دلیل جمہور کی مستدرک حاکم کی روایت ہے عن علی فی تفسیر قولہ تعالیٰ **واتموا الحج والعمرة لله ان تحرم من دويرة اهلک**۔ **فلم یقدروا علی العمرۃ**:۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ ہدی کی وجہ سے اگر مفرد بالحج تھے تو فسخ الحج بالعمرہ کی اجازت نہ تھی اور اگر متمتع یا قارن تھے تو ایسا عمرہ نہ کرسکتے تھے جس کے بعد حلال ہوسکیں کیونکہ ہدی والوں کو درمیان میں حلال ہونے کی شرعاً اجازت نہ تھی۔ **یاھنتاہ**:۔ ۱۔ یاھذہ نہ مدح ہے نہ ذم ہے۔ ۲۔ یابلھاء ای بھولی بھالی مدح بھی ہوسکتی ہے کہ لوگوں کے مکر و شر سے ناواقف اور ذم بھی ہوسکتی ہے کہ ناتجربہ کار ہو اس لفظ کی اصل ھَن بروزن اَخ ہے یہ کنایہ ہوتا ہے اُس چیز سے جس کو تم نام کے ساتھ ذکر نہ کرنا چاہو۔ پھر تاء تانیث کے لئے ہے اور الف اور ھاء نداء کے لئے ہے۔

باب التمتع والا قران والا فراد بالحج و فسخ الحج لمن لم يكن معه هدى

غرض حج کی تین قسموں کا جواز بیان فرمانا ہے تمتع۔ قِران۔ افراد اور اختلافِ اقوال بیان فرمانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان تین اقسام میں سے کونسی حجۃ الوداع میں عملاً اختیار فرمائی تھی اس کے بعد اسی ترجمۃ الباب کا جو دوسرا حصہ ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ ۱۔ فسخ کے لفظ سے پہلے مشروعیۃ کا لفظ محذوف ہے اور مقصد امام احمد کا قول اختیار کرنا ہے کہ یہ فسخ جائز ہے۔ ۲۔ صرف اختلاف کی طرف اشارہ فرمانا مقصود ہے جواز کو ترجیح دینا مقصود نہیں اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔ لفظ حکم۔ **پہلا اختلاف:۔** عندامامنا ابی حنیفۃ حج کے تین طریقوں میں سے سب سے افضل قِران ہے کہ عمرہ اور حج کا اکٹھا احرام باندھا جائے وعند احمد واشھر روایۃ مالک تمتع افضل ہے کہ اشھر حج میں پہلے عمرہ کیا جائے پھر فارغ ہو کر حج کا احرام باندھا جائے وفی روایۃ مالک ومسلک الشافعی افراد افضل ہے..... منشاء اختلاف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک ہے حجۃ الوداع میں۔ روایات تینوں قسم کی ہیں۔

بخاری شریف میں پیچھے دو روایتیں قِران کی گذر چکی ہیں اس کے علاوہ ابوداؤد میں عن انس مرفوعاً یلبی بالحج والعمرۃ جمیعاً اس سے بھی قِران ثابت ہوا اور افراد کی روایت ابوداؤد میں ہے عن عائشۃ مرفوعاً افراد الحج اور تمتع کی روایت ابوداؤد میں ہے عن ابن عمر تمتع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع۔ ترجیح قران کو ہے کیونکہ جو صحابہ کرام قران نقل فرماتے ہیں انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قسم کے تلبیے سنے ہیں۔ حج کا بھی اکیلے عمرے کا بھی اور دونوں کا اکٹھا بھی کیونکہ قارن تینوں قسم کا تلبیہ پڑھتا ہے اور جو صحابی افراد نقل فرما رہے ہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف حج کا تلبیہ سنا ہے کیونکہ مفرد بالحج صرف حج کا نام لیتا ہے اور جن صحابی نے تمتع نقل فرمایا ہے انھوں نے سفر میں صرف عمرہ کا تلبیہ سنا ہے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ سے فارغ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف حج کا تلبیہ سُنا ہے اس لئے قران ذکر فرمانے والے صحابہ کرام مثبتِ زیادت ہیں اس لئے ان کی روایات راجح ہیں۔ **دوسرا اختلاف:۔** عند احمد فسخ الحج بالعمرہ اب بھی جائز ہے وعند الجمہور اب جائز نہیں ہے وللجمہور روایۃ ابی داؤد والنسائی عن بلال بن الحارث قال قلتُ یارسول اللہ فسخ الحج لنا خاصۃ اولمن بعدنا قال بل لکم خاصۃ ولاحمد روایۃ ابی داؤد جو صحیحین میں بھی آتی ہے عن جابر بن عبداللہ ثم قام سراقۃ بن مالک فقال یا رسول اللہ ارایت متعتنا ھذہ لعامنا ھذا ام للابد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل ھی للابد جواب اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ اب اشھر حج میں عمرہ کرنا جائز ہے اور یہ جواز کا حکم ہمیشہ کے لئے ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اشھر حج میں عمرہ کو حرام سمجھنا اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ فسخ الحج بالعمرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ معنیٰ کرنے ضروری ہیں تا کہ روایات میں تعارض لازم نہ آئے۔ حافظ ابن تیمیہ حنبلی اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم حنبلی نے اس مسئلہ میں بہت تشدد اختیار کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان دونوں حضرات نے فسخ الحج بالعمرہ کو واجب قرار دے دیا ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو حج کا احرام باندھ کر جائے گا تو بیت اللہ کو دیکھتے ہی وہ احرام خود بخود ٹوٹ جائے گا اور حافظ ابن القیم نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ حارث والی حدیث یعنی عن الحارث بن بلال بن الحارث عن ابیہ صحیح نہیں ہے جواب اس روایت کو ابوداؤد اور نسائی نے نقل فرمایا ہے اور دونوں حضرات نے اس پر سکوت اختیار فرمایا ہے اور اِن دونوں حضرات ابوداؤد اور نسائی کا سکوت بہت سے محدثین کے نزدیک صحیح ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ بلا دلیل اس کو ضعیف کہہ دینا جائز نہیں **ولا نری الا انہ الحج:۔** اس عبارت کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ ۱۔ ہمارا خیال تھا کہ عمرہ کرنا اِن دنوں میں افجر فجور میں سے ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں مشہور تھا۔ ۲۔ ہمارا اصل مقصود حج تھا اور ہمارا عمرہ کرنا تبعاً تھا۔ ۳۔ ہماری نیت حج کی تھی تجارت کی نہ تھی۔ **فلما قدمنا تطوفنا بالبیت:۔** اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے طواف ادا فرمایا گویا میں نے نہ کیا کیونکہ میں حائضہ تھی۔ اس سے ذوالیدین والی حدیث کے وہی معنیٰ واضح ہو گئے جو حنفیہ لیتے ہیں کہ حضرت

ابوہریرہ ذوالیدین والی حدیث میں فرماتے ہیں صلی بنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی گو میں ان میں داخل نہ تھا کیونکہ میں تو ۷ھ میں مسلمان ہوا اور ذوالیدین والی حدیث کا واقعہ غزوہ بدر سے پہلے کا ہے اور غزوہ بدر ۲ھ میں واقع ہوا۔
فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم :۔سوال یہ امر تو مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد ہے اور بعض روایات میں مقام سرف پر امر مذکور ہے یہ تو تعارض ہوا۔ جواب اصل حکم سرف کے مقام پر فرمایا تھا اب مکہ مکرمہ آ کر اس کی تاکید فرمادی۔ وعثمان ینھی عن المتعۃ :۔ ممانعت کی توجیہ۔۱۔فسخ الحج بالعمرہ سے منع فرماتے تھے۔۲۔متعہ شرعی یعنی حج اور عمرہ کو ایک ہی سفر میں کرنا یہ مراد ہے لیکن اس سے منع فرمانا حضرت عثمان کا تنزیہا تھا۔ وان یجمع بینھما:۔اس سے مراد قران ہے اور قران سے ممانعت بھی تنزیہی تھی کہ ایک سفر سے بہتر دو سفر ہیں عمرہ کے لئے الگ سفر ہو اور حج کے لئے الگ سفر ہوتا کہ سارا سال خانہ کعبہ آباد رہے سوال بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے متعہ سے منع کرنے والے حضرت امیر معاویہ تھے اور یہاں آ گیا کہ اُن سے پہلے حضرت عثمان بھی منع فرما چکے ہیں یہ تو تعارض ہوا۔ جواب حضرت امیر معاویہ نے اس منع فرمانے میں مبالغہ اختیار فرمایا تھا اس لئے منع فرمانا اُن کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ الدَّبَر :۔وہ زخم جو اونٹ کی پشت پر زین وغیرہ باندھنے سے ہو جاتا تھا۔ ایُّ الحِلِّ :۔ای ایُّ الحِلِّ نَحِلُّ۔
قال حِلٌّ کلہ :۔ای لکم کلہ قال ابوعبداللہ ابوشہاب لیس لہ مسند الا ھذا :۔اس کے دو معنیٰ کئے گئے۔۱۔ابوشہاب نے صرف یہی ایک روایت مسنداً نقل فرمائی ہے پھر یہ ابوشہاب ہیں اور ابن شہاب زہری دوسرے ہیں جو مشہور محدث ہیں۔

باب من لبّٰی بالحج وسماہ

غرض۔۱۔افضل یہ ہے کہ تلبیہ میں حج یا عمرہ کا نام بھی زبان سے لے لے۔۲۔بعض جو یہ کہتے ہیں کہ حج یا عمرہ کا زبان سے نام لینا واجب ہے صرف قلبی نیت کافی نہیں ہے ان کا رد کرنا مقصود ہے کہ زبان سے نام لینا صرف افضل ہے واجب نہیں ہے۔۳۔فسخ الحج بالعمرہ اب بھی جائز۔ ہے اسی مسئلہ کی تاکید کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے صرف مسئلہ بیان کیا تھا اب تاکید کرنا چاہتے ہیں۔

باب التمتع علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم

غرض۔۱۔جواز بیان کرنا مقصود ہے تمتع کا اور رد کرنا مقصود ہے اس شخص کا جو تمتع کو مکروہ کہتا ہے۔۲۔پیچھے یہ بیان کر چکے ہیں کہ حج کی تینوں صورتیں جائز ہیں۔ افراد تمتع' قران' اب اِن تینوں میں سے تمتع کو ترجیح دینا چاہتے ہیں کہ تمتع افضل ہے۔ دونوں قولوں میں یہ اشارہ ہے کہ ہمارے اس قول کی تائید آیت مبارکہ سے ہوتی ہے کیونکہ اتموا الحج والعمرہ میں مراد تمتع اصطلاحی ہے اور آیت کے یہ معنیٰ امام بخاری کی رائے ہے۔ دوسرے حضرات نے دوسری تفسیریں بھی بیان فرمائی ہیں۔ پھر اسی روایت میں جو رجل ہے اس کے مصداق میں تین قول ہیں۔۱۔حضرت عمر۔۲۔حضرت عثمان۔۳۔حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان۔

باب تفسیر قول الله تعالیٰ ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام

غرض اِس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان فرمانی ہے۔ اباحہ للناس غیر اھل مکۃ :۔عند امامنا ابی حنیفۃ اہل مکہ کے لئے قران اور تمتع جائز نہیں ہے جمہور کے نزدیک جائز ہے البتہ اہل مکہ پر دمِ تمتع اور دم قران نہیں ہے منشاء اختلاف اِس باب کے ترجمہ والی آیت کی تفسیر ہے ہمارے امام صاحب کے نزدیک یہ معنیٰ ہیں ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام یہ عمرہ اور حج کو ایک سفر میں جمع کرنا صرف اس شخص کے لئے جائز ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں اور جمہور کے نزدیک معنیٰ یہ ہیں کہ قربانی اِس شخص پر واجب ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں ترجیح

حنفیہ کی تفسیر کو ہے دو وجہ سے۔ا۔ زیر بحث روایت میں سید المفسرین سے یہی تفسیر منقول ہے جو حنفیہ لیتے ہیں۔اباحہ للناس غیراہل مکۃ کے یہی معنیٰ ہیں کہ عمرہ اور حج کو ایک ہی سال میں جمع کرنا اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا سب لوگوں کے سوائے اہل مکہ کے۔۲۔ دوسرا مرجح ہمارا یہ ہے کہ **ذلک لمن لم یکن** فرمایا ہے اس میں مَن پر لام داخل فرمایا ہے جو نفع اور جواز کے لئے ہوتا ہے اس سے ہماری تفسیر ہی ثابت ہوتی ہے۔ جمہور کی تفسیر جب راجح ہوتی جبکہ یہاں علیٰ ہوتا جو وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

باب الا غتسال عند دخول مكة

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ دخول مکہ کے لئے غسل مستحب ہے اگر غسل نہ کر سکے تو وضو کر لے اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم بھی صحیح ہے اور غسل اور وضو کے بغیر بھی داخل ہونے میں گناہ نہیں ہے کیونکہ یہ صرف مستحب ہیں۔

باب دخول مكة نهاراً اوليلاً

غرض بظاہر یہ بیان کرنا ہے کہ دخول مکہ کے لئے دن اور رات دونوں کا درجہ برابر ہے چاہئے دن میں داخل ہو چاہے رات میں ثواب برابر ہے لیکن اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ دن میں داخل ہونا افضل ہے۔

باب من اين يدخل مكة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ ثنیہ عُلیا کی طرف سے داخل ہونا افضل ہے وجہ۔ا۔ ثنیۂ عُلیا مشرق کی جانب ہے اور اسی جانب کعبۃ اللہ کا دروازہ ہے اور بادشاہ کے دربار میں چہرے کی جانب سے داخل ہونا چاہئے اور دروازہ چہرے ہی کی طرح ہے اور مکہ مکرمہ سے نکلنا مغرب کی جانب سے چاہئے کیونکہ اس طرف خانہ کعبہ کا دروازہ نہیں ہے گویا اس طرف پشت ہے۔۲۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو حج کے لئے لوگوں کو پکارا تھا تو وہ بھی ثنیہ عُلیا کی طرف سے پکارا تھا اس لحاظ سے بھی مناسب یہی ہے کہ اسی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو۔

باب من اين يخرج من مكة

غرض یہ ہے کہ بہتر ثنیہ سفلی کی طرف سے نکلنا ہے دو وجہیں گذشتہ باب میں گزر چکیں۔

باب فضل مكة وبنيانها

غرض مکہ مکرمہ کی فضیلت اور اس کی تعمیر کا بیان ہے **عن الجدر**:۔ جدار ہی کو ایک لغت کے لحاظ سے جدر بھی کہتے ہیں مراد یہاں حطیم ہے اور بعض نسخوں میں یہاں الحجر ہے یعنی حطیم۔

باب فضل الحرم

غرض حرم پاک کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب توريث دور مكة وبيعها وشرائها وان الناس فى المسجد الحرام سواء خاصة

غرض امام شافعی واحمد کے قول کی تائید ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمین و مکان کی بیع جائز ہے اور مساوات صرف مسجد حرام میں ہے مکہ مکرمہ کے مکانات میں مساوات نہیں ہے وعندامامنا ابی حنیفۃ و مالک مکہ مکرمہ کی زمین کی بیع جائز نہیں ہے عمارت کی بیع اور کرایہ پر دینا جائز ہے منشاء اختلاف فتح مکہ کی صورت ہے ہماری تحقیق یہ ہے کہ فتح مکہ عنوۃ ہوئی ہے اور فتح کے بعد مکہ مکرمہ کی زمین تقسیم نہیں کی گئی بلکہ وقف کردی گئی اور وقف کی بیع جائز نہیں ہے اور امام شافعی واحمد کے نزدیک صلحاً فتح ہوئی ہے اور جو مالک پہلے تھے ان کو ہی برقرار رکھا گیا ہے اس لئے وہ اور ان کے وارث اپنی زمین کو بیچ سکتے ہیں ترجیح حنفیہ اور مالکیہ کے قول کو ہے وجہ۔ا۔ اولاً فتح غلبہ سے ہوئی پھر نرمی کے طور پر معاملہ صلح کا کیا گیا اس طرح دونوں قسم کی روایات جمع ہو جاتی ہیں اور مدار ابتداء پر ہوتا ہے۔۲۔ جہاں ممانعت بیع کا ذکر ہے وہاں زمین کی بیع مراد ہے اور جہاں جواز کا ذکر ہے وہاں عمارت مراد ہے اس لئے ہم ہر قسم کی روایات کو جمع کرتے ہیں۔

باب نزول النبى صلى الله عليه وسلم مكة

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ وادی محصب میں اترنا مستحب ہے وجہ۔ ا۔ شکر کا اظہار کہ جس جگہ کفار قریش نے بنی ہاشم کو بند کر دیا تھا وہاں

اب اسلام کا غلبہ پایا گیا۔ ۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔ ۳- حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا اتباع اس کے خلاف جو حضرت ابن عباس سے منقول ہے لیس التحصب بشئی اس کے معنی یہ ہیں کہ محصب میں رات گزارنا مناسک حج میں داخل نہیں ہے۔ حیث تقاسموا علی الکفر:۔ نبوت کے ساتویں سال جب حضرت جعفر اور ان کے ساتھی حبشہ تشریف لے گئے اور نجاشی نے ان کی بہت عزت کی تو قریش کے کفار کو بہت صدمہ پہنچا انہوں نے بنی کنانہ سے معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا کہ بنی ہاشم سے نکاح اور خرید وفروخت بند ہے جب تک کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ نہیں کرتے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا جائے منصور بن عکرمہ نے یہ معاہدہ لکھا اور اس کا ہاتھ بعد میں شل ہو گیا۔ بنو مطلب بنی ہاشم کے ساتھ مل گئے اور ابولہب نکل کر کفار قریش سے جاملا۔ غلہ اور قافلہ بھی بنی ہاشم پر بند کر دیا۔ صرف موسم حج میں باہر نکلتے تھے تین سال بہت مشقت اٹھائی پھر دسویں سال نبوت سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع فرمائی کہ ان کے معاہدہ والے کاغذ کو کیڑے نے کھالیا ہے صرف وہ حصہ چھوڑا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا نام تھا باقی ظلم وستم کی باتوں کو کیڑے نے کھالیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات خواجہ ابوطالب کو بتلائی انہوں نے کفار قریش کو بتلائی اور کہا کہ اگر میرا بھتیجا سچا ہے تو اپنی بری رائے کو چھوڑ دو اور اگر جھوٹا ہے تو میں اس کو تمہارے سپرد کر دونگا پھر چاہو تو قتل کرو اور چاہو تو زندہ رکھو انہوں نے کہا کہ آپ نے پورا انصاف کیا ہے دیکھا تو وہ کاغذ واقعی کھایا ہوا تھا تو یہ قطع تعلق ختم ہو گئی۔ قال ابوعبداللہ بنی المطلب اشبہ:۔ وجہ یہ ہے کہ عبدالمطلب تو ہاشم کے بیٹے ہیں اس لئے بنی ہاشم میں بنی عبدالمطلب آ گئے البتہ مطلب ہاشم کے بھائی ہیں اور عبد مناف کے یہ دونوں بیٹے ہیں۔ نسب مبارک یوں ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف

باب قول اللہ تعالیٰ واذقال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد امنا الایة

غرض اہل مکہ کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کا ذکر کرنا ہے۔ سوال حدیث ذکر نہ فرمائی۔ جواب شرط پر نہ ملی۔

باب قول اللہ تعالیٰ جعل اللہ الکعبة البیت الحرام قیاماً للناس الایة

غرض سے پہلے قیام کے معنیٰ ذکر کئے جاتے ہیں قیام کے معنی ہیں مایقوم بہ الشئی۔ پھر خانہ کعبہ کو جو قیاماً للناس قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کے بعض اہم معاملات کا مدار بھی خانہ کعبہ پر ہے مثلاً۔ ۱- حج کا ذریعہ ہے۔ ۲- عمرہ کا ذریعہ ہے' ۳- نماز کا قبلہ ہے اور دنیا کے بعض اہم معاملات کا مدار بھی خانہ کعبہ پر ہے مثلاً ۱- امن کا ذریعہ ہے ۲- دنیا کا مبدأ ہے کہ زمین کی سب سے پہلے یہی جگہ بنائی گئی تھی جہاں خانہ کعبہ ہے۔ ۳- جب خانہ کعبہ شہید ہوگا تو دنیا ختم کر دی جائے گی اب غرض ذکر کی جاتی ہے۔ ترجمۃ الباب میں اور احادیث میں چند امور اشارۃً ذکر کئے گئے ہیں وہی امام بخاری کی اغراض ہیں۔ ۱- کعبۃ اللہ کا احترام واجب ہے۔ ۲- دنیا کی ابتداء بھی خانہ کعبہ کی جگہ سے ہوئی اور انتہاء بھی خانہ کعبہ سے ہی ہوگی۔ ۳- یاجوج ماجوج کے ظاہر ہونے کے بعد بھی خانہ کعبہ کا حج ہوتا رہے گا ۴- قرب قیامت تک خانہ کعبہ امن کا ذریعہ بنا رہے گا۔ والاول اکثر یعنی پہلی روایت جس میں حج کا اثبات ہے اس کے راوی زیادہ ہیں اور نفی کے راوی فقط شعبہ ہیں اس لئے اثبات والی روایت راجح ہے۔ امام بخاری کی یہ کلام اس پر مبنی ہے کہ قول شعبہ اور روایت اولیٰ میں تعارض مانا جائے کہ روایت اولیٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کی قریبی نشانیوں کے بعد بھی حج ہوگا اور قول شعبہ سے نہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن راجح یہ ہے کہ دونوں روایتوں کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کی قریبی نشانیوں سے پہلے بھی اور پیچھے بھی حج ہوتا رہے گا جب تک دنیا قائم ہے۔

باب کسوة الکعبة

غرض میں اقوال مختلف ہیں۔ ۱- کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانا جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانہ میں چڑھایا

گیا۔ حضرت علی کے زمانہ میں فتنوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں چڑھایا گیا بعد میں بھی ہر زمانہ میں خلفائے غلاف چڑھایا ہے زیر بحث باب کی حدیث میں حضرت عمر کا غلاف والے کعبہ میں بیٹھنا اور اعتراض نہ فرمانا غلاف کے جواز کی دلیل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غلاف چڑھانے کا ذکر گذشتہ باب کی روایت میں ہے۔ عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها قالت کانوا یصومون عاشوراء قبل ان یفرض رمضان و کان یوماً تستر فیه الکعبة. ۲- دوسرا قول غرض میں یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا جو غلاف اتارا جائے اس کے ٹکڑوں کو لوگوں میں تقسیم کر دینا ایسے ہی جائز ہے جیسے خانہ کعبہ کے مال کو تقسیم کرنا جائز ہے اس تقریر سے روایت کی مناسبت باب کی غرض سے واضح ہوگئی۔ ۳- غرض میں تیسرا قول یہ ہے کہ کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانے کا استحباب بیان فرمانا مقصود ہے کہ جیسے خانہ کعبہ کے خزانہ میں مال ڈالنا تعظیم ہے ایسے ہی غلاف ڈالنا بھی تعظیم ہے اس لئے دونوں مستحب ہیں۔

باب هدم الکعبة

غرض اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں کعبۃ اللہ کو گرا دیا جائے گا۔ **فیخسف بھم** یعنی کافروں کا جو لشکر خانہ کعبہ پر حملہ کرنے آئے گا اس کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور یہ کعبۃ اللہ کی آخری تعظیم ظاہر کی جائے گی۔ **کانی بہ اسود**:۔ بہ کی ضمیر کے مرجع میں تین احتمال ہیں ۱- بیت اللہ اور اس پر قرینہ حالیہ ہے ۲- قالع اور اس پر بھی قرینہ حالیہ ہے۔ ۳- ضمیر مبہم ہے اور اس کی تفسیر بعد میں ہے اسود۔ **افحج**:۔ اس کے معنی۔ ۱- جس کے پاؤں کے اگلے حصے قریب ہوں اور پچھلے حصے دور ہوں ۲- جس کی فخذین یعنی رانیں دور دور ہوں۔ **باب ماذکر فی الحجر الاسود**:۔ حجر اسود کی شان بیان فرمانی مقصود ہے۔ بعض احادیث میں حجر اسود کو یمین اللہ فی الارض قرار دیا گیا ہے اس لئے استلام حجر اسود یہ ایک درجہ میں اللہ تعالیٰ سے مصافحہ اور بیعت ہے۔ اور ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے۔ نزل من الجنۃ اشد بیاضاً من اللبن فسودتہ خطایا بنی آدم۔

لولا انی رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ماقبلتک:۔ اسی مضمون کو لیلیٰ کے مجنوں نے یوں ادا کیا ہے۔

امرُّ علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذا الجدار وذاالجدار
وماحب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا

باب اغلاق البیت و یصلی فی ایّ نواحی البیت شاء

دو مسئلے بیان فرمانے مقصود ہیں:۔ بیت اللہ کو بند کرنا جائز ہے۔ ۲- اس میں نماز جس طرف چاہے منہ کر کے پڑھ لے ٹھیک ہے۔ اس دوسرے مسئلہ کی دلیل اس باب کی حدیث کا وہ طریق ہے جو آئندہ باب میں مذکور ہے۔ **فاغلقوا علیھم** وجہ ۱- تاکہ بھیڑ نہ ہو۔ ۲- تاکہ دخول کعبہ کو مناسک حج میں سے شمار نہ کیا جائے۔

باب الصلوٰۃ فی الکعبة

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ کعبۃ اللہ کے اندر نماز پڑھنی جائز ہے **اختلاف**:۔ عند مالک فرائض کعبہ میں صحیح نہیں وعند الجمہور فرائض و نوافل دونوں صحیح ہیں۔ امام شافعی کا مسلک ہدایہ میں غلطی سے امام مالک کے ساتھ مذکور ہے ولنا حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے۔ عن ابن عمر اخبرہ بلال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی فیہ اور استقبال قبلہ میں غیر راکب کے لئے نفل و فرض برابر ہیں ولمالک استقبال قبلہ کا حکم قرآن پاک سے ثابت ہے اور خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے والا من وجہ استقبال کرتا ہے اور من وجہ استدبار کرتا ہے۔ اس لئے نماز صحیح نہیں ہوگی اور نفلوں میں کچھ نرمی ہے اسی لئے نفل سواری پر بلا استقبال صحیح ہو جاتے ہیں۔ جواب۔ مقصود بعض کعبہ کا استقبال ہے کسی ایک حصہ کا استقبال ہو جائے تو نماز صحیح ہے اور یہ چیز خانہ کعبہ کے اندر حاصل ہے پورے خانہ کعبہ کا استقبال تو ہمارے اختیار سے باہر ہے کیونکہ ہمارا بدن اتنا لمبا اور اتنا چوڑا نہیں ہے کہ خانہ کعبہ پورے کا پورا ہمارے بدن کے سامنے ہو پس جو مقصود ہے وہ حاصل ہے باہر بھی اور اندر

بھی۔یتوخیٰ:۔یتحریٰ حضرت ابن عمر تلاش کرتے تھے۔

باب من لم يدخل الكعبة

غرض اس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے کہ دخول کعبہ مناسک حج میں سے ہے اور اس مقصد کے لئے حضرت ابن عمر کے عمل سے استدلال فرمایا ہے امام بخاری نے کہ وہ باوجود عاشقانہ شان کے اور باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دخول کعبہ اور صلوٰۃ فی الکعبہ نقل کرنے کے کثرت سے حج کرتے تھے اور بیت اللہ میں داخل نہ ہوتے تھے معلوم ہوا کہ دخول کعبہ مناسک حج میں سے نہیں ہے۔

باب من كبر في نواحي الكعبة

غرض یہ ہے کہ برکت حاصل کرنے کے لئے تکبیر کہہ لینا بھی بہت بڑی سعادت ہے تعارض کا جواب پیچھے گزر چکا ہے کہ مثبت زیادت کو ترجیح حاصل ہے۔ **باب کیف کان بدء الرمل**:۔ غرض۔رمل کی ابتداء بیان کرنی ہے کہ کیسے ہوئی تھی۔

باب استلام الحجر الاسود حين يقدم مكة اول مايطوف ويرمل ثلثا

استلام حجر کا مسنون ہونا بیان کرنا مقصود ہے۔

باب الرمل في الحج والعمرة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ رمل حج اور عمرہ میں مسنون ہے رمل یہ ہے کہ طواف کے تین چکروں میں چادر دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر دونوں کنارے ڈال دینا اور تین چکر بھاگ کر اور پہلوانوں کی طرح اکڑ اکڑ کر لگانا اور رمل کے مسنون ہونے پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے صرف ابن عباس کا قول منقول ہے کہ سنت نہیں ہے مرضی ہے کرے مرضی ہے نہ کرے۔ منشاء اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک ہے کہ آپ نے جو رمل فرمایا یہ جواز کے درجہ میں تھا یا سنیت کے درجہ میں تھا حضرت ابن عباس کے نزدیک جواز کے درجہ میں تھا اور جمہور کے نزدیک سنت کے درجہ میں تھا ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں اصل اسوہ حسنہ ہونا ہی ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

باب استلام الركن بالمحجن

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ عذر کے موقعہ میں اگر حجر اسود تک ہاتھ نہ پہنچے تو چھڑی اور شاخ حجر اسود کو لگا کر اس شاخ کو چوم لیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ یستلم الرکن بمحجن:۔ اور مسلم شریف میں اس کے بعد یہ بھی ہے ویقبل المحجن۔

باب من لم يستلم الاالركنين اليمانيين

تقدیر عبادت یہ ہے کہ خبر محذوف ہے فلہ اصل من السنۃ۔ اس تقدیر عبارت سے غرض بھی واضح ہوگئی کہ ان ائمہ کا قول ذکر کرنا ہے جو صرف رکنین یمانیین کا استلام کرتے ہیں کہ ان کے پاس بھی دلیل ہے۔ اختلاف:۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کے نزدیک چاروں کونوں کا استلام مستحب ہے رکنین یمانیین کا بھی اور رکنین شامیین کا بھی اور جمہور کے نزدیک صرف یمانیین کا مسنون ہے شامیین کا نہیں نہ مستحب نہ مسنون۔ وللجمہور۔۱۔ فی مسلم عن ابن عباس لم ار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستلم غیر الرکنین الیمانیین۔۲۔ ثانی الباب عن ابن عمر قال لم ار النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستلم من البیت الا الرکنین الیمانیین ولمعاویۃ و ابن الزبیر اول الباب عن معاویۃ لیس شیء من البیت مھجورا جواب۔ نص کے مقابلہ میں اجتہاد پر عمل نہیں ہوسکتا۔ ومن یتقی شیئاً من البیت:۔ یہ استفہام انکاری ہے کہ کون ہے جو بچتا ہے بیت اللہ کے کونوں میں سے کسی سے مقصد یہ ہے کہ نہ بچنا چاہئے اور نہ چھوڑنا چاہئے بلکہ چاروں کونوں کا استلام کرنا چاہئے۔

باب تقبيل الحجر

غرض حجر اسود کے استلام اور تقبیل کے مسنون ہونے کا ذکر ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ اس کی فضیلت ثابت ہے رکن یمانی پر کیونکہ رکن یمانی کا صرف استلام ہے اور حجر اسود کا استلام بھی ہے اور تقبیل بھی ہے۔ استلام کی صورت صرف دونوں ہاتھوں کا اس

کونے پر رکھ دینا ہے اور تقبیل کے معنیٰ چومنا ہے۔

باب من اشار الی الرکن اذااتی الیه

غرض یہ ہے کہ استلام نہ ہو سکے تو دور سے رکن کی طرف اشارہ بھی کافی ہے

باب التکبیر عند الرکن

غرض یہ ہے کہ حجر اسود کے پاس اللہ اکبر کہنا مستحب ہے۔

باب من طاف بالبیت اذا قدم مکة قبل ان یرجع الی بیة ثم صلی رکعتین ثم خرج الی الصفا

غرض حضرت ابن عباس اور امام اسحٰق بن راھویہ کے قول کی تردید ہے وہ فرماتے ہیں کہ عمرہ کرنے والا صرف طواف کر کے حلال ہو جاتا ہے امام بخاری اور جمہور کے نزدیک طواف کے بعد صفا مروہ کی سعی اور حلق یا تقصیر کے بعد حلال ہوتا ہے۔ ہماری جمہور کی دلیل ثانی الباب ہے عن ابن عمر مرفوعاً کان اذا طاف فی الحج والعمرة اول مایقدم یسعی ثلثة اطواف ومشی اربعة ثم سجد سجدتین ثم یطوف بین الصفا والمروة ولاسحٰق وابن عباس اول الباب عن عروة بن الزبیر اس روایت میں مرفوعاً اور عمل ابی بکر اور عمل عمر میں طواف ہی کا ذکر ہے پھر حضرت زبیر اور بعض دوسرے حضرات کے متعلق ہے کہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا فلما مسحوا الرکن حلوا اس کے یہ معنیٰ تو بالا جماع نہیں ہیں کہ طواف کے بغیر صرف استلام سے ہی حلال ہو گئے بلکہ یہ معنیٰ ہیں کہ طواف کے بعد حلال ہوئے۔ جواب۔۱- یہاں طواف کے ساتھ سعی اور حلق بھی محذوف ہیں اور شہرت کی وجہ سے حذف واقع ہوا ہے۔۲- مسحوا رکن المروہ مراد ہے۔۳- اس روایت میں مختصراً حجۃ الوداع کے واقعات کا ذکر ہے اور حجۃ الوداع میں سعی اور حلق ثابت ہیں پس اس مجمل کو مفصل پر محمول کرینگے۔ عن محمد بن عبدالرحمٰن ذکرت لعروة قال فاخبرتنی عائشة:۔ اس روایات کی تفصیل مسلم شریف میں ہے حاصل یہ ہے کہ حضرت محمد بن عبدالرحمٰن نے حضرت عروۃ بن الزبیر کے پاس حضرت ابن عباس کا قول نقل فرمایا کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی حج کا احرام باندھے تو طواف شروع کرتے ہی حج کا احرام فسخ ہو کر عمرہ کا احرام بن جاتا ہے ارادہ کرے یا نہ کرے اس قول کا رد فرمایا حضرت عروۃ ابن الزبیر نے اور اس رد کا حاصل یہی ہے کہ فسخ الحج بالعمرة یہ صرف ان صحابہ کی خصوصیت تھی جو حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہدی ساتھ نہ تھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حلال نہ ہوئے تھے اور اب قیامت تک ہر مفرد بالحج اور قارن کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ حلال نہیں ہوتا اور اس کا حج فسخ ہو کر عمرہ نہیں بنتا۔ ثم لم تکن عمرة:۔ اس کے مختلف معنیٰ کیئے گئے ہیں۔۱- فسخ الحج بالعمرہ نہ ہوا۔۲- حجۃ الوداع کے بعد وفات تک عمرہ نہ پایا گیا۔۳- مستقل سفر حجۃ الوداع کے بعد عمرہ کے لئے نہ فرمایا یعنی سفر حج میں حج کے بعد عمرہ پایا گیا ہو تو اس کی نفی نہیں ہے۔

باب طواف النساء مع الرجال

غرض یہ ہے کہ عورتوں کا طواف مردوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں جائز ہے جبکہ خلط نہ ہو جیسے نماز میں عورتیں مردوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں شریک ہوتی ہیں لیکن صف پیچھے ہوتی ہے۔ ادرکتہ بعد الحجاب:۔ ای ادرکت الطواف یہ مقولہ حضرت عطاء کا ہے جو تابعی ہیں اور یہ گفتگو ابن جریج اور حضرت عطاء کے درمیان ہے۔ تطوف حجرةً من الرجال:۔ مردوں سے الگ رہتے ہوئے۔ متنکرات:۔ اور ایک نسخہ میں ہے مستترات دونوں کے ایک ہی حاصل معنیٰ ہیں پہچانی نہ جائیں۔ چھپی رہیں۔ رائیت علیھا درعاً مورداً:۔۱- چونکہ یہ اس وقت صغیر تھے اس لئے دیکھ لیا۔۲- اچانک نگاہ پڑ گئی۔ باب الکلام فی الطّواف:۔ غرض یہ ہے کہ طواف کے دوران گفتگو جائز ہے اور اس سے طواف نہیں ٹوٹتا۔ نماز کی طرح نہیں ہے۔ نماز تو گفتگو سے ٹوٹ جاتی ہے طواف نہیں ٹوٹتا۔ باب اذا رای سیراً اوشیأً

یکرہ فی الطواف قطعہ:۔ غرض یہ ہے کہ اگر کوئی طواف میں دیکھے کہ دو آدمیوں نے اپنے درمیان دھاگا باندھ رکھا ہے یا اور کوئی ایسی نامناسب چیز دیکھے تو اس کو ختم کردے اور ختم کر دینا جائز ہے۔ سیر کے لفظ سے ایسا دھاگا ہی مراد ہے جس سے دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو باندھ رکھا ہو۔ باب لایطوف بالبیت عریان ولایحج مشرک:۔ غرض یہ دو حکم بیان کرنے ہیں ۱- ننگا طواف حرام ہے اور ۲- کسی کافر کو حج کرنے کی ہم اجازت نہیں دے سکتے۔

باب اذا وقف فی الطواف

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ طواف کے درمیان میں کھڑے ہونے سے طواف نہیں ٹوٹتا بلکہ اگر درمیان میں نماز بھی پڑھ لے تو جہاں سے طواف چھوڑا ہے وہاں سے ہی شروع کرسکتا ہے۔

باب صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لسبوعہ رکعتین

غرض طواف کے بعد دو رکعت کا ثبوت بیان کرنا ہے پھر ان رکعتوں کا درجہ عندامامنا ومالک وجوب کا ہے وعندالشافعی و احمد سنیت کا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنا مسلک صراحۃ بیان نہیں فرمایا بظاہر ان کے طرز سے وجوب ہی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر مرفوعاً ثم صلی خلف المقام رکعتین ہمارے نزدیک کبھی نہ چھوڑنا وجوب کی علامت ہے اور امام شافعی واحمد کے نزدیک صرف عمل سے سنیت ہی ثابت ہو گی ترجیح ہمارے قول کو ہے آیت کی وجہ سے واتخذو امن مقام ابراھیم مصلی اس میں مراد طواف کی رکعتیں ہی ہیں۔

باب من لم یقرب الکعبۃ ولم یطف حتیٰ یخرج الی عرفۃ ویرجع بعد الطواف الاول

غرض امام مالک کے قول کی تائید ہے کہ طواف قدوم سے طواف زیارت تک کوئی طواف جائز نہیں ہے وعندالجمہور جائز ہے منشاء اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس زمانہ میں طواف نہ کرنا ہے ان کے نزدیک یہ کراہۃ اور ممانعت پر محمول ہے ہمارے نزدیک یہ خوف فرض پر محمول ہے ہمارے قول کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت امت پر بہت زیادہ تھی یہ اسی کا تقاضیٰ کرتی تھی کہ امت پر تخفیف کا بہت خیال کیا جائے جیسے تراویح کی جماعت ترک فرمائی تھی اسی خوف سے۔

باب من صلی رکعتی الطواف خارجا من المسجد

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ طواف کی دو رکعتیں مسجد حرام سے باہر بھی پڑھنی جائز ہیں۔

باب من صلی رکعتی الطواف خلف المقام

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت طواف کی پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

باب الطواف بعد الصبح والعصر

ای باب رکعتی الطواف بعد الصبح والعصر اس تقدیر عبارت سے غرض بھی واضح ہوگئی کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد طواف کی رکعتیں پڑھنے کا حکم بیان فرمانا چاہتے ہیں پھر امام بخاری کا مقصد اپنا مسلک بیان کرنا ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ ۱- مقصد یہ ہے کہ اپنا مسلک نہ ذکر فرماویں اختلاف آثار کی وجہ سے ۲- اپنا مسلک اشارۃً بیان فرمانا مقصود ہے کیونکہ ترجمہ کے فوراً بعد اپنا مسلک ظاہر فرمانے کے لئے ابن عمر والا اثر نقل فرمایا ہے۔ اختلاف:۔ عندامامنا ومالک مکروہ ہیں وعندالشافعی و احمد بلاکراہت جائز ہیں ولنا روایۃ مسلم عن عقبۃ بن عامر مرفوعاً اوقات ثلثہ مکروھہ والی روایت وللشافعی واحمد۔ ۱- ابن عمر والا اثر اسی باب میں تعلیقاً وکان ابن عمر رضی اللہ عنہما یصلی رکعتی الطواف مالم تطلع الشمس جواب۔ ۱- طحاوی شریف میں اس کے خلاف ہے

عن نافع ان ابن عمر قدم عند صلوٰۃ الصبح فطاف ولم یصل الا بعد ما طلعت الشمس پس تعارض کی وجہ سے ابن عمر کے عمل سے استدلال نہیں ہوسکتا اذا تعارضا تساقطا۔۲-محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔۲- دوسری دلیل امام شافعی واحمد کی حدیث الباب عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان ناسا طافوا بالبیت بعد صلوٰۃ الصبح ثم قعدوا الی المذکر حتیٰ اذا طلعت الشمس قاموا یصلون فقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا قعدوا حتیٰ اذا کانت الساعۃ التی تکرہ فیھا الصلوٰۃ قاموا یصلون۔ جواب۔۱-محرم کو مبیح پر ترجیح ہے۔۲-فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن عائشۃ موقوفاً ان کا فتویٰ منقول ہے جس میں صراحۃ ارتفاع سے پہلے اور بعد الصبح کراہت بیان کی گئی ہے پس تعارض کی وجہ سے استدلال نہیں ہوسکتا اذا تعارضا تساقطا۔

باب المریض یطوف راکبا

غرض امام ابوحنیفہ و مالک کے قول کی تائید ہے کہ مرض اور عذر کی وجہ سے طواف سوار ہوکر جائز ہے بلا عذر جائز نہیں وعند الشافعی و احمد بلا عذر بھی جائز ہے صرف خلاف اولیٰ ہے۔ منشاء اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوار ہوکر طواف فرمانا ہے جیسا کہ حدیث الباب میں عن ابن عباس مرفوعاً وارد ہے طاف بالبیت وھو علی بعیر ہم اس روایت کو عذر پر اور وہ حضرات بیان جواز پر محمول کرتے ہیں ہمارے لئے مرجح۔۱-فی ابی داؤد عن ابن عباس قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یشتکی فطاف علی راحلۃ۔۲-فی ابی داؤد والنسائی وابن ماجۃ عن ابن عباس مرفوعاً وموقوفاً الطواف بالبیت صلوٰۃ الا ان اللہ اباح فیہ الکلام وصححہ ابن خزیمۃ وابن حبان۔

طواف میں وضوء شرط ہے یا نہ:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ شرط نہیں البتہ فرض سے کم درجہ جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں وہ ثابت ہے وعندالجمھور شرط ہے۔ منشاء اختلاف یہی روایت ہے جس میں طواف کو صلوٰۃ قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک خبر واحد سے وجوب ثابت ہوا جمہور کے نزدیک فرضیت اور شرطیت ثابت ہوگئی ترجیح اصول کی قوت کی وجہ سے ہے کہ ظنی دلیل سے فرضی قطعی کیسے ثابت ہوسکتا ہے اور قرآن پاک کے مطلق کو جو اس آیت میں ہے ولیطوفوا بالبیت العتیق اس کو ظنی خبر واحد سے کیسے مقید کیا جاسکتا ہے البتہ وجوب ثابت ہے کیونکہ ظنی دلیل سے وجوب ثابت ہوجاتا ہے۔ **باب سقایۃ الحاج:۔** غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانا بہت فضیلت کا کام ہے۔ **باب ماجاء فی زمزم:۔** غرض ۱-وہ روایات بتلانی ہیں جو ماء زمزم کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ۲-ماء زمزم کی فضیلت بیان فرمانی مقصود ہے پھر فضیلت میں وارد ہے۔۱-فی المستدرک عن ابن عباس مرفوعاً ماء زمزم لما شرب لہ۔۲-فی الطبرانی عن ابن عباس مرفوعاً خیر ماء علی وجہ الارض ماء زمزم فیہ طعام الطعم وشفاء السقم پھر ماء زمزم لے کر آنا دوسری جگہ سے مستحسن ہے لما فی الترمذی عن عائشۃ کہ وہ خود بھی ماء زمزم لیجایا کرتی تھیں اور خبر دیتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی لیجایا کرتے تھے۔

باب طواف القارن:۔ غرض میں دو قول ہیں۔۱-امام بخاری تردد ظاہر فرمانا چاہتے ہیں کہ قارن ایک طواف کرتا ہے یا دو اور ایک سعی کرتا ہے یا دو۔۲-امام بخاری جمہور کے قول کی تائید کرنا چاہتے ہیں کہ قارن ایک طواف ہی کرے گا۔ **اختلاف:۔** عندامامنا ابی حنیفۃ قارن دو طواف اور دو سعی کرے گا اور عندالجمھور ایک طواف اور ایک سعی کرے گا ولنا فی مصنف عبدالرزاق والدارقطنی حضرت علی نے دو طواف اور دو سعی فرمائیں اور فرمایا ھکذا رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وللجمھور روایۃ ابی داؤد عن عائشۃ مرفوعاً طوافک بالبیت وبین الصفا والمروۃ یکفیک لحجک وعمرتک جواب حلال ہونے کے لئے ایک طواف اور ایک سعی دونوں عبادتوں حج اور عمرہ کے لئے کافی ہیں۔ بظاہر شبہ تھا کہ چونکہ عبادتیں قارن دو کرتا ہے ایک ہی احرام میں اس لئے ان دونوں عبادتوں کا احرام کھولنے کے لئے شاید دو طواف اور دو عدد سعی کرنی پڑیں اس شبہ کا ازالہ فرمادیا کہ دونوں عبادتوں سے حلال ہونے کے لئے صرف ایک طواف اور ایک سعی کافی ہیں یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ جب سے احرام باندھا ہے اس وقت سے لے کر ایک طواف اور ایک سعی ہی کافی ہیں کیونکہ طواف قدوم اور طواف وداع تو سب کے نزدیک کیا جاتا ہے اس لئے صرف ایک طواف تو کسی کے نزدیک بھی کافی نہیں ہوتا۔ پھر حنفی مذہب میں اس

تقریر کے علاوہ بھی کچھ مرجح ہیں مثلاً ۔۱۔ ہمارا مسلک مثبت زیادت ہے کیونکہ ہم دو طواف اور دو سعی کے قائل ہیں اور جمہور ایک طواف اور ایک سعی کے قائل ہیں۔۲۔ ہمارا مسلک حضرت علی سے منقول ہے اور مشہور ہے کہ انہوں نے دو طواف اور دو عدد سعی کی تھیں اور حضرت علی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۳۷ اونٹ بھی اس موقعہ میں ذبح فرمائے تھے اور ۶۳ اونٹوں کے نحر کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد بھی کی تھی اور احرام بھی اسی طرح باندھا تھا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا تھا۔ اس لئے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے عمل سے حنفی مسلک ہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے دلائل میں ذکر کیا گیا۔۳۔ حضرت علی بھی فتویٰ اپنے زمانہ خلافت میں دیا کرتے تھے اور ان پر کسی کا انکار منقول نہیں ہے اس لئے کثیر صحابہ کی تائید بھی ان کے فتوے کو حاصل ہے۔۴۔ حضرت ابن مسعود بہت بڑے فقیہ صحابی تھے ان کا فتویٰ بھی حنفی مذہب کے مطابق ہی منقول ہے۔

ظہرہ:۔ سواری ان کی۔ **ولم یزد علی ذلک:۔** اس کے معنیٰ ۔۱۔ آگے جو عبارت آرہی ہے وہ اسی کی تفسیر ہے یعنی لم یحل من شئی ۔۲۔ ایک ہی قربانی حج اور عمرہ کے لئے کی ایک سے زائد قربانی نہ کی۔

ورأی ان قد قضی طواف الحج والعمرۃ بطوافہ الاول:۔ اس طواف اول سے مراد طواف زیادۃ ہے طواف قدوم مراد نہیں ہے۔

باب الطواف علی وضوء:۔ غرض یہ ہے کہ طواف باوضو ہونا چاہئے پھر وضو کا درجہ بیان نہ فرمایا کہ شرط ہے یا واجب ہے یا مستحب ہے کیونکہ امام بخاری کو اس میں تردد تھا اور اختلاف پیچھے گزر چکا ہے۔

باب المریض یطوف راکبا میں جو زیر بحث باب سے پہلے تین باب چھوڑ کر ہے۔ **ثم لم تکن عمرۃ:۔** یعنی فسخ الحج بالعمرہ نہ فرمایا۔ اس حدیث کے کچھ مباحث پیچھے بھی گزر چکے ہیں پھر عمرۃً کو منصوب پڑھیں تو کان ناقصہ ہوگا یہ افعال عمرہ نہ بنے اور عمرۃٌ کو مرفوع پڑھیں تو کان تامہ ہوگا۔ **فلما مسحوا الرکن حلوا:۔** ان حضرات کی نیت صرف عمرہ کی تھی اس لئے استلام اور طواف اور سعی کے بعد حلال ہوگئے مزید توجیہات پیچھے گزر چکی ہیں باب من طاف بالبیت اذا قدم مکۃ الخ میں جو زیر بحث باب سے چودہ باب چھوڑ کر پہلے واقع ہے۔

باب وجوب الصفا والمروۃ وجعل من شعائر اللہ

ای وجوب السعی بین الصفا والمروۃ کیونکہ وجوب کا تعلق افعال عباد سے ہوتا ہے کسی مکان کی ذات سے نہیں ہوتا۔ غرض بظاہر جمہور ہی کی تائید کرنا ہے اختلاف عندا امامنا ابی حنیفۃ سعی فرض نہیں ہے بلکہ فرض سے کم درجہ ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں وعندا لجمہور فرض ہے منشاء اختلاف مسند احمد کی روایت ہے عن صفیۃ بنت شیبۃ مرفوعاً کتب علیکم السعی فاسعوا یہ روایت ہمارے نزدیک وجوب پر دال ہے کیونکہ خبر واحد ہے اور ظنی ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک فرضیت پر دال ہے ترجیح حنفیہ کے قول کو اصول کی وجہ سے ہے کہ ظنی چیز سے فرض قطعی نہیں ثابت ہوسکتا۔

لمناۃ الطاغیۃ:۔ ۱۔ الطاغیۃ صفۃ لمناۃ ۲۔ مضاف الیہ لمناۃ ای لمناۃ التی ھی صنم جماعۃ طاغیۃ۔ دونوں توجیہوں پر خواہ صفت مناۃ کی قرار دیں یا مناۃ کا مضاف الیہ قرار دے کر پوجا کرنے والی جماعت کی صفت قرار دیں طاغیہ کو صفت مقرر کرنے والے اہل اسلام ہیں۔ پھر مناۃ کو مناۃ اس لئے کہتے تھے کہ تمنیٰ بمعنی تذبح آتا ہے اس بت کے پاس جانور ذبح کرتے تھے۔ **المشلل:۔** یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو سمندر کے کنارے پر تھا صفا اور مروہ سے خارج تھا۔ **انا کنا نتحرج ان نطوف بین الصفا والمروۃ:۔** یعنی ایمان لانے سے پہلے تو اس لئے حرج سمجھتے تھے کہ ہمارے بت صفا مروہ پر نہ تھے اور اسلام لانے کے بعد اس لئے حرج سمجھتے تھے کہ شاید صفا مروہ پر سعی کرنا رسوم جاہلیت سے ہو۔ **الا من ذکرت عائشۃ:۔** یہ الا غیر کے معنیٰ میں ہے۔ **الا من ذکرت عائشۃ فمن کان یھل بمناۃ:۔** اس عبارت میں فمن کے اندر جو من ہے یہ بیانیہ ہے اور من کان یھل بمناۃ یہ بیان ہے من ذکرت کا۔ **کانوا یطوفون کلھم:۔** یہ کانوا کی ضمیر الناس کی طرف لوٹتی ہے جو الا سے پہلے ہے یہ زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ کے چکر لگانے والے لوگ وہ تھے جو اساف اور نائلہ کی عبادت کرتے

تھے۔اساف مرد کی شکل پر بت تھا اور نائلہ عورت کی شکل پر بت تھا اساف صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر تھا اصل میں اساف اور نائلہ انسان تھے انہوں نے خانہ کعبہ کے اندر زنا کی تو بطور سزا کے ان کو اللہ تعالیٰ نے بت بنا دیا اور لوگوں نے عبرت کے طور پر ان کو صفا اور مروہ پر رکھ دیا پھر بعد کے لوگ شیطان کے پیچھے ایسے لگے کہ ان کی پوجا شروع کر دی نعوذ باللہ من ذلک۔ **حتیٰ ذکر ذلک بعد ماذکر الطّواف بالبیت:**۔ حضرت ابوبکر کے اس مفصل قول کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ آیت شبہ کے ازالہ کے لئے نازل ہوئی ہے اس میں وجوب کی نفی نہیں ہے اور پھر وجوب کا اثبات دوسرے دلائل سے ہے جیسے ابھی اختلاف کے ضمن میں ذکر کیا گیا۔ **باب ماجاء فی السعی بین الصفا والمروۃ:**۔ غرض اور ربط یہ ہے کہ گذشتہ باب میں صفا مروہ کی سعی کا وجوب بیان فرمانا مقصود تھا اب سعی کی کیفیت اور طریقہ کا بیان مقصود ہے۔ **باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطّواف بالبیت واذا سعیٰ علی غیر ضوء بین الصفا والمروۃ:**۔ غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ۱۔ حائض طواف کے سویٰ سب کام کرتی ہے اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔ ۲۔ اگر بغیر وضوء سعی بین الصفا والمروہ کر لے تو اس کا کیا حکم ہے عند الحسن البصری یہ سعی صحیح نہیں اور وضوء اس کے لئے شرط ہے اور عند الجمہور صحیح ہے دلیل جمہور کی اباحت اصلیہ ہے۔ اور حسن بصری کی دلیل قیاس کرنا ہے طواف پر جواب دونوں میں بہت فرق ہے اس لئے یہ قیاس صحیح نہیں ہے پھر امام بخاری نے اپنا مسلک بیان نہیں فرمایا وجہ۔ ۱۔ تردد ہے ۲۔ ظہور ہے کہ جمہور ہی کے ساتھ ہیں کمال ظہور کی وجہ سے تصریح فرمانے کی ضرورت نہ سمجھی۔

باب الاھلال من البطحاء وغیرھا للمکی و للحاج اذا خرج الی منی

غرض مکی کے لئے اور جو باہر سے آ کر عمرہ کر کے حج کے لئے مکہ مکرمہ میں ٹھہرا ہوا ہے جس کو آگے ایک روایت میں مجاور کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے ان دونوں کے لئے احرام باندھنے کی جگہ اور وقت بتلانا ہے جگہ تو ہے حرم اور وقت ہے یوم الترویہ یعنی ۸ ذی الحجہ۔ **وجعلنا مکۃ بظھر:**۔ جب ہم نے مکہ مکرمہ کی طرف پشت کی یعنی یہاں سے منیٰ روانہ ہوئے۔

باب این یصلی الظھر یوم الترویة

غرض یہ ہے کہ اس دن بہتر اور مستحب یہی ہے کہ ظہر کی نماز منیٰ میں جا پڑھے۔

باب الصلوٰة بمنیً

غرض منی کی نماز کی مقدار کا بتلانا ہے کہ قصر ہے یا اتمام ہے اور ظاہر یہی ہے کہ تردد کی وجہ سے اپنا مسلک ذکر نہیں فرمایا اور اختلاف کی تفصیل پیچھے تقصیر کے ابواب میں گزر چکی ہے۔

باب صوم یوم عرفة

غرض یوم عرفہ کے روزے کا حکم بیان کرنا ہے اور اپنا مسلک تردد کی وجہ سے نہیں بیان فرمایا جمہور کے نزدیک حاجی کے لئے مکروہ ہے ضعف کا خوف ہو یا نہ ہو اور باقیوں کے لئے مستحب ہے۔

باب التلبية و التكبير اذا غدا من منیً الی عرفة

غرض اس شخص کا رد ہے جو اس کا قائل ہے کہ جب منیٰ سے عرفات جانے لگے تو تلبیہ بند کر دے۔ **باب التھجیر بالرواح یوم عرفۃ:**۔ غرض یہ ہے کہ وقوف عرفات کے لئے زوال ہوتے ہی نکلنا مستحب ہے۔

باب الوقوف علی الدابة بعرفة

غرض میں دو قول ہیں۔ ۱۔ وقوف عرفات میں امیر موسم کا سواری پر سوار ہو کر وقوف کرنا مستحب ہے۔ ۲۔ وقوف عرفات میں سواری پر سوار ہونے کا حکم بیان فرمانا مقصود ہے اور یہ دوسرا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر سوار ہونا تعلیم کی ضرورت کی وجہ سے تھا اور سواری کو بطور منبر کے استعمال فرمایا۔ یہ سوار ہونا استحباب پر مبنی نہ تھا ضرورت پر مبنی تھا۔

باب الجمع بین الصلوتین بعرفة

غرض عرفات میں ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں پڑھنے کا حکم بیان کرنا ہے کہ سنت ہے اور سنت ہونے کی تصریح اس لئے نہیں کی کہ حدیث میں تصریح موجود ہے۔ **سال عبد اللہ:**۔ یہاں مراد ابن عمرؓ ہیں کیونکہ اسی روایت میں آگے ابن عمر کی تصریح موجود ہے **اختلاف:**۔ عند امامنا واحمد جمع بین الصلوتین فی عرفہ کے جواز کی شرط ہے کہ امام موسم کے ساتھ باجماعت نماز پڑھے عند الشافعی ومالک یہ شرط نہیں ہے منشاء اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے جو حدیث الباب میں مذکور ہے عن ابن عمر انہم کانوا یجمعون بین الظہر والعصر فی السنۃ ہمارے امام صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ عصر کا قبل از وقت پڑھنا خلاف قیاس ہے اس لئے اپنے مورد پر بند رہے گا امام مالک وشافعی کے نزدیک یہ حکم عام ہے ہمارے لئے مرجح اسی اہم اصول کا لحاظ ہے اُن کے لئے مرجح اس باب کی تعلیق ہے وکان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا فاتۃ الصلوٰۃ مع الامام جمع بینھما جواب یہ حضرت ابن عمر کا اپنا اجتہاد ہے اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے اجتہاد کا اتباع نہیں کر سکتا۔ **باب قصر الخطبۃ یوم عرفۃ:**۔ غرض یہ ہے کہ خطبہ کا چھوٹا کرنا ہی مسنون ہے۔

باب التعجیل الی الموقف

غرض تھجیر والے باب کی تاکید ہے کہ وقوف عرفات کے لئے زوال کے فوراً بعد نکلنا مستحب ہے پھر یہاں تین نسخے ہیں۔ا۔ یہاں نہ یہ باب ہے نہ اس کے بعد کوئی عبارت ہے بلکہ بعد والا باب ہے۔۲۔ صرف یہ ترجمۃ الباب ہے اس کے بعد نیا باب ہے۔۳۔ یہ ترجمۃ الباب بھی ہے اور اس کے بعد قال ابو عبد اللہ الخ والی عبارت بھی ہے۔ **یزاد فی ھذا الباب ھَم ھذا الحدیث حدیث مالک عن ابن شہاب:**۔ یہ الفاظ امام بخاری نے اس مقام کی تدریس کے وقت فرمائے تھے کسی شاگرد نے ان کو بھی متن کتاب میں داخل کر دیا۔ پھر یہ ھَم کا کلمہ فارسی زبان کا ہے اور امام بخاری سے بلا قصد تدریس کے وقت نقل گیا۔ **ولکنی ارید ان ادخل فیہ غیر معاد:**۔ یعنی بظاہر جہاں تکرار نظر آتا ہے وہاں کچھ نہ کچھ متن یا سند کا فرق ہوتا ہے مکمل تکرار کسی جگہ بھی نہیں الا نادراً یہاں چونکہ لفظی فرق والی روایت مجھے دوسری نہ ملی اس لئے میں نے یہاں کوئی حدیث نہ رکھی صرف ترجمۃ الباب ہی رہنے دیا۔

باب الوقوف بعرفة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ وقوف عرفات کے بغیر حج نہیں ہوتا قال تعالیٰ ثم افیضوا من حیث افاض الناس۔

باب السیر اذا دفع من عرفة

غرض اطمینان وسکون کی تلقین ہے عرفات سے واپسی پر کیونکہ بھیڑ بہت ہوتی ہے۔ **مناص لیس حین فرار:**۔ ظاہر یہی ہے کہ یہاں امام بخاری سے غلطی ہوگئی کہ ولات حین مناص والی آیت کی تفسیر یہاں ذکر کردی اور مناص اور نصّ کا ایک ہی مادہ شمار فرما لیا حالانکہ مناص نوص سے اجوف واوی ہے جس کے معنیٰ تاخر اور فرار کے ہیں اور نصّ مضاعف ہے جس کے معنیٰ تیز بھاگنے کے ہیں دونوں کا مادہ الگ الگ ہے۔ توجیہ۔ا۔ صحیح نسخہ وہی ہے جس میں مناص الخ نہیں ہے۔۲۔ اتحاد مادہ بیان فرمانا مقصود نہیں ہے معمولی مناسبت کی وجہ سے ذکر فرما دیا۔

باب النزول بین عرفة و جمع

غرض یہ کہ بضرورت عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے کچھ ٹھہر جانا جائز ہے لیکن یہ مناسک حج میں داخل نہیں ہے۔ **فیستنفض:**۔ انتفاض سے ہے جس کے معنیٰ استنجاء کے ہیں یعنی ابن عمر قضاء حاجت فرماتے تھے اور استنجاء فرماتے تھے۔

باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسکینة عند الافاضة واشارته الیھم بالسوط

غرض یہ واقعہ بیان فرمانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات سے واپسی پر سکون سے چلنے کا حکم فرمایا اور اسی سکون کی طرف کوڑے سے اشارہ فرمایا۔ امام وقت کو اور امیر موسم کو بھی ایسا ہی

کرنا چاہئے۔ اوضعوا اسرعوا خلالکم:۔ ایضاع کے لفظ کی مناسبت سے اِس آیت کی تفسیر فرمارہے ہیں لو خرجوا فیکم مازادکم الا خبالا (ای فساداً) ولا وضعوا خلالکم یبغونکم الفتنة۔

باب الجمع بین الصلوتین بالمزدلفة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مزدلفہ میں جمع بین المغرب والعشاء بالاجماع بلاشرط واجب ہے۔

باب من جمع بینهما ولم یتطوع

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مزدلفہ کی جمع بین الصلوتین کرتے وقت مغرب اور عشاء کے فرضوں کے درمیان تطوع کا چھوڑنا بھی بالاجماع ہے۔

باب من اذن واقام لکل واحد منهما

غرض اُس امام کا مسلک بیان فرمانا ہے جو مزدلفہ میں دو اذانوں اور دو اقامتوں کے قائل ہیں اور وہ امام مالک ہیں۔ اپنا مسلک بیان نہیں فرمایا بظاہر اس کا منشاء بھی تردد ہی ہے واللہ اعلم

اختلاف:۔ مزدلفہ میں جمع بین المغرب والعشاء میں عندامامنا ابی حنیفہ ایک اذان اور ایک اقامت ہے۔ وعند مالک دو اذانیں اور دو اقامتیں ہیں وعندالجمہور ایک اذان اور دو اقامتیں ہیں۔ ولا مامنا روایۃ ابی داؤد عن جابر مرفوعاً فصلّی المغرب والعتمۃ باذان واقامۃ ولمالک ھذا حدیث الباب عن ابن مسعود موقوفاً فامر رجلا فاذن واقام الی قولہ ثم امر رجلاً فاذن واقام وللجمہور روایۃ ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً جمع بین۔ المغرب والعشاء باذان واحد واقامتین۔ ترجیح قیاس کی وجہ سے ہے کیونکہ قیاس کا تقاضیٰ یہ ہے کہ اذان ایک ہی ہو جیسے اول میں جو عرفات میں ہوتی ہے اس میں اذان ایک ہی ہے اور اُس کے ایک ہونے پر اتفاق ہے اذان سے مقصود دور والوں کو بلانا ہوتا ہے دونوں نمازیں اکٹھی پڑھنے کے لئے ایک دفعہ بلانا کافی ہے۔ اقامت پہلی جمع میں دو دفعہ ہوتی ہے کیونکہ ظہر کے وقت میں ظہر پڑھنے کے بعد عصر کی نماز پڑھنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی کیونکہ اس کا ابھی وقت نہیں آیا ہوتا اس لئے تنبیہ کے طور پر دوسری اقامت ہونی چاہئے۔ اور جمع ثانی میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھنے کے بعد عشاء کی نماز ذہن میں ہوتی ہے کیونکہ عشاء کا وقت آچکا ہوتا ہے اس لئے دوبارہ تنبیہ کی ضرورت نہیں ہے اور ایک ہی اقامت کافی ہے۔ حین یبزغ الفجر:۔ جب فجر ظاہر ہو یعنی طلوع فجر ہو جائے۔

باب من قدم ضعفة اهله بلیل فیقفون بالمزدلفة ویدعون و یقدم اذا غاب القمر

غرض یہ ہے کہ بچوں اور عورتوں کو منیٰ جلدی بھیج دینا جائز ہے تاکہ بھیڑ سے پہلے پہلے رمی کرلیں۔ یا هنتاه:۔ ا۔ ای بھولی بھالی۔ ۲۔ یا ھذہ۔ تفصیل گذرچکی۔ اذن للظعن:۔ یہ جمع ہے ظعینۃ بمعنیٰ امرأۃ کی ظعن کے معنیٰ سفر کے ہیں کیونکہ عورت رفیقہ سفر ہوتی ہے اور سفر میں مرد کے تابع ہوتی ہے اس لئے اس کو ظعینہ کہتے ہیں۔ پھر لفظ اذن سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی عادت اسفار میں پڑھنے کی تھی صرف ضرورت کے موقعہ میں عورت کے لئے جلدی پڑھنے کا اذن تھا۔ مفروح بہ:۔ ہر خوشی کی چیز:۔

باب متیٰ یصلی الفجر بجمع

غرض فجر کی نماز کا وقت مزدلفہ میں بتلانا ہے۔ کہ عام دنوں سے پہلے ہوتی تھی یعنی غلس میں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ اسفار کی تھی اور یہی احناف کے نزدیک اولیٰ ہے۔ یعتموا:۔ عشاء کے وقت میں داخل ہوتے تھے۔

باب متیٰ یدفع من جمع

غرض وقت بیان کرنا ہے مزدلفہ سے روانہ ہونے کا پھر یدفع۔ ا۔ مجہول کا صیغہ ہے۔ ۲۔ معروف کا صیغہ ہے اور مفعول محذوف ہے نفسہ:۔

باب والتکبیر غداة النحر حین یرمی الجمرة والارتداف فی السیر

غرض۔ ا۔ ایک تو یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ تلبیہ کے ساتھ تکبیر و تحلیل کا خلط بھی جائز ہے۔ ۲۔ دوسرا مسئلہ یہ بیان کرنا ہے کہ عرفہ

سے مزدلفہ اور پھر منیٰ آنے میں کسی کو پیچھے بٹھا لینے میں کچھ حرج نہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہوا کہ تلبیہ کب بند کیا جائے گا عند احمد یوم النحر میں آخری کنکری کے ساتھ بند کیا جائے گا وعند الجمہور پہلی کنکری کے ساتھ ہی بند کر دیا جائے گا منشاء اختلاف زیر بحث باب کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً انہ لم یزل یلبی حتی رمی الجمرۃ ہمارے نزدیک ابتداء رمی مراد ہے اُن کے نزدیک انتہاء رمی مراد ہے ترجیح ابتداً کو ہے کیونکہ رمی کے لئے تو تکبیر کا مسنون ہونا ثابت ہے۔ اس لئے تلبیہ رمی شروع کرتے ہی بند کرنا ہوگا۔

باب فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى الاية

غرض ھدی کی تفسیر کرنا ہے اور ربط یہ ہے کہ پیچھے بلوغ الی منیٰ کا ذکر تھا۔ ھدی چونکہ عموماً منیٰ ہی میں ذبح کی جاتی ہے اس مناسبت سے اب ھدی کا ذکر ہے۔ **باب رکوب البدن:**۔ غرض قربانی کے جانوروں پر سوار ہونے کا جواز بیان کرنا ہے گویا امام شافعی واحمد کے قول کی تائید فرما رہے ہیں۔ **اختلاف:**۔ عند امامنا ابی حنیفۃ ومالک وفی روایۃ عن الشافعی بلا اضطرار ھدی پر سوار ہونا جائز نہیں ہے وفی الاشہر عن الشافعی ومذہب احمد معمولی ضرورت میں بھی سوار ہونا جائز ہے۔ ولنا روایۃ ابی داؤد عن جابر بن عبد اللہ مرفوعاً ارکبھا بالمعروف اذا الجئت الیھا حتی تجد ظہراً ولاحمد روایۃ الباب اور ابو داؤد میں بھی ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً رای رجلا یسوق بدنۃ فقال ارکبھا جواب ہماری روایت مثبت زیادت ہے اس لئے اس کو ترجیح ہے۔ **قال مجاہد سمیت البدن لبدنھا:** بُدن کے معنیٰ ضخامت اور بدن کا بڑا ہونا ہے۔ قربانی کا جانور بھی بڑے بدن کا اور موٹا تازہ ہونا چاہئے اس لئے اس کو بدن کہتے ہیں۔ **والمعتر الذی یعتر الانسان:**۔ یعنی انسان سے قریب ہوتا ہے۔

باب من ساق البدن معه

غرض یہ بتلانا ہے کہ ھدی کے جانور کو ساتھ لے جانا مسنون ہے سب سے زیادہ ثواب تو اس میں ہے کہ گھر سے جانور لے جائے دوسرا درجہ راستہ سے خریدے تیسرا درجہ عرفات سے خریدے چوتھا درجہ اور آخری درجہ منیٰ سے خرید ہے۔

باب من اشتھری الھدی من الطریق

غرض یہ بتلانا ہے کہ راستہ سے ھدی کا خریدنا بھی جائز ہے۔

باب من اشعر و قلد بذی الحلیفۃ ثم احرم

غرض میں دو تقریریں ہیں۔ ۱۔ میقات سے پہلے اشعار و تقلید نہ ہونی چاہئے۔ ۲۔ حضرت مجاہد کے قول کی تردید مقصود ہے جو یہ فرماتے تھے کہ احرام سے پہلے اشعار نہ ہونا چاہئے اسی لئے ثم احرم فرمایا۔

باب، فتل القلائد للبدن و البقر

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ ھدی کے جانوروں کے لئے ہار تیار کرنا مستحسن ہے پھر تقلید کو اشعار سے پہلے ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ تقلید اشعار سے افضل ہے پھر بقر کو بھی اونٹ کے ساتھ ذکر کر کے اشارہ فرما دیا کہ تقلید کی اونٹ کے ساتھ تخصیص نہیں ہے بلکہ بیل میں بھی مشروع ہے۔

باب اشعار البُدن

غرض میں دو تقریریں۔ ۱۔ اشعار کا حکم بتلانا مقصود ہے۔ ۲۔ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اشعار سنت ہے۔ سوال۔ جب اشعار احادیث سے ثابت ہے اور اسی لئے جمہور ائمہ نے اسے سنت قرار دیا ہے تو امام ابوحنیفہ نے کیوں اشعار کو مکروہ قرار دیا ہے۔ جواب۔ ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے حفاظت کے لئے اشعار فرمایا تھا۔ جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوگیا تو اس تدبیر حفاظت کی ضرورت نہ رہی۔ یہ کام مناسک حج میں داخل نہیں تھا۔ گویا منسوخ ہے تو منسوخ چیز کو اگر امام ابوحنیفہ نے مکروہ قرار دیا تو اس میں کیا حرج ہے۔ ۲۔ حضرت ابن عباس سے اشعار میں تخییر منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اشعار فرمانا بیان جواز کے درجہ میں تھا بطور سنیۃ کے نہ تھا تو ایک جائز کام کو امام ابوحنیفہ نے لوگوں کے مبالغہ کو دیکھتے

ہوئے اور مبالغہ کی وجہ سے جانور کی تکلیف کو دیکھتے ہوئے اگر مکروہ قرار دیا تو اس میں کیا حرج ہے۔۳۔ ۹ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ھدی مکہ مکرمہ ارسال فرمائی تھیں اُن ۳۶ یا ۳۷ ھدایا میں سے صرف ایک میں اشعار فرمایا تھا۔ ظاہر یہی ہے کہ پہلی میں اشعار فرمایا باقی ۳۵ یا ۳۶ میں نہ فرمانا اس لحاظ سے آخری عمل ترک اشعار کا ہے۔ اُسی پر عمل ہونا چاہئے۔۴۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں جو لوگ مبالغۃ فی الاشعار کرنے لگ گئے تھے امام صاحب صرف اُسی کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ نفس اشعار کو مکروہ نہ قرار دیتے تھے۔ **فما حرم علیہ شی کان لہ حل**:۔ عندالنخعی وابن سیرین وعطاء ھدی بھیجنے سے حکما محرم بن جاتا ہے جس وقت ھدی نحر یا ذبح ہوگی اُس وقت احرام کے احکام سے نکلے گا۔ عندالجمہور محرم کے احکام جاری نہیں ہوتے کہ سلا ہوا کپڑا نہ پہنے خوشبو نہ لگائے وغیرہ ولنا روایۃ الباب اور ابوداؤد میں بھی ہے عن عائشۃ فما حرم علیہ شی کان لہ حل ولھم روایۃ مصنف ابن ابی شیبۃ عن نافع ان ابن عمر کان اذا بعث بالھدی یمسک عما یمسک عنہ المحرم الا انہ لایلبی۔ جواب حافظ ابن حجر نے اس مضمون کی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

باب من قلد القلائد بیدہ

غرض یہ ہے کہ افضل یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ہار پہنائے دو وجہ سے۔۱۔ شعائر کی تعظیم اِسی میں ہے۔۲۔ عبادات میں جہاں تک ہو سکے خود ہی سب کام کرنا مستحب ہے۔

باب تقلید الغنم

غرض یہ ہے کہ تقلید غنم کی مسنون ہے گویا تائید کرنا چاہتے ہیں امام شافعی اور احمد کی وعندامامنا ابی حنیفۃ و مالک مسنون نہیں ہے ولنا۔ مشہور تقلید حجۃ الوداع میں ہے اور ہے بھی مشہور ابل ہی میں۔۲۔ بکری کمزور جانور ہے اس کو تقلید سے مشقت ہوتی ہے۔ وللشافعی واحمد حدیث الباب عن الاسود عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت کنت افتل القلائد للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فیقلد الغنم جواب۔۱۔ حضرت اسود اس روایت میں متفرد ہیں اس لئے بعض نے اس کو شاذ کہہ دیا ہے اس لئے استدلال مناسب نہیں۔۲۔ حضرت اسود کو حضرت عائشۃ کے گھر والے نہ جانتے تھے۔۳۔ جب روایات میں تعارض ہو تو قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔۴۔ ان روایات سے جواز ثابت ہو رہا ہے اور کلام مسنون ہونے میں ہے۔ نفس جواز کا ہم بھی انکار نہیں کرتے۔

باب التقلید من العِھن

غرض یہ ہے کہ عِھن سے ھدی کے ہار بنانے بھی جائز ہیں۔ تاکہ واضح نشانی بن جائے واضح ہونے کی وجہ۔۱۔ زیادہ تر عِھن سرخ ہوتی تھی۔۲۔ عِھن کئی رنگوں والی اون کو کہتے تھے اس لحاظ سے بھی نشانی بنانے کے لئے زیادہ مناسب تھی۔

باب تقلید النعل

غرض یہ ہے کہ ہار کے طور پر جانور کے گلے میں جوتا ڈالنے کا حکم بتلانا چاہتے ہیں کہ جائز ہے اور ساتھ ساتھ حضرت سفیان ثوری کے قول کا رد کرنا چاہتے ہیں جو یہ فرماتے تھے کہ دونوں جوتے اکٹھے ایک ہی جانور کے گلے میں ڈالنے ضروری ہیں پھر حکمت جوتا گلے میں ڈالنے میں کیا ہے۔۱۔ سفر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ جانور ایک اچھے سفر میں مشغول ہیں اور ان کا سفر کوشش سے ہونا چاہئے راستے میں کسی کو اس سفر میں رکاوٹ نہ ڈالنی چاہئے یہ اشارہ اس طرح ہوا کہ سفر جوتے پہن کر ہی کیا جاتا ہے۔ جوتے کے بغیر سفر میں چلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔۲۔ دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ اہل عرب کے نزدیک جوتا سواری شمار کیا جاتا ہے تو اب ھدی کے گلے میں جوتا ڈالتے ہیں یہ اشارہ ہے کہ یہ جانور اب اللہ تعالیٰ کے راستے میں ذبح ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ان جانوروں کو سواری بننے سے آزاد کر دیا گیا ہے۔ **فلقد رایتہ راکبھا یسایر النبی صلی اللہ علیہ وسلم والنعل فی عنقھا**:۔ عندالجمہور ایک جوتا کافی ہے۔ وعندالثوری دو ہونے شرط ہیں ولنا ھذا الحدیث عن ابی ہریرۃ فلقد رایتہ راکبھا یسایر النبی صلی اللہ علیہ وسلم والنعل فی عنقھا اس میں نعل

کا لفظ ہے جو جنس کے لئے ہے معلوم ہوا کہ ایک جوتا بھی کافی ہے۔ وللشوری حکمت ہے اشارہ کرنا کہ یہ سواری نہ بنی چاہئے اور سواری بننے کا تعلق دو جوتوں سے ہے مسافر دونوں پہن کر چلتا ہے ایک پہن کر تو نہیں چلتا اس لئے جوتے میں دو کا ہونا شرط ہے جواب۔۱- یہ صرف علامت اور نمونہ ہے حقیقۃً اس جوتے کو پہن کر کسی نے سفر نہیں کرنا نمونہ اور علامت کے لئے ایک بالکل کافی ہے۔۲- دوسرا جواب یہ ہے اور یہ ہماری جمہور کی دوسری دلیل بھی بن سکتی ہے کہ دو جوتوں میں جانور کو بلاضرورت تکلیف پہنچانا ہے اس لئے مناسب نہیں۔۳- تیسرا جواب اور یہ ہماری تیسری دلیل بھی ہے کہ دو جوتوں میں بلاضرورت اسراف ہے پھر ہار بنانے میں صرف جوتے میں حصر نہیں ہے یہی صحیح ہے بلکہ کھجور کے درخت کا چھلکا یا کوئی کھال وغیرہ بھی بطور ہار کے استعمال ہو سکتی ہے۔

باب الجلال للبدن

غرض جلال استعمال کرنے کا استحباب بیان کرنا ہے اور جلال جمع ہے جل کی ہے ہر اس چیز کو جل کہتے ہیں جو اونٹ وغیرہ پر ڈالی جائے کمبل ہو یا چادر ہو پھر قربانی کے بعد اس کو خیرات کر دیا جاتا ہے پھر مقصد اس چادر وغیرہ ڈالنے کا کیا ہے۔۱- گرمی سے جانور کو بچانا۔۲- سردی سے بچانا۔۳- زینت برائے تعظیم شعائر اللہ قال تعالیٰ و من یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب.

باب من اشتری هدیه من الطریق وقلده

غرض دو چیزوں کا بیان ہے کہ راستہ سے جانور کا خریدنا جائز ہے اور راستہ ہی سے اس کے گلے میں ہار ڈال دینا بھی مستحسن ہے۔ سوال۔ ہدی خریدنے کے جواز کا باب پیچھے آٹھ باب چھوڑ کر گزر چکا ہے اب ذکر فرمانا تو تکرار ہے جواب۔ اب ایک قید بڑھا دی وقلدہ اس لئے تکرار محض نہ ہوا زائد فائدہ ہو گیا۔ ورأی ان قد قضی طوافه الحج والعمرة بطوافه الاول:۔ منصوب نزع الخافض ہے ای للحج پھر معنی کیا ہیں۔۱- قران میں ایک طواف بیت اللہ کو کافی سمجھا۔۲- صفا مروہ کے درمیان دوبارہ طواف نہ کیا۔

باب ذبح الرجل البقر عن نساء ه من غیر امرهن

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ بغیر اجازت کے بھی کسی کی طرف سے قربانی کر دینا جائز ہے سوال جمہور فقہاء تو اس کو جائز قرار نہیں دیتے۔ جواب۔ عدم جواز واجب قربانی میں ہے۔ یہاں مستحب قربانی کا ذکر ہے سوال۔ دس ازواج مطہرات کی طرف سے ایک قربانی کیسے صحیح ہو گئی کیونکہ ایک قربانی میں تو صرف سات شریک ہو سکتے ہیں۔ جواب۔۱- قربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نفلی ادا فرمائی تھی اس کا ثواب دس ازواج مطہرات کو پہنچایا۔۲- ایک قول کے مطابق اس وقت ازواج مطہرات ہی سات تھیں۔

باب النحر فی منحر النبی صلی الله علیه وسلم بمنیً

غرض یہ کہ افضل یہ ہے کہ وہاں ذبح کرے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر فرمایا تھا اور وہ جمرہ اولیٰ کے قریب جگہ ہے اور جمرہ اولیٰ مسجد کے پاس ہے اور عمرہ کرنے والے کے لئے افضل مروہ کے پاس ذبح کرنا ہے۔

باب من نحر بیده

غرض یہ ہے کہ اگر خود ذبح کر سکتا ہو تو بہتر یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔

باب نحر الابل مقیدة

غرض یہ ہے کہ اونٹ میں مسنون یہی ہے کہ کھڑا کر کے ایک پاؤں باندھ کر نحر کیا جائے۔ باب نحر البدن قائمة:۔ غرض یہ کہ نحر کے وقت اونٹ کو کھڑا کرنا ہی مسنون ہے۔ پیچھے پاؤں باندھنے کا ذکر تھا اب کھڑا کرنے کا ذکر ہے دونوں ہونے چاہئیں اور پھر پہلے باب میں ابل اور یہاں بدن فرمایا یہ محض تفنن ہے کل جدید لذیذ لبھما جمیعا:۔ یعنی حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا تلبیہ پڑھا اس سے یہ بھی

ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں قارن تھے۔

باب لایعطی الجزار من الھدی شیئاً

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ قصائی کی اجرت کھال وغیرہ کے ذریعہ سے ادا کرنی جائز نہیں ہے اور رد بھی فرما رہے ہیں حضرت حسن بصری کے قول کا جو جمہور کی مخالفت فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جائز ہے وللجمہور وا البخاری حدیث الباب عن علی مرفوعاً امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی البدن ولا اعطی علیھا شیئاً فی جزارتھا وللحسن کہ وہ مالک ہے اپنی ملک جس کو چاہئے دے۔ قربانی تو نحر اور ذبح سے مکمل ہوگئی کھال اور گوشت وغیرہ کا یہی مالک ہے جس کو چاہے دے جواب۔ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب یتصدق بجلود الھدی

غرض یہ کہ ھدی کی کھال کو خیرات کرنا مستحب ہے اور اپنے استعمال میں لے آئے تو یہ بھی جائز ہے اور بیچنا جائز نہیں ہے۔

باب یتصدق بجلال البدن

غرض یہ بتلانا ہے کہ ھدی پر جو کپڑے ڈالے جاتے ہیں یہ کھال ہی کی طرح ہیں۔

باب واذ بوأنا لابراھیم مکان البیت الایۃ

غرض تاکید کرنی ہے کہ اس آیت کے احکام پر ضرور عمل کیا جائے اس آیت مبارکہ میں متعدد احکام ہیں۔ مثلاً ۱- بیت اللہ کو بتوں سے پاک صاف رکھنا تاکہ نمازی نماز پڑھ سکیں اور طواف کرنے والے طواف کرسکیں۔ ۲- ذی الحجہ کے شروع کے دس دن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزارنا۔ ۳- اس نعمت کا خاص طور سے شکر کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جانور عطا فرمائے۔ ۴- ان ھدی کے جانوروں کا بابرکت گوشت کھانا ۵- غریبوں کو گوشت کھلانا ۶- سر منڈا کر میل کچیل دور کرنا۔ ۷- اگر کوئی نذر مانی ہو تو اس کو پورا کرنا۔ ۸- خانہ کعبہ کا طواف کرنا۔ ۹- شعائر اللہ کا احترام کرنا۔ سوال۔ اس باب میں حدیث کیوں نہ لائے۔ جواب۔ ۱- اس مضمون کی حدیث نہ ملی ۔۲- اس مضمون کی حدیث ان کی شرط پر نہ ملی۔

باب مایاکل من البدن وما یتصدق

غرض قربانی کی تقسیم ہے کھانے اور نہ کھانے کے لحاظ سے کہ کس قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اور کس قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جزا الصید وغیرہ جنایات کی قربانی کا گوشت اور نذر والی قربانی کا گوشت تو خود کھانا جائز نہیں ہے بلکہ صدقہ کرنا ہی ضروری ہے باقی قربانیوں میں اختیار ہے چاہے صدقہ کردے اور چاہے تو کھالے اور بہتر تین برابر حصے کرنا ہے ایک حصہ خود کھالے ایک حصہ خیرات کردے اور ایک دوستوں کو ہدیہ دے دے۔ **قلت لعطاء اقال حتیٰ جئنا المدینۃ** یہ حضرت ابن جریج کا مقولہ ہے کہ میں نے اپنے استاد حضرت عطاء سے عرض کیا کہ کیا اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ثابت ہیں حتیٰ جئنا المدینۃ تو حضرت عطاء نے جواب دیا کہ یہ ثابت نہیں ہیں۔

اذا طاف بالبیت ثم یحل:۔ جزاء محذوف ہے ای یتم عمرتہ ثم یحل۔

باب الذبح قبل الحلق

غرض کی تین تقریریں ہیں۔ ۱- حلق سے پہلے ذبح کرنے کا استحباب بیان فرمانا مقصود ہے۔ ۲- وجوب بیان فرمانا مقصود ہے۔ ۳- حکم بیان فرمانا مقصود ہے۔ **لم یحل حتیٰ بلغ الھدی محلّہ**:۔ حضرت عمر کا مقصد کیا ہے۔ ۱- یہ بتلانا کہ بہتر یہ ہے کہ حج کے لئے الگ سفر کرے اور عمرہ کے لئے الگ سفر کرے۔ ۲- یہ بتلانا کہ افراد افضل ہے ان دو احتمالوں میں سے پہلا راجح ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ایک سفر میں حج اور عمرہ کرنے سے بہتر ہے کہ دو سفر کرے تاکہ سارا سال کعبۃ اللہ آباد رہے۔

باب من لبد راسہ عند الاحرام و حلق

غرض حنفیہ کے قول کا رد ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ تلبید کی صورت میں بھی احرام کھولتے وقت حلق واجب نہیں ہے چاہے سر منڈائے

اور چاہے تو بال سر کے کٹوالے وعند الجمہور حلق راس واجب ہے۔ تلبید کی صورت یہ ہوتی ہے کہ احرام باندھتے وقت سر پر شہد یا کوئی اور چیز چپکنے والی لگالے تا کہ بال منتشر نہ ہوں اور جوئیں بھی نہ پڑیں۔ ہماری حنفیہ کی دلیل قول اللہ تعالیٰ محلقین رؤسکم و مقصرین. حلق اور تقصیر کو اللہ تعالیٰ نے برابر ذکر فرمایا ہے عطف کے ساتھ کہ نفس جواز میں دونوں برابر ہیں۔ وللجمہور قول اللہ تعالیٰ و لیقضوا تفثھم کہ میل کچیل اتاریں۔ جواب یہ امر استحبابی ہے۔

باب الحلق والتقصیر عند الاحلال

غرض امام شافعی کی ایک کمزور روایت کا رد ہے وہ ہے کہ حلق اور تقصیر مناسک حج میں سے نہیں بلکہ محذورات احرام میں سے کسی ایک محذور کو بھی کرے تو حلال ہو جائے گا مثلاً سر ڈھانپ لے وعند الجمہور حلق یا تقصیر بھی مناسک میں داخل ہے اس کے بغیر حلال نہ ہوگا منشاء اختلاف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حلق فرمایا تھا اس کا درجہ کیا تھا جمہور کے نزدیک مناسک حج میں سے تھا اور امام شافعی کے نزدیک یہ ایک محذور کا ارتکاب تھا جمہور کے قول کے راجح ہونے کی وجہ۔ ا- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلقین کے لئے دعاء فرمائی ہے اور دعا ثواب کے کام پر ہوتی ہے اور ثواب عبادت پر ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر حلق عبادت ہے اور نسک حج میں داخل ہے۔ ۲- حدیث پاک میں حلق کی فضیلت قصر پر مذکور ہے اور فضیلت مباحات میں نہیں ہوتی اس سے بھی عبادت ہونا اور مناسک حج میں داخل ہونا ثابت ہوا۔ پھر امام بخاری جو عند الاحلال کی قید لگا رہے ہیں تو اس میں اشارہ ہے کہ حلق یا تقصیر کے بغیر حلال نہ ہوگا البتہ کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے۔ **قالھا ثلثاً قال وللمقصرین**:۔ اس باب کی سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ بعض روایات میں چوتھی مرتبہ تقصیر کا ذکر ہے لیکن زیادہ روایات میں تیسری دفعہ تقصیر کا ذکر ہے اس لئے یہی راجح ہے۔ **بمشقص**:۔ قینچی۔

باب تقصیر المتمتع بعد العمرة

غرض یہ ہے کہ متمتع کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ جب عمرہ کا احرام کھولے تو اس وقت صرف بال کٹائے حلق نہ کرائے تا کہ حج کے بعد حلق کرا سکے کیونکہ حلق افضل ہے اس افضل پر عمل کرنا حج میں اولیٰ ہے کیونکہ حج کا درجہ عمرہ سے اونچا ہے۔ **باب الزیارۃ یوم النحر**:۔ یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ طواف زیارت یوم النحر میں کرنا افضل ہے۔ **اخر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الزیارۃ الی اللیل**:۔ سوال مسلم اور ابوداؤد اور نسائی میں عن ابن عمرو جابر و عائشۃ یہ منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت دن کے وقت فرمایا تھا ان دو روایتوں میں تعارض پایا گیا۔ جواب۔ ا- یوم النحر میں دن میں طواف فرمایا اور ایام منیٰ میں رات کو طواف فرمایا۔ ۲- بخاری شریف کی زیر بحث روایت کے معنیٰ ہیں اخر الی الزوال کیونکہ زوال سے اسباب لیل شروع ہو جاتے ہیں بطور مجاز بالمشارفہ آنے والی صفت کو پہلے ہی ذکر کر دیا گیا۔ ۳- فی روایۃ ابن حبان مرفوعاً ثم رکب الی البیت ثانیا وطاف بہ طوافاً آخر باللیل انتھیٰ معلوم ہوا کہ دو دفعہ طواف فرمایا پہلے دن میں پھر رات میں۔ ۴- فی البیہقی عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن لاصحابہ فزاروا البیت یوم النحر ظھیرۃ (ای فی ظھر یوم النحر) وزار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع نسائہ لیلاً اس روایت سے معلوم ہوا کہ دن میں صحابہ کرام کو حکم فرمانے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف طواف کی نسبت کر دی گئی اور رات کو طواف کرنے کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حقیقی ہے۔ **کان یزور البیت ایام منیٰ**:۔ اس روایت کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہوتی ہے جو عن طاوس مرسلاً منقول ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یفیض کل لیلۃ بخاری شریف کی اس تعلیق میں بھی ایام کا مصداق لیالی ہی ہیں۔ پھر طواف قدوم اور طواف زیارت کے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرماتے تھے یا نہ تو امام بخاری نے نفی فرمائی ہے اور امام بیہقی نے اثبات فرمایا ہے اور مثبت زیارت کو ہی ترجیح ہوتی ہے اس لئے بیہقی کا قول راجح ہے۔

باب اذا رمی بعد ما امسیٰ او حلق قبل ان یذبح نا سیاً او جا ھلاً

غرض جمہور کے مسلک کی تائید کرنا ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ ترتیب بدلنے سے دم واجب نہیں ہے وعندا امامنا ابی حنیفۃ واجب ہے ولنا فی الطحاوی ومصنف ابن ابی شیبۃ عن ابن عباس موقوفاً من قدم شیاء من حجۃ اواخر فلیھرق لذلک دماً وللجمھور حدیث الباب اور اس کے قریب قریب ابوداوٗد میں بھی ہے عن ابن عباس مرفوعاً فسألہ رجل فقال حلقت قبل ان اذبح قال اذبح ولا حرج جواب یہاں گناہ کی نفی ہے کیونکہ پہلے پتہ نہ تھا۔ دم کی نفی نہیں ہے۔ سوال۔ اس مضمون کا باب تو پیچھے بھی گذر چکا ہے تکرار پایا گیا جواب صرف حلق اور ذبح تھا۔ یہاں ساتھ زیادتی بھی ہے۔

باب الفتیا علی الدابۃ عند الجمرۃ

غرض یہ ہے کہ رمی کے دوران مسئلہ بتلا دینا جائز ہے۔ سوال۔ کتاب العلم میں اسی مضمون کا باب گذر چکا ہے جواب۔ وہاں غرض تعلیم و تعلیم کا طریقہ بتلانا تھی کہ علم کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ رمی کے درمیان بھی سوال جواب کی اجازت دے دی گئی ہے اور یہاں یہ بتلانا ہے کہ حج کی عبادت میں اس سوال جواب سے نقصان نہیں ہوتا۔ سوال یہاں جو روایات ہیں ان میں جمرہ کا ذکر تو ہے ہی نہیں۔ جواب۔ کتاب العلم میں ان ہی عبداللہ بن عمرو سے جو روایت ہے اس میں یوں ہے رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الجمرہ وھو یسئل الحدیث۔

باب الخطبۃ ایام منیً

غرض حنفیہ اور مالکیہ کے قول کا رد ہے کہ منیٰ میں خطبہ مناسک حج میں سے نہیں امام بخاری مناسک میں سے شمار فرما رہے ہیں اور یہی مسلک شوافع اور حنابلہ کا ہے منشاء اختلاف اِسی حدیث الباب کا خطبہ ہے اُن کے نزدیک یہ مناسک کا جزء ہے ہمارے نزدیک عام وعظ و نصیحت ہے ہمارا مرجح یہ ہے کہ اِس میں حج کے خصوصی احکام مذکور نہیں ہیں معلوم ہوا کہ اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وعظ و نصیحت ارشاد فرمائی ہے ان کے لئے مرجح یہ ہے کہ یہاں خطب کا لفظ ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ لفظ تو عام وعظ و نصیحت میں بھی استعمال ہوتا رہتا ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ وقتاً فوقتاً وعظ و نصیحت فرماتے رہتے تھے۔

باب ھل یبیت اصحاب السقایۃ او غیر ھم بمکۃ لیالی منیٰ

غرض یہ ہے کہ یہ رخصت کہ ایام منیٰ کی راتیں منیٰ کی بجائے مکہ مکرمہ میں گذارے یہ رخصت صرف پانی پلانے والوں ہی کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ ہر عذر والا اس رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔

باب رمی الجمار:۔ غرض رمی جمار کا وقت بتلانا ہے کہ یوم النحر میں صبح ضحیٰ کا وقت ہے اور بعد میں زوال کا وقت ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے چاروں امام اسی کے قائل ہیں۔ **باب رمی الجمار من بطن الوادی**:۔ غرض رمی کا مسنون طریقہ بتلانا ہے کہ نیچی جگہ سے اونچی جگہ کی طرف رمی کرنا ہی مسنون طریقہ ہے۔

باب رمی الجمار بسبع حصیات

غرض رمی کا عدد واجب بیان فرمانا ہے کہ سات کنکریاں مارنی واجب ہیں۔

باب من رمی جمرۃ العقبۃ فجعل البیت عن یسارہ

غرض اس جگہ کا بیان ہے کہ جہاں سے رمی کرنا مستحب ہے کہ بیت اللہ بائیں طرف ہو اور منیٰ دائیں طرف ہو۔

باب یکبر مع کل حصاۃ

غرض یہ بتلانا ہے کہ ہر کنکری کو مارتے وقت اللہ اکبر کہنا مسنون ہے۔ حتیٰ اذا حاذی الشجرۃ اعترضھا:۔ جب درخت کی سیدھ میں تشریف لائے تو اس کے سامنے آگئے یعنی درخت اور جمرہ کے درمیان کھڑے ہو گئے اور کنکریاں مارنی شروع فرمادیں۔

باب من رمی جمرۃ العقبۃ ولم یقف

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ مسنون یہی ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی

کے بعد یوم النحر میں دعاء کے لئے کھڑا نہ ہو۔

باب اذا رمی الجمر تین یقوم مستقبل القبلة ویسهل

غرض یہ بتلانا ہے کہ رمی جمرتین کے وقت قبلہ رخ ہو کر نرم جگہ یعنی وادی میں کھڑا ہو ڈھلان پر کھڑا نہ ہو۔

باب رفع الیدین عن جمرة الدنیا والوسطیٰ

غرض یہ ہے کہ دُنیا اور وسطیٰ کے پاس ہاتھ اُٹھانے چاہئیں دعاء کے لئے دُنیا جو مسجد خیف سے قریب ہے۔ **باب الدعاء عند الجمر تین:** غرض یہ کہ طول دعاء جمرتین کے پاس مسنون ہے۔

باب الطیب بعد رمی الجمار والحلق قبل الافاضة

غرض خوشبو لگانے کا جواز بیان کرنا ہے بعد الرمی والحلق اور یہی جمہور فقہاء کا اتفاقی مسلک ہے۔

باب طواف الوداع

غرض یہ ہے کہ حائضہ کے سوا سب پر طواف وداع واجب ہے۔

باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت

غرض یہ کہ طواف زیارت کے بعد حیض آ جائے تو طواف وداع معاف ہو جاتا ہے۔ **وندع قول زید:** حضرت زید حائضہ کو بلا طواف وداع جانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ **وقال مسدد قلت لا:** غرض یہ ہے کہ مسدد اور جریر کی روایتیں بھی لمبی روایت کی طرح ہی ہیں۔

باب من صلی العصر یوم النفر بالابطح

غرض یہ ہے کہ واپسی کے دن ابطح میں عصر کی نماز پڑھنے کا واقعہ بیان فرمانا چاہتے ہیں۔

باب المحصب

غرض یہ ہے کہ محصب میں واپسی پر رات گذارنا مناسک حج میں داخل نہیں ہے۔ پھر محصب اور ابطح اور بطحاء اور خیف بنی کنانہ ایک ہی جگہ کے نام ہیں۔ عشاق کے لئے واپسی پر یہاں رات گذارنا مستحب ہے بشرطیکہ اس کو واجب نہ سمجھیں اور مناسک حج میں داخل شمار نہ کریں۔

باب النزول بذی طویٰ قبل ان یدخل مکة والنزول بالبطحاء التی بذی الحلیفة اذا رجع من مکة

غرض یہ ہے کہ ذی طویٰ میں اور واپسی پر ذی الحلیفہ کی بطحاء میں اترنا ایسا ہی ہے جیسے واپسی میں محصب میں اترنا ہے

باب من نزل بذی طویٰ اذا رجع من مکة

غرض یہ ہے کہ واپسی کے موقعہ پر ذی طویٰ میں اترنا محصب میں اترنے ہی کی طرح ہے۔

باب التجارة ایام الموسم والبیع فی اسواق الجاهلیة

غرض یہ ہے کہ ایام حج میں تجارت کرنا اور جاہلیت والے بازاروں میں بیع وشراء کرنا جائز ہے۔ موسم کا لفظ سِمَة سے لیا گیا ہے جس کے معنیٰ علامت کے ہیں کیونکہ ایام حج علامت ہیں لوگوں کے اجتماع کی **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم من مواسم الحج:** ۱۔ کسی راوی نے بطور تفسیر فی مواسم الحج ذکر فرما دیا۔ ۲۔ شاذ قراءت میں یہ بھی ہے۔ اور شاذ قراءت حدیث کے درجہ میں ہوتی ہے جس سے تفسیر ہو سکتی ہے۔

باب الادّلاج من المحصب

لفظ اِدّلاج جب دال کی تشدید سے ہو تو اخیر رات کے چلنے پر بولا جاتا ہے اور اگر دال کے سکون سے ہو تو رات کے چلنے پر بولا جاتا ہے مطلقاً شروع رات میں ہو یا اخیر رات میں۔ یہاں تشدید کے ساتھ ہے پھر باب کی غرض۔ ۱۔ ادّلاج کا جواز بیان فرمانا ہے کہ محصب سے اخیر رات میں روانہ ہو جانا جائز ہے۔ ۲۔ عشاق کے لئے استحباب بیان فرمانا مقصود ہے۔ **ابواب العمرة:** ای ابواب تذکر فیها مباحث العمرة اس تقدیر عبارت سے غرض بھی

ظاہر ہوگئی کہ عمرہ کے مباحث کا بیان مقصود ہے۔لغۃ میں عمر زیارۃ کرنے کواور مکان معمور کا قصد کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں قصد بیت اللہ بافعال مخصوصۃ۔وجوب العمرۃ وفضلھا:۔غرض امام شافعی اورامام احمد کے مسلک کی تائید کرنا ہے کہ عمرہ فرض ہے۔ اس کے برخلاف عند مالک وھو روایۃ عن اما منا ابی حنیفۃ سنّت موکدہ ہے وفی روایۃ عن اما منا عمرۃ واجب ہے۔سنت ہونے کی دلیل روایۃ الترمذی عن جابران النبی صلی اللہ علیہ وسلم سُئِل عن العمرۃ اواجبۃ ھی قال لاوان تعمر واھوافضل اورامام ترمذی نے اس حدیث کوحسن صحیح قرار دیا ہے۔وجوب کی دلیل حدیث الباب قال ابن عباس رضی اللہ عنہما انھا لقرینتھا فی کتاب اللہ واتمّوا الحج والعمرۃ للّٰہ. یہ آیت قطعی الثبوت اور ظنّی الدلالت ہے کیونکہ یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں یہ مقصود ہو کہ اگر حج اور عمرہ شروع کرلوتو پھر پورا کرنا واجب ہے اور دلیل امام شافعی اورامام احمد کی یہی حضرت ابن عباس والی روایت ہے اِن کے نزدیک یہ حدیث اور آیت وجوب پرمحمول ہیں جواب ابھی ہوگیا۔پھر ہمارے امام صاحب کی دوروایتوں میں سے وجوب والی کوترجیح ہے احوط ہونے کی وجہ سے یہی سنّت کی دلیل کا جواب بھی ہے کہ ہمارے سامنے دونوں قسم کی دلیلیں ہیں احتیاط کی بناپروجوب کوترجیح ہے۔

باب من اعتمر قبل الحج

غرض یہ ہے کہ حج سے پہلے صرف عمرہ کرکے واپس چلا جانا بھی جائز ہے۔کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم:۔غرض یہ بتلانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد کتنے عمرے ادا فرمائے ہیں۔فقال بدعۃ:۔چاشت کی نماز کا اظہار کرنے کے لئے مسجد میں پڑھنا بدعت ہے۔مااعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رجب:۔یہی راجح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں کوئی عمرہ ادانہیں فرمایا۔وعمرۃ الجعر انۃ:۔راجح یہ ہے کہ یہ بھی ذی قعدہ میں ہی تھا۔اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ فرمایا کیونکہ راجح یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے۔

وعمرۃٌ فی ذی القعدۃ:۔یہی راجح ہے۔

باب عمرۃ فی رمضان

غرض عمرہ فی رمضان کی فضیلت کا بیان کرنا ہے۔فرکبہ ابو فلان وابنہ لزوجھا وابنھا:۔ابوفلان سے مراد اُس عورت کا خاوند ہے اور ابنہ سے مراد اس عورت کا بیٹا ہے۔

باب العمرۃ لیلۃ الحصبۃ وغیرھا

غرض یہ ہے۔کہ واپسی کے دنوں میں جب محصب میں رات گذاری جاتی ہے ان دنوں میں بھی اور آگے پیچھے بھی عمرہ سارا سال جائز ہے۔

باب عمرۃ التنعیم

غرض یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے عمرہ کرنے والے کے لئے بہتر تنعیم سے احرام باندھنا ہے کیونکہ۔۱۔حرم کے اندر رہتے ہوئے جوعمرہ کرنا چاہے وہ حرم سے باہر جا کر احرام باندھ کرآتا ہے اور حرم سے باہر جگہ کوحل کہتے ہیں اور حل میں قریب ترین جگہ نماز کعبہ سے تنعیم ہے اور شریعت میں آسانی ہی کا لحاظ ہے اِن سب باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے۔۲۔حضرت عائشہ کونبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنعیم سے ہی احرام باندھنے کا امر فرمایا تھا۔پھر یہ تو افضلیت کا ذکر تھا جوازحل کی سب جگہوں میں ہے کہ حرم سے باہر جا کر جہاں سے چاہے احرام باندھ کرآجائے۔

باب الا عتماد بعد الحج بغیرھدی

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ حج کے بعد عمرہ کرنے والا متمتع نہیں ہوتا اس لئے اُس پردم تمتع نہیں ہے۔ولم یکن فی شیٔ من ذلک ھدی ولا صدقۃ ولادم:۔سوال۔بعض فقہاء کے نزدیک حضرت عائشہ پردم قران تھا اور بعض کے نزدیک دم رفض عمرہ تھا۔جواب۔یہ حضرت ہشام کا قول ہے جیسا کہ کتاب الحیض میں صحیح بخاری میں تصریح ہے اور اُن کا قول ان کے اپنے علم پرمبنی ہے۔۲۔ھدی کے معنیٰ وہ جانور جوحاجی یا معتمر گھر سے لے کر چلتا ہے۔یہ حضرت عائشہ پر واجب نہ تھا کہ گھر سے لے کر

جانور چلتیں اِن دونوں جوابوں کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ موطأ امام محمد میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کی طرف سے قربانی دی تھی پھر اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ ترجمۃ الباب تو فقہاء کے قول کے مطابق ہے لیکن استدلال امام بخاری کا ظاہر الفاظ سے ہے اور یہ امام بخاری کی عادات سے ہے کہ بعض دفعہ صرف ظاہری الفاظ سے استدلال فرما لیتے ہیں۔

باب اجر العمرة علی قدر النصب

غرض یہ ہے کہ جان اور مال میں مشقت زیادہ ہونے سے ثواب بڑھ جاتا ہے جیسے مکان کی فضیلت سے ثواب بڑھتا ہے جیسے مسجد حرام اور جیسے زمان کی وجہ سے ثواب بڑھتا ہے جیسے رمضان المبارک۔

باب المعتمر اذا طاف طواف العمرة ثم خرج هل يجزئه من طواف الوداع

غرض یہ ہے کہ حج کے بعد عمرہ کا طواف کر کے اگر روانہ ہو جائے تو طواف وداع واجب نہیں رہتا۔ **فلم تکن لهم عمرةً** :۔ ای لم تکن هذه الافعال عمرةً یعنی انہوں نے فسخ الحج بالعمرہ نہ کیا۔ **فارتحل الناس ومن طاف بالبیت قبل صلوٰة الصبح** :۔ ومن طاف یہ عطف خاص علی العام ہے کہ بعض نے رات ہی طواف وداع کر لیا تھا باقیوں نے نماز فجر سے پہلے کر لیا اور سب مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

باب يفعل بالعمرة ما يفعل بالحج

غرض یہ ہے کہ صرف احرام اور جنایات کے احکام میں حج اور عمرہ ایک جیسے ہیں۔ **کغطیط البکر** :۔ جوان اونٹ کی آواز کی طرح آواز تھی۔ **وکانت مناةُ حذو قُدَید** :۔ ان کا مناۃ بُت قُدید کی سیدھ میں تھا اور قُدید ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان تھی۔ **متیٰ یحل المعتمر** :۔ غرض یہ کہ طواف اور سعی کے بعد حلق یا قصر کر کے معتمر حلال ہو جاتا ہے۔ **ویطوفوا ثم یقصروا ویحلّوا** :۔ یعنی طواف خانہ کعبہ کا اور طواف صفا مروہ کا کر کے قصر کر کے حلال ہو جائیں۔ **فقال له صاحب لی** :۔ یہ حضرت اسماعیل کا مقولہ ہے۔ **اکان دخل الکعبة قال لا** :۔ یہ عمرۃ القضاء کا موقعہ ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں داخل نہ ہوئے تھے۔ بعد میں داخل ہوئے تھے۔ **بشّر واخدیجة** :۔ حضرت خدیجہ کی فضیلت ثابت ہوئی۔ **لاصَخَب ولا نَصَب** :۔ صخب کے معنیٰ شور کے ہیں اور نصب کے معنیٰ تھکاوٹ کے ہیں۔ مناسبت کعبۃ اللہ کے مضمون کے ساتھ یہ ہوئی کہ دنیا کے گھروں میں اگرچہ وہ فضیلت والے ہی ہوں جیسے خانہ کعبہ ہے ان میں شور بھی ہوتا ہے اجتماع کی وجہ سے اور مشقت بھی ہوتی ہے بنانے میں۔ جنت کے گھر ان دونوں تکلیفوں سے خالی ہوں گے متعنا اللہ بھا۔ آمین۔

باب ما يقول اذا رجع من الحج او العمرة او الغزو

غرض یہ ہے کہ ہر اچھے سفر سے واپس آ کر شکر اور توبہ کے کلمات کہے۔

باب استقبال الحاج القادمين والثلاثة على الدابة

حاجی حضرات کے استقبال کا جائز ہونا بیان کرنا مقصود ہے۔ وجہ۔ ا۔ تبرک۔ ۲۔ تعظیم اور دوسری غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر جانور برداشت کر سکے تو ایک جانور پر تین آدمیوں کا سوار ہونا بھی جائز ہے۔ پھر الحاج القادمین میں الحاج کا لفظ جنس کے معنیٰ کو بھی شامل ہے اس لئے اس کی صفت جمع لائی گئی۔

باب القدوم بالغداة

غرض یہ ہے کہ مستحب ہے کہ سفر سے گھر صبح کے وقت پہنچے تاکہ گھر والوں کو آسانی ہو۔

باب الدخول بالعشي

غرض یہ ہے کہ شام کے وقت داخل ہونا گھر میں سفر سے واپسی پر جائز ہے ممانعت صرف رات کو داخل ہونے سے ہے۔

باب لا یطرق اھلہ اذا دخل المدینۃ

غرض یہ کہ گھر میں سفر سے واپسی پر رات کے وقت داخل ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس میں گھر والوں کو شبہ ہوتا ہے کہ ہماری جاسوسی کر رہا ہے پھر مدینہ سے مراد۔ا۔ آنے والے کا شہر ہے۔۲۔ مدینہ منورہ مراد ہے پھر ظاہر یہی ہے کہ نھی تنزیہی ہے جب کہ لمبے سفر سے بلا اطلاع آئے .... کیونکہ دنیا کی راحت کی وجہ سے ہے تا کہ کوئی نامناسب حالت نہ دیکھے جیسے اڑھائی سال کی انڈیا کی قید کے بعد ایک سپاہی صوبہ سرحد آدھی رات کے قریب اپنے گھر آیا صرف بیوی کو پتہ چلا صبح سویرے بیوی بول و براز کے لئے باہر چلی گئی ساتھ والے مکان میں اس سپاہی کا بڑا بھائی اور اس کی بیوی رہتے تھے بھائی کی بیوی نے مردانہ جوتا دیکھا اور مرد کو منہ ڈھانپے ہوئے سویا ہوا دیکھا تو اپنے خاوند کو جگا کر کہا کہ دیکھو تمہاری بھائی کی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد نے رات گذاری ہے وہ بندوق لے آیا اور سوئے ہوئے مرد کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ سپاہی کی بیوی بھاگی ہوئی آئی کہ یہ تو تیرا بھائی ہے بدحواسی اور غصہ میں بڑے بھائی نے پہلے اپنی بیوی کو گولی ماری اور پھر خودکشی کر لی اگلے دن نوائے وقت اخبار میں یہ خبر احقر محمد سرور عفی عنہ نے خود پڑھی۔

باب من اسرع ناقۃ اذا بلغ المدینۃ

غرض یہ ہے کہ وطن کی محبت کی وجہ سے اپنے شہر کے قریب آ کر اپنی سواری کو تیز کر لینا بھی جائز ہے۔

باب قول اللہ تعالٰی واتوا البیوت من ابوابھا

غرض اس آیت کا شان نزول بیان فرمانا ہے کانت الانصار اذا حجوا:۔ انصار میں حصر نہیں ہے۔ غیر قریش کا یہی طریقہ تھا جیسا کہ دوسری روایات میں تصریح ہے۔ البتہ قریش اپنے اصلی دروازوں سے ہی داخل ہوتے تھے۔ **باب السفر قطعۃ من العذاب**:۔ ظاہر یہی ہے کہ غرض اشارہ کرنا ہے ایک حدیث کی طرف عن عائشۃ مرفوعاً اذا قضی احدکم حجہ فلیعجل الی اہلہ اس حدیث کا لحاظ کرتے ہوئے یہ باب ابواب حج کے مناسب ہو جائے گا کہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ حج کرنے کے بعد جو حقوق اللہ میں سے ہے حقوق العباد کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور سفر سے جلدی واپس پہنچ جانا چاہئے۔ **نھمتہ**:۔ حاجۃ **باب المسافر اذا جد بہ السیر یعجل الی اہلہ**:۔ غرض یہ ہے کہ اگر گھر والوں کے پاس جلدی جانے کی ضرورت ہو تو سفر تیز کر دینا مستحسن ہے بعض نسخوں میں یعجل سے پہلے واو بھی ہے اس نسخہ میں جزاء محذوف مانی جائے گی ماذا یصنع۔ **حتی اذا کان بعد غروب الشفق**:۔ یہ بعد کا لفظ کسی راوی کا وہم ہے کیونکہ صحیح روایات میں قبل غروب الشفق کی تصریح موجود ہے۔

باب جزاء الصید و نحوہ

غرض جزاء صید کی تفصیل ہے اور آیت کی تفسیر ہے۔ پھر ان احصار کے بابوں میں امام بخاری دشمن کی قید نہیں لگا رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے حنفیہ ہی کے قول کو لیا ہے۔ اختلاف عندنا منا احصار کے احکام ہر قسم کی رکاوٹ سے جاری ہو جاتے ہیں وعند الجمہور صرف دشمنوں کی رکاوٹ سے جاری ہوتے ہیں۔ منشاء اختلاف آیت احصار ہے **فان احصر تم فما استیسر من الھدی** ہمارے نزدیک یہ آیت عام ہے ہر قسم کی رکاوٹ کو شامل ہے جمہور کے نزدیک چونکہ یہ آیت دشمن کی رکاوٹ کے موقعہ پر نازل ہوئی تھی اس لئے دشمن کی رکاوٹ ہی مراد ہے اور اس کے سوِا کوئی رکاوٹ بیماری وغیرہ کی اِس حکم میں داخل نہیں ہے۔ ترجیح ہمارے امام صاحب کے قول کو ہے ابوداؤد کی روایت کی وجہ سے عن الحجاج بن عمرو مرفوعاً من کسر او عرج فقد حل وعلیہ الحج من قابل۔

باب اذا احصر المعتمر

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ا۔ جب عمرہ کے ارادہ والے کو روک دیا جائے تو کیا کرے جزاء محذوف ہے۔ ماذا یصنع۔۲۔ تقدیر عبارت تو یہی ہے اور غرض امام مالک کے قول کا رد ہے جو فرماتے ہیں کہ احصار صرف حج میں ظاہر ہوتا ہے عمرہ میں ظاہر نہیں ہوتا وعند الجمہور حج اور

عمرہ دونوں میں ظاہر ہوتا ہے وللجمھو ر واقعہ صلح حدیبیہ کا جس میں عمرہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا گیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احصار کے احکام جاری فرمائے ولما لک جب سارا سال عمرہ کے لئے موجود ہے جب بھی موقعہ ملے گا عمرہ کرے گا تو پھر احصار کیسے پایا گیا۔ جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

لا یحل حتی یطوف طوا فاً واحداً یوم یدخل مکة

مراد طواف زیارت اور یوم سے مراد یوم النحر ہے۔ **لواقمت بھذا:** ہذا سے مراد ھذا المکان یا ھذا العام ہے کہ اسی جگہ ٹھہرے رہیں اور مکہ مکرمہ تشریف نہ لے جائیں یا اس سال سفر نہ فرمائیں۔ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ **باب الاحصار فی الحج:** غرض احصار کے حکم میں حج کو عمرہ پر قیاس فرمانا ہے۔ کہ عمرہ کا احصار تو نص سے ثابت ہے اور حج کا احصار اس پر قیاس کرنے سے ثابت ہے۔

باب النحر قبل الحلق فی الحصر

غرض یہ ہے کہ حصر اور حج میں نحر حلق سے پہلے ہونا چاہئے اس لئے حصر کی قید احترازی نہیں ہے اقتضاءِ مقام کی وجہ سے ہے۔

باب من قال لیس علی المحصر بدل

غرض یہ ہے کہ جو امام یہ بیان کرتے ہیں کہ محصر کے ذمہ بدل نہیں ہے ان کے لئے سنت سے اصل ہے۔ اس ضمن میں دو اختلافی مسئلے بیان فرما رہے ہیں۔ **پہلا اختلاف:** عندامامنا ابی حنیفۃ دم احصار حرم میں ذبح ہوگا وعندالجمھو ر جہاں حلال ہو رہا ہے وہاں ذبح کرے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری بھی جمہور ہی کے ساتھ ہیں ولنا۔ ۱۔ ھدیا بالغ الکعبۃ ۔۲۔ ثم محلھا الی البیت العتیق وللجمھو ر فی الباب قول مالک تعلیقاً والحدیبیۃ خارج الحرم۔ جواب۔ فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن عطاء کان منزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الحدیبیۃ فی الحرم۔ **دوسرا اختلاف:** عندامامنا ابی حنیفۃ محصر پر حج اور عمرہ کی قضاء واجب ہے وعندالجمھو ر والبخاری قضاء واجب نہیں ہے ولنا ما نقل الواقدی من طریق الزھری قالوا امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ ان یعتمر وا فلم یتخلف الا من قتل بخیبر وللجمھو ر تعلیق الباب عن مالک ثم لم یذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر احدا ان یقضو شیئاً جواب ہماری روایت مثبت زیادۃ ہے اس لئے اُسی کو ترجیح ہے۔

باب قول اللہ تعالٰی فمن کان منکم مریضا او بہ اذیً من راسہ ففدیة من صیام او صدقة او نسک

غرض اس آیت کی تفسیر ہے اور معذور کا حکم بیان کرنا ہے کہ اس کے لئے حلق جائز ہے اور فدیہ واجب ہے۔

باب قول اللہ تعالٰی او صدقة وھی طعام ستة مساکین

غرض اس آیت کی تفسیر اور صدقہ کا مصداق بیان کرنا ہے کہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

باب الاطعام فی الفدیة نصف صاع

فدیہ کی مقدار بتلانی مقصود ہے اور وہ بالاتفاق نصف صاع ہے۔ **باب النسک شاة:** غرض آیت میں مذکور نُسکُ کا مصداق بتلانا ہے کہ کم از کم درجہ بکری کا ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ فلا رفث

غرض اس آیت کی تفسیر ہے اور پھر اس باب کا ربط احصار کے بابوں سے یہ ہے کہ محصر کو بھی رفث اور فسوق اور جدال کی ممانعت ہے اس لئے وہ حتی الامکان احصار کو دفع نہ کرے۔

باب قول اللہ عزوجل ولا فسوق ولا جدال فی الحج

غرض گذشتہ باب کا تتمہ بیان کرنا ہے اور اسی آیت کی تفسیر ہے۔

باب جزاء الصید و نحو و قول اللہ تعالیٰ لا تقتلوا الصید و انتم حرم

غرض صید کی جزاء اور دیگر محظورات احرام کی جزاء کا بیان ہے پھر یہ

باب بمنزلہ کلی کے ہے اور آئندہ کئی باب بطور جزئیات کے آئیں گے۔ پھر اپنی شرط پر حدیث نہ پانے کی وجہ سے صرف آیت پر اکتفاء فرمایا۔

باب اذا صاد الحلال فاهدى للمحرم الصيدا كله

غرض حنفیہ کی تائید ہے اختلافی مسئلہ میں اختلاف یوں ہے کہ عندامامنا ابی حنیفۃ حلال شکاری جانور کا گوشت کھانا محرم کے لئے جائز ہے جبکہ کسی حلال شخص نے محرم کو کھلانے کی نیت سے شکار کیا ہو وعندالجمہور جائز نہیں ولنا روایۃ الباب فی البخاری وابی داوٗد وا للفظ لابی داوٗد عن ابی قتادۃ مرفوعاً انما ھی طعمۃ اطعمکموھا اللہ تعالیٰ وللجمھور روایۃ ابی داوٗد عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً صید البر لکم حلال مالم تصیدوہ او یصاد لکم جواب مراد بامرکم ہے تاکہ تعارض نہ ہو۔ قیاماً قواماً:۔ یعنی جس سے کسی چیز کا نظام ہو اور جس پر کسی شئی کے وجود کا مدار ہو۔ فخشینا ان نقتطع:۔ ہمیں ڈر ہوا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ سے جدا نہ ہو جائیں کیوں؟ ا۔ زیادۃ فاصلہ کی وجہ سے۔ ۲۔ ہمارے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دشمن نہ آ جائے۔ ترکتہ بتعھن وھو قایل السقیا:۔ اُس شخص نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعھن نام کی جگہ پر چھوڑا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ السقیا نام کی جگہ پر پہنچ کر دوپہر کا قیلولہ فرمائیں گے۔ فاحرم اصحابہ ولم یحرم:۔ یہ عبارت اسی حدیث میں اوپر والی دو عبارتوں سے پہلے ہے۔ اس میں مختلف قول ہیں کہ حضرت ابوقتادہ نے احرام کیوں نہ باندھا تھا۔ ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ کو کسی جگہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا اسی زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ حدیبیہ کے لئے روانہ ہو گئے جب حضرت ابوقتادہ واپس تشریف لائے تو عمرہ کا ارادہ کئے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ ۲۔ حضرت ابوقتادہ عمرۃ الحدیبیہ میں ساتھ نہ نکلے تھے مدینہ منورہ ہی قیام کا ارادہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب احرام باندھ کر تشریف لے جا رہے تھے تو پیچھے مدینہ منورہ والوں کو شبہ ہوا کہ کوئی دشمن مدینہ منورہ پر حملہ کرنے والا ہے اس کی اطلاع کرنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آئے تھے۔ ۳۔ حضرت ابوقتادہ کا ارادہ عمرہ کا نہ تھا صرف تکثیر جماعت کے طور پر کچھ دور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے۔ ۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ کو سمندر کے کنارہ والے راستہ سے آنے کے لئے فرما دیا تھا کیونکہ اُس طرف سے کسی دشمن کا خطرہ تھا اور اُس طرف کی میقات ابھی شروع نہ ہوئی تھی ۵۔ ابھی میقات کی تعیین اچھی طرح نہ کی گئی تھی اس لئے کچھ آگے جا کر بھی احرام باندھنے کی گنجائش تھی اسی گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت ابوقتادہ نے ابھی احرام نہ باندھا تھا ارادہ تھا کہ آگے جا کر باندھ لوں گا۔ ان اقوال میں سے پہلے قول کو علامہ عینی نے اقوی قرار دیا ہے۔ ارفع فرسی شاء وأوا سیر شاء وأ۔ شاواً کے معنیٰ ہیں مرۃً یعنی کبھی میں زیادہ تیز چلاتا تھا گھوڑے کو اور کبھی کچھ آہستہ چلتا تھا۔

باب اذا رأى المحرمون صيداً فضحكوا ففطن الحلال

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ مُحرم کا ہنسنا اشارہ الی الصید میں داخل نہیں ہے۔ فانُبنا بعد و بغیقہ:۔ غیقہ حرمین کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

باب لا يعين المحرم الحلال فى قتل الصيد

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ محرم کے لئے جائز نہیں ہے کہ حلال کی شکار میں امداد کرے۔

كنا مع النبى صلى الله عليه وسلم بالقاحة من المدينة على ثلث

یعنی ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قاحہ جگہ پر تھے جو مدینہ منورہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ قال لنا عمرو:۔ یہ حضرت سفیان بن عیینہ کا مقولہ ہے۔ اذھبوا الیٰ ابی صالح فسلوہ عن ھذا وغیرہ:۔ غرض شوق دلانا تھا کہ حضرت ابوصالح

کے پاس جائیں اور یہ حدیث اور دوسری احادیث ان سے حاصل کریں۔ وقدم علینا ھھنا:۔ یعنی حضرت ابوصالح مدینہ منورہ سے یہاں مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تھے۔

باب لایشیر المحرم الی الصیدلکی یصطادہ الحلال

غرض یہ ہے کہ محرم کے لئے شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی جائز نہیں ہے اس نیت سے کہ حلال آدمی شکار کرے۔ خرج حاجاً یہاں حج اصغر مراد ہے یعنی عمرہ کیونکہ عمرہ کو بھی مجازاً حج اصغر کہہ دیتے ہیں کیونکہ یہ حج کے مشابہ ہے۔

باب اذا اھدی للمحرم حماراً وحشیاً لم یقبل

غرض دو چیزیں ہیں ۱-یہ مسئلہ بیان کرنا کہ زندہ شکاری جانور کا ہدیہ قبول کرنا محرم کے لئے جائز نہیں ہے۔ ۲-مسلم شریف کی ایک روایت میں وہم ہونے کی طرف اشارہ ہے اس میں یوں ہے مرفوعاً انہ اُھدی قطعۃ لحم صحیح یہ ہے کہ زندہ جانور کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمایا تھا۔

باب مایقتل المحرم من الدواب

غرض ان جانوروں کا بیان ہے جن کا قتل کرنا محرم کے لئے جائز ہے وجہ جواز ۱-یہ جانور موذی ہیں۔ ۲-یہ جانور حرام ہیں۔ راجح پہلی وجہ ہے۔

باب لایعضد شجر الحرم

غرض یہ ہے کہ حرم کے درختوں کا کاٹنا جائز نہیں۔

وانما اذن لی ساعۃً من نھار

اس ساعت کا مصداق طلوع شمس سے صلوٰۃ عصر تک تھا۔

باب لاینفر صید الحرم

غرض یہ ہے کہ حرم کے شکاری جانوروں کا بھگانا جائز نہیں ہے۔

باب لایحل القتال بمکۃ

یہ غرض ہے کہ مکہ مکرمہ کے اندر قتال جائز نہیں ہے۔

باب الحجامۃ للمحرم

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ محرم اگر اپنے بدن پر سینگی لگوائے تو اس کا کیا حکم ہے مسئلہ اختلافی ہے عند مالک مکروہ ہے وعند الجمھور بلا کراہت جائز ہے وللجمھور حدیث الباب فی البخاری وابی داؤد عن ابن عباس احتجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم ولمالک سینگی لگوانے میں خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی بال کٹ جائے اس لئے مکروہ ہے جواب۔ ۱-حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ ۲-ایسا معمولی احتمال تو بوجھ اٹھانے اور منہ دھونے میں بھی ہے جب یہ دونوں کام کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ہیں تو سینگی لگوانا بھی مکروہ نہ ہونا چاہئے۔

باب تزوج المحرم

غرض حنفیہ کے قول کی تائید ہے کہ محرم کے لئے جائز ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح کرے اور یہ نکاح صحیح ہے وعند الجمھور صحیح نہیں ہے۔ منشاء اختلاف حضرت میمونہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح فرمانا ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نکاح احرام کی حالت میں فرمایا تھا جیسا کہ صحاح ستہ میں حضرت ابن عباس سے مرفوعاً منقول ہے۔ اور جمہور کی تحقیق یہ ہے کہ حلال ہونے کی حالت میں یہ نکاح فرمایا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابورافع والی روایت میں ہے جو ترمذی اور مسند احمد میں منقول ہے۔ ہمارے مرجحات۔ ۱-ہماری روایت کی سند زیادہ قوی ہے چنانچہ صحاح ستہ میں موجود ہے۔ ۲-حضرت ابن عباس کا فقہ۔ حدیث اور تفسیر میں بہت اونچا مقام ہے۔ حضرت ابورافع کا ایسا مقام نہیں ہے۔ ۳-احرام کی حالت میں بیوی کی طرح رکھنے کی نیت سے لونڈی کا خریدنا جائز ہے بالاجماع اسی پر نکاح کو قیاس کریں گے پس قیاس ہمارے لئے مُرجح ہے۔ ۴-ہم دونوں قسم کی روایتوں کو جمع کرتے ہیں کہ نکاح کا ایجاب وقبول احرام کی حالت میں ہوا اور ظہور نکاح کا یعنی رخصتی حلال ہونے کی حالت میں ہوئی۔ اس کے برعکس توجیہ نہیں ہو سکتی کہ نکاح حلال ہونے کی صورت میں مکہ مکرمہ میں ہوا اور رخصتی بعد میں احرام کی صورت میں ہوئی کیونکہ واپسی پر تو احرام نہ تھا۔ ۵-

فی الطحاوی عن ابن عباس انہ علیہ الصلوۃ والسلام تزوجھا وھو محرم فاقام بمکۃ ثلاثاً فاتاہ حویطب فی نفر من قریش فی الیوم الثالث فقالوا قد انقضی اجلک فاخرج عنا فقال وما علیکم لو ترکتمونی فعرستُ بین اظہرکم فصنعنا لکم طعاماً فحضرتموہ فقالوا لا حاجۃ لنا فی طعامک فاخرج عنا فخرج وخرج بمیمونۃ حتی عرس بھا بسَرِف۔ اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نکاح پہلے احرام کی حالت میں ہو چکا تھا اب عمرہ کے بعد مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا رخصتی کے لئے تھا۔ ۶۔ فی الطحاوی عن ابی ہریرۃ مثل روایۃ ابن عباس۔ ۷۔ فی الطحاوی عن عائشۃ مثل روایۃ ابن عباس اور آخری دونوں روایتوں کو حافظ ابن حجر نے صحیح قرار دیا ہے۔

مرجحات الجمھور:۔ ۱۔ روایۃ ابی داؤد عن عثمان بن عفان مرفوعاً لا ینکح المحرم ولا ینکح۔ جواب نہی تنزیہی ہے کیونکہ لا یخطب بھی تو ساتھ ہی ہے یعنی نسبت کرنا احرام میں بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے اس لئے نکاح پڑھنا بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ ۲۔ فی ابی داؤد عن یزید بن الاصم ابن اخی میمونۃ عن میمونۃ قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن حلالان بسرف اس روایت میں ابن اخی میمونۃ کسی راوی کی غلطی ہے صحیح ابن اخت میمونۃ ہے جب یہ بھانجے ہیں تو ان کی روایت سے بہت زیادہ قوت حاصل ہوئی کیونکہ یہ گھر کے آدمی ہیں۔ جواب حضرت ابن عباس بھی تو بھانجے ہی ہیں پھر کمال علمی حضرت ابن عباس کا حضرت یزید بن الاصم پر بہت زائد ہے۔ ۳۔ فی ابی داؤد عن سعید بن المسیب قال وھم ابن عباس فی تزویج میمونۃ وھو محرم جواب خلفاء اربعہ کے علاوہ کوئی صحابی بھی حضرت ابن عباس کو وہم کرنے والا کہتا تو وہ بھی معتبر نہ تھا کیونکہ حضرت ابن عباس کا مقام علمی بہت بلند ہے حضرت سعید بن المسیب تو تابعی ہیں اُن کا یہ قول کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ ۴۔ حضرت ابو رافع نکاح کا پیغام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت میمونہ کے پاس لائے تھے۔ اس لئے وہ حالات کو زیادہ جانتے ہیں۔ جواب۔ نسبت اور منگنی ہو جانے سے حضرت ابو رافع کا کام ختم ہو گیا۔ بعد میں جب نکاح ہوا تو حضرت عباس حضرت میمونہ کے وکیل تھے اور حضرت ابن عباس حضرت عباس کے حالات حضرت ابو رافع سے زیادہ جانتے ہیں۔ ۵۔ جمہور کے دوسرے مرجح والی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت میمونہ جو صاحب واقعہ ہیں وہ خود یہی نقل فرما رہی ہیں کہ میرا نکاح حلال ہونے کی صورت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ جواب۔ حضرت میمونہ صاحب واقعہ رخصتی کے واقعہ میں ہیں اور اس روایت میں رخصتی ہی کو ذکر فرما رہی ہیں، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ رخصتی حلال ہونے کی صورت میں واپسی میں ہوئی ہے۔ نکاح کے ایجاب وقبول میں وہ صاحب واقعہ نہیں ہیں ان کے وکیل صاحب واقعہ ہیں یعنی حضرت عباس۔ ۶۔ محرم ہونے کی حالت میں نکاح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلے نکاح فرمایا پھر عمرہ ادا فرمایا یہ تو شان نبوت کے خلاف ہے کہ جس اہم عبادت کے لئے لمبا سفر فرمایا اس کی طرف توجہ نہ فرمائی ہو اور پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح میں مشغول ہو گئے ہوں۔ جواب۔ یہ خرابی اس وقت لازم آتی ہے جبکہ نکاح مکہ مکرمہ میں مانا جائے۔ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے سفر کی حالت میں مقام سرف پر جہاں حضرت عباس استقبال کے لئے مکہ مکرمہ سے باہر ایک دو منزل پہلے حاضر ہوئے تھے وہاں نکاح ہوا ہے اور واپسی پر اسی جگہ رخصتی ہوئی اور پھر بعد میں حضرت میمونہ کی وفات بھی اسی سرف کے مقام پر ہوئی اور آپ کو اسی مقام پر دفن کیا گیا۔ مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا کام عمرہ ادا فرمانے کا ہی کیا۔ ۷۔ حضرت ابن عباس کی عمر نکاح کے وقت دس سال کی تھی اور حضرت ابو رافع بالغ تھے اس لئے بالغ کی روایت کو ترجیح ہونی چاہئے جواب علمی فضیلت عمر کی فضیلت سے زائد ہوتی ہے۔

باب ما ینھی من الطیب للمحرم و المحرمۃ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ خوشبو احرام کے خلاف ہے۔

باب الاغتسال للمحرم:۔ ظاہر یہی ہے کہ غرض رد کرنا ہے امام مالک کے قول کا کہ بلا جنابت غسل کرنا محرم کے لئے عند مالک جائز نہیں ہے اور عند البخاری والجمھور جائز ہے۔ لنا۔ حدیث

الباب جس میں حضرت ابوایوب نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام میں ہاتھوں کو سر پر پھیر کر سر دھونا اور غسل فرمانا نقل فرمایا ہے۔ ولمالک غسل کرنا سر پر کپڑا اوڑھنے کی طرح ہے جواب۔ قیاس سے حدیث کو نہیں چھوڑ سکتے۔

باب لبس الخفین للمحرم اذا لم یجد النعلین

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ جوتا نہ ہو تو موزے کا پہننا محرم کے لئے جائز ہے پھر اختلاف کی وجہ سے کاٹنے کی تصریح نہ فرمائی عنداحمد کاٹنا ضروری نہیں ہے بلا کاٹے موزے پہننے جائز ہیں جمہور کے نزدیک کاٹنا واجب ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر مرفوعاً ولیقطعھما حتیٰ یکونا اسفل من الکعبین امام احمد کے نزدیک یہ امر استحبابی ہے اور عندالجمہور وجوبی ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ اصل امر میں وجوب ہی ہے۔

باب اذا لم یجد الازار فلیلبس السراویل

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ تہ بند نہ ہو تو سلوار کو ہی تہ بند کی طرح بدن پر لپیٹ لے۔

باب لبس السلاح للمحرم

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ میں ہتھیار پہننا بھی جائز ہے لیکن یہ شرط ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

باب دخول الحرم و مکة بغیر احرام

غرض امام مالک اوز امام شافعی کی ایک ایک روایت کی تائید کرنا ہے کہ بغیر احرام کے بھی حرم شریف اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونا جائز ہے ان دونوں حضرات کی اشہر روایت اور مسلک امام ابو حنیفہ واحمد کا یہ ہے کہ جائز نہیں ولنا روایة ابن ابی شیبة بسند حسن عن ابن عباس مرفوعاً لاتجاوز والمیقات الا بالاحرام وللشافعی و مالک۔ ا۔ اول الباب عن ابن عباس مرفوعاً ھن لھن ولکل آتٍ اتی علیھن من غیرھم من اراد الحج والعمرة جواب ہماری دلیل منطوق کے درجہ میں ہے اور آپ کی مفہوم مخالف کے درجہ میں ہے اور منطوق کو مفہوم مخالف پر ترجیح ہوتی ہے۔ ۲۔ ثانی الباب عن انس مرفوعاً دخل عام الفتح وعلیٰ راسه المغفر جواب۔ یہ خصوصیت تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسا کہ روایات میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ روایات میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طلوع شمس سے صلوة عصر تک اجازت دی گئی تھی کہ جہاد فرما کر مکہ مکرمہ فتح فرمالیں۔

باب اذا احرم جاهلاً وعلیه قمیص

غرض امام شافعی واحمد کا قول اختیار فرمانا ہے کہ لاعلمی یا نسیان میں محرم لباس سلا ہوا پہن لے تو کفارہ نہیں ہے وعند امامنا ابی حنیفة و مالک کفارہ واجب ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن یعلی بن اُمیّة مرفوعاً جہالت سے جبہ پہننے والے سے فرمایا۔ اصنع فی عمرتک ما تصنع فی حجتک ہمارے نزدیک ممانعت ثابت ہوگئی کہ حاجی کی طرح سارے کام کرو۔ اور حاجی کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے اور پہننے پر کفارہ ہے اسی طرح جہالت یا نسیان سے پہننے کا حکم بھی ثابت ہو گیا کہ کفارہ ہے اور اس حدیث میں جہالت کی وجہ سے ہی جُبّہ پہنے ہوئے تھے۔ اور امام شافعی واحمد کا استدلال یوں ہے کہ یہاں کفارہ کا ذکر نہیں ہے معلوم ہوا کفارہ جہالت میں نہیں ہے اسی حکم میں نسیان ہے۔ ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ شہرت کی بناء پر کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا۔

باب المحرم یموت بعرفة ولم یامر النبی صلی الله علیه وسلم ان یودی عنه بقیة الحج

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ حج کے دوران فوت ہونے والے کی طرف سے حج بدل کرانا ضروری نہیں ہے اور یہ اس پر محمول ہے کہ مرنے والے نے حج بدل کی وصیت نہ کی ہو، اور اگر وصیت کی ہو تو پھر حج بدل کرانا ثلث مال میں سے ضروری ہوتا ہے۔

باب سنة المحرم اذامات

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ محرم احرام میں وفات پاجائے تو اس کے کفن دفن کا کیا طریقہ ہوگا۔ اختلاف:۔ کتاب الجنائز میں گذر چکا۔

باب الحج والنذور عن المیت والرجل یحج عن المرءة

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ پہلا مسئلہ:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ اپنا حج کرنے سے پہلے بھی حج بدل کرلے تو صحیح ہوجاتا ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری بھی اسی طرف مائل ہیں وعندالجمھو رصحیح نہیں ہوتا ولابی حنیفۃ حدیث الباب عن ابن عباس ان امراءۃ من جھینۃ جاءت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتیٰ ماتت افاحج عنھا قال نعم اُس عورت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دریافت نہ فرمایا کہ تم اپنا حج بھی کرچکی ہو یا نہ وللجمھو رروایۃ ابی داؤد عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لبیک عن شبرمۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من شبرمۃ قال اخ لی اوقریب لی قال احججت عن نفسک قال لا قال حج عن نفسک ثم عن شبرمۃ۔ جواب۔ ا۔ استحباب پر محمول ہے۔ دوسرا مسئلہ:۔ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اور ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری بھی اسی کے قائل ہیں کہ مرد عورت کی طرف سے بھی حج بدل کرسکتا ہے اور دلیل یہی حدیث الباب ہے جس میں عن ابن عباس مرفوعاً منقول ہے اراءیت لوکان علی امکَ دین اکنتِ قاضیۃً معلوم ہوا حج قرضہ کی طرح ہے جب مرد عورت کی طرف سے قرضہ ادا کرسکتا ہے تو اس کی طرف سے حج بھی کرسکتا ہے۔

باب الحج عمن لا یستطیع الثبوت علی الراحلة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جو اتنا کمزور ہو کہ سواری پر سوار نہ ہو سکے۔ اس کی طرف سے حج بدل ہوسکتا ہے۔

باب حج المرأة عن الرجل

غرض شبہ کا ازالہ ہے کہ عورت تلبیہ کے ساتھ آواز بلند نہیں کرتی رمل نہیں کرتی شاید وہ مرد کے حج بدل کی اہل نہ ہو اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ شریعت نے اس کو اہل قرار دیا ہے۔

باب حج الصبیان

غرض یہ ہے کہ بچے کا حج بھی صحیح ہے اور اس کو حج کرنے کی مشق کرائی جائے لیکن احرام کے خلاف کام کرنے سے بچے پر چٹی نہیں آتی۔ حج بی:۔ ای حُجَّ بی اُمّی اسی طرح ایک روایت میں مذکور ہے۔

باب حج النساء

غرض یہ ہے کہ عورتوں کا حج مردوں کے حج ہی کی طرح ہے کسی کسی حکم میں فرق ہے۔ **باب من نذر المشی الی الکعبۃ**:۔ غرض یہ ہے کہ اگر کوئی نذر مان لے کہ میں پیدل حج کروں گا تو اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ **کان ابوالخیر لا یفارق عقبۃ**:۔ غرض یہ ہے کہ سماع ثابت ہے۔

باب فضائل المدینة

غرض مدینہ منورہ کے فضائل اور احکام کا ذکر کرنا ہے لفظ مدینہ مَدَنَ بمعنیٰ اقام سے لیا گیا ہے۔ جب مطلق بولا جائے تو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی اقامت میں کامل ہے جیسے الکتاب مطلق ہو تو کتاب اللہ مراد ہوتی ہے البیت مطلق ہو تو بیت اللہ اور کعبۃ اللہ مراد ہوتا ہے۔ **باب حرم المدینۃ**:۔ غرض بظاہر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تائید ہے کہ مدینہ منورہ کا حرم ہونا استحبابی ہے وعندالجمھو روجوبی ہے ولنا ثانی الباب عن اَنس مرفوعاً فامر بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسُوِّیت وبالنخل فقطع وللجمھو راول الباب عن انس مرفوعاً المدینۃ مِن کذا الی کذا لایقطع شجرھا جواب نھی تنزیھی ہے کیونکہ حرم مکہ کی طرح درخت کاٹنے کی سزا مذکور نہیں ہے۔ **لابتی المدینۃ**:۔ پہلے سر سری نظر سے دیکھ کر فرمادیا تھا کہ مجھے شبہ ہے کہ شاید تم حرم سے باہر رہتے ہو پھر غور فرمایا تو اندازہ فرمایا کہ نہیں حرم کے اندر ہی ہو اس لئے پہلے قول سے رجوع فرمالیا۔ **عائر**:۔ مدینہ منورہ کے کنارے پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔ **صرف ولا عدل**:۔ ا۔ عند

الجمہور صرف فرضی عبادت عدل نفلی عبادت۔۲۔عند الحسن البصری اس کا عکس صرف نفلی عبادت اور عدل فرضی عبادت۔

باب فضل المدینة وانها تنفی الناس

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ مدینہ منورہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ پاک شہر شریر لوگوں کو نکال باہر کرتا ہے۔ **تاکل القری:**۔یعنی یہ پاک شہر دُنیا کے بہت سے شہروں پر غالب آجائے گا۔جیسا کہ غلبہ اسلام سے ظاہر ہوگیا۔

باب المدینة الطابة

مدینہ منورہ کا ایک نام طابہ بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ وہ پاک روحوں کی جائے قرار ہے۔

باب لا بتی المدینة

غرض حد بیان فرمانی ہے عیر اور ثور کے درمیان واقع ہے مدینہ منورہ۔

باب من رغب عن المدینة

غرض مذمت بیان کرنی ہے مدینہ منورہ چھوڑنے کی پھر اس حدیث کے مصداق ہیں دو قول ہیں۔۱۔مدینہ منورہ کو چھوڑنا پایا جا چکا ہے کیونکہ خلافت شام کی طرف اور پھر عراق کی طرف منتقل ہوگئی اور چند دن فتنوں کی وجہ سے مدینہ منورہ خالی بھی رہا۔۲۔یہ بالکل قرب قیامت میں ہوگا کیونکہ بعض روایتوں میں چالیس سال چھوڑنا بھی مذکور ہے اور ایسا ماضی میں کبھی نہیں ہوا۔**ینعقال:**۔چیختے ہوں گے اور زور سے آواز نکالتے ہوں گے۔**تفتح الیمن:**۔جس ترتیب سے اِس حدیث پاک میں مذکور ہوا اُسی ترتیب سے یہ تینوں مُلک فتح ہوئے یمن خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں فتح ہوا اور پھر شام اور پھر عراق دونوں حضرت عمرؓ کی خلافت میں فتح ہوئے اور پیشین گوئی کا معجزہ ظاہر ہوا۔**یبسّون:**۔ باب ضرب یضرب سے انٹوں کو تیز چلاتے ہوں گے۔

باب الایمان یارزالی المدینة

غرض اس پیشین گوئی کا ذکر ہے کہ جیسے سانپ بہت تیزی سے الٹا چلتا ہے اسی طرح اخیر زمانہ میں نیک لوگ مدینہ منورہ کی طرف آئینگے۔

باب اثم من کا داهل المدینة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اہل مدینہ کو تکلیف پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے۔**انماع:**۔پگھل جائے گا یعنی ہلاک ہوجائے گا۔

باب اٰطام المدینة

آطام جمع ہے اطم کی بمعنی حصن یعنی قلعہ پس غرض مدینہ منورہ کے قلعوں اور مکانوں کی شرافت کا بیان ہے اور یہ شرافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں تشریف لانے اور قیام فرمانے اور مدفون ہونے کی وجہ سے ہے۔

باب لایدخل الدجال المدینة

غرض مدینہ منورہ کی یہ فضیلت بیان فرمانی ہے کہ فرشتوں کی حفاظت کی وجہ سے دجال مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوسکے گا۔**ہل تشکون فی الامر فیقولون لا:**۔کافر حقیقت کی بنا پر کہیں گے کہ ہم تیرے خدا ہونے میں شک نہ کرینگے اور مومن بطور توریہ کے کہیں گے کہ ہم تیرے کفر میں شک نہ کرینگے اور تیرے دجال و کذاب ہونے میں شک نہ کرینگے۔

باب المدینة تنفی الخبث

غرض اس فضیلت کا بیان ہے کہ خراب لوگوں کو مدینہ منورہ نکال دیتا ہے لیکن اس کا ظہور تدریجاً ہوتا ہے یعنی وقتاً فوقتاً۔ ہر وقت نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً صفائی ہوتی رہتی ہے۔ **اقلنی:**۔کس چیز کا اقالہ کرنا چاہتا تھا تین احتمال ہیں۔۱۔ہجرت سے رجوع کرنا چاہتا تھا۔۲۔اسلام چھوڑنا چاہتا تھا۔۳۔مدینہ منورہ میں چند دن رہائش رکھنے سے رجوع کرنا چاہتا تھا۔**وینصع طیبها:**۔نصوع کے معنیٰ خلوص کے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ اچھے آدمی کی تائید کرتا ہے اور اس کو مدینہ منورہ مضبوط کرتا ہے سوال۔ منافقین کیسے مدینہ منورہ میں رہ گئے اور نہ نکالے گئے جواب۔ان کا چونکہ یہ وطن اصلی تھا اور وہ اسلام کی خاطر ہجرت کر کے یہاں نہ آئے تھے اس لئے وہ مستثنیٰ قرار دے گئے۔۲۔اس حدیث پاک

کے یہ معنیٰ ہیں کہ ایمان لانے کے بعد جو شخص کمزوری اختیار کرتا ہے اس کو مدینہ منورہ نکال دیتا ہے اور منافقین تو کافر ہی تھے وہ ایمان لائے ہی نہ تھے پھر یہ اعرابی والا واقعہ کب پیش آیا اس میں دونوں قول ہیں۔ ا۔جس زمانے میں ہجرت شرط ایمان تھی اس زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا اور وہ دیہاتی یہ نہ جانتا تھا کہ ہجرت چھوڑنے سے ایمان ہی ختم ہو جائے گا۔

۲۔ فتح مکہ کے بعد جب ہجرت شرط ایمان نہ رہی تھی اس وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ سوال اس گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیہاتی مرتد ہو گیا تھا کیونکہ اس نے کہہ دیا کہ میں ایمان یا ہجرت یا یہاں کا قیام واپس کرنا چاہتا ہوں تو ارتداد کی وجہ سے تو اس کو قتل کر دینا چاہئے تھا پھر اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیوں نہ کروایا۔ جواب۔ جہالت کی وجہ سے ایسا کہا تھا اور بخار تیز ہونے کی وجہ سے وہ معذور تھا مرتد نہ ہوا تھا اگر مرتد ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرنے کیوں آتا بلکہ عرنیین کی طرح بھاگ جاتا جو مرتد ہوئے اور چرواہے کو قتل کر کے بھاگ گئے تھے۔

باب:۔ تتمہ کے طور پر برکت زیادہ ہونے کی دعا ہے اور برکت زیادہ ہونے سے خراب چیز کا نکالنا بھی زیادہ ہو جائے گا اور ایک نسخہ میں یوں ہے باب الدعاء للمدینۃ اس صورت میں مناسبت حدیث کی اور باب کا مقصد ظاہر ہے کہ یہ فضیلت بیان فرمانی مقصود ہے کہ مدینہ منورہ کی برکت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔ **اللھم اجعل بالمدینۃ ضعفی ماجعلت بمکۃ من البرکۃ**: معنیٰ ا۔ دنیا کی برکتیں مکہ مکرمہ سے دوگنا فرما دیں۔ ۲۔ دنیا اور دین دونوں کی برکتیں دوگنا فرما دیں لیکن مسجد حرام کی نماز کا ثواب مسجد نبوی سے زائد ہے یہ ثواب اس دوگنا ہونے سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس ثواب کا ذکر نصوص میں صراحۃً ہے کہ مسجد حرام کا ثواب مسجد نبوی کی نماز سے زائد ہے۔ **باب کراھیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تعری المدینۃ**:۔ غرض یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے کناروں پر رہائش چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ **باب**:۔ یہ باب گذشتہ باب کا تتمہ ہے کیونکہ اس میں مدینہ منورہ میں نفس سکونت کی ترغیب ہے اس لئے یہ اطراف کی سکونت کی ترغیب کا تتمہ ہے۔ **اُقلع عنہ**: جب بخار اتر جاتا۔ **عقیرتہ**:۔ وہ آواز جو گانے یا رونے میں بلند ہو۔ **الالیت شعری الخ**:۔ یہ دو شعر حضرت بلال کے اپنے نہیں ہیں بلکہ بکر بن غالب کے ہیں یا کسی اور شاعر کے ہیں **جلیل**:۔ کمزور گھاس۔ **مجنۃ**:۔ ایک پانی کا نام تھا جو عکاظ کے قریب تھا۔ **شامۃ و طفیل**:۔ ا۔ دو پہاڑوں کا نام ہے۔ ۲۔ دو چشموں کا نام۔ **بطحان**:۔ مدینہ منورہ کے قریب صحراء میں ایک وادی کا نام ہے۔ **یجری نجلاً**:۔ ای یجری واسعاً بہت بہتی تھی۔ **لعنی ماء واسعاً**:۔ حضرت عائشہ کی مراد یہ ہے کہ وہاں پانی وسیع تھا یہ کسی راوی نے تفسیر کی ہے۔

کتابُ الصوم

تقدیر عبارت یہ ہے کتاب فیہ بیان احکام الصوم وفضائلہ اس سے غرض بھی ظاہر ہوگئی کہ روزے کے احکام اور فضائل بیان کرنے مقصود ہیں۔ پھر لغت میں صوم کے معنیٰ امساک کے ہیں اور شرع میں ھوالامساک عن الاکل والشرب والجماع مع النیۃ۔ پھر ربط یہ ہے کہ ایمان اور علم کو مقدم فرمایا کیونکہ ان دونوں پر سب اعمال موقوف ہیں پھر کتاب الصلوٰۃ ذکر فرمائی کیونکہ قرآن و حدیث میں ایمان کے ساتھ صلوٰۃ کا ذکر ہے مثلاً **یومنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ** اسی طرح حدیث میں ہے **بُنی الاسلام علی خمس شهادة ان لااله الا الله وان محمد الرسول الله واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة والحج وصوم رمضان**۔ اسی حدیث کی ترتیب سے صلوٰۃ۔ زکوٰۃ۔ حج اور صوم کا بخاری شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

باب وجوب صوم رمضان

غرض روزے کی فرضیت کا بیان ہے اور جو آیت ذکر فرمائی ہے وہ دلالت کرتی ہے کہ پہلی امتوں میں بھی روزے فرض رہے ہیں۔

باب فضل الصوم

غرض روزے کی فضیلت کا بیان ہے اور نسائی کی مرفوع

روایت میں ہے علیک بالصوم فانہ لا مثل لہ ای لانظیر فی کسر الشھوہ۔ **یترک طعامہ وشرابہ وشہوتہ من اجلی:**۔ یہاں یترک سے پہلے قال اللہ تعالیٰ محذوف ہے کیونکہ پیچھے والذی نفسی بیدہ ہے وہ حدیث نبوی ہے اور آگے من اجلی ہے اور یہ حدیث قدسی ہے۔ پھر حدیث قدسی اور قرآن پاک میں دو فرق ہیں۔ ۱- قرآن پاک میں اعجاز ہے اور حدیث قدسی میں اعجاز ضروری نہیں۔ ۲- قرآن پاک سارے کا سارا بواسطہ جبریل علیہ السلام نازل ہوا ہے اور حدیث قدسی میں یہ ضروری نہیں بلکہ الہام خواب وغیرہ بھی ہوسکتا ہے اور حدیث نبوی اور حدیث قدسی میں یہ فرق ہے کہ حدیث قدسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ مذکور یا محذوف کے ذریعہ سے کوئی چیز بیان فرماتے ہیں۔

باب الصوم کفارۃ

غرض یہ ہے کہ روزہ گناہوں کا کفارہ ہے یہ فضیلت روزے کی بیان فرمانی مقصود ہے۔

باب الریان للصائمین

غرض اس باب کا ذکر ہے جو روزہ داروں کے لئے خاص ہے اور اس کا لقب باب الریان ہے ان کو الگ باب دینے کی حکمت۔ ۱- ان کا اکرام ہے۔ ۲- ان کے لئے الگ باب مقرر کیا گیا ورنہ اگر ایک ہی دروازہ سے سب اہل جنت داخل ہوتے تو بھیڑ کی وجہ سے پیاس لگ جاتی اسی لئے الگ باب مقرر کیا گیا کہ پیاس نہ لگے یہی وجہ ہے اس کے باب الریان نام رکھنے کی سیرابی کا دروازہ سیرابی پیاس کی ضد ہے سوال روزہ تو تقریباً سب مسلمان ہی رکھتے ہیں تو پھر سبھی اس میں سے داخل ہونگے پھر بھیڑ ہو جائیگی۔ جواب ۱- اس میں سے صرف وہ روزہ دار داخل ہونگے جو اپنے روزے کو رفث اور فسوق سے یعنی ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ۲- مراد وہ حضرات ہیں جن کی روزہ کی عبادت باقی عبادتوں پر غالب آ جائے جیسے فضل عالم علی العابد والی روایت میں عالم سے وہ مراد ہے جس کا علم عبادت پر غالب ہو یہ مراد نہیں ہے کہ عالم ہو اور عبادت سے بالکل خالی ہو کیونکہ وہ عالم ہی نہیں جو بالکل عبادت نہ کرے اور عالم بے عمل ہو اس کا علم تو ابلیس جیسا ہے۔ **نودی من ابواب الجنۃ:**۔ ای نودی من باب من ابواب الجنۃ:۔ **یا عبداللہ ھذا خیر:**۔ یہ دروازہ بہت اچھا ہے یہاں سے گزرو یہ الفاظ اس دروازہ کا چوکیدار فرشتہ کہے گا۔ **ارجوان تکون منھم:**۔ اے ابوبکر مجھے امید ہے کہ آپ کو سب دروازوں سے پکارا جائے گا۔ یہ صرف اعزازاً ہوگا کیونکہ داخل تو ایک ہی دروازہ سے ہونا ہے پھر یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت ابوبکر جامع الکمالات تھے اور ہر کمال اعلیٰ درجہ کا رکھتے تھے۔

باب ھل یقال رمضان اور شھر رمضان ومن رایٰ کلہ واسعاً

تین غرضیں ہیں۔ ۱- دونوں طرح کہنا جائز ہے رمضان اور شھر رمضان یہی جمہور فقہاء اور محققین کی رائے ہے۔ ۲- حضرت عطاء اور حضرت مجاہد کے قول کا رد مقصود ہے کہ وہ فرماتے تھے صرف رمضان کہنا مکروہ ہے شھر رمضان کہنا چاہئے جمہور کی دلیل اباحت اصلیہ ہے اور اس باب کی اکثر روایتیں ہیں جن میں صرف رمضان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مثلاً عن ابی ہریرۃ مرفوعاً اذا جاء رمضان فتحت ابواب الجنۃ۔ حضرت عطاء کی دلیل کامل لابن عدی کی روایت ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لاتقولوا رمضان فان رمضان اسم من اسماء اللہ تعالیٰ ولکن قولوا شھر رمضان جواب یہ روایت ضعیف ہے۔ ۳- تیسری غرض امام بخاری کی بھی یہی ہے کہ اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے ہیں۔ **باب رویۃ الھلال:**۔ غرض رویت ہلال کے اثبات کا طریقہ بتلانا ہے پھر بعض نسخوں میں یہاں باب نہیں ہے اُن نسخوں پر اشکال ہے کہ یہ روایت باب کے مناسب نہیں ہے جواب اسی حدیث کے بعض طرق میں یوں ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رمضان فقال لاتصوموا حتیٰ تروا الھلال۔

باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا ونیۃ

غرض روزے کی فضیلت کا بیان ہے جبکہ فرضیت صوم پر

ایمان بھی ہواور ثواب صوم کی رغبت بھی ہو۔اور نیت اخلاص کی بھی ہو۔ پھر نیت والی حدیث مرفوعاً اپنی شرط پر نہ پائی اس لئے تعلیق پر اکتفاء فرمایا البتہ ایمان اور احتساب والی مرفوعاً روایت ان کی شرط پر تھی اس لئے اس کو مسنداً ذکر فرمادیا۔

باب اجود ما كان النبی صلی الله عليه وسلم يكون فی رمضان

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ رمضان المبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجودیت زائد ہو جاتی تھی۔ اور یہ بھی رمضان المبارک کے فضائل میں سے ہے۔

باب من لم يدع قول الزور والعمل به فی رمضان

غرض قول زور اور گناہوں کی جو رمضان شریف میں ہوں مذمت ہے پھر قول زور کا مصداق کیا ہے مختلف قول ہیں۔ ا۔ جھوٹ بولنا۔۲۔ سیدھے راستہ سے ہٹنا یعنی غلط عقیدہ رکھنا۔ ۳۔عمل باطل اس میں سب گناہ آگئے۔۴۔ کسی پر تہمت لگانا۔

باب هل يقول انی صائم اذا شُتم

غرض یہ ہے کہ اگرچہ اصل یہ ہے کہ اپنی نیکی ظاہر نہ کی جائے لیکن اس نیت سے کہ مخالف شخص فضول جھگڑا چھوڑ دے یہ کہنا جائز ہے کہ میں روزہ دار ہوں پھر اس قول کی تفصیل میں مختلف اقوال ہیں کہ حدیث میں جو یہ کہنا مذکور ہے اس سے کیا مراد ہے۔ ا۔ زبان سے کہہ دے۔۲۔ دل میں کہے اور خود جھگڑے سے رُک جائے۔۳۔خود بھی سوچے اور زبان سے بھی کہے تا کہ خود بھی رُک جائے اور مخالف بھی رُک جائے۔۴۔ اگر رمضان المبارک کا مہینہ ہو تو زبان سے کہے۔اور باقی مہینوں میں دل میں کہے۔

باب الصوم لمن خاف علی نفسه العزوبة

غرض فضیلت بیان کرنی ہے روزے کی اس شخص کے لئے جس کو نکاح نہ کر سکنے کی وجہ سے زنا کا اندیشہ ہو ومن لم يستطع فعليه بالصوم:۔حضرت تھانوی کی مجلس میں کسی نے شہوت کے غلبہ اور زناء کے خوف کی شکایت کی تو ایک غیر مقلد صاحب خود ہی بول پڑے کہ روزے رکھو اس شخص نے کہا کہ میں نے روزے رکھے ہیں مجھے فائدہ نہیں ہوا۔حضرت نے فرمایا اب اس اشکال کا جواب دیں وہ نہ دے سکے تو حضرت نے فرمایا کہ حدیث میں فعلیہ بالصوم ہے۔علیٰ غلبہ کے لئے ہوتا ہے۔اس لئے معنیٰ یہ ہوئے کہ روزہ غالب آجائے اس لئے روزے مسلسل اتنے زیادہ رکھے کہ روزے شہوت پر غالب آجائیں۔

باب قول النبی صلی الله عليه وسلم اذا رأيتم الهلال فصوموا واذا رأيتموه فافطروا

غرض یوم شک کے روزہ کی کراہت کا بیان ہے۔فان غمّی علیکم:۔اگر تم پر غمّی بنادیا گیا ہو غباوۃ ضد ہے فطنۃ کی یعنی معلوم نہ ہوا۔غدا اور راح:۔اپنے گھر تشریف لے گئے صبح کے وقت یا شام کے وقت۔

باب شهرا عيد لا ينقصان

غرض اس حدیث کا بیان ہے کہ عید کے دو مہینے کم نہیں ہوتے اس کے معنیٰ۔ا۔ رمضان اور ذی الحجہ کے مہینے اگر ۲۹ کے بھی ہوں تو ثواب ۳۰ ہی کا ملتا ہے۔دونوں عبادت کے مہینے ہیں۔۲۔ اکثر دونوں اکٹھے ۲۹ کے نہیں ہوتے بلکہ یا دونوں ۳۰ دنوں کے ہوتے ہیں یا ایک ۳۰ دن کا ایک ۲۹ دن کا ہوتا ہے اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔۳۔ رمضان شریف کی طرح ذی الحجہ کا بھی بہت ثواب ہے یہ دونوں مہینے ایک دوسرے سے ثواب میں کم نہیں ہیں۔

باب قول النبی صلی الله عليه وسلم لا نكتب ولا نحسب

غرض یہ ہے کہ مدار یقین پر ہے جو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے اٹکل اور اندازوں اور حساب کتاب پر مدار نہیں ہے جو علم ہیئت اور علم نجوم میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

باب لا يتقدمن رمضان بصوم يوم ولا يومين

غرض رد کرنا ہے اس شخص پر جوشریعت کی حد سے تجاوز کرے کہ رمضان شریف سے ایک دودن پہلے ہی روزے شروع کردے کیونکہ یہ رمضان کوغیر رمضان سے خلط کرنا ہے وتلک حدود اللہ فلا تعتدوھا۔

باب قول الله جل ذكره احل لكم ليلة الصيام الآية

غرض کی متعدد تقریریں ہیں۔۱۔اس آیت کی تفسیر کرنی مقصود ہے۔۲۔رمضان کی رات میں خلاف صوم کاموں کی اجازت کیسے شروع ہوئی اس کو بیان کرنا مقصود ہے۔۳۔رخصت نازل ہونے سے پہلے کا حال بیان کرنا مقصود ہے۔۴۔یہ مقصود ہے کہ اِس آیت سے رات کو کھانے پینے کی حرمت منسوخ ہوئی تھی۔

باب قول الله تعالیٰ وكلوا واشربوا حتیٰ يتبين الآية

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ خلاف صوم کا استعمال کب ختم ہوجاتا ہے اور پھر روزہ شروع ہوجاتا ہے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لا يمنعكم من سحور كم اذان بلال

ظاہر یہی ہے کہ غرض سحری کھانے کی تشویق ہے۔ ولم یکن بین اذانیھما الا ان یرقی ذا وینزل ذا:۔سوال۔اگرصرف اتنا ہی وقفہ تھا کہ ایک اترتا تھا تو دوسرا موذن چڑھ جاتا تھا تو یہ وقفہ تو کھانا کھانے کے لئے کافی نہیں ہے۔جواب۔۱۔یہ تو کبھی کبھی کا بیان ہے اوراکثر فاصلہ اتنا ہوتا تھا کہ اطمینان سے کھانا کھا لیتے تھے۔۲۔حضرت بلال اذان کے بعد دعاء میں کافی دیر مشغول رہتے تھے پھر جب اُترتے تھے تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم جلدی اوپر چڑھ جاتے تھے تاکہ اونچی جگہ اذان دے سکیں اس لئے کھانے کا کافی وقت مل جاتا تھا۔۳۔پہلے سے صحابہ کرام سحری کھارہے ہوتے تھے حضرت بلال کی اذان میں کھاتے رہتے تھے اس طرح کافی وقت سحری کھانے کامل جاتا تھا۔

باب تاخير السحور

غرض یہ کہ مستحب یہ ہے کہ سحری اخیر وقت میں کھائی جائے اور بعض نسخوں میں یوں ہے باب تعجیل السحور پھر مقصد یہ ہے کہ جب خوف ہو طلوع فجر کا تو جلدی سحری کھانی چاہئے تاکہ طلوع فجر سے پہلے فارغ ہوجائے۔

باب قدر كم بين السحور وصلوٰة الفجر

غرض سحری اور صلوۃ فجر کے درمیان کا وقفہ بتلانا ہے کہ کتنا ہونا چاہئے۔

باب بركة السحور من غير ايجاب لان النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه واصلوا ولم يذكرا لسحور

غرض یہ ہے کہ سحری میں برکت ہے لیکن واجب نہیں ہے کیونکہ صوم وصال کا پایا جانا سحری کے وجوب کی نفی کرتا ہے۔

باب اذا نوى بالنهار صوماً

روزہ کی نیت رات سے نہ کرنے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔پھر حکم کی تصریح نہ فرمائی اختلاف کی وجہ سے پھر جو روایات لائے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کی رائے حنفیہ ہی کے موافق تھی۔**اختلاف**:۔عندامامنا ابی حنیفۃ رمضان نذر معین اور نفل روزے کے سوا باقی روزوں کی نیت رات سے کرنی ضروری ہے۔وعند الشافعی واحمد نوافل کے سوا سب میں رات سے نیت کرنی ضروری ہے وعند مالک سب روزوں میں رات سے ہی ضروری ہے۔منشاء اختلاف ابوداؤد کی روایت ہے عن حفصۃ مرفوعاً من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام لہ عند مالک یہ روایت اپنے عموم پر ہے وعند الشافعی واحمد نوافل مستثنیٰ ہیں کیونکہ ابوداؤد میں روایت ہے عن عائشۃ مرفوعاً اذا دخل علیّ قال ھل عندکم طعام فاذا قلنا لا قال انی صائم وعندامامنا فرضی روزہ رمضان

شریف کا بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ بخاری شریف کی حدیث الباب میں ہے عن سلمۃ بن الاکوع مرفوعاً بعث رجلا ینادی فی الناس یوم عاشوراء ان من اکل فلیتم او فلیصم ومن لم یاکل فلا یاکل اِسی کے قریب قریب ابوداؤد میں عن ابن عباس ہے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کے روزے بھی مستثنیٰ ہیں کیونکہ پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا پھر اس کی جگہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے اور نذر معین رمضان المبارک کے روزوں ہی کی طرح ہے اور ترجیح مسلک حنفیہ کو ہے کیونکہ ایک مسئلہ کی سب روایات کا لحاظ کرنا ایک یا دو روایتوں کے لحاظ کرنے سے اولیٰ ہے۔

باب الصائم یصبح جنباً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر طلوع فجر کے وقت کوئی جنبی ہو تو اس کا روزہ صحیح ہے یا نہ لیکن یقین سے نہ بیان فرمایا کیونکہ اختلاف ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری جمہور ہی کے ساتھ ہیں۔ جمہور ائمہ کے نزدیک روزہ صحیح ہے نفلی روزہ ہو یا فرضی۔ اور طلوع فجر جنابت کی حالت میں عمداً کیا ہو یا نسیان کی وجہ سے دیر ہوگئی ہو اور طلوع فجر تک غسل نہ کیا ہو آیت سے بھی یہی جمہور کا قول ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ رفث کی اجازت طلوع فجر تک ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کی گنجائش ہے کہ طلوع فجر سے ذرا پہلے جنبی بنا ہو اور غسل طلوع فجر کے بعد کیا ہو۔ **لتقرعن لبھا**:۔ تقریع کے معنیٰ ہیں اچھی طرح بتلا دینا۔ **فقال کذلک حدثنی الفضل بن عباس وھو اعلم**:۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ مجھے فضل بن عباس نے بتلایا ہے کہ روزہ ایسے شخص کا نہیں ہوتا اور فضل مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ پہلے حضرت ابو ہریرہ حضرت فضل سے سننے کی وجہ سے یہی فتویٰ دیا کرتے تھے کہ ایسے شخص کا روزہ نہیں ہوتا۔ اور یہ حکم بھی رہا ہے لیکن یہ حکم اُس زمانہ میں تھا جبکہ نیند کے بعد رات کے وقت کھانا پینا اور جماع جائز نہ تھا۔ جب جواز نازل ہوگیا تو یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا اور حضرت ابو ہریرہ نے بھی حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ والی۔ روایت سن کر رجوع کر لیا تھا اور جمہور ہی کا قول اختیار کر لیا تھا۔ **والاول اسند**:۔ یعنی سند کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں۔

باب المباشرۃ للصائم

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ روزہ میں مباشرت جائز ہے یعنی مس الجسدین بلا جماع۔

باب القبلۃ للصائم

غرض یہ ہے کہ تقبیل روزہ میں جائز ہے اور ایک نسخہ میں یہ بھی ہے ان لم تحرک الشھوۃ والافحرام۔ **ان نظر فامنیٰ یتم صومہ**:۔ یعنی اگر صرف دیکھنے سے منی نکل جائے تو روزہ نہ ٹوٹے گا اور اگر تقبیل یا مباشرت سے منی نکلے تو قضاء واجب ہوگی۔

باب اغتسال الصائم

غرض یہ ہے کہ ٹھنڈک کے لئے جائز ہے کہ روزہ دار غسل کر لے۔ ابزنا' حوض' ازدرد:۔ نگل گیا۔ **سالت اباعبداللہ اذا افطر یکفر**:۔ اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ امام بخاری اس مسئلہ میں امام شافعی اور امام احمد کے ساتھ ہیں جو اِسی کے قائل ہیں کہ رمضان شریف کا روزہ اگر کھانے پینے سے توڑا جائے تو کفارہ نہیں ہے اور عندا امامنا ابی حنیفۃ ومالک کفارہ واجب ہے۔ ولنا۔ واقعہ اعرابی کا ابوداؤد میں مذکور ہے کہ اُس نے رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر جماع کر لیا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ واجب ہونے کا حکم سنایا اس واقعہ میں کفارہ کے حکم میں تخریج مناط کا درجہ تو اُس اعرابی کا فعل ہے کہ اِسی علّت کی وجہ سے اس پر کفارہ کا حکم جاری ہوا۔ تخریج مناط کے بعد فقہاء تنقیح مناط نکالتے ہیں کہ علّت کا کونسا درجہ معتبر ہے شخص کا یا نوع کا یا جنس کا۔ یہاں شخص کا درجہ کسی فقیہ نے نہیں لیا کہ صرف اُسی اعرابی کے لئے حکم کفارے کا نازل ہوا ہو اور کوئی انسان اس میں داخل نہ ہو پھر شوافع اور حنابلہ نے نوع کا درجہ لیا کہ جو بھی رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر جماع کرے گا اس پر کفارہ واجب ہو

جائے گا اور ہم نے جنس کا درجہ لیا کہ جو بھی ہتکِ حرمۃ رمضان کرے گا اس پر کفارہ واجب ہو جائے گا خواہ کھانے سے ہو یا پہننے سے ہو یا جماع سے ہو۔ ہماری تنقیح مناط اولیٰ ہے کیونکہ وہ موثر فی الحکم ہے کیونکہ حکم کفارہ ہے جو سزا ہے۔ سزا کے مناسب جرم ہونا۔ چاہئے۔ رمضان المبارک کی عزت کو توڑنا جرم ہے۔ اور شوافع اور حنابلہ جو علت لیتے ہیں وہ ہے بیوی سے جماع کرنا یہ تو کوئی جرم نہیں اس کے جرم بننے کی وجہ رمضان شریف کی توہین ہے۔ یہ توہین جیسے بھی ہو جماع سے ہو یا کھانے سے ہو یا پینے سے ہو سب کا ایک درجہ ہونا چاہئے۔ **کفارہ میں دوسرا اختلاف نسیان والا:۔** عند احمد ناسیا جماع پر بھی کفارہ ہے وعندالجمہور نہیں ہے لنا۔ لایکلف اللہ نفسا الاوسعھا ولاحمد روایت ابوداؤد کی عن ابی ھریرۃ مرفوعاً فھل تجد ماتعتق رقبۃ قال لاقال فھل تستطیع ان تصوم شھرین متتابعین قال لاقال فھل تستطیع ان تطعم ستین مسکینا اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا مذکور نہیں ہے کہ یہ جماع نسیاناً ہوا یا قصداً ہوا معلوم ہوا کہ دونوں کا حکم ایک ہے اس لئے نسیان پر بھی کفارہ ہونا چاہئے جواب جب اس دیہاتی نے آتے ہی ہلکت کہہ دیا تو اس سے معلوم ہوگیا کہ کوئی کام اپنے اختیار سے کیا ہے اس لئے یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ نسیاناً جماع کیا ہے یا قصداً کیا ہے۔

کفارہ میں تیسرا اختلاف تخییر والا:۔ امام مالک کے نزدیک کفارہ ادا کرنے میں تخییر ہے کہ چاہے غلام آزاد کرے چاہے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے چاہے ساٹھ روزے رکھے وعندالجمہور پہلے اعتاق کا حکم ہے وہ نہ کر سکے تو ساٹھ روزے وہ نہ رکھ سکے تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ولنا۔ ابوداؤد کی روایت جو دوسرے اختلاف میں امام احمد کی دلیل کے طور پر ذکر کی گئی اس میں ترتیب کی تصریح موجود ہے۔ ولمالک روایۃ ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً فامرہ ان یعتق رقبۃ اویصوم شھرین متتابعین او یطعم ستین مسکینا۔ جواب آپ کی روایت او کے ساتھ ہے اس میں دونوں احتمال ہیں ترتیب ضروری ہو یا نہ ہو اس لئے آپ کی روایت بیان ترتیب سے ساکت ہے ہماری روایت بیان ترتیب کے لئے ناطق ہے اور یہ اصول ہے کہ جب ناطق اور ساکت کا تعارض ہو تو ترجیح ناطق کو ہوتی ہے۔

باب الصائم اذا اکل او شرب ناسیاً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بھول کر کھا پی لینے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہ۔ یقین کا اظہار باب میں نہ فرمایا کیونکہ اختلافی مسئلہ تھا طرز بیان سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں **اختلاف:۔** عند مالک بھول کر کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وعندالجمہور نہیں ٹوٹتا وللجمہور حدیث الباب عن ابی ہریرۃ مرفوعاً اذانسی فاکل وشرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ ولمالک روزے کی حقیقت ختم ہوگئی کیونکہ امساک اشیاء ثلاثہ سے باقی نہ رہا اس لئے روزہ نہ رہا قضاء لازم ہے جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب السواک الرطب والیابس للصائم

غرض ایک روایت کا رد ہے جو بعض مالکیہ سے منقول ہے کہ روزہ میں تر مسواک منع ہے پھر نفس مسواک میں اختلاف ہے عندامامنا ابی حنیفۃ مسواک روزے کے ساتھ سارا دن مسنون ہے وعندالمالکیہ سارا دن مکروہ ہے وعندالشافعی واحمد شام کو مکروہ ہے ولنا روایۃ ابی داؤد عن عامر بن ربیعۃ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستاک وھو صائم و للمالکیۃ روایۃ الترمذی عن ابی ھریرۃ مرفوعاً لخلوف فم الصائم اطیب عنداللہ من ریح المسک۔ جواب۔ خلوف وہ بو ہے جو معدے کے خالی رہنے سے پیدا ہوتی ہے مسواک سے یہ بُو دور نہیں ہوتی وللشافعی و احمد روایۃ الطبرانی عن ابن عمر مرفوعاً ولاتستاکوا بالعشی۔ جواب دار قطنی اور بیہقی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضاء فلیستنشق لمنخرہ الماء

غرض یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنا روزہ دار کے لئے جائز ہے جبکہ مبالغہ نہ ہو کیونکہ ابوداؤد اور نسائی میں ہے عن لقیط بن صبرۃ

مرفوعاً بالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائما

باب اذا جامع فی رمضان

غرض یہ ہے کہ رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر دن میں جماع کرنے والے پر کفارہ ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری قضاء کے وجوب کے قائل نہیں ہیں صرف کفارہ ہے قضاء نہیں ہے اور کھانے اور پینے میں بھی کفارہ کے قائل نہیں ہیں اختلاف کی تفصیل عن قریب گزر چکی۔ **یذکر عن ابی ہریرۃ**:۔ یہ روایت حنفیہ کے لئے مؤید ہے اس کو ابوداؤد و نسائی و ابن ماجۃ والترمذی نے سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اس روایت میں افطر کا لفظ ہے معلوم ہوا کہ جماع کی طرح اکل وشرب میں بھی کفارہ ہے اس کی تائید دار قطنی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے عن ابی ہریرۃ ان رجلا اکل فی رمضان فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یعتق رقبۃ او یصوم شہرین او یطعم ستین مسکینا۔ **یقضی یوماً مکانہ**:۔ غرض یہ ہے کہ ان سب حضرات کے نزدیک قضاء ہے کفارہ نہیں ہے وہ حضرات یہ ہیں سعید بن المسیب والشعبی وابن جبیر وابراہیم وقتادہ وحماد۔

باب اذا جامع فی رمضان ولم یکن له شئی فتصدق علیه فلیکفر

غرض یہ ہے کہ کفارہ والا کام کوئی غریب بھی کرلے تو کفارہ معاف نہ ہوگا جب کفارہ ادا کرنے پر قادر ہو ادا کرے۔ **قال اطعمه اهلک**:۔ سوال اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ اسے معاف ہے۔ جواب:۔ ۱- غرض یہ ہے کہ فی الحال اپنے بچوں کو کھلا دو اور کفارہ بعد میں ادا کر دینا۔ ۲- اس شخص کی خصوصیت ہے کہ ان پر سے کفارہ معاف ہو گیا ہر غریب آدمی کا یہ حکم نہیں ہے جیسے یہ ان کی خصوصیت ہے کہ پہلے یہ فرمایا تھا کہ تم یہ پندرہ صاع کا ٹوکرا صدقہ کر دو حالانکہ ساٹھ مسکینوں کے لئے تو ساٹھ صاع کی ضرورت تھی تو جیسے ان کے لئے خصوصیت تھی کہ یہ دیہاتی صحابی ۱۵ صاع ہی صدقہ کر دیتے تو ان کا کفارہ ادا ہو جاتا ایسے ہی یہ بھی ان کی خصوصیت تھی کہ ان کو کفارہ بالکل ہی معاف کر دیا گیا۔ ہر غریب آدمی کا یہ حکم نہیں۔ ۳- پہلے غریب کو کفارہ معاف تھا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اب غریب کو کفارہ معاف نہیں ہے۔

باب المجامع فی رمضان هل یطعم اهله من الکفارة اذا کانوا محاویج

غرض یہ ہے کہ اگر غریب آدمی کے بال بچے محتاج ہوں اور صدقہ کا مصرف بن سکیں تو ان کو دینا بھی کفارہ میں شمار ہوگا یا نہ ہوگا۔ اصل تو یہی ہے کہ شمار نہ ہوگا لیکن اگر اس اعرابی کے واقعہ میں یہ توجیہ کی جائے کہ شمار کر لیا گیا تھا تو پھر یہ ان کی خصوصیت ہی شمار ہوگی۔ اتجد ما تحرر رقبۃ اس میں رقبۃ ۱- بدل ہے ما کا۔ مفعول ہے تحرر کا اور اظہار موضع اضمار ہے۔ **الحجامة والقئی للصائم**:۔ غرض یہ ہے کہ حجامت یعنی سینگی لگوانے سے اور قئی سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

باب الصوم فی السفر والافطار

غرض یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا بھی جائز ہے نہ رکھنا بھی جائز ہے۔ **قال یارسول اللہ الشمس**:۔ تقدیر عبارت میں دو احتمال ہیں۔ ۱- الشمس باقیہ یعنی ٹکیہ سورج کی ابھی باقی ہے آپ ابھی کیوں روزہ کھولنا چاہتے ہیں اس کا رد فرمادیا کہ تم غلط کہتے ہو کہ ٹکیہ سورج کی باقی ہے سورج تو غروب ہو چکا ہے۔ ۲- سورج کی روشنی باقی ہے رد فرمادیا کہ اس روشنی کا ختم ہونا ضروری نہیں اس روشنی میں روزہ کھول لینا چاہئے مدار غروب شمس پر ہے اس شفق اور روشنی کے غروب ہونے پر مدار نہیں ہے۔

باب اذا صام ایام من رمضان ثم سافر

اذا کا جواب حدیث سے معلوم ہوگا غرض یہ ہے کہ کچھ دن رمضان المبارک کے روزے رکھ چکا ہو پھر مسافر بن جائے تو وہ بھی چاہے تو افطار کرلے اور باقی روزے نہ رکھے۔ **باب**:۔ تتمہ ہے گذشتہ باب کا کہ بعض نے سفر میں روزے رکھے بعض نے نہ رکھے معلوم ہوا دونوں طرح جائز ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لمن ظلل علیہ واشتد الحرلیس من البر الصوم فی السفر

غرض یہ ہے کہ سفر میں آسانی ہو تو روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں برابر ہیں یہ مسلک تو امام بخاری کا ہے وعند احمد سفر میں افطار افضل ہے وعند الجمہور صوم افضل ہے وللجمہور روایة ابی داؤد عن سلمة ابن المحبق مرفوعاً من کان لہ حمولة یاوی الی شبع فلیصم رمضان حیث ادرکہ ولا حمد حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً لیس من البر الصیام فی السفر جواب شدید مشقت پر محمول ہے عام حالات میں ممانعت نہیں ہے۔

باب لم یعب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعضهم بعضاً فی الصوم والا فطار

غرض گذشتہ باب کی تائید ہے کہ عام حالات میں سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں۔ باب من افطر فی السفر لیراہ الناس:۔ غرض یہ ہے کہ مقتدی کے لئے مناسب یہی ہے کہ لوگوں کو آسانی عمل بتلائے اگرچہ خود مشکل کام کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

باب وعلی الذین یطیقونہ فدیة طعام مسکین

غرض یہ بتلانا ہے کہ پہلے یہ حکم تھا کہ طاقت رکھنے کے باوجود فدیہ دینے کی اجازت تھی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ فنسختھا وان تصوموا خیر لکم:۔ سوال ناسخ تو یہ آیت ہے فمن شهد منکم الشهر فلیصمهُ ہے۔ جواب۔ وان تصوموا مع مابعدہ مراد ہے اور بعدہ فمن شہد ہے۔ پھر فدیہ کا حکم منسوخ ہو گیا یہ تو جمہور کی تفسیر ہے اور حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ آیت وعلی الذین یطیقونہ فدیة طعام مسکین منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ بوڑھے کے بارے میں ہے جو روزے نہ رکھ سکے۔

باب متی یقضی قضاء رمضان

غرض بظاہر جمہور کے قول کو تائید ہے کہ قضاء رمضان میں مسلسل ہونا شرط نہیں بعض اہل ظواہر کے نزدیک مسلسل ہونا شرط ہے درمیان میں وقفہ نہ ہو منشاء اختلاف قراءة ابی بن کعب ہے فعدة من ایام اخر متتابعات یہ عند الجمہور استحباب پر محمول ہے اور عند بعض اہل الظواہر وجوب پر محمول ہے۔ ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ ۱۔ یہ قراءت شاذ ہے اور شاذ قراءت خبر واحد کے درجہ میں ہوتی ہے اس لئے اس سے مشہور یا متواتر قراءت کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔ ۲۔ سید المفسرین حضرت ابن عباس کی تفسیر اسی باب میں منقول ہے لاباس ان یفرق لقول اللہ تعالیٰ فعدة من ایام اُخر۔ لا یصلح حتیٰ یبدأ برمضان:۔ غرض یہ ہے کہ پہلے رمضان شریف کے فرض روزے پورے کرنے چاہئیں پھر نفلی روزے رکھے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ نفلوں کے لئے شرط ہے کہ پہلے قضاء رمضان پوری کرے۔ یصومهما:۔ ایک ماہ اداء رکھے اور ایک ماہ قضاء رکھے گذشتہ سال کے۔ ولم یر علیہ طعاماً:۔ بعض صحابہ اور بعض تابعین کے قول کو رد کرنا مقصود ہے جو فدیہ کے قائل ہیں کہ اگر دوسرا رمضان آ جائے اور گذشتہ رمضان کی قضاء پوری نہ کی ہو تو اس پر فدیہ ہے۔ انہ یطعم:۔ یہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ دوسرا رمضان آ گیا اور ابھی پہلے رمضان کی قضاء پوری نہیں کی تو اب قضاء بھی کرے اور ساتھ ساتھ اطعام بھی کرے اس قول پر امام بخاری نے دو طرح سے رد فرمایا۔ ۱۔ ایک تو یذکر مجہول کے صیغہ سے کہ یہ نقل ہی ضعیف ہے۔ ۲۔ ولم یذکر اللہ الا طعام کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اطعام کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ صرف قضاء کا حکم فرمایا فعدة من ایام اخر۔

باب الحائض تترک الصوم والصلوة

غرض یہ ہے کہ حائضہ کے ذمہ نماز و روزہ چھوڑنا ضروری ہے۔ وجوہ الحق:۔ ای طرق الحق غرض یہ ہے کہ بعض احکام فوق العقل ہیں۔ خلاف العقل اسلام میں ایک مسئلہ بھی نہیں ہے کیونکہ خلاف عقل وہ ہے جس کے غلط ہونے پر عقلی دلائل موجود ہوں جیسے عیسائیوں کا تثلیث کا مسئلہ ہے اور فوق العقل وہ ہے جس کو سمجھنے سے ہماری لنگڑی عقل قاصر ہو۔ یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ نماز کی قضا نہیں

اور روزے کی قضاء ہے بعض حضرات نے اس مسئلہ کو بھی تحت العقل قرار دیا کیونکہ روزے کی قضاء آسان ہے ۱۱ ماہ میں سات آٹھ روزے آسانی سے رکھے جاسکتے ہیں اور ہر ماہ سات آٹھ دن کی نمازیں قضاء کرنے میں مشقت اور حرج ہے۔ اس لئے قضاء معاف کردی گئی۔

باب من مات وعلیه صوم

غرض بظاہر امام ابوثور کے قول کی تائید ہے اُن کے نزدیک مرنے والے کی طرف سے اس کا ولی رمضان اور نذر دونوں قسم کے روزے رکھ لے تو ذمہ بری ہوجائے گا وعند احمد نذر کے روزے تو ولی رکھ سکتا ہے رمضان کے روزوں میں فدیہ ہی ہے اور عند الجمہور ولی کسی قسم کے روزے میت کی طرف سے نہیں رکھ سکتا سب روزوں کا فدیہ ہی دیا جائے گا فی روزہ ایک صدقہ فطر ولنا فی الترمذی عن ابن عمر مرفوعاً من مات وعلیه صیام شهر رمضان فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکین ولاحمد روایة ابی داؤد عن ابن عباس موقوفاً اذا مرض الرجل فی رمضان ثم مات ولم یصح اطعم عنه ولم یکن علیه قضاء وان نذر قضیٰ عنه ولیہ۔ جواب فی السنن الکبری للنسائی عن ابن عباس لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد پس حضرت ابن عباس کے دوقولوں میں تعارض پایا گیا واذا تعارضا تساقطا ولابی ثور حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن عائشة مرفوعاً من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه۔ جواب فی البیہقی عن عائشة موقوفاً انها سئلت عن امرأة ماتة علیها صوم قالت یطعم عنها صحابی کا فتویٰ اپنی ہی نقل کی ہوئی مرفوعاً روایت کے خلاف ہو تو وہ مرفوع روایت ضعیف ہوگی یا ماوّل ہوگی یا منسوخ ہوگی تینوں صورتوں میں اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ متی یحل فطر الصائم :۔ غرض یہ ہے کہ سورج غروب ہونے سے افطار کا وقت ہوجاتا ہے غروب شفق پر مدار نہیں ہے۔

باب یفطر بما تیسر علیه بالماء وغیره

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ پانی وغیرہ جو کچھ میسر آجائے اس سے افطار صحیح ہے۔ گو افضل کھجور ہے دوسرے درجہ میں پانی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ کھجور پر افطار آنکھوں کی حفاظت کا سامان ہے۔

باب تعجیل الا فطار

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس میں مخالفت یہود ہے وہ دیر سے کھولتے ہیں۔

باب اذا افطر فی رمضان ثم طلعت الشمس

یہ مسئلہ بتلاتا ہے کہ اگر غلطی سے غروب سے پہلے روزہ کھول لے بعد میں غلطی کا پتہ چلے تو قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔

باب صوم الصبیان

غرض یہ ہے کہ نابالغ بچوں کو روزہ رکھوانا مستحب ہے۔ واجب نہیں لیکن کمزور بچے کو یا زیادہ چھوٹے کو نہ رکھوانا چاہئے ایک نے رکھوایا افطار سے کچھ پہلے فوت ہوگیا۔ گرمی تھی سارا دن گھڑوں کو چمٹ چمٹ کر گذارا شام کو جبکہ بڑا مجمع اسی خوشی میں دعوت کے لئے بلایا تھا فوت ہوگیا ایسے ہی زیادہ بوڑھا ہو کمزور ہو تو رخصت پر عمل کرنا چاہئے۔ احقر محمد سرور عفی عنہ کا ایک دوست بہت بوڑھا تھا بچوں نے بہت زیادہ منع کیا لیکن روزے رکھنے نہ چھوڑے اسی سال ۱۴۱۰ھ کے رمضان المبارک میں افطار سے کچھ دیر پہلے فوت ہوگیا۔ نشوان :۔ نشہ میں بے ہوش۔

باب الوصال

غرض صوم وصال کا حکم بیان کرنا ہے پھر یقین کے ساتھ حکم نہ بیان فرمایا۔ ۱۔ احادیث کی وجہ سے کہ احادیث سے خود ہی سمجھ جائیں گے کہ مکروہ ہے۔ ۲۔ اختلاف کے مشہور ہونے کی وجہ سے۔ اختلاف ائمہ اربعہ اور جمہور محدثین کے نزدیک مکروہ ہے پھر کراہۃ تحریمی ہے یا تنزیہی دونوں قول منقول ہیں اور بہت سے مشائخ جواز کے قائل ہوئے منشاء اختلاف اس باب کی احادیث ہیں مثلاً عن انس مرفوعاً لا توا صلوا قالوا انک تو اصل قال لستُ کا حد منکم انی اطعم واسقیٰ فقہاء ومحدثین کے نزدیک ظاہر اور کراہت پر محمول ہیں اور ان مشائخ کے نزدیک شفقت ورحمت وارشاد پر یعنی دنیوی آسانی پر محمول ہیں۔ امام بخاری اس طرف گئے ہیں کہ شہوۃ کو قابو کرنے کے لئے اور خصوصی انوار حاصل کرنے کے

لئے گنجائش ہے جبکہ تعمق وتکلف نہ کرے یعنی اپنی برداشت کے مطابق صوم وصال رکھے۔اصل کو دیکھیں تو امام بخاری کا قول ہی اعدل الاقوال ہے لیکن ہم اپنے زمانہ کی طبیعتوں کے ضعف کو دیکھیں تو فقہاء اربعہ ہی کے قول کراہت کو لینا اولیٰ وانسب ہے کیونکہ ہم تکلف سے نہیں نکل سکتے یعنی ہم آسانی سے صوم وصال پر قادر نہیں ہوسکتے۔یہ تو عام عادت اور عامۃ الناس فی زماننا کا حال ہے البتہ خرق عادت کے طور پر کسی میں زائد قوۃ ہو اور اس کو صوم وصال میں کچھ بھی تکلف نہ ہوتا ہو اور یہ ہمارے زمانہ میں بہت نادر ہے تو اس کو بھی چاہئے کہ ایک دو قطرے پانی کے عند الا فطار ضرور پی لے تاکہ احادیث کی نہی سے نکل جائے پھر حقیقت وصال کیا ہے اس میں دو قول ہیں ۱۔افطار بالکل نہ کرے۔۲۔ہلکی سی چیز پر افطار تو کرلے لیکن کھانا نہ کھائے۔انی اُطعم واُسقیٰ:۔۱۔مجھے جنت کے کھانے کھلائے جاتے ہیں اور ان سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ وصال ختم ہوتا ہے۔۲۔ملزوم بول کر لازم مراد ہے کہ مجھے کھلایا پلایا تو کچھ نہیں جاتا قوۃ اتنی دے دی جاتی ہے جیسے کھانے پینے سے قوت آتی ہے۔۳۔مجھے روحانی غذائیں ملتی رہتی ہیں کہ مولائے کریم محبوب حقیقی کے مشاہدہ میں غرق رہتا ہوں اور ان سے مناجاۃ کی لذت محسوس ہوتی ہے اور دعاء اور عبادت کی لذت پاتا ہوں۔

باب التنکیل لمن اکثر الوصال

غرض یہ ہے کہ تھوڑا سا وصال شہوۃ وغیرہ پر قابو پانے کے لئے جائز ہے تنکیل کے معنیٰ ڈانٹنے کے ہیں۔

باب الوصال الی السحر

غرض میں دو قول ہیں۔۱۔سحری تک نہ کھانا پینا جائز ہے۔۲۔ایسا کرنا مستحب ہے پھر اس پر وصال کا اطلاق مجازاً اور مشابہۃ ہے کیونکہ اصل وصال تو یہ ہے رات بھر کھانا نہ کھائے۔

باب من اقسم علیٰ اخیه لیفطر فی التطوع ولم یر علیه قضاءً اذا کان اوفق له

غرض یہ ہے عذر کے موقعہ میں نفلی روزہ کا توڑ دینا جائز ہے پھر اگر توڑ لیا تو قضاء بھی نہیں ہے گویا امام شافعی واحمد کا قول اختیار فرمالیا۔اوفق کے معنیٰ ہیں ذا مصلحۃ وذا عذر۔اختلاف۔عند امامنا ابی حنیفۃ ومالک نفلی روزہ توڑنے والے پر قضاء ہے وعند الشافعی واحمد نہیں ہے ولنا روایۃ ابی داؤد عن عائشۃ مرفوعاً صوما مکانہ یوماً آخر وللشافعی واحمد روایۃ ابی داؤد عن ام ھانی مرفوعاً فلا یضرک ان کان تطوعاً جواب۔اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ روزہ توڑنے میں جبکہ نفلی ہو گناہ نہیں ہے پھر قضاء ہے یا نہ اس سے آپ کی حدیث ساکت ہے ہماری ناطق ہے اور جب ناطق اور ساکت میں تعارض ہو تو ترجیح ناطق کو ہوتی ہے۔باب صوم شعبان:۔غرض وربط یہ ہے کہ فرضی روزوں کے بعد اب نفلی روزوں کا ذکر شروع فرمادیا اور اس باب میں شعبان کے روزوں کا استحباب بیان فرمانا مقصود ہے۔کان یصوم شعبان کله:۔مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے اکثر دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے کیونکہ شعبان رمضان المبارک کے لئے ایسے ہی ہے جیسے فجر کے فرضوں کے لئے فجر کی سنتیں ہیں۔

باب مایذکر من صوم النبی صلی الله علیه وسلم و افطاره

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صوم وافطار کا بیان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور روزہ دونوں میں سے ہر ایک میں دو حالتیں تھیں۔کبھی رات میں زیادہ نفل نماز پڑھتے اور نیند کم فرماتے تھے اور کبھی نیند زیادہ فرماتے اور نفل نماز کم پڑھتے تھے اسی طرح روزوں میں کسی مہینہ میں روزے کم رکھتے تھے اور افطار زیادہ فرماتے تھے اور کسی مہینہ میں روزے زیادہ رکھتے تھے اور افطار کم فرماتے تھے اس سب تفصیل کا لحاظ کرنے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نفلی عبادت کا مدار انبساط اور نشاط پر ہوتا ہے۔جس موقعہ میں جس عبادت اور جتنی عبادت میں نشاط زیادہ ہو وہی عبادت اور اتنی ہی عبادت زیادہ مناسب ہوتی ہے کیونکہ نشاط سے خشوع وخضوع وشوق ومحبت زیادہ ہوتے ہیں ان سے اعمال کی کیفیت عمدہ ہوتی ہے اور عمدگی سے ثواب

وقرب جو اصل مقصود ہے وہ زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

باب حق الضیف فی الصوم

غرض یہ ہے کہ اگر مہمان ایسا ہو کہ وہ میزبان کے بغیر کھانا نہ کھاتا ہو تو اس کی خاطر روزہ نہ رکھنا یا رکھا ہوا بھی توڑ دینا جائز ہے۔

باب حق الجسم فی الصوم

غرض یہ ہے کہ بدن کی رعایت ضروری ہے تاکہ فرائض و نوافل میں سستی اور کمزوری نہ پیدا ہو جائے بدن کی رعایت رکھ کر نفلی روزے رکھے اپنی برداشت کے اندر اندر اور نشاط کے اندر اندر

باب صوم الدھر

غرض صوم دھر کا حکم بیان کرنا ہے کہ ہمیشہ ہی روزے رکھنا مستحب ہے یا نہ پھر یقین اور جزم سے کچھ نہ فرمایا کیونکہ ادلہ میں تعارض ہے۔ بظاہر امام بخاری کے طرز سے عدم استحباب ہی معلوم ہوتا ہے امام شافعی سے استحباب منقول ہے پھر بعض مشائخ نے جو اجازت دی ہے وہ علاج کے طور پر اجازت دینی مقصود ہے اس بناء پر نہیں کہ صوم دھر کوئی قربات مقصودہ میں سے ہے جیسے کسی بیماری میں کھانا چھڑا دیا جاتا ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ اور امام محمد سے بھی جواز بلا کراہت منقول ہے جبکہ پانچ ممنوع دنوں میں روزے نہ رکھے عیدین کے اور بقرعید کے بعد تین دن امام سبکی نے فرمایا ہے کہ اگر صوم دھر سے کوئی فرض حقوق اللہ یا حقوق العباد میں سے چھوٹتا ہو جیسے بیوی کی حق تلفی ہوتی ہو پھر تو صوم دھر حرام ہے اور اگر مستحب چھوٹتا ہو جیسے مہمان کا حق تو خلاف اولیٰ ہے ورنہ صوم دھر مستحب ہے۔

باب حق الاھل فی الصوم

غرض یہ ہے کہ نفلی روزے میں بیوی کے حقوق کی رعایت ضروری ہے **ولا یفر اذا لاقی**:۔ غرض یہ بتلانا ہے کہ داؤد علیہ السلام اس لئے ایک دن افطار فرماتے تھے کہ جہاد میں کمزوری نہ آئے اس لئے جہاد میں بھاگتے نہ تھے۔ **قال من لی بھذہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو عرض کر رہے ہیں کہ میرے لئے کون کفیل ہوگا اس نہ بھاگنے کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے یعنی میری تمنا ہے کہ یہ میدان سے نہ بھاگنے کی فضیلت جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو حاصل تھی مجھے بھی حاصل ہو جائے۔

باب صوم یوم و افطار یوم

غرض ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کی فضیلت کا بیان ہے۔ **باب صوم داؤد علیہ السلام**:۔ غرض یہ ہے کہ اس مسئلہ میں داؤد علیہ السلام کے اتباع کی فضیلت ہے۔ **ہجمت**:۔ نیچے ہو گئی۔ **نفہت**: تھک گئی۔ **فجلس علی الارض**:۔ زمین پر تشریف فرما ہو جانا تو اضعاً تھا کہ یہ نہ ظاہر کیا جائے کہ میں عبداللہ بن عمرو سے بڑا ہوں۔ **قلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**:۔ جواب نداء محذوف ہے کہ مجھے یہ کافی نہیں ہے۔

باب صیام البیض

بیض جمع ہے ابیض کی اصل عبارت یوں ہے صیام ایام اللیالی البیض غرض جمہور کی تائید ہے کہ ان تین دنوں کے روزے ہر ماہ افضل ہیں بعض اہل علم نے کراہت بھی ذکر کی ہے کہ اس میں تو تعیین پائی گئی جو بدعت ہے جواب۔ تعیین بلا اذن شرعی بدعت ہے یہاں تو تعیین شریعت کی طرف سے ہے۔ **صیام ثلثۃ ایام**:۔ سوال۔ اس حدیث میں ایام بیض کا ذکر نہیں ہے صرف تین دنوں کا ذکر ہے جواب: ایام بیض والی روایت ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے باب میں بیض کی تصریح کر کے ایام بیض والی روایت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ وہ بھی ثابت ہے گو میری شرط پر نہیں ہے۔

باب من زار قوما فلم یفطر عندھم

غرض اور ربط یہ ہے کہ دس باب پہلے ایک باب گزرا ہے باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع یہ باب اس باب کے مقابلہ میں ہے اس لئے دونوں بابوں کو ملانے سے تین اصول نکل آئے۔ ۱۔ مہمان کو چاہئے کہ وہ اگر روزے سے میزبان کے گھر پہنچا ہے تو افطار نہ کرے۔ ۲۔ میزبان کو چاہئے کہ اگر مہمان اس کے بغیر شوق سے کھانا نہیں کھاتا تو مہمان کی خاطر نفلی روزہ توڑ دے۔ ۳۔ مہمان کے آجانے کے بعد میزبان کے لئے بہتر ہے

کہ نفلی روزہ نہ رکھے بلااذن ضیف۔ ان لی خویصۃ:۔ میرے پاس ایک خاص روح ہے اور امید ہے آپ بھی اس کے لئے خصوصی دعائیں فرمادینگے پس دووجہ سے خصوصیت پائی گئی میرا خصوصی لاڈلا بیٹا ہے اور دوسرے آپ کی خدمت اور دعائیں لینے کے لئے مختص کرنا چاہتی ہوں۔ وحدثتنی ابنتی امینۃ:۔ یہ حضرت انس کا مقولہ ہے اور روایۃ الآباء من الابناء کے قبیل سے ہے۔ لِصلبی:۔ یعنی بلا واسطہ اولاد فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ سبحانہ ما اعظم شانہ:۔

مقدم حجاج:۔ وہ ۷۵ھ میں آیا تھا اور وفات حضرت انس ۹۱ھ میں ہوئی اور عمر سو سال کے قریب ہوئی بعض نے ۹۲ھ اور بعض نے ۹۳ھ میں بھی وفات نقل کی ہے۔

باب الصوم آخر الشهر

غرض اخیر مہینہ کے روزوں کی فضیلت کا ذکر فرمانا ہے اور ایسے شخص کے لئے جو ہمیشہ ہر ماہ کے اخیر میں روزے رکھتا ہو شعبان کے اخیر میں رکھنے مکروہ نہیں ہیں اگرچہ دوسروں کے لئے مکروہ ہیں۔

اصُمتَ سَرَرَ هذا الشهر:۔ یہ لفظ سَرَر سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔ اس کے معنیٰ ا۔ اشہر معنیٰ آخر شہر کے ہیں یہی معنیٰ لے کر یہاں امام بخاری باب باندھ رہے ہیں ۲۔ اول الشہر ۳۔ اوسط الشہر پھر حدیث پاک کا حاصل یہ ہے کہ یہ صاحب اخیر شہر میں روزے رکھا کرتے تھے شعبان کے اخیر میں نہی کی وجہ سے نہ رکھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ بتلا دیا جس کی عادت ہمیشہ اخیر ماہ میں روزے رکھنے کی ہو تو وہ اگر شعبان کے اخیر میں بھی رکھ لے تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔

لم یقل الصلتُ اظنہ یعنی رمضان:۔ غرض یہ ہے کہ امام بخاری کے استاد ابو النعمان نے تو اظنہ قال یعنی رمضان نقل فرمایا ہے الصلت راوی نے جو امام بخاری کے اس روایت میں استاد ہیں انہوں نے یہ لفظ ذکر نہیں فرمائے اور یہ لفظ صحیح بھی نہیں ہیں کیونکہ مسلم میں اس موقعہ پر شعبان کا لفظ بلا شک ثابت ہے۔ آگے امام بخاری خود بھی شعبان کے لفظ کو ہی ترجیح دے رہے ہیں۔

باب صوم يوم الجمعة

غرض امام شافعی واحمد کا قول لینا ہے کہ اکیلا روزہ جمعہ کا مکروہ تنزیہی ہے وعند امامنا ومالک مکروہ نہیں ہے ولنا روایۃ النسائی والترمذی وحسنہ الترمذی وصححہ ابن حبان وابن عبد البر عن ابن مسعود مرفوعاً قل ما کان یفطر یوم الجمعۃ وللشافعی واحمد روایات الباب مثلاً عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لا یصومن احدکم یوم الجمعۃ الا یوماً قبلہ او بعدہ جواب یہ اُس صورت میں ممانعت ہے جبکہ جمعہ کے دن کا زائد ثواب سمجھے۔

باب هل يحض شيئاً من الا يام

غرض یہ کہ اپنی طرف سے روزے کے لئے دن نہ مقرر کرے البتہ اگر شریعت کی طرف سے تعیین ہو تو وہ ٹھیک ہے جیسے پیر اور جمعرات کے روزے کی تعیین شرعاً ثابت ہے۔

باب صوم يوم عرفة

غرض۔ا۔ یوم عرفہ کے روزے کا حکم بیان کرنا ہے لیکن جزم سے بیان نہ فرمایا کیونکہ فضیلت کی حدیثیں ان کی شرط پر نہ تھی۔۲۔ غرض میں دوسری تقریر یہ ہے کہ غیر حاجی اور قوی حاجی کے لئے فضیلت ہے کہ عرفہ کے دن روزہ رکھ لیں اور عام حاجیوں کے لئے اس دن روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اِس دن کی دعاء روزے سے زیادہ اہم ہے۔ بحلاب:۔ا۔ دوہا ہوا دودھ۔۲۔ وہ برتن جس میں دودھ دوہا جاتا ہے۔ یعنی نکالا جاتا ہے۔

باب صوم يوم الفطر

غرض یہ ہے کہ عید الفطر کا روزہ حرام ہے پھر باب میں حرمت کی تصریح نہیں فرمائی کیونکہ حدیث میں تصریح آ رہی تھی اور مسئلہ بھی اجماعیہ ہے۔ وعن الصماء:۔ا۔ چادر کندھوں پر لٹکالی جائے اور لپیٹی نہ جائے۔۲۔ چادر اتنی سخت لپیٹی جائے کہ ہاتھ اندر محبوس ہو جائیں رکوع سجدہ اچھا نہ ہو سکے۔

باب الصوم يوم النحر

غرض یوم النحر کے روزے کی حرمت کا بیان ہے اور تصریح نہ فرمائی حدیث کی وجہ سے اور مسئلہ اجماعیہ ہے

باب صيام ايام التشريق

غرض بظاہر امام مالک کے قول کی تائید ہے کہ متمتع کے لئے ایام تشریق میں روزے رکھنے جائز ہیں جبکہ ان سے پہلے نہ رکھ سکا ہو اور بدی پر قادر نہ ہو۔ ہمارے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک نہیں رکھ سکتا اور امام احمد کی دونوں روایتیں ہیں ایک ہمارے ساتھ اور ایک امام مالک کے ساتھ ولنا روایۃ مسند احمد عن سعد بن ابی وقاص قال امرنی ان انادی ایا منی انها ایام اکل وشرب ولا صوم فیها یعنی ایام التشریق ولما لک روایۃ الباب عن عائشۃ وعن ابن عمر قالا لم یرخص فی ایام التشریق ان یصمن الا لمن لم یجد الھدی جواب ہماری روایت محرم ہے آپ کی مبیح ہے ایسے موقعہ میں محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

باب صيام يوم عاشوراء

مشہور یہ لفظ مد کے ساتھ ہے عاشوراء اور قصر بھی منقول ہے عاشوریٰ۔ غرض عاشوراء کے روزے کا استحباب بیان کرنا ہے۔ پھر اکثر کے نزدیک تو اس کا مصداق دس محرم ہے اور حضرت ابن عباس کا ایک قول ۹ محرم بھی منقول ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ اکیلا دس محرم کا روزہ مکروہ ہے اس لئے نو اور دس دونوں دنوں کا رکھنا چاہئے تا کہ تشبہ بالیہود نہ ہو پھر امام بخاری پہلے وہ روایتیں لا رہے ہیں جن سے وجوب کی نفی ہوتی ہے پھر وہ لا رہے ہیں جن سے ترغیب دینی مقصود ہے مجموعہ سے استحباب ثابت ہو گیا۔ **این علماءکم** حضرت امیر معاویہ کی غرض کی تین توجیہیں ہیں۔ ۱۔ اس شخص کا رد ہے جو وجوب کا قائل تھا۔ ۲۔ حرمت کی تردید فرمار ہے ہیں۔ ۳۔ کراہۃ کی نفی مقصود ہے۔ **کان یوم عاشوراء تعدہ الیہود عیداً**:۔ سوال عید ہونا گذشتہ روایت کے خلاف ہے کیونکہ گذشتہ روایات میں یہود کا روزہ رکھنا مذکور ہے جواب ۱۔ یہود کے مذہب میں عید کے دن روزہ رکھنا منع نہ تھا۔ ۲۔ بعض یہود عید مناتے تھے اور کھاتے پیتے تھے اور بعض یہود روزہ رکھتے تھے۔

باب فضل من قام رمضان

غرض تراویح کی فضیلت ہے تراویح جمع ہے ترویحۃ کی جس کے معنیٰ ایصال الراحۃ کے ہیں کیونکہ ہر چار رکعت کے بعد ایصال راحت ہے اور مشروعیت تراویح کی فرائض کی تکمیل کے لئے ہے۔ اسی لئے اس کی رکعات بھی بیس ہیں جیسے دن رات کے فرائض اور وتر مل کر بیس رکعت بن جاتے ہیں۔ **فاذا الناس اوزاع متفرقون**:۔ مختلف جماعتوں کی صورت میں تراویح پڑھ رہے تھے کوئی اکیلا کوئی چند آدمیوں کی جماعت کے ساتھ:۔

نعم البدعۃ ھذہ:۔ اس ارشاد کی متعدد توجیہات ہیں۔ ۱۔ ظاہر کے لحاظ سے نئی چیز ہے حقیقت کے لحاظ سے چھپی ہوئی سنت کا اظہار ہے۔ باجماعت تراویح پر خوف فرضیت کا پردہ پڑا ہوا تھا تو اب ہٹ گیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے خوف فرضیت ختم ہو گیا اور جس چیز کی اصل سنت سے ثابت ہو وہ شرعی بدعت نہیں ہو سکتی یہاں تراویح کی اصل سنت سے ثابت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن باجماعت تراویح پڑھائی ہیں پس بدعت کا لفظ امر بدیع کے معنیٰ میں ہے اور اس کا استعمال یہاں بطور ترغیب کے ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عمر فاروق جو محدَّث باللہ اور ملھم من اللہ ہوں وہ بدعت شرعیہ کا ارتکاب کریں اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کی کثیر جماعت ایک بدعت شرعیہ کو دیکھے اور اس پر کوئی انکار نہ کرے۔ ۲۔ فرمانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک جماعت کئی جماعتوں سے بہتر ہے طویل عرصہ متفرق جماعتیں رہیں اب ایک جماعت بن گئی یہ بہت عجیب وغریب کام ہے۔ ۳۔ اگر بالفرض اس کو ایک نیا کام ہی کہیں تو پھر بھی تو یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ نیا کام کس نے کیا ہے یہ کام ان حضرات نے کیا جن کے متعلق نسائی میں مرفوعاً ہے **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین** الحدیث اور جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی **اطیعوا اللہ واطیعو االرسول واولی الامر منکم** الآیۃ یہ آیت حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے متعلق نازل ہوئی اور جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی **وشاورھم فی الامر** الایۃ اور جن کے متعلق مرفوعاً وارد ہے **اقتدوا بالذین**

من بعدی ابی بکر و عمر پس یہ باجماعت تراویح سنت ہی کا شاخ ہے اس لئے اس کو شرعاً سنت ہی کہیں گے نیز اس تقریر سے یہ بھی نکل آیا کہ جو لوگ بیس تراویح کا انکار کرتے ہیں اور آٹھ تراویح کے قائل ہیں وہ ان سب مذکورہ آیات واحادیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ **والتی ینا مون افضل من التی یقومون یرید آخر اللیل**۔ اس کے معنیٰ ۔ا۔ تراویح کو اتنا لمبا کیا جائے کہ آدھی رات سے کچھ اوپر ہو جائے تا کہ سحری میں تراویح پڑھنے کا ثواب مل جائے۔۲۔ جو تم کر رہے ہو یہ تیسرے درجہ کا کام ہے اس سے دو درجے اونچے ہیں سب سے اونچا درجہ یہ ہے کہ رات کو تراویح پڑھو اور پھر سحری کے وقت تہجد پڑھو دوسرے درجہ کا کام یہ ہے کہ تراویح تہجد کے وقت پڑھو اور تم تیسرے درجہ کا کام کر رہے ہو کہ عشاء کے بعد تراویح پڑھ رہے ہو۔۳۔ فضیلت جزئی بیان کرنی مقصود ہے کہ اخیر رات میں پڑھنے کی ہے اس سے یہ لازم نہ آیا کہ فضیلت کلی بھی اُسی وقت تراویح پڑھنے میں ہے۔ فضیلت کلی عشاء کے بعد ہی تراویح پڑھنے میں ہے کیونکہ اس میں تکثیر جماعت کی فضیلت ہے جو فضیلت وقت سے زائد ہے اس لئے فضیلت کُلّی عشاء کے بعد پڑھنے میں ہی ہے۔ **خشیت ان تفترض علیکم** :۔ا۔ وحی نازل ہوئی تھی کہ اگر تم مواظبت کرو گے تو میں فرض کردوں گا۔۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں یہ بات آئی کہ اگر اس پر باجماعت دوام کیا گیا تو فرض ہونے کا اندیشہ ہے شاید ذہن مبارک میں وہ صلوٰۃ اللیل آئی ہو جس کا ذکر سورہ مزمل کے شروع میں ہے پھر یہ ہر عمل کا معاملہ نہیں ہے کہ جس پر دوام کیا جائے وہ فرض ہو جاتی ہے بلکہ جس عمل کے متعلق ذہن مبارک میں آئے اسی میں یہ اندیشہ ہوتا تھا۔ **ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرھا علی احدیٰ عشرۃ رکعۃ** :۔ یہ ۱۱ رکعت پر زیادتی نہ ہونا غالب حالات میں تھا کیونکہ بخاری شریف میں زیادتی بھی آتی ہے عن عائشۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد میز

رہ واتی لیلۃ الحدیث یہ عبادت کی زیادتی صرف قرأۃ کی زیادتی نہ تھی بلکہ کم اور کیف دونوں کی زیادتی تھی کہ گنتی رکعات کی بھی زائد اور قرأت اور رکوع سجدے بھی لمبے ہو جاتے تھے۔

اختلاف :۔ ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تراویح ۲۰ رکعت ہیں اور امام مالک کا قول جدید باقی ائمہ اربعہ کے ساتھ ہے اور قول قدیم جو ۳۶ رکعات کا آتا ہے اس کی بھی وجہ یہ تھی کہ اہل مدینہ کو جب یہ پتہ چلا کہ مسجد حرام میں ہر چار رکعت کے بعد طواف کر لیتے ہیں تو انہوں نے چار وقفوں میں سے ہر ایک میں چار نفل شروع کر دیئے اس طرح ۱۶ نفل بھی پڑھ لیتے تھے اور ۲۰ تراویح کے ساتھ سولہ نفل مل کر کل ۳۶ رکعت ہو جاتی ہیں اور پھر یہ ہے بھی قول قدیم جس سے رجوع فرمالیا تھا بہر حال ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے ۲۰ رکعت پر اور آج کل کے غیر مقلد آٹھ تراویح کے قائل ہیں لنا۔ فی البیہقی عن السائب ابن یزید کہ عمر فاروق کے زمانہ میں صحابہ بیس رکعت پڑھتے تھے ۲۰۔ فی ابی داؤد عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی اُبی بن کعب فکان یصلی لھم عشرین رکعۃ غیر مقلد اسی زیر بحث روایت سے استدلال کرتے ہیں عن عائشۃ مرفوعاً ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ جواب۔ حضرت عائشہ کی روایت میں تہجد کا بیان ہے اور تہجد اور تراویح میں کئی لحاظ سے فرق ہے۔ا۔ تہجد بعد النوم ہے اور تراویح قبل النوم ہی عموماً پڑھی جاتی ہیں۔۲۔ تراویح باجماعت ہے۔ تہجد بلا جماعت۔۳۔ تہجد کی مشروعیت قرآن پاک سے ہے اور تراویح کی حدیث پاک سے۔۴۔ تہجد ایک قول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی تراویح میں ایسا کوئی قول نہیں۔۵۔ تراویح مختص برمضان ہیں اور تہجد سارا سال ہے۔ سوال :۔ امام زیلعی اور امام ابن ہمام اور علامہ سیوطی اور امام زرقانی نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ والی اس گیارہ رکعت والی روایت کو حضرت ابن عباس والی روایت پر ترجیح ہے اور اس کے مقابلہ میں حضرت ابن عباس والی روایت متروک ہے حضرت ابن عباس عباس والی روایت مصنف

ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس سے یوں ہے کان رسول صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔ جواب:۔ حضرت عائشہ والی روایت پورے سال کے متعلق اور حضرت ابن عباس والی رمضان المبارک کے متعلق ہے ان میں تو کچھ تعارض ہی نہیں اگر تعارض ہو تو راجح مرجوح کو دیکھا جاتا ہے۔۲۔ حضرت عائشہ والی روایت تہجد کے متعلق ہے اور حضرت ابن عباس والی تراویح کے متعلق ہے اس لحاظ سے بھی تعارض نہیں ہے اس لئے متروک وغیر متروک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سوال:۔ جب حضرت عائشہ والی روایت تہجد کے متعلق ہے اسی بناء پر امام بخاری اس روایت کو تہجد کے ابواب میں بھی لائے ہیں تو یہاں قیام رمضان کے ابواب میں اس روایت کو لانا مناسب نہ تھا جواب:۔ا۔ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں اضافہ نہ فرماتے تھے۔ ۲۔ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ تہجد تراویح کے قائم مقام ہو جاتی ہے اس رائے پر بھی یہ لازم نہیں آتا کہ تراویح کی رکعت آٹھ ہیں جیسے جمعہ ظہر کے قائم مقام ہو جاتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ظہر کی رکعتیں دو ہیں ۔۳۔ امام بخاری یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ تراویح جو شروع رات میں ہوتی ہیں تہجد کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں جو کہ اخیر رات میں ہے۔۴۔ امام بخاری یہ اشارہ فرمانا چاہتے ہیں کہ قیام رمضان کا لفظ تراویح اور تہجد دونوں کو شامل ہے اگر درمیان میں سو جائے گا تو دونوں نمازیں الگ الگ ہو جائیں گی اور اگر نہ سوئے گا تو دونوں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی گویا ساری رات تہجد اور تراویح اور صلوۃ اللیل اور قیام رمضان کا وقت ہے۔ا۔ اگر امام بخاری کے نزدیک حدیث عائشہ میں تراویح کا بیان ہوتا جیسے غیر مقلد کہتے ہیں تو امام بخاری اس قسم کا بابؔ باندھتے باب التراویح ثمان رکعاتٍ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام مالک اپنے موطاً میں حضرت عائشہ والی حدیث تو لائے ہیں اس کے باوجود ان کے نزدیک تراویح بیس رکعات ہیں قول جدید میں اور ۳۶ رکعات ہیں قول قدیم ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ والی روایت میں تہجد کا بیان ہے تراویح کا نہیں ہے۔ سوال:۔ حضرت عمر کے عمل میں ۲۰ رکعات بھی منقول ہیں اور گیارہ بھی منقول ہیں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں اختیار ہے۔ جواب:۔ صحیح ابن خزیمہ میں اور صحیح ابن حبان میں سند ضعیف کے ساتھ روایت ہے عن جابر صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعاتٍ ثم اوتر شاید حضرت عمر کو پہلے یہ روایت پہنچی ہو پھر حضرت ابن عباس والی بیس رکعتوں والی مذکورہ روایت پہنچی ہو اس لئے دو قسم کا عمل پایا گیا۔۲۔ بیس رکعت والی متعدد روایات کے مقابلہ میں یہ گیارہ رکعت والی فعل عمر والی شاذ ہے اسی لئے اس کو ابن عبد البر نے وہم قرار دیا ہے۔۳۔ بیس تراویح کے ساتھ تلقی امت بالقبول ہو چکی ہے اور توارث عملی پایا گیا ہے اور یہ تواتر ہے جو تواتر اسناد سے بھی اقویٰ ہے اس لئے جو اس کا مخالف ہے وہ سواد اعظم کا مخالف ہے یہ شراب میں ۸۰ کوڑے مارنے کی طرح اور وجوب غسل فی الاکسال کی طرح ہے جیسے یہ دونوں کام حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں بالا جماع ثابت ہونے ایسے ہی ان کے زمانہ میں ۲۰ رکعت پر اجماع ہوا اور یہ جمع القران فی زمان ابی بکر وعثمان کی طرح ہے بیہقی میں سند صحیح سے ثابت ہے انھم کانوا یقومون علی عہد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی رضی اللہ عنہما بمثلہ اسی کو علامہ عینی فرماتے ہیں ھذا کالا جماع انتھیٰ پھر حضرت عمر بلا نقل بیس اختیار نہیں کر سکتے لامحالہ ان کو بیس رکعات والی حضرت ابن عباس والی یا ایسی ہی کوئی روایت ملی ہے کہ بیس پر سب کو جمع فرما دیا پس ۱۱ اور ۲۰ میں اختیار دینا مقصود نہ تھا ورنہ حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانوں میں ۲۰ پر عمل نہ ہوتا اور ائمہ اربعہ ۲۰ نہ اختیار فرماتے ابن قاسم نے امام مالک کے ۳۶ والے قول کو ان کا قول قدیم شمار فرمایا ہے۔

باب فضل لیلۃ القدر

غرض لیلۃ القدر کی فضیلت کا بیان ہے اور اس سورت کی تفسیر

ہے۔ پھر اس سورت کی مناسبت باب کے ساتھ کیا ہے دو تقریریں ہیں۔ ا۔ کسی زمانہ میں قرآن پاک کا نازل ہونا یہ اس زمانہ کی فضیلت کا سبب ہوتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات کا نام رکھ دیا لیلۃ القدر اور قدر کے معنی ہی فضیلت اور عزت کے ہوتے ہیں اس لئے یہ رات فضیلت والی رات ہے پھر اس میں مختلف قول ہیں کہ یہ نام اس رات کا کیوں ہے۔ ا۔ نزول قرآن پاک کی وجہ سے اس رات میں عزت اور قدر آ گئی۔ ۲۔ نزول ملائکہ کی وجہ سے اس رات میں عزت وقدر آ گئی۔ ۳۔ جو اس رات میں عبادت کرتا ہے وہ عزت وقدر والا ہو جاتا ہے عند اللہ تعالیٰ۔ ۴۔ امور مقدرہ جو حق تعالیٰ طے فرما چکے ہیں وہ مدبرات الامور فرشتوں کے سپرد اس رات کئے جاتے ہیں اور مدبرات الامور یعنی دنیا کے انتظامات کرنے والے فرشتے چار ہیں باقی ان کے ماتحت ہیں جبریل و میکائیل و اسرافیل وعزرائیل علیہم السلام۔ پھر لیلۃ القدر کے مصداق میں ۴۴ قول ہیں شروع کے دس زیادہ اہم ہیں اور طلبہ کے لئے یہی دس یاد کر لینے کافی ہیں اور پھر ان دس میں بھی سب سے پہلا سب سے زیادہ راجح ہے۔ (۱) رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کی طاق راتیں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ (۲) رمضان المبارک کی ۲۷ویں رات۔ (۳) لیلۃ القدر پورے سال میں گھومتی ہے جو لیلۃ القدر پانا چاہے پورا ایک سال ہر رات کچھ نہ کچھ عبادت کرے۔ (۴) پورے رمضان المبارک میں گھومتی ہے۔ (۵) یکم رمضان المبارک (۶) لیلۃ نصف رمضان (۷) ۲۱ رمضان (۸) اب باقی نہیں رہی (۹) رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں گھومتی ہے۔ (۱۰) آخری سات راتوں میں گھومتی ہے (۱۱) ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ رمضان المبارک میں گھومتی ہے۔ (۱۲) ۲۲ رمضان المبارک (۱۳) ۲۳ رمضان (۱۴) ۲۴ رمضان (۱۵) ۲۵ رمضان (۱۶) صرف ایک سال میں تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پھر باقی نہ رہی۔ (۱۷) اس امت کی خصوصیت ہے (۱۸) پورے سال کی ایک معین رات ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں (۱۹) ۱۵ شعبان (۲۰) ۱۷ رمضان (۲۱) رمضان کے عشرہ وسطانیہ میں گھومتی ہے۔ (۲۲) ۱۸ رمضان (۲۳) ۱۹ رمضان (۲۴) اگر مہینہ ۳۰ کا ہو تو ۲۱ ورنہ ۲۰ رمضان (۲۵) ۲۶ رمضان (۲۶) ۲۸ رمضان (۲۷) ۲۹ رمضان (۲۸) ۳۰ رمضان (۲۹) آخری دس رمضان کی طاق راتیں ساتھ آخری رات ان میں سے ایک ہے۔ (۳۰) آخری دس راتوں میں گھومتی ہے لیکن زیادہ امید ۲۱ کی ہے (۳۱) لیکن زیادہ امید ۲۳ کی ہے (۳۲) لیکن زیادہ امید ۲۷ کی ہے۔ (۳۳) رمضان کے نصف اخیر میں گھومتی ہے (۳۴) ان چار راتوں میں گھومتی ہے ۷، ۱۴، ۲۱، ۲۸۔ (۳۵) رمضان ۱۶، ۱۷ میں گھومتی ہے (۳۶) رمضان کی پہلی اور آخری رات میں گھومتی ہے (۳۷) رمضان کی ۱۶، ۱۷، ۱۹ میں گھومتی ہے۔ (۳۸) رمضان کی ۱۹، ۲۱، ۲۳ میں گھومتی ہے۔ (۳۹) رمضان کی یکم، ۹، ۱۷، ۲۱ اور آخری میں گھومتی ہے۔ (۴۰) ۲۳ اور ۲۷ میں گھومتی ہے۔ (۴۱) رمضان ۲۱، ۲۳، ۲۵ میں گھومتی ہے (۴۲) رمضان ۲۲، ۲۳ میں گھومتی ہے۔ (۴۳) رمضان ۱۲، ۱۴، ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۸، ۳۰ میں گھومتی ہے۔ (۴۴) رمضان ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲ میں گھومتی ہے۔ لیلۃ القدر تلاش کرنے والے میرے بھائیو! اس خادم محمد سرور عفی عنہ کے لئے بھی بخشش بلا عذاب کی دعا کر دینا شکریہ۔

باب التمسوا لیلۃ القدر فی السبع الاواخر

غرض یہ ہے کہ رمضان المبارک کے آخری سات دنوں میں تلاش کرنی چاہئے۔ لیلۃ القدر کیونکہ ان میں ملنے کی قوی امید ہے۔

باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر

غرض یہ ہے کہ آخری دس راتوں میں سے طاق راتیں یعنی رمضان المبارک کی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ اور ۲۹ میں لیلۃ القدر تلاش کرنی چاہئے اور سب سے قوی یہی قول شمار کیا جاتا ہے۔

باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر لتلاحی الناس

غرض یہ ہے کہ لیلۃ القدر کس رات کو کہتے ہیں اس کا علم اٹھا لیا

گیا تھا اور خود لیلۃ القدر باقی رکھی گئی تھی پھر حضرت ابن عیینہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ دے دیا گیا تھا۔

باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان

غرض آخر رمضان المبارک کے دس راتوں کی فضیلت زیادہ ہے اس لئے ان میں عمل کی زیادہ کوشش کرنا مستحب ہے۔

ابواب الاعتکاف

غرض ان ابواب کا ذکر ہے، جن میں اعتکاف کے احکام اور احوال ہیں۔

باب الاعتکاف فی العشر الاواخر

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ آخری دس دن کا اعتکاف مسنون ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے۔ **والاعتکاف فی المساجد کلھا**:۔ غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ مسجد کوئی خاص ضروری نہیں ہے اعتکاف کے لئے جس مسجد میں چاہے اعتکاف بیٹھ جائے **ثم اعتکف ازواجہ بعدہ**:۔ یعنی اعتکاف نہ منسوخ ہے نہ خصوصیت یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم **اذا کان لیلۃ احدیٰ وعشرین**:۔ یعنی جب ۲۱ ویں رات شروع ہونے والی تھی **باب الحائض ترجل المعتکف**:۔ غرض یہ جائز ہے کہ حیض والی عورت معتکف کو کنگھی کرے۔ **لایدخل البیت الالحاجۃ**:۔ غرض یہ ہے کہ بول و براز اور کھانے کی حاجت کے بغیر گھر آنا معتکف کے لئے جائز نہیں ہے۔

باب غسل المعتکف

غرض یہ کہ معتکف کے لئے سر دھونا اعتکاف میں جائز ہے۔

باب الاعتکاف لیلاً

غرض یہ ہے کہ نفلی اعتکاف ایک رات کا بھی جائز ہے۔

باب اعتکاف النساء

غرض میں دو احتمال ہیں۔ ۱- عورتوں کے لئے اعتکاف بیٹھنا جائز ہے۔ ۲- عورتوں کے لئے اعتکاف کا کیا حکم ہے یہ دوسرا احتمال راجح ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں عورتوں کو مسجد میں اعتکاف بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ان کے لئے افضل گھر پر اعتکاف بیٹھنا ہے۔ **آلبر ترون بھن**:۔ آلبر کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں مبتدا ہونے کی وجہ سے اور منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے۔ بھن کی ضمیر حضرات ازواج مطہرات کی طرف لوٹتی ہے۔ **فترک الاعتکاف**:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف ختم کر دیا تا کہ ان کو زیادہ تنبیہ ہو جائے۔ **ثم اعتکف عشراً من شوال**:۔ ۱- یہ قضاء استحباباً فرمائی تھی ۲- یہ قضاء وجوباً فرمائی تھی اور ازواج مطہرات نے چونکہ گھر میں قضاء کی ہوگی اس لئے اس کا اس حدیث میں ذکر نہیں کیا گیا۔ **باب الاخبیۃ فی المسجد**:۔ غرض یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد میں عورتوں کے لئے خیمے لگانا اعتکاف کے لئے منع ہے کیونکہ انہیں گھر پر اعتکاف بیٹھنا چاہئے۔

باب ھل یخرج المعتکف لحوائجہ الی باب المسجد

غرض یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے معتکف مسجد کے دروازے تک آ جائے تو جائز ہے باب میں جواب اس لئے ذکر نہ فرمایا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

باب الاعتکاف و خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم صبیحۃ عشرین

غرض درمیانہ عشرہ کے اعتکاف کی کیفیۃ بتلانا ہے۔ **ارنبۃ**:۔ ناک کا کنارہ:۔

باب اعتکاف المستحاضۃ

غرض یہ ہے کہ مستحاضہ کا مسجد میں اعتکاف بیٹھنا جائز ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور مسجد کے خون سے ملوث ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو۔

باب زیارۃ المراۃ زوجھا فی اعتکافہ

غرض یہ ہے کہ بیوی خاوند سے اعتکاف میں بھی ملاقات کر سکتی ہے مسجد میں جا کر جبکہ کوئی ضروری کام ہو۔

باب ھل یدرأ المعتکف عن نفسہ

غرض یہ ہے کہ تہمت کے احتمال سے بچنا مستحب ہے اور اگر کسی

کے ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر تہمت کو دور کرنا واجب ہے اور یہ دونوں حکم غیر معتکف کے لئے بطریق ادنیٰ ثابت ہیں۔

باب من خرج من اعتکافه عندالصبح

غرض یہ ہے کہ اگر درمیانہ عشرہ کی راتوں کا اعتکاف کیا ہو تو صبح کو نکلنا چاہئے۔ فلما کان صبیحة عشرین نقلنا متاعنا:۔ سوال۔ بعض روایتوں میں مغرب کے وقت نکلنا آتا ہے جواب۔ ا۔ سامان صبح منتقل کیا اور خود مغرب کے بعد منتقل ہوئے یا منتقل ہونے کا ارادہ کیا۔

باب الاعتکاف فی شوال

غرض رمضان شریف کے اعتکاف کی قضاء کا بیان کرنا ہے کہ شوال میں ہو سکتی ہے۔

باب من لم یرعلی المعتکف صوماً

غرض اس شخص کی رائے کا بیان ہے جو رات کے اعتکاف کے لئے روزہ کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اوف تدرک:۔ یہ محل استدلال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا حکم نہیں فرمایا لیکن یہ استدلال قدرے کمزور ہے کیونکہ احتمال ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بغیر روزے کے اعتکاف بیٹھتے ہوں اس لئے روزہ کا حکم نہ فرمایا کیونکہ نذر زمانے جاہلیت میں تھی دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ نذر ہی یہ مانی ہو کہ میں بغیر روزے کے ہی اعتکاف بیٹھونگا۔ پھر یہ کفر کے زمانہ کی نذر کے پورا کرنے کا امر صرف استحبابی ہے۔

باب اذا نذر فی الجاهلية ان یعتکف ثم اسلم

غرض جاہلیۃ کی نذر کا حکم بیان کرنا ہے اور جمہور استحباب کے قائل ہیں اور بظاہر اسی کے امام بخاری بھی قائل ہیں۔

باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان

دو غرضیں ہیں۔ ا۔ اوسط رمضان کا اعتکاف بھی مشروع ہے ۲۔ اخیر رمضان ہی مختص نہیں ہے اعتکاف کے لئے بلکہ عشرہ اخیرہ کا اعتکاف سنت اور باقی زمانوں میں مستحب ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کر لیا کرے تا کہ ثواب کے ڈھیر جمع کر سکے۔

باب من اراد ان یعتکف ثم بداله ان یخرج

غرض یہ ہے کہ اعتکاف کا ارادہ کر کے چھوڑ دینا بھی جائز ہے اور امام بخاری کے نزدیک اس حدیث میں یہی صورت پائی گئی تھی وعندالجمہور اعتکاف شروع کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑا تھا کیونکہ مسجد میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہونے سے اعتکاف شروع ہو جاتا ہے اور امام بخاری کے نزدیک اعتکاف کی خاص جگہ داخل ہونے سے اعتکاف شروع ہوتا ہے۔

باب المعتکف یدخل راسه البیت للغسل

غرض یہ ہے کہ گھر میں صرف سر داخل کرنا معتکف کا دھونے کے لئے جائز ہے۔

کتاب البیوع

تقدیر عبارت یہ ہے کتاب فیہ احکام البیوع۔ مختلف انواع کی بیوع کے احکام بتلانا مقصود ہے۔ اور بیان انواع ہی کے لئے بیوع جمع کا صیغہ لائے ہیں اور ربط یہ ہے کہ پیچھے عبادات تھیں جن سے مقصود خالص طور پر آخرت ہی آخرت تھی اب دین کے پانچ شعبوں میں سے معاملات کا ذکر ہے جن میں دنیا کی ضروریات حاصل کرنی مقصود ہوتی ہیں۔ عقائد کا ذکر عبادات سے بھی پہلے تھا کیونکہ عبادات ان پر موقوف ہیں باقی دو شعبے معاشرات اور اخلاق بعد میں بیان کریں گے اور عبادات کو مقدم اس لئے فرمایا کہ ان میں تعلق باللہ بلا واسطہ ہوتا ہے اور یہ تعلق بڑھانا ہی مقصود حیات ہے معاملات تو بقدر ضرورت ہیں جیسے بیت الخلاء میں انسان بقدر ضرورت بیٹھتا ہے اصل کام وہی ہونا چاہئے۔ جس کیلئے ہماری روحوں کو بدن دیئے گئے اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں ہمارے بدنوں سے پہلے پیدا فرمائیں اور ان کو اپنی ذات وصفات کی معرفت دی اس معرفت سے اللہ تعالیٰ کی محبت

ہم میں پیدا ہوئی کیونکہ وہ ذات ہے ہی ایسی کہ جو اس کو پہچانتا ہے عاشق ہو جاتا ہے اِس عشق کا تقاضیٰ تھا قرب محبوب اور وہ مصالح کی بناء پر بدن ملنے اور نیکی کرنے پر موقوف فرما دیا تھا۔ اس لئے بدن کا گھوڑا یکے بعد دیگرے دیا جا رہا ہے کہ اس گھوڑے پر سوار ہو کر ہمارے قرب کے لئے بھاگتے چلے آؤ اس لئے ہمیں اصل مقصود سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیئے اسی نکتہ کی وجہ سے عبادات کو معاملات پر مقدم فرمایا۔

باب ماجاء فی قول الله تعالیٰ فاذا قضیت الآیۃ

غرض بیع کا جواز اور بیع کی حقیقت کا بتلانا ہے کہ مبادلۃ المال بالمال بالتراضی ہے۔ وعلیہ وضر من صفرۃ خلوق یا کسی اور رنگدار خوشبو کا اثر تھا۔

باب الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما مشبّهات

دو غرضیں ہیں۔۱۔ بیع کی تین قسمیں بتلانا حلال اور حرام اور مشتبہ۔۲۔ ورع اور تقویٰ یہ ہے کہ مشتبہ چیز سے بچے جس میں دلیلیں حلال ہونے کی بھی ہوں حرام ہونے کی بھی ہوں اور اس کو وجہ ترجیح کی معلوم نہ ہو۔

باب تفسیر المشبهات

غرض مشتبہ کی تفصیل کرنی ہے کہ مشتبہ کیا ہے پھر اس میں دو اہم قول ہیں۔۱۔ مشتبہ وہ ہے جو من وجہ حلال کے مشابہ ہو اور من وجہ حرام کے مشابہ ہو۔۲۔ جس میں حرام ہونے کا احتمال دلیل سے ظاہر ہو وہ تو مشتبہ ہوتا ہے اور جس میں بلا دلیل احتمال حرام ہونے کا ہو وہ وسوسہ ہوتا ہے۔ **دع ما یریبک الی مالا یریبک:** لیکن یہ معیار کہ جس چیز سے دل میں کھٹکا پیدا ہو اس کو چھوڑے یہ معیار اُن پاک حضرات کے لئے ہے جن کے دل منور ہیں پھر اجتناب کے تین مرتبے ہیں۔۱۔ واجب اور وہ ایسا کام ہے جو سبب بنتا ہو حرام میں پڑنے کا مثلاً ایسے بازاروں وغیرہ میں بلا ضرورت جانا جہاں بے پردہ عورتیں پھرتی ہوں کیونکہ یہ بدنظری کا سبب ہے یا بلا ضرورت ملاقاتیں اور باتیں کرنا کیونکہ یہ غیبت کا سبب ہے۔۲۔ مستحب۔ ایسے شخص سے معاملہ کرنے سے بچنا جس کا اکثر مال حرام ہو۔۳۔ مکروہ۔ رخصتِ شرعیہ سے بچنا۔ **فاعرض عنہ:** یہ اعراض اس کی علامت ہے کہ اُس عورت سے نکاح حرام نہ تھا صرف خلاف اولیٰ اور ورع کا درجہ تھا ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعراض نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ فوراً الگ ہو جاؤ وہ تو تم پر حرام ہے نکاح صحیح نہیں ہوا۔ اختلاف عند احمد رضاعت ثابت کرنے کے لئے ایک عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔ وعند الجمهور کافی نہیں ولنا واستشهد واشهید ین من رجالکم ولاحمد روایۃ ابی داؤد عن عقبۃ بن الحارث مرفوعاً دعها عنک جواب یہ فرمانا احتیاطاً ہے۔ یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ نکاح ہی نہیں ہوا کیونکہ دعها کے معنیٰ ہیں طلاق دیدو اگر نکاح ہی نہ ہوا ہوتا تو طلاق کی کیا ضرورت تھی اسی کی تائید بخاری شریف کی روایت کے الفاظ سے ہوتی ہے فاعرض عنہ جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا۔ **ھولک یا عبد بن زمعۃ:** یہ دلیل ہے عدم حجاب کی کہ ظاہر کے لحاظ سے وہ حضرت سودہ کے بھائی بن گئے۔ **لما رأی من شبہ بعتبۃ:** یہ دلیل ہے حجاب کی اس لئے تورع کے طور پر حجاب کا حکم دیا اور اس تورع کو واجب شمار کیا گیا ہے۔ آگے تورع مستحب کی مثال آئے گی اگلے باب میں بلا فصل۔

باب مایتنزّہ من الشبهات

غرض مقدار بیان کرنا ہے پرہیز کرنے کی اور گذشتہ باب میں واجب تورع کا ذکر تھا اور اب مستحب تورع کرنے کا ذکر ہے یہ ربط ہو گیا ما قبل سے۔

باب من لم یر الوساوس ونحوها من الشبهات

غرض ورع میں تعمق اور حد سے آگے گذرنے کا بیان ہے جس کو تقوے کا ہیضہ کہتے ہیں۔ جیسے کوئی گندم کا ایک دانہ اُٹھا کر اعلان کرتا پھرے کہ یہ کس کا ہے یہ دین کا مذاق اڑانا ہے۔ اسی میں داخل ہے کہ وساوس سے بچنا چاہے حالانکہ یہ غیر اختیاری ہے پھر امام بخاری کی ترتیب عجیب وغریب ہے جسے ترتیب بدیع کہنا

چاہئے کہ پہلے شبہات کی تفسیر کی پھر مراتب مشتبہات کے بیان فرمائے۔ کہ اس سے بچنا واجب ہے اور اس سے مستحب ہے پھر وسوسہ اور مشبہ میں فرق بیان فرمار ہے ہیں۔ کیونکہ وساوس سے پریشان ہونا دین کو برباد کرنا ہے جیسا کہ مشتبہات سے بچنا تکمیل دین ہے۔

باب قول الله تعالیٰ واذا رأوا تجارة اولهوا انفضوا الیها

غرض اس آیت کا شان نزول بیان فرمانا ہے۔ سوال یہ آیت تو کتاب البیوع کے بالکل شروع میں بیان کر چکے ہیں یہ تو تکرار ہوا۔ جواب۔ وہاں مقصود تجارت کا جواز فی نفسہا تھا یہاں یہ بیان ہے کہ ضروریات دین سے غفلت کا سبب بن جائے جیسے جمعہ ہے تو پھر یہی تجارت مکروہ ہو جائے گی۔

باب من لم یبال من حیث کسب المال

غرض اس کی مذمت ہے کہ مال کمانے میں حلال و حرام کی پرواہ چھوڑ دے۔

باب التجارة فی البر وغیرہ

غرض تجارت کی بعض قسموں کا جواز بیان کرنا ہے پھر نسخے اور معانی مختلف ہیں ا۔ فی البر باء کے ضمہ کے ساتھ اور راء کی شدید کے ساتھ گیہوں وغیرہ غلہ کی بیع و تجارت کا جواز بیان کرنا مقصود ہے۔ ۲۔ فی البر باء کا فتحہ راء کی تشدید خشکی کے معنیٰ میں مقصد یہ ہوا کہ تجارت خشکی اور سمندر دونوں میں جائز ہے ۳۔ باء کا فتحہ اس کے بعد زیٔ کی تشدید سوتی کپڑا کہ ہر قسم کے سوتی اور غیر سوتی کپڑے کی تجارت جائز ہے۔ ۴۔ لفظ تو یہی مراد یہ ہے کہ سوتی کپڑے اور دیگر گھر کے سامان کی تجارت جائز ہے گویا غیر سے مراد دوسرا سامان ہے دوسری قسم کا کپڑا مراد نہیں ہے۔

باب الخروج فی التجارة

غرض یہ ہے کہ ورع میں ایسا تعمق بھی نہ اختیار کرے کہ ضرورت کے موقعہ پر بھی بازار نہ جائے۔

باب التجارة فی البحر

غرض یہ ہے کہ تجارت کے لئے سمندر کا سفر بھی جائز ہے اور بنی اسرائیل کے ایک صاحب کا واقعہ ذکر فرما کر یہ اشارہ بھی فرمادیا کہ سمندر کا سفر پہلے زمانوں میں بھی متعارف تھا اور یہ بھی اشارہ فرمادیا کہ چونکہ نقل کے بعد انکار وارد نہ ہوا اس لئے ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔

باب واذا رأوا تجارةً اولهوا انفضوا الیها

غرض یہ ہے کہ احکام شرع کی رعایت کرتے ہوئے تجارت جائز ہے۔ سوال یہ آیت تیسری دفعہ ذکر فرمائی بہت تکرار پایا گیا جواب۔ پہلی دفعہ نفس جواز تجارت بیان فرمایا دوسری دفعہ عارض کی وجہ سے کراہت اور مذمت مقصود تھی گویا اس میں مفہوم مخالف کا بیان تھا اب نفس واقعہ بیان فرمانا مقصود ہے جس کو مفہوم موافق کہا جائے گا اور بعض نسخوں میں یہاں یہ باب نہیں ہے اور بعض میں دوسری جگہ آیت والا باب نہیں ہے اس لئے ان نسخوں میں تکرار کم ہے۔

باب قول الله تعالیٰ انفقوا من طیبات ما کسبتم

غرض آیت کی تفسیر ہے۔

باب من احب البسط فی الرزق

غرض یہ ہے کہ صلہ رحمی رزق کی وسعت کا سبب ہے۔ جواب حذف فرمادیا کہ حدیث سے سب سمجھ جائیں گے پھر حدیث پاک سے یہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ ذی رحم رشتہ داروں سے محبت جائز ہے اور جو شخص ذی رحم رشتہ داروں سے محبت کو مکروہ کہتا ہے اس کا قول ٹھیک نہیں ہے۔ سوال: عمر اور رزق تو تقدیر میں لکھے جا چکے ہیں اور تقدیر بدلا نہیں کرتی جواب۔ تقدیر معلق بدل جاتی ہے کیونکہ اس میں شرط ملفوظ یا مقدر ہوتی ہے کہ مثلاً اگر صلہ رحمی کرے گا تو عمر ۹۰ برس ہوگی نہ کرے گا تو ۶۰ برس ہوگی البتہ تقدیر مبرم نہیں بدلا کرتی وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ضرور ہوتی ہے لکھی ہو یا نہ لکھی ہو۔

باب شری النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنسیئۃ

غرض ادھار خریدنے کا جواز بیان فرمانا ہے اور شاید ساتھ ساتھ یہ غرض بھی ہو کہ اشارہ کر دیا جائے اس شخص کے روکا جو یہ وہم کر رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ادھار سودا نہیں خریدا۔ اھالۃ:۔ چربی سنخۃ:۔ کچھ زمانہ گزرنے کی وجہ سے ہلکی سی بو پیدا ہو گئی ہو۔

باب کسب الرجل و عملہ بیدہ

غرض ہاتھ کی کمائی کی فضیلت کا بیان ہے پھر اختلاف ہوا ہے کہ سب سے افضل کونسی کمائی ہے۔ مختلف اقوال ہیں ۱- جہاد میں مال غنیمت' ۲- تجارت' ۳- زراعت کیونکہ اس میں توکل علی اللہ بہت زیادہ ہے۔ ۴- احوال واشخاص کے اختلاف کی وجہ سے افضل بدل جائے گا۔ بظاہر ان چار اقوال میں سے راجح پہلا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو یہ حاصل رہا ہے۔ ویحترف للمسلمین فیہ میں آہستہ آہستہ کما کر جتنی رقم لی ہے اتنی یا زائد بیت المال میں داخل کر دونگا۔ یہ داخل کرنا صرف مستحب ہے۔

باب السہولۃ والسماحۃ فی الشراء والبیع

غرض یہ ہے کہ بیع وشراء میں نرمی اور دوسروں کی آسانی اور سخاوت سے کام لینا مستحب ہے۔ فی عفاف:۔ ای بلا ظلم۔ باب من انظر موسرا:۔ غرض یہ ہے کہ امیر کو بھی ڈھیل دینا مستحب وافضل ہے

باب من انظر معسراً

غرض یہ ہے کہ غریب کو ڈھیل دینے کا بڑا ثواب ہے۔

باب اذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا

غرض یہ ہے کہ عیب کو بیان کر دینا اور دوسرے کی خیر خواہی کا خیال رکھنا برکت کا ذریعہ ہے جواب اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی ذکر نہیں فرمایا کیونکہ حدیث پاک میں آ رہا ہے خبثۃ:۔ بد خلقی غائلۃ: فسق وفجور النخاسین:۔ جانوروں کے دلال اوری: ہمزہ پر ضمہ ہے اس کے بعد واو ساکن ہے معنیٰ ۱- معلف الدابہ وہ جگہ جس میں جانور کا چارہ ڈالا جاتا ہے میز کی طرح ذرا اونچی ہوتی ہے' پنجابی میں کھرلی کہتے ہیں خراسان وسجستان:۔ دو مشہور علاقے ہیں دھوکا دینے کے لئے یہ فرضی نام رکھ لیتے تھے جیسے ایک شخص نے اپنی بیوی کا نام چاند رکھ لیا تھا۔ عید الفطر کے موقعہ میں کہتا تھا میں ابھی چاند دیکھ کر آیا ہوں۔

باب بیع الخلط من التمر

غرض یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے مصداق۔ ۱- کئی قسم کی کھجوروں کو ملا دیا جائے۔ ۲- ایک ردی قسم کی کھجور کا نام ہے۔

باب ماقیل فی اللحام والجزار

لحام گوشت بیچنے والے کو کہتے ہیں اور جزار اونٹ نحر کرنے والے کو کہتے ہیں اور حدیث میں قصاب واقع ہوا ہے اس کے معنیٰ بکری ذبح کرنیوالے کے ہیں غرض یہ ہے کہ یہ پیشے اختیار کرنے بھی جائز ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پائے گئے اور انکار نہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے جواز ثابت ہو گیا اور بعض نسخوں میں یہ باب آگے چھ باب کے بعد ہے اور یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہاں مختلف حرف اور پیشوں کا ذکر ہے یہاں لانے کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہاں بطور صنعت اور پیشہ کے ان قصاب وغیرہ کا ذکر مقصود نہیں ہے بلکہ یہاں ایک دو دفعہ گوشت بیچنے والے کو قصاب وغیرہ کہہ دیا گیا ہے گویا گوشت کی بیع وشراء کا جواز بیان کرنا ہے اس لحاظ سے یہاں کے ابواب کے مناسب ہے سوال۔ باب میں لحام اور جزار کا ذکر ہے اور حدیث پاک میں قصاب کا ذکر ہے اور ان تینوں کے معنیٰ الگ الگ ہیں جیسے ابھی ذکر کئے گئے تو حدیث کو باب سے مناسبت نہ ہوئی۔ جواب۔ ۱- یہاں تینوں ایک ہی معنیٰ میں ہیں گوشت بیچنے والا ۲- قصاب پر لحام اور جزار کو قیاس فرمایا۔

باب ما یمحق الکذب والکتمان فی البیع

ما مصدریہ ہے غرض یہ ہے کہ جھوٹ اور عیب چھپانا برکت کو مٹا دیتے ہیں۔

باب قول اللہ تعالیٰ یایھا الذین اٰمنو لاتاکلوا الربو اضعافاً مضاعفۃ

غرض سود کی ممانعت اور حرمت کا بیان ہے اور اضعافاً مضاعفۃً

کی قید زیادہ قباحت کے لئے ہے کسی امام کے نزدیک بھی یہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں۔

باب آکل الربا و شاھدہ و کاتبہ

غرض سود کے کھانے والے اور گواہ اور کاتب کی مذمت ہے۔
واحل اللہ البیع وحرم الربا:۔ یہ حق تعالیٰ کا حاکمانہ جواب ہے کہ ہم نے بیع کو جائز اور سود کو ناجائز قرار دیا ہے حکیمانہ جواب ظاہر تھا کہ بیع کا مدار تعاون پر ہے کیونکہ ایک آدمی معاش کی سب ضروریات تیار نہیں کر سکتا اور سود کا مدار حرص اور ظلم پر ہے یہاں تک کہ حرص میں مجنون ہو جاتا ہے اسی لئے قیامت کے دن پاگل اٹھایا جائے گا اور صدقہ سود کی ضد ہے کیونکہ سود میں بلا معاوضہ لیتا ہے اور صدقہ میں بلا معاوضہ دیتا ہے یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات۔ فیہ رجل قائم وعلی وسط النھر:۔ قائم اور علی کے درمیان ایک نسخہ میں واؤ نہیں ہے اس صورت میں علی قائم کے متعلق ہے اور ایک نسخہ میں واؤ ہے تو یہ واؤ حالیہ ہے۔ رجل بین یدیہ حجارۃ:۔ یہاں بھی رجل سے پہلے واؤ ہونے والے نسخے میں تو ظاہر ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور جس نسخہ میں یہاں واؤ نہیں ہے تو واؤ مقدر ہے جملہ بہر حال نیا ہے۔

باب یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات

غرض سود اور صدقہ کا انجام بیان کرنا ہے کہ سود سے بے برکتی اور صدقہ سے برکت ہوتی ہے۔

باب مایکرہ من الحلف فی البیع

غرض بیچنے میں قسم کھانا مکروہ ہے اگر سچی ہے تو کراہۃ تنزیہی ہے ورنہ تحریمی ہے۔ اعطی مالم یعط:۔ ۱۔ معروف پڑھنا بھی صحیح ہے کہ میں نے اتنی قیمت دے کر یہ چیز خریدی ہے واقع میں اتنے پیسے نہیں دیئے دونوں فعل معروف ہیں۔ ۲۔ دونوں مجہول مجھے اتنے پیسے دیئے گئے ہیں یعنی لوگ اتنے پیسے دے رہے تھے میں نے نہیں بیچی حالانکہ اتنے نہیں دیئے گئے۔

باب ماقیل فی الصواغ

غرض اس باب سے اور بعد کے چند بابوں سے یہ ہے کہ یہ پیشے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پائے گئے اور انکار نہ فرمایا معلوم ہوا جائز ہیں اور غیر مذکور پیشوں کو ان مذکور پر قیاس کریں گے جب تک صریح گناہ کا کام نہ ہو جیسے فلم سازی وغیرہ۔

باب ذکر القَین والحداد

غرض یہ دونوں پیشے جائز ہیں سوائے غلط مضمون کی نظم پڑھنے یا باجہ بجانے کے ان دونوں کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔
۱۔ دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں لوہے کا کام کرنے والا۔ ۲۔ حدّاد لوہے کا کام کرنے والا اور قَین تلوار بنانے والا۔ ۳۔ حداد لوہے کا کام کرنے والا اور قین مختلف پیشوں والا مثلاً گانا گانے والا دولھا دلھن کو تیار کرنے والا مرد یا عورت امام بخاری جو دو لفظ لائے ہیں تو بظاہر دونوں کے معنیٰ الگ الگ کرنا چاہتے ہیں۔

باب ذکر الخیاط

غرض یہ کہ درزی کا پیشہ جائز ہے۔

باب ذکر النسّاج

غرض یہ ہے کہ جولاہے کا پیشہ بھی جائز ہے

باب النجار

غرض یہ ہے کہ بڑھئی کا پیشہ جو لکڑی کی چیزیں بناتا ہے جائز ہے۔
بکَتْ علی ما کانت تسمع من الذکر:۔ اس سے چند مسائل نکلے۔ ۱۔ ذکر کی فضیلت ظاہر ہوئی۔ ۲۔ معجزہ ظاہر ہوا۔ ۳۔ قدریہ کا رد ہوا جو بلا فم ولسان کلام کو محال کہتے ہیں اس آیت سے بھی قدریہ کی تردید ہوتی ہے وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شی وھو خلقکم اول مرۃ والیہ ترجعون. ۴۔ غیر ذی روح چیزوں میں بھی کچھ نہ کچھ سمجھ ہوتی ہے اگرچہ وہ کلام بلا اجازت نہیں کر سکتیں۔

باب شراء الامام الحوائج بنفسہ

غرض میں دو احتمال ہیں۔ ۱۔ یہ وہم دور کرنا مقصود ہے امام کا خود بازار سے کچھ خریدنا مروّت کے خلاف ہے۔ ۲۔ اس وہم کو دور کرنا

مقصود ہے کہ امام کا خود خریدنا امام کی شان کے خلاف ہے دونوں احتمالوں کی نفی کردی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بازار تشریف لے جاکر خود خرید وفروخت فرمالیتے تھے تو اب تواضع اور اتباع سنت بھی یہی ہے۔ پھر مراد امام سے سلطانِ وقت ہے یا ہر بڑا شخص ہے دونوں احتمال ہیں اور ایک نسخہ میں یوں ہے باب شراء الحوائج بنفسہ تو غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ پر اپنا سامان خود خرید لینا مسنون ہے۔

باب شری الدواب و الحمیر

غرض بیان جواز ہے جانوروں اور دراز گوشوں کے خریدنے کا آگے جو ہے واذا اشتری دابۃ اوجملا وھو علیہ ھل یکون ذلک قبضا قبل ان ینزل یہ عبارت بھی ترجمۃ الباب ہی کا حصہ ہے اور اس میں یہ مسئلہ بیان فرمانا مقصود ہے کہ اگر خریدنے والا اُسی اونٹ پر سوار ہو جس کو خریدا ہے تو یہ سوار ہونا اس پر قبضہ شمار ہو جائے گا جبکہ اترنے سے پہلے پہلے خرید لیا ہو۔

فاذا قدمت فالکیس الکیس

یعنی مدینہ منورہ پہنچ جاؤ تو ہوشیاری اور سمجھ اور احتیاط سے کام لینا کہیں حیض ہی میں بیوی سے جماع نہ کر لینا۔

باب الا سواق التی کانت فی الجاھلیۃ فتبایع بھا الناس فی الا سلام

غرض یہ کہ جن مقامات پر زمانہ جاہلیت میں گناہ کے درجہ میں بھی بیع وشراء وفخر وریاء وغیرہ ہوتے تھے اب وہاں مباحات و طاعات جائز ہیں:۔

باب شراء الا بل الھیم او الا جرب

غرض کی دو تقریریں ہیں ۔۱۔ عیب دار چیز کو بیچنا بھی جائز ہے جب کہ عیب بتلا دیا جائے اور مشتری راضی ہو۔۲۔ عیب والی چیز کی بیع عیب ذکر کئے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ پھر خریدنے والے کے لئے عیب کی وجہ سے واپس کر دینا جائز ہے۔ پھر وہیم جمع ہے اہیم کی اس کے معنیٰ ۔۱۔ وہ اونٹ جس کو استسقاء کی بیماری ہو۔۲۔ وہ اونٹ جو شام کو پاگل ہو جاتا ہو۔ **الھائم المخالف للقصد فی کل شئی** :۔ یعنی اعتدال سے ہٹنے والی چیز کو ہائم کہتے ہیں خواہ انسان ہو یا جانور ہو دوسرے معنیٰ اِس لفظ کے عاشق کے بھی آتے ہیں سوال۔ ہیم تو ہائم کی جمع نہیں ہے بلکہ اہیم کی ہے پھر یہاں امام بخاری نے ہیم کے ساتھ ہائم کا ذکر کیوں فرمایا جواب ہائم اس لئے ذکر نہ فرمایا کہ یہ مفرد ہے ہیم کا بلکہ اشتراک فی المادہ کی وجہ سے ہائم کا لفظ بھی ذکر فرما دیا۔ **لا عدویٰ**:۔ یہاں لا عدویٰ کے تین معنیٰ کئے گئے ہیں ۔۱۔ ہماری میں تعدیہ نہیں ہے اس لئے میں ان اونٹوں پر راضی ہوں ۔۲۔ میں اُس بیچنے والے پر واپس کر کے اُس سے انتقام نہیں لینا چاہتا عدویٰ کے معنیٰ انتقام لینے کے آتے ہیں ۔۳۔ میں بیچنے والے پر عُدوان اور زیادتی نہیں کرنا چاہتا میرے نزدیک یہ واپس کر اُس پر زیادتی ہوگی کیونکہ اس کو اس سے تکلیف ہوگی میرے نزدیک یہ بھی زیادتی ہی ہے۔

سمع سفیان عمروا:۔ یہ امام بخاری کے استاد حضرت علی بن عبداللہ کا مقولہ۔

باب بیع السلاح فی الفتنۃ وغیرھا

غرض یہ ہے کہ جو باغی نہ ہو اسکے ہاتھ ہتھیار بیچنا جائز ہے زمانہ فتنہ کا ہو یا نہ ہو اس کی تفصیل یہ ہے ۔۱۔ فتنہ نہ ہو تو مطلقا ہتھیار کی بیع جائز ہے ۔۲۔ فتنہ کے زمانہ میں جس شخص کا حال مشتبہ ہو کر یہ باغی ہے یا نہ تو مکروہ ہے ۔۳۔ فتنہ میں جب باغی اور غیر باغی متعین ہوں تو باغی کے ہاتھ بیچنا حرام ہے اور غیر باغی کے ہاتھ بیچنا جائز ہے۔ امام بخاری کے ترجمۃ الباب اور تعلیق اور مسند روایات سے ان صورتوں کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ واللہ اعلم

باب فی العطار و بیع المسک

غرض رد ہے حضرت حسن بصری اور حضرت عطاء کے قول پر کہ یہ دونوں حضرات مشک کی بیع کے ناجائز ہونے کے قائل تھے کیونکہ مشک ہرن کے ناف کے خون سے بہت سارد و بدل کر کے تیار ہوتی ہے۔ پھر جواز پر اجماع ہو گیا تھا استعمال بھی جائز ہے اور

بیع بھی جائز ہے اسی پر امام بخاری نے باقی خوشبو کی انواع کو قیاس فرمایا یعد مک :۔ دو طرح پڑھا گیا ہے۔ا۔ یعد مک ضرب یضرب سے معروف۔۲۔ یعد مک باب افعال سے معروف معنی دونوں کے ہیں بفقدک پھر لفظ اما اس عبارت مبارکہ میں ترکیب کے لحاظ سے تو زائد ہے لیکن معنیٰ میں معتبر ہے عبارت یہ ہے لایعد مک من صاحب المسک اما تشتریہ اور تجد ریحہ۔ لفظ تشتریہ معنیٰ میں ان تشتریہ کے ہے اور یہ لایعدمک کا فاعل ہے دونوں میں سے ایک چیز تو گم نہ ہوگی یا تو مشک خرید لوگے یا کم از کم اس مجلس میں تو خوشبو سے لطف اندوز ہوگے۔ ایسے ہی نیک صحبت یا تو زندگی کا رُخ ہی بدل دے گی یا کم از کم تھوڑی دیر تو نیکی میں گذرے گی ابوسلمان دارانی فرماتے ہیں کہ ایک واعظ کی مجلس میں پہلی دفعہ گیا تو اس مجلس میں گناہ چھوڑنے کا ارادہ رہا اٹھا تو ختم دوبارہ گیا تو واپسی میں راستہ بھی اثر رہا گھر پہنچ کر ختم تیسری دفعہ گھر آکر بھی رہا اور گھر آکر گناہ کے سب اسباب ختم کر دیئے اور ایسے اللہ والے بن گئے کہ کسی نے یہ واقعہ سن کر کہا عصفورۃٌ صارت النعامۃ کہ چڑیا نے شتر مرغ کا شکار کر لیا کہ معمولی واعظ کے وعظ سے اتنا بڑا بزرگ پیدا ہوگیا۔

ے یک زمانہ صحبتت با اولیاً
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

بقول حضرت تھانوی بہتر از صد لک سالہ طاعت بھی ہوتا تو مبالغہ نہیں تھا کیوں۔ا۔ زندگی کا رخ بدلنے والی کوئی بات مل جاتی ہے جو دل پر اتنا اثر کرتی ہے کہ شیطانیت سے نکل کر ولایت میں داخل ہو جاتا ہے۔۲۔ حق تعالیٰ کی خصوصی نظر عنایت وقتاً فوقتاً اولیاء اللہ پر پڑتی ہے اگر اُس وقت کوئی پاس بیٹھا ہو تو اس پر بھی پڑتی ہے اور وہ بھی اُسی نور سے منور ہو جاتا ہے یہ چیز صد لک سالہ طاعت سے بھی شاید نصیب نہ ہوتی۔ مثلاً حضرت بشر حافی گناہوں کی زندگی میں تھے ایک درویش دروازے پر آئے لونڈی باہر گئی پوچھا یہ آزاد کا مکان ہے یا غلام کا کہا آزاد کا فرمایا اگر غلام کا مکان ہوتا تو ایسے نہ کرتا جیسے یہ کر رہا ہے لونڈی سے سن کر ننگے پاؤں پیچھے بھاگے دوبارہ سنا ایسا اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی غلام اور ولی اللہ ہی بن گئے یہ صرف ایک جملے کا اثر تھا ننگے پاؤں گئے تھے اس لئے بشر حافی نام ہو گیا بشر ننگے پاؤں والے وفقنا اللہ تعالیٰ

باب ذکر الحجام

غرض یہ ہے کہ حجامت کا پیشہ یعنی سینگی لگانے کا جائز ہے ربط ما قبل سے یہ ہے کہ جب مشک کا ذکر آیا تو اس سے ذہن خون کا بیع کی حرمت کی طرف جاتا ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ سینگی لگوانے کا پیشہ بھی جائز نہ ہوگا اس کا تدارک فرما دیا کہ حجامت سے نہی منسوخ ہے یا نہی تنزیہی پر محمول ہے کہ یہ کام گھٹیا ہے۔ اور اباحت ضرورت کی وجہ سے ہے۔

باب التجارۃ فیما یکرہ لبسہ للرجال والنساء

غرض یہ ہے کہ ایسے مال کی تجارت بھی جائز ہے جو صرف مردوں پر حرام ہو جیسے ریشم یا مردوں اور عورتوں دونوں پر حرام ہو جیسے تصویر والا کپڑا جبکہ کوئی طریقہ اس کے استعمال کا جائز ہو جیسے تصویر کا سر مٹا کر استعمال جائز ہے۔

باب صاحب السلعۃ احق بالسوم

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بھاؤ بتلانے کا زیادہ حق بائع کا ہے۔

باب کم یجوز الخیار

اس باب کی غرض میں تین تقریریں ہیں۔ا۔ کم مدۃً یجوز الخیارہ خیار شرط میں مدت کتنی ہے اور امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ کوئی تحدید نہیں بلکہ وہ متعاقدین کی رائے پر ہے خواہ خیار شرط ہو یا خیار قبول ہو یا خیار مجلس ہو۔۲۔ کم مرۃً یخیر احد المتعاقدین یعنی عقد کو لازم کرنے کے لئے کتنی دفعہ خرلی کہے یا خیار شرط کے الفاظ کہے مبہم چھوڑ دیا ظاہر یہی ہے کہ ایک دفعہ کہنا کافی ہے گو تین دفعہ کہنا اولیٰ ہے سوال۔ تین بابوں کے بعد چوتھے باب میں ہے قال ہمام وجدتُ فی کتابی یختار ثلث مرارٍ تو ابہام نہ رہا پھر امام بخاری نے اس باب میں ابہام کیوں رکھا جواب ظاہر یہی ہے کہ یہ قال ہمام والی زیادتی امام بخاری کے نزدیک قابل اعتماد نہیں

ہے۔۳۔کم قسما یجوز الخیار فیھا یعنی اقسام خیار میں سے صرف ایک ہی قسم کی تفصیل پانچ بابوں میں بیان فرمائی اور ان سب بابوں میں ایک ہی حدیث الفاظ مختلفہ کے ساتھ بیان فرمائی اور باقیوں کی طرف صرف اشارہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ **خیار شرط میں اختلاف**:۔عند مالک والبخاری خیار شرط کی کوئی حد نہیں جتنے دن کے لئے عاقدین چاہیں خیار شرط لگالیں شرعاً جائز ہے وعند الجمہور صرف تین دن خیار شرط دیا جا سکتا ہے ولنا فی البیہقی عن ابن عمر مرفوعاً الخیار ثلثۃ ایام ولمالک ضرورۃ کبھی دیادہ دن غور وخوض کرنے کی بھی ہوتی ہے جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔**اویکون البیع خیاراً**:۔ا۔یکون کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں اوالی ان یا الاان کے معنیٰ میں ہے۔۲۔یکونُ مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں اَو اپنے ظاہر پر ہے یعنی تردید کے لئے ہے یہ اوعاطفہ ہی ہوتا ہے۔**خیار مجلس ثابت ہے یا نہ**:۔عند امامنا ابی حنیفہ ومالک ثابت نہیں ہے وعند الشافعی واحمد ثابت ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر مرفوعاً ان المتبایعین بالخیار فی بیعھما مالم یتفرقا۔ ہمارے نزدیک یہ روایت خیار قبول پر محمول ہے کہ عاقدین میں سے پہلے کا قول جس کو ایجاب کہتے ہیں جب وہ پایا جا چکے اور دوسرے کا قول جس کو قبول کہتے وہ ابھی نہ پایا گیا ہو مثلاً دوکاندار نے کہہ دیا میں نے یہ کپڑے کا تھان دوسوروپے کا بیچا خریدار نے ابھی نہیں کہا کہ میں نے خریدا اس زمانہ میں دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ عقد کرے یا نہ کرے اس کو خیار قبول کہتے ہیں وعند الشافعی واحمد یہ حدیث پاک خیار مجلس پر محمول ہے کہ ایجاب اور قبول دونوں پائے جا چکے اس کے بعد بھی خریدنے والا اگر دوکان پر کچھ دیر بیٹھا رہے تو دونوں کو پورا پورا اختیار ہوتا ہے کہ چاہیں تو بیع کو باقی رکھیں اور چاہیں تو ختم کر دیں اور کوئی ایک کہہ دے کہ میں نہیں بیچتا یا میں نہیں خریدتا تو پھر بھی بیع نہ ہوگی۔**حنفیہ ومالکیہ کے مرجحات**:۔ا۔آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خیار

مجلس نہ ہو ارشاد ہے **لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃً عن تراض منکم** کیونکہ جب ایجاب وقبول دونوں پائے گئے تو جانبین سے رضا مندی پائی گئی اسی کو تراضی کہتے ہیں اور آیت کے مطابق تراضی سے عقد مکمل ہو جاتا ہے۔۲۔اگر اس حدیث پاک میں تفرق ابدان معنیٰ بھی کر لئے جائیں جیسا کہ شوافع وحنابلہ حضرات کرتے ہیں کہ تفرق سے مراد تفرق ابدان ہے اور حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب تک بیچنے والے اور خریدنے والے ایک ہی مجلس میں ہیں اُس وقت تک ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے حنفیہ اور مالکیہ کی اصل رائے تو یہی ہے کہ حدیث پاک میں تفرق سے مراد تفرق بالاقوال ہے کہ جب تک دو متفرق قول جمع نہیں ہوتے اور ایجاب کے ساتھ قبول نہیں ملتا اُس وقت تک عاقدین کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے لیکن ہم دوسرے مرجح کے طور پر ارخاء عنان کے درجہ میں اور مخالف کی بات ایک حد تک مانتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اگر یہاں حدیث پاک میں تفرق سے مراد تفریق ابدان بھی لے لیا جائے تو پھر بھی معنیٰ خیار قبول ہی کے باقی رہتے ہیں کہ مجلس ختم ہونے تک خیار قبول باقی رہتا ہے جہاں مجلس بدلی خیار قبول ختم ہوگیا۔اب اگر قبول کرے گا تو وہ قبول معتبر نہ ہوگا۔۳۔ہمارا تیسرا مرجح یہ ہے کہ اگر تفرق سے مراد تفرق ابدان ہی لیا جائے تو پھر بھی حدیث پاک کو خیار قبول ہی پر محمول کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کے لئے ایک موید یہ ہے کہ ہماری تقریر کا حاصل یہ ہے کہ اگر تفرق ابدان بھی مراد ہو تو خیار قبول لینے کی صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ لوازم عقد میں سے کوئی چیز یا اجزاء عقد میں سے کوئی چیز اگر مجلس ختم ہونے سے پہلے نہ پائی گئی تو عقد منفسخ ہو جائے اور اس حالت میں تفریق ابدان موجب فسخ ہے اس کی نظیر اجماعی موجود ہے کہ عقد صرف کہ مثلاً ایک تولہ سونا دے کر چالیس تولہ چاندی خریدی سونا تو مجلس میں ہی دے دیا لیکن چاندی دینے سے پہلے مجلس ختم ہوگئی اور تفرق ابدان پایا گیا تو یہ عقد فسخ ہو جاتا ہے بالاجماع آپ کے

مسلک کی تقریر یہ ہے کہ تفرق ابدان سے عقد لازم ہو جاتا ہے اس کی کوئی نظر شریعت میں نہیں ہے کہ جب تک مجلس رہے عقد غیر لازم رہے تفرق ابدان ہوتے ہی عقد لازم ہو جائے۔ ۴- ایک شرعی اصول ہے کہ مجلس جامع المتفرقات ہے یہ اصول خیار قبول کی تائید کرتا ہے کہ جب تک مجلس ہے قبول ایجاب کے ساتھ جمع ہو جائے گا بعد میں نہیں ہوگا کیونکہ اگر ایسا ہو تو ایجاب کرنے والے کو مشقت ہے کہ دوسرا جب چاہے اس کو مشقت میں ڈال دے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اب وہ خریدنا یا بیچنا چاہتا ہے بعد میں نہیں چاہتا۔ خیار مجلس کی یہ اصول تردید کرتا ہے کیونکہ اس میں مجلس کو جامع المتفرقات نہیں شمار کیا گیا بلکہ عقد کو کمزور رکھنے والی اور قبول کو ایجاب سے دور رکھنے والی شمار کیا گیا ہے جب مجلس ختم ہوتی ہے تو قبول ایجاب سے مل جاتا ہے اور عقد لازم ہو جاتا ہے۔ ۵- اس آیت مبارکہ سے تفرق بالاقوال کی تائید ہوتی ہے **وان یتفرقا یغن اللہ کلامن سعتہ** کہ خلع کا ایجاب وقبول جب یہ دونوں متفرق قول پائے جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دوسرے سے مستغنی کر دینگے جیسے یہاں عقد خلع میں تفرق بالاقوال ہے ایسے ہی ہم بیع میں لیتے ہیں اور خلع میں یہ معنیٰ اجماعی ہیں۔ ۶- **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا** میں بھی تفرق بالاقوال ہی مراد ہے۔ ۷- **لانفرق بین احد من رسلہ** میں بھی تفرق بالاقوال ہی مراد ہے۔ ۸- **افترقت الیھود علی احدیٰ اور ثنتین وسبعین فرقۃ رواہ ابوداؤد عن ابی ھریرۃ** اس حدیث پاک میں بھی تفرق باقوال ہی بالاجماع مراد ہے۔ ۹- **اوفوا بالعقود** جب ایجاب وقبول پائے گئے تو عقد پورا ہو گیا اب اس کو باقی رکھنے کا حکم ہے خیار مجلس میں اس حکم پر عمل نہ کرنا پایا جاتا ہے۔ ۱۰- اس پر اجماع ہے کہ مجلس کے اندر ہی مشتری اپنی خریدی ہوئی چیز کو آگے بیچ سکتا ہے کھا پی سکتا ہے۔ ھبہ کرسکتا ہے۔ غلام ہو تو آزاد کرسکتا ہے یہ سب تصرفات خیار مجلس کے خلاف ہیں۔ ۱۱- **واشھدوا اذا تبایعتم**۔ بالاجماع مجلس کے اندر ہی گواہ بنانا مستحب ہے اس سے بھی خیار مجلس کی نفی ہوتی ہے اگر عقد پختہ نہیں ہے تو گواہوں کا کیا فائدہ عاقد کہہ سکتا ہے کہ گواہ بننے کے بعد میں نے عقد فسخ کر دیا تھا۔ ۱۲- **اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ** اگر خیار مجلس باقی ہے تو کتابت بیکار ہے۔ ۱۳- عقد اجارہ میں خیار مجلس بالاجماع نہیں تو عقد بیع میں بھی نہ ہونا چاہئے۔ ۱۴- عقد نکاح میں خیار مجلس بالاجماع نہیں تو عقد بیع میں بھی نہ ہونا چاہئے۔ ۱۵- عقد خلع میں خیار مجلس بالاجماع نہیں تو عقد بیع میں بھی نہ ہونا چاہئے۔ ۱۶- ابوداؤد میں اسی خیار والی حدیث میں یہ بھی ہے حتیٰ یتخایرا اس کے معنیٰ ہم تو خیار شرط کے کرتے ہیں۔ شوافع حضرات اس کے معنیٰ کرتے ہیں کہ عقد کے فوراً بعد عاقدین میں سے کوئی ایک کہہ دے خرلیٔ اور دوسرا کہہ دے اخترتُ تو خیار مجلس ختم ہو جاتا ہے اگر چہ مجلس باقی رہے اور یہ کہنا اور نہ کہنا دونوں میں سے ہر ایک جائز ہے واجب نہیں بلکہ کہہ لینا بالاجماع مستحب ہے جب خیار مجلس کو مجلس کے اندر ہی ختم کر دینا مستحب ہے تو اس سے لازم آیا کہ خیار مجلس مستحب ہے اور مستحب ہونے کا ہم بھی انکار نہیں کرتے اسی کو اقالہ کہا جاتا ہے پس وجوب کا قول ختم ہو گیا۔ ۱۷- اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ روایت خیار مجلس پر دلالت کرتی ہے تو پھر بھی اہل مدینہ کا عمل تواتر اور توارث عملی کے ساتھ اس کے خلاف پایا گیا اور یہ تواتر و توارث عملی تواتر اسنادی سے بھی اونچے درجہ کا ہوتا ہے اسی لئے امام مالک نے یہ روایت عن نافع عن ابن عمر اپنے موطا میں نقل فرمائی ہے اور مالک عن نافع عن ابن عمر کو اصح الاسانید شمار کیا گیا ہے اور بعض نے قطعی الثبوت تک کہہ دیا ہے اس کے باوجود امام مالک نے تواتر عملی کو ترجیح دی اور خیار مجلس کا انکار فرمایا۔ حاصل یہ ہوا کہ تواتر عملی خیار مجلس کے خلاف ہے۔ ۱۸- لفظی ترجمہ تو اس حدیث میں تفرق ابدان کا ہی ہے لیکن تفرق ابدان کنایہ ہے تفرق اقوال سے کیونکہ عموماً عقد تام ہوتے ہی تفرق ابدان ہو جایا کرتا ہے اور کنایہ میں حقیقی معنیٰ بالکل چھوڑے

نہیں جاتے کبھی پائے جاتے ہیں کبھی نہیں پائے جاتے۔۱۹-حدیث میں لفظ بیعان اور متبایعان آرہاہے اور عاقدین کو متبایعین کہنا حقیقۃً ایجاب کے بعد اور قبول سے پہلے ہی ہوتا ہے ایجاب سے پہلے ان کو متبایعان کہنا مجاز بالمشارفہ کے طور پر ہوتا ہے جیسے طالب العلم کو مولوی کہہ دیتے ہیں اور قبول پائے جانے کے بعد بھی ما کان کے لحاظ سے مجازاً ان کو متبایعین کہا جاتا ہے جیسے ارشاد ہے واٰتو االیتامیٰ اموالھم حالانکہ یہ مال دینا بالغ ہونے کے بعد ہے اور حقیقی یتیم نابالغ ہی ہوتا ہے اب اسے یتیم کہنا ما کان کے لحاظ سے ہے۔پس خیار قبول میں متبایعان حقیقی معنیٰ میں ہے اور خیار مجلس کے معنیٰ کریں تو مجازی معنیٰ پر محمول کرنا پڑتا ہے جو کہ خلاف اصل ہے۔۲۰-مجلس کا وقت تو مجہول ہے اس لئے عقد کے لازم ہونے کو مجلس ختم ہونے پر معلق کرنا ایسا ہی ہے جیسے ثمن موجل ہو اور اجل مجہول ہو اس لحاظ سے بھی خیار مجلس کے معنیٰ لینے مناسب نہیں ہیں۔**شوافع اور حنابلہ کے مرجحات**:۔۱-زیر بحث روایت میں یہ بھی ہے او یکون البیع خیاراً اس کے معنی شوافع اور حنابلہ کے نزدیک یہ ہیں کہ احد المتعاقدین کہہ دے اختر یا خیر تک یا خرلی تو اس کہنے والے کا خیار مجلس ختم ہو جاتا ہے اور اگر دوسرا کہہ دے اخترتُ تو اب دوسرے کا خیار مجلس بھی ختم ہو جائے گا کیونکہ یہ قول لزوم عقد پر راضی ہونا ہے پس او یکون البیع خیاراً یہ شوافع اور حنابلہ کے لئے مرجح ہے جواب۔ بیع الخیار یہ شریعت میں خیار شرط کا لقب ہے اور حقیقت شرعیہ کو بلا دلیل نہیں چھوڑا جا سکتا ہے اس لئے حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ عقد کرنے کے دوران بھی خیار ہے قبول سے پہلے پہلے جب قبول پایا گیا تو خیار قبول ختم ہو گیا البتہ خیار شرط ہو تو جس کو خیار ہے وہ بعد میں بھی بیع فسخ کر سکتا ہے۔۲-روایۃ البیہقی والدارقطنی مالم یتفرقا عن مکانھما۔ جواب اس کا جواب ہم اپنی دوسری ترجیح میں دے چکے ہیں۔۳-ایجاب وقبول کے بعد وہ حقیقی معنیٰ پر محمول کرتے ہیں آپ مجازی پر۔ جواب اس کا جواب ہماری ترجیح ۱۹۔ میں گزر چکا ہے۔۴-تفرق کے ظاہری معنیٰ تفرق بالابدان ہی کے ہیں بلا ضرورت ظاہر سے پھیرنا ٹھیک نہیں جواب ہماری ترجیحات میں یہ بات تفصیل سے بیان کردی گئی ہے کہ شریعت میں اشہر تفرق بالاقوال ہے۔۵-روایۃ ابی داؤد والترمذی والطحاوی ان رجلین اختصما الیٰ ابی برزۃ فی فرس بعد ما تبایعا وکانا فی سفینۃ او خباء فقال لا اراکما تفرقتما وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البیعان بالخیار مالم یتفرقا۔ یہاں تصریح ہے تفرق بالابدان کی جواب یہاں خیار کا جاری فرمانا استحبابی ہے بالاجماع کیونکہ اسی واقعہ میں یہ بھی منقول ہے ان الرجل قام یسرج فرسہ جب قیام پایا گیا تو مجلس تو ختم ہوگئی شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی پس معنی یہ ہیں مالا کما تفرقتما عن ھذا البیع علی الانبساط۔۶-زیر بحث حدیث الباب میں ہے وکان ابن عمر اذا اشتریٰ شیئا یعجبہ فارق صاحبہ جواب۔ استحباب واحتیاط پر محمول ہے۔۷-آگے دو باب چھوڑ کر ایک روایت میں یوں ہے مرفوعاً عن ابن عمر اذا تبایع الرجلان فکل واحد منھما بالخیار مالم یتفرقا وکانا جمیعاً اس سے صاف معلوم ہوا کہ تفرق بالابدان مراد ہے جواب۔ ۱-وکانا جمیعاً میں ابدان ہیں اور مالم یتفرقا میں اقوال ہیں تاکہ تاسیس ہو اور آپ جو معنیٰ لے رہے ہیں ان میں تاکید ہے اور تاسیس تاکید سے اولیٰ ہوتی ہے۔۲-اگر مان بھی لیں کہ تفرق بالابدان ہے تو جواب ہماری دوسری ترجیح میں گزر چکا۔

باب اذالم یوقت فی الخیار ھل یجوز البیع

غرض یہ ہے کہ خیار شرط بغیر تعیین مدت کے بھی جائز ہے گویا امام مالک کے قول کو اختیار فرمالیا اور اس تقریر سے گذشتہ باب کی غرض میں جو تین تقریریں ذکر کی گئی تھیں ان میں سے پہلی تقریر کی تائید بھی ہوگئی گویا گذشتہ باب میں خیار کی مدت کا اجمالی ذکر تھا اِس باب میں قدرے تفصیل ہے۔

اختلاف خیار شرط غیر موقت میں:۔عندمالک اگر خیار شرط میں مدت مقرر نہ کی گئی ہو تو عقد ٹھیک ہو جائے گا اور اتنی مدت مقرر کر دی جائے گی جس میں عادۃً بیع کا اندازہ ہو سکے کہ اچھا ہے یا نہ وعندالا

وزاعی وابن ابی لیلیٰ وہ خیار شرط مجہول مدت والا ساقط ہو جائے گا اور عقد ٹھیک ہو جائے گا وعندالجمہور بیع ہی باطل ہو جائے گی ولنا یہ مدۃ عقد کے ساتھ ملحق ہے اس لئے اس کی جہالت سے عقد باطل ہو جائے گا دللا وزاعی وابن ابی لیلیٰ۔ یہ جہالت نکاح کی شرط فاسد کی طرح ہے اس لئے خیار گر جائے گا اور عقد ٹھیک ہو جائے گا جواب۔ نکاح اور بیع میں بہت فرق ہے ولما لک خیار کی مدت مقرر کر دی جائے گی جیسی کہ اُس مبیعہ کے مناسب ہوگی جس میں عاقدین اُس مبیعہ کا امتحان کر سکیں۔ اور یہی خیار شرط میں مقصود تھا۔ جواب۔ اس میں کوئی عادت اور عرف نہیں ہے جس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا

غرض یہ ہے کہ خیار مجلس معتبر ہے۔

باب اذا خیّر احد هما صاحبه بعد البیع فقد وجب البیع

غرض یہ ہے کہ جب بیع کے بعد دوسرے کو کہہ دے اختر تو بیع لازم ہو جاتی ہے جبکہ دوسرا بھی کہہ دے اخترتُ۔

باب اذا کان البائع بالخیار هل یجوز البیع

غرض یہ ہے کہ خیار مجلس بیع کو منع نہیں کرنا ساتھ ساتھ اشارہ ہے حضرت سفیان ثوری کے قول کے رد کی طرف جنہوں نے یہ فرمادیا کہ خیار شرط صرف مشتری کو ہوتا ہے امام بخاری کا استدلال کل بیّعین میں تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں بائع اور مشتری دونوں داخل ہیں۔

یختار ثلث مرار:۔ ابن التین اور امام ابو داؤد نے ان الفاظ کو شاذ قرار دیا ہے اسی لئے امام بخاری نے ان الفاظ کو الگ ذکر فرمایا ہے۔ علی تقدیر الثبوت ان الفاظ کے نقل کرنے میں نسخے مختلف ہیں۔ ا۔ بخیار ثلث مرات معنیٰ یہ ہیں کہ حدیث مرفوعاً ہیں لفظ بخیار تین مرتبہ تھا تاکید مقصود تھی۔ ۲۔ بخیار ثلث مرات۔ ۳۔ یختار ثلث مرات ان آخری دونوں نسخوں کے معنیٰ یہ ہیں کہ خرلی یا خیار شرط کے الفاظ تین دفعہ کہنا مستحب ہے۔ اور ایک دفعہ کہنے پر اکتفاء بھی جائز ہے۔

باب اذا اشتریٰ شیئاً فو هب من ساعة قبل ان تیفرقا ولم ینکر البائع علی المشتری او اشتری عبد ا فاعتقه

غرض یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد مجلس ہی میں ہبہ کر دینے اور اعتاق سے بیع لازم ہو جاتی ہے جبکہ بائع انکار نہ کرے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بائع سے اذن نہ لینا اس کی بھی دلیل ہے کہ صرف ایجاب وقبول سے بیع لازم ہوگئی اور خیار مجلس ثابت نہیں ہے۔ **وقال الحمیدی:**۔ یہاں حدثنا کی جگہ قال فرمایا یہ اس عادت کی بناء پر ہے کہ جب استاد سے مجلس حدیث میں حدیث نہ سنی ہو تو اسی طرح قال سے بیان فرماتے ہیں۔ **رأیت انی قد غبنتہ:**۔ غبن عرفی مراد نہیں ہے کہ میں نے بہت مہنگی چیز دی اور بہت سستی لی بلکہ اظہار مسرت ہے کہ میں تین دن کی مسافۃ مدینہ منورہ سے قریب آگیا۔

باب ما یکره من الخداع فی البیع

یعنی دھوکہ دینا مکروہ ہے لیکن ایسی صورتوں میں بیع فسخ نہ ہو گی۔ **انّ رجلاً:**۔ اُس شخص کا نام حبان بن منقذ ہے۔ **فقل لا خلابۃ:**۔ خلابۃ کے لفظی معنیٰ دھوکہ کے ہوتے ہیں اور یہ لقب ہے بیع بخیار الشرط کا پھر دو قول ہیں۔ ا۔ یہ لفظ صرف اُسی شخص کے لئے خیار شرط کا لقب ہے باقیوں کو صاف کہنا چاہئے کہ میں خیار شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ ۲۔ یہ لفظ سب کے لئے لقب مقرر کیا گیا ہے پھر اس لفظ کے استعمال کرنے میں تقدیر عبارت میں بھی دو قول ہیں۔ ا۔ لا یلزمنی خدیعتک۔ ۲۔ بشرط ان لا تکون الخدیعۃ۔ **اختلاف** اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اگر غبن فاحش کے ساتھ کسی نے کوئی چیز بیچ دی تو بعد میں خریدنے والے کو بلا خیار شرط بھی واپس کرنے کا اختیار ہے یا نہ عندامامنا ابی حنیفۃ والشافعی خیار شرط لگانے سے ہی ہوگا صرف مہنگی چیز ہونے سے خیار شرط ثابت نہ ہو گا تھوڑی مہنگی ہو یا زیادہ وعند مالک واحمد زیادہ مہنگی چیز ہو تو واپس

کرنے کا اختیار ہوگا اور وہ حضرات فرماتے ہیں کہ قیمت کا تیسرا حصہ عام بھاؤ سے زائد لیا ہے تو یہ زیادہ مہنگی ہے منشاء اختلاف زیر بحث روایت ہے ہمارے نزدیک یہ لقب خیار شرط کا ہے وہ مہنگی سمجھے تو خیار شرط کی وجہ سے واپس کردے اگر بلا خیار شرط ہی واپس کرنے کا اختیار مہنگی چیز ہونے کی وجہ سے دینا مقصود ہوتا تو پھر خیار شرط کی شریعت میں اجازت نہ ہوتی لھما اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دھوکہ نہ ہونا چاہئے اور زیادہ مہنگی چیز بیچنا دھوکہ ہے اس لئے خیار شرط ملنا چاہئے عقد میں خیار شرط لگایا ہو یا نہ لگایا ہو ترجیح کی ہمارے پاس دو وجہیں ہیں۔ ا۔ اصل بیع کا لازم ہونا ہے اور اس حدیث میں دونوں احتمال ہیں ایک جو ہم نے لیا دوسرا جو دوسرے حضرات نے لیا۔ اس لئے اصل لزوم ان احتمالوں کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا۔ ۲۔ ابن عربی نے اس حدیث کو صرف اُس دیہاتی کے لئے خاص کیا ہے اس لحاظ سے بھی اس سے کوئی ایسا حکم نکالنا جو دوسری ادلّہ سے ثابت نہ ہو مناسب نہیں ہے۔

باب ماذکر فی الاسواق

غرض یہ ہے کہ شرافت والوں کا نکلنا بازار کی طرف جائز ہے وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیا کلون الطعام و یمشون فی الا سواق اثم لکع :۔ کمینہ کے معنیٰ میں ہے لاڈ کی وجہ سے حضرت حسن یا حضرت حسین کو اس نام سے ذکر فرمایا انہ رائ نافع بن جبیر اوتر برکعۃ :۔ یہ ابن عیینہ کا مقولہ ہے غرض سماع کا اثبات ہے۔ تاکہ حدیث معنعن میں شبہ نہ ہو۔

باب کراھیۃ السخب فی السوق

بازار میں بلاضرورت شور کرنے کی ممانعت بیان کرنی مقصود ہے۔ پھر ترجمۃ الباب کے بعض نسخوں میں السخب سین کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں صاد کے ساتھ ہے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ حرز اَللامیین :۔ ا۔ حفاظت کا ذریعہ میں دشمنوں کے غلبہ سے۔ ۲۔ دنیا اور آخرت کے عذاب سے و ما کان اللہ لیعذ بھم وانت فیھم۔ پھر امیین کا ذکر خاص طور سے اس لئے ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ان میں ہوئی ہے۔ لیس بفظ :۔ بد اخلاق نہیں ہیں۔ وغلیظ :۔ سخت بات کرنے والے نہیں۔ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء :۔ حق تعالیٰ ان کو اس وقت تک وفات نہ دیں گے جب تک ان کے ذریعہ سے اس ملت کی اصلاح نہ فرمالیں جو زمانہ فترت وحی میں ٹیڑھی ہو چکی ہے۔

باب الکیل علی البائع و المعطی

غرض یہ ہے کہ کیل کرنا اور ناپ کر برتن سے دینا یہ تسلیم کے توابع سے ہے مبیعہ کو بائع ناپ کردے گا اور دین کو مدیون ناپ کردے گا۔

باب ما یستحب من الکیل

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بائع کے لئے مستحب ہے کہ وہ مشتری کے سامنے ناپے تاکہ مشتری کو کم ناپنے کا شبہ نہ ہو۔

باب برکۃ صاع النبی صلی اللہ علیہ وسلم مدّہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع اور مد کے استعمال میں برکت ہے یہ بات بتلانی مقصود ہے۔ اللھم بارک لھم فی مکیالھم :۔ اس دعاء سے کیا مقصود تھا مختلف تقریرات ہیں ا۔ مدینہ والے دین پر ثابت قدم رہیں اور زکوٰۃ و کفارات وغیرہ میں مکیلات خوب استعمال کریں۔ ۲۔ تجارت میں ترقی ہو اور پہلے سے زائد کیل کی نوبت آئے۔ ۳۔ فتوحات زیادہ ہوں اور مال زیادہ آئے اور زیادہ ناپیں۔ ۴۔ ان کے ان کیل کے برتنوں میں برکت ہو اور ان کے ذریعہ سے جو کیل کیا جائے اس میں دوسرے برتنوں سے کیل کرنے سے زیادہ برکت ہو۔

باب ما یذکر فی بیع الطعام و الحکرۃ

غرض بیع قبل القبض کا حکم بیان کرنا ہے کہ ممنوع ہے اور احتکار کا حکم بیان کرنا ہے کہ بعض صورتوں میں مکروہ ہے۔ حتیٰ یؤوہ الیٰ رحالھم :۔ مقصود قبضہ کرنا ہے سوال۔ احتکار کی حدیث ذکر نہ فرمائی۔ ا۔ اپنی شرط پر نہ پائی۔ قیاس فرمایا کہ جیسے بیع قبل القبض میں عوام کا نقصان ہے کہ بلا مشقت خرید کر بیچ دینے سے چیزیں مہنگی ہو جاتی ہیں اسی طرح احتکار سے بھی چیزیں مہنگی ہو جاتی ہیں۔ دراھم بدراھم والطعام مرجا :۔ یعنی جب بیع سلم میں

قبل القبض بیع کر دے گا مثلاً ایک ہزار دراہم کی خرید کر دو ہزار دراہم کی بیع دی تو گویا ایک ہزار دراہم کو دو ہزار کے بدلے میں بیچ دیا اور یہ جائز نہیں ہے۔ **من عندہ صرف**:۔ من استفہامیہ ہے اور صرف کے معنی ریزگاری کے ہیں کہ دینار لے کے دراہم دے دے۔ **لیس فیہ زیادۃ**:۔ یعنی جواب تک نقل کیا ہے وہ ٹھیک ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہے لیکن کچھ اور زائد بات بھی ہے وہ آگے آ رہی ہے۔

باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع ما لیس عندک

غرض دو صورتوں کا فساد بیان فرمانا ہے۔ ۱۔ بیع قبل القبض ۔۲۔ جو پاس نہیں اس کو بیچے۔ سوال۔ حدیث پاک میں دوسری صورت نہیں ہے۔ جواب۔ وہ پہلی صورت کی طرح ہی ہے اس لئے اسی پر قیاس فرما لیا پھر اس کی تائید سنن اربعہ ابوداؤد نسائی ترمذی ابن ماجہ کی حدیث سے ہوتی ہے جو مرفوعاً ثابت ہے لا تبع ما لیس عندک۔ **ولا احسب کل شئی الا مثلہ**:۔ یہ حضرت ابن عباس کا اپنا اجتہاد ہے اور یہی مسلک امام شافعی کا ہے۔ جمہور کے نزدیک عقار مستثنیٰ ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عباس اما الذی نھی عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھو الطعام ان یباع حتیٰ یقبض۔ امام شافعی کے نزدیک یہ حکم عام ہے اور جمہور کے نزدیک عقار اس سے مستثنیٰ ہے اور ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ بیع المھر اور بیع بدل الخلع اور بیع بدل الصلح دم عمد اور بیع المیراث بالاجماع اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علت قبل القبض ممانعت کی یہ ہے کہ اگر وہ چیز قابض کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی تو پہلا عقد فسخ ہو جائے گا مذکورہ چار چیزوں میں ہلاکت سے عقد فسخ نہیں ہوتا بلکہ ان چیزوں کی قیمت ان کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور عقار میں ہلاکت نادر ہے اس لئے اس میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

باب من رای اذا اشتری طعاماً جزا فاان لا یبیعہ حتی یوویہ الی رحلہ والا دب فی ذلک

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بلا کیل خریدے تو جب تک اپنے ٹھکانے پر نہ لے جائے طعام نہ بیچے اور سزا دینے کا ذکر کرنا ہے یعنی اگر اس مسئلہ کی مخالفت کرے گا تو سزا کا مستحق ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ کئے بغیر بیع نہ ہونی چاہئے۔ اور جو شخص تلقی جلب کرے اس کی سزا یہ ہے کہ جب تک اپنے ٹھکانے پر نہ لے جائے نہ بیچے۔

باب اذا اشتری متاعاً اودابۃ فوضعہ عند البائع اومات قبل ان یقبض

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ اگر مبیعہ قبل القبض ہلاک ہو جائے تو وہ مشتری کی ضمان میں ہلاک ہوگا۔ یعنی وہ مشتری کا نقصان شمار کیا جائے گا اور یہی امام احمد کا مسلک ہے وعندامامنا ابی حنیفۃ والشافعی وہ بائع کی ضمان میں ہلاک ہوگا وعند مالک حیوان میں امام احمد کے ساتھ ہیں باقی چیزوں میں حنفیہ وشافعیہ کے ساتھ ہیں اس مسئلہ کا مدار اس پر ہے کہ ہمارے نزدیک قبضہ بیع کا تتمہ ہے اور امام احمد کے نزدیک نہیں اور امام مالک کا اصول تو وہی ہے جو ہمارا ہے لیکن اس باب کی مرفوع روایت کی وجہ سے انہوں نے حیوان کو اس اصول سے خارج کر دیا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں تبرعاً قبضہ بائع کا رکھا گیا ہے اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ بائع کا قبضہ ہی مشتری کا قبضہ حیوان میں شمار ہوتا ہے اور ضمان مشتری کی ہو جاتی ہے امام احمد کے مقابلہ میں ہم کہتے ہیں کہ ہمارا اصول قوی ہے کیونکہ خریدنے سے مقصود قبضہ ہوتا ہے نیز ضمان کے مسئلہ میں وجہ ترجیح کی یہ بھی ہے کہ ہمارے مسلک میں احتیاط زیادہ ہے کیونکہ پہلے بائع کی ضمان تھی اب بیع کے بعد قبضہ سے پہلے ضمان ختم ہونے میں شک ہے اس لئے شک کی وجہ سے ضمان ختم نہ ہوگی۔ الیقین لا یزول بالشک۔ **وقال ابن عمر ما ادرکت الصفقۃ حیاً مجموعاً فھو من المبتاع** یہ بظاہر امام احمد کے لئے موید ہے لیکن جواب یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کا اجتہاد ہے اور مجموع کے معنیٰ صحیح سالم کے ہیں۔

باب لا یبیع علی بیع اخیہ ولا یسوم علی سوم اخیہ حتیٰ یاذن لہ او یترک

غرض دو صورتوں کی کراہۃ بیان کرنا ہے کہ۔ ۱۔ بیع مع خیار

الشرط ہو چکی ہو اس پر کوئی بیع یا شراء نہ کرے مشتری سے یوں نہ کہے کہ ایسی چیز تھوڑی قیمت پر دے دوں گا یہ بیع توڑ دو یا بائع سے کہے میں زیادہ پیسے دے دوں گا تم وہ بیع توڑ کر مجھ سے یہی چیز بیچ دو۔۲۔ بھاؤ ہو رہا ہو اور راضی ہونے کے قریب ہوں تو بائع کو نہ کہے کہ اُس کے پاس نہ بیچو میں زیادہ قیمت دوں گا میرے پاس بیچ دو یا مشتری سے کہے کہ اس سے نہ خریدو میرے پاس ایسی چیز ہے سستی دوں گا وہ خرید لینا یہ سب مکروہ ہے۔ البتہ اگر بیع ابتدائی مراحل میں ہو تو گنجائش ہے جس کو بولی دینا کہتے ہیں۔ **ان یبیع حاضر لباد:۔** یعنی شہر والا دیہاتی کا وکیل اور دلال نہ بنے تا کہ وہ دیہاتی خود بیچے تا کہ سستی بیچے کیونکہ دیہاتی نے فارغ ہو کر جلدی واپس جانا ہوتا ہے۔ البتہ اگر غلہ میں وسعت ہو تو ظاہر یہی ہے کہ نہی تنزیہی ہے۔ **ولاتناجشو:۔** گاہک کو دھوکہ دینے کے لئے جھوٹے مشتری نہ بنو۔

ولا تسئل المرأة طلاق اختها لتكفأ ما فی انائها

اس کے مختلف معانی کئے گئے۔ ۱۔ منکوحہ اپنے خاوند سے یہ نہ کہے کہ اپنی دوسری بیوی کو یعنی میری سوکن کو جس کو عربی میں ضرّہ کہتے ہیں اس کو طلاق دے دے بلکہ اسی طرح اس کے ساتھ یہ بھی نکاح میں رہے دونوں اپنی اپنی قسمت لیتی رہیں۔ ۲۔ اجنبی عورت جس کو کسی نے پیغام نکاح کا دیا ہو مخطوبہ۔ منکیتر اس پیغام دینے والے خاطب کو یہ نہ کہے کہ پہلے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دو پھر میں نکاح کروں گی ایسا نہ کرے بلکہ اس کی موجودگی میں یہ بھی نکاح کر لے اس کو اپنا حصہ مل جائے گا۔ ۳۔ یہ مخطوبہ کسی اور سے نکاح کر لے وہاں اس کو اپنا حصہ مل جائے گا۔ ۴۔ بیوی کی بہن اپنی بہن کو طلاق دلوا کر اس کی جگہ خود اس بہنوئی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور جگہ نکاح کرے اس کو وہاں اپنا حصہ مل جائے گا۔

باب بیع المزایدة

غرض یہ ہے کہ بولی دینا جائز ہے جائز کا باب میں صراحۃً ذکر نہ فرمایا کیونکہ حدیث میں ذکر آ رہا ہے اور یہ جواز اجماعی ہے۔ **اعتق غلاماً لہ عن دبر:۔** عند امامنا ابی حنیفۃ مالک جائز نہیں ہے مدبر کی بیع و عند الشافعی واحمد جائز ہے ولنا روایۃ الدار قطنی عن ابن عمر مرفوعاً المدبر لا یباع ولا یوہب وللشافعی واحمد حدیث الباب عن جابر فی المدبر مرفوعاً من یشتریہ منی جواب یہ بیع الخدمۃ ہے جس کو اجارہ کہتے یہ تاویل ضروری ہے تا کہ دونوں روایتوں میں تعارض نہ رہے۔ **سوال:۔** بخاری شریف کی اس روایت میں بیع مزایدہ تو نہیں ہے بلکہ مدبر کی بیع ہے جواب چونکہ مرفوعاً من یشتریہ منی مذکور ہے۔ بیع مزایدہ میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اس لئے یہ بیع مزایدہ کے مشابہ ہے اس مشابہت کی بناء پر یہاں ذکر فرمایا۔

باب النجش

غرض جھوٹا گاہک بن کر خریدنے والے کو دھوکہ دینا ناجائز ہے جمہور کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے گو بیع صحیح ہو جاتی ہے عند بعض اہل الظواہر بیع ہی صحیح نہیں ہوتی منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النجش ان کے نزدیک عدم صحت پر یہ حدیث محمول ہے اور جمہور کے نزدیک کراہۃ تحریمی پر ترجیح جمہور کی توجیہ کو ہے کیونکہ فساد پر کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

باب بیع الغرر و حبل الحبلة

غرض بیع الغرر اور حبل الحبلۃ کی ممانعت کا بیان ہے اور حبل الحبلۃ بھی بیع الغرر ہی کی ایک نوع ہے گویا تخصیص بعد التعمیم ہے کیونکہ بیع الغرر میں بیع الآبق اور بیع المعدوم بھی داخل ہیں پھر بیع حبل الحبلۃ کے معنی کیا ہیں مختلف اقوال ہیں۔ ۱۔ کسی بیع میں مدت مقرر کی جائے ثمن ادا کرنے کی کہ اس حاملہ اونٹنی وغیرہ کے جو اونٹنی پیدا ہوگی اس اونٹنی کے بطن سے جب بچہ پیدا ہوگا اس وقت اس مبیعہ کی ثمن ادا کر دونگا۔ ۲۔ اونٹنی وغیرہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کو بیچ دے پیدا ہونے سے پہلے، ۳۔ اس حاملہ اونٹنی وغیرہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے یہ پیدا ہوگا بڑا ہوگا اور پھر یہ مونث بچہ حاملہ بنے گا تو اس وقت جو پیٹ میں بچہ ہوگا اس کو ابھی سے بیچ دے جس کو مختصر الفاظ میں بیع جنین الجنین بھی کہتے ہیں۔ پھر غرر

والی حدیث مسلم شریف میں عن ابی ہریرۃ اور مسند احمد میں عن ابن عمر وارد ہے نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الغرر لیکن یہ ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے یہاں ذکر نہ فرمائی۔ **ومن عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد:**۔ بدعت کی تردید ہے کہ جو چیز ہماری شریعت میں نہ ہو اس کو کوئی اختیار کرے تو وہ مردود ہے عمل بھی مردود ہے مقبول نہیں اور وہ شخص بھی مردود ہے عذاب کا مستحق ہے یہ روایت آگے بخاری شریف میں کتاب الصلح میں اسناد کے ساتھ آئے گی اس میں بدعات اور امور جاہلیت کی تردید شدید ہے۔ **بیع الملامسۃ:**۔ اس کے تین اہم معنیٰ ہیں تینوں کو باطل قرار دینا مقصود ہے۔ ۱- بائع کہہ دیتا کہ میں نے یہ کپڑا بیچا اب تو جب اس کو ہاتھ لگا دے گا تو بیع پختہ ہو جائے گی۔ ۲- بھاؤ کرتے کرتے کپڑے وغیرہ کو چھو دینا پختہ بیع شمار ہوتا تھا۔ ۳- اندھیرے میں رات کے وقت مشتری کپڑے کو ہاتھ لگاتا پھر خریدتا اور خیار رویۃ کو ساقط سمجھتا صرف ہاتھ لگانے کی وجہ سے۔ **نھی عن لبستین:**۔ سوال آگے مذکور تو ایک ہی ہے جواب شہرت کی وجہ سے دوسری صورت چھوڑ دی اور وہ اشتمال الصماء ہے۔

باب بیع المنابذۃ

۱- بھاؤ کرتے کرتے جب مبیعہ بائع پھینک دیتا تو اس کو پختہ بیع سمجھتے تھے۔ ۲- دو عاقدوں میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف ایک ایک چیز پھینک دیتا اس کو بیع سمجھتے تھے حالانکہ نہ ان چیزوں کی تفصیل معلوم ہوتی نہ بھاؤ طے کرتے۔ اس باب کا مقصد ان دونوں میں سے جو تفسیر بھی لی جائے بیع منابذہ کو باطل قرار دینا مقصود ہے۔

باب النھی للبائع ان لا یحفل

محفلۃ اور مصراۃ کے ایک ہی معنیٰ ہے کہ بائع پانی کے چھینٹے مار کر تھن میں دودھ جمع کرے کہ بیع کے وقت زیادہ محسوس ہو یہ فعل بالاتفاق ممنوع ہے اختلاف حکم میں ہے عندامامنا اس حدیث کا حکم معمول بہ نہیں ہے وعند الجمہور معمول بہ ہے منشاء اختلاف زیر بحث باب کی احادیث ہیں مثلاً عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لاتصروا الابل والغنم فمن ابتاعھا بعد فانہ بخیر النظرین بعد ان یحتلبھا ان شاء امسک وان شاء ردھا وصاع تمر ہمارے نزدیک یہ روایت معلول ہیں وعند الجمہور صحیح ہیں راجح معلول ہونا ہے کیونکہ یہ روایات اس آیت کے خلاف ہیں وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ کہ بدلہ نقصان کے برابر ہونا چاہئے ہر موقعہ میں ایک صاع مناسب نہیں ہے۔ ۲- یہ روایات حدیث پاک کے اس مسلم اصول کے خلاف ہیں جو ابوداؤد میں عن عائشۃ مرفوعاً منقول ہے الخراج بالضمان جب ہلاکت پر ضمان مشتری کی ہے کہ اس کا نقصان شمار ہوگا تو خراج یعنی آمدنی جو دودھ کی صورت میں ہے وہ مشتری کی ملک ہے اس کا معاوضہ ایک صاع مشتری کے ذمہ نہ ہونا چاہئے اس باب کی غرض بیان ممانعت ہے۔

باب ان شاء ردالمصراۃ وفی حلبتھا صاع من تمر

غرض اور ربط اور فرق یہ ہے کہ گذشتہ باب میں دودھ بکری وغیرہ میں جمع کرنے کی ممانعت کا بیان تھا اب حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی ایسا کر ہی لے تو اس کا کیا حکم ہے امام بخاری جمہور کے قول کی تائید فرمانا چاہتے ہیں حنفیہ کے خلاف حنفیہ ایک توجیہ یہ بھی کرتے ہیں کہ حدیث پاک صلح پر محمول ہے قضاء پر محمول نہیں ہے۔

باب بیع العبد الزانی

غرض میں دو تقریریں ہیں۔ ۱- زانی غلام کا بیچنا جبکہ اسکے اس عیب کو ذکر کر دے جائز ہے۔ ۲- عبد زانی کا بیچ دینا مستحب ہے۔ **الضفیر:**۔ بٹی ہوئی رسی یعنی دو رسیوں کو جوڑ کر ایک بنائی گئی ہو۔

باب البیع والشراء مع النساء

غرض یہ کہ عورتوں کے ساتھ بیع وشراء بھی جائز ہے۔

باب ھل یبیع حاضر لباد بغیر اجر وھل یعینہ اوینصحہ

اعانت یہ ہے کہ اس دن کے بھاؤ سے بیچ دے نصیحت یہ ہے کہ دیہاتی وہ چیز شہری دوست کے پاس چھوڑ جائے اور وہ آہستہ آہستہ بیچتا رہے غرض یہ ہے کہ شہری اگر بلا اجر یہ سارے کام دیہاتی کی طرف سے کرے تو یہ اسلامی ہمدردی اور اعانت میں

آئینگے اور مع الاجر کرے تو ممنوع ہیں۔ لیکن یہ امام بخاری کی انفرادی رائے ہے کہ خیرخواہی اور نصیحت کی عام روایات میں بیع الحاضر للبادی کو شامل کردیا اور نہی کو صرف بیع بالاجر پر محمول کردیا اور یہی اس باب کی غرض ہے فقہاء کے نزدیک یہ سب صورتیں بھی مکروہ ہیں اور منشاء اختلاف نہی کو عام رکھنا ہے یا خاص بیع مع الاجر پر محمول کرنا ہے۔ جمہور عام رکھتے ہیں اور امام بخاری بیع مع الاجر پر محمول فرماتے ہیں۔ ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ مدار تو عوام کے ضرر پر ہے اور وہ دونوں صورتوں میں ہے بیع بالاجر ہو یا بلااجر ہو۔

والنصح لکل مسلم:۔ اس حدیث کو اس باب میں لانے سے شبہ کا ازالہ بھی مقصود ہے کہ خیرخواہی تو مستحسن ہے پھر دیہاتی کی خیرخواہی سے منع کیوں فرمایا گیا امام بخاری یہ جواب دے رہے ہیں کہ خیرخواہی کرنا چاہئے تو بلااجر کرے ممانعت صرف اجر لیکر بیع کرنے سے ہے اور جمہور فقہاء کی طرف سے شبہ کا ازالہ یوں ہے کہ ضرر عامہ کی وجہ سے خیرخواہی کی یہ صورت مستثنیٰ ہے۔

باب من کره ان یبیع حاضر لباد باجر

غرض۔۱۔ گذشتہ باب کا اعادہ کراہۃ کی تصریح کے لئے ۲۔ اپنا مسلک بیان کرچکے اب دوسروں کا مسلک بتلانا چاہتے ہیں۔

باب لایشتری حاضر لباد بالسمرة

ایک ہی مسئلہ کے لئے تین باب باندھنے سے مقصود۔ ۱۔ طرق متعددہ کا ذکر کرنا۔ ۲۔ معنیٰ کو خوب مضبوط کرنا کہ یہ نہی بہت قوی ہے پھر نہی اس وقت ہے جب جانبین میں سے کسی کا نقصان ہو دیہاتی بائع ہو یا مشتری حکم دونوں کو شامل ہے سوال حدیث میں شراء کا لفظ تو نہیں ہے۔ جواب۔۱۔ بیع خریدنے اور بیچنے میں مشترک ہے امام بخاری نے دونوں معنیٰ اکٹھے مراد لئے ہیں جس کو عموم مشترک کہتے ہیں۔ ۲۔ عموم مجاز ہے بمعنی عقد ملزوم بول کر لازم مراد ہے اور عقد بیع اور شراء دونوں کو شامل ہے۔

باب النهی عن تلقی الرکبان

غرض یہ ہے کہ تلقی الرکبان جس کو تلقی الجلب بھی کہتے ہیں اس میں جو بیع کرے گا وہ باطل ہوگی لیکن یہ صرف بعض اہل ظواہر کا قول ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک فعل مکروہ ہے جبکہ اس میں دھوکا ہو یا شہر والوں کا قحط وغیرہ کی وجہ سے نقصان ہو کیونکہ مسلم شریف میں ہے **عن ابن عمر کنا نتلقی الرکبان فنشتری منهم الطعام فنها نارسول الله صلی الله علیه وسلم ان نبیعه حتی نبلغ به سوق الطعام** پس امام بخاری کا یہ اصول صحیح نہ رہا کہ ہر نہی موجب فساد عقد ہے کیونکہ خود امام بخاری نے بیع المصراۃ کو ممانعت کے باوجود جائز قرار دیا اور بیع الحاضر للبادی کو بلااجر جائز قرار دیا حالانکہ دونوں مکروہ ہیں۔

باب منتهی التلقی

غرض یہ ہے کہ جب قافلہ والے بازار کی ابتداء میں پہنچ جائیں تو پھر ان سے خریدنے کی کوئی ممانعت باقی نہیں رہتی۔

باب اذا اشترط شروطاً فی البیع لاتحل

غرض یہ ہے کہ شروط فاسدہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی اور شرط گر جاتی ہے گویا ابن ابی لیلیٰ کا مذہب لے لیا عندالجمہور عقد فاسد ہوجاتا ہے ولنا فی الطبرانی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده مرفوعاً نهی عن بیع وشرط وللبخاری و ابن ابی لیلیٰ حدیث الباب عن عائشة مرفوعاً **خذیها واشترطی لهم الولاء** جواب۔۱۔ یہ صرف تذکرہ قبل البیع تھا۔ ۲۔ یہ نہی سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ۳۔ محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔ ۴۔ اس واقعہ کی خصوصیت ہے تاکہ ابطال ظاہر کردیا جائے۔ ۵۔ یہ فرمانا بطور تہدید کے ہے جیسے ارشاد ہے **فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفرانا اعتدنا للظالمین ناراً** اور ارشاد ہے **واستفززمن استطعت منهم**. **بیع التمر بالتمر**:۔ غرض یہ کہ کھجور کے بدلہ کھجور کا بیچنا جائز ہے۔ **باب بیع الزبیب بالزبیب والطعام بالطعام**:۔ غرض یہ ہے کہ کشمش کو کشمش کے بدلہ اور طعام کو طعام کے بدلے بیچنا جائز ہے۔ **باب بیع الشعیر بالشعیر**:۔ غرض یہ ہے کہ جو کو جو کے بدلے بیچنا جائز ہے۔ **صرفاً**:۔ ریزگاری دینار کے بدلے دراہم فتراوضنا:۔ تساومنا بھاؤ طے کیا۔

باب بیع الذھب بالذھب

غرض یہ ہے کہ سونے کوسونے کے بدلے بیچنا جائز ہے۔

باب بیع الفضۃ بالفضۃ

غرض یہ ہے کہ چاندی کو چاندی کے بدلے بیچنا جائز ہے۔ **یا اباسعید ماھذا الذی تحدث**:۔ حضرت ابن عمر پہلے اس کے قائل تھے کہ تفاضل جائز ہے ایک درھم دے کر دو لینے جائز ہیں اس لئے حضرت ابوسعید سے بار بار تحقیق فرمائی۔ **ولا تشفوا**:۔ اشفاف کے معنی کمی کے بھی آتے ہیں زیادتی کے بھی آتے ہیں ایسے لفظ کو جس کے معنی میں دونوں ضدیں ہوں یہ کہتے ہیں ھومن الاضداد۔

باب بیع الدینار بالدینار نساءً

غرض یہ ہے کہ دینار کے بدلے دینار کا ادھار بیچنا جائز نہیں ہے۔ **لاربا الافی النسیئۃ**:۔ اس مرفوع حدیث کی مختلف توجیہات ہیں۔ ۱- علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے کیونکہ اس حدیث کو اپنے ظاہر پر باقی رکھنا بالاجماع متروک ہے۔ ۲- یہ اختلاف جنس پر محمول ہے ۳- مستدرک حاکم میں منقول ہے عن ابی مجلز کہ حضرت ابن عباس نے اس سے رجوع فرمالیا تھا اور استغفار فرمایا تھا کہ نقد سونے کے بدلے سونا کم وبیش دینا جائز ہے ایسے ہی چاندی اس سے رجوع فرمالیا تھا۔ ۴- کامل درجہ کا ربٰو ادھار میں ہے اور یہ جاہلیت میں بھی سود شمار ہوتا تھا اور بہت مشہور تھا۔

باب بیع الورق بالذھب نسیئۃ

غرض یہ ہے کہ چاندی کوسونے کے بدلے میں ادھار بیچنا ناجائز ہے۔

باب بیع الذھب بالورق یداً بید

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ سونے کو چاندی کے بدلے میں تفاضل کے ساتھ بیچنا نقد جائز ہے۔

باب بیع المزابنۃ وھی بیع التمر بالثمر وبیع الزبیب بالکرم وبیع العرایا

غرض دو مسئلے بیان فرمانا ہے۔ ۱- بیع مزابنہ ناجائز ہے ۲- بیع العرایا جائز ہے۔ عرایا کی تفسیر عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

بیع الثمر علی رءوس النخل بالذھب والفضۃ:۔ غرض یہ ہے کہ سونے اور چاندی سے پھلوں کو خریدنا جائز ہے جو درختوں پر لگے ہوئے ہوں اور سونے اور چاندی کی قید واقعی ہے سامان کے ذریعہ بھی خریدا جاسکتا ہے صرف ممانعت اس صورت میں ہے کہ اسی نوع کا کٹا ہوا پھل دیکر درخت کے اوپر والا پھل خریدا جائے جس کو مزابنہ کہتے ہیں۔ **قال ھوسواء**:۔ اس قال کے فاعل امام بخاری ہیں یا کوئی راوی ہیں مطلب یہ ہے کہ قوال سفیان سے پہلے اور پیچھے والی کلام کے الفاظ مختلف ہیں معنیٰ برابر ہیں۔ **ان اہل مکۃ یقولون**:۔ دونوں روایتوں میں تین فرق ہیں کہ اہل مکہ کی روایت میں عرایا جمع کا صیغہ ہے۔ ۲- بلا قید خرص ہے۔ ۳- بغیر اس قول کے ہے ویا کلونھا رطباً اس کے برخلاف اہل مدینہ کی روایت میں صیغہ بھی مفرد ہے عریہ اور خرص کی قید بھی ہے اور یہ بھی ہے ویا کلونھا رطباً۔ **وما یدری اھل مکۃ**:۔ اہل مکہ کوکس نے بتلایا غرض یہ ہے کہ یہ حدیث اہل مدینہ پر گھومتی ہے اس لئے ان کی روایت کے الفاظ زیادہ اہم ہیں۔

باب تفسیر العرایا

غرض یہ ہے کہ حدیث پاک میں جو عرایا کا لفظ ہے اس میں مختلف تفسیروں کا احتمال ہے چنانچہ اس باب میں بعض تفسیریں نقل فرمارہے ہیں۔ **وقال ابن ادریس**:۔ ۱- اکثر کے نزدیک اس کا مصداق عبداللہ بن ادریس الاودی ہیں ۲- بعض نے اس کا مصداق محمد بن ادریس الشافعی امام الفقہ کو قرار دیا ہے۔ **اختلاف**:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ بیع المزابنہ اور بیع المحاقلہ مطلقاً ناجائز ہے چاہے مقدار کم ہو یا زیادہ ہو مزابنہ کی صورت یہ ہے کہ کٹے ہوئے پھل دے کر درخت کے اوپر والے پھل لئے جائیں اور محاقلہ کی صورت یہ ہے کہ کٹے ہوئے غلّہ کو دے کر کھیتی میں لگے ہوئے غلہ گندم جَو وغیرہ لئے جائیں وعندالجمہور پانچ اوسق یا کم میں جائز ہیں مزابنہ بھی اور محاقلہ بھی زیادہ میں جائز نہیں ہیں۔ ولنا۔ ۱- روایۃ ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً نھی عن بیع الثمر بالتمر کیلاً وعن بیع العنب بالزبیب

کیلاً وعن بیع الزرع بالحطة کیلاً۔۲۔ابوداؤد میں عن جابر بن عبداللہ و فی البخاری عن ابن عباس مرفوعاً نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المحاقلة والمزابنة۔ وللجمھور۔۱۔ فی ابی داؤد البخاری عن زید بن ثابت مرفوعاً رخص فی العرایا ان تباع بخرصھا کیلاً۔۲۔فی ابی داؤد عن سھل بن ابی حثمة مرفوعاً ورخص فی العرایا۔ جواب عرایا کی مختلف تفاسیر منقول ہیں عن الشافعی یوں منقول ہے کہ کسی غریب کے پاس خشک پھل پانچ اوسق سے کم ہوتے تھے وہ تازہ لگی ہوئی کھجوریں وغیرہ کھانا چاہتا تو اس کی اجازت دی گئی کہ تم خشک کھجور کے بدلہ تر کھجوریں درخت پر لگی ہوئی خرید لو اور عن ابی حنیفة و مالک واحمد یوں تفسیر عرایا کی منقول ہے کہ کوئی باغ والا ایک دو درخت کسی کو خیرات کرتا کہ تم غریب ہو ان کے پھل کھالینا پھر اُس غریب کے باغ میں آنے جانے سے باغ والے کو تکلیف محسوس ہوتی تو اس سے ان درختوں کی کھجوروں کو جو ابھی درختوں پر ہی ہوتی تھیں خرید لیتا اور ان کے بدلے خشک کھجوریں دے دیتا تھا پھر عندامامنا ابی حنیفة یہ ہبہ جدیدہ تھا گو مجازاً اس کو بیع کہہ دیتے تھے وعند مالک واحمد یہ حقیقة بیع تھی اس لئے عندما لک واحمد اتنی مقدار میں بیع جائز ہے اور عندالشافعی تو ہے ہی بیع اس لئے ان کے نزدیک بھی اتنی مقدار میں بیع جائز ہے۔ ان سب تفسیروں میں سے ہمارے امام ابوحنیفة کی تفسیر کو ترجیح حاصل ہے وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ ہماری تفسیر لغوی معنیٰ کے قریب ہے کیونکہ لغت میں عریہ بمعنیٰ عطیہ آتا ہے۔ **امام مالک اور امام شافعی کی تفسیروں میں فرق**:۔۱۔امام مالک کے نزدیک بیع العرایا پانچ اوسق میں بھی جائز اس سے کم میں بھی جائز ہے امام شافعی کے نزدیک پورے پانچ اوسق میں جائز نہیں ہے صرف پانچ اوسق سے کم میں جائز ہے۔۲۔امام مالک کے نزدیک صرف مُعری یعنی ھبہ کرنے والے کے لئے یہ بیع العرایا جائز ہے۔ اور عندالشافعی سب کے لئے اتنی مقدار میں جائز ہے چاہے اس بیع سے پہلے ہبہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔۳۔عندالشافعی صرف تمر وزبیب میں یہ بیع جائز ہے اور عند مالک ہر خشک پھل اور غلّہ میں جائز ہے۔۴۔عندالشافعی تقابض فوراً ید أبید ضروری ہے وعند مالک ضروری نہیں۔ **قال ابن اسحاق**:۔ اس روایت کو امام ابوداؤد نے سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہ تفسیر امام ابوحنیفہ وامام مالک کی تفسیر کے قریب ہے۔ **وقال یزید**:۔ یہ تفسیر امام شافعی کی تفسیر کے قریب ہے۔

باب بیع الثمار قبل ان یبد و صلاحھا

غرض حنفیہ کے قول کو رد کرنا ہے اور جمہور کی تائید کرنی ہے۔ **اختلاف**:۔عندامامنا پھل جب نکل آئے ۹ تو بیع جائز ہے بشرطیکہ یہ شرط نہ لگائے خریدنے والا کہ میں ابھی نہ کاٹوں گا اور طویل عرصہ تمہارے درختوں ہی پر لگا رہے گا وعندالجمھور جائز نہیں ہے کوئی شرط لگائے یا نہ لگائے منشاء اختلاف زیر بحث روایت ہے عن زید بن ثابت مرفوعاً فلا تتبایعوا حتیٰ یبدو صلاح الثمر کالمشورة یشیربھا لکثرة خصومتھم ہمارے نزدیک یہ شرط بقاء پر محمول ہے اور جمہور کے نزدیک اپنے عموم پر ہے ترجیح حنفیہ کی توجیہ کو ہے کئی وجہ سے۔۱۔نھی محمول ہے بیع الثمار قبل وجودھا پر کہ بعض دفعہ پھل آنے سے پہلے ہی بیچ دیتے تھے۔۲۔نھی تنزیہی ہے جیسا کہ اس حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ صرف جھگڑوں کی وجہ سے بطور مشورہ کے فرمایا تھا کہ ایسے جھگڑے کرنے ہیں تو بہتر ہے کہ بدّ و صلاح سے پہلے نہ بیچا کرو۔۳۔نھی محمول ہے شرط ترک پر۔۴۔اصل حکم اور ضابطہ شرعی سے جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ شرعی ضابطہ یہی ہے کہ جب عقد اہل سے صادر ہو اور محل پر وارد ہو تو عقد صحیح ہوتا ہے اس لئے یہاں ممانعت کسی عارض پر محمول ہے وہ عارض جو بھی ہو پھلوں کے وجود سے ہی پہلے کر دی ہو یا جھگڑے ہوں یا شرط ترک ہو۔ **الدُّمَانُ**:۔ خوشہ کا کالا ہو جانا اور خراب ہو جانا۔ **مُرَاض**:۔سب بیماریوں کو مراض کہہ دیتے ہیں۔ **قُشام**:۔شروع ہی میں پھل کا جھڑ جانا یعنی گر جانا آندھی وغیرہ کی وجہ سے۔ **لم یکن یبیع ثمار ارضہ حتی تطلع الثریا**:۔جس زمانہ میں ثُریّا ستارے کا طلوع عین طلوع فجر کے ساتھ ہوتا تھا اُس زمانہ میں اُن کی زمین کے پھل آفت سے محفوظ ہو جاتے تھے اس لئے اس

زمانہ میں وہ فروخت فرماتے تھے۔

باب بیع النخل قبل ان یبدو صلاحها

غرض بدو صلاح سے پہلے بیع کی ممانعت بیان فرمانی ہے۔ پیچھے بھی بدّ و صلاح کا باب گذرا ہے لیکن یہ اس سے اخص ہے کیونکہ اس میں نخل کی تعیین ہے گویا اسی مسئلہ کی بعض جزئیات کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ الا انی لم اکتب هذا الحدیث عنه:۔ غرض یہ ہے کہ یہ حدیث مجھے بواسطہ ہی پہنچی ہے اگرچہ بعض حدیثیں میں نے اُن سے بلا واسطہ بھی لی ہیں۔

باب اذا باع الثمار قبل ان یبدو صلاحها ثم اصابة عاهة فهو من البائع

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بیع قبل بدّ و الصلاح میں آفت کا نقصان بائع سے وصول کیا جائے گا۔ اس باب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بیع قبل بدو الصلاح صحیح ہے۔ اور گذشتہ بابوں سے معلوم ہوتا تھا کہ صحیح نہیں ہے اس لئے امام بخاری اس مسئلہ میں متردد ہیں باب شراء الطعام الی اجل:۔ غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ کھانے کی کوئی چیز خریدنا اور قیمت ادھار رکھنا جائز ہے۔

باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منه

غرض یہ بتلانا کہ ایک قسم کی کھجور دے کر اس سے بہتر خریدنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی کھجوروں کو سونے چاندی کے عوض بیچ دے پھر اس سونے چاندی سے دوسری قسم کی کھجوریں خریدے کیونکہ کھجور کے بدلے میں کھجور بیچنا تفاضل کے ساتھ ربوٰ کا طریقہ ہے۔

باب قبض من باع نخلا قد ابرت اوارضاً مزروعة او باجارة

غرض یہ ہے کہ پھل والی کھجور کو یا کھیتی والی زمین کو بیچے یا کرایہ پر دے تو پھل اور کھیتی بائع کی اور مالک کی ملک میں ہی رہے گی۔

باب بیع الزرع بالطعام کیلاً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ کٹی ہوئی کھیتی اور غلّہ کے بدلے لگی ہوئی کھیتی کو بیچنا جائز نہیں اس کو محاقلة کہتے ہیں۔

باب بیع النخل باصله

غرض یہ ہے کہ کھجور کا درخت جڑ سمیت بیچ دے تو جائز ہے اور اس میں بدّ و صلاح ضروری نہیں ہے۔

باب بیع المخاضرة

غرض یہ ہے کہ کھیتی کو بدّ و صلاح سے پہلے بیچ دینا جائز نہیں ہے اور تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

باب بیع الجُمّار واکله

غرض یہ ہے کہ کھجوروں کے گچھے اور خوشہ کے درمیان جو سفید مغز ہوتا ہے جس کو جمّار کرتے ہیں اس کا کھانا اور بیچنا جائز ہے اور اشارہ ہے کہ اسکو پھینک دینا اضاعت مال ہے پھر حدیث پاک میں کھانے کا ذکر ہے اس سے استنباط فرمایا کہ جب کھانا جائز ہے تو بیچنا بھی جائز ہے۔

باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون بینهم

غرض یہ ہے کہ مسکوت عنہا میں عرف کے مطابق معاملہ کرنا جائز ہے۔ للغزّ الین:۔ سُوت بیچنے والے۔ لا باس العشرة باحد عشر:۔ یعنی بیع مرابحہ میں اس حساب سے بیچنا کہ دس روپے کی خرید کر گیارہ روپے کی بیچوں گا جائز ہے اور خرچہ بھی قیمت کے ساتھ جمع کرے گا کیونکہ یہی عرف ہے۔ فبعث الیه بنصف درهم:۔ دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے عرف کے مطابق دو دانق کافی تھے لیکن نصف درہم یعنی تین دانق دے ایک دانق تفضلاً زائد دیا۔

باب بیع الشریک من شریکه

غرض یہ ہے کہ ہبہ میں تو شیوع اور شرکت ہبہ سے مانع ہے کہ مشترک چیز جو قابل تقسیم ہو اس کو تقسیم کرنے سے پہلے ہبہ نہیں ہو سکتا لیکن اس کی بیع ہو سکتی ہے یہاں جو حدیث بیان فرمائی اس میں شفعہ کا ذکر ہے شفیع جو کہ نفس مبیع میں شریک ہو وہ جب شفعہ

کر کے وہ مبیع مکان لے لے گا تو یہ ایک شریک کی بیع دوسرے شریک کے ہاتھ بن جائے گی مثلاً ایک مکان کے دو بھائی مالک تھے برابر کے شریک تھے جب ایک نے اپنا آدھا مکان بیچا اور دوسرے بھائی نے شفعہ کر کے وہی لے لیا تو ایک شریک نے دوسرے شریک کے ہاتھ بلا تقسیم کئے بیچ دیا اور یہ صحیح ہے۔

باب بیع الارض والدور والعروض مشاعاً غیر مقسوم

غرض یہ ہے کہ مشاع کی بیع جائز ہے عقار ہو یا غیر عقار ہو فرق گذشتہ باب سے یہ ہے کہ پیچھے مشاع کی بیع ضمناً مذکور تھی اب صراحۃً ہے گویا تصریح بما علم ضمناً ہے۔**فی کل مال لم یقسم** :۔مراد عقار ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ شفعہ صرف عقار میں ہوتا ہے اور حضرت عطاء کا قول کہ ہر شی میں شفعہ ہے شاذ قرار دیا گیا ہے۔

باب اذا اشتری شیئاً بغیره بغیر اذنه فرضی

غرض یہ ہے کہ اجازت سے فضولی کی بیع جائز ہو جاتی ہے

باب الشراء والبیع مع المشرکین واهل الحرب

غرض یہ ہے کہ بیع کے لئے اتحاد ملت شرط نہیں ہے۔
مُشعان :۔عام لوگوں سے زیادہ لمبا۔

باب شراء المملوک من الحربی وهبة وعتقه

غرض یہ ہے کہ حربی کی ملک اور تصرف بھی ثابت ہے **فغُطّ** :۔ گلا دبایا گیا یہاں تک کہ چیخ سُنی گئی۔**واخدم ولیدة** :۔ حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ بادشاہ نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا اور تواضعاً بیٹی کو ولیدہ کہا۔ **اتحنث** :۔اکثر روایات میں ثاء مثلثہ سے ہے معنیٰ دونوں کے یہی ہیں کہ میں عبادت سمجھتا تھا۔

باب جلو دالمیّة قبل ان تدبغ

غرض یہ ہے کہ دباغت سے پہلے بھی میتہ کی کھال کا استعمال جائز ہے لیکن یہ امام بخاری کا اپنا استنباط ہے جمہور فقہاء کے نزدیک دباغت کے بعد نفع اٹھانا مراد ہے۔

باب قتل الخنزیر

غرض یہ ہے کہ خنزیر کا قتل جائز ہے سوال ان ابواب کے مناسب نہیں جواب جس کا قتل جائز ہے اس کی بیع ناجائز ہے اس اصول کے مطابق یہ باب یہاں ذکر فرمایا۔**ویضع الجزیة** :۔ سوال اس دین کے حکم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے منسوخ کر سکیں گے۔جواب یہ حدیث ناسخ ہے وہ اس پر عمل کرائیں گے۔

باب لا یذاب شحم المیتة ولا یباع ودکه

غرض یہ ہے کہ بیع میتہ کی طرح اس کے اجزاء کی بھی حرام ہے۔پھر ودک اور شحم میں فرق یہ ہے کہ گوشت کے ساتھ چمٹی ہوئی چیز کو شحم کہتے ہیں پھر گرم کر کے جب تیل کی شکل بن جاتی ہے تو اس کو ودک کہتے ہیں۔

باب بیع التصاویر التی لیس فیها روح وما یکره من ذلک

غرض یہ کہ غیر ذی روح نقش و نگار کی بیع جائز ہے اور ذی روح کی تصویر کی ناجائز ہے۔**فربا الرجل** :۔۱۔خوف سے اُچھلا۔۲۔خوف سے سانس پھول گیا۔۳۔شرم سے سانس پھول گیا۔**هذا الواحد** :۔ای هذا الحدیث الواحد:۔

باب تحریم التجارة فی الخمر

غرض شراب کی تجارۃ کا حرام ہونا بتلانا مقصود ہے سوال مساجد کے ابواب میں بھی اس مضمون کا باب تھا۔جواب وہ خاص تھا باب تحریم تجارۃ الخمر فی المسجد اور یہ عام ہے

باب اثم من باع حراً

غرض یہ ہے کہ حُر کی بیع باطل ہے۔**اعطی بی ثم غدر**

:۔وعدہ کیا میرا نام لے کر یا میری قسم کھا کر پھر اس کے خلاف کیا۔

باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیھود بیع ارضھیم حین اجلاھم

غرض یہ ہے کہ مصیبت میں اور شدید مجبوری میں بھی کوئی شخص اپنی کوئی چیز بیچ دے تو بیع ٹھیک ہو جاتی ہے۔ پھر لفظ ارضھیم میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو باتیں ایسی واقع ہوئی ہیں جو شاذ ہیں اور عربیت کے قاعدوں کے خلاف ہیں۔۱۔ یہاں ارضھیم میں راء کا فتحہ امام بخاری ذکر فرما رہے ہیں حالانکہ جمع سالم میں واحد کا وزن سلامت رہتا ہے یہاں راء کا سکوت باقی رہنا چاہیے تھا اس لئے فتحہ شاذ ہے۔۲۔ غیر ذوالعقول کے لئے جمع سالم استعمال نہیں ہوتی امام بخاری نے ارض کی جمع سالم استعمال فرمائی ہے جو کہ غیر ذوالعقول میں سے ہے۔ یہ بھی شاذ ہے۔

وذمتھم :۔ بعض نسخوں میں یہ لفظ ارضھیم کے بعد ترجمۃ الباب میں ہے اس کے معنیٰ عبید اور غلاموں کے ہیں۔ سوال:۔ اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے۔ جواب۔ کتاب الجہاد میں اس واقعہ کی روایت موجود ہے اس روایت کا کوئی ایسا طریق نہ تھا جو یہاں لاتے اگر وہی طریق لاتے جو کتاب الجہاد میں ہے اور کچھ فرق بھی نہ ہوتا تو یہ تکرار محض ہو جاتا اس لئے نہیں لائے بخاری شریف میں جو روایتیں بار بار آتی ہیں ان میں کچھ نہ کچھ سند میں یا متن میں فرق ہوتا ہے۔

باب بیع العبید والحیون بالحیوان نسئیۃ

غرض یہ ہے کہ حیوان کو حیوان کے بدلے بیچنا ادھار جائز ہے گویا امام شافعی والا قول لے لیا جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے و للجمہور روایۃ ابی داؤد عن سمرۃ مرفوعا نھی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ وللشافعی روایۃ ابی داؤد عن ابن عمر موقوفا فکان یاخذ البعیر بالبعیرین الی الل الصدقۃ۔ جواب۔۱۔ ہماری روایت محرم ہے اور آپ کی مبیح ہے ایسے موقعہ میں محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔۲۔ ہماری قولی ہے آپ کی فعلی ہے۔۳۔ ہماری روایت کی سند قوی ہے کیونکہ اس کی تائید میں حضرت جابر اور حضرت ابن عباس سے بھی روایت آتی ہے۔۴۔ اباحت والی آپ کی روایت اس پر محمول ہے کہ اونٹ پہلے قیمت سے خریدے گئے پھر قیمت کی جگہ اونٹ دے دیئے گئے۔ رھواً۔ اصل معنیٰ ہیں نرم چلنا مراد یہ ہے کہ میں نرمی سے ادا کروں گا اور دیر نہ کروں گا۔ ودرھم بدرھم:۔ یعنی ادھار سوال درھم کو درہم کے بدلے میں بیچنا ادھار تو بالاجماع حرام ہے۔ جواب یہاں قرضہ مراد ہے جو بالاجماع جائز ہے البتہ بعض نسخوں میں بدرھمین ہے یہ نسخہ غلط شمار کیا گیا ہے۔ کان فی السبی صفیۃ:۔ سوال یہ روایت تو باب کے مناسب نہیں ہے جواب۔ بخاری شریف کے ایک طریق میں یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی سے فرمایا تھا خذ جاریۃ من السبی غیرھا انتھیٰ یہ بمنزلہ بیع کے تھا اور بیع نقد بھی نہ تھی اس لئے بیع العبید نسیئۃ کے جواز کی دلیل بنالی امام بخاری نے جواب یہ دیا ہے کہ یہاں بیع مقصود نہ تھی بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حق جو مال غنیمت میں سے ایک چیز منتخب کرنے کا تھا وہ استعمال فرمایا تھا اور دحیہ کلبی نے اپنا حق علیحدہ حاصل کر لیا تھا۔

باب بیع الرقیق

غرض یہ کہ جائز ہے کہ غلام کو خریدا یا بیچا جائے۔

باب بیع المدبر

مدبر کی بیع کا جواز بیان فرمانا مقصود ہے اس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔ ثم ان زنت فاجلدوھا:۔ سوال اس حدیث میں بیع المدبر نہیں ہے جواب راجح وہ نسخہ ہے جس میں یہ باب نہیں ہے اور یہ حدیثیں باب بیع الرقیق میں داخل ہیں۔۲۔ زانیہ عام ہے مدبرہ ہو یا غیر مدبرہ ہو لیکن یہ توجیہ ضعیف ہے کیونکہ زناء تدبیر پر کسی درجہ میں بھی دال نہیں۔ لا یثرب علیھا:۔ دو معنیٰ۔۱۔ اس کو جلاوطن نہ کریں گے۔۲۔ اس کو ملامت نہ کریں گے۔

باب ھل یسافر بالجاریۃ قبل ان یستبرئھا

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ استبراء سے پہلے بھی لونڈی کے

ساتھ سفر کرنا جائز ہے۔ قال عطاء لاباس ان یصیب من جاریۃ الحامل مادون الفرج:۔ اس حاملہ سے مراد حاملہ بالنکاح ہے جو مطلقہ ہو طلاق بائن کے ساتھ یحوی:۔ دو طرح پڑھا گیا۔ا۔ یحوّی باب تفعیل سے۔۲۔ یحوی ضرب یضرب سے دونوں کے معنیٰ ہیں کوہان کے اردگرد چادر پیٹتے تھے حضرت صفیہ کے بیٹھنے کے لئے۔ بعباءۃ:۔ ایک قسم کی چادر ہے۔

باب بیع المیتة والا صنام

غرض یہ ہے کہ مردار اور بتوں کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ پھر اصنام کو مردار کے ساتھ ذکر کرنے سے مقصود نفرت دلانا ہے۔

باب ثمن الکلب

غرض یہ ہے کہ کلب کی بیع باطل ہے گویا حنفیہ کے خلاف جمہور کے قول کی تائید فرمائی اختلاف عندامامنا ابی حنیفۃ جب کتا منتفع بہ ہو تو اس کی بیع جائز ہے یعنی چوکیداری کے لئے ہو یا شکار کے لئے ہو وعندالجمھور بیع باطل ہے ولنا فی مسندابی حنیفۃ عن ابن عباس مرفوعاً رخص رسول اللہ علیہ وسلم فی ثمن کلب الصید وللجمھور حدیث الباب فی البخاری وابی داوٗد عن ابی مسعود مرفوعاً نھی عن ثمن الکلب۔ جواب یہ اُس زمانہ پر محمول ہے جب کتوں پر سختی کی گئی تھی:۔

کتاب السلم

تقدیر عبارت یہ ہے ہذا کتاب فی بیان احکام بیع السلم اس بیع کے جواز پر اجماع بھی ہے اور حضرت ابن عباس نے اس آیت سے بھی اس بیع کا جواز ثابت فرمایا ہے اذا تداینتم بدین.

باب السلم فی کیل معلوم

یعنی اگر کیلی چیز کی بیع سلم ہے تو کیل کی مقدار بتلانی ضروری ہے اسی طرح وزن اور عدد اور مساحت یعنی گزوں سے ناپنا ہے۔

باب السلم فی وزن معلوم

غرض یہ کہ وزنی چیز میں وزن بتلانا ضروری ہے۔

باب السلم الی من لیس عنده اصل

غرض یہ ہے کہ بیع سلم میں یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلم الیہ کے پاس مبیعہ موجود ہو بلکہ صرف بازار میں ہونا ہی کافی ہے۔ نبیط اہل الشام:۔ شامی کسان۔ فی النخل:۔ ای فی ثمر النخل۔

باب السلم فی النخل

غرض یہ ہے کہ جب تک کھجوریں بازار میں نہ آجائیں ثمر نخل میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

باب الکفیل فی السلم

غرض یہ ہے کہ بیع سلم میں کفیل لینا بھی جائز ہے سوال اس باب کی حدیث میں کفیل فی السلم کا تو کوئی ذکر نہیں ہے جواب۔ا۔ ادھار کے رھن پر سلم کے کفیل کو قیاس فرمایا کیونکہ بیع سلم میں مبیعہ ادھار ہوتا ہے اور ادھار بیع میں ثمن ادھار ہوتی ہے اور رھن بھی وثیقہ ہے ایسے ہی کفیل بھی وثیقہ ہے۔۲۔ اسی حدیث کے طریق میں جو کتاب الرہن میں آئے گا یوں ہے عن اعمش قد تذاکرنا عند ابراہیم الرھن والقبیل (ای الکفیل) فی السلف اس پر حضرت ابراہیم نے یہی حدیث مرفوع سنائی انہوں نے بھی رہن پر کفیل کو قیاس فرمایا اس لحاظ سے یہ روایت باب کے مناسب ہے۔

باب الرھن فی السلم

غرض سلم من رہن کا جواز بیان فرمانا ہے اور اس شخص پر رد ہے جو انکار کرتا ہے۔

باب السلم الی اجل معلوم

غرض جمہور کی تائید اور امام شافعی کے قول کی تردید ہے امام شافعی کے نزدیک مدت شرط نہیں ہے بیع سلم نقد بھی ہو سکتی ہے اور ادھار بھی ہو سکتی ہے اور جمہور کے نزدیک مدت ضروری ہے منشاء اختلاف اذا تداینتم بدین الی اجل مسمیً فاکتبوہ ہے کہ اس میں اجل کا ذکر قید لازمی کے درجہ میں ہے یا قید اختیاری کے درجہ میں ہے ترجیح لازمی کو ہے کیونکہ بیع سلم کا مقصد فقراء کی آسانی ہے اور اس کے لئے مہلت ضروری ہے۔ باب السلم الی ان تنتج الناقۃ:۔ غرض یہ ہے کہ کسی اونٹنی کے بچہ جننے تک مدت مقرر کرنا

جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مدت مجہول ہے پھر حدیث عام ہے جو بیع سلم اور بیع بثمن الی اجل اور قرض کو شامل ہے۔ الی ان تنتج الناقۃ ما فی بطنھا: تنتج مجہول کا صیغہ ہے اور ما فی بطنھا یہ ناقہ کا بدل ہے۔

باب الشفعۃ فی ما لم یقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعۃ

غرض دو اختلافی مسئلہ بتلانے ہیں۔ ۱۔ منقول اشیاء میں شفعہ نہیں ہے اور اس مسئلہ کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔ ۲۔ جوار میں شفعہ نہیں ہے گویا جمہور کا مذہب اختیار فرمایا حنفیہ کے خلاف حنفیہ کے نزدیک جار کو بھی شفعہ کا حق حاصل ہے۔ ولنا روایۃ ابی داؤد عن سمرۃ مرفوعاً جار الدار احق بدار الجار او الارض وللجمہور حدیث الباب عن جابر بن عبد اللہ مرفوعاً فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعۃ اور اس کے قریب قریب الفاظ ابوداؤد میں عن ابی ہریرہ وارد ہیں جواب۔ مقصود شرکت والے شفعہ کی نفی ہے ہر شفعہ کی نفی مقصود نہیں ہے یہ توجیہ ضروری ہے تا کہ تعارض نہ رہے۔ پھر بعض نسخوں میں اس باب سے پہلے ہے کتاب السلم فی الشفعہ اس کی غرض یہ ہے شفیع پر شفعہ کرنا واجب نہیں ہے وہ چھوڑنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے سلم بمعنی تسلیم ہے۔

باب عرض الشفعۃ علی صاحبھا قبل البیع

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ۱۔ مستحب ہے کہ شفیع پر دار پیش کر دے۔ ۲۔ امام ثوری اور حضرت حسن بصری کا قول اختیار کرنا چاہتے ہیں کہ بیع سے پہلے شفیع پر دار پیش کرنے سے اور اس کے انکار سے شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ وعند الائمۃ الاربعۃ ساقط نہیں ہوتا وللجمہور ابھی تو ثابت ہی نہیں ہوا ثابت ہونے سے پہلے ساقط کیسے ہو گا جیسے نماز وقت سے پہلے ادا کرنے سے ادا نہ ہو گی کیونکہ ابھی واجب ہی نہیں ہوئی وللثوری والحسن تعلیق الباب وقال الحکم اذان اذن لہ قبل البیع فلا شفعۃ لہ. جواب یہ ان تابعی کا اجتہاد ہے اور ائمہ اربعہ کا اجتہاد اقویٰ ہے کیونکہ بظاہر ان کا اجتہاد قیاس کرنا ہے زکوۃ پر کہ کئی سالوں کی زکوۃ پہلے دینی جائز ہے لیکن یہ قیاس کمزور ہے کیونکہ زکوۃ میں سبب موجود ہے نصاب اور یہاں سبب ہے بیع اس سے پہلے ساقط نہیں ہو سکتا۔

باب ای الجوار اقرب

غرض یہ ہے کہ جوار میں مراتب ہیں۔ اس باب سے معلوم ہوا کہ امام بخاری شفعہ للجار کے ثبوت کے قائل ہیں اور گذشتہ بابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قائل نہیں ہیں اس لئے اس مسئلہ میں ان کا مسلک واضح نہیں ہے۔ **فی الا جارات باب فی استئجار الرجل الصالح**:۔ اجارہ کے معنیٰ میں دو قول ہیں۔ ۱۔ تملیک المنافع بالعوض۔ ۲۔ بیع منفعۃ معلومۃ باجر معلوم۔ پھر اجارہ ثابت ہے قرآن پاک سے اور سنت سے اور اجماع امت سے قال اللہ تعالیٰ ان خیر من استاجرت القوی الامین پھر اس پہلے باب کی غرض یہ ہے کہ رجل صالح کا اجارہ مستحب ہے اور رد ہے اُس شخص کا جو کہتا ہے کہ رجل صالح کا اجارہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے۔ **والخازن الامین**:۔ یہ بھی ترجمۃ الباب کا حصہ ہے۔ غرض یہ ہے کہ خازن امین ہونا چاہئے۔ **ومن لم یستعمل من ارادہ**:۔ یہ بھی ترجمۃ الباب کا حصہ ہے غرض یہ ہے کہ جو خود عہدہ کا مطالبہ بلا اضطرار کرے وہ مال کا حریص ہو گا اس کو یہ عہدہ نہ دینا چاہے۔

باب رعی الغنم علی قراریط

غرض یہ ہے کہ بکریوں کا چرانا یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کیونکہ بکری جنت کا جانور ہے۔

باب استیجار المشرکین عند الضرورۃ او اذا لم یوجد اھل الاسلام

غرض۔ ۱۔ ضرورت کے موقعہ میں مشرکین کو کرایہ پر لینا بھی جائز ہے۔ ۲۔ اجارہ کے لئے اتحاد ملت شرط نہیں ہے پھر یہ تو امام بخاری کی رائے ہے اور جمہور کے نزدیک مجبوری ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں کافر کا استجار جائز ہے کیونکہ اس میں اکرام کافر تو نہیں ہے بلکہ توہین کافر ہی ہے۔

باب اذا استاجرا اجیراً لیعمل له بعد ثلثة ایام

غرض یہ ہے کہ کام شروع کرنے سے کچھ دن پہلے معاملہ اجارہ کا طے کرلینا بھی جائز ہے۔

باب الاجیر فی الغزو

غرض یہ ہے کہ جہاد میں بھی اجیر لے جانا جائز ہے۔ فاندر ثنیة:۔ کھینچ کر اس کا سامنے کا دانت توڑ دیا۔

باب من استاجر اجیراً فبین له الاجل ولم یبین له العمل

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ۱- مدت معلوم ہو عمل بالکل معلوم نہ ہو تو پھر بھی اجارہ جائز ہے اور یہ مسلک جمہور فقہاء کے خلاف ہے۔ ۲- مدت معلوم ہو عمل کا ذکر نہ کیا ہو لیکن اجیر اور متاجر کے درمیان شہرت وعرف کی وجہ سے متعین ہو تو اجارہ صحیح ہے اور جمہور کی مخالفت بھی نہیں ہے۔

باب اذا استاجر اجیراً علی ان یقیم حائطا یریدان ینقض جاز

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ۱- عالم کو عمارت بنانے کے لئے کرایہ پر لینا جائز ہے جیسے حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے اور یریدان ینقض کی قید اتفاقی ہے۔ ۲- اس شخص کا رد ہے جس کے نزدیک اقل مدت اجارہ کی ایک دن ہے۔ وغیرهما قال قد سمعتہ یحدثہ عن سعید:۔ تقدیر عبارت یوں ہے قال ابن جریج غیرهما ای غیر یعلیٰ وعمر وایضا یحدث عن سعید قال ای ابن جریج قد سمعتہ ای سمعت غیرهما یحدثہ ای یحدث هذا الحدیث عن سعید۔

باب الاجارة الی نصف النهار

غرض یہ ہے کہ اجر بھی معلوم ہو مدت بھی معلوم ہو تو اجارہ جائز ہے۔ فقالوا مالنا اکثر عملاً واقل عطاء:۔ یہ مکالمہ کہاں ہوا دو قول ہیں۔ ۱- یہ مکالمہ تخیلی ہے اگر وہ ناراض ہو کر کہیں تو اللہ تعالیٰ یہ جواب دینگے۔ ۲- عالم الست بربکم میں ہو چکا ہے سوال۔ اس حضرت ابن عمر والی روایت میں الی نصف النهار ہے اور الی العصر ہے اور آگے وہ باب چھوڑ کر روایت آئے گی حضرت ابوموسیٰ والی اس میں الی اللیل ہے یہ تو تعارض ہے جواب یہ دو مثالیں الگ الگ ہیں حضرت ابن عمر والی ان اہل کتاب کی ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہ پایا اور حضرت ابوموسیٰ والی روایت میں ان کی ہے جنہوں نے زمانہ پایا اور ایمان نہ لائے لک ماعملنا کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اکثر عملاً:۔ یہ ہر واحد کی عمر کے لحاظ سے ہے کیونکہ اس امت میں ہر واحد کی عمر ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے اور پہلی امتوں میں زیادہ عمریں تھیں جیسا کہ پیچھے گزرا مجموعی امت کی عمر مراد نہیں ہے کیونکہ نصریٰ پوری امت کی عمر تقریباً ۶۰۰ سال تھی اور اس امت کی عمر کاتب حروف کے زمانہ میں ۱۴۱۱ھ میں چودہ سو سال سے زائد گزر چکی ہے۔

باب الاجارة الی صلوٰة العصر

غرض یہ ہے کہ کسی نماز کے وقت تک اجارہ کرنا بھی جائز ہے۔ انما مثلكم واليهود والنصارىٰ تین ترکیبیں ہیں ۱- والیہود مجرور ضمیر پر عطف ۲- مرفوع اور اصل ہے ومثل الیہود مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا اعراب دیا گیا۔ ۳- منصوب واو بمعنی مع۔

باب اثم من منع اجر الاجیر

مزدوری اجیر کو نہ دینا بہت بڑا گناہ ہے یہ بتلانا مقصود ہے۔

باب الاجارة من العصر الی اللیل

عصر سے غروب تک بھی اجارہ کرنا جائز ہے یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے۔

باب من استاجرا جیراً فترک اجره فعمل فیه المستاجر فزاد اومن عمل فی مال غیره فاستفضل

غرض یہ ہے کہ مستاجر اگر اجیر کی اجرت کو کاروبار میں لگا کر بڑھا

دے تو بہت ثواب ہے اور ایسے ہی کسی دوسرے کے مال کو بڑھا دے تو بہت ثواب ہے۔ لا اغبق:۔ غبوق کے معنیٰ شام کو کچھ پینا۔ ولا مالاً:۔ یہاں مال سے مراد رقیق ہے۔ فناٰ ئ بی طلب شی:۔ ایک چیز کا تلاش کرنا مجھے دور لے گیا۔ المت بھا سنۃ من السنین:۔ اس پر ایک سال قحط کا آیا قحط کے سالوں میں سے۔

باب من آجر نفسه ليحمل على ظهره ثم تصدق به واجرة الحمال

غرض دو مسئلے بتلانا ہے۔ ا- مزدوری کر کے خیرات کرنا بہت ثواب کا کام ہے۔ ۲- بوجھ اٹھانے کی مزدوری بھی جائز ہے۔

باب اجرا لسمسرة

دلال بننا جائز ہے یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے۔ وقال ابن عباس الخ وقال ابن سیرین الخ:۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن سیرین اور امام احمد کے نزدیک یہ تین صورتیں جائز ہیں۔ ا- یہ کپڑا جتنے کا چاہو بیچو دس روپے سے زائد تمہارے۔ ۲- سارا نفع تمہارا' ۳- نفع آدھا آدھا اور جمہور کے نزدیک ظاہراً یہ صورتیں اجرت کی جہالت کی بناء پر ناجائز ہیں البتہ پہلی دو کو قرضہ پر اور تیسری کو عقد مضاربت پر محمول کر لیں تو جائز ہیں ان حضرات کے نزدیک بلا تاویل جائز ہیں ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ جہالت کو محرم قرار دینا احوط ہے۔ لا یکون لہ سمساراً:۔ جب اہل بلد کے لئے ضرر ہو تو دیہاتی کا دلال نہ بنے عام حالات دلال بننا جائز ہے۔

باب هل يواجر الرجل نفسه من مشرك فى ارض الحرب

غرض یہ کہ دارالحرب میں کسی مشرک کا اجیر بننا بھی جائز ہے جبکہ مسلمانوں کا نقصان یا تذلیل نہ ہو۔

باب مايعطىٰ فى الرقية على احياء العرب بفاتحة الكتاب

غرض دو مسئلے بتلانے ہیں۔ ا- تعویذ پر اجرت لینی جائز ہے۔

۲- ایسے موقعہ میں اجرت طے کر لینی بھی جائز ہے۔ تعویذ گنڈا کر کے اجرت لینے پر تو اتفاق ہے کہ جائز ہے لیکن تعویذ گنڈے کے جائز ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ ا- کوئی لفظ یا عمل ناجائز نہ ہو۔ ۲- جائز موقعہ میں ہو مثلاً بیوی اور اولاد کو جائز درجہ میں تابع کرنے کے لئے تعویذ جائز ہے اجنبی عورت کو تابع کرنے کے لئے یا فلاں شخص اپنی بچی کا نکاح کرنے کے لئے مجھ سے راضی ہو جائے اس کے لئے تعویذ استعمال کرنا ناجائز ہے۔ ۳- تعویذ کو موثر بالذات نہ سمجھے دوا کی طرح ایک سبب سمجھے موثر بالذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے بہر حال تعویذ گنڈے کی اجرت جائز ہے کیونکہ یہ ایک دنیا کا کام ہے اسی لئے اسی میں زندگی کھپا دینا کوئی دینی ترقی نہیں ہے نہ ہی پیر کے لئے اس کا ماہر ہونا شرط ہے بلکہ اس سے حتی الامکان الگ رہنا ہی اولیٰ ہے باقی رہا عبادات کی ملازمت کرنا مثلاً تدریس کتب' تعلیم قرآن۔ امامت' خطابت' اذان اس میں اختلاف ہے۔ **عبادات کی تنخواہ میں اختلاف**:۔ ہمارے امام صاحب کسی عبادت پر اجرت اور تنخواہ لینے کی اجازت نہ دیتے تھے لیکن متاخرین حنفیہ کا فتویٰ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ دین کا موقوف علیہ کام ہو جیسے تعلیم قرآن و کتب دینیہ یا وہ کام شعائر اسلام میں سے ہو جیسے اذان' امامت' خطابت جمعہ وعیدین البتہ تراویح میں قرآن پاک سنا کر طے کر کے لینا یا طے تو نہیں کیا دل میں امید تھی پھر لے لیا یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں بعض دفعہ اخیر رمضان میں ایک صاحب اعلان کرتے ہیں کہ حافظ صاحب نے اخلاص سے سنایا ہم نے اخلاص سے سنا صرف ہمارا دل خوش کرنے کے لئے تھوڑا سا ہدیہ قبول فرمالیں یہ بھی ناجائز ہے۔ تلاوت قرآن میں ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور باوضو ۲۵ اور نماز میں بیٹھ کر پڑھنے میں ۵۰ اور کھڑے ہو کر پڑھنے میں ۱۰۰ اور رمضان شریف کی وجہ سے ثواب ۷۰ گنا اور جماعت کی وجہ سے ۲۷ گنا اور مسواک کی وجہ سے ۷۰ گنا اور فتنہ کے زمانہ کی وجہ سے ۵۰ گنا ہے الحمد میں پانچ حرف ہیں پھر سورہ

فاتحہ کا کتنا ثواب بنا اور پورے قرآن پاک کا کتنا بنا اور ایک نیکی دنیا بھر کی دولتوں سے بڑھ کر ہے یہ سب ثواب ہزار روپے یا کم و بیش لے کر ضائع کر دینا بہت بڑی غلطی ہے اجرت والے حافظ سے بہتر ہے کہ بلا اجرت الم ترکیف سے تراویح پڑھ لی جائیں۔ ایسے ہی ایصال ثواب کر کے معاوضہ لینا بھی حرام ہے۔ تعلیم قرآن وغیرہ میں جو جائز ہے اس کی دلیل ۱- والعاملین علیھا میں حق تعالیٰ نے زکوٰۃ وصول کرنے والے جمع رکھنے والے لکھنے والے تقسیم کرنے والے کے لئے اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے ایسے ہی دوسرے ضروری دینی کاموں میں گنجائش ہے۔ ۲- خلیفہ وقت کے لئے بالا جماع بیت المال میں سے تنخواہ لینی جائز ہے حالانکہ اس کا کام اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنا ہے جو عبادت ہے ایسے ہی باقی ضروری عبادتوں میں بھی گنجائش ہے۔ ۳- قاضی کے لئے تنخواہ لینی بالا جماع جائز ہے حالانکہ وہ شرعی احکام نافذ کرتا ہے جو عبادت ہے اسی طرح مذکورہ عبادتیں ہیں۔ ۴- بیوی خاوند کے لئے محبوس رہتی ہے اس لئے خاوندوں کو حکم ہے قرآن پاک میں وانفقوا علیھن اسی طرح مذکورہ عبادات میں مدرس وغیرہ دینی ضروری کام میں محبوس رہتا ہے اس لئے عامۃ المومنین کے ذمہ ان کی تنخواہ ہے۔ بے سمجھ سرکاری ملازم خود تو معمولی کام کر کے بیت المال سے تنخواہ ہزاروں روپے لیتے ہیں اور علماء کو جو دن رات خون پسینہ ایک کر کے ضروری دینی کام میں مشغول رہتے ہیں ان کو مفت خورہ کہتے ہیں یہ ان کی کم علمی کی دلیل ہے پھر علماء و قراء حضرات کو اس فکر میں بھی نہ پڑنا چاہئے کہ تجارت وغیرہ ضرور کریں اور دینی خدمت مفت کریں کیونکہ جب اصل مقصود دین کی خدمت ہے اور تنخواہ بضرورت ہے تو ثواب میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔ البتہ اگر نام روشن کرنا مقصود ہے یا صرف مال ہی مقصود تو پھر ثواب نہ ملے گا چاہے مفت ہی پڑھائیں یا مفت ہی امامت وغیرہ کریں۔ مال مقصود ہونے کی علامت یہ ہے کہ صرف تنخواہ کے زیادہ کرنے کے لالچ میں ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ بھاگ جائے جبکہ یکسوئی سے کام کر رہا تھا اور دال روٹی کا گزارہ بھی ہو رہا تھا۔ ہمارے امام ابوحنیفہ جو عدم جواز کے قائل تھے اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے عن عثمان بن ابی العاص مرفوعاً و اتخذ موذنا لایاخذ علی اذانہ اجراً جواب یہ بیان اولویت ہے۔ ما بہ قلبۃ:- کوئی بیماری نہ رہی قلبہ کے معنی ہیں بیماری۔

باب ضريبة العبد وتعاهد ضرائب الاماء

غرض یہ ہے کہ غلام اور لونڈی پر یومیہ مقرر کر دینا کہ اتنا کما کر لایا کرو باقی تمہارا یہ جائز ہے اور لونڈیوں کی نگرانی بھی کرنی ضروری ہے کہ جائز کمائی لائیں۔ لونڈیوں کا خاص طور سے ذکر اس لئے فرمایا کہ ۱- وہاں زنا کی کمائی کا اندیشہ ہے۔ ۲- حدیث پاک میں حکم ہے۔ تعاھد واضرائب الاماء۔

باب خراج الحجام

غلام حجامت کی کمائی بھی لائے تو آقا کے لئے جائز ہے کہ لے لے۔ ولم یکن یظلم احداً اجرہ: کسی کو اس کا اجر کم نہ دیتے تھے۔

باب من كلم موالي العبد ان يخففوا عنه من خراجه

غرض یہ ہے کہ آقا کو بطور سفارش کہنا کہ اپنے غلام سے روزانہ رقم کچھ کم لیا کر یہ کہنا اور سفارش کرنا مستحب ہے اس سے ضریبہ مقرر کرنے کے جائز ہونے کی تائید بھی ہوگئی ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کیوں فرماتے۔

باب كسب البغي والاماء

غرض یہ ہے کہ زناء کی کمائی حرام ہے حرہ کرے یا لونڈی کرے اور یہ مسئلہ اجماعیہ ہے۔

باب عسب الفحل

غرض یہ ہے کہ نر بھینسا۔ بیل۔ بکرے وغیرہ سے اپنی بھینس وغیرہ پر نزوان کرانا جس سے حمل ٹھہر جائے اور اس کی اجرت دینا مکروہ ہے اس کا حیلہ یہ ہے کہ بیل وغیرہ کے مالک کو کہہ دیا جائے

کہ یہ کام مفت کردو ہم انعام کے طور پر تمہیں امید سے بھی کچھ زائد دے دیں گے پھر لفظ عسب کے معنیٰ۔ا۔ نزوان کا کرایہ۔۲۔فعل نزوان۔۳۔ماء الفحل۔

باب اذا استاجر احدار ضاً فمات احد هما

غرض یہ ہے کہ اجارہ عاقدین میں سے کسی کی موت سے فسخ نہیں ہوتا البتہ اگر کسی کا اپنا عمل ہی کرایہ پر لیا گیا ہو کہ وہ خود یہ کام کرے تو پھر موت سے فسخ ہو جائے گا کیونکہ اس کا عمل باقی نہ رہا دلیل پیش فرمادی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے معاملہ طے فرمایا تھا اور وفات کے بعد بھی وہ معاملہ باقی رہا۔

باب فی الحواله وهل یرجع فی الحوالة

حوالہ کے معنیٰ ہیں نقل الدین من ذمہ الی ذمۃ اخریٰ۔ دائن محتال لہ ہوتا ہے مدیون محیل ہوتا ہے اور مدیون جدید کو محتال علیہ کہتے ہیں۔ پھر اس باب کی غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر مدیون جدید سے قرضہ ملنے کی امید نہ رہی ہو تو کیا دوبارہ اصل مدیون پر قرضہ آ جائے گا۔ جزم اور یقین سے امام بخاری کچھ نہیں فرمارہے اختلاف کی وجہ سے لیکن ان کے طرز سے اور پہلی تعلیق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کا مسلک لے رہے ہیں کہ دوبارہ اصلی مدیون پر قرضہ آ جائے گا وعند الجمہور کسی صورت میں بھی قرضہ واپس پہلے مدیون پر نہ آئے گا ولنا روایۃ البیہقی عن عثمان موقوفاً ومرفوعاً لیس علی مال امری مسلم توی یعنی الحوالۃ وللجمہور تعلیق الباب وقال ابن عباس یتخارج الشریکان واہل المیراث فیاخذ ھذا عیناً وھذا دیناً فان توی لاحدھما لم یرجع علی صاحبہ جواب ہمارے قول میں احتیاط ہے۔ **مطل الغنی ظلم فاذا اتبع احدکم علی ملی فلیتبع**:۔عند بعض اہل الظواہر وکثیر من الحنابلۃ حوالہ کا قبول کرنا محتال لہ یعنی دائن پر واجب ہے وعند الجمہور مستحب ہے۔ منشاء یہی زیر بحث روایت ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ استحباب پر محمول ہے اور بعض حنابلہ کے نزدیک وجوب پر محمول ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ حوالہ سے مقصود دائن کی آسانی ہے دُنیا کے لحاظ سے اور کبھی محتال علیہ جھگڑالو ہوتا ہے اس لئے دائن کو آسانی حوالہ نہ قبول کرنے میں ہوتی ہے۔ سوال۔ اس روایت کے لفظ فاذا اتبع پر اشکال ہے کہ فاء تو ہوتا ہے ماقبل پر ترتب کے لئے یہاں ترتب نہیں ہو رہا اسی لئے امام رافعی نے فرمایا ہے کہ الاشھر ھھنا واذا اتبع۔ جواب۔ حوالہ کا مقصد یہی ہے کہ ظلم ختم ہو جائے اور اصل یہی ہے کہ دائن کو محتال علیہ سے لینا آسان ہوتا ہے اور دائن کو اپنا مال آسانی سے مل جاتا ہے اور اُس پر ظلم کا احتمال نہیں رہتا اس لئے ترتب صحیح ہے۔

باب اذا احال علی ملی فلیس له رد

باب کی غرض میں دو تقریریں ہیں۔ا۔ مذہب لیا بعض اہل ظواہر کا اور بہت سے حنابلہ کا کہ دائن کے ذمہ واجب ہے کہ حوالہ قبول کرلے۔ ۲ محتال علیہ کے مفلس قرار دئے جانے کی صورت میں محیل کی طرف عود نہیں کرسکتا اس تقریر پر امام بخاری کو اس مسئلہ میں متردد شمار کیا جائے گا کہ حنفیہ کا مسلک لیا یا جمہور کا لیا۔ **فان افلست بعد ذلک فله ان یتبع صاحب الحوالة فیاخذ منه**:۔حضرت انور شاہ صاحب نے اس عبارت پر اعتراض کر کے چھوڑ دیا ہے توجیہ نہیں فرمائی وہ اعتراض یہ ہے کہ محیل کے افلاس کا تو اس مسئلہ میں دخل نہیں ہے کیونکہ امام بخاری کے نزدیک رجوع الی المحیل نہیں ہوتا جمہور کی طرح محیل مفلس ہو یا نہ ہو پس امام بخاری اگر محتال علیہ کا افلاس ذکر فرماتے تو اس کی کچھ وجہ ہو سکتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے اس عبارت کی دو توجیہیں فرمائی ہیں۔ا۔شاید امام بخاری کے نزدیک دونوں سے مطالبہ جائز ہو جیسے کفالت میں ہوتا ہے۔۲۔ جب محیل سے مطالبہ اس صورت میں نہیں کیا جا سکتا جبکہ وہ غنی ہو تو اس صورت میں بھی مطالبہ بطریق اولیٰ نہیں کیا جا سکتا جبکہ وہ مفلس قرار دے دیا گیا ہو۔

باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز

غرض یہ ہے کہ میت کے دین میں بھی حوالہ صحیح ہے۔ سوال اس حدیث میں تو حوالہ کا ذکر نہیں ہے جواب۔ ضامن ہو جانا بھی حوالہ ہی کی طرح ہے کیونکہ اس سے بھی مدیون بری ہو جاتا ہے جیسے حوالہ سے بری ہوتا ہے۔

کتاب الکفالة

الکفالة الضمان پھراس کی دوقسمیں ہیں۔ا۔کفالۃ بالمال اس کی دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولمن جاء به حمل بعیر وانا به زعیم. ۲۔کفالۃ بالنفس اس کی دلیل بھی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لن ارسله معکم حتی توتون موثقامن الله لتاتنني به.

باب الکفالة فی القرض والدیون بالابدان وغیرها

غرض یہ ہے کہ دونوں قسم کی کفالتیں صحیح ہیں وعذره بالجهالة:۔ زانی کو معلوم نہ تھا کہ بیوی کی لونڈی حرام ہوتی ہے اس لئے رجم نہ فرمائی تعزیر فرمائی سوال تعزیر تو چالیس کوڑوں سے کم ہوتی ہے جواب۔سو کوڑوں کے ساتھ تعزیر یہ حضرت عمر کا اپنا اجتہاد ہے اس گنتی میں مرفوع روایت کو ہی ترجیح ہے ان تک وہ مرفوع روایت نہ پہنچی ہوگی۔

ثم زجج موضعها:۔ پھراس کا منہ بند کردیا۔

باب قول الله تعالیٰ والذین عاقدت ایمانکم فاتوهم نصیبهم

غرض یہ ہے کہ کفالت صحیح ہے کیونکہ یہ مولی موالات کی وراثت کی طرح ہے کیونکہ دونوں میں ضمان بلاعوض ہوتی ہے۔الرفادة:۔ اس کے معنیٰ ہیں معاونت۔ لا حلف فی الاسلام:۔ گناہ میں معاہدہ ٹھیک نہیں ہے کہ گناہ میں امداد کریں گے۔قد حالف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین قریش والانصار:۔ یہ معاہدہ اور بھائی بنادینا مظلوم کی امداد پر تھا اور صلہ رحمی پر تھا اور تعاون علی البر پر تھا۔

باب من تکفل عن میت دینا فلیس له ان یرجع

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ میت کی طرف سے جو کفیل بن جائے وہ رجوع نہیں کرسکتا۔

باب جوار ابی بکر فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وعقده

غرض یہ کہ کافر کا امان دینا بھی صحیح ہے اور یہ کفالۃ کی طرح ہے کیونکہ اس میں بھی ضمانت ہوتی ہے کہ کوئی تکلیف نہ پہنچائے گا گویا اس میں اتحاد ملت ضروری نہیں وان احد من المشرکین استجارک فاجره. وهوسید القارة:۔ یہ قبیلہ کا نام ہے فیتقصف علیه نساء المشرکین:۔قصف کے معنیٰ کسر کے ہیں ایک دوسرے کو توڑ رہی تھیں اور بھیڑ کر رہی تھیں۔

کتاب الوکالة ووکالة الشریک فی القسمة وغیرها

دوسرا لفظ شریک پہلے لفظ شریک کا بدل ہے۔غرض وکالت کی انواع اور احکام کا بیان ہے پھر وکالة کے واو پر فتحہ ہے اور کسرہ بھی جائز ہے لغۃ میں وکالت کے معنیٰ تفویض کے ہیں اور شریعت میں تفویض شخص امره الیٰ آخر فیما یقبل النیابة اور اس کے جواز کی دلیل ہے فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها. وقد اشرک النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیاً فی هدیه ثم امره بقسمتها:۔ یہ شرکت صورۃً تھی نہ حقیقۃً پھر اپنے شریک کو تقسیم کا وکیل بنادیا۔ترجمۃ الباب ثابت ہوگیا۔ یقسمها علی صحابة:۔اپنے ساتھیوں کی طرف سے وکیل بن گئے اور تقسیم قبول کرلی عتود:۔ایک سال کی بکری۔

باب اذا وکل المسلم حربیافی دار الحرب اوفی دار الاسلام جاز

غرض یہ ہے کہ وکالت میں اتحاد ملت واجب نہیں ہے۔

باب یحفظنی فی صاغتی بمکة

صاغتی کے معنیٰ ۔ا۔مال۔۲۔خادم۔۳۔اہل۔فکاتبة عبد عمرو:۔ حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ لفظ عبد جب غیر اللہ کی طرف مضاف کیا جائے تو۔ا۔اگر وہ غیر اللہ معبود بنایا گیا ہے تو اضافت حرام ہے جیسے عبد العزّٰی وعبد منات۔۲۔اگر معبود ہونے کا شبہ ہو تو مکروہ ہے جیسے عبد النبی اور عبد الرسول۔۳۔اگر یہ دونوں نہ ہوں تو جائز ہے جیسے عبد المطلب۔حتیٰ قتلوه:۔سوال جب عبد الرحمٰن بن عوف نے امان دی تھی تو قتل کیسے کردیا۔جواب ا۔امان نہ دی تھی حسی طور پر

حفاظت فرما رہے تھے۔۲۔لڑائی کے وقت امان معتبر نہیں ہوتی۔پھر اس حفاظت سے ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی ظاہر ہوگئی کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف اس حفاظت میں مثل وکیل کے تھے۔

باب الوكالة فى الصرف والميزان

غرض یہ ہے کہ صرف میں اور میزان سے تولنے میں بھی وکالت جائز ہے بیان اس لئے فرمادیا۔صراحۃ کہ توکیل میں شبہ نسیئہ ہونے کا ہوتا ہے اس کا ازالہ کردیا کہ وکیل قائم مقام مؤکل کے ہے استعمل رجلا علی خیبر:۔یہ عامل بنانا بھی توکیل ہی ہے۔

باب اذا ابصر الراعى اوالوكيل شاةً تموت اوشياء يفسد ذبح واصلح ما يخاف عليه الفساد

غرض یہ ہے کہ کسی کی چیز خراب ہورہی ہو یا جانور مرکر ضائع ہونے لگا ہوتو راعی یا وکیل اصلاح کردے یا ذبح کردے تو جائز ہے پھر حدیث میں راعی کا ذکر ہے قیاس فرمایا کہ وکیل بھی راعی کی طرح ہے۔

باب وكالة الشاهد والغائب جائزه

غرض یہ ہے کہ غائب کو وکیل بنانا بھی جائز ہے۔قھرمان:۔خادم منتظم۔اپنے خادم کو خط لکھ کر وکیل بنایا۔ان یزکی:۔صدقہ فطرادا کرنے میں وکیل بنایا۔

باب الوكالة فى قضاء الديون

غرض یہ ہے کہ وکالت قرضہ ادا کرنے میں بھی جائز ہے پھر جو حدیث اس باب میں ذکر فرمائی اس میں اونٹوں کے قرضہ کا ذکر ہے اور جانوروں کا قرضہ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک جائز ہے منشاء اختلاف یہی زیر بحث روایت ہے۔ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً اعطوا سنا مثل سنہ معلوم ہوا کہ اونٹوں میں قرضہ پایا گیا تھا جمہور کے نزدیک یہ روایت اپنے ظاہر پر ہے اور حنفیہ کے نزدیک اونٹ خریدنے پر اور قیمت جوادھار تھی اس کو اونٹوں کی صورت میں ادا کرنے پر محمول ہے ترجیح حنفیہ کے معنیٰ کو ہے قیاس کی وجہ سے کہ قرضہ اُس چیز کا ہوتا ہے جس کا مثل دینے پر انسان قادر ہو حیوان کے مثل پر انسان قادر نہیں ہے کیونکہ حیوانات میں مماثلت نہیں ہوتی

باب اذاوهب شيئا لوكيل او شفيع قوم جاز

غرض یہ ہے کہ کسی قوم کے وکیل یا شفیع کو کوئی چیز دینا یہ اُس قوم کو دینا ہی شمار کیا جاتا ہے۔

باب اذا وكل رجل ان يعطى شيئا ولم يبين كم يعطى فاعطىٰ ما يتعارفه الناس

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی وکیل بنائے کہ فلاں شی دوں گا اور مقدار نہ متعین کرے تو وہ لوگوں کے کے دینے کے عرف پر محمول کی جائیں گی۔ولم یبلغہ کلھم رجل واحد منھم عن جابر:۔تقدیر عبارت میں دواہم قول ہیں ۱۔عبارت محذوف ہے بل بلغہ رجل واحد منھم ۲۔کلھم پر وقف ہے دونوں صورتوں میں معنیٰ یہ ہیں کہ سب راویوں نے مکمل حدیث مجھے نہیں پہنچائی بلکہ صرف ایک نے مکمل حدیث پہنچائی ہے۔ولک ظھرہ الی المدینۃ:۔یہ شرط فی العقد نہیں ہے بلکہ اعارہ بعد البیع ہے۔علی جمل ثقال:۔یہ الفاظ شروع حدیث میں ہیں۔ثقال کے معنیٰ سُست کے ہیں آہستہ چلنے والا۔

باب وكالة الا مرأةالامام فى النكاح

غرض یہ ہے کہ کوئی عورت اگر امام کو اپنا وکیل فی النکاح بنا دے تو جائز ہے۔

باب اذا وكل رجل رجلاً فترك الوكيل شيئاً فاجازه الموكل فهو جائز وان اقرضه الى اجل مسمىً جاز

غرض یہ ہے کہ وکیل اگر مؤکل کی چیز چرانے والے کو چھوڑ دے اور مؤکل بعد میں اجازت دے دے تو جائز ہے۔ایسے ہی وکیل مؤکل کی چیز بطور قرض کسی کو دے دے اور مؤکل بعد میں اجازت دے دے تو جائز ہے۔سوال۔قرضہ کا تو حدیث پاک میں ذکر نہیں ہے جواب

قرضہ دینا مہلت دینے اور چور کو چھوڑ دینے کی طرح ہی ہے اس لئے اُسی پر قیاس فرمالیا وکانوا احرص شئی علی الخیر:۔ ۱۔ کسی راوی کی طرف سے مدرج ہے یعنی صحابہ بھلائی پر بڑے حریص تھے۔ ۲۔ حضرت ابو ہریرہ ہی کا مقولہ ہے اور اپنے آپ کو غائب سے تعبیر فرمایا بطور صنعت التفات کے۔ **باب اذا باع الوکیل شیئاً فاسداً فبیعه مردود:۔** غرض یہ ہے کہ وکیل کا ناجائز کام معتبر نہیں ہے۔

باب الوکالة فی الوقف و نفقة دان یطعم صدیقاً له ویا کل بالمعروف

غرض یہ ہے کہ جیسے حقوق العباد میں وکالۃ جائز ہے حقوق اللہ میں بھی جائز ہے اور وکیل تنخواہ بھی لے اور معروف طریقے سے اپنے دوستوں کو کچھ کھلا پلا بھی دے تو جائز ہے۔

باب الوکالة فی الحدود

غرض یہ ہے کہ حدود میں بھی وکالت جائز ہے۔

باب الوکالة فی البدن و تعا هدها

غرض یہ ہے کہ اونٹوں کو لے جانے اور ان کی نگرانی کرنے میں بھی وکالت جائز ہے۔

باب اذا قال الرجل لوکیله ضعه حیث اراک الله وقال الوکیل قد سمعتُ ما قلت

غرض یہ ہے کہ اگر موکل کہہ دے کہ یہ چیز جسے چاہو دو اور وکیل کہہ دے کہ میں نے آپ کی بات سن لی تو پھر بھی وکالت منعقد ہو جاتی ہے۔

باب وکالة الامین فی الخزانة ونحوها

غرض یہ ہے کہ مالی امور میں امین کو وکیل بنانا چاہیے۔

ابواب الحرث والمزارعة و ما جاء فیها

غرض مزارعت کے احکام بتلانا ہے۔

باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منه

غرض یہ ہے کہ درخت اور کھیتی میں سے لوگ یا جانور بھی کھا جائیں تو ثواب ہے۔

باب ما یحذر من عواقب الا شتغال بالة الزرع او مجاوزة الحد الذی امر به

غرض یہ ہے کہ کھیتی باڑی میں زیادہ انہماک جو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے یا ممنوعہ صورتیں اختیار کرنا بچنے کے قابل ہے۔ سکتہ:۔ ہل جس سے کھیتی کرتے ہیں۔ الا ادخله الذل:۔ یعنی ۱۔ کھیتی سے آدمی بادشاہ کے ہاں عزت والا شمار نہیں ہوتا۔ ۲۔ عموماً کھیتی کی وجہ سے جہاد اور علم سے محروم رہ جاتا ہے۔

باب اقتناء الکلب للحرث

غرض یہ ہے کہ کھیتی باڑی کے لئے کتا پالنا جائز ہے اس سے بھی اس بات کی تاکید ثابت ہوئی کہ کھیتی باڑی کا کام جائز ہے کیونکہ کتا پالنا جو مکروہ تھا وہ اسی کی وجہ سے جائز ہو گیا۔

باب استعمال البقر للحراثة

غرض یہ ہے کہ بیل کو کھیتی کے کام کے سوا استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ آمنتُ بہ:۔ یعنی میں ایمان لایا گائے کے بولنے پر۔ یوم السبع:۔ ۱۔ باء کے ضمہ کے ساتھ درندہ کے معنیٰ میں ہے مراد وہ دن ہے اخیر زمانہ میں جب مدینہ منورہ ویران ہو جائے گا اور وہاں درندوں کی ہی حکومت ہوگی۔ ۲۔ باء کے سکون کے ساتھ یہ جگہ کا نام ہے جہاں قیامت قائم ہوگی اس لئے مراد قیامت کا دن ہے۔ آمنت انا وابو بکر وعمر:۔ یہ دونوں حضرات مجلس میں موجود بھی نہ تھے پھر بھی ان کا اس طرز سے ذکر اس پر دلالت کرتا ہے کہ ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں حضرات سے بہت محبت تھی۔ ۲۔ ان دونوں کے فناء فی الشرع ہونے پر پورا اعتماد تھا۔

باب اذا قال اکفنی مؤنة النخل اوغیره و تشرکنی فی الثمر

اذا کا جواب حدیث سے معلوم ہو رہا ہے غرض یہ ہے کہ یہ کہنا جائز ہے کہ تم میرے باغ کی نگرانی کرنا پھل میں میرے ساتھ

شریک ہو جانا اس میں مزارعت والا ہی اختلاف ہے جو عنقریب آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اقسم بیننا و بین اخواننا النخیل :۔ ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان ہمارے کھجوروں کے درخت تقسیم فرمادیں یہ اس لئے عرض کیا کہ بیعت العقبہ میں مہاجرین کی امداد کا وعدہ کر چکے تھے۔

باب قطع الشجر والنخل

غرض یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے درختوں کا کاٹنا جائز ہے جسے دشمن کو ذلیل کرنا۔ سراۃ بنی لؤی :۔ قریش کے سردار۔

باب: یہ باب ماقبل کا تتمہ ہے کیونکہ اجارہ کی مدت ختم ہونے پر مستجیر کے درخت کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ واما الذہب والفضۃ فلم یکن یومئذ :۔ ان دونوں سونے چاندی کے عوض باغ اور زمین کرایہ پر نہ دیئے جاتے تھے یہ معنی نہیں ہے کہ ان دنوں میں سونا اور چاندی موجود ہی نہ تھے۔

باب المزارعة بالشطر ونحوه

غرض عقد مزارعت بالشطر وغیرہ کا جواز بیان کرنا ہے امام احمد کے قول کی تائید فرمادی عند احمد وابی یوسف ومحمد جائز ہے اور اسی پر حنفیہ کا فتویٰ ہے وعند ابی حنیفۃ والشافعی و مالک ناجائز ہے ولاحمد روایۃ ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً عامل اہل خیبر بشطر مایخرج من ثمر اور زرع وللجمہور روایۃ ابی داؤد و مسلم عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً نھی عن المزابنۃ والمحاقلۃ والمخابرۃ والمعاومۃ جواب۔ یہ روایت بھی اور امام ابو حنیفہ کا قول بھی ان صورتوں پر محمول ہے جن میں شروط فاسدہ لگائی گئی ہوں تاکہ احادیث میں تعارض نہ ہو یہی اختلاف مساقاۃ یعنی باغوں کو پھل کے حصہ پر دینے میں ہے۔ لاباس ان یجتنی القطن علی النصف :۔ حضرت حسن بصری فرمارہے ہیں کہ روئی چننا کہ جو چنی جائے آدھی مالک کی آدھی چننے والے کی تو یہ جائز ہے اختلاف یہ ہے کہ عند احمد وفی روایۃ عن الحنفیہ جائز ہے وعند ابی حنیفۃ و مالک وللشافعی ناجائز ہے جواز کی دلیل یہی قول حسن اور جمہور کی دلیل کہ جہالت ہے اجرت کی ترجیح کی ضرورت نہیں کیونکہ حسی فتوے دونوں طرف ہیں۔ لاباس ان یعطی الثوب بالثلث والربع ونحوہ :۔ مذکورہ مسئلہ ہی کی ایک جزئی ہے کہ سوت یعنی دھاگا دینا کپڑا بنانے کے لئے کہ جو کپڑا بنے آدھا تیرا آدھا میرا دونوں قسم کے فتووں کی وجہ سے حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں اس مسئلہ میں سختی نہیں کرتا۔ ان تکون الماشیۃ علی الثلث اوالربع الی اجل مسمی :۔ حضرت معمر کے نزدیک جائز ہے کہ جانوروں کا مالک کسی کو وکیل بنادے کہ تم میرے جانوروں گھوڑوں وغیرہ کو کرایہ پر دیا کرو جو کرایہ آئے آدھا تمہارا آدھا میرا جمہور کے نزدیک جہالت کی وجہ سے ناجائز ہے حضرت معمر کی دلیل قیاس ہے مزارعت وغیرہ پر جواب وہاں تعامل وضرورت ہے ان میں ایسا نہیں ہے اور قول جمہور ہی میں احتیاط ہے۔

باب اذالم یشترط ایسنن فی المزارعة

غرض یہ ہے کہ اگر مزارعت کی مدت بھی مقرر نہ کرے تو پھر بھی جائز ہے لیکن جمہور کے نزدیک ناجائز ہے جہالت کی وجہ سے۔

باب تتمہ سے ماقبل کا ای عمرو

یعنی یا عمرو۔

باب المزارعة مع الیهود

غرض یہ ہے کہ عقد مزارعت میں اتحاد ملت شرط نہیں ہے۔

باب مایکره من الشروط فی المزارعة

غرض مفسد شرطوں کی کراہت وقباحت کا بیان ہے۔ حقلا :۔ ای زرعاً۔

باب اذا زرع بمال قوم تعبیر اذنهم وکان فی ذلک صلاح لهم

غرض یہ ہے کہ کسی کا مال لے کر کھیتی کرے اس کی اجازت کے بغیر جس سے اس کو فائدہ ہو جائے تو یہ جائز ہے اور کھیتی اس کی ہوگی جس کا بیج ہوگا۔ سعیت :۔ یعنی دوسرے شخص کی دعاء میں بغیت کی جگہ سعیت ہے۔

باب اوقاف اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وارض الخراج و مزارعتھم ومعاملتھم

غرض صحابہ کی کھیتی باڑی وغیرہ کا ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا حصہ وقف کر دیا گیا تھا اور باقی صحابہ میں تقسیم کر دی گئی تھی۔ لولا آخر المسلمین مافتحت قریۃ الا قسمتھا بین اھلھا:۔ حضرت عمر مزارعت پر دیتے تھے تا کہ رقم بیت المال کے ذریعہ سب مسلمانوں کو پہنچے فرمایا اگر ان مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا۔ من احیا ارضاً مواتاً:۔ غرض جمہور کے قول کی تائید ہے عند امامنا ابی حنیفہ بے آباد زمین کو آباد کر کے مالک بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ امام کی طرف سے اجازت ہو وعند الجمہور اذن امام شرط نہیں ہے۔ ولنا۔ ۱- فی الطبر انی عن معاذ مرفوعاً لیس للمرء الا ما طابت بہ نفس امامہ ۲- زمین غنیمت کا حصہ ہے اس لئے مال غنیمت کی طرح اس میں بھی اذن امام شرط ہے۔ ۳- روایۃ ابی داؤد عن الصعب بن جثامۃ مرفوعاً لاحمیٰ الا للہ ولرسولہ وللجمہور روایۃ ابی داؤد عن سعید بن زید مرفوعاً من احیٰ ارضاً میتۃ فھی لہ جواب آپ کی روایت اذن امام سے ساکت ہے ہماری ناطق ہے اور ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے۔

باب: یہ تتمہ ہے کیونکہ اس میں یہ مقصود ہے کہ معرس ارض موات نہیں ہوتا کیونکہ اس میں مسافر آرام کرتے ہیں۔

باب اذا قال رب الارض اقرک مااقرک اللہ ولم یذکر اجلا معلوماً فھما علی تراضیھما

غرض اس مسئلہ کی ایک صورت بتلانی ہے کہ مزارعت میں مدت بیان کرنی ضروری نہیں۔ اختلاف عن قریب گزر چکا ہے۔

باب ماکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یو اسی بعضھم بعضاً فی الزراعۃ والثمرۃ

غرض یہ ہے کہ مزارعت سے ممانعت کی احادیث میں نہی ہمدردی پر مبنی ہے اس لئے تنزیہی ہے بمحاقلکم:۔ کھیت اوامسکوا:۔ یہ وعید ہے مقصود پہلے دونوں امر ہیں کہ خود کھیتی کر دیا دوسرے کو مفت کھیتی کے لئے دے دیا کرو ورنہ پھر رک جاؤ یعنی کچھ نہ کرو اور یہ سب کچھ نہی تنزیہی کے درجہ میں ہے سمعاً وطاعۃً:۔ دونوں منصوب ہیں اسمع کلامک سمعاً واطیعک طاعۃ۔ ۲- دونوں مرفوع کلامک سمع ای مسنوع وامرک طاعۃ ای مطاع او انت طاعۃ ای مطاع یہ حمل مبالغۃً ہے جیسے زید عدل میں ہے۔ بما علی الاربعاء:۔ جمع ہے ربیع کی بمعنی نہر یعنی ممانعت شروط فاسدہ کی بناء پر تھی۔ فترک کراء الارض: یہ ان کی احتیاط تھی۔

باب کراء الارض بالذھب والفضۃ

غرض یہ ہے کہ سونے چاندی کے عوض زمین کرائے پر دینا جائز ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ باب غرض اس باب سے یہ ہے کہ نہی جو مزارعت سے ہے کہ کھیتی باڑی عزت کا کام نہیں ہے یہ صرف تنزیہی ہے ورنہ جنت میں کھیتی باڑی کیوں ہوتی۔

فبادر الطرف:۔ ۱- آنکھ کے دیکھنے سے بھی پہلے اُگ آئی ای بادر لحظ الطرف۔ ۲- بادر حرکۃ الطرف آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے اُگ آئی۔

باب ماجاء فی الغرس

غرض یہ ہے کہ پودے لگانا مستحب ہے کیونکہ یہ رزق حلال کا ذریعہ ہے۔ شحم چربی پگھلانے سے پہلے۔ ودک:۔ چربی پگھلانے کے بعد۔

کتاب المساقاۃ

غرض مساقاۃ کے احکام بتلانا ہے۔ سوال۔ ابواب زیادہ تر شرب کے اور احیاء موات کے رکھے ہیں۔ جواب۔ لغوی معنیٰ لئے پانی پلانا اور اصطلاحی معنیٰ ہیں درختوں کو دینا کہ حفاظت وغیرہ کرو پھل آدھا آدھا یا جتنا طے کر لیں حاصل یہ ہے کہ مساقاۃ باغ میں ایسے ہی ہے جیسے مزارعت کھیتی میں ہے اختلاف بھی وہی جو مزارعت میں ہے۔

باب فی الشرب

یہ باب بمنزلہ کلی کے ہے اس کے بعد جزئیات ہیں۔ غرض شرب

یعنی پانی کے حصہ کے احکام بتلاتے ہیں۔ ومن رأی صدقۃ الماء وھبتہ ووصیتہ جائزۃ غرض اس شخص کا رد ہے جو فرماتے ہیں کہ پانی کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ فشرب منہ:۔ اس واقعہ میں بھی پانی میں حق ثابت ہوا اور یہی باب کا مقصد تھا۔ وشیب لبنھا بماء:۔ معلوم ہوا کہ دودھ کی طرح پانی میں بھی حق ہوتا ہے۔

باب من قال ان صاحب الماء احق بالماء حتیٰ یروی

غرض یہ ہے کہ جو پانی سے قریب ہے اس کو سیراب کرنے کا حق پہلے ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے اور اس کی ضرورت میں خود پینا بال بچوں کو پلانا جانوروں اور کھیتی کو سیراب کرنا بھی داخل ہے۔ لایمنع فضل الماء:۔ فضل الماء سے پہلے صاحب ماء کا حق ہے اس لئے اس حدیث پاک سے یہ مسئلہ باب والا ثابت ہو گیا۔

باب من حفر بئرا فی ملکہ لم یضمن

غرض یہ ہے کہ اپنی زمین میں کسی نے کنواں کھودا اس میں کوئی گر کر مر گیا تو کنواں والا ضامن نہ ہوگا اصل مقام تو اس مسئلہ کا کتاب الدیات ہے لیکن کنویں کے ذکر کے تبعاً یہاں بیان فرما دیا۔

باب الخصومۃ فی البئر والقضاء فیھا

دو غرضیں ہیں۔ ۱- کنویں میں خصومت اور قضاء جائز ہیں۔ ۲- اشارہ کرنا ہے کہ کنواں مملوک ہوتا ہے

باب اثم من منع ابن السبیل من الماء

غرض یہ ہے کہ مسافر کو پانی سے روکنا حرام ہے۔

باب سکر الانھار

دو غرضیں ہیں۔ ۱- دریا کا پانی جس میں انسان کے بنانے کا اور کھودنے کا دخل نہیں ہے اس کو ضرورت سے زائد روکنا جائز نہیں ہے۔ ۲- بقدر ضرورت پانی روکنا جائز ہے۔ فغضب الانصاری فقال ان کان ابن عمتک:۔ تین توجیہیں ہیں۔ ۱- منافق تھا اور انصاری کہنا صرف اس لئے تھا کہ انصار کے قبیلہ سے تھا۔ ۲- یہودی تھا۔ ۳- مسلمان بدری تھا یہ جو کچھ کہا یہ غلبہ بشریت کی وجہ سے تھا جیسے غزوہ حنین کے بعد بعض نوجوان انصار سے صادر ہو گیا۔ یغفر اللہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطی قریشا ویترکنا وسیوفنا تقطر من دمائھم جیسا کہ مغازی کی روایات میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں شرمندہ ہوئے اور توبہ کی جب معلوم ہو گیا کہ ضرورت دینیہ کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔

باب شرب الاعلی قبل الاسفل

غرض یہ بتانا ہے کہ پانی سے قریب والے کا حق زیادہ ہے اور پہلے ہے۔

باب شرب الاعلیٰ الی الکعبین

غرض یہ ہے کہ قریب والے کو پورا سیراب کرنے کا حق حاصل ہے۔

باب فضل سقی الماء

غرض یہ بتلانا ہے کہ پیاسے کو پانی پلانے کا بڑا ثواب ہے۔ ای رب وانا معھم:۔ استفہام کا ہمزہ محذوف ہے جو اظہار تعجب کے لئے ہے۔

باب من رای ان صاحب الحوض والقربۃ احق بماءہ

غرض یہ ہے کہ حوض والے اور مشکیزہ والے کا زیادہ حق ہے۔ فاعطاہ ایاہ:۔ اسی طرح حوض کھودنے والے کا زیادہ حق ہے یعنی صاحب یمین پر حوض کھودنے والے کو قیاس فرمایا۔ ولا حق لکم فی الماء:۔ یہی محل ترجمہ ہے کہ احاطہ کرنے سے ان کا حق بن گیا۔ لاحمی الا للہ ولرسولہ:۔ اذن امام کے بغیر چراگاہ کی تخصیص کسی شخص کے لئے نہیں ہو سکتی۔

باب شرب الناس وسقی الدواب من الانھار

انسانی دخل کے بغیر جاری ہونے والے دریاؤں سے پانی پینے کے لئے بالاجماع کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

باب بیع الحطب والکلاء

غرض یہ ہے کہ لکڑیوں کی اور گھاس کی بیع جائز ہے۔ سوال پانی کے

بابوں میں لکڑیوں اور گھاس کی بیع کا کیوں ذکر فرمایا جواب یہ دونوں اس بات میں پانی کی طرح ہیں کہ ہر شخص کو قبضہ کر کے مالک بننے کی اجازت ہے جیسے پانی برتن میں ڈالنے سے ملک میں آجاتا ہے ایسے ہی لکڑیاں چن لینے سے اور گھاس کھود لینے سے ملک میں آجاتا ہے۔ سوال۔ پھر تو زمین کا مالک بننے میں بھی اذن امام کی ضرورت نہ ہونی چاہئے جواب پانی۔ لکڑیوں اور گھاس میں تو اذن عام ہے۔ زمین میں اذن امام ہے جیسا کہ احیاء موات کے اختلاف میں گذر گیا اس لئے۔ دونوں میں فرق ہے۔ **للشُّرُف**:۔ جمع ہے شارف کی جوان اونٹنی۔ **النواء**:۔ جمع ہے ناویۃ کی موٹی **باب القطائع**:۔ یہ جمع ہے قطیعہ کی قطیعہ کا حکم بیان فرمانا مقصود ہے اس کے معنیٰ ہیں ما اقطعہ الامام لاحد پھر اس کی دو قسمیں ہیں ۱۔ امام مالک بنا دے ۲۔ ایک مدت کے لئے نفع اٹھانے کی اجازت دے دے اور رقبہ کا مالک نہ بنائے بلکہ بیت المال ہی کی رہے۔ **باب کتابۃ القطائع** قطیعہ کے حساب کو لکھ لینا بھی مستحسن ہے یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے لکھنے کا فائدہ نزاع سے بچنا ہے۔ **فلم یکن ذلک عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم**:۔ ۱۔ آپ نے انصار کی اس بات کو پسند نہ فرمایا۔ ۲۔ آپ کے پاس اتنے قطائع نہ تھے کہ مہاجرین میں بھی تقسیم فرماتے کیونکہ ابھی فتوح کم ہوئی تھیں

باب حلب الا بل علی الماء

غرض یہ ہے کہ مستحب ہے کہ اونٹنیوں کا دودھ پانی پر لے جا کر نکالا جائے تا کہ وہاں جو فقراء اسی مقصد کے لئے جمع ہیں ان کو کچھ دیا جا سکے۔

باب الرجل یکون له ممر اوشرب فی حائط اوفی نخل

غرض یہ ہے کہ جس کا حق راستہ کا یا پانی کا کسی کھجوروں کے باغ یا دوسرے باغ میں ہو تو کوئی دوسرا شخص اس حق کو ختم نہیں کر سکتا۔ **فللبائع الثمر**:۔ یہ امام بخاری کی کلام ہے۔

کتاب فی الا ستقراض واداء الدیون والحجر والتفلیس

غرض ان چاروں کے احکام بتلانے ہیں۔ تفلیس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ۔ ۱۔ اس کے پاس فلس نہیں ہوتے اس لئے حاکم دائنین کو منع کرتا ہے کہ اس سے مطالبہ فی الحال نہ کرو۔ ۲۔ اس کا مال سونے چاندی سے فلوس کی طرف چلا جاتا ہے۔ پھر زیادہ تعلق کی وجہ سے ان چاروں مسئلوں کو اکٹھا بیان فرما دیا۔

باب من اشتری بالدین ولیس عنده ثمنه اولیس بمحضرته

غرض یہ ہے کہ ادھار خریدنا بھی جائز ہے۔ قیمت نہ ہو یا قیمت ساتھ نہ ہو گھر میں ہو اور یہی صورت آخری اس باب کی حدیث میں ہے۔

باب من اخذ اموال الناس یرید اداءها او اتلافها

غرض یہ ہے کہ قرضہ لینا ادا کرنے کے لئے جائز ہے اور نہ ادا کرنے کی نیت سے ناجائز ہے۔

باب اداء الدیون

غرض یہ ہے کہ قرضہ لے کر واپس ادا کرنا واجب ہے۔

باب استقراض الابل:۔ غرض یہ کہ اونٹوں کا قرضہ جائز ہے تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

باب حسن التقاضی

غرض یہ کہ اچھے طریقے سے قرضہ مانگنا مستحب ہے۔

باب هل یعطیٰ اکبر من سنه

غرض یہ ہے کہ قرضہ میں اصل چیز سے بہتر دینا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

باب حسن القضاء

غرض یہ ہے کہ اچھے طریقہ سے قرضہ واپس کرنا مستحب ہے۔

باب اذا قضی دون حقه او حلّله فهو جائز

غرض یہ کہ دائن پورا حق یا کچھ حصہ معاف کر دے تو یہ جائز ہے۔

باب اذا قاص او جازفه فی الدین

غرض یہ ہے کہ قرضے کے بدلے قرضہ معاف کر دینا جائز ہے

اور دین معاف کرنے میں دین کی مقدار پوری پوری معلوم نہ بھی ہوتو معاف کرنا صحیح ہے۔ بیع میں اٹکل ٹھیک نہیں۔

باب من استعاذ من الدين

غرض یہ ہے کہ دین سے پناہ پکڑنی مستحب ہے اور اصل پناہ پکڑنا دین کے بُرے آثار سے ہے۔

باب الصلوٰة على من ترك دينا

غرض یہ ہے کہ نفس دین میں خرابی نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے بُرے آثار میں ہے اِسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مدیون میت پر نماز پڑھنی چھوڑ دی تھی پھر شروع فرمادی معلوم ہوا کہ نفس دین میں خرابی نہیں ہے۔

باب مطل الغني ظلم

غرض اس حدیث کا بیان ہے مطل الغنی ظلم۔

باب لصاحب الحق مقال

غرض یہ ہے کہ صاحب حق اگر مانگنے میں تھوڑی سی سختی بھی کرے تو اس کے لئے گنجائش ہوتی ہے۔

باب اذا وجد ماله عند مفلس في البيع والقرض والوديعة فهو احق به

غرض جمہور کی تائید کرنی ہے بیع اور قرض میں کہ صاحب حق اپنا حق مفلس سے بھی لے سکتا ہے جبکہ اپنی ہی چیز کو پالے وعندامامنا ابی حنیفۃ وہ بائع اور دائن جس نے بعینہ اپنی ہی چیز مفلس کے پاس پائی ہے باقی غرماء اور دائنین ہی کے برابر ہے البتہ ودیعت میں بالاتفاق مالک زیادہ حق دار ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً من ادرک مالہ بعینہ عند رجل اوانسان قد أفلس فھو احق بہ من غیرہ جمہور اور امام بخاری کے نزدیک یہ عموم پر محمول ہے اور حنفیہ اور امام طحاوی کے نزدیک امانات پر محمول ہے مرجح قول ہے حضرت علی کا جو عینی میں منقول ہے اور ابن حزم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے انہ (ای البائع) اسوۃ الغرماء۔ ھذا الاسناد کلھم کانوا علی القضاء۔ عجیب نکتہ بیان فرمادیا کہ اس حدیث کے چھ راوی مدینہ منورہ کے قاضی رہے ہیں۔

باب من اخر الغريم الى الغدا ونحوه ولم ير ذلك مطلا

غرض مطل کے معنیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک دو دن کی دیر کو مطل نہیں کہا جاتا۔

باب من باع مال المفلس او المعدم فقسمه بين الغرماء او اعطاه حتي ينفق على نفسه

غرض یہ کہ حاکم اگر مناسب سمجھے تو مفلس کا مال بیچ کر خود غرباء میں تقسیم کر دے یا اُسی مدیون کو دے دے کہ وہ تقسیم کر دے اور بقدر ضرورت خود بھی اپنے آپ پر خرچ کرلے تو یہ جائز ہے۔

باب اذا اقرضه الى اجل مسمّى او اجله في البيع

غرض یہ ہے کہ بیع اور قرضہ دونوں میں مدت مقرر کرنا صحیح ہے مدت پوری ہونے سے پہلے بائع اور دائن مطالبہ نہیں کر سکتے اس مسئلہ میں امام مالک والشافعی کی تائید فرمائی وعندامامنا ابی حنیفۃ واحمد بیع میں تو مدت مقرر کرنی ٹھیک ہے لیکن قرضہ میں ٹھیک نہیں۔ اگر مقرر کی ہے تو اس سے پہلے بھی مانگنے کا حق حاصل ہے۔ منشاء اختلاف زیر بحث حدیث ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً سال بعض بنی اسرائیل ان یسلفہ فدفعھا الیہ الی اجل مسمّٰی ہمارے نزدیک یہ استحباب پر اور ان کے نزدیک وجوب پر محمول ہے ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ قرضہ تبرع محض ہے اس میں مطالبہ سے روکا نہیں جاسکتا۔

باب الشفاعة في وضع الدين

غرض یہ ہے کہ قرضہ معاف کرنے میں شفاعت جائز ہے۔

فاخبرتُ خالي ببيع الجمل فلا مني

کیوں ملامت فرمائی مختلف توجیہیں ہیں۔ ا۔تم نے بیع

کیوں کی ہبہ کیوں نہ کر دیا۔۲۔عیب والا اونٹ کیوں بیچا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔۳۔جب تم خود جمل کے محتاج تھے تو بیچنا مناسب نہ تھے۔

باب ما ینھی عن اضاعۃ المال...... الی قولہ...... والحجر فی ذلک و ما ینھی عن الخداع

غرض تین باتیں بیان فرمائی ہیں۔۱۔اسراف کی قباحت۔۲۔ اسراف کرنے پر قاضی اگر حجر کر دے اور اس کے تصرفات ختم کر دے کہ اب اس کی قباحت۔۲۔اسراف کرنے پر قاضی اگر حجر کر دے اوراس کے تصرفات ختم کر دے کہ اب اس کو تصرف فی المال کی اجازت نہیں ہے تو ٹھیک ہے یا نہ اب اجازت رہے گی یا نہ رہے گی۔۳۔دھوکہ دینے کی قباحت۔ پھر اس دوسرے مسئلہ میں امام بخاری بظاہر حنفیہ ہی کا قول لے رہے ہیں عندا مامنا ابی حنیفۃ حجر نہ کیا جائے گا وعند الجمہور کیا جائے گا ولنا۔۱۔حجر کرنا تو ایک انسان کو انسانیت سے نکالنا ہے۔۲۔حدیث الباب عن ابن عمر مرفوعاً اذا بایعت فقل لا خلابۃ۔حجر نہ فرمایا باوجود موقعہ اسراف کے اور سکوت موضع بیان میں بیان ہوتا ہے۔صرف خیار شرط کا مشورہ عنایت فرمایا معلوم ہوا کہ ایسے موقعوں میں حجر نہ ہونا چاہئے۔وللجمہور۔۱۔روایۃ ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ ان رجلاً اعتق غلاماً لہ عن دبر منہ ولم یکن لہ مال غیرہ فامر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبیع بسبع مأتہ معلوم ہوا کہ اُس تدبیر کرنے والے کے تصرف کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑ دیا اور یہی حجر ہے۔جواب یہ فسخ تدبیر نہ تھی بلکہ بیع خدمت تھی اُس مدبّر کو اجارہ پر دیا تھا اور یہ حجر نہیں ہے۔۲۔اسی باب کی دوسری روایت عن المغیرۃ بن شعبۃ مرفوعاً ان اللہ حرم علیکم عقوق الامھات وواد البنات و منع وھات و کرہ لکم قیل وقال و کثرۃ السؤال واضاعۃ المال جب اسراف کی مذمت ہے تو اسراف سے روکنے کے لئے حجر بھی ضروری ہے۔جواب اس سے تو الٹا حجر کی نفی ہوتی ہے کہ اسراف کی مذمت بیان فرمائی اور حجر کا ذکر نہ فرمایا اگر حجر ثابت ہوتی تو یہاں ضرور مذکور ہوتی جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔سکوت موضع بیان میں بیان ہوتا ہے۔

باب العبد راع فی مال سیدہ ولا یعمل الا باذنہ

غرض یہ ہے کہ نگران کے ذمہ نگرانی ضروری ہے عبد کے ذمہ سید کے مال کی نگرانی اور حفاظت ضروری ہے۔

فی الخُصومات

غرض جھگڑوں اور عدالت کے کاموں کا ذکر ہے۔

باب الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیھودی

غرض عدالت میں حاضر کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ خصومت میں اتحاد ملت ضروری نہیں ہے۔لا تخیرونی علی موسیٰ علیہ السلام:۔ مختلف توجیہات ہیں۔۱۔ایسے طریقہ سے میری فضیلت نہ بیان کرو کہ موسیٰ علیہ السلام کی توہین ہو۔۲۔ایسے طریقہ سے میری فضیلت نہ بیان کرو کہ جھگڑا شروع ہوجائے۔۳۔تواضعاً فرمایا اور تواضع سے بڑے کی بڑائی کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔۴۔خصوصیت جو موسیٰ علیہ السلام کو ملی ہے اس میں مجھے بڑا نہ کہو ہر نبی کو کوئی نہ کوئی جزئی خصوصیت دی جاتی ہے۔۵۔یہ ارشاد اُس زمانہ کا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی افضلیت کا علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ سب نبیوں اور پوری مخلوق سے افضل ہیں۔فان الناس یصعقون یوم القیامۃ نفخہ اُولیٰ کے وقت غیر انبیاء علیہم السلام پر موت یا بے ہوشی ہوگی اور انبیاء علیہم السلام پر بے ہوشی ہوگی اور اُس وقت دُنیا میں جو زندہ ہوں گے ان پر موت طاری ہو گی۔اور دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔واللہ اعلم۔

باب من رد امر السفیہ والضعیف العقل وان لم یکن حجر علیہ الا مام

غرض یہ ہے کہ امام کے لئے جائز ہے کہ سفیہ کے تصرف کو رد کر دے اگر چہ تصرف سے پہلے حجر نہ کیا ہو۔یذکر عن جابر:۔ اس سے مراد وہی روایت ہے جو پیچھے گذری کہ محتاج نے مدبر بنا

دیا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع فرمائی اس روایت میں بیع مدبر اور حجر مذکور ہے دونوں کی تفصیل گذر چکی ہے۔ ولم یا خذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالہ:۔ معلوم ہوا کہ حجر نہ ہونا چاہئے۔

باب کلام الخصوم بعضهم فی بعض

غرض یہ ہے کہ قاضی کے پاس بقدر ضرورت غیبت کی گنجائش ہوتی ہے اور اس میں تعزیز نہیں ہے۔ان القران انزل علی سبعة احرف:۔ اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ا۔ سب سے زیادہ راجح یہ ہے کہ پہلے آسانی کے لئے سات لغات میں قرآن پاک پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی پھر جب سب نے لغت قریش میں پڑھنا سیکھ لیا تو باقی لغات میں پڑھنا منسوخ ہو گیا اور صرف لغت قریش باقی رہ گئی اور سات متواتر اور تین مشہور قرائتیں اور ہر ایک کی دو دو روایتیں کل بیس روایتیں اور ہر ایک روایت کے چار چار طرق کل ۸۰ طرق یہ سب لغت قریش ہی میں ہیں۔ قرآن پاک کو اب بھی ۸۰ طرق سے نماز میں بھی اور باہر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ سب کے سب محفوظ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر یا شہرت کے درجہ میں ثابت ہیں اور شہرت کے درجہ سے بھی قرآن پاک ثابت ہو جاتا ہے۔ وہ سات لغات جو منسوخ ہو گئیں اور اُن سے صرف ایک لغت رہ گئی وہ سات یہ ہیں۔ قریش ثقیف۔طی ہوازن۔ ہزیل۔ یمن۔ تمیم اس راجح قول کے علاوہ چند اہم قول یہ ہیں۔۲۔ قریش کے سات شعبوں جن کو بطون قریش کہتے ہیں ان کی لغات مراد ہیں۔۳۔ سات قرائتیں۔۴۔ سات اقلیمیں مراد ہیں کہ قرآن پاک کا حکم سات اقلیموں پر ہے۔ یعنی ساری دُنیا پر ہے پرانے اہل ہیئت نے موسم کے لحاظ سے دنیا کو یعنی دنیا کے آباد حصہ کو جس کو ربع مسکون کہتے ہیں سات لمبے لمبے حصوں میں تقسیم کیا تھا ہر حصہ کو اقلیم کہتے تھے۔۵۔ قرآن پاک میں سات قسم کے معانی ہیں۔ امر۔ نھی۔ امثال۔ وعدہ۔ وعید۔ قصص۔ موعظہ۔۶۔ قرآن پاک میں سات قسم کے معانی ہیں۔ امر نھی۔ امثال۔ حلال حرام۔ محکم۔ متشابہ۔

باب اخراج اهل المعاصی والخصوم من البیوت بعد المعرفة

غرض یہ ہے کہ اہل معاصی کو جان لینے کے بعد گھروں سے نکال دینا بطور سزا کے جائز ہے اور مسند مرفوع حدیث پاک میں جلانا مذکور ہے جو نکالنے ہی کی طرح ہے۔

باب دعوی الوصی للمیت

غرض یہ ہے کہ وصی کے لئے دعویٰ کرنا میت کے حق میں جائز ہے جیسے بھتیجا ہونے کا اور بھائی ہونے کا دعویٰ حدیث میں مذکور ہے۔

باب التوثق ممن تخشی معرّته

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ جس شخص سے معرہ یعنی فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو اس کو قید کر دینا یا پاؤں میں زنجیر ڈال دینا جائز ہے توثق کے معنیٰ یہاں قید کرنے اور پاؤں میں زنجیر ڈالنے کے دونوں صحیح ہیں۔

باب الربط والحبس فی الحرم

غرض یہ ہے کہ حرم میں بھی قید کرنا اور ستون وغیرہ سے باندھ دینا جائز ہے اور اس میں رد ہے حضرت طاؤس کے قول کا جو فرماتے تھے کہ بیت الرحمۃ یعنی مکہ مکرمہ میں جیل خانہ جو بیت العذاب ہے نہ ہونا چاہئے جواب یہ ہے کہ حدیث سے مدینہ منورہ میں مسجد کے ستون سے باندھنا ثابت ہے اور حرم مکہ مثل حرم مدینہ کے ہے۔ اس لئے جائز ہے اور قیاس محض کی وجہ سے حدیث کو چھوڑا نہیں جا سکتا خصوصاً جب کہ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کے عمل سے بھی تائید حدیث کی ہو گئی۔

باب فی الملازمة

غرض یہ ہے کہ مدیون وغیرہ کیساتھ ساتھ رہنا بھی جائز ہے قال اللہ تعالیٰ الا مادمتَ علیه قائما. باالتقاضی:۔ غرض یہ ہے کہ اپنا حق مانگنا جائز ہے۔

کتاب اللقطة

غرض لقطہ کے احکام بتلانا ہے۔

باب اذااخبره رب اللقطة بالعلامة دفع اليه

غرض یہ ہے کہ علامت بتانے پر دیانۃً دینا جائز ہے اور واجب اس وقت ہوتا ہے جب قاضی کے سامنے بینہ سے ثابت کرے۔
اختلاف:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ لقطہ اٹھانے والا اگر غنی ہے تو تعریف کے بعد خود استعمال نہیں کرسکتا وعندالجمہور کرسکتا ہے منشاء اختلاف حضرت ابی بن کعب کا ہمارے نزدیک فقیر ہونا اور جمہور کے نزدیک غنی ہونا ہے۔ راجح فقیر ہونا ہی ہے کیونکہ ابوداؤد میں حضرت ابوطلحہ کا حضرت ابی بن کعب پر اپنے باغ کی خیرات کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے مذکور ہے معلوم ہوا کہ وہ فقیر تھے دوسری وجہ ترجیح کی ہمارے پاس یہ بھی ہے کہ لقطہ میں اصل مقصود مالک تک وہ چیز اور نہ ملنے کی صورت میں اس چیز کا ثواب پہنچانا ہے اور وہ فقیر پر صدقہ کرنے سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس سے بھی قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت ابی بن کعب فقیر ہی ہوں گے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لقطہ خود استعمال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی

باب ضالة الابل

غرض یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ اونٹ کو نہ پکڑے لیکن یہ امن کے زمانہ میں تھا کاتب الحروف کے زمانہ میں ۱۴۱۱ھ میں جو کہ فتنہ کا زمانہ ہے پکڑ لینا ہی مناسب ہے کیونکہ غلط آدمی اونٹ کو بھی ہضم کرجاتے ہیں۔ عفاصھا:۔ وعائھا برتن

باب ضالة الغنم

غرض یہ ہے کہ بکری کو پکڑ لینا مستحب ہے کیونکہ اس کی ہلاکت کا خوف غالب ہے۔

باب اذا لم یوجد صاحب اللقطة بعد سنة فهی لمن وجدها

اس باب کی غرض میں دو تقریریں ہیں۔ ا۔ ایک سال کے بعد ملتقط مالک بن جائے گا غنی ہو یا فقیر ہو تعریف کی ہو یا نہ کی ہو اور یہ مذہب داؤد ظاہری کا ہے اور شوافع میں سے امام کرابیسی کا ہے جمہور فقہاء کے نزدیک اگر موجود ہو تو واپس کرنا ضروری ہے ورنہ قیمت واجب ہے ولنا حدیث الباب عن زید بن خالد مرفوعاً فان جاء صاحبھا والا فشانک بھی ولداؤد والکرابیسی آئندہ باب کی روایت عن ابی ہریرۃ مرفوعاً فاذا ھو بالخشبۃ فاخذھا لاھلہ حطباً جواب۔ معمولی چیز میں گنجائش ہوتی ہے ہر چیز کا یہ حکم نہیں ہے۔ ۲۔ باب کی غرض میں دوسری تقریر یہ ہے اگر سال بھر گذرنے پر بھی مالک نہ آئے تو اُس چیز سے نفع اٹھالے اس غرض کی تقریر کی تائید آئندہ ایک باب سے ہوتی ہے جس میں یوں ہے

باب اذا جاء صاحب اللقطة بعد سنة ردها الیه لانها ودیعة عنده انتهیٰ

اس دوسری تقریر پر جمہور کے قول سے مخالفت نہ رہی۔

باب اذا وجد خشبة فی البحر او سوطا اونحوه

غرض میں تین تقریریں ہیں۔ ا۔ ظاہر یہ غرض ہے کہ سمندر کی لکڑی وغیرہ پائے تو مالک بن جائے گا اور جمہور کے نزدیک سمندر کی چیز بھی خشکی کی چیز کی طرح ہی ہے اگر قیمت والی چیز ہوگی تو لقطہ ہوگی بے قیمت ہو تو استعمال کرلے۔ ۲۔ ایک سال اگر مالک نہ آئے تو سمندر سے ملنے والی چیز کا مالک بن جائے گا۔ ۳۔ ایک سال کے بعد مالک نہ ملا تو پھر استعمال کرلے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

باب اذا وجد تمرة فی الطریق

غرض یہ ہے کہ کھجور کے ایک دانہ کی تعریف نہیں ہے لیکن ہاشمی اور سید اس کو کھانے سے بچے کہ شاید صدقہ واجبہ ہو زکوٰۃ عشر وغیرہ جو ہاشمی اور سید کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیف تعرف لقطۃ اہل مکۃ:۔ غرض کی تین تقریریں ہیں۔ ا۔ مکہ مکرمہ کے لقطہ کی تعریف کی زیادہ تاکید ہے۔ ۲۔ حرم کے لقطہ کا کوئی مالک نہیں بن سکتا اور یہی مسلک امام شافعی کا ہے وعندالجمہور لقطہ حرم اور غیر حرم کا ایک جیسا ہے۔ منشاء اختلاف اس باب کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً ولا تحل لقطتھا الا لمنشد ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ۔ ا۔ تاکید کے

سوا کوئی زائد حکم ارشاد نہیں فرمایا۔۲۔کوئی بھی مالک نہ بن سکے نہ غنی۔ نہ فقیر تو اس صورت میں خراب ہونے والی چیز ضائع ہو جائے گی جو اسراف ہے۔۳۔تیسری تقریر غرض کی یہ ہے کہ امام بخاری اس شخص کا رد فرمانا چاہتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ حرم کا لقطہ نہ اٹھایا جائے خود مالک ہی آکر اٹھائے گا حدیث میں الالمنشد سے رد ہو گیا۔

باب لا تحلب ما شية احد بغير اذن

کسی کی بکری گائے اونٹنی وغیرہ کا دودھ بلا اجازت نکالنا جائز نہیں ہے یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے پھر لفظ ماشیہ بکری۔ گائے اور اونٹنی تینوں پر بولا جاتا ہے اور زیادہ استعمال بکری پر ہوتا ہے۔

باب اذا جاء صاحب اللقطة بعد سنة ردها عليه لا نها وديعة عنده

غرض یہ ہے کہ اگر سال کے بعد بھی مالک آجائے تو مالک کو دیا جائے گا سوال پیچھے دو باب ایسے گذرے ہیں جو اس باب کے خلاف ہیں جواب اُن بابوں کی اغراض میں راجح وہی توجیہات ہیں جو اس باب کے بھی مطابق ہیں اور جمہور کے قول کے بھی مطابق ہیں گویا اس باب نے اُن دونوں بابوں کی وضاحت کر دی۔

باب هل يا خذ اللقطة ولا يدعها تضيع حتىٰ لا يا خذ ها من لا يستحق

غرض یہ ہے کہ لقطہ اٹھائے یا نہ اٹھائے افضل کیا ہے یہ رائے مبتلیٰ بہ پر ہے۔

باب من عرّف اللقطة ولم يد فعها الى السلطان

غرض رد کرنا ہے امام اوزاعی کے قول کا جو فرماتے ہیں کہ زیادہ قیمتی ہو تو بادشاہ تک پہنچائے ورنہ خود تعریف کرے۔ باب۔ تتمہ ہے ماقبل کا کہ بکری وغیرہ کا دودھ بھی لقطہ ہی کی طرح ہے اسی لئے حضرت ابوبکر نے راعی سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں جب مالک کا پتہ چل گیا کہ وہ ہمارا واقف ہے تو اُس وقت ایک بکری کا دودھ لیا کیونکہ مالک کی ولالۃً اجازت تھی۔ کُثبة من لبن:۔ اس کے معنیٰ ۔۱۔ ایک دفعہ جتنا دودھ نکلتا ہے۔۲۔ تھوڑا سا دودھ۔۳۔ ایک پیالہ دودھ۔ علیٰ فمها خرقة:۔ یہ مستحسن نظافت تھی۔

ابواب المظالم والقصاص

غرض ظلم کی مذمت اور بدلہ لینے کے جواز کے احکام بتلانا ہے۔

باب فى المظالم والغصب

غرض یہ ہے کہ غصب بھی ظلم میں داخل ہے۔

باب قصاص المظالم

غرض یہ ہے کہ قیامت کے دن سب ظلموں کا بدلہ دینا ہوگا۔ فيتقاصّون مظالم كانت بينهم فى الدنيا:۔ مراد چھوٹے ظلم ہیں جو صغیرہ گناہ کے درجہ میں تھے لا حدهم بمسكنه فى الجنة ادل بمنزله فى الدنيا:۔ کیوں جنت کا گھر جلدی پہچان لیں گے وجہ میں چار تقریریں ہیں۔۱۔ وہاں پہچاننا بداھۃً ہوگا جبکہ یہاں پہچاننا اسباب کے ذریعہ سے ہے۔۲۔قبر میں صبح و شام یہ گھر دکھایا جاتا تھا۔ ۳۔فرشتوں کی رہنمائی میں پہچاننا آسان ہوگا۔۴۔ روحیں سب مومنین کی ایک روایت کے مطابق مرتے ہی جنت میں چلی جاتی ہیں قیامت بعد مع الابدان جائیں گی اس لئے پہچاننا بالکل آسان ہوگا۔

باب قول الله تعالىٰ الا لعنة الله على الظالمين

غرض یہ ہے کہ قیامت کے دن فرشتے یا انبیاء علیہم السلام ظالمون پر لعنت فرمائیں گے اور کہیں گے الا لعنة الله على الظالمين:۔

باب لا يظلم المُسلم المسلَم ولايُسلمه

غرض یہ ہے کہ نہ خود ظلم کرے نہ کسی کو کرنے دے۔

المسلم اخو المسلم کیونکہ دونوں کا باپ ایک یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماں ایک یعنی شریعت ومن ستر مسلماً:۔ گناہ سے روکنا اعلیٰ درجہ کی پردہ پوشی ہے۔

باب اعن اخاك ظالما او مظلوماً

غرض یہ ہے کہ امداد مستحب ہے اور نفس اور شیطان جس پر ظلم

کررہے ہیں اور گناہ کرارہے ہیں وہ بھی مظلوم ہے۔

باب نصر المظلوم

غرض یہ ہے کہ مظلوم کی امداد واجب ہے۔

باب الا نتصار من الظالم

غرض یہ ہے کہ بدلہ لینا جائز ہے اور بعض حالات میں اولیٰ ہوتا ہے جبکہ بغض پیدا ہونے کا خطرہ ہو بدلہ نہ لینے کی صورت میں پھر حدیث مسند ذکر نہ فرمائی آیتوں پر اکتفاء فرماتے ہوئے۔ **لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول**:۔ بصورت غیبت اور بصورت بددعاء یہ دونوں بھی ایک قسم کا بدلہ لینا ہی ہے۔

باب عفو المظلوم

فرض یہ ہے کہ مستحب ہے۔ کہ مظلوم معاف کردے پھر حدیث مسند ذکر نہ فرمائی اپنی شرط پر نہ پانے کی وجہ سے یا آیات کو ہی کافی شمار فرمایا۔

باب الظلم ظلمات یوم القیامة

غرض یہ کہ ظلم کی سزا یہ ہے کہ قیامت میں اندھیروں میں ہوگا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ظلم دل کی ظلمت اور سیاہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

باب الا تقاء والحذرمن دعوة المظلوم

غرض یہ ہے کہ ظلم سے بچے تاکہ بددُعاء سے بچ جائے۔

باب من کا نت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل یبیّن مظلمة

غرض یہاں ابہام سے بیان فرمایا ہے اختلاف کی وجہ سے کہ معافی مانگتے وقت ظلم کی تفصیل ضروری ہے یا نہ آگے ایک باب جوڑ کر اپنی رائے بیان فرمادی کہ ضروری نہیں اور یہی راجح قول شمار کیا گیا ہے اور علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ اگر غیبت صاحب حق تک نہ پہنچی ہو یعنی جس کی غیبت کی ہے اس کو اطلاع نہیں پہنچی کہ فلاں نے میری غیبت کی ہے تو اس صورت صرف توبہ کرلینی کافی ہے اُس سے معافی مانگنی ضروری نہیں ہے۔

باب اذا حلله من ظلمه فلا رجوع فیه

غرض یہ ہے کہ معاف کردینے کے بعد مال وغیرہ کسی چیز میں رجوع کا حق نہیں رہتا۔ **اجعلکَ من شاء نی فی حل**:۔ میں اپنا آئندہ کا حق معاف کرتی ہوں اس سے استنباط فرمایا کہ جب آئندہ کا حق معاف ہوسکتا ہے تو ماضی کا بطریق اولیٰ ہوسکتا ہے۔

باب اذا اذن له او حلله ولم یبین کم هو

غرض یہ ہے کہ حق کی تفصیل بیان کرنا معافی مانگنے کے لئے ضروری نہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام سے معافی مانگی حالانکہ یہ تو معلوم نہ تھا کہ وہ کتنے گھونٹ دودھ کے پئے گا۔ **فتلّه**: رکھدیا۔

باب اثم من ظلم شیئا من الارض

غرض اس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے کہ زمین میں غصب نہیں ہے۔ **طوقه من سبع ارضین**۔ یعنی اتنے ٹکڑے کے برابر ہر ہر زمین سے سات زمینوں میں سے لے کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

باب اذا اذن انسان لآخر شیئا جاز

غرض یہ ہے کہ کوئی اپنا حق معاف کردے تو پھر حق تلفی کرنے والے کو گناہ نہیں ہوتا۔

باب قول اللہ تعالیٰ وهو الدالخصام

الد کے معنی۔ ۱۔ ٹیڑھا۔ ۲۔ اشد۔

باب اثم من خاصم فی باطل وهو یعلمه

غرض جان بوجھ کر خصومة بالباطل کرنے کی مذمت۔ سوال یہ باب اور گذشتہ ایک ہو گئے جواب۔ گذشتہ میں اشدّیۃ کی مذمت تھی اور اس باب میں نفس خصومة بالباطل کی مذمت ہے۔

باب اذا خاصم فجر

غرض کی دو تقریریں۔ ۱۔ اس کی مذمت جو جھگڑے میں گالی دیتا ہے۔ ۲۔ اس کی مذمت جو جھگڑے میں حق سے عدول کرتا ہے۔

باب قصاص المظلوم اذا وجد مال ظالمه

غرض یہ ہے کہ مظلوم کے لئے جائز ہے کہ ظالم کے مال سے

اپنا حق لے لے۔ فان لم یفعلو افخذ وا منہم حق الضیف :۔ سوال جمہور فقہاء کے نزدیک ضیافۃ سنت موکدہ ہے واجب نہیں ہے۔ جواب یہ حدیث اضطرار پر محمول ہے کھا کر قیمت دے دے۔۲۔اس زمانہ پر محمول ہے جب کہ ساعی کی تنخواہ بیت المال سے مقرر نہ کی گئی تھی۔اب ایسا نہیں کرسکتا۔۳۔اس زمانہ پر محمول ہے جب ضیافۃ واجب تھی۔ جب واجب نہ رہی تو یہ حکم بھی ختم ہو گیا۔ باب ماجاء فی السقائف :۔دو غرضیں ہیں۔۱۔سقائف سے نفع اٹھانا جائز ہے یہ جمع ہے سقیفہ کی چھت والی جگہ۔۲۔سقائف بنانے جائز ہیں اگر چہ کسی کی ہوا رک جائے یا دھوپ رُک جائے کیونکہ اس میں عوام کا فائدہ ہے اس کو آج کل سرائے کہتے ہیں۔

باب لا یمنع جار جاره ان یغرز خشبة فی جداره

غرض پڑوسی کا حق بتلانا ہے کہ اس سے زائد ظلم ہے پھر اکثر فقہاء کے نزدیک یہ حق استحبابی ہے بعض وجوب کے بھی قائل ہوئے ہیں جبکہ پڑوسی کا اس میں نقصان نہ ہو۔امام بخاری کی کلام میں دونوں احتمال ہیں حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ امر دیانۃ ہے قضاءً نہیں ہے۔

باب صب الخمر فی الطریق

غرض یہ ہے کہ جب شراب حرام ہوئی تو اس کی ذلت ظاہر کرنے کے لئے راستوں میں بہادی گئی اب نجاست راستہ میں ڈالنا ظلم شمار ہوگا۔ا لفضیخ :۔بُسر سے بنائی ہوئی شراب۔

باب افنیة الدور والجلوس فیها والجلوس علی الصعدات

صُعُدات کے معنیٰ اور وزن طُرُقات ہے۔ غرض یہ ہے کہ راستہ میں بیٹھنا جائز ہے جبکہ گذرنے والوں کا نقصان نہ ہو۔

باب الآبار علی الطرق اذا لم یتاء ذبها

غرض یہ ہے کہ راستہ میں کنواں بنانا جبکہ گزرنے والوں کا نقصان نہ ہو جائز بلکہ مستحب ہے۔ باب اماطۃ الاذیٰ :۔غرض یہ ہے کہ جو چیز راستہ چلنے والوں کو نقصان دے اس کا ہٹا دینا ثواب کا کام ہے۔

باب الغرفة والعلية المشرفة وغير المشرفة فی السطوح وغيرها

غرض یہ ہے بالاخانے بنانا جائز ہے۔ مشرفہ جن میں سے جھانکا جاسکے۔ جواز عام ہے چھت پر بنے ہوں یا اونچی جگہ مثلاً ٹیلے پر بنے ہوں۔ اوضاً :۔ احسن انی ارید اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ :۔ جب آخرت کا ارادہ کرلیا تو وفات کے بعد نکاح چھوڑنے کا ارادہ بھی کرلیا کیونکہ وہ بھی دنیا کا فائدہ ہی ہے۔

باب من عقل بعيره علی البلاط اوباب المسجد

بلاط صحن کو کہتے ہیں غرض یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو تو صحن کے کنارے پر یا مسجد کے دروازے پر اونٹ باندھنا جائز ہے۔ سوال مسجد کے دروازے پر باندھنے کا تو ذکر حدیث میں نہیں ہے۔ جواب اس کو بلاط پر قیاس فرمایا

باب الوقوف والبول عند سباطة قوم

غرض یہ کہ کوڑے کرکٹ پر کھڑے ہونا یا وہاں پیشاب کرنا ظلم نہیں ہے۔

باب من اخذ الغصن و ما یوذی الناس فی الطریق فرمی به

غرض یہ کہ اماطۃ الاذی ثواب کا کام ہے۔

باب اذا اختلفوا فی الطریق المیتاء الخ

المیتاء مفعال کا وزن ہے اتیان سے آنے کا ذریعہ اختلاف کے موقعہ میں راستہ سات گز ہونا چاہئے۔ یہ مسئلہ بیان فرمانا مقصود ہے اس کی تائید مصنف عبدالرزاق کی روایت سے بھی ہوتی ہے عن ابن عباس مرفوعاً اذا اختلفتم فی الطریق المیتاء فاجعلوھا سبعۃ اذرع۔

باب النهبیٰ بغیر اذن صاحبه

نُھبیٰ کی مذمت مقصود ہے اس کے اصل معنیٰ تو ڈاکہ ڈالنے کے

ہیں لیکن اس کی یہ دو تفسیریں بھی کی گئی ہیں گویا یہ بھی ڈاکہ کے مشابہ ہیں ۱۔ دعوت میں جو چیز کسی ایک کے سامنے رکھی گئی ہو وہ دوسرا بلا اجازت اٹھالے ۲۔ تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے کچھ لے لینا۔

باب کسر الصلیب وقتل الخنزیر

غرض کی تین تقریریں ہیں۔ ۱۔ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے صلیب توڑنا جائز ہے۔ ہمارے لئے صرف جہاد میں جائز ہے ذمی بننے کے بعد ذمیوں کی صلیب توڑنی جائز نہیں ۲۔ عیسائیوں کا عقیدہ غلط کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھائے گئے تھے ۳۔ اہل حرب کی صلیب توڑنی جائز ہے۔

باب هل تكسر الدنان التي فيها خمر الخ

غرض یہ ہے کہ محتسب کے اذن سے شراب کے مٹکے توڑنا مشکیزے پھاڑنا بت توڑنا۔ صلیب توڑنا ڈھول توڑنا جائز ہے اور ضمان بھی نہیں ہے اور بلا اذن محتسب صرف لکڑی اور لوہے کی ضمان آئے گی **او مالا ینتفع بخشبه**:۔ دو معنیٰ ۱۔ عطف عام علی الخاص کہ ایسی ہی اور نا جائز چیزیں ۲۔ او بمعنیٰ الی آن کہ ان کو توڑ کر ایسا بنا دیا گیا کہ لکڑی بھی قابل انتفاع نہ رہی۔ **سھوۃ**:۔ دیوار میں طاق۔ **نمرقتین**: نیچے بچھانے کے گدے دو توجیہیں ۱۔ تصویروں کے سر مٹا دیئے تھے ۲۔ صرف نقش ونگار تھے نیچے آنے سے زینت ختم ہوگئی۔

باب من قتل دون ماله

غرض اُس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے کہ مال کی حفاظت میں جو قتل کر دیا جائے وہ شہید نہیں ہے۔

باب اذا كسر قصعة او شيئاً بغيره

جواب محذوف ہے مثلی شی میں مثل دینی ہوگی اور ذوی القیم میں قیمت دینی ہوگی یہی مسئلہ بتلانا باب کی غرض ہے۔ سوال پیالہ تو ذوی القیم میں سے ہے جواب امام بیہقی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دونوں پیالے دو گھروں میں رکھے ہوئے تھے اس لئے ضمان صرف طعام کی تھی۔

باب اذا هدم حائطاً فليبن مثله

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ کسی کی دیوار گرائے تو ویسی بنا کر دے۔

باب الشركة في الطعام

الشرکۃ راء کے سکون اور راء کے کسرہ کے ساتھ لغۃً اختلاط اور شرعاً ثبوت حق فی شئی لاثنین فما زاد غرض یہ ہے کہ کھانے میں بھی شرکت جائز ہے۔ **النھد**:۔ بفتح النون وکسرھا سفر وغیرہ میں کھانے پینے کا اکٹھا انتظام کرنا۔

مجازفة الذهب والفضة

ایک صرف سونا لے لے دوسرا صرف چاندی لے لے۔
قران فی التمر:۔ جب اجازت ہو تو کچھ حرج نہیں یہ اباحت کی صورت ہے بیع کی صورت نہیں ہے۔ **مزودی تمر**:۔ کھجور کے دو تھیلے مزود کے معنیٰ توشہ دان کے ہیں۔ **الظرب**:۔ چھوٹی پہاڑی **وبرک علیہ**:۔ برکت کی دعاء فرمائی **ارملوا**:۔ زاد ختم پایا انہوں نے **فھم منی وانا منھم**:۔ میرا اور ان کا طریقہ ایک ہے۔

باب ما كان من خليطين فانهما يتراجعان بينهما بالسوية في الصدقة

غرض یہ ہے کہ دو شریک اگر خرچ کم زیادہ کریں تو اسی حساب سے ایک دوسرے سے رجوع کریں۔

باب قسمة الغنم

غرض یہ ہے کہ معمولی چھوٹی بڑی ہونے کا لحاظ نہیں کیا جاتا اما السن فعظم دانت اکھڑا ہوا بھی ہو تو وہ اکثر قطع نہیں کرتا اس لئے ذبح میں شک رہتا ہے۔

باب القران في التمر بين الشركاء حتىٰ يستاذن اصحابه

غرض یہ کہ دو کھجوریں اکٹھی کھانا آداب مجلس کے خلاف ہے۔

باب تقويم الاشياء بين الشركاء بقيمة عدل

غرض یہ ہے کہ قیمت کے حساب سے تقسیم بالا جماع جائز

ہے۔ثم استسعی غیر مشقوق علیہ:۔عند امامنا ابی حنیفۃ اگر کوئی اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کرے اور ہو بھی غریب تو غلام اپنے باقی حصہ کی قیمت میں سعی کرے گا یعنی کما کر لائے گا اور پھر پورا آزاد ہو جائے گا جمہور کے نزدیک بقیہ غلام رہے گا ولنا روایۃ ابی داؤد وحدیث الباب عن ابی ہریرۃ مرفوعاً ثم استسعی غیر مشقوق علیہ وللجمہور روایۃ ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً والا فقد اعتق منہ ما اعتق جواب یہ سعی سے پہلے پہلے اس کا جو حال ہے وہ بیان فرمایا ہے۔

باب یقرع فی القسمة والا ستهام فيه

غرض یہ ہے کہ قیمت کے لحاظ سے برابر حصے کر کے قرعہ اندازی سے یہ فیصلہ کرنا مسنون ہے کہ کون کونسا حصہ لے تا کہ تہمت کا موقعہ نہ ہو۔ یہاں استہام کے معنیٰ قرعہ اندازی کے نہیں کیونکہ پھر تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قرعہ اندازی میں قرعہ اندازی کرنی چاہئے بلکہ معنیٰ میں حصہ لینا۔ وان اخذ واعلیٰ ایدیھم نجوا ونجوا جمیعاً:۔ مقصد یہ ہے کہ عوام نیچے کی منزل میں سوار ہونے والوں کی طرح ہیں اور علماء اوپر کی منزل میں سوار ہونے والوں کی طرح ہیں۔عوام کے ذمہ ہے کہ علماء کا ادب واحترام کریں اور اُن سے مسائل پوچھ کر عمل کریں اور علماء کے ذمہ ہے کہ وہ علم کا پانی عوام کو دیں جو آب حیٰوۃ ہے اور ان کی نگرانی رکھیں کہیں وہ غلط کاری سے اپنے آپ کو بھی اور علماء کو بھی ہلاک نہ کر دیں:۔

باب شركة اليتيم واهل الميراث

غرض یہ ہے کہ یتیم کو صرف شدید ضرورت میں شریک کرنا چاہئے وان تخا لطوهم فاخوانكم والله يعلم المفسدمن المصلح.

باب الشركة فى الا رضين وغيرها

غرض اُس شخص کا رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ صرف اُسی زمین مکان کی تقسیم جائز ہے جس کی تقسیم کے بعد ہر شخص حصہ قابل انتفاع بچے فرمار ہے ہیں کہ ہر زمین اور مکان کی تقسیم جائز ہے ہر تقسیم کرانے والا فائدہ اٹھا سکے یا نہ۔

باب اذا اقتسم الشركاء الدوراو غيرها فليس لهم رجوع ولا شفعة

غرض یہ ہے کہ تقسیم لازم ہوتی ہے اس میں رجوع یا شفعہ نہیں ہوتا۔

باب الا شتراک فی الذهب والفضة و ما يكون فيه من الصرف

غرض یہ ہے کہ سونے چاندی اور صرف یعنی کھوٹ والے دراہم میں بھی شرکت جائز ہے۔

باب مشاركة الذمى والمشركين فى المزارعة

غرض یہ کہ کافروں کے ساتھ بھی مزارعت میں شرکت جائز ہے۔

باب قسمة الغنم والعدل فيها

غرض یہ ہے کہ بکریوں کی تقسیم میں بھی انصاف ضروری ہے۔ پھر جس حدیث سے استدلال فرمایا وہ تبرع والی ہے اور ظاہر اس میں برابری ہے اس لئے عدل اور برابری کا استدلال فرمالیا

باب الشركة فى الطعام وغيره

غرض یہ ہے کہ طعام میں بھی شرکت جائز ہے۔ فغمزہ آخر اشارہ سے دیانۃً تو شرکت ثابت ہو سکتی ہے قضاءً نہیں۔

باب الشركة فى الرقيق

غرض یہ ہے کہ غلام میں بھی شرکت صحیح ہے۔

باب الا شتراک فى الهدى والبدن

غرض یہ ہے کہ ھدی میں اور ھدی کے اونٹوں میں بھی شرکت صحیح ہے۔ پھر حضرت علی کا شریک ہونا کیسے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو کچھ اونٹ بطور ہبہ کے دیئے تھے جو انہوں نے نحر فرمائے پس دونوں حضرات اونٹ نحر فرمانے والے بن گئے اس لئے صورۃً شرکت پائی گئی۔۲۔۳۷ اونٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی نے نحر فرمائے یہ صورۃً شرکت ہوئی۔۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ۶۳ اونٹ نحر

فرمائے تو اس میں بھی حضرت علی ساتھ ساتھ اعانت کر رہے تھے اور یمن سے اونٹ لے کر آئے اس لحاظ سے مُعین بن گئے یہی صورۂ شرکت تھی۔ ففشت فی ذلک القالة:۔ اور بعض نسخوں میں المقالة ہے معنیٰ دونوں کے ایک ہی ہیں۔ یکفُہٗ اور بعض نسخوں میں بکفہ بھی ہے دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں اور وہ معنیٰ یہ ہیں کہ ہاتھ کی انگلیاں اکٹھی کر کے قطرے ٹپکنے کا اشارہ کیا۔

باب من عدل عشراً من الغنم بجز ورفی القسم

غرض یہ ہے کہ جس نے بعض قیمت کے لحاظ سے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر شمار کرتے ہیں ان کے لئے بھی سنت سے اصل ہے۔ یہ معنیٰ نہیں کہ قربانی میں اونٹ دس بکریوں کے برابر ہوتا ہے۔

باب الرهن فی الحضر

غرض رہن کے احکام بیان کرنے میں اور حضر کی قید اس لئے لگائی کہ یہ اشارہ کر دیں کہ آیت میں جو سفر کی قید ہے وہ اتفاقی ہے۔ لغت میں رہن کے معنیٰ احتباس کے ہیں اور شرع میں دو معنیٰ کئے گئے۔ ا۔ حبس شئی وثیقۃ فی دین۔ ۲۔ توثیق الدین بالعین۔

باب من رهن درعه

غرض یہ ہے کہ لوہے کا کرتہ جس کو درع کہتے ہیں اس کو رہن رکھنا جائز ہے۔

باب رهن السلاح

غرض تعمیم بعد التخصیص ہے۔

باب الرهن مرکوب و محلوب

غرض رہن رکھے ہوئے جانور پر سوار ہونا اور اس کا دودھ نکالنا جائز ہے اگرچہ اصل یہی ہے کہ مرتھن رہن سے نفع نہیں اٹھا سکتا لیکن اگر راہن جانور کا نفقہ نہ دے تو دودھ سے نفقہ لے سکتا ہے۔ ا۔ یہی ایک توجیہ ہے اس باب کی روایت کی جس میں رہن سے نفع اٹھانے کا جواز مذکور ہے۔ ۲۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ روایت حرمت ربوٰ سے پہلے کی ہے۔

باب الرهن عند الیهود وغیرهم

غرض یہودیوں اور دوسرے کافروں مثلاً نصاریٰ کے پاس رہن رکھنا جائز ہے۔

باب اذا اختلف الراهن والمرتهن ونحوه فالبینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه

غرض یہ ہے کہ جب راہن اور مرتھن یا مثلاً متبایعین میں اختلاف ہو اصل رہن میں یا مقدار رہن میں مثلاً تو یہ اصول جاری ہوگا کہ مدعی کے ذمہ گواہ ہوں گے اور مدعیٰ علیہ کے ذمہ قسم ہوگی۔ فی العتق وفضله:۔ غرض عتق کے احکام اور فضیلت کا بیان ہے اور عتق کے معنیٰ ہیں ھو التخلص عن الرقیۃ۔

باب ای الرقاب افضل

غرض یہ ہے کہ کس غلام کو آزاد کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔ او تصنع لاخرق:۔ جو صنعت سے ناواقف ہو اس کے لئے کام کر دو۔ تصدق بها علی نفسک:۔ اپنے نفس کو ظلم کے عذاب سے بچالو گے۔

باب ما یستحب من العتاقة فی الکسوف والآیات

غرض یہ ہے کہ کسوف اور دوسری آیات مثلاً آندھی اور زلزلہ اور اندھیرا ان میں غلام کو آزاد کرنا مستحب ہے۔

باب اذا اعتق عبداً بین اثنین اوامة بین الشرکاء

غرض عبد مشترک کا حکم بیان کرنا ہے پھر عبد اور امۃ کے ذکر میں فرق کیوں فرمایا کہ ایک میں اثنین اور دوسرے میں شرکاء ذکر فرمایا۔ ا۔ تفنن ہے ۲۔ لفظ حدیث کی محافظت ہے پھر جواب اذا کا محذوف ہے حکمہ فی الحدیث:۔ یقوم علیه قیمة عدل یہ جزا نہیں بلکہ صفت ہے۔ فاعتق منه ما اعتق:۔ یہ جزاء ہے۔ ما یبلغ:۔ ای ما یبلغ ثمنه۔

باب اذا اعتق نصیباله فی عبد ولیس له مال استسعی العبد غیر مشقوق علیه علی نحوالکتابة

غرض یہ ہے کہ غلام کے ایک حصہ کو آزاد کرنے والا اگر

غریب ہو تو غلام سعی کرے گا اس میں حنفیہ کا مذہب اختیار فرمایا تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ تابعہ حجاج بن حجاج: غرض یہ ہے کہ استعا کی زیادتی یہ حضرت قتادہ کی طرف سے مدرج نہیں ہے جیسا کہ جمہور کی طرف سے کہا گیا ہے اختلاف گزر چکا۔

باب الخطاء والنسیان فی العتاقة والطلاق ونحوه

غرض یہ ہے کہ خطا اور نسیان اور اکراہ میں طلاق اور عتاق نہ ہو نگے گویا جمہور کی موافقت فرمائی حنفیہ کے نزدیک اکراہ میں طلاق وعتاق واقع ہو جاتے ہیں۔ منشاء اختلاف روایۃ الطبرانی عن ثوبان مرفوعاً رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرهوا علیه ہمارے نزدیک اخروی گناہ کی نفی پر محمول ہے اور جمہور کے نزدیک...... دنیوی اثر بھی اس میں داخل ہے کہ دنیا میں بھی طلاق وعتاق واقع نہ ہونگے اور ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے کیونکہ خطا میں کفارہ بالا جماع ثابت ہے نسیان سے نماز قضا ہو جائے تو یاد آنے پر پڑھنی ہوتی ہے پھر جمہور کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے عن عائشۃ مرفوعاً لاطلاق ولاعتاق فی غلاق جواب۔۱۔ قال ابوداؤد الغلاق اظنه فی الغضب انتہی یعنی ایسا غصب جو جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہو۔۲۔ اکراہ علی الکفر مراد ہے جبکہ دل مطمئن بالایمان ہو۔ ولا عتاقة الا لوجه الله تعالیٰ:۔ غرض رد کرنا ہے بعض حنفیہ کا جنہوں نے کہہ دیا کہ اگر کوئی یوں کہے ھو حر لوجه الشیطان یا کہے ھو حر لوجه الصنم تو پھر بھی غلام آزاد ہو جائے گا رد فرما دیا کہ آزاد نہ ہوگا ہم جواب دیتے ہیں کہ اگر معبود کے درجہ میں تعظیم مقصود ہے تو مرتد ہو گیا ورنہ فاسق ہو گیا اس کی سزا آخرت میں ہوگی ھو حر کہنے سے غلام دنیا میں آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس کا تعلق تلفظ سے ہے اور خطا ونسیان بھی نہیں ہے۔

باب اذا قال رجل لعبده هو لله ونوی العتق والاشهاد فی العتق

غرض یہ ہے کہ صرف ھو للہ کہنے سے اور اعتاق کی نیت کرنے سے بھی غلام آزاد ہو جاتا ہے اور دوسرا مسئلہ یہ بھی بیان فرما دیا کہ اعتاق میں گواہ بنالینا بھی مستحب ہے۔

باب ام الولد

غرض ام ولد کی بیع کا جواز بیان فرمانا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شروع شروع میں اختلاف رہا ہے کہ ام ولد کی بیع جائز ہے یا نہ پھر حضرت عمر کے زمانہ میں اجماع ہو گیا عدم جواز پر اور یہی ائمہ اربعہ کا مسلک ہے اس لئے امام بخاری کے اس قول کو شاذ شمار کیا گیا ہے اجماع کے علاوہ ہماری دلیل مسند احمد کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً من وطئ امة فولدت له فهی معتقة عن دبر منه وللبخاری کہ اس باب کی روایت میں عن عائشة هذا اخی ابن ولیدة زمعة اس میں ام ولد کو ولیدہ کہا گیا ہے معلوم ہوا کہ وہ بھی دوسرے غلاموں کی طرح محل بیع ہے جواب۔۱۔ چونکہ بچہ زنا سے ہوا تھا اس لئے اس کو ام ولد شمار نہ کیا گیا۔۲۔ یہ اجماع کے خلاف ہے جیسے حرمۃ متعہ پر اجماع ہوا اور وجوب غسل فی الاکسال پر اجماع ہوا۔ اور مخالف روایتوں کو چھوڑا گیا۔۳۔ اطلاق ولیدہ کا تشبیہاً ہے اس سے جواز بیع ثابت نہیں ہوتا۔ ان تلد الامة ربتها: بعض نے اس سے ام ولد کی بیع کا جواز اور بعض نے حرمت ثابت کی ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ نہ جواز پر دال ہے نہ حرمت پر کیونکہ اس کے بہت سے معنیٰ کئے گئے ہیں مثلاً عقوق والدین اور کثرت حروب۔

باب بیع المدبر

غرض بیع مدبر کا حکم بیان فرمانا ہے اور تفصیل پیچھے گزر چکی ہے

باب بیع الولأ وهبة

غرض یہ ہے کہ ولاء کا بیچنا یا ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

باب اذا اسر اخو الرجل او عمه هل یفاوئ اذا کان مشرکا

غرض رد ہے حنفیہ کے قول پر کہ ذی رحم محرم ملک میں آتے ہی آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عباس چچا تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے اور حضرت علی اپنے بھائی عقیل کے مالک بنے لیکن وہ آزاد نہ ہوئے بلکہ فدیہ دینا پڑا۔ جواب:۔ صرف قید ہونا کافی نہیں ہے جب تک کہ امام ان کو غلام نہ بنائے۔ کیونکہ امام کو یہ بھی تو اختیار ہوتا ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مفت چھوڑ دے یا قتل کروادے۔ ۲- ملک تقسیم بین المجاہدین کے بعد آتی ہے اس سے پہلے حق تملک ہوتا ہے۔ اختلاف:۱- عندامامنا ابی حنیفۃ واحمد ہر ذی رحم محرم آزاد ہو جاتا ہے وعندالشافعی صرف اصول وفروع آزاد ہوتے ہیں وعند مالک اصول وفروع اور بہن بھائی آزاد ہوتے ہیں۔ منشاء اختلاف روایۃ ابی داؤد عن سمرۃ مرفوعاً من ملک ذارحم محرم فھو حر ہمارے نزدیک یہ روایت اپنے عموم پر ہے وعندالشافعی کامل ذی رحم محرم مراد ہیں اور وہ اصول وفروع ہیں وعند مالک بہن بھائی بھی کامل ذی رحم محرم ہیں جواب دونوں کے استدلال کا یہ ہے کہ بلا دلیل نص کے ظاہر کو نہیں چھوڑ سکتے۔

باب عتق المشرک

غرض یہ ہے کہ کافر کا آزاد کرنا بھی معتبر ہے اس باب میں حدیث کی وجہ سے اضافت الی الفاعل ہے۔

باب من ملک من العرب رقیقا فوھب وباع وجامع وفدی وسبی الذریۃ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اہل عرب سے بھی غلام بنانا اور غلاموں والے سب تصرفات کرنا ہبہ۔ بیع وغیر جائز ہے گویا امام مالک وامام شافعی کا مسلک لیا وعندامامنا ابی حنیفۃ اہل عرب کو غلام نہیں بنا سکتے اور امام احمد کی دو روایتیں ہیں ایک امام شافعی کے ساتھ ایک ہمارے ساتھ ولنا۔ ۱- **تقاتلونھم اویسلمون.** ۲- ان کی شرافت' ۳- فی کتاب الاموال لابی عبید عن الشعبی عن عمر موقوفاً لیس علی عربی ملک ولمالک والشافعی۔ ۱۔ قولہ تعالیٰ ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً لایقدر علی شئی اس میں قید نہیں ہے عربی کی نہ عجمی کی۔ ۲- زیر بحث باب کی روایات عن المسور رفسأ لوہ ان یرد الیھم اموالھم وسبیھم جواب ان کو تو آزاد کر دیا گیا تھا ان میں کوئی تصرف ھبہ وغیرہ کا نہیں کیا گیا۔ ۳- حدیث احباب عن ابی سعید فاصبنا سبیاً من سبی العرب جواب محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔

باب فضل من ادب جاریۃ وعلمها

غرض جاریہ کو ادب اور علم سکھانے کی فضیلت کا بیان ہے کہ یہ مستحب ہے۔

باب قول. نبی صلی الله علیه وسلم العبید اخوانکم فاطعموهم مماتا کلون

غرض اس حدیث کا بیان ہے اور اس میں امر استحبابی ہے ہمدردی مراد ہے مساوات جو حضرات ابوذر کرتے تھے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے یہ ان کا کمال فضل ہے۔ **باب العبد اذا احسن عبادۃ ربہ ونصح سیدہ:**۔ غرض اس غلام کی فضیلت کا بیان ہے جو حق اللہ اور حق العباد یعنی حق مولا دونوں ادا کرے۔

باب کراهیة التطاول علی الرقیق وقوله عبدی او امتی

غرض میں دو قول ہیں۔ ۱- غلام پر تکبر ظاہر کرنے کی کراہت اور عبدی اور امتی کہنے کی بھی کراہت ہے اس صورت میں قولہ کا عطف تطاول پر ہے۔ ۲- غلام پر تکبر ظاہر کرنے کی کراہت اور عبدی اور امتی کہنے کا جواز ہے اور عطف کراہت پر ہے پھر باب کی اکثر حدیثوں سے عبدی اور امتی کہنے کا جواز ظاہر ہوتا ہے اور ایک حدیث سے کراہت معلوم ہوتی ہے یہ کراہت تنزیہی ہے وہ بھی اپنی بڑائی کے شبہ کے ساتھ اور اگر صرف تعریف مقصود ہو تو کراہت نہیں ہے۔ اپنی بڑائی کا شبہ ہو تو شرک کا بھی وہم ہوتا ہے۔

باب اذا اتاه خادمه بطعامه

غرض یہ ہے کہ جب خادم کھانا لے کر آئے تو اس کو بھی ساتھ بٹھا لے یا کم از کم کچھ اس کے ہاتھ پر رکھ دے اور یہ مستحب ہے۔

باب العبد راع فی مال سیده

غرض یہ ہے کہ عبد کے ذمہ آقا کے مال کی حفاظت واجب ہے پھر

مال کو سید کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ غلام مالک نہیں ہوتا۔

باب اذا ضرب العبد فليجتنب الوجه

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کچھ تنبیہ غلام کو کرنی ہی ضروری ہے تو چہرہ پر ہرگز نہ مارے وجہ۔ ۱۔ اس انسان کا اکرام۔ ۲۔ چہرہ جامع المحاسن ہوتا ہے اس لئے اس کو قبیح نہ بنائے۔ ۳۔ چہرہ بدن کا لطیف عضو ہے اس پر اثر جلدی ہوتا ہے۔ ۴۔ خلق اللہ ادم علی صورتہ اس حدیث کی رو سے چہرے کا احترام اللہ تعالیٰ کا احترام ہے۔ قاری اور مدرس حضرات بھی ذہن میں رکھیں کہ اول تو بچوں کو مارنے کی ضرورت ہی نہیں زبان سے ڈانٹ ڈپٹ ہی بہت کافی ہونی چاہئے ضرور ہی تنبیہ کرنی ہو تو چہرے پر مارنا اور گھونسہ مارنا منع ہے۔ زیادہ مارنا ظلم اور گناہ ہے۔

كتاب المكاتب

غرض مکاتب کے احکام بیان فرمانا ہے۔

باب المكاتب و نجومه فى كل سنة نجم

غرض یہ ہے کہ مکاتب بنانا واجب ہے جب مکاتبۃ طلب کرے اور اس میں صلاحیت بھی ہو بدل کتابت ادا کرنے کی جمہور کے نزدیک مستحب ہے منشاء اختلاف یہی آیت مبارکہ ہے واللذين يبتغون الكتاب مماملكت ايمانكم فكا تبوهم ان علمتم فيهم خيراً ہمارے نزدیک استحباب پر اور امام بخاری کے نزدیک وجوب پر محمول ہے۔ ہمارے قول کے راجح ہونے کی وجہ۔ ۱۔ آپ کے قول میں حاکم کو محکوم بنانا ہے۔ ۲۔ جب باقی معاملات مدبر بنانا۔ ام ولد بنانا وغیرہ واجب نہیں تو یہ بھی واجب نہیں۔

باب مايجوز من شروط المكاتب و من اشترط شرطاً ليس فى كتاب الله

غرض یہ کہ کتاب اللہ کے احکام کے خلاف شرط باطل ہے۔

باب استعانة المكاتب و سواله الناس

غرض یہ ہے کہ مکاتب کے لئے سوال جائز ہے۔

باب بيع المكاتب اذا رضى

غرض یہ کہ مکاتب کی رضامندی سے اس کی بیع جائز ہے۔

باب اذا قال المكاتب اشترنى واعتقنى فاشتراه لذلك

غرض یہ ہے کہ شرط تو نہ لگائے وعدہ آزاد کرنے کا کرے اور مکاتب کو خرید لے تو جائز ہے۔

كتاب الهبة وفضلها و التحريض عليها

غرض ھبہ کے احکام و فضائل کا بیان ہے ھبہ کے لغت میں معنیٰ ہیں الاعطاء اور شرع میں ھوالتمليك بلاعوض فى الحيوٰة پھر اس کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ الابراء۔ قرضہ معاف کر دینا۔ ۲۔ الصدقۃ ثواب کے لئے کچھ دینا۔ ۳۔ الھدیۃ کسی انسان کو خوش کرنے کے لئے کچھ دینا۔

باب القليل من الهبة

دو غرضیں ہیں۔ ۱۔ قلیل سمجھ کر دینے سے نہ رکے۔ ۲۔ قلیل سمجھ کر لینے والا رد نہ کرے کراع:۔ دو معنیٰ ۱۔ بکری وغیرہ کے پائے۔ ۲۔ ایک جگہ کا نام۔

باب من استوهب من اصحابه شيئاً

غرض یہ ہے کہ جب بے تکلفی ہو اور کچھ مانگنے سے وہ خوش ہوتے ہوں تو مانگ لینے میں کچھ حرج نہیں۔ باب من استسقى:۔ غرض یہ کہ جب مخاطب راضی ہو تو پانی مانگنے میں کچھ حرج نہیں۔

باب قبول هدية الصيد

غرض یہ ہے کہ شکار کے گوشت کا ٹکڑا بطور ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ انفجنا ارنباً:۔ ہم نے ایک خرگوش کو بھگایا۔ فلغبوا:۔ وہ تھک گئے۔ قال فخذیھا لاشک:۔ پہلے شک سے فرمایا پھر یقین سے فرمایا۔

باب قبول الهدية

تعیم بعد التخصیص۔

باب من اهدی الی صاحبه وتحری بعض نساءه دون بعض

غرض یہ ہے کوئی اپنے دوست کی ایک بیوی کو ہدیہ دے دوسری بیویوں کو نہ دے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ مساواۃ خاوند کے ذمہ ہے خاوند کے دوستوں کے ذمہ نہیں ہے۔

باب مالا یرد من الهدیة

غرض یہ ہے کہ خوشبو کا ہدیہ واپس نہ کرنا چاہئے تین وجہ سے۔ ا- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق فرشتوں سے بہت تھا اور فرشتوں کو خوشبو پسند ہے اور ہمارا بھی کچھ نہ کچھ تعلق فرشتوں سے ہے۔۲- فی ابی داؤد والنسائی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً من عرض علیہ طیب فلا یردہ فانہ خفیف المحمل طیب الرائحۃ' ۳-اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علت جو بھی ہو ہمیں اس کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے۔

باب من رای الهبة الغائبة جائزة

غرض کی تین تقریریں ہیں۔ا-موھوب چیز ابھی واھب کی ملک میں نہ آئی ہو بلکہ کچھ تعلق ہوگیا ہو تو پھر بھی ھبہ جائز ہے۔۲-موھوب لہ غائب ہے جیسے حدیث پاک میں سب بنی ہوازن تو حاضر خدمت نہ ہوئے تھے صرف ان کا وفد آیا تھا اور موھوب لہ سب تھے۔۳-موھوب چیز مملوک تو ہو لیکن مجلس میں حاضر نہ ہو تو پھر بھی ھبہ جائز ہے۔

باب المکافاة فی الهبة

غرض یہ ہے کہ ھبہ کا بدلہ دینا مستحب ہے یہی جمہور کا قول ہے وعند المالکیۃ واجب ہے منشأ اختلاف زیر بحث باب کی روایت ہے عن عائشہ مرفوعاً یقبل الھدیۃ ویثیب علیہا ہمارے نزدیک استحباب پر اور ان کے نزدیک وجوب پر محمول ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ وجوب پر دال کوئی لفظ نہیں ہے۔لم یذکر وکیع ومحاضر: غرض یہ ہے کہ یہ روایت ان دو حضرات نے بلا ذکر عائشہ نقل فرمائی ہے اور یہی راجح ہے۔

باب الهبة للولد

غرض یہ ہے کہ اگر کئی بچے ہوں تو سب کو برابر دینا واجب ہے اور جمہور کے نزدیک مستحب ہے منشاء اختلاف اس باب کی حدیث کا واقعہ ہے عن النعمان بن بشیر مرفوعاً اکل ولدک نحلت مثلہ' قال لا قال فارجعہ جمہور کے نزدیک اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے اور امام بخاری اس سے وجوب ثابت فرماتے ہیں ترجیح عقلاً استحباب کو ہے کیونکہ ضرورت بچوں کی مختلف ہوتی ہے مثلاً کوئی بال بچوں والا ہوتا ہے کوئی نہیں ہوتا پس حدیث اس پر محمول ہے کہ کسی بچے کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا ہو تو ناجائز ہے عام حالات میں برابری مستحب ہے۔

باب الاشهاد فی الهبة

غرض یہ ہے کہ ھبہ پر گواہ بنانا مستحب ہے۔

باب هبة الرجل لامراته والمرأة لزوجها

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ زوجین ایک دوسرے کو ھبہ کریں اور یہ ھبہ لازم ہوگا اس میں رجوع نہ ہو سکے گا۔

باب هبة المراة لغیر زوجها

غرض یہ ہے کہ شادی شدہ عورت غیر زوج پر صدقہ کرے تو جائز ہے یہی جمہور کا مسلک ہے امام مالک کے نزدیک صرف ثلث مال کا صدقہ کر سکتی ہے وللجمہور روایۃ الباب عن اسماء قالت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالی مال الاما ادخل الزبیر علی افا تصدق قال تصدقی ولمالک قیاس کرنا ہے وصیت پر کہ وہ صرف ثلث میں جاری ہوتی ہے جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کر سکتے۔

باب بمن یبدأ بالهدیة

غرض حکم بتلانا ہے کہ ہدیہ پہلے کس کو دینا چاہئے یعنی پہلے ذی رحم محرم کو دینا چاہئے۔ اور اگر پڑوسیوں کو ہدیہ دینا ہو تو جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اس کا زیادہ حق ہے۔

باب من لم یقبل الهدیة لعلة

غرض یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے ہدیہ رد کر دینا بھی جائز ہے مثلاً۔ا- مدیون دین ادا کرنے سے پہلے دائن کو ہدیہ دے تو اس

میں شبہ سود ہونے کا ہوتا ہے یہ ہدیہ رد کر دینا چاہئے۔۲- بطور رشوت کے ہدیہ دے۔۳- ایسی چیز کا ہدیہ دے جو محرم نہیں قبول کر سکتا یعنی زندہ شکاری جانور۔۴- ہدیہ دینے والا رشوت کی کمائی سے ہدیہ دے۔۵- حرام کمائی سے کوئی ہدیہ دے۔

باب اذا وهب او وعدثم مات قبل ان تصل اليه

غرض دو مسئلوں کا بتلانا ہے اور دونوں اختلافی ہیں۔ پہلا اختلاف:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ والشافعی ھبہ بغیر قبضہ کے تام نہیں ہوتا وعند مالک واحمد تام ہو جاتا ہے اور امام مالک ہی کے قول کی طرف امام بخاری مائل ہیں ولنا روایۃ مصنف عبدالرزاق عن ابراہیم مقطوعاً لا تجوز الھبۃ حتی تقبض اور یہ حکم میں مرفوع کے ہے ولمالک واحمد قیاس ہے بیع پر جیسے بیع بغیر قبضہ کے تام ہے ایسے ہی ہبہ بھی تام ہے جواب حدیث کو قیاس پر ترجیح ہے۔ دوسرا اختلاف:۔ امام بخاری کے نزدیک میت کے وعدہ کا پورا کرنا ورثہ پر واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک مستحب ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن جابر فامر ابوبکر منادیا فنادی من کان لہ عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم عدۃ اودین فلیأ تنا عندالجمہور یہ دیانت اور استحباب پر محمول ہے اور عندالبخاری وجوب پر محمول ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ استحباب اقل ہے اور اقل یقینی ہوتا ہے۔

باب كيف يقبض العبد والمتاع

غرض قبضہ کی کیفیت کا بیان ہے بظاہر امام بخاری کا مسلک یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک چیز کا الگ کر دینا کافی ہے اور گذشتہ باب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ھبہ کے تام ہونے کے لئے قبضہ کی ضرورت ہی نہیں ہے گویا اس مسئلہ میں بھی امام بخاری کا قول واضح نہیں ہے امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قبضہ ضروری ہی نہیں ہے وعندالشوافع موھوب شی کو منتقل کرنا اُس جگہ سے ضروری ہے جبکہ وہ قابل نقل ہو اور عند الحنفیہ قبضہ عرفی کافی ہے اور یہ درجہ چونکہ بین بین ہے اس لئے راجح ہے خیر الامور اوساطہا دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ چونکہ قبضہ کی تعیین شرعاً نہیں کی گئی اس لئے مدار عرف ہی پر ہے جس کو عرف میں قبضہ شمار کیا جائے وہی کافی ہے کبھی افراز سے ہوگا کبھی انتقال سے ہوگا اس لحاظ سے بھی حنفیہ کا قول ہی راجح ہے۔

باب اذا وهب هبة فقبضها الآخر ولم يقل قبلتُ

غرض یہ ہے کہ قبضہ ہی قبلتُ کہنے کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

باب اذا وهب دينا على رجل

قرضہ معاف کرنے کی صورت میں اگر ہبہ ہو تو اس میں قبضہ کے بغیر بھی ہبہ تام ہو جاتا ہے کیونکہ قبضہ پہلے سے موجود ہے اس مسئلے کا بیان کرنا ہی اس باب کی غرض ہے۔

باب هبة الواحد للجماعة

غرض یہ ہے کہ ہبہ مشاع کا جائز ہے یعنی ایک مکان کا تقسیم کئے بغیر نصف یا ثلث ہبہ کیا جائے گویا جمہور کے مذہب کی تائید فرمائی وعندامامنا ابی حنیفۃ جس چیز میں تقسیم ہو سکتی ہے اس کا مشاع کا ہبہ صحیح نہیں ہے منشاء اختلاف مصنف عبدالرزاق کی روایت ہے عن ابراہیم مقطوعاً لا تجوز الھبۃ حتی تقبض یہ قبضہ مطلق مذکور ہے اور المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل اور کامل قبضہ تقسیم کے بعد ہوتا ہے۔ اور جمہور کے نزدیک نفس قبضہ پایا گیا ہمارے قول کو ترجیح ہے اس بناء پر کہ اس میں احتیاط ہے۔ جمہور کے لئے مرجح۔۱۔ اس باب کی تعلیق ہے وقالت اسماء للقاسم بن محمد وابن ابی عتیق ورثت عن اختی عائشۃ مالا بالغابۃ وقد اعطانی بہ معاویۃ مأ تہ الف فھو لکما جواب۔۱۔ یہ وصیت تھی اور وصیت ہمارے نزدیک بھی مشاع کی جائز ہے۔۲۔ یہاں آگے تفصیل نہیں ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ دونوں کو الگ الگ کر کے ہی دی ہوگی اور ہمارے نزدیک بھی اگر ہبہ کے وقت چیز مشاع ہو لیکن بعد میں قبضہ کے وقت الگ کر دے تو صحیح ہے۔۲۔ دوسرا مرجح جمہور کے لئے اسی باب کی مسند روایت ہے۔ عن سہل بن سعد مرفوعاً فقال للغلام ان اذنت لی اعطیت ھولا

ءیہ دنیا مشاع ہی کا تو تھا جواب یہ اباحت ہے ہبہ نہیں ہے۔

باب الهبة المقبوضة وغير المقبوضة والمقسومة وغير المقسومة

غرضیں دو ہیں۔۱۔ واہب کے قبضہ میں شی ہو اس کا ہبہ بھی ٹھیک ہے اور قبضہ میں نہ ہو تو اس کا بھی ٹھیک ہے۔۲۔ تائید کرنا گذشتہ باب کے مسئلہ کی کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے۔ پھر اس باب میں تائید کے درجہ میں تین زائد ترجیحات بیان فرمائی ہیں۔۱۔ تعلیق جس میں ھوازن کو غنائم واپس کرنے کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے کیونکہ سب غنیمت اکٹھی واپس کی گئی الگ الگ واپس نہ کی گئی جواب۔۱۔ یہ تو فسخ القسمت ہے ہبہ جدیدہ نہیں ہے۔۲۔ ہر ایک نے اپنے اپنے بال بچے لے لئے تو قبضہ کے وقت تقسیم ہوگئی اور یہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے کہ ہبہ کے وقت چیز غیر منقسم ہو پھر قبضہ کے وقت منقسم ہو۔۲۔ دوسرا نیا مرجح حدیث الباب ہے عن جابر بن عبد اللہ مرفوعاً فوزن لی فارجح جواب۔ یہ زیادۃ فی الثمن ہے ھبہ نہیں ہے۔۳۔ تیسرا نیا مرجح حدیث الباب عن ابی ہریرۃ فقالوا انا لانجد سناً الا سناً ھی افضل من سنہ قال (ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم) فاشتروھا فاعطوھا ایاہ جواب۔ یہ زیادۃ فی اداء الدین ہے نہ کہ ھبہ۔

باب اذا وهب جماعة لقوم اووهب رجل جماعة جاز

غرض یہاں بھی مشاع ھبہ کے جواز کے لئے مرجح پیش کرنا ہے اور یہ واقعہ وہی ھوازن کا ہے جواب ہو چکا۔

باب من اهدى له هدية وعنده جلساؤه فهو احق به

غرض یہ ہے کہ جس مجلس میں ہدیہ پہنچا ہو اس میں صاحب مجلس کے کچھ ساتھی بھی بیٹھے ہوں تو وہ ہدیہ صاحب مجلس کے لئے ہی ہوگا لیکن اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اہل مجلس کو بھی شریک کرلے پھر تفسیر قرطبی میں حدیث مرفوع نقل کی گئی ہے جلساء کم شرکاء کم فی الھدیۃ۔ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر میں ہے وانی مرسلة اليهم بهدية پھر اس حدیث کی مختلف تقریریں اسی تفسیر میں منقول ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔۱۔ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے ہر مجلس میں اُس ہدیہ میں سب شرکاء حقیقۃً شریک ہوں گے۔۲۔ یہ شرکت مستحب ہے۔۳۔ پھلوں میں اور پھلوں جیسی کھانے پینے والی چیز میں شرکت ہوگی باقی چیزوں میں نہیں۔۴۔ وہ خوشی میں شریک ہیں جو ہدیہ کی وجہ سے ہوتی ہے نفس ہدیہ میں شریک نہیں ہیں۔۵۔ یہ حدیث اصحاب صفہ اور ان جیسی مجالس پر محمول ہے جیسے سرائے وغیرہ میں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ **ثم قضاء افضل من سنہ**: یہ محل ترجمہ ہے کیونکہ جتنا زائد اُس میں تھا اس میں صرف وہی مالک بنا جس کو دیا گیا باقی اہل مجلس شریک نہ ہوئے۔

باب اذا وهب بعير الرجل وهو راكبه فهو جائز

غرض یہ ہے کہ جب موھوب پر پہلے سے موھوب لہ کا قبضہ ہو تو کسی نئے قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ **باب ہدیۃ ما یکرہ لبسھا**: غرض یہ ہے کہ ہبہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ قیمت والا ہو اگرچہ موھوب لہ کے لئے اس کا استعمال حلال نہ ہو۔

باب قبول الهدية من المشركين

غرض یہ ہے کہ اگر مصلحت قبول کرنے میں ہی ہو تو جائز ہے سوال۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے لا اقبل ہدیۃ مشرک جواب۔۱۔ جب مشرک ولی دوستی کرنا چاہے تو منع ہے ورنہ قبول کرنے کی گنجائش ہے۔۲۔ مشرک خصوصی مراعات حاصل کرنا چاہے تو منع ہے ورنہ نہیں۔۳۔ اصل عدم قبول ہے جہاں قبول فرمایا وہاں اسلام سے مانوس کرنا مقصود تھا۔۴۔ جب مشرکین سے عداوت ہو تو منع ہے ورنہ نہیں۔ **فما زلت اعرفھا فی لھوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**: شہادت فی الجہاد میں

مصلحت نہ تھی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ نصرت اور غلبہ نہیں دیا گیا اس لئے ایک قسم کی شہادت زہر کے ذریعہ سے دے دی گئی۔ **باب الھدیۃ للمشرکین**:۔ غرض یہ کہ کسی مصلحت کی بناء پر جائز ہے مثلاً ۱۔ صلہ رحمی۔ ۲۔ اسلام سے مانوس کرنا۔

باب لا یحل لا حدان یرجع فی ھبۃ وصدقۃ

غرض یہ ہے کسی ہبہ اور کسی صدقہ میں بھی دیانۃً رجوع جائز نہیں ہے گو قضاءً بعض صورتوں میں جائز ہے۔ **باب**:۔ یہ تتمہ ہے ماقبل کا کیونکہ اس میں ہبہ کا ذکر ہے اور یہ شبہ مذکور نہیں ہے کہ شاید رجوع کرلیا گیا ہو معلوم ہوا کہ ہبہ میں اصل یہی ہے کہ رجوع نہ ہو۔ سوال۔ یہاں ایک کی گواہی پر کیسے فیصلہ کردیا گیا۔ جواب۔ ۱۔ غالبًا یہ مکان ظلماً بیت المال میں شامل کرلئے گئے تھے اس لئے ان کو بلا بینہ ہی واپس کرنا ضروری تھا اس لئے ایک گواہ کی گواہی پر ہی واپس کردیا گیا۔ ۲۔ قاضی شریح وغیرہ بعض سلف سے منقول ہے کہ قرائن کے ساتھ ایک کی گواہی پر بھی عمل ہوسکتا ہے۔ ۳۔ شاید حضرت ابن عمر کے ساتھ دوسرا گواہ بھی ہو لیکن ذکر صرف حضرت ابن عمر کا ہی کیا گیا ان کی عظمت شان کی وجہ سے۔

باب ما قیل فی العمریٰ والرقبیٰ

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی عمریٰ یا رقبیٰ کے لفظ سے ہبہ کرے تو یہ بھی عام ہبہ کی طرح ہے سوال۔ رقبیٰ کی روایت ذکر نہ فرمائی جواب عمریٰ پر قیاس فرمایا لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں کے معنیٰ الگ الگ ہیں البتہ عمریٰ میں امام بخاری نے جمہور کی موافقت فرمائی ہے۔ **عمریٰ میں اختلاف**:۔ عند مالک اگر عمریٰ کے لفظ سے ہبہ کیا ہے جس کے معنیٰ ہیں عمر بھر کے لئے دیا تو اگر ولعقبک بھی ساتھ کہہ دیا ہے کہ تیرے مرنے کے بعد تیرے ورثہ کو دیا پھر تو یہ ہبہ ہی ہے ورنہ اس کے مرنے کے بعد دینے والے کی طرف لوٹ آئے گا وہ نہ زندہ ہوگا تو اس کے وارثوں کی طرف لوٹ آئے گا اور جمہور کے نزدیک یہ ہبہ ہی ہے کسی صورت میں بھی واپس نہ لوٹے گا ولنا روایۃ ابی داؤد والبخاری حدیث الباب عن جابر قال قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعمریٰ انھا لمن وھبت لہ ولمالک۔ ۱۔ روایۃ ابی داؤد عن جابر موقوفاً اذا قال ھی لک ما عشت فانھا ترجع الی صاحبھا جواب۔ یہ ان کا اپنا اجتھاد ہے ہمارے پاس مرفوع روایت ہے۔ ۲۔ ان کی دوسری دلیل فی ابی داؤد والبخاری روایت الباب عن ابی ہریرۃ مرفوعاً العمریٰ جائزۃ جواب اس کی تفصیل ابوداؤد میں ہے عن جابر مرفوعاً من اعمر عمریٰ فھی لہ ولعقبہ۔ **رقبیٰ میں اختلاف**:۔ عندامامنا ومالک باطل ہے وعند الشافعی واحمد جائز ہے کہ اس لفظ کے ساتھ کوئی چیز کسی کو دے تو اگر دینے والا پہلے مرا تو موھوب لہ اس چیز کا مالک بن جائے گا ورنہ اُس موھوب لہ کے مرنے کے بعد واہب کے پاس لوٹ آئے گی ولنا **انما الخمر المیسر والا نصاب والا زلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ**۔ وللشافعی واحمد روایۃ ابی داؤد عن جابر مرفوعاً والرقبیٰ جائزۃ لاھلھا جواب قمار کے حرام ہونے سے یہ بھی حرام اور باطل ہوگیا کیونکہ یہ صورت قمار کی ہی ایک صورت ہے۔

باب من استعار من الناس الفرس والدابۃ وغیرھا

غرض یہ ہے کہ گھوڑے وغیرہ جانور کو استعمال کے لئے لینا جائز ہے ربط ماقبل سے یہ ہے کہ جب ہبہ کے احکام سے فارغ ہوئے تو عاریت کے احکام میں شروع ہوگئے کیونکہ ہبہ تملیک عین بلا معاوضہ ہے اور عاریۃ تملیک منافع بلا معاوضہ ہے۔ اور اس کی اصل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ویمنعون الماعون** کیونکہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے اس کی تفسیر میں منقول ہے انہ العواری۔

باب الا ستعارۃ للعروس عند البناء

غرض یہ ہے کہ رخصتی کے وقت کسی سے اچھے کپڑے مانگ کر پہن لینا جائز ہے۔ **درع قطر**:۔ یہ ایک قسم کی چادر ہوتی تھی۔ **تزھیٰ**:۔ تکبر میں ڈالی جاتی ہے یعنی تکسر کی وجہ سے گھر میں پہننا بھی پسند نہیں کرتی حالانکہ پہلے یہی چادر دلہنوں کے لئے مانگی جاتی تھی۔ **تقین**:۔ تُزَیَّنُ زینت دی جاتی تھی۔

باب فضل المنیحة

غرض منیحہ دینے کی فضیلت کا بیان ہے منیحہ کے اصل معنیٰ تو وہ بکری یا گائے یا اونٹنی ہوتی ہے جو کسی کو دے دی جائے کہ اس کو مناسب چارہ ڈالتے رہنا اور دودھ پیتے رہنا پھر واپس کر دینا لیکن یہاں احادیث میں عام معنیٰ مراد ہیں زمین یا درخت جو عاریت کے طور پر دیئے ہوں ان کو بھی شامل ہے۔ گو یہ لفظ ہبہ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہاں چونکہ عاریت کے باب چل رہے ہیں اس لئے ہبہ مراد نہیں ہے۔

باب اذا قال اخد متک هذه الجاریة علی ما یتعارف الناس فهو جائز

غرض یہ ہے اگر کوئی یوں کہے اخدمتک ھذہ الجاریۃ تو عرف پر مدار ہوگا اگر وہاں عرف ہبہ میں ہے تو ہبہ ہو جائے گا اور اگر وہاں کا عرف یہ ہوگا کہ یہ لفظ عاریت میں استعمال ہوتا ہوگا تو پھر عاریت ہی ہوگی۔

وقال بعض الناس هذه عاریة

بعض الناس سے مراد حنفیہ ہیں امام بخاری امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین پر اعتراض فرما رہے ہیں کہ وہ اخدمت کے لفظ کو عاریہ قرار دے رہے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں ہے فاخدمھا ھاجر اور یہ ہبہ کے معنیٰ میں ہے۔ جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ اسی باب کی روایت میں ہے فاعطوھا آجر یہ قرینہ ہے کہ یہاں اخدم اعطی کے معنیٰ میں ہے۔

وان قال کسو تک هذا الثوب فهوهبة

یعنی حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسوتک ہبہ ہے اور کسوتک الی اجل عاریۃ ہے ہبہ کی مثال آیت بھی ہے **فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهم.** امام بخاری حنفیہ پر دوسرا اعتراض اشارۃً کرنا چاہتے ہیں کہ اخدمتُ اور کسوتُ میں فرق کرنا ترجیح بلا مرجح ہے جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ اخدمتُ کی اصل عاریت ہے کیونکہ اباحت خدمت عاریت ہوتی ہے اور اصل کسوتُ کی اعطیتُ ہے لیکن خدمت کا لفظ قرینہ کی وجہ سے جیسے یہاں اعطوا آجر ہے ہبہ میں آ جاتا ہے اگر کسی قوم کا محاورہ ہی ہبہ کے معنیٰ ہوں تو یہ ان کا محاورہ ہی قرینہ بن جائے گا کسوت اصل ہبہ میں ہے البتہ اگر اجل کا ذکر ہوگا تو یہ قرینہ ہوگا عاریت کے لئے کسوتُ اور اخدمتُ کا فرق ظاہر ہو گیا اور حنفیہ پر سے اعتراض اٹھ گیا۔

باب اذا حمل رجل علی فرس فهو کالعمریٰ والصدقة

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کو کہے حملتک علی ھذا الفرس تو یہ ہبہ اور صدقہ ہوتا ہے عُمریٰ کی طرح **وقال بعض الناس له ان یرجع فیها**: یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک حملتک علی ھذا الفرس کہنے میں چار احتمال ہیں۔ ۱۔ عاریت کی نیت ہو تو عاریت۔ ۲۔ ہبہ کی نیت ہو تو ہبہ۔ ۳۔ وقف کی نیت ہو تو وقف فی سبیل اللہ۔ ۴۔ کچھ نیت نہ ہو تو ادنیٰ یعنی عاریت ہے۔ اب امام بخاری کا جو کالعمریٰ فرما رہے ہیں ہم کہتے ہیں **ھا تو ا بر ھانکم ان کنتم صادقین** اس کے بعد امام بخاری ہمارے امام صاحب پر اعتراض فرما رہے ہیں کہ حدیث میں تو حمل کے لفظ کو صدقہ قرار دیا گیا ہے آپ کیسے اس کو عاریت قرار دے رہے ہیں جواب۔ اصل وضع عاریت کے لئے ہے لیکن ہبہ اور صدقہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے کوئی اعتراض نہیں۔

کتاب الشهادات

غرض شہادہ کے احکام بتلانا ہے۔ لفظ شہادہ مشتق ہے مشاہدہ اور شہود سے اور لغت میں حضور کو کہتے ہیں شریعت میں ھو الاخبار عند الحاکم بحق الغیر اور عند الفقہاء اثبات الحق عند الحاکم تین قسم پر ہے۔ ۱۔ اثبات الرجل حقہ علی الغیر دعویٰ اگر کوئی اپنا حق غیر پر ثابت کرنا چاہئے تو یہ دعوی ہے۔ ۲۔ اثبات حق الغیر علی نفسہ یہ اقرار ہے۔ ۳۔ اثبات حق الغیر علی الغیر یہ شہادت ہے۔

باب ما جاء فی البینة علی المدعی

غرض میں دو تقریریں ہیں۔ا۔مسئلہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں۔۲۔شوافع اور جمہور کے قول کا رد فرمانا چاہتے ہیں جو اس کے قائل ہو گئے کہ اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو دوسرے گواہ کی جگہ مدعی قسم کھا لے گا اور اس طرح سے مدعی کے حق میں قاضی فیصلہ کردے گا وعندا امامنا ایک گواہ سے فیصلہ نہیں ہو سکتا اس صورت میں مدعیٰ علیہ سے یمین لی جائے گی اگر مدعیٰ علیہ نے قسم کھالی تو مدعیٰ علیہ کے حق میں فیصلہ ہوگا ورنہ مدعی کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ ولنا۔ا۔ زیر بحث باب والی آیت واستشهد واشهیدین من رجالکم۔۲۔ فی الترمذی عن ابن عمرو مرفوعاً البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعیٰ علیہ وللجمهور روایۃ ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً قضی بیمین وشاہد۔ جواب۔ا۔معنیٰ یہ ہیں کہ چونکہ گواہ ایک تھا اس لئے مدعیٰ علیہ کی یمین سے فیصلہ فرمایا یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ مدعی سے یمین لی۔ ۲۔ ہماری روایت قولی ہے آپ کی واقعہ جزئیہ ہے ترجیح روایت قولی کو اور قاعدہ کلیہ کو ہوتی ہے۔۳۔ یہ فیصلہ بطور قضاء کے نہ تھا بلکہ بطور صلح کے تھا اور اختلاف قضاء میں ہے۔ پھر امام بخاری نے کوئی حدیث اس باب میں ذکر نہ فرمائی کیونکہ مقصد کے اثبات کے لئے یہ دو آیتیں ہی کافی شمار فرمائیں۔

باب اذا عدّل رجل احداً فقال لا نعلم الا خیراً اوقال ما علمت الا خیراً

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ا۔تعدیل کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے لانعلم الا خیراً یا یوں کہہ دے ماعلمت الا خیراً۔۲۔تزکیہ کے لئے ایک شخص کافی ہے۔

باب شهادة المختبی

غرض یہ ہے کہ چھپ کر واقعہ دیکھنے والے اور کلام سننے والے کی گواہی بھی قاضی کے سامنے معتبر ہے اور یہی جمہور کا قول ہے وعندا امامنا ابی حنیفۃ معتبر نہیں ہے۔ ولنا۔ا۔ چھپ کر لوگوں کے رازوں کی باتیں سننے سے تو عدالت باقی نہیں رہتی۔۲۔چھپ کر دیکھنے میں واقعہ پورا معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی بات سنی کوئی نہ سنی وللجمهور حدیث الباب عن عبداللہ بن عمر مرفوعاً وھو یختل ان یسمع من ابن صیاد شیئاً قبل ان یراہ۔ جواب۔ یہ کوئی موقع گواہی دینے کا نہیں ہے اس لئے یہ روایت محل نزاع سے خارج ہے۔

باب اذا شهد شاهد او شهود بشئی فقال الآخرون ما علمنا ذلک یحکم بقول من شهد

اگر کچھ گواہ گواہی دیں اور کچھ کہیں کہ ہمیں پتہ نہیں تو گواہی دینے والوں کا قول ہی راجح ہوگا یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے امام بخاری کا۔

باب الشهداء العدول

غرض یہ ہے کہ شہادۃ میں عدالت شرط ہے اور عدالت کے مصداق میں مدار ظاہر پر ہے کیونکہ دل کا حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عادل کون ہے پھر عادل کے مصداق میں تین قول ہیں۔ا۔حدیث الباب سے ظاہر ہوتا ہے کہ عادل وہ ہے جس سے زنا ظاہر نہ ہوئی ہو۔۲۔جس کی حسنات سیئات پر غالب ہوں۔۳۔جو کبائر سے بچتا ہو اور صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو اور گھٹیا کاموں سے بچتا ہو جیسے راستہ میں کھانا اور راستہ میں پیشاب کرنا۔

باب تعدیل کم یجوز

غرض یہ ہے کہ ایک کی تعدیل کافی ہے اور یہی قول ہے ہمارے امام ابوحنیفہ کا اور امام احمد کا اور فرمایا مالک و شافعی نے کہ ایک کی تعدیل و تزکیہ کافی نہیں بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں ولنا اول الباب عن انس مرفوعاً المومنون شهداء الله فی الا رض کیونکہ اصول یہ ہے کہ جمع معرف باللام اگر استغراق کے لئے نہ ہو تو جنس کے لئے ہوتی ہے اور جنس ایک کو بھی شامل ہے۔ ولمالک والشافعی واستشهدوا شهیدین من رجالکم جواب۔ یہ تو شہادت کے متعلق ہے اور کلام تزکیہ میں ہو رہی ہے اور حکم تزکیہ پر مرتب نہیں ہوتا بلکہ شہادت پر مرتب ہوتا

ہے اس لئے تزکیہ کو شہادت پر قیاس بھی نہیں کر سکتے۔

باب الشهادة على الانساب والرضاع المستفيض والموت القديم

غرض یہ ہے کہ۔۱۔ نسب میں اور مشہور رضاعت میں اور پرانی موت میں دیکھنا شرط نہیں ہے گواہی دینے کے لئے بلکہ سُنی ہوئی بات پر اعتماد کر لینا ہی کافی ہے۔۲۔ دوسری تقریر غرض میں یہ ہے کہ ان مذکور چیزوں میں گواہی کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ بغیر گواہی کے ہی ثابت ہو جاتی ہیں۔ سوال باب میں تو صرف رضاعت کی احادیث مذکور ہیں نہ نسب مذکور ہے نہ موت قدیم جواب نسب کو رضاعت میں زیادہ تعلق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رضاعت سے وہ موقعے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اور موت قدیم کو رضاعت ہی پر قیاس فرمالیا۔

والتثبت فیہ:۔ یہ ترجمۃ الباب کا حصہ ہے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک میں تحقیق اور احتیاط کرنی چاہئے۔

باب شهادة القاذف والسارق والزاني

غرض یہ ہے کہ قاذف اور سارق اور زانی کی شہادت بعد التوبہ قبول ہو جائے گی۔ سارق اور زانی میں تو اتفاق ہے قاذف میں امام بخاری نے جمہور کا قول لے لیا وعند امامنا ابی حنیفۃ توبہ کے بعد بھی تہمت لگانے والے کی گواہی قبول نہ ہوگی جس کا تعلق دُنیا سے ہے البتہ توبہ سے تہمت کے اُس عذاب سے نجات مل جائے گی جس کا تعلق آخرت سے ہے۔ منشاء اختلاف آیۃ قذف کی تفسیر میں اختلاف ہے **فاجلد وهم ثمانين جلدةً ولا تقبلو الهم شهادة اَبَداً واولئک هم الفاسقون. الا الذين تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور رحيم** پس عند امامنا مغفرت کا تعلق صرف فسق سے ہے اور عند الجمہور فسق اور شہادت دونوں سے ہے۔ **حنفیہ کے مرجحات:۔** ۱۔ مغفرت کے ذکر سے فسق اقرب ہے اس لئے مغفرت کا تعلق صرف اُسی سے ہونا چاہئے۔۲۔ توبہ سے اَسّی کوڑے کی سزا بالا جماع معاف نہیں ہوتی جو کہ حد ہے اِسی طرح توبہ سے عدم قبول شہادت بھی معاف نہ ہوگی کیونکہ یہ بھی حد قذف میں داخل ہے۔۳۔ وا **والئک هم الفاسقون** جملہ مستانفہ ہے کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے اور **ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً** جملہ انشائیہ ہے اور خبریہ کا عطف انشائیہ پر نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے توبہ کا تعلق صرف فسق کے ساتھ ہی ہوگا۔ فسق اور شہادت دونوں سے نہ ہو گا۔۴۔ استثناء میں ضابطہ یہ ہے کہ یا تو مذکورہ سب چیزوں کی طرف لوٹے گا یا صرف آخری چیز کی طرف لوٹے گا یہاں سب کی طرف تو بالا جماع لوٹ نہیں سکتا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے حد معاف نہیں ہوتی تو لامحالہ استثناء صرف آخری چیز یعنی فسق کی طرف لوٹے گا اور توبہ سے فسق ختم ہوگا شہادت جائز نہ ہوگی۔ ۵۔ سارق اور قاطع الطریق جو پکڑے جانے کے بعد توبہ کریں تو ان کی توبہ سے ان کی حد معاف نہیں ہوتی اِسی طرح قاذف کی حد بھی توبہ سے معاف نہ ہوگی۔ مرجحات الجمہور ابداً کے معنیٰ ہیں مادام فی الاصرار علی القذف کہ جب تک قذف پر اصرار کرتا رہے اس وقت تک گواہی قبول نہ ہوگی جب حد لگ چکی اور توبہ بھی کر لی تو اصرار علی القذف ختم ہو گیا اس لئے ابداً کا حکم بھی ختم ہو گیا جیسے کہا جائے لاتقبل شہادۃ الکافر علی المسلم ابداً اس کے معنیٰ ہیں جب تک وہ کفر پر اصرار کرے اسی طرح یہاں ہے۔ جواب اس تقریر سے تو ابداً کا لفظ بے کار ہو جاتا ہے اس لئے یہ ترجیح صحیح نہیں ہے

بقذف المغیرۃ:۔ اس واقعہ میں جو روایات آئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ جلیل القدر صحابی ہیں اور اہل حدیبیہ میں سے ہیں جن کے متعلق حق تعالیٰ نے اپنی نص قطعی میں اعلان فرمایا ہے **لقد رضى الله عن المومنين اذيبا يعونک تحت الشجره.** پندرہ سو صحابہ اس مبارک بشارت میں داخل ہوئے ان ہی میں سے ایک حضرت مغیرۃ بن شعبہ بھی ہیں ان کو حضرت عمر فاروق نے اپنے زمانہ خلافت میں امیر بصرہ مقرر فرمایا اور ان کی ایک عجیب شان ظاہر ہوئی کہ یکے بعد دیگرے انہوں نے بہت سے نکاح فرمائے حتیٰ کہ ایک روایت

کے مطابق انہوں نے شرعی اصولوں کی رعایت فرماتے ہوئے تین سوعورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح فرمائے ان ہی نکاحوں میں ایک نکاح حضرت ام جمیل بنت عمرو سے بھی تھا لیکن ان تین حضرات نے جنکا ذکر بخاری شریف کی اس تعلیق میں ہے ابو بکرۃ اور شبل بن معبد اور نافع ان تین حضرات نے یہ تحقیق نہ فرمائی کہ نکاح ہو چکا ہے اور جا کر حضرت عمر فاروق کے پاس گواہی دے دی کہ انہوں نے زنا کی ہے ام جمیل کے ساتھ ان تین کے ساتھ ایک چوتھا گواہ بھی تھا زیاد جو ابو بکرۃ کا بھائی تھا۔ لیکن پہلے تین شخصوں نے تو صریح زناء کی گواہی دی اور ان چوتھے صاحب نے صرف یہ کہا کہ رأیت منظراً قبیحاً یا اس کے مثل الفاظ کہے چونکہ ان الفاظ میں زناء کی تہمت صریح نہ تھی اس لئے زیاد کو حد نہ لگائی باقی تین کو حد قذف لگائی کیونکہ چار گواہ زناء کے نہ پائے گئے اور جس وقت یہ حضرات گواہی دے رہے تھے تو اُس وقت حضرت مغیرہ مسکرا رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کیسے بینہ سے ثابت کروں کہ میرا تو ام جمیل کے ساتھ نکاح ہو چکا ہے **ثم استتابھم** :۔ سوال۔ قاذف کو توبہ کرانا تو مناسب نہیں ہے اس سے تو اس فعل قبیح کی تائید ہوتی ہے۔ جواب۔ اصل میں ان تینوں سے خطا ہو گئی تھی کہ معاملہ کی پوری تحقیق نہ فرمائی کہ نکاح ہو چکا ہے یا نہ اور چار گواہی کا نصاب بھی پورا نہ فرمایا اس لئے ان کی قذف کچھ ناقص تھی اس سے حنفیہ کی طرف سے جواب بھی ثابت ہو گیا کہ ان کی قذف کو کچھ کم سمجھ کر ایک حصہ حد کا حضرت عمر نے جاری فرمایا کہ کوڑے لگا دئے دوسرا حصہ معاف فرما دیا کہ توبہ کرنے پر گواہی قبول فرما لینے کا ذکر فرمایا واللہ اعلم۔ **قال بعض الناس لا تجوز شہادۃ القاذف وان تاب** :۔ غرض امام الائمہ امام اعظم امام ابو حنیفہ اور ان کے متبعین پر اعتراض ہے کئی وجوہ سے۔ ا۔ آپ فرماتے ہیں کہ محدود فی القذف کی شہادت معتبر نہیں پھر محدود کی گواہی سے نکاح کو بھی صحیح قرار دیتے ہیں یہ تو تعارض ہے۔ ۲۔ عبد کی گواہی آپ کے ہاں نکاح میں کافی نہیں اور محدود فی القذف کی کافی ہے حالانکہ دونوں گواہی میں ناقص ہیں یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ جواب ان دونوں اعتراضوں کا یہ ہے کہ عقد نکاح میں مقصود شہرت ہے اور وہ غیر عادل سے بھی حاصل ہے بخلاف اداء شہادت عند القاضی کے کہ اس میں غیر پر الزام قائم کرنا ہوتا ہے محدود فی القذف اس کا اہل نہیں ہے۔ باقی رہا عبد تو اس کو تو اپنے نفس پر بھی ولایت حاصل نہیں جیسے بچہ اور مجنون اس لئے وہ نکاح میں گواہ نہیں بن سکتا۔ محدود فی القذف کو اپنے نفس پر بھی ولایت حاصل ہے اس لئے وہ گواہ بن سکتا ہے پس فرق واضح ہو گیا اور دونوں اعتراض ختم ہو گئے۔ ۳۔ آپ نے عبد اور امہ کی گواہی نکاح میں قبول نہ فرمائی لیکن رؤیۃ ہلال میں قبول فرمالی یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے۔ جواب۔ روایۃ ہلال کا مسئلہ صرف خبر دینے سے متعلق ہے اس میں کسی ولایت کی ضرورت نہیں ہے اور نکاح کا گواہ بننے کے لئے ولایت کی ضرورت تھی۔ غلام اور لونڈی میں ولایت نہیں ہے اور نفس خبر دینے کی اہلیت تو ہر عادل مسلمان میں ہے اس باریک فرق کی وجہ سے ہمارے امام صاحب نے حکم میں فرق فرمایا ہے اس لئے یہ ترجیح بلا مرجح نہیں ہے ترجیح بالمرجح ہے۔ **وکیف تعرف توبتہ** :۔ یہ امام بخاری کا قول ہے اور باب کا تتمہ ہے مقصد یہ ہے کہ زبان سے تکذیب اپنی ضروری نہیں ہے بلکہ آئندہ کے عمل سے توبہ ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ بعض دفعہ سچا ہی ہوتا ہے مثلاً گواہ چار پورے نہ ہونے کی وجہ سے حد قذف لگ جاتی ہے جیسے حضرت کعب بن مالک نے اپنی زبان سے اپنی تکذیب نہ فرمائی تھی بلکہ حالات سے توبہ ظاہر ہو گئی تھی ایسے ہی اُن کے دونوں ساتھی تھے۔ سوال امام بخاری نے حضرت ابو بکرہ کو محدود فی القذف بھی شمار فرمایا اور پھر ان کی روایات بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمادیں۔ جواب۔ شک صرف شہادت میں ہوا روایت میں تو شک نہ ہوا۔ **وتغریب عام** :۔ ایک سال کے لئے جلاوطن کر دینا ہمارے امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف سیاسۃً و تدبیراً ہے حدّ کا حصہ نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک حدّ کا حصہ ہے منشاء اختلاف یہی زیر بحث روایت ہے عن زید بن خالد مرفوعاً امر فیمن زنی ولم یحصن بجلد مائۃ و تغریب عام ہمارے نزدیک یہ وقتی تدبیر اور

سیاست پر محمول ہے اور عندالجمہو رحدّ کا جزء ہونے پر محمول ہے ہمارے قول کی ترجیح کی وجہ۔ا۔قرآن پاک میں سوکوڑوں کا ذکر ہے تغریب عام کا ذکرنہیں ہے۔۲۔عمدۃ القاری میں ایک روایت منقول ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو جلا وطن فرمایا وہ نعوذ باللہ مرتد ہوگیا اور دار الحرب میں بھاگ گیا اس کے بعد قسم کھائی حضرت عمر نے کہ اب میں کسی کو جلاوطن نہ کروں گا اگر تغریب حدّ شرعی ہوتی تو حضرت عمر کبھی اس حدّ کو چھوڑنے کی قسم نہ کھاتے اور کسی کے مرتد ہونے نہ ہونے کا کبھی اثر قبول نہ فرماتے۔

باب لا یشهد علی شهادة جور اذا اشهد

غرض یہ ہے کہ ظلم پر گواہ بننا جائز نہیں۔ خیرکم قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم:۔ یہ خیریت علم اور تقویٰ کے لحاظ سے ہے اور مجموعہ کے لحاظ سے ہے جس میں اکثر کا اعتبار ہے ہر واحد کا اعتبار نہیں ہے اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ تین صدیوں کے بعد بھی کسی کا مرتبہ ان تین صدیوں کے بعض افراد سے اونچا ہو البتہ صحابہ کرام اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں اُن کے برابر قیامت تک کوئی امتی نہیں ہوسکتا۔ لا ادری اذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدُ قرنین اوثلاثۃ:۔ بعدُ کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے اپنی قرن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوقرنوں کا ذکر فرمایا یا تین کا ذکر فرمایا۔

باب ما قیل فی شهادة الزور

غرض شہادۃ زور کی مذمت ہے زور کے اصل معنیٰ ہیں وصف الشئی بخلاف صفتہ مراد کذب ہی ہے۔ جلس وکان متکئا:۔ یہ اہتمام کی علامت ہے۔

باب شهادة الاعمیٰ

غرض یہ ہے کہ نابینا کی گواہی صحیح ہے اور یہ قول احمد ہے لیکن عند الجمہور صحیح نہیں ولنا شہادت کا زیادہ تعلق معاینہ سے ہے۔ ولاحمد اس باب کی روایتیں جن میں اذان وغیرہ کا ذکر ہے مثلاً عن ابن عمر مرفوعاً فکلوا واشر بوا حتی تسمعوا اذان ابن ام مکتوم جواب ان روایات میں صرف اذان وغیرہ دیانات کا ذکر ہے اور کلام حقوق العباد اور معاملات میں ہے اُن کا ذکر نہیں ہے ارأیت ابن عباس:۔ اخیر میں حضرت ابن عباس نابینا ہوگئے تھے اس لئے یہ روایت یہاں ذکر فرمائی اُدخُلن فانک مملوک:۔ سوال یہ تو حضرت میمونہ کے غلام تھے حضرت عائشہ کے غلام تو نہ تھے پھر داخل ہونے کی اجازت کیوں دی جواب۔ ادخل علی میمونۃ مراد ہے۔

باب شهادة النساء

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ حدود وقصاص کے سوئی باقی موقعوں میں عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ باب شہادۃ الاماء والعبید:۔ غرض یہ ہے کہ عبد اور امہ کی گواہی مطلقاً معتبر ہے اور یہ امام احمد کا مذہب ہے اور عندالحسن والشعبی والشریح والنخعی معمولی چیز میں گواہی غلام اور لونڈی کی معتبر ہے بڑی چیز میں نہیں۔ وعندالجمہور کسی چیز میں بھی معتبر نہیں منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن عقبۃ بن الحارث فجاءت امۃ سوداء فقالت قد ارضعتکما الی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکیف وقد زعمت ان قد ارضعتکما فنھاہ عنھا پس امام احمد کے نزدیک اسی پر باقی سب چیزوں کو قیاس کریں گے اور ان چار حضرات کے نزدیک یہ معمولی چیز پر محمول ہے اور عندالجمہور اس روایت میں قبول شہادت نہیں ہے۔ کیونکہ آئندہ باب میں یہی روایت ہے اس میں ہے دعھا عنک معلوم ہوا کہ نکاح ٹھیک ہے اور اب احتیاط طلاق کا مشورہ دیا ہے اگر گواہی معتبر ہوتی تو نکاح ہی صحیح نہ ہوتا اور ترجیح جمہور ہی کے قول کو ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے

باب شهادة المرضعة

غرض یہ ہے کہ مرضعہ کی شہادت دیانت معتبر ہے قضاءً معتبر نہیں ہے دلیل اس کی ارشاد پاک ہے وکیف وقد قیل حدیث الافک:۔ ای الآن یاتی حدیث الافک یہ ایک قسم کی سرخی ہے کہ اب حدیث افک آرہی ہے۔

باب تعدیل النساء بعضهن بعضاً

غرض یہ کہ اگر ایک عورت دوسری عورت کی تعدیل کردے تو یہ بھی

صحیح ہے اور محل ترجمہ اس حدیث میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب اور حضرت بریرہ سے پوچھا تو انہوں نے حضرت عائشہ کی اچھی ثناء فرمائی اور ان کی ثناء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا گویا اس مسئلہ میں امام بخاری نے ہمارے امام ابوحنیفہ کے قول کی تائید فرمائی وعند الجمھور ایسی تعدیل صحیح نہیں ہے ولنا ھذا الحدیث وللجمھور عورتوں کا ناقص العقل ہونا ہے۔ جواب صریح حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ مارام مجلس:۔ ای ما برح مجلسہ ابھی مجلس ختم نہ ہوئی کہ وحی نازل ہوگئی۔ البرحاء:۔ بخار:۔ باب اذا زکی رجل رجلا کفاہ غرض یہ ہے کہ اگر ایک مرد ایک مرد کا تزکیہ کر دے تو کافی ہے گویا کتاب الشہادات کے شروع میں جو باب تعدیل کم یجوز تھا اس کی یہاں وضاحت ہوگئی کہ ایک مرد کا تزکیہ بھی کافی ہے۔ وجدت منبوذاً میں نے ایک راستہ میں پڑا ہوا بچہ پایا۔ عسی الغویر ابوسا:۔ غویر کا لفظ غار کی تصغیر ہے اور ابوس یہ بوس کی جمع ہے جس کے معنی سختی کے ہیں اس ضرب المثل کے واقعہ میں دو قول ہیں۔ ا۔ ایک غار میں کچھ لوگوں نے پناہ لی وہ غار ان پر گر گئی۔ ۲۔ دشمن کو پتہ چل گیا تو دشمن نے ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا اور یہ ضرب المثل ایسے موقعہ میں استعمال ہوتی ہے کہ کوئی شخص ایسے کام میں داخل ہو جس کے انجام کا پتہ نہ ہو حضرت عمر نے جو اس ضرب المثل کو اس موقعہ میں ذکر فرمایا تو مقصد یہ تھا کہ تم جس بچہ کو لقیط قرار دے رہے ہو مجھے شبہ ہے کہ شاید یہ تمہارا اپنا ہی بیٹا ہو اور تم صرف بیت المال سے وظیفہ لینے کے لئے اس کو لقیط قرار دے رہے ہو پھر جب عریف نے یعنی محلہ یا گاؤں کے نمبردار نے کہہ دیا انہ رجل صالح تو حضرت عمر نے اُس کے تزکیہ پر اعتماد فرما لیا معلوم ہوا کہ ایک مرد کا تزکیہ کافی ہے۔

باب ما یکرہ من الا طناب فی المدح ولیقل ما یعلم

غرض یہ ہے کہ زیادہ مدح کرنا مکروہ ہے۔ وہی بات کہے جس کی تحقیق ہے۔

باب بلوغ الصبیان و شھادتھم

غرض:۔ یہ بیان کرنا ہے کہ بچوں کو کب بالغ شمار کیا جائے گا۔ ۲۔ یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بلوغ سے پہلے بچوں کی گواہی معتبر نہیں ہے یہی جمہور کا قول ہے اس باب میں وجوب احکام کی روایات ہیں ان پر ہی قبول شہادت کو قیاس کیا جائے گا۔

باب سؤال الحاکم المدعی هل لک بینه قبل الیمین

غرض قاضی کو قضاء کا طریقہ بتلانا ہے کہ دعوے کے بعد مدعیٰ علیہ کو بلائے اور مدعی سے گواہ طلب کرے نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ سے یمین لے نہ کھائے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے۔

باب الیمین علی المدعیٰ علیه فی الا موال والحدود

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ا۔ قاضی ایک گواہ ہونے کی صورت میں مدعی سے یمین نہ لے گا کیونکہ یمین صرف مدعیٰ علیہ کا وظیفہ ہے۔ ۲۔ حدود میں بھی قسم لی جاسکتی ہے۔ باب:۔ گذشتہ دو بابوں کا تتمہ ہے جن میں قضاء کا طریقہ بتلا دیا گیا تھا اب یہ مقصود ہے کہ مدعی کو قاضی کہے گواہ لاؤ چنانچہ اس باب کی حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مدعی کو خطاب کر کے وارد ہے شاہداک تمہارے گواہ کہاں ہیں ان کو لاؤ۔

باب اذا ادعی او قذف فله ان یلتمس البینة وینطلق لطلب البینة

غرض یہ ہے کہ قاضی مدعی کو گواہ تلاش کرنے کے لئے تین دن کی مہلت دے۔

باب الیمین بعد العصر

غرض یہ ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے قسم میں تغلیظ مستحب ہے اور یہی ہمارے امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے اور جمہور کے نزدیک ضروری ہے منشاء اختلاف زیر بحث روایت ہے عن ابی ہریرۃ

مرفوعاً وعید شدید کا مصداق ایک یہ ذکر فرمایا رجل ساوم رجلا بسلعۃ بعد العصر مخلف باللہ لقد اعطی بہ کذا وکذا ہمارے امام صاحب کے نزدیک یہ استحباب پر محمول ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات عزیز منتقم قاہر جبار وغیرہ سے تغلیظ میں کچھ حرج نہیں کیونکہ یہ نفس قسم ہی کا کمال ہے زائد چیز نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک یہ حدیث وجوب پر محمول ہے ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے کیونکہ عصر کے وقت کے اہتمام میں زائد تکالیف ہیں مثلاً ۱۔ غیر ضروری تکلف۔ ۲۔قاضی کی مشقت۔۳۔اہل خصومۃ کی مشقت

باب یحلف المدعیٰ علیہ حیثما وجبت علیہ الیمین ولا یصرف من موضع الی غیرہ

غرض یہ ہے کہ جگہ کے لحاظ سے قسم میں تغلیظ نہیں ہے گویا تائید کر دی حنفیہ اور حنابلہ کی البتہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مکان کے لحاظ سے بھی تغلیظ معتبر ہے ولنا ۱۔حدیث الباب عن ابن مسعود مرفوعاً من حلف علی یمین لیقتطع بھا مالاً لقی اللہ وھو علیہ غضبان ۲۔ گذشتہ باب کی روایت دو باب چھوڑ کر عن ابی وائل مرفوعاً شاہداک اویمینہٗ ۔ان دونوں حدیثوں میں یمین ہے اور جگہ کی قید نہیں ہے۔ وللشافعی و مالک مکان کی تغلیظ میں زیادہ احتیاط ہے۔ جواب اس احتیاط کا اعتبار نہیں کیونکہ اس میں زائد تکلف ہے کیونکہ ۱۔غیر ضروری تکلف ہے۔۲۔ قاضی کی مشقت ہے۔۳۔ اہل خصومت کی مشقت ہے۔۴۔مساجد میں نمازیوں کی تشویش ہے۔

باب اذا تسارع قوم فی الیمین

غرض میں تین تقریریں۔۱۔ مدعیٰ علیہم کثیر ہوں اور بینہ نہ ہوں۔ مدعی کے پاس اور سب مدعیٰ علیہم جلدی فارغ ہونا چاہیں اور ہر ایک پہلے قسم دینا چاہے تو قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جائے گا کہ پہلے کون قسم کھائے اور یہ مسئلہ اتفاقیہ ہے۔۲۔ایک چیز پر دو شخصوں کا برابر کا قبضہ ہے اور بینہ نہیں ہیں یا دونوں کے پاس ہیں پس قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آیا وہ قسم کھا کر چیز کا مالک بن جائے گا۔۳۔ایک چیز ید ثالث میں ہے ان دو دعویداروں میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ باقی صورت وہی ہے جو بھی دوسری غرض میں گذری۔ یہ دوسری اور تیسری غرض والی صورت میں امام بخاری نے بظاہر امام احمد ہی کا قول لیا ہے کہ ایسی صورت میں قرعہ اندازی سے فیصلہ ہوگا جس کے نام کا قرعہ نکل آیا وہ قسم کھا کر چیز لے جائے گا۔ وعندا امامنا ابی حنیفۃ والشافعی وہ چیز دونوں کے درمیان برابر درجہ کی مشترک ہو جائے گی اور امام مالک کے نزدیک توقف ہوگا جب تک ترجیح کی وجہ ظاہر نہ ہو ولنا روایۃ داؤد عن ابی موسیٰ فقسمہ بینھما نصفین ولاحمد۔۱۔زیر بحث حدیث عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرض علی قوم الیمین فاسرعوا فامران یسھم بینھم فی الیمین ایھم یحلف۔ جواب۔۱۔ یہ قمار کے حرام ہونے سے پہلے پر محمول ہے۔۲۔ وہ صورت مراد ہے جو اس باب کی پہلی غرض کی تقریر میں مذکور ہے کہ مدعیٰ علیہم کئی ہو سب جلدی قسم کھانا چاہیں تو صرف تقدیم یمین میں قرعہ اندازی ہوگی نہ کہ اثبات حق میں۔۲۔ ولاحمد دلیل دوسری قیاس ہے کہ جب استحقاق میں برابر ہیں تو قرعہ اندازی سے فیصلہ ہوگا۔ جواب یہ تو قمار ہے ولمالک جب دونوں برابر ہیں تو توقف ہوگا۔ جواب نص کی موجودگی میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب قول اللہ تعالیٰ ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایمانھم ثمنا قلیلا

غرض جھوٹی قسم پر وعید ذکر فرمانا ہے۔

باب کیف یستحلف

غرض قسم کھانے کا طریقہ بیان فرمانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات سے ہوتی ہے۔

باب من اقام البینۃ بعد الیمین

غرض یہ ہے کہ بینہ یمین کے بعد بھی معتبر ہیں۔ **وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعل بعضکم الحن بحجۃ من بعض:** ۔غرض یہ ہے کہ بینہ کا درجہ اونچا

ہے کیونکہ قول خصمین باطل بھی ہوسکتا ہے جس کو چرب لسانی کی وجہ سے سچ بنانے کی کوشش کی گئی ہو۔ **البینة العادلة احق من الیمین الفاجرة** :۔ بیّنہ کے احق ہونے کی دو وجہیں ہیں ۔ا۔ بینہ میں دو ہیں اور یمین میں ایک ہے۔۲۔ بینہ غیر کا حق ثابت کرنے کے لئے ہیں اور یمین اپنا حق ثابت کرنے کے لئے ہے اور اپنے حق ثابت کرنے میں۔ تہمت کا موقعہ زیادہ ہے۔

باب من امر بانجاز الوعد

غرض یہ ہے کہ قاضی وعدہ پورا کرنے کا حکم دے گا گویا مذہب لیا امام مالک کا وعندالجمہور ایفاءوعدہ میں قاضی دعویٰ نہ سُنے گا ادلہ مالک احادیث الباب ہیں مثلاً عن ابی ہریرة مرفوعاً آیة المنافق ثلث اذا حدّث کذب واذا ائتمن خان واذا وعد اخلف جواب یہ مروت کا بیان ہے قضاء کا بیان نہیں ہے۔ ولنا کہ وعدہ دَین کی طرح نہیں ہے اور اس کا درجہ کم ہے اس لئے اس میں قضاء قاضی کی ضرورت نہیں ہے۔

باب لا یُسئل اھل الشرک عن الشھادة وغیرھا

غرض یہ ہے کہ مشرکین کی نہ تو گواہی کسی مسلمان کے خلاف معتبر ہے نہ ان کی روایت معتبر ہے البتہ اُن کی گواہی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف اور حق میں معتبر ہے اور مسلمان کی تائید میں بھی معتبر ہے۔ **وقال الشعبی لا تجوز شھادة اھل الملل بعضھم علی بعض** :۔ یعنی ایک ملت کی دوسری ملت سے دشمنی ہوتی ہے اور دشمنی کے ساتھ شہادت معتبر نہیں ہوسکتی لیکن جمہور کے نزدیک صرف اختلاف ملت رد شہادت کے لئے کافی نہیں ہے جب تک کہ عداوت ظاہر نہ ہو کیونکہ مدار عداوت پر ہے جب تک ظاہر نہ ہو اس وقت تک رد نہیں کر سکتے۔ **لا تصد قوا اھل الکتاب ولا تکذبو ھم** :۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاتھ میں حق اور باطل ملا جُلا ہے اس لئے نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں کیونکہ احتمال ہے کہ باطل کی تصدیق ہو جائے اور نہ ہم تکذیب کر سکتے ہیں کہ شاید حق ہو اور ہم حق کی تکذیب کرنے والے بن جائیں۔ **وغیر وابایدیھم الکتاب** :۔ ید کا تعلق لکھنے سے ہے اس لئے صاف ثابت ہوا کہ تحریف لفظی کی کتابت پائی گئی اس لئے جو علماء صرف تحریف معنوی کے قائل ہیں ان کا قول صحیح نہیں ہے۔ **باب القرعة فی المشکلات** :۔ غرض یہ ہے کہ تطییب خاطر کے لئے قرعہ اندازی جائز ہے لیکن حق ثابت کرنے کے لئے جائز نہیں کیونکہ وہ تو جُوا اور قمار بن جاتا ہے جو حرام ہے۔ **من المسھومین من المغلوبین کتاب الصلح** :۔ غرض صلح کے احکام کا بیان ہے جو نزاع کو ختم کردے۔ **باب ما جاء فی الا صلاح بین الناس** :۔ غرض یہ ہے کہ اصلاح بین الناس بہت ثواب کا کام ہے۔

باب لیس الکاذب الذی یصلح بین الناس

غرض یہ ہے کہ صلح کرانے کے لئے توریہ کا استعمال جائز ہے حتی الامکان صریح کذب نہ ہونا چاہئے۔ **فینمی** :۔ ای یرفع یعنی نقل کرے۔

باب قول الامام لا صحابه اذھبوا بنا نصلح

غرض یہ ہے کہ قضاء پر قادر ہونے کے باوجود صلح کرادینا بہتر ہے۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔ **یریٰ من امرأته مالا یعجبه کبراً اوغیرہ** :۔ لا نافیہ ہے اور ما موصولہ ہے کبراً ما کا بدل ہے اپنی بیوی سے ایسی چیز دیکھے جو اس کو پسند نہ ہو مثلاً تکبر وغیرہ۔

باب اذا اصطلحوا علی صلح جو رفالصلح مردود

غرض یہ ہے کہ اگر کسی ناجائز کام پر صلح ہو جائے تو اُس پر عمل

کرنا جائز نہیں ہے۔

باب کیف یکتب ھذا ما صالح فلان بن فلان و فلان بن فلان و ان لم ینسبه الی قبیلة او نسبه

غرض یہ ہے کہ اتنا نام لکھنا کافی ہے جس سے شبہ ختم ہو جائے فکتب ھذا ما قاضی علیه محمد بن عبداللہ:۔ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صورت کیا ہوئی تھی تین قول ہیں۔ا۔امر فرمایا تھا لکھنے کا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ لکھا تھا۔۲۔بطور معجزہ کے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا اور یہ معجزہ صرف وقتی طور پر ظاہر ہوا تھا۔۳۔بعض نے کہہ دیا مامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ کتب یعنی آپ کو اخیر زمانہ میں کتابت پر قدرت ہوگئی تھی لیکن یہ قول شاذ ہے اسی شاذ ہونے کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

؎ برئتُ ممن شریٰ دُنیا باٰ خرة
وّقال ان رسول اللهﷺ قد کتبا

فلما دخلھا و مضٰی الاجل:۔ یعنی ایک سال گذرنے کے بعد جب عمرة القضاء کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور داخل ہونے کے بعد تین دن کی مدت جو مقرر کی ہوئی تھی گذر گئی۔ وقال زید ابنة اخی:۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زید اور حضرت حمزہ کی ہجرت کے وقت بھائی بھائی بنا دیا گیا تھا۔

باب الصلح مع المشرکین

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی مصلحت ہو تو مشرکین سے صلح کرنی جائز ہے۔ فردہ الیھم:۔ کیونکہ ابو جندل اپنے والد کی وجہ سے محفوظ تھے ان کو کوئی مشرک تکلیف نہ پہنچا سکتا تھا

باب الصلح فی الدیة

غرض یہ ہے کہ دم عمد میں بھی دیة پر صلح جائز ہے۔
لاتکسر ثنیتھا:۔ یہ غلبہ ناز میں عرض کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور ایسا اسباب بنادیں گے کہ ان کے دانت نہ نکالنے پڑیں گے مخالفت مقصود نہ تھی۔

باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم للحسن بن علی ابنی ھذا سید و لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظمتین

غرض پیشین گوئی کا ذکر ہے جو صلح کے متعلق تھی اور بطور معجزہ پوری ہوئی۔ سمعتُ الحسن یقول:۔ یہاں حسن بصری مراد ہیں۔ وکان واللہ خیر الرجلین:۔ یہ حضرت حسن بصری کا مقولہ ہے کہ دو مردوں یعنی حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص میں سے بہتر حضرت امیر معاویہ ہیں کیونکہ وہ صلح چاہتے تھے اور حضرت عمرو لڑائی چاہتے تھے حضرت حسن بن علی کے ساتھ۔ ای عمرُ و یعنی یا عمرو۔ قد اصبنا من ھذا المال:۔ یعنی ہمیں خلافت میں بہت سا مال ملا تھا وہ ہم نے اپنے خادموں وغیرہ پر خرچ کیا اس لئے ہم کچھ مال خرچنے کے عادی بن گئے ہیں اس لئے ہمیں آئندہ بھی کچھ مال لینا چاہئے۔ تا کہ ہمارا گذارہ آسانی سے ہو سکے۔ وان ھذہ الامة قد عاثت فی دمائھا:۔ یعنی یہ ہماری جماعت فاسد ہو چکی ہے اپنے خونوں میں ان میں بہت قتل ہو چکے ہیں اس لئے مالی طور پر کافی کمزور ہو چکے ہیں ان کو کچھ مال دینے کی ضرورت ہے تا کہ یہ خوشی سے لڑائی چھوڑ کر خوشی خوشی اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ ان ابنی ھذا سیّد:۔ سیّد کے لفظ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو ثواب آخرت کی خاطر حکومت چھوڑ دے وہ سید کامل ہوتا ہے۔ لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین:۔ حضرت علی کے شہید ہونے کے چھ ماہ بعد یہ صلح واقع ہوئی حضرت حسن بن علی کے ہاتھ پر چالیس ہزار حضرات نے بیعت کی تھی اور اہل شام نے حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی تھی یہ صلح ۴۱ھ میں ربیع الاول یا ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ کے شروع میں ہوئی گویا تیس سال خلافت کے پورے ہو گئے اور حدیث مرفوع میں ہے الخلافة بعدی ثلثون سنةً حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنة میں نقل فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں حضرت علی نے حضرت امیر معاویہ

کو صلح کی طرف دعوت دی تھی جبکہ حضرت علی اُن کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تھے اور یہ مطالبہ فرمایا تھا کہ میں اور آپ اُس حصہ پر قابض رہیں جس پر اب قابض ہیں انتھیٰ اس ابن تیمیہ کی نقل کی ہوئی بات سے شیعہ کے اس قول کا رد ہو گیا کہ نعوذ باللہ حضرت امیر معاویہ کے سب ساتھی مرتد تھے کیونکہ ایسا ہوتا تو حضرت علی ان پر ضرور غالب آجاتے وانتم الا علون ان کنتم مومنین.

باب هل يشير الا مام بالصلح

غرض یہ ہے کہ امام کے لئے مستحب ہے کہ پہلے صلح کا مشورہ دے اگر وہ صلح نہ کریں تو فیصلہ کردے۔ ولہ ای ذلک احب:۔ میرے مخالف کو اختیار ہے چاہے وہ رقم کی کمی کو اختیار کرے اور چاہے تو مطالبہ کی نرمی اختیار کرلے۔

باب فضل الا صلاح بين الناس والعدل بينهم

غرض لوگوں کے درمیان صلح کرانے اور انصاف کرنیکی فضیلت کا بیان ہے۔

باب اذا اشار الا مام بالصلح فابیٰ حكم عليه بالحكم البيّن

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے کہ امام جب صلح کا مشورہ دے اور وہ انکار کرے تو اس پر اصل حکم جاری کرے۔ احفظہ اغضب۔

باب الصلح بين الغرماء واصحاب الميراث والمجاز فة في ذلك

غرض یہ ہے کہ اس صلح میں اٹکل اور اندازے سے لینا دینا بھی جائز ہے کیل ووزن ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ صلح مسالحات میں سے ہے معاوضات میں سے نہیں ہے۔

باب الصلح بالدين والعين

غرض یہ ہے کہ دَین اور عین میں صلح جائز ہے۔ سوال باب کی حدیث میں عین کا ذکر نہیں ہے جواب دین پر عین کو قیاس فرمایا۔ **کتاب الشروط**۔ غرض شروط کے احکام کا بیان ہے۔ الشرط ما يلزم من عدمه العدم ولا يلزم من وجوده الوجود پھر شرط کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ عقلی جیسے حیوٰۃ علم کی عقلی شرط ہے کہ بغیر حیوٰۃ کے علم نہیں ہے اور حیوٰۃ کے ساتھ علم ضروری نہیں ممکن ہے کہ جاہل رہے۔ ۲۔ شرعی جیسے وضو نماز کے لئے کہ وضو کے بغیر شرعاً نماز نہیں ہے اور وضو پایا جائے تو نماز کا وجود ضروری نہیں ہے۔ ۳۔ لغوی جیسے کوئی کہے ان اکرمتنی اکرمک کہ پہلا اکرام نہ ہو تو دوسرا بھی نہ ہوگا اور اگر پہلا ہو تو دوسرے کا ہونا لازم نہیں ہے۔

باب ما يجوز من الشروط في الا سلام والا حكام والمبايعة

غرض جائز اور ناجائز شرطوں کا بیان ہے پھر لفظ مبایعۃ سے کیا مراد ہے دو احتمال ہیں۔ ۱۔ بیعۃ اسلام اور ۲۔ عقد بیع وامتعضوا یعنی مسلمانوں پر شاق ہوا اور ناراض ہوئے۔

فكاتبه النبي صلى الله عليه وسلم علىٰ ذلك

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے علم ہو گیا کہ قریش اس معاہدہ کو توڑیں گے اور پھر یہ توڑنا فتح مکہ کا سبب ہوگا

باب اذا باع نخلا قدابّرت: غرض یہ ہے کہ تابیر کے بعد اگر کھجور کی بیع ہو تو پھل بائع کا ہوگا تابیر خاص قسم کا پیوند ہوتا تھا کہ نر کھجور کی شاخوں کو مادہ کھجور میں لگاتے تھے اس سے پھل زیادہ آتا تھا۔

باب الشروط في البيع: غرض یہ ہے کہ شرط فاسد لگانا بیع میں جائز نہیں ہے تفصیل کتاب البیوع میں گذر چکی۔

باب اذا اشترط البائع ظهر الدابة الى مكان مسمىً جاز

غرض یہ ہے کہ سواری کی بیع میں اگر بائع یہ شرط لگادے کہ میں فلاں جگہ تک سواری بھی کروں گا تو جائز ہے گویا امام مالک واحمد کا مسلک لے لیا وعندنا اما منا ابی حنیفۃ والشافعی جائز نہیں ہے منشا اختلاف اس باب کی روایتیں ہیں مثلاً اول الباب عن جابر موقوفاً فاستثنیت حُملا نہ الی اہلی ہمارے نزدیک یہ بطور ہمدردی کے عقد سے پہلے یا بعد میں ذکر کیا گیا ہے امام مالک واحمد کے نزدیک یہ نفس عقد میں شرط تھی اس لئے ایسی شرط لگا لینے میں کچھ حرج نہیں ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے کہ ایسی شرطوں سے بچا جائے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں اور احد المتعاقدین کا یا معقود علیہ کا جبکہ وہ ذوی العقول میں سے ہو اس شرط میں فائدہ ہو کیونکہ ایسی شرط مفسد عقد ہوتی ہے۔ افقرنی:۔ ای حملنی علی فقارہ وھو عظام ظہرہ یعنی مجھے اپنی سواری پر سوار کرایا۔

باب الشروط في المعاملة: غرض یہ ہے کہ معاملات مثلاً مزارعت وغیرہ میں شرطیں لگانے کا حکم کیا ہے۔

باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح: غرض یہ بیان کرنا ہے کہ نکاح کے مہر میں معجّل یا منجم جو بھی طے کرلیا ہو اس کی پابندی ہونی چاہئے۔ **ان مقاطع الحقوق عند الشروط:**۔ مقاطع کے معنی مواضع کے ہیں یعنی مطالبہ حق کا شرط کے مطابق ہونا چاہئے۔

باب الشروط في المزارعة: غرض یہ ہے کہ ایک باب چھوڑ کر پیچھے جو باب تھا۔

باب الشروط فی المعاملة

اس کی جزئیات میں سے ایک جزئی کا ذکر ہے یعنی اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں ان میں سے ایک صورت کا ذکر ہے۔

باب ما لا یجوز من الشروط فی النکاح

غرض ان شرطوں کا بیان ہے جن کا لگانا نکاح میں جائز نہیں ہے۔

باب الشروط التی لا تحل فی الحدود

غرض ان شروط کا بیان ہے جو حدود میں لگانی جائز نہیں ہیں۔

باب ما یجوز من شروط المکاتب اذا رضی بالبیع علی ان یعتق

غرض یہ ہے کہ مکاتب کی رضاء سے کتابت فسخ کردینی بھی جائز ہے۔

باب الشروط فی الطلاق

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ طلاق معلّق کا کیا حکم ہے۔

المهاجر: یہاں اس سے مراد وہ شخص ہے جو شہر میں مقیم ہے۔

باب الشروط مع الناس بالقول

غرض یہ ہے کہ بغیر گواہ بنائے اور بغیر لکھے بھی شرط لگانی جائز ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبول فرمائی۔

قرأها ابن عباس اما مهم مَلِک :۔ وراٴهم کی جگہ حضرت ابن عباس نے امامهم پڑھا بطور تفسیر کے کہ وراٴ یہاں امام کے معنیٰ میں ہے۔

باب الشروط فی الولاء : غرض ولاء کے متعلق شرطوں کا حکم بتلانا ہے کہ شریعت کے خلاف کوئی شرط نہیں لگ سکتی۔

باب اذا اشترط فی المزارعة اذا شئتُ اخرجتک

غرض یہ ہے کہ مزارعت بلا تعیین اجل بھی صحیح ہے۔ اور اس مسئلہ کی تفصیل پیچھے کتاب المزارعت میں گذر چکی ہے فَدَعَ۔ ہڈیوں کے جوڑوں کو ہلا دیا۔
فاجلا هم عُمر :۔ یہ تعزیراً کیا کیونکہ معلوم نہ ہوسکا کہ کس نے زیادتی کی ہے۔ اور مرفوعاً اشارہ موجود ہی تھا اخرجوا الیہود من جزیرۃ العرب

باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب وكتابة الشروط مع الناس بالقول: دو غرضیں ہیں۔ ۱۔ جہاد اور صلح میں بھی شرطیں طے کرنی جائز ہیں۔ ۲۔ پیچھے ایک باب گذرا تھا کہ بغیر لکھے بھی شرطیں ٹھیک ہیں یہ باب اس کا تتمہ ہے کہ بہتر ہے کہ شروط کو لکھ لیا جائے۔

اذا هم بقترة الجیش:۔ قترہ کے معنیٰ غبار کے ہیں **خلأت**:۔ بیٹھ گئی القصواء اونٹنی کا نام۔ **ثمد**:۔ گڑھا یتبرضه الناس لوگ اس کو تھوڑا تھوڑا لے رہے تھے۔ **عیبة** :۔ اس کے اصل معنی موضع الثیاب ہیں مراد رجل موضع السر والامانة **تهامه**:۔ مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کے علاقہ کو تہامہ کہتے ہیں۔ **معهم العُوذ المطافیل**:۔ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں بچوں والی اونٹنیاں یعنی دودھ کی خاطر ایسی اونٹنیاں لائے اور وہ لڑائی کے لئے تیار ہیں۔ **فقد جَمّوا**:۔ ای استراحوا ان کو آرام کا موقعہ مل جائے گا صلح کے زمانے میں۔ **حتی تنفرد سالفتی**:۔ یہاں تک کہ میری گردن الگ ہوجائے یعنی میں شہید کردیا جاؤں۔ **استنفرتُ اهل عکاظ**:۔ میں نے اہل عکاظ کو تمہاری امداد کے لئے بلایا۔ **فلما بلّحوا**:۔ جب وہ عاجز ہوگئے اور تمہاری امداد کے لئے نہ آسکے۔ **فانی واللہ لا ریٰ وجوها وانی لاریٰ اشوابا من الناس**:۔ اس عبارت کے تین معنیٰ کئے گئے۔ ۱۔ مشرکین قریش میں تو اعلیٰ درجہ کے سردار دیکھ کر آیا ہوں اور آپ کے ساتھیوں میں ملے جلے مختلف قبیلے ہیں جو قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ۲۔ دونوں جملوں میں مسلمانوں ہی کا حال ذکر کرنا مقصود ہے کہ میں آپ کے ساتھیوں میں مختلف قسم کے چہرے دیکھتا ہوں دوسرا جملہ اسی پر عطف تفسیری ہے اور اسی کی تاکید ہے۔ ۳۔ میں آپ کے ساتھیوں میں تھوڑے تو سردار دیکھتا ہوں اور زیادہ ملے جلے لوگ دیکھتا ہوں۔ **امْصُص بِبَظْر اللّات**:۔ بظر کے معنیٰ فرج کے ایک حصہ کے ہیں غصہ میں حضرت ابوبکر نے ارشاد فرمایا کافر تم لات بُت کی شرم گاہ کو جا کر چوسو کیا ہم بھاگ جائیں گے۔ ضغطة:۔ ای قهراً **لا یاتیک منا رجل**:۔ رجل کے لفظ سے عورتیں نکل گئیں لیکن ایک روایت میں احد ہے پھر آیت کی وجہ سے اتنے حصے کو عورتوں کے حق میں منسوخ کہا جائے گا۔ **یرسُفُ**:۔ بیڑی کی وجہ سے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ **قال مکرز بلیٰ قد اجرناه لک**:۔ گو مکرز نے یہ بات کہہ دی کہ ہم نے اجازت دی لیکن دوسرے مشرکین نے یہ بات نہ مانی اور حضرت ابوجندل کو واپس کرنے ہی کا فیصلہ ہوا۔ **الستَ نبی اللہ حقاً**:۔ یہ اظہار شک نہ تھا بلکہ ۱۔ کافروں کی ذلت ظاہر کرنے کے لئے تھا ۲۔ اور نرمی سے صلح کر لینے کی حکمت پوچھنے کے لئے تھا۔ **لستُ اَعْصِیه**:۔ اس میں حکمت ارشاد فرمادی کہ وحی کی وجہ سے میں نے نرمی کے ساتھ صلح کر لی ہے اور شروع ہی میں جب اونٹنی قصواء بیٹھی تھی اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ نرمی کرنے کے متعلق ہوگیا تھا۔ **فاخبرتک انا ناتیه العام**:۔ یہاں

استفہام کا ہمزہ محذوف ہے کیا میں نے آپ کو یہ خبر دی تھی کہ ہم بیت اللہ تک ضرور اسی سال جائیں گے۔ فاتیتُ ابا بکر:۔ حضرت عمر فاروق کا اس موقعہ میں حضرت ابوبکر کے پاس جانا حضرت ابوبکر صدیق کے امتحان کے لئے تھا کہ دیکھوں ان کے جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوتے ہیں یا کچھ فرق ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اس امتحان میں اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئے اور ان کے پیارے جوابات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے عین مطابق تھے یہ حضرت صدیق اکبر کی کمال فراست اور کمال رسوخ ایمان تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہما فاستمسک بغرزہ:۔ اونٹ پر گھوڑے کی طرح سوار ہوں تو جیسے گھوڑے کی زین کے ساتھ پاؤں رکھنے کی جگہ بنی ہوتی ہے جس کو رکاب کہتے ہیں ایسی ہی جگہ اونٹ کی زین کے ساتھ بھی ہوتی ہے اس کو غرز کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک رکھنے کی جگہ کو پکڑلو اور پوری پوری اطاعت کرو۔ قال عمر فعملت لذلک اعمالاً:۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس نامناسب گفتگو کے تدارک کے لئے بعد میں کئی عمل کئے نماز روزہ اعتاق وغیرہ غمّاً:۔ بھیڑ کی وجہ سے ثم جاء نسوۃ:۔ یعنی مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد عورتیں ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچیں جیسا کہ ایک روایت میں تصریح ہے۔ لو کان لہ احد:۔ جزاء محذوف ہے لابتدأ الحربُ یعنی اگر اُس مشرک کا کوئی اور ساتھی ہوتا تو لڑائی شروع ہوجاتی۔ تناشدہ باللہ والرحم لما ارسل:۔ قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے رہے تھے اور صلہ رحمی کا واسطہ دے رہے تھے لما بمعنی الّا ہے کہ اور کچھ نہ کریں مگر ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلالیں۔ فمن اتاہ فھو آمن:۔ وہ شرط ہم خود ہی ختم کرتے ہیں۔ اب جو آپ کے پاس مسلمان ہوکر جائے اس کو امن ہے وہ آپ کے پاس ہی رہے گا۔ ما نعلم احداً من المھاجرات ارتدت بعد ایمانھا:۔ یعنی ایمان کے بعد کوئی مرتد نہ ہوئی یہاں یہ روایت امام زہری کی ہے اور تفسیر قرطبی میں یہی بات حضرت ابن عباس سے بھی منقول ہے۔

باب الشروط فی القرض: غرض قرض میں مدت مقرر کرنے کا حکم بیان کرنا ہے اور اختلاف کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

باب المکاتب وما لا یحل من الشروط التی تخالف کتاب اللہ تعالیٰ

غرض مکاتب بنانے کی شروط فاسدہ کا بیان ہے۔ سوال۔ اس مضمون کا باب پیچھے گذر چکا ہے جواب پیچھے شروط جائزہ تھیں اب شروط فاسدہ ہیں۔

باب ما یجوز من الاشتراط والثنیا: غرض شروط اور استثناء کا بیان ہے۔ فان لم ارحل معک یوم کذا وکذا فلک مائۃ:۔ اگر اجارہ کا چند دن پہلے وعدہ کرلیا تو اب اجرت قاضی شریح کے نزدیک دینی پڑے گی سواری کا جانور لے جائے یا نہ لے جائے جمہور کے نزدیک یہ صرف وعدہ خلافی ہے معافی مانگے اور توبہ کرے اُجرت واجب نہ ہوگی۔ لکریّہ:۔ کرِی کہتے ہیں اس شخص کو جو سواریاں کرائے پر دیتا ہے۔ ادخل رکابک:۔ سواریاں سفر کے لئے تیار کرو۔ ان لم اٰتک الاربعاء فلیس بینی وبینک بیع:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ واحمد وشریح یہ بیع باطل ہے کہ سودا طے کرلے اور کہے بدھ کے دن میں آگیا تو بیع ہے ورنہ نہیں ہے وعند مالک والشافعی یہ شرط ساقط ہوجائے گی اور بیع صحیح ہوجائے گی ولنا یہ تو قمار ہے ولمالک والشافعی نکاح پر قیاس کریں گے۔ جواب۔ نکاح اور بیع میں بہت فرق ہے۔ مائۃ الا واحدا:۔ یہ محل ترجمہ ہے من احصاھا دخل الجنۃ:۔ احصاء کے معنیٰ میں اقوال ۱۔ حفظ کرلینا ۲۔ معانی جاننا ۳۔ تخلق باخلاق اللہ تعالیٰ واسماء اللہ تعالیٰ کہ ان پیارے ناموں کی شانوں کے عکس اختیار کرنے کی پوری کوشش کرے۔

باب الشروط فی الوقف: غرض وقف کی شرطوں کا بیان ہے۔

کتاب الوصایا

غرض وصیت کے احکام بتلانا ہے ربط جب زندگی میں تملیک وتملک کے احکام سے فارغ ہوئے تو اب تملیک بعد الموت کے احکام شروع فرمائے۔

باب ان یترک ورثۃ اغنیاء خیر من ان یتکففوا الناس

غرض یہ ہے کہ قلیل المال کے لئے ترک وصیت اولیٰ ہے۔

باب الوصیۃ بالثلث: غرض یہ ہے کہ ثلث مال کی وصیت جائز ہے۔ وقال الحسن لا یجوز للذمی وصیۃ الا الثلث:۔ اور یہی مذہب جمہور ائمہ کا ہے کہ ذمی کے لئے بھی ثلث سے زائد کی وصیت جائز نہیں ہے اور اگر کرے گا تو نافذ نہ ہوگی لیکن عندامامنا ابی حنیفۃ ذمی کی وصیت ثلث سے زائد میں بھی نافذ ہے منشاء اختلاف اس آیت کی تفسیر ہے وان احکم بینھم بما انزل اللہ ہمارے نزدیک یہ حکم اُس وقت ہے جب وہ ہمارے پاس اپنا جھگڑا لائیں جمہور کے نزدیک یہ عام ہے ہمارے پاس جھگڑا لائیں یا نہ لائیں ترجیح حنفیہ کی تفسیر کو ہے اس دوسری آیت کی وجہ سے لا اکراہ فی الدین۔

باب قول اموصی لوصیّہ تعاهد ولدی وما یجوز للوصی من الدعوی: دوغرضیں ہیں۔ا۔ یہ وصیت کرنا جائز ہے کہ میرے بیٹے کاخیال کرنا۔۲۔وصی کیادعویٰ کرسکتا ہےاس کابیان مقصود ہے

باب اذا اومأ المریض اشارۃ بینۃ جاز: بینۃ یہ صفت ہے اشارہ کی کہ اشارہ واضح ہونا چاہئے۔ پھرغرض کی دوتقریریں ہیں۔ا۔اشارہ کے ساتھ بھی وصیّت کی جاسکتی ہے۔۲۔قاتل کی تفتیش میں اشارہ بھی کافی ہے۔ سوال۔ بلابینہ قصاص کیسے جاری فرمادیا۔جواب۔اشارہ کے بعد جب قاتل کوپکڑا گیاتواس نےقتل کااقرار کرلیاتھااس لئے اس اقرار کی بناء پر قصاص جاری فرمایا۔

باب لا وصیة لوارث: غرض اس حدیث پاک کابیان ہے جوابو داؤدترمذی اورمسند احمد میں ہےلاوصیۃ لوارث اوربیہقی میں زیادتی بھی ہےالاان تجیز الورثۃ لیکن امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے اسناداً نہ لائے اور ترجمۃ الباب میں ذکرفرمادی کہ یہ حدیث بھی ثابت ہے۔

اس حدیث پاک کا درجہ:۔مختلف اقوال ہیں۔ا۔حافظ ابن حجر نے اس حدیث کوحسن الاسنادقراردیاہے۔۲۔دوسرے موقعہ میں حافظ ابن حجر ہی نے فرمایاہے سندہ قوی۔۳۔بعض محدثین کاقول ہے کہ حدیث کی سندتو کمزور ہے لیکن تلقی لامۃ بالقبول کی وجہ سے معتبرہوگئی۔۴۔امام شافعی نے اپنی کتاب جس کانام کتاب الام ہےاس میں فرمایاہے کہ اس حدیث پاک کامتن متواتر ہے۔

باب الصدقة عند الموت: غرض یہ ہے کہ موت کے وقت بھی صدقہ جائز ہےاگرچہ افضل صحت میں ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ من بعد وصیۃ یوصی بھا اودین

غرض کی دوتقریریں ہیں۔ا۔وصیت کی اہمیت بیان فرمانی مقصود ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے وصیت کودین پراور وراثت پر مقدم ذکرفرمایا۔۲۔مریض کا اقرارمرض موت میں صحیح ہےوہ اقرار ورثہ کے لئے ہویاغیرورثہ کے لئے ہواور اس مسئلہ میں امام بخاری نے ائمہ اربعہ اور جمہور کی مخالفت اختیارفرمائی کیونکہ جمہور کےنزدیک وارث کے لئے اقرار مرض الموت میں صحیح نہیں ہے وجہ۔ا۔ مرض الموت میں ورثہ کاحق مال میت سے متعلق ہوجاتا ہے۔۲۔لاوصیۃ لوارث ابھی مرفوع حدیث گذری جوابوداؤدترمذی اورمسند احمداوربیہقی میں مرفوعاًوارد ہے اورامام شافعی نے اس کومتواترقراردیاہےاورمرض الموت میں اقرار تو وصیت ہی کے حکم میں ہوتاہے۔اس لئے یہ اقرار ورثہ کے لئے صحیح نہیں ہے جیسے ورثہ کے لئے وصیت صحیح نہیں ہے۔۳۔مریض کومرض وفات میں ہرقسم کے تبرعات سے منع کیاجاتاہے کہ کسی وارث کوکسی قسم کاتبرع نہ کرےتواقرار سے بھی منع کیا جائے گااوراگروارث کے لئے اقرار کرےتواس کوجاری نہ کیاجائے گا۔ **وقال بعض الناس لا یجوز اقرارہ لسوء الظن بہ للورثۃ:**۔امام ابوحنیفہ پر اعتراض ہے۔ا۔کہ آپ مریض کے ساتھ کیوں بدظنّی کرتے ہیں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدظنّی سے منع فرمایاہےاورحدیث نقل فرمادی ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث خیانت کی مذمت والی حدیث نقل کی کہ خیانت تو منافق کی علامت ہے گویاامام ابوحنیفہ اس مریض کومرض الموت میں خیانت پرمجبورفرمارہے ہیں کہ دین کااقرارنہ کرےاورخیانت کرےاورآیت نقل فرمادی ان اللہ یا مر کم ان تو دوا الا ما نات الی اھلھا. جواب۔ا۔ان دونوں اعتراضوں کاہم جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں مریض کااپناقصور ہے کہ اُس نے ایسی صورت اختیارکی کہ وہ بدظنّی کاموقعہ ہےہم نے بدظنّی نہیں کی مریض نے خوداپنے آپ کوبدظنّی کے موقعہ پرکھڑاکردیااوراس حدیث پاک پر عمل چھوڑدیااتقوامواضع التھم ایسے ہی ہم نے اُسے خیانت پرمجبورنہیں کیا بلکہ وہ خودباقی وارثوں کے ساتھ خیانت کی تہمت کی جگہ کھڑاہورہاہےکیادوسرے ورثہ کو خیانت کاشبہ نہ ہوگاکہ ہماراحق اس ایک وارث کودے رہاہےاسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اگردین کاسبب ظاہرہوتواقرار صحیح ہے کیونکہ اس میں تہمت کااحتمال نہیں ہے۔۲۔دوسری بات اس موقعہ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ مسلک توائمہ اربعہ کاہے کہ مرض وفات میں مریض کااقرارکسی وارث کے دین کے لئے صحیح نہیں ہے جیساکہ ابھی اختلاف گذرااس لئے اگراعتراض کرناہی تھاامام بخاری نے تو چاروں اماموں پرکرتے یہ کیوں کیاکہ صرف بعض الناس کے لفظ سے اعتراض فرمادیاجوعلامت ہےاعتراض علی ابی حنیفۃ کی اگرامام بخاری کااونچامقام نہ ہوتاتو اس کوقلت علم بھی کہاجاسکتاتھااورسوءالظن بالاکابربھی کہاجاسکتاتھا۔ **ثم استحسن**:۔یہ امام ابوحنیفہ پرتیسرااعتراض ہے کہ آپ کی کلام میں تعارض ہے۔مریض کے لئے اقرارکی تو آپ اجازت نہیں دیتے کہ دین کااورقرضہ کااقرارمعتبرنہیں ہےلیکن مریض مرض الوفات میں ودیعۃ کااقرارکرے کہ یہ فلاں کی ودیعت ہے یامال بضاعہ کااقرارکرے کہ یہ مال فلاں کاہے میرے پاس صرف بیچنے کے لئے رکھاہے کہ میں بیچ دوں نفع سارے کاساراما لک کاہی ہے اسی کوبیع بضاعۃ اورعقد بضاعہ کہتے ہیں یامریض کہے کہ یہ مال مضاربت ہےاورفلاں اس کامالک ہے

اوران تینوں صورتوں میں جس کے لئے اقرار کرے وہ اگر چہ وارث ہی ہوتو اس کو آپ جائز قرار دیتے ہیں۔ جواب۔ یہ تینوں صورتیں امانت کی ہیں امانت اور دین میں فرق ہوتا ہے تعجب کی بات ہے کہ امام بخاری جیسے محقق پر دین اور عین کا فرق مخفی رہ گیا۔ پھر اعتراض میں استحسان کے معنی قیاس خفی کے ہیں۔

باب تاویل قول اللہ تعالیٰ من بعد وصیة توصون بها او دین: غرض وجہ بیان کرنی ہے کہ دین ذکر میں موخر ہے اور اداء میں وصیت پر مقدم ہے اس کی کیا وجہ ہے مختلف توجیہات ہیں۔۱۔ وصیت نیکی اور احسان ہے اور واجب سے زائد ایک چیز ہے اور دین صرف اداء واجب ہے اس لحاظ سے وصیت کا درجہ اونچا ہے اسی لئے وصیت کا ذکر پہلے ہے۔۲۔ وصیت ورثہ پر زیادہ شاق ہے کیونکہ وہ بلا عوض دینا ہے اسی لئے اس کو پہلے ذکر فرمایا کہ کہیں وصیت رہ نہ جائے۔۳۔ دین کا مطالبہ کرنے والا دائن موجود ہوتا ہے اور وصیت کا مطالبہ کرنے والا عموماً موجود نہیں ہوتا پس وہ موقعہ ہے کوتاہی کا س اس لئے کوتاہی سے بچانے کے لئے اس کو پہلے ذکر فرمایا۔

باب اذا وقف اواوصیٰ لا قاربه ومن الا قارب

دوغرضیں ہیں۔۱۔ وقف اور وصیت اقارب کے لئے جائز ہے۔۲۔ اقارب کا مصداق کیا ہے۔ پھر اقارب کے مصداق میں اختلاف ہے عندامامنا ابی حنیفة مصداق اقارب کا سب ذی رحم محرم ہیں سوائے والدین اور اولاد کے کیونکہ ان کو اقارب نہیں کہا جاتا۔ وعند الشافعی واحمد اقارب کا مصداق وہ رشتہ دار ہیں جو باپ اور دادا پردادا اور اُن سے اوپر کے دادوں میں شریک ہوں۔ وعند مالک اقارب کا مصداق وہ ہیں جن کو وراثت میں عصبہ کہتے ہیں وارث ہو یا نہ ہو۔ پھر ترجیح قول حنفیہ کو ہے کیونکہ حنفیہ کا مقام لغت میں بھی بہت اونچا ہے۔ پھر امام بخاری بظاہر امام شافعی کے مسلک کی طرف مائل ہیں۔ پھر اس باب سے امام بخاری وقف کے مسائل شروع فرمارہے ہیں حضرت انورشاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ امام بخاری نے وقف کے مسائل میں صاحبین کے اقوال کی موافقت کی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امام بخاری نے وقف کے مسائل کی بنیاد محمد بن عبیداللہ انصاری کی کتاب کو بنایا ہے اور وہ محمد بن عبیداللہ امام زفر کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور ان کو انصاری اس لئے کہتے تھے کہ یہ حضرت انس ابن مالک انصاری کی چھٹی پشت میں سے تھے۔

باب هل يدخل النساء والولد فی الا قارب

غرض یہ ہے کہ اقارب کے لفظ میں عورتیں بھی داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد نازل ہوا تھا وانذر عشیرتک الاقربین اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ۔ جو پھوپھی تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کو اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کو بھی داخل فرمایا تھا سوال۔ یہ تو تذکیر اور وعظ ونصیحت میں عورتوں کو داخل کرنا ثابت ہوا۔ وصیت اور صدقہ میں داخل کرنا تو ثابت نہ ہوا۔ جواب امام بخاری ان فرقوں کا اعتبار نہیں فرماتے۔

باب هل ينتفع الواقف بوقفه

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ وقف کرنے والا خود بھی اپنے وقف سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکتا ہے اور یہی جمہور ائمہ کا مسلک ہے اس کو ثابت کرنے کیلئے حدیث بیان فرمائی ھدی کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی لے جانے والے کو اُس ھدی پر سوار ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ بظاہر ھدی میں اور وقف میں فرق ہوتا ہے ایک دوسرے پر قیاس نہ ہونا چاہئے۔ لیکن امام بخاری اس قسم کے فرق کو قیاس میں مضر خیال نہیں فرماتے اسلئے وہ قیاس فرمالیتے ہیں۔

باب اذا وقف شيئاً فلم يدفعه الى غيره فهو جائز

غرض یہ ہے کہ وقف کو اگر وقف اپنے قبضہ میں ہی رہنے دے اور ولی خود ہی بن جائے تو یہ بھی جائز ہے گویا وقف میں اور ھبہ میں فرق ہے۔ ھبہ میں تو واہب کے قبضہ سے نکلنا اور موہوب لہ کا قبضہ کرنا ضروری شمار کیا گیا ہے۔ لیکن وقف میں یہ ضروری نہیں ہے۔

باب اذا قال داری صدقة لله ولم يبين الفقراء او غيرهم فهو جائز

غرض یہ ہے کہ وقف میں فقراء کا متعین کرنا ضروری نہیں ہے۔

باب اذا قال ارضی اوبستانی صدقة عن امی فهو جائز وان لم يبين لمن ذلك: غرض یہ ہے کہ ماں باپ وغیرہ کی طرف سے بھی صدقہ کرنا بصورت وقف جائز ہے۔

باب اذا تصدق او وقف بعض ماله او بعض رقيقه او دوابه فهو جائز

غرض دو مسئلوں کا بیان کرنا ہے۔۱۔ مشاع کا وقف جائز ہے یعنی ایک زمین کا آدھا مثلاً وقف کر دیا اور آدھا حصہ اپنے پاس رہنے دیا اور تقسیم نہ کیا تو یہ وقف مشاع ہوا۔۲۔ منقولات کا وقف بھی جائز ہے جیسے غلام گھوڑے وغیرہ ان دونوں مسئلوں میں امام بخاری نے ہمارے امام ابوحنیفہ کی مخالفت فرمائی ہے اور جمہور ائمہ کی موافقت فرمائی ہے۔ **پہلا اختلافی مسئلہ منقول کا وقف:**۔ عندامنا

منا منقول کا وقف جائز نہیں ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ ولنا۔ وقف قیامت تک کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے اس کا مصداق وہی چیزیں ہوسکتی ہیں جو باقی رہیں۔ اور ظاہر ہے کہ منقولات جلدی ختم ہونے والی چیزیں ہوتی ہیں اس لئے ان میں وقف جاری نہیں ہوسکتا۔ وللجمہور آئندہ باب کی روایت عن انس حضرت ابوطلحہ کا قول نقل فرمایا جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا وان احبّ اموالی الیّ بیرحاء کہ میرے اموال میں سے سب سے پیارا میرے لئے یہ بیرحاء کا باغ ہے اس باغ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف فرمایا تھا تو احب اموالی میں ہر قسم کا مال داخل ہے خواہ وہ منقول ہو یا عقار ہو۔ معلوم ہوا کہ ہر قسم کا مال منقول اور غیر منقول قابل وقف ہے۔ جواب جب اس کی تفسیر باغ کے ساتھ فرمادی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی باغ کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تو صرف احبّ اموالی اپنے عموم پر باقی نہ رہا۔ اس لئے استدلال مناسب نہیں ہے۔ **دوسرا اختلافی مسئلہ مشاع کا وقف** عندنا امامنا مشاع کا وقف صحیح نہیں ہے وعند الجمہور صحیح ہے۔ ولنا۔ وقف اور غیر وقف میں فرق کرنا ضروری ہے اور مشاع کی صورت میں یہ فرق نہیں ہوتا کیونکہ مشاع کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اپنی زمین کا نصف وقف کیا اور نصف وقف نہ کیا اور تقسیم بھی زمین کو نہیں کیا یہ صحیح نہیں ہے بوجہ خلط مذکور کے وللجمہور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت ابوطلحہ نے دو صحابیوں پر باغ کو وقف فرمایا جیسا کہ آئندہ باب کی روایت میں ہے عن انس فتصدق بہ ابوطلحۃ علی ذوی رحمہ قال وکان منہم ابی وحسان یہ مشاع کا وقف پایا گیا۔ جواب یہ مشاع بین الفقراء ہے اس میں اختلاف نہیں ہے اختلاف تو اس صورت میں ہے کہ ایک زمین وغیرہ میں سے آدھا حصہ وقف ہو آدھا وقف نہ ہو مشاع بین الوقف وغیر الوقف ہو اور یہاں صرف اشتراک بین الفقراء ہے اس لئے اس روایت کی صورت محل نزاع سے خارج ہے۔ **باب من تصدق الی وکیلہ ثم رد الوکیل الیہ** :۔ غرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے صدقہ اور وقف کو اپنے وکیل کے سپرد کرے اور وکیل پھر اصل مالک ہی کے سپرد کردے تو صحیح ہے اور اس صدقہ اور وقف کا انتظام پھر دوبارہ اصل مالک ہی کے اختیار میں ہوجائے گا۔

باب قول اللہ عزوجل واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ والیتامیٰ والمساکین فارزقوھم منہ

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے پھر اس آیت مبارکہ کی دو اہم تفسیریں ہیں۔ ا۔ تقسیم کے وقت اگر ایسے رشتہ دار آجائیں جن کا کچھ حصہ وراثت میں سے نہیں ہے تو وارثوں کو چاہئے کہ اُن آنے والے رشتہ داروں کو کچھ نہ کچھ دے دیں۔ یہ دینا پہلے واجب تھا۔ پھر آیت وراثت کی وجہ سے ان کا حصہ ختم ہوگیا اور یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ اور یہی جمہور مفسرین حضرات کا قول ہے۔ ۲۔ دوسری اہم تفسیر اس آیت کی ہے کہ یہ مذکورہ حکم استحبابی ہے اور اب بھی باقی ہے بعض مفسرین نے اسی کو لیا ہے۔ اس باب کی روایت میں بھی اسی دوسری تفسیر ہی کا اصل ذکر ہے اور ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری بھی اسی کو لے رہے ہیں۔ **وال یرث وذاک الذی یرزق** :۔ ایک والی ایسا ہوتا ہے جو وارث ہوتا ہے۔ مثلاً میت کا بیٹا جو ہو بھی بالغ اس کے لئے مستحب ہے کہ آنے والوں کو کچھ نہ کچھ دے دے۔ **ووال لا یرث فذلک الذی یقول بالمعروف** :۔ ایک والی ایسا ہوتا ہے جو وارث نہیں ہوتا مثلاً میت کے نابالغ بیٹے کا متولی یہ متولی تو وارث نہیں ہے یہ قول بالمعروف کرے گا اور آنے والوں سے کہہ دے گا کہ میں یہ حق نہیں رکھتا کہ نابالغ وارث کے مال میں سے آپ کو کچھ دے سکوں۔

باب ما یستحب لمن یتوفیٰ فجاءۃ ان یتصدقوا عنہ وقضاء النذور عن المیت

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ا۔ جو شخص اچانک فوت ہوگیا ہو مستحب ہے کہ اس کی طرف سے اس کے وارث کچھ خیرات کردیں کہ شاید اگر اس کو موقعہ ملتا تو وہ کچھ نہ کچھ خیرات کی وصیت کرتا۔ ۲۔ جو نذر مرنے والے نے مانی ہو مستحب ہے کہ اس کو پورا کردیا جائے اور یہ استحباب اس وقت ہے جبکہ اس نے وصیت نہ کی ہو اور اگر وصیت کی ہو تو ثلث مال میں سے اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

باب الاشہاد فی الوقف والصدقۃ والوصیۃ

غرض یہ ہے کہ وقف میں اور صدقہ میں اور وصیت میں گواہ بنالینا مستحب ہے۔

باب قول اللہ عزوجل وآتوا الیتامیٰ اموالھم الآیۃ

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے سوال۔ اس آیت میں تو یتامیٰ کے احکام ہیں ان احکام کی مناسبت وقف کے ابواب سے نہیں ہے پھر اس باب کو یہاں کیوں رکھا۔ جواب۔ مناسبت موجود ہے اور وہ اس طرح سے کہ وقف کے انتظامات کے لئے بھی متولی کی ضرورت ہوتی ہے اور یتیم کے مال کے انتظامات کے لئے بھی متولی کی ضرورت ہوتی ہے اس لحاظ سے دونوں مسئلے ایک دوسرے کے مناسب ہیں۔

باب قول اللہ عزوجل وابتلوا الیتامیٰ الآیۃ وما للوصی ان یعمل فی مال الیتیم وما یاکل منہ بقدر عمالۃ

دو غرضیں ہیں۔ ا۔ آیت کی تفسیر ۲۔ موصی کا حکم بیان کرنا کہ وہ یتیم کے مال کا انتظام

کرے گا اور انتظام کی مشغولی کی وجہ سے مناسب تنخواہ لینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے اور یتیم کے باب کی مناسبت وقف کے ابواب کے ساتھ گزشتہ باب میں ذکر کی جاچکی ہے۔

باب قول الله تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونهم نارا

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر کا بیان ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ یتیم کا مال کھانا حرام ہے۔

باب قول الله عزوجل ویسئلونک عن الیتامیٰ قل اصلاح لهم خیر وان تخالطوهم فاخوانکم والله یعلم المفسد من المصلح الآیة

غرض آیت کی تفسیر ہے اور یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ انتظامات کی آسانی کے لئے یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانا جائز ہے بشرطیکہ نیت ٹھیک ہو یتیم کا مال کھانا مقصود نہ ہو بلکہ انتظامات کی آسانی اور یتیم کے مال کی ضائع ہونے سے حفاظت مقصود ہو۔ مارد ابن عمر علی احد وصیة: غرض یہ ہے کہ جو صاحب بھی حضرت ابن عمر کو وصی بنانا چاہتے اور یتیم کو ان کی کفالت میں دینا چاہتے تو حضرت ابن عمر اس کی پیش کش کو رد نہ فرماتے تھے۔ اور یتیم کے کفیل بن جاتے تھے اور مقصد ثواب حاصل کرنا ہوتا تھا۔ وقال عطاء فی الیتامیٰ الصغیر والکبیر ینفق الولی علی کل انسان بقدرہ من حصتہ اس عبارت میں صغیر سے مراد غریب اور ایسے خاندان کا مراد ہے جو تھوڑے مال سے گذارا کر لیتے ہیں اور کبیر سے مراد یہ ہے کہ امیر خاندان کا ہو جو وسعت کے ساتھ خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور بقدرہ سے مراد یہ ہے کہ اس کے حال کے مناسب ہو اور من حصتہ سے مراد اُس یتیم کا مالُ ہے حاصل یہ ہوا۔ کہ یتیم اگر امیر اور خوش حال خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے مناسب ولی یتیم کے مال میں سے یتیم پر خرچ کرے اور اگر غریب خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے مناسب ولی یتیم کے مال میں سے خرچ کرے۔

باب استخدام الیتیم فی السفر والحضر اذا کان صلاحاً له ونظر الام او زوجها للیتیم

غرض یہ ہے کہ۔ا۔ اگر یتیم کی مصلحت اسی میں ہو کہ اسکو کسی کا سفر وحضر کا خادم بنادیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔۲۔ اور دوسری غرض یہ ہے کہ یتیم کی والدہ کو اور یتیم کے سوتیلے باپ کو یتیم کی مصلحتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ ما قال لی لشیٔ صنعتہ لم صنعت هذا هکذا: اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم کا کمال بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دس سال حضرت انس نے خدمت کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا فداہ ابی وامی ونفسی صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب اذا وقف ارضاً ولم یبین الحدود فهو جائز و کذلک الصدقة:

غرض یہ ہے کہ اگر کسی باغ یا زمین کی حدود مشہور ہوں تو وقف کرتے وقت اُن سب حدود کا بتلانا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وقف کرنے کے بعد حدود کی تعیین کردے۔

باب اذا وقف جماعة ارضاً مشاعاً فهو جائز

غرض یہ ہے کہ چند آدمیوں کی زمین مشترک ہو وہ سب کے سب اس زمین کو وقف کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے۔ قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الی الله: یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے بنی النجار نے اس زمین کو وقف کیا تھا مسجد نبوی کے لئے لیکن راجح یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے خرید لی تھی اور اپنی طرف سے مسجد بنائی تھی اس لئے امام بخاری کا مشاع قرار دینا مناسب نہیں ہے۔

باب الوقف وکیف یکتب

غرض وقف کے لکھنے کا طریقہ بتلانا ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث پاک میں ہے اور یہ غیر مسجد میں پہلا وقف ہے اسلام میں

باب الوقف للفقیر والغنی والضیف

غرض یہ ہے کہ وقف میں مصرف کا فقیر ہونا شرط نہیں ہے۔ ضیف بھی کبھی امیر ہوتا ہے کبھی فقیر ہوتا ہے۔ **باب وقف الارض للمسجد**: غرض یہ ہے کہ مسجد کے لئے زمین کا وقف کرنا جائز ہے اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔

باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت

صامت کے معنیٰ نقد یعنی سونا اور چاندی کے ہیں۔ کراع گھوڑوں کو کہتے ہیں اس باب کی غرض یہ ہے کہ جانور اور گھوڑے اور سامان اور سونے اور چاندی کا وقف کرنا جائز ہے اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ منقولات کا وقف کرنا بھی جائز ہے اور یہ مسئلہ اختلافی ہے اور اختلاف کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔ سوال جب پیچھے یہ مسئلہ بتلا چکے ہیں تو اب دوبارہ امام بخاری نے یہاں کیوں ذکر فرمایا۔ جواب پیچھے اصل ذکر مشاع کا تھا اور منقول کا ذکر تبعاً تھا اور

اب منقول کا ذکر قصداً ہے۔ اس فرق پر دونوں بابوں کی حدیثیں بھی دلالت کرتی ہیں۔ **حمل علیہا**:۔ یہی محل ترجمہ ہے کہ فی سبیل اللہ جہاد وغیرہ کے لئے کسی کو دے دینا لیکن یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اگر وقف ہوتا تو وہ شخص آگے بیچ کیوں کرتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ بھی چل گیا کہ وہ بیچ کر رہا ہے پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا معلوم ہوا کہ وقف نہ تھا بلکہ صدقہ ہی تھا۔ **قد وقفہا**:۔ کھڑا کیا بازار میں وقف شرعی مراد نہیں ہے۔

باب نفقة القیم للوقف

غرض یہ ہے کہ وقف کے قیم کے لئے اُسی وقف کی آمدنی میں سے اپنا خرچہ لینا جائز ہے۔ قیم میں وکیل اور نگران اور اجیر سب داخل ہیں۔ ان سے کے لئے مناسب تنخواہ لینی جائز ہے۔

باب اذا وقف ارضا اوبئر اً واشترط لنفسه مثل دلاء المسلمین

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ وقف کرتے وقت یہ شرط لگا لے کہ میں بھی اس وقف سے نفع اٹھاتا رہوں گا اگر یہ شرط لگا لے گا تو خود اس کے لئے بھی اس وقف سے نفع اٹھانا جائز ہوگا۔ ترجمۃ الباب میں کنویں کی مثال بھی ذکر فرمائی کہ کوئی شخص کنواں وقف کرے اور یہ شرط لگائے کہ باقی مسلمانوں کی طرح میں بھی اس کنویں سے پانی لیتا رہوں گا تو یہ جائز ہے۔ لفظ دلاء جمع ہے دلو کی جس کے معنیٰ ڈول کے ہوتے ہیں کہ میرا ڈول بھی باقی مسلمانوں کے ڈولوں کی طرح ہوگا۔ **للمر دودة**:۔ اس سے مراد مطلقہ ہے۔

باب اذا قال الواقف لا نطلب ثمنه الا الی الله فهو جائز

غرض یہ ہے کہ اُن لفظوں سے وقف صحیح ہو جاتا ہے جو خود مقصود پر دلالت کریں یا قرینہ کی وجہ سے مقصود پر دلالت کریں۔

باب قول الله تعالیٰ یایها الذین اٰمنو اشهادة بینکم اذا حضر احد کم الموت حین الوصیة اثنان ذوا عدل منکم او آخر ان من غیر کم الی قوله لا یهدی القوم الفاسقین

غرض اس آیت کا شان نزول بیان فرمایا ہے اور مناسبت اس باب کی وقف کے بابوں سے اس طرح ہے کہ جس طرح وقف میں قیم اور نگران ہوتا ہے اسی طرح وصیت کا انتظام کرنے والا وصی ہوتا ہے اور اس آیت میں وصی ہی کا ذکر ہے۔ سوال۔ بظاہر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر ہے حالانکہ پیچھے گذر چکا ہے کہ معتبر نہیں ہے معتبر ہونے کا شبہ اس وجہ سے ہے کہ اس آیت میں او آخر ان من غیر کم کی تفسیر حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے کافر مراد ہیں معلوم ہوا کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر ہے۔ جواب۔۱۔ یہ آیت منسوخ ہے حکم کے لحاظ سے گو تلاوت منسوخ نہیں ہے۔۲۔ یہاں دو وصی مراد ہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ یہاں قسم کھانے کا ذکر ہے اور گواہ کے ذمہ قسم نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ دو وصی مراد ہیں۔ اور کافر وصی بن سکتا ہے۔۳۔ یہاں صرف خبر ہے شہادت نہیں ہے اور خبر کی تاکید کے لئے حلفی بیان کا ذکر ہے شہادت شرعیہ مراد نہیں ہے۔ **مخوصاً**:۔ اس کے معنیٰ ہیں کہ اس میں سونے کے نقش تھے

باب قضاء الوصی دین المیت بغیر محضر من الورثة

غرض یہ ہے کہ ورثہ موجود نہ بھی ہوں تو وصی کے لئے میت کے دین کا ادا کرنا جائز ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ورثہ کی موجودگی میں ہی وصی دَین ادا کرے۔

بفضلہ تعالیٰ الخیر الجاری جلد ثالث ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ مکمل ہوئی
جلد رابع کتاب الجہاد سے شروع ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ

کتبہ:۔ محمد سرور عفی عنہ

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نہ باشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نہ باشی
اک آن بھی رحمٰن سے غافل نہ چلو تم
شاید وہ توجہ کریں اور سوئے رہو تم

تمت